

تفسیر الشعر اوی اور بیان القرآن کے مناہج و اسالیب (تقابلی مطالعہ)

مقالہ برائے پی ایچ۔ ڈی علوم اسلامیہ

مقالہ نگار

رضوان حیدر

پی ایچ۔ ڈی سکالر، شعبہ اسلامی فکر و ثقافت

رجسٹریشن نمبر: 656-PhD/IS/ F16



شعبہ اسلامی فکر و ثقافت، فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

سیشن 2022ء

تفسیر الشعر اوی اور بیان القرآن کے مناہج و اسالیب (تقابلی مطالعہ)

مقالہ برائے پی ایچ۔ ڈی علوم اسلامیہ

نگران تحقیق

ڈاکٹر سید عبدالغفار بخاری حفظہ اللہ

ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ اسلامی فکر و ثقافت
نمل اسلام آباد

مقالہ نگار

رضوان حیدر

پی ایچ۔ ڈی سکالر، شعبہ اسلامی فکر و ثقافت
رجسٹریشن نمبر: 656-PhD/IS/ F16



شعبہ اسلامی فکر و ثقافت، فیکلٹی آف سوشل سٹڈیز
نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

سیشن 2022ء

© (رضوان حیدر)



منظوری فارم برائے مقالہ و دفاع مقالہ

(Thesis and Defense Approval Form)

زیر دستخط تصدیق کرتے ہیں کہ انہوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھا اور مقالہ کے دفاع کو جانچا ہے، وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف سوشل سائنسز کو اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالہ بعنوان: تفسیر الشعراوی اور بیان القرآن کے مناجج و اسالیب (تقابلی مطالعہ)

The style and methodology of Tafseer ush Sha'rawi and Bayan ul Quran" (A Comparative study)

Tasfeer ush Sha'rawi aur Bayanu ul Quran ke Manahij o Asaleeb (Taqabuli Mutalia)

نام ڈگری: ڈاکٹر آف فلاسفی علوم اسلامیہ

نام مقالہ نگار: رضوان حیدر

رجسٹریشن نمبر 656-PhD/IS/ F16

ڈاکٹر سید عبدالغفار بخاری

(نگران مقالہ)

دستخط نگران مقالہ

پروفیسر ڈاکٹر مستفیض احمد علوی

(صدر، شعبہ اسلامی فکر و ثقافت)

دستخط صدر، شعبہ اسلامی فکر و ثقافت

پروفیسر ڈاکٹر خالد سلطان

(ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز)

دستخط ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز

پروفیسر ڈاکٹر عامر اعجاز

(پرو ریٹرائٹڈ کس)

دستخط پرو ریٹرائٹڈ کس

ميجر جنرل (ر) محمد جعفر

(ریٹائرمنٹ)

دستخط ریٹائرمنٹ

تاریخ-----

حلف نامہ فارم

(Candidate Declaration Form)

میں رضوان حیدر

ولد مظفر حسین

رول نمبر: PD- F16-089

رجسٹریشن نمبر: 656-PhD/IS/ F16

طالب علم، پی ایچ ڈی، شعبہ اسلامی فکر و ثقافت، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز (نمل) اسلام آباد حلفاً اقرار کرتا ہوں کہ مقالہ بعنوان: **تفسیر الشعر اوی اور بیان القرآن کے مناجج و أسالیب (تقابلی مطالعہ)**

The style and methodology of Tafseer ush Sha'rawi and Bayan ul Quran" (A Comparative study)

Tafseer ush Sha'rawi aur Bayanu ul Quran ke Manahij o Asaleeb (Taqabuli Mutalia)

پی ایچ ڈی علوم اسلامیہ کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے سلسلہ میں پیش کیا گیا ہے، اور ڈاکٹر عبدالغفار بخاری، کی نگرانی میں تحریر کیا گیا ہے، راقم الحروف کا اصل کام ہے، اور یہ کہ مذکورہ کام نہ تو کہیں اور جمع کرایا گیا ہے، نہ ہی پہلے سے شائع شدہ ہے اور نہ ہی مستقبل میں کسی بھی ڈگری کے حصول کے لیے کسی دوسری یونیورسٹی یا ادارے میں میری طرف سے پیش کیا جائے گا۔

میں اس بات کو جانتا ہوں کہ ایچ ای سی (HEC) اور نمل (NUML) علمی سرقت (Plagiarism) کے حوالے سے عدم برداشت کی پالیسی پر سختی سے عمل پیرا ہے۔ اس لیے میں بطور مقالہ نگار اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ یہ میرا ذاتی علمی کام ہے۔ اس مقالہ کا کوئی حصہ بھی سرقت شدہ نہیں ہے۔ اور میں نے جہاں سے بھی کسی علمی کام کو اپنے مقالے میں شامل کیا ہے اس کا باقاعدہ حوالہ دیا ہے۔ میں اس بات کا بھی اقرار کرتا ہوں کہ اگر میرے مقالے میں کسی بھی قسم کا سرقت پایا جائے تو یونیورسٹی میری ڈگری کو ختم کرنے / واپس لینے کا اختیار رکھتی ہے۔

نام مقالہ نگار: رضوان حیدر

دستخط مقالہ نگار:

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

(Abstract)

The thesis has been composed on the topic: **“The style and methodology of Tafseer ush Sha’rawi and Bayan ul Quran” (A Comparative study)**

Tafseer is one of the most important fields of Islamic studies and a source of Dawah and guidance. This research is aimed to describe and compare the style and methodology adopted by Sheikh Muhammad Mutawalli Ash-Sha’raawi and Dr Israr Ahmed in their respective Tafseer (Tafseer ush Sha’raawi and Bayan ul Quran). Both the scholars devoted their lives for the service of Islam and the Noble Quran and gave a new color to Quranic Dawah by using modern media. Sha’raawi narrated the first complete oral Tafseer in Arabic and Dr. Israr narrated the first complete oral Tafseer in Urdu language.

The thesis consists of a preface, five chapters, conclusions, recommendations and bibliography. The first chapter contains the introduction of both exegetes and their Tafseer. The second and third chapter has the comparison of the methodology adopted by Sha’rawi and Dr Israr in Tafseer bir Riwaya and Tafseer bir Ray respectively. The fourth chapter contains a comparison about Uloom ul Quran whereas the fifth chapter has a comparison of the ideology presented by both.

The influence of the intellectual background of both exegetes is evident in their Tafseer. In these two Tafsirs, on the one hand, a beautiful combination of *Tafsir Bil Mathur* and *Tafsir Bal Ray* can be seen, while on the other hand, scientific Tafsir and speech regarding various modern issues can be found. Similarly, in both commentaries *Israeliyat*, sectarian debates and other unnecessary details have been avoided. It is as if both the exegetes targeted the practical application of the Holy Quran in the present age, for which they have adopted the style of invitation and reform and

have guided towards the diagnosis, causes and comprehensive solutions of the problems of the Ummah.

In Tafsir Ash-Sha'rawi, the literal interpretation is dominant, while in terms of other different topics, both the Tafsirs are diverse and complement each other. Sha'rawi emphasizes personal reform and advice while Dr. Israr is convinced of implementing religion through movement by creating an organized group of reformed people. The spirit of action could be renewed, and a constant lesson of life could be derived for next generations through the literary work of these two legendary scholars of the present era.

Keywords: Qur'an, Oral, Tafseer, Comparison, Methodology, Exegetes.

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
1	مقالہ منظوری کا فارم	IV
2	حلف نامہ (Declaration)	V
3	ملخص مقالہ (Abstract)	V I
4	فہرست مضامین (Table of contents)	V III
5	اظہار تشکر (A word of thanks)	XII
6	انتساب (Dedication)	XIII
7	مقدمہ	XIV
8	باب اول: تعارف مفسرین و کتب تفاسیر	1
9	فصل اول: شیخ محمد متولی الشعر اوی کے سوانح حیات	2
10	مبحث اول: شیخ محمد متولی الشعر اوی اور مصر کے سیاسی و معاشرتی احوال	3
11	مبحث دوم: شیخ محمد متولی الشعر اوی کے احوال زندگی	8
12	مبحث سوم: شیخ محمد متولی الشعر اوی کے علمی و دعوتی کارنامے	26
13	فصل دوم: ڈاکٹر اسرار احمد کے سوانح حیات	39
14	مبحث اول: ڈاکٹر اسرار احمد کے احوال زندگی	40
15	مبحث دوم: ڈاکٹر اسرار احمد کے علمی اور دعوتی کارنامے	52
16	مبحث سوم: ڈاکٹر اسرار احمد کی نظر میں مسلمانان پاکستان کے سیاسی، سماجی اور مذہبی احوال	74
17	فصل سوم: تفسیر الشعر اوی اور بیان القرآن کا تعارف	81
18	مبحث اول: تفسیر الشعر اوی (خواطر حول القرآن الکریم) کا تعارف	82
19	مبحث دوم: بیان القرآن (ڈاکٹر اسرار احمد) کا تعارف	102
20	باب دوم: تفسیر بالماثور کے اعتبار سے شعر اوی اور ڈاکٹر اسرار کی تفسیری آراء کا تقابلی جائزہ	128
22	فصل اول: تفسیر القرآن بالقرآن میں دونوں مفسرین کے منہج کا تقابل	129
23	مبحث اول: تفسیر القرآن بالقرآن میں شعر اوی کا منہج	132

24	مبحث دوم: تفسیر القرآن بالقرآن میں ڈاکٹر اسرار احمد کا منہج	144
25	مبحث سوم: تفسیر القرآن بالقرآن میں دونوں مفسرین کے منہج کا تقابلی جائزہ	154
26	فصل دوم: تفسیر القرآن بالحدیث میں دونوں مفسرین کے منہج کا تقابل	160
27	مبحث اول: تفسیر القرآن بالحدیث میں شعر اوی کا منہج	161
28	مبحث دوم: تفسیر القرآن بالحدیث میں ڈاکٹر اسرار احمد کا منہج	176
29	مبحث سوم: تفسیر القرآن بالحدیث میں دونوں مفسرین کے منہج کا تقابلی جائزہ	189
30	فصل سوم: تفسیر القرآن باقوال الصحابہ والتابعین میں دونوں مفسرین کے منہج کا تقابل	196
31	مبحث اول: تفسیر القرآن باقوال الصحابہ والتابعین میں شعر اوی کا منہج	198
32	مبحث دوم: تفسیر القرآن باقوال الصحابہ والتابعین میں ڈاکٹر اسرار احمد کا منہج	205
33	مبحث سوم: تفسیر القرآن باقوال الصحابہ والتابعین میں دونوں مفسرین کے منہج کا تقابلی جائزہ	211
34	فصل چہارم: اسرائیلیات کے حوالے سے دونوں مفسرین کے منہج کا تقابل	212
35	مبحث اول: اسرائیلیات کے حوالے سے شعر اوی کا منہج	216
36	مبحث دوم: اسرائیلیات کے حوالے سے ڈاکٹر اسرار احمد کا منہج	220
37	مبحث سوم: اسرائیلیات کے حوالے سے دونوں مفسرین کے منہج کا تقابلی جائزہ	224
38	باب سوم: تفسیر بالرأے کے اعتبار سے شعر اوی اور ڈاکٹر اسرار احمد کے منہج کا تقابلی جائزہ	231
39	مقدمہ: تفسیر بالرأے کی تعریف اور اقسام	232
40	فصل اول: قرآن کریم کی لغوی تفسیر میں دونوں مفسرین کے منہج کا تقابلی مطالعہ	237
41	مبحث اول: لغوی تفسیر میں امام شعر اوی کا منہج	240
42	مبحث دوم: لغوی تفسیر میں ڈاکٹر اسرار احمد کا منہج	254
43	مبحث سوم: لغوی تفسیر میں دونوں مفسرین کے منہج کا تقابلی جائزہ	262
44	فصل دوم: قرآن کریم کی علمی تفسیر میں دونوں مفسرین کے منہج کا تقابلی مطالعہ	268
45	مبحث اول: علمی تفسیر میں امام شعر اوی کا منہج	271
46	مبحث دوم: علمی تفسیر میں ڈاکٹر اسرار احمد کا منہج	279
47	مبحث سوم: علمی تفسیر میں دونوں مفسرین کے منہج کا تقابلی جائزہ	290
48	فصل سوم: آیات احکام کی تفسیر (فقہی تفسیر) میں دونوں مفسرین کے منہج کا تقابلی مطالعہ	299

49	مبحث اول: آیات احکام کی تفسیر میں امام شعرای کا منہج	300
50	مبحث دوم: آیات احکام کی تفسیر میں ڈاکٹر اسرار احمد کا منہج	313
51	مبحث سوم: آیات احکام کی تفسیر میں دونوں مفسرین کے منہج کا تقابلی جائزہ	327
52	باب چہارم: علوم قرآن میں شیخ محمد متولی الشعرای اور ڈاکٹر اسرار احمد کی آراء کا تقابلی جائزہ	336
53	فصل اول: ناسخ و منسوخ کے حوالے سے دونوں مفسرین کا منہج اور اس کا تقابلی جائزہ	337
54	مبحث اول: قرآن میں ناسخ و منسوخ کے حوالے سے امام شعرای کا موقف	341
55	مبحث دوم: قرآن میں ناسخ و منسوخ کے حوالے سے ڈاکٹر اسرار احمد کا موقف	350
56	مبحث سوم: قرآن میں ناسخ و منسوخ کے حوالے سے دونوں مفسرین کے منہج کا تقابلی جائزہ	354
57	فصل دوم: مکی و مدنی کے حوالے سے دونوں مفسرین کا منہج اور اس کا تقابلی جائزہ	357
58	مبحث اول: مکی و مدنی قرآن کے حوالے سے امام شعرای کا منہج	359
59	مبحث دوم: مکی و مدنی قرآن کے حوالے سے ڈاکٹر اسرار احمد کا منہج	363
60	مبحث سوم: مکی و مدنی قرآن کے حوالے سے دونوں مفسرین کے منہج کا تقابلی جائزہ	369
61	فصل سوم: اسباب نزول کے حوالے سے دونوں مفسرین کا منہج اور اس کا تقابلی جائزہ	370
62	مبحث اول: اسباب نزول کے بیان میں امام شعرای کا منہج	372
63	مبحث دوم: اسباب نزول و سبب نزول کے بیان میں ڈاکٹر اسرار احمد کا منہج	380
64	مبحث سوم: اسباب نزول کے بیان میں دونوں مفسرین کے منہج کا تقابلی جائزہ	385
65	فصل چہارم: علم مناسبات کے حوالے سے دونوں مفسرین کا منہج اور اس کا تقابلی جائزہ	389
66	مبحث اول: علم مناسبات میں ڈاکٹر اسرار احمد کا منہج	398
67	مبحث دوم: علم مناسبات میں امام شعرای کا منہج	407
68	مبحث سوم: علم مناسبات میں دونوں مفسرین کے منہج کا تقابلی جائزہ	415
69	باب پنجم: تفسیر الشعرای اور بیان القرآن میں منہج دعوت اور باطل نظریات و فرقہ کار	418
70	فصل اول: تفسیر الشعرای اور بیان القرآن کے منہج دعوت و اصلاح کا تقابلی جائزہ	419
71	مبحث اول: امام شعرای کا منہج دعوت و اصلاح	421
72	مبحث دوم: ڈاکٹر اسرار احمد کا منہج دعوت و اصلاح	446
73	مبحث سوم: دونوں مفسرین کے منہج دعوت و اصلاح کا تقابلی جائزہ	471

478	فصل دوم: دونوں تفسیروں میں اسلام مخالف نظریات اور منحرف فرقوں کے رد کا اسلوب	74
479	مبحث اول: تفسیر الشعراوی میں نظریات باطلہ اور منحرف فرقوں کا رد	75
495	مبحث دوم: بیان القرآن میں نظریات باطلہ اور منحرف فرقوں کا رد	76
509	مبحث سوم: دونوں تفاسیر میں نظریات باطلہ اور منحرف فرقوں کے رد کا تقابلی جائزہ	77
515	خلاصہ بحث	78
517	نتائج	79
519	سفارشات	80
520	فہرست آیات	81
533	فہرست احادیث	82
536	فہرست اعلام	84
539	فہرست مصادر و مراجع	86

اظہارِ تشکر

(A Word of Thanks)

میں سب سے پہلے اپنے رحیم و کریم پروردگار، اللہ جل جلالہ کا شکر ادا کرتا ہوں، جنہوں نے اپنے خاص فضل سے مجھے یہ مقالہ مکمل کرنے کی سعادت عطا فرمائی اور پھر لا متناہی درود و سلام ہوں جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی پر جن کی رحمت تمام جہانوں کے لئے ہے۔ میں حد درجہ شکر گزار ہوں ہائر ایجوکیشن کمیشن (HEC) کا جنہوں نے مجھے (Indigenous Scholarship) کے لیے منتخب فرما کر ایم فل سے پی ایچ ڈی تک کا سفر طے کرنے کا موقع عطا فرمایا۔

اس کے بعد میں ہر اس شخص کا تہ دل سے شکر گزار ہوں جس نے کسی بھی طرح سے مقالہ نگاری میں میری رہنمائی کی، بالخصوص جناب ڈاکٹر سید عبدالغفار بخاری صاحب کا میں بے حد مشکور ہوں جنہوں نے اپنی تمام تر مصروفیت کے باوجود انتہائی خلوص کے ساتھ میری ہر ممکن رہنمائی فرمائی اور اپنے تبحر علمی اور مشفقانہ رویے سے میری حوصلہ افزائی کی جس کے نتیجے میں میں اپنے اس مقالہ کو اس مقام تکمیل تک پہنچانے میں کامیاب ہوا۔ میں نمل یونیورسٹی کے شعبہ علوم اسلامیہ اور اس کے جملہ اساتذہ کرام کا بھی بے حد ممنون و مشکور ہوں کہ جنہوں نے میرے ساتھ یونیورسٹی میں داخلے سے لیکر مقالے کی تکمیل تک معاونت کی۔

میں بے حد ممنون و مشکور ہوں اپنے والدین کا، اپنے بہن بھائیوں کا، اپنے بیوی بچوں اور عزیز و اقارب کا جنہوں نے خود بھی صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا اور مجھے ترغیب دلائی، حوصلہ دیا، رہنمائی فرمائی اور اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی خصوصی دعاؤں میں مجھے یاد رکھا کہ آج یہ ساری تحقیق ان ہی کی دعاؤں کا ثمرہ ہے، اللہ کریم ان سب کو میری جانب سے دنیا و آخرت میں بہترین اجر عطا فرمائے۔ آمین

رضوان حیدر

انتساب (Dedication)

اپنے مرحوم والد محترم "مظفر حسین" اور جنت ارضی والدہ محترمہ (طال اللہ عمرہا)

کے نام اور اپنی بیوی بچوں کے نام

جن کی قربانیوں، دعاؤں اور تعاون سے میں یہ مقالہ مکمل کر سکا۔

مقدمہ

الحمد لله رب العالمين والعاقبة للمتقين والصلوة والسلام على أشرف الانبياء والمرسلين وعلى آله واصحابه واهل بيته وذرياتہ اجمعين.

موضوع کا تعارف

قرآن کریم ایسا دائمی معجزہ ہے جس کا اعجاز اس کے نزول سے لے کر آج تک ہر دور میں پختہ سے پختہ تر ہوتا گیا ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے دنیاۓ فانی میں ابن آدم سے آخری کتاب کے طور پر اسے اپنے آخری رسول اور نبی جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے قلب اطہر پر نازل فرمایا اور پھر خود ہی اسکی حفاظت کا ذمہ لیتے ہوئے اسے قیامت تک رہتی تمام انسانیت کی ہدایت و رہنمائی کے لیے مقرر فرمادیا، چنانچہ اس کتاب بابرکت کی بابت ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ﴾¹

(ترجمہ: جس میں باطل نہ آگے سے راہ پاسکتا ہے اور نہ پیچھے سے۔ یہ حکمت والے اور لائق ستائش اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے)

رسول اللہ ﷺ نے منصب رسالت کا حق ادا کرتے ہوئے اپنے اصحاب کو قرآن مجید کی تعلیم دی اور پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے نہ صرف نبی کریم ﷺ کی بتائی ہوئی تفسیر کو تابعین تک پہنچایا بلکہ قرآن کریم کے اسرار و موز پر غور کرتے ہوئے ان مقامات کی تفسیر بھی کی جن کی آپ ﷺ نے تفسیر نہیں کی تھی اور پھر اسی نہج پر عمل پیرا ہوتے ہوئے تابعین نے خود کو قرآن کریم کے عجائب و معارف سمجھنے اور سمجھانے کے لیے کھپا دیا اور یہ سلسلہ عصر حاضر تک جاری و ساری ہے۔ علمائے تفسیر ہر دور میں امت کی رہنمائی کے لیے اپنے اپنے انداز میں قرآن مجید کی آیات کی تفسیر کرتے رہے ہیں۔

گزشتہ صدی کو اگر رجوع الی القرآن کی صدی کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ اس صدی میں عالم اسلام کو بہترین مفکرین و مفسرین میسر آئے جنہوں نے امت کو قرآن مجید کی طرف رجوع کی دعوت دی اور اسی کتاب سے اپنی کھوئی میراث تلاش کرنے کا نسخہ بتایا۔ ایسے عظیم مفکرین میں سے دو عظیم شخصیات یعنی شیخ محمد متولی الشعراوی اور ڈاکٹر اسرار احمد کا شمار بھی ہوتا ہے۔ دونوں حضرات نے گہرے علمی و دعوتی نقوش چھوڑے ہیں۔

دونوں مفسرین نے جدید ذرائع ابلاغ کو استعمال کرتے ہوئے دعوت رجوع الی القرآن کو ایک نیا رنگ دیا۔ شعر اوی صاحب نے عربی اور ڈاکٹر صاحب نے اردو زبان میں پہلی مکمل شفوی (زبانی) تفسیر بیان کی۔ ان دونوں تفاسیر میں ایک جانب تفسیر بالماثور اور تفسیر بالرأے کا حسین امتزاج دیکھنے کو ملتا ہے تو دوسری جانب سائنسی تفسیر اور متعدد

جدید مسائل کے حوالے سے کلام ملتا ہے۔ اسی طرح دونوں تفاسیر میں اسرائیلیات، فرقہ وارانہ مباحث اور دیگر غیر ضروری تفصیل سے دوری اختیار کی گئی ہے۔ گویا دونوں مفسرین کے پیش نظر عصر حاضر میں قرآن کریم کی عملی تطبیق تھی جس کے لیے انہوں نے جابجا دعوت و اصلاح کا اسلوب اپنایا ہے اور امت کے مسائل کی تشخیص، اسباب اور جامع حل کی جانب رہنمائی فرمائی ہے۔

مقالہ ہذا میں "بیان القرآن" (ڈاکٹر اسرار احمد) اور "تفسیر الشعر اوی" کے مناجع و اسالیب کا تقابلی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ میرا امد و معاون ہو: آمین!

موضوع پر سابقہ تحقیقی کام کا جائزہ

ایم فل اور پی ایچ۔ ڈی کی سطح پر شعر اوی صاحب کے حوالے سے کافی تحقیقی کام ہو چکا ہے البتہ ڈاکٹر اسرار احمد کے حوالے سے صرف ایم۔ اے اور ایم فل کی سطح پر کم ہی کام ہوا ہے۔ ذیل میں دونوں مفسرین کے حوالے سے ہونے والے سابقہ تحقیقی کام کا جائزہ پیش کیا جا رہا ہے:

شیخ محمد متولی الشعر اوی کے حوالے سے سابقہ تحقیقی کام

شعر اوی کے حوالے سے اردو زبان میں اس سے قبل کوئی کام موجود نہیں ہے البتہ عربی زبان میں آپ کے حوالے سے مختلف جامعات میں تحقیق ہوتی رہی ہے۔ آپ کے تفسیری منہج، عقیدے کے تصور اور لغوی مباحث کے حوالے سے متعدد مقالہ جات موجود ہیں۔ ذیل میں صرف تفسیری منہج کے حوالے سے آپ پر لکھے گئے بعض قابل ذکر مقالہ جات کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

1) الشیخ الشعر اوی ومنہجہ فی التفسیر

یہ مقالہ ڈاکٹر عثمان عبدالرحیم القمیچی نے 2003ء میں مراکش کی جامعہ سیدی محمد بن عبداللہ سے پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری کے حصول کے لئے لکھا ہے جسے بعد ازاں مکتبہ دار السلام، القاہرہ، مصر نے 2013ء میں شائع کیا ہے۔ اس کے پہلے باب کی پہلی فصل میں لغت کو شعر اوی کی تفسیری ترجیح قرار دے کر اس حوالے سے تفصیلی کلام کیا گیا ہے۔ آگے شعر اوی کے نظریہ اصلاح اور طریقہ رد شبہات کو بیان کرنے کے بعد آپ کے مصادر تفسیر کا ذکر کیا گیا ہے۔ دوسری فصل میں شعر اوی کے طریقہ تفسیر کا بیان ہے کہ آپ نے کس اعتدال کے ساتھ مصری لہجہ میں پیغام قرآن پہنچایا ہے۔ تیسری فصل میں علوم قرآن کے حوالے سے شعر اوی کے موقف کو بیان کیا گیا ہے۔ آخری باب کی پہلی فصل میں تفسیر الشعر اوی کی علمی اہمیت اور دوسری فصل میں اس پر ہونے والی گرفت کا ذکر ہے۔

2) تفسیر الشیخ الشعر اوی للقرآن الکریم ومنہجہ فیہ مع دراسة مقارنة مع المفسرین المعاصرین

یہ مقالہ ڈاکٹر محمد احمد التجانی علی نے پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری کے حصول کی غرض سے جامعہ عین شمس،

القاهرہ، مصر، میں سن 2004ء میں لکھا ہے۔ اس میں مقالہ نگار نے شیخ شعر اوی کے تفسیری منہج کو بیان کرنے کے ساتھ اس کا مقابل عرب ممالک کے متعدد معاصر مفسرین کے ساتھ کیا ہے، جن میں ابن عاشور، عبدالرحمن ناصر السعدی، سید قطب، محمد رشید رضا، سید طنطاوی، احمد مصطفیٰ المراغی، شامل ہیں۔ نتیجہ میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ شعر اوی کی تفسیر کا شمار تفسیر بالرأے کے ضمن میں اہل سنت کی محمود تفاسیر میں ہوتا ہے۔

(3) منہج الشیخ محمد الشعر اوی فی تفسیر القرآن

یہ مقالہ رولی محمد احمد محسن نے سن 2000ء میں ایم فل کی جزوی تکمیل کے لیے اردن کے شہر مفرق کی جامعہ آل البیت میں لکھا ہے۔ یہ مقالہ 162 صفحات پر مشتمل ہے جس میں پہلے تفسیر کے معنی اور ارتقا کا بیان ہے۔ اس کے بعد شعر اوی اور ان کی تفسیر کا مختصر تعارف اور مصادر کا ذکر ہے۔ اس کے بعد تفسیر القرآن بالقرآن والسنة اور علوم القرآن کی بعض مباحث بیان کی گئی ہیں۔ آگے چل کر لغوی اور فقہی تفسیر کے حوالے سے کلام کیا گیا ہے۔ آخری باب میں شعر اوی کے نظریہ اصلاح اور دفاع اسلام کا بیان کرنے کے بعد تفسیر کی تقویم کی گئی ہے۔

(4) الاستنباطات الواردة فی تفسیر الشیخ محمد متولی الشعر اوی عرض ودراسة

یہ مقالہ فالح علی فالح نے نے پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری کے حصول کی غرض سے جامعہ یرموک، اردن، اردن میں سن 2015ء میں لکھا ہے۔ اس مقالے میں تفسیر الشعر اوی میں استنباطات اور ان کے دلالات کے متعلق مثالوں کی روشنی میں کلام کیا گیا ہے۔

(5) منہج الشعر اوی فی التفسیر

یہ مقالہ ابراہیم عیسیٰ صیدم نے میں ایم فل کی جزوی تکمیل کے لیے لبنان کے شہر صیدا کی جامعہ اسلامیہ میں لکھا ہے۔

شعر اوی کے تفسیری منہج سے ہٹ کر بھی بعض مقالہ جات ان کے حوالے سے لکھے گئے ہیں، ان میں سے بعض درج ذیل ہیں:

(6) موقف الشیخ الشعر اوی من قضايا العقيدة (عرضا ونقدا)، ماجد ابراہیم حمدان، مقالہ برائے ایم فل، غزہ، فلسطین، 2002ء

(7) آراء الشعر اوی العقدیة، نورہ بنت شاکرین علی الشہری، مقالہ ایم فل، جامعہ أم القری، مکہ المکرمہ، 2010ء

(8) التفكير اللغوي عند الشیخ محمد متولی الشعر اوی: دراسة فی تفسیره، العید العلوی، مقالہ برائے پی ایچ۔

ڈی، جامعہ محمد خیف بکرة، الجزائر، 2015ء

(9) دیگر تحقیقی مقالات:

أ. منهجية الشیخ محمد متولی الشعر اوی فی التفسیر القرآنی، لعبد الکرم حمو.

ب. الشیخ محمد متولی الشعراوی ومنهجہ فی التفسیر، لمنصور کافی .
ت. البعد الحجاجی للتأویل فی الخطاب الدینی - نماذج من تفسیر الشعراوی لمحمد متولی
الشعراوی- لوصیف سفیان . ریوکی عبد الحلیم

ڈاکٹر اسرار احمد کے حوالے سے سابقہ تحقیقی کام

ڈاکٹر اسرار احمد کے حوالے سے شعراوی صاحب کے مقابلے میں بہت کم کام ہوا ہے۔ خاص طور پر آپ کے تفسیری منہج کے حوالے سے صرف ایم فل کی سطح پر دو مختصر مقالہ جات لکھے گئے ہیں جو درج ذیل ہیں:

(1) ڈاکٹر اسرار احمد کا منہج تفسیر اور خدمات قرآن

یہ مقالہ تقریباً دو سو صفحات پر مشتمل ہے جسے عبدالسلام عمر صاحب نے 2017ء میں جامعہ بلوچستان، کوئٹہ سے شعبہ اسلامیات میں ایم فل کی ڈگری کے حصول کے لیے پیش کیا ہے۔ اس کے پہلے باب میں ڈاکٹر اسرار احمد کے حالات زندگی اور علمی خدمات ذکر کئے گئے ہیں۔ دوسرے باب میں تفسیر اور اصول تفسیر کے متعلق عمومی کلام ہے جب کہ تیسرے باب میں ڈاکٹر صاحب کے منہج تفسیر کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ باب محض پچاس صفحات پر مشتمل ہے جس میں نہایت اختصار سے کلام کیا گیا ہے۔ آخری باب میں ڈاکٹر صاحب کی خدمات قرآن اور ان کے ذرائع کا بیان ہے۔

(2) منهج الدكتور اسرار احمد فی تفسیره

یہ مقالہ عربی زبان میں ہے اور تقریباً 132 صفحات پر مشتمل ہے جسے سعدیہ صفدر صاحبہ نے سن 2017ء میں انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد سے ایم فل کی ڈگری کے حصول کے لیے پیش کیا ہے۔ اس مقالے کی تمہید میں ڈاکٹر اسرار احمد کا مختصر تعارف ہے۔ پہلے فصل میں تفسیر بالروایہ کے ضمن میں ڈاکٹر صاحب کے منہج کو بیان کیا گیا ہے جبکہ دوسری فصل میں تفسیر بالرائے کے ضمن میں ڈاکٹر صاحب کا منہج بیان کیا گیا ہے۔ تیسری فصل میں علوم القرآن کے متعلق ڈاکٹر صاحب کے موقف کو بیان کیا گیا ہے جب کہ آخری فصل میں تفسیر "بیان القرآن" کے خصائص، ملاحظات اور مصادر کا بیان ہے۔

ڈاکٹر صاحب کے حوالے سے آپ کے تفسیری منہج سے ہٹ کر بھی بعض مقالہ جات لکھے گئے ہیں جو درج

ذیل ہیں:

3) Dr. Israr Ahmad's Political Thoughts & Activities, Shagufta Ahmad, MA, McGill University, Montreal, Canada, 1993 AD

(4) ڈاکٹر اسرار احمد کی دینی خدمات، کلثوم اختر، مقالہ ایم۔ اے، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، 2011ء

(5) ڈاکٹر اسرار احمد کی اقبال فہمی کا توضیحی جائزہ، راشدہ ناہید، مقالہ ایم فل، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد،

2011ء

- (6) ڈاکٹر اسرار احمد کی قرآنی خدمات، ثنائیہ زہرہ، مقالہ ایم۔ اے، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، 2013ء
- 7) An Analytical Study of Services and Thoughts of Dr Israr Ahmad, Ghulam Haider, Thesis, PhD, The Islamia University, Bahawlpur, 2013AD.
- (8) ڈاکٹر اسرار احمد کی مذہبی، سیاسی فکر کا تجزیاتی مطالعہ، سمیرا ربیعہ، مقالہ ایم فل، گفٹ یونیورسٹی، گوجرانوالہ، 2016ء

(9) ڈاکٹر اسرار احمد: شخصیت اور دینی خدمات، رافعتہ الجبین، مقالہ ایم فل، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، 2016ء

جواز تحقیق

مقالہ ہذا میں تفسیر "بیان القرآن" اور "تفسیر الشعر اوی" کے مناجج واسالیب کا تقابلی مطالعہ کیا گیا ہے جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے پہلا کام ہے۔ مزید یہ کہ شیخ شعر اوی صاحب کے تفسیری منہج کے حوالے سے عربی زبان میں سابقہ کام موجود ہے لیکن اردو زبان میں آپ کے حوالے سے کسی بھی اعتبار سے تحقیقی کام موجود نہیں ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی کوشش کی گئی ہے کہ شعر اوی کے تفسیری منہج کے ان پہلوؤں کو اجاگر کیا جائے جن پر پہلے کام نہیں ہوا اور نئی مثالیں دی جائیں۔

ڈاکٹر اسرار احمد کے تفسیری منہج کے حوالے سے ابھی تک کوئی بھی تفصیلی کام نہیں ہوا ہے۔ مذکورہ بالا قابل قدر مقالہ جات ایم فل کی سطح پر لکھے گئے ہیں اور نہایت مختصر ہونے کے سبب تفسیری منہج کو بیان کرنے کے لئے ناکافی ہیں۔ ان مقالہ جات میں منہج تفسیر سے متعلق بعض موضوعات جیسا کہ ناخ و منسوخ کی بحث سرے سے موجود نہیں ہے۔ جب کہ بعض موضوعات سے متعلق تفصیل موجود نہیں ہیں مثلاً تفسیر القرآن بالحديث کے ضمن میں اکادکا مثالیں دے کر صرف یہ بتانے پر اکتفا کیا گیا ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے احادیث سے استشہاد کیا ہے لیکن یہ نہیں بیان کیا گیا کہ اس استشہاد کی نوعیت کیا ہے اور آپ نے اپنی تفسیر میں احادیث کی صحت کا کس قدر اہتمام کیا ہے؟ وغیرہ۔

موضوع کی تحدید اور دائرہ کار

مقالہ ہذا میں دونوں مفسرین کے منہج کے حوالے سے تفسیر بالماثور کے ضمن میں تفسیر القرآن بالقرآن اور تفسیر القرآن بالحديث کے علاوہ صرف اسرائلیات کے حوالے سے منہج کا تقابل کیا گیا ہے۔ اسی طرح تفسیر بالرأے کے ضمن میں صرف لغوی، علمی اور فقہی تفسیر کے حوالے سے دونوں کے منہج کا تقابل کیا گیا ہے۔ عقیدہ اور دیگر مباحث شامل نہیں کی گئی ہیں۔ علوم القرآن میں نسخ، سبب نزول، علم

مناسبات، اور مکان نزول پر بحث کی گئی ہے جب کہ علم قرأت وغیرہ پر بحث نہیں کی گئی ہے۔ اصلاحی فکر اور فرق باطلہ کے رد کے حوالے سے مفسرین کی دیگر کتب سے صرف نظر کیا گیا ہے۔

موضوع تحقیق کی ضرورت و اہمیت

گزشتہ صدی میں ٹیکنالوجی کے میدان میں ایک انقلاب برپا ہوا جس کے نتیجے میں ریڈیو، ٹیلی ویژن وغیرہ کی صورت میں ذرائع ابلاغ کی نت نئی جہتیں سامنے آئیں اور پھر داعیان اسلام اور علمائے کرام بھی رفتہ رفتہ ان کی اہمیت سے روشناس ہوئے اور انہوں نے بھی اپنی دعوت کے ابلاغ کے لیے ان ذرائع کا استعمال کرنا شروع کیا۔ اسی دوران مصر میں محمد متولی الشعر اوی اور پاکستان میں ڈاکٹر اسرار احمد کے دروس قرآنی کو جدید ذرائع ابلاغ کے ذریعے عوام الناس میں بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی اور دونوں مفسرین اپنے اپنے معاشرے میں متعدد پیروکاروں کی وساطت سے انتہائی متاثر کن دینی و علمی شخصیات کے طور پر ابھرے ہیں۔ اس موضوع کی اہمیت دو اعتبار سے بہت زیادہ ہے

1. دونوں مفسرین کے درمیان حالات کے اعتبار سے بہت سی مشترکات و متفرقات پائی جاتی ہیں، دونوں ہم عصر تھے، دونوں کو تقریباً ایک جیسے علاقائی، سیاسی، اور معاشرتی حالات سے سابقہ تھا، جیسا کہ دونوں حضرات نے مغربی استعمار سے آزادی حاصل کرنے میں عملی کردار ادا کیا۔ اسی طرح دونوں حضرات امت کے عمومی مسائل کے حوالے سے فکر مند تھے اور ان مسائل کے حل کے لیے رہنمائی بھی دیتے رہے اور دونوں نے جدید ذرائع ابلاغ کا استعمال کرتے ہوئے عوام الناس کو قرآن کریم سے قریب تر کرنے کی ان تھک جدوجہد کی البتہ ڈاکٹر اسرار احمد پر عملی زندگی میں تحریکی رنگ غالب نظر آتا ہے جب کہ شعر اوی پر تصوف کا غلبہ معلوم ہوتا ہے۔

2. دونوں تفاسیر دعوتی و اصلاحی خطیبانہ اسلوب پر مبنی ہیں جن میں قدیم و جدید اور عقلی و نقلی علوم کا امتزاج نظر آتا ہے۔ عصر حاضر کے تقاضوں اور جدید مسائل کو پیش نظر رکھتے ہوئے اسلامی معاشرے میں انفرادی و اجتماعی زندگی میں قرآن حکیم کی ہدایت کے عملی پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ خصوصی طور پر امت مسلمہ کی موجودہ صورتحال کے اسباب اور ان سے نکلنے کی عملی حکمت عملی کے حوالے سے دونوں مفسرین نے خاطر خواہ رہنمائی فراہم کی ہے۔ دونوں تفاسیر کے مناجع و اسالیب اور دونوں مفسرین کے نظریہ دعوت و اصلاح میں متعدد مشترکات و متفرقات موجود ہیں۔

ان مشترکات اور متفرقات کے ساتھ دونوں تفاسیر کے مناجع و اسالیب کا تقابلی مطالعہ بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ مزید یہ کہ اس مطالعہ سے قرآن کریم کے بہترین دعوتی اسلوب کو سمجھنا بھی ممکن ہو سکے گا۔

سبب اختیار موضوع

اس موضوع کو اختیار کرنے کے درج ذیل اسباب ہیں:

- (1) دونوں مفسرین کے حالات و خیالات، کیونکہ دونوں ہم عصر تھے اور دونوں نے تفسیر قرآن کے لیے دعوتی و اصلاحی اسلوب اپنایا ہے جبکہ عملی طور پر ایک صوفی اور دوسرا تحریکی وابستگی رکھتا ہے۔
- (2) دونوں مفسرین کے تفسیری رجحانات کا مقارنہ کرتے ہوئے دونوں کے مشترکات و متفرقات کو سمجھنے اور دو مختلف تفسیری رجحانات (صوفی اور تحریکی) کا موازنہ کرنے کا موقع میسر آ سکے گا۔
- (3) جدید دور میں بحیثیت داعی اور تحریکی کارکن کام کرنے کے لیے دونوں مفسرین مشعل راہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔
- (4) جدید مسائل اور باطل نظریات کے ابطال کے لیے دونوں اشخاص کی تعبیرات سے خاطر خواہ رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔
- (5) دونوں مفسرین اپنی گراں قدر خدمات کی وجہ سے امت پر یہ حق رکھتے ہیں کہ ان کی تعلیمات کو سمجھا جائے اور اس کی اشاعت و ترویج جائے۔

مقاصد تحقیق

مقالہ ہذا کے ضمن میں درج ذیل مقاصد تحقیق قابل ذکر ہیں:

- (1) شیخ متولی الشعر اوی اور ڈاکٹر اسرار احمد کے سوانح سے ان کے فکری پس منظر کو تلاش کرنا
- (2) دونوں مفسرین کے مناہج و اسالیب اور اصلاحی فکر کا مختلف جہات سے فہم حاصل کر کے اپنے اور معاشرے کے لیے رہنمائی کے اصول اخذ کرنا
- (3) تفسیر بالمأثور، تفسیر بالرأے (لغوی، سائنسی اور فقہی تفسیر) اور علوم قرآن (ناسخ منسوخ، سبب نزول، مکان نزول، علم مناسبات) کے ضمن میں بیان القرآن اور تفسیر الشعر اوی کے تفسیری مناہج و اسالیب کا تقابلی جائزہ لیتے ہوئے ان کے مشترکات و متفرقات کی کھوج لگانا
- (4) جدید معاشرتی، معاشی اور سیاسی مسائل کے حوالے سے دونوں مفسرین نے امت کی بہترین رہنمائی فرمائی ہے۔ اس ضمن میں دونوں کی آراء کو جمع کر کے اصلاحی پہلو تلاش کرنا
- (5) اسلام مخالف افکار کے تجزیے کے ضمن میں دونوں مفسرین کی آراء سے استفادہ حاصل کرنا
- (6) دونوں مفسرین کی آرا کا سلف صالحین کی آرا کی روشنی میں جائزہ لینا
- (7) دونوں تفاسیر میں مفسرین کے فکری و سیاسی پس منظر کے اثرات کا جائزہ لینا

بنیادی تحقیقی سوالات

- (1) شیخ محمد متولی الشعر اوی اور ڈاکٹر اسرار احمد کی علمی و تفسیری خدمات کس قدر مفید ہیں؟
- (2) تفسیر الشعر اوی اور بیان القرآن کے مناجح و اسالیب کیا ہیں اور ان دونوں میں کون کون سے مشترکات اور متفرقات پائے جاتے ہیں؟
- (3) دونوں مفسرین کی آراء میں اختلاف کے کیا اسباب ہیں؟
- (4) امت کو درپیش جدید مسائل کے حل کیلئے دونوں مفسرین نے کون سا طریقہ کار تجویز فرمایا ہے؟
- (5) عصر حاضر میں قرآنی دعوت کا مؤثر ترین طریقہ کون سا ہے؟
- (6) تفسیر الشعر اوی اور بیان القرآن کا تعلق تفسیر کی کس قسم سے ہے؟
- (7) دونوں تفاسیر میں مفسرین کے رجحانات اور فکری پس منظر کے اثرات کس قدر ہیں؟

منہج تحقیق

مقالہ ہذا کا اسلوب بیانی اور تقابلی ہے جس کے لیے درج ذیل طریقہ کار اختیار کیا گیا ہے۔

- (1) حتی الامکان اصل ماخذ و مصادر سے استفادہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے البتہ ضرورت کے تحت تشریح و توضیح کے لیے ثانوی مصادر و مراجع سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔
- (2) متعدد کتب، آرٹیکلز، اور حقیقی اور ورچوئل لائبریریوں سے استفادہ کیا گیا ہے۔
- (3) جدید ذرائع معلومات بشمول، آڈیوز، ویڈیوز، ویب سائٹس اور سافٹ ویئر وغیرہ سے استفادہ کیا گیا ہے۔
- (4) دونوں مفسرین کے تفسیری مناجح کو سادہ اسلوب میں بیان کرنے کے بعد منہج تقابل استعمال کرتے ہوئے دونوں کی آراء کا تقابل پیش کیا گیا ہے۔
- (5) مذکورہ علمی آراء و تفردات پر غور و فکر کرتے ہوئے کتب اسلاف کی روشنی میں تجزیہ کرنے اور بالخصوص جدید مسائل میں دونوں کی آراء و اسالیب کا تجزیاتی مطالعہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔
- (6) مقالے میں نمل یونیورسٹی کے فارمیٹ کو اختیار کیا گیا ہے۔
- (7) ضروری معلومات حوالہ جات کے طور پر حواشی میں دی گئی ہیں۔
- (8) مقالہ میں آنے والے غیر معروف اسماء و اماکن وغیرہ کا مختصر تعارف حواشی میں دیا گیا ہے۔
- (9) آیات کو بریکٹس ﴿﴾ اور احادیث کو قوسین () میں بند کیا گیا ہے۔
- (10) اقوال اور اقتباسات کو " " کے درمیان لکھا گیا ہے۔

- (11) قرآن پاک کی آیات کا ذکر سورت کے نام اور آیت کے نمبر کے ساتھ کیا گیا ہے۔
- (12) موضوع سے متعلق احادیث مبارکہ کو ان کے اصل مصادر کے حوالے سے ذکر کیا گیا ہے اور احادیث مبارکہ کی توثیق کے لیے حکم بھی لگایا گیا ہے۔

ابواب و فصول کی تقسیم و ترتیب

باب اول: تعارف مفسرین اور کتب تفسیر

فصل اول: شیخ محمد متولی الشعر اوی کے سوانح حیات

مبحث اول: شیخ محمد متولی الشعر اوی اور مصر کے سیاسی و معاشرتی احوال

مبحث دوم: شیخ محمد متولی الشعر اوی کے احوال زندگی

مبحث سوم: شیخ محمد متولی الشعر اوی کے علمی و دعوتی کارنامے

فصل دوم: ڈاکٹر اسرار احمد کے سوانح حیات

مبحث اول: ڈاکٹر اسرار احمد کے احوال زندگی

مبحث دوم: ڈاکٹر اسرار احمد کی نظر میں مسلمانان پاکستان کے سیاسی، سماجی اور مذہبی احوال

مبحث سوم: ڈاکٹر اسرار احمد کے علمی اور دعوتی کارنامے

فصل سوم: تفسیر الشعر اوی اور بیان القرآن کا تعارف

مبحث اول: تفسیر الشعر اوی کا تعارف

مبحث دوم: بیان القرآن (ڈاکٹر اسرار احمد) کا تعارف

باب دوم: تفسیر بالماثور کے اعتبار سے شیخ محمد متولی الشعر اوی اور ڈاکٹر اسرار احمد کی تفسیری آراء کا تقابلی جائزہ

فصل اول: تفسیر القرآن بالقرآن میں شیخ محمد متولی الشعر اوی اور ڈاکٹر اسرار احمد کے منہج کا تقابل

مبحث اول: تفسیر القرآن بالقرآن میں شعر اوی کا منہج

مبحث دوم: تفسیر القرآن بالقرآن میں ڈاکٹر اسرار احمد کا منہج

مبحث سوم: تفسیر القرآن بالقرآن میں دونوں مفسرین کے منہج کا تقابلی جائزہ

فصل دوم: تفسیر القرآن بالحديث میں شیخ محمد متولی الشعر اوی اور ڈاکٹر اسرار احمد کے منہج کا تقابل

مبحث اول: تفسیر القرآن بالحديث میں شعر اوی کا منہج

مبحث دوم: تفسیر القرآن بالحديث میں ڈاکٹر اسرار احمد کا منہج

مبحث سوم: تفسیر القرآن بالحديث میں دونوں مفسرین کے منہج کا تقابلی جائزہ

فصل سوم: تفسیر القرآن باقوال الصحابہ والتابعین میں شیخ متولی الشعر اوی اور ڈاکٹر اسرار احمد کے منہج کا تقابل

مبحث اول: تفسیر القرآن باقوال الصحابہ والتابعین میں شعر اوی کا منہج

مبحث دوم: تفسیر القرآن باقوال الصحابہ والتابعین میں ڈاکٹر اسرار احمد کا منہج

مبحث سوم: تفسیر القرآن باقوال الصحابہ والتابعین میں دونوں مفسرین کے منہج کا تقابلی جائزہ

فصل چہارم: اسرائیلیات کے حوالے سے شیخ محمد متولی الشعر اوی اور ڈاکٹر اسرار احمد کے منہج کا تقابل

مبحث اول: اسرائیلیات کے حوالے سے شعر اوی کا منہج

مبحث دوم: اسرائیلیات کے حوالے سے ڈاکٹر اسرار احمد کا منہج

مبحث سوم: اسرائیلیات کے حوالے سے دونوں مفسرین کے منہج کا تقابلی جائزہ

باب سوم: تفسیر بالرأے کے اعتبار سے شیخ محمد متولی الشعر اوی اور ڈاکٹر اسرار احمد کی آراء کا تقابلی جائزہ

فصل اول: قرآن کریم کی لغوی تفسیر

مبحث اول: لغوی تفسیر میں امام شعر اوی کا منہج

مبحث دوم: لغوی تفسیر میں ڈاکٹر اسرار احمد کا منہج

مبحث سوم: لغوی تفسیر میں دونوں مفسرین کے منہج کا تقابلی جائزہ

فصل دوم: قرآن کریم کی علمی تفسیر

مبحث اول: علمی تفسیر میں امام شعر اوی کا منہج

مبحث دوم: علمی تفسیر میں ڈاکٹر اسرار احمد کا منہج

مبحث سوم: علمی تفسیر میں دونوں مفسرین کے منہج کا تقابلی جائزہ

فصل سوم: آیات الاحکام کی تفسیر میں دونوں مفسرین کے منہج کا تقابلی مطالعہ

مبحث اول: آیات احکام کی تفسیر میں امام شعر اوی کا منہج

مبحث دوم: آیات احکام کی تفسیر میں ڈاکٹر اسرار احمد کا منہج

مبحث سوم: آیات احکام کی تفسیر میں دونوں مفسرین کے منہج کا تقابلی جائزہ

باب چہارم: علوم القرآن میں شیخ محمد متولی الشعر اوی اور ڈاکٹر اسرار احمد کی آراء کا تقابلی جائزہ

فصل اول: قرآن میں نسخ و منسوخ کی بحث

مبحث اول: قرآن میں نسخ و منسوخ کے حوالے سے امام شعر اوی کا موقف

بحث دوم: قرآن میں نسخ و منسوخ کے حوالے سے ڈاکٹر اسرار احمد کا موقف
 بحث سوم: قرآن میں نسخ و منسوخ کے حوالے سے دونوں مفسرین کے منہج کا تقابلی جائزہ
 فصل دوم: مکی و مدنی کے حوالے سے دونوں مفسرین کا منہج اور اس کا تقابلی جائزہ
 بحث اول: مکی و مدنی قرآن کے حوالے سے امام شعر اوی کا منہج
 بحث دوم: مکی و مدنی قرآن کے حوالے سے ڈاکٹر اسرار احمد کا منہج
 بحث سوم: مکی و مدنی قرآن کے حوالے سے دونوں مفسرین کے منہج کا تقابلی جائزہ
 فصل سوم: اسباب نزول کے حوالے سے دونوں مفسرین کا منہج اور اس کا تقابلی جائزہ
 بحث اول: اسباب نزول کے بیان میں امام شعر اوی کا منہج
 بحث دوم: اسباب نزول و سبب نزول کے بیان میں ڈاکٹر اسرار احمد کا منہج
 بحث سوم: اسباب نزول کے بیان میں دونوں مفسرین کے منہج کا تقابلی جائزہ
 فصل چہارم: علم مناسبات کے حوالے سے دونوں مفسرین کا منہج اور اس کا تقابلی جائزہ
 بحث اول: علم مناسبات میں امام شعر اوی کا منہج
 بحث دوم: علم مناسبات میں ڈاکٹر اسرار احمد کا منہج
 بحث سوم: علم مناسبات میں دونوں مفسرین کے منہج کا تقابلی جائزہ
 باب پنجم: تفسیر الشعر اوی اور بیان القرآن میں منہج دعوت و اصلاح اور باطل نظریات اور منحرف فرقوں کا رد
 فصل اول: تفسیر الشعر اوی اور بیان القرآن میں منہج دعوت و اصلاح کا تقابلی جائزہ
 بحث اول: امام شعر اوی کا منہج دعوت و اصلاح
 بحث دوم: ڈاکٹر اسرار احمد کا منہج دعوت و اصلاح
 بحث سوم: دونوں مفسرین کے منہج دعوت و اصلاح کا تقابلی جائزہ
 فصل دوم: تفسیر الشعر اوی اور بیان القرآن میں نظریات باطلہ اور منحرف فرقوں کے رد کا اسلوب
 بحث اول: تفسیر الشعر اوی میں نظریات باطلہ اور منحرف فرقوں کا رد
 بحث دوم: بیان القرآن میں نظریات باطلہ اور منحرف فرقوں کا رد
 بحث سوم: دونوں تفاسیر میں نظریات باطلہ اور منحرف فرقوں کے اسلوب رد کا تقابلی جائزہ
 خاتمہ: نتائج بحث
 فہارس

باب اول

تعارف مفسرین و کتب تفاسیر

فصل اول: شیخ محمد متولی الشعر اوی کے سوانح حیات

فصل دوم: ڈاکٹر اسرار احمد کے سوانح حیات

فصل سوم: تفسیر الشعر اوی اور بیان القرآن کا تعارف

فصل اول

شیخ محمد متولی الشعر اوی کے سوانح حیات

مبحث اول: شیخ محمد متولی الشعر اوی کا دور، مصر کے سیاسی، علمی، معاشرتی اور دینی حالات

مبحث دوم: شیخ محمد متولی الشعر اوی کے احوال زندگی

مبحث سوم: شیخ محمد متولی الشعر اوی کے علمی و دعوتی کارنامے

مبحث اول

شیخ محمد متولی الشعر اوی اور مصر کے سیاسی و معاشرتی احوال

شعر اوی بیسویں صدی عیسوی کی ابتدا میں پیدا ہوئے اور اسی صدی کے اواخر میں دار فانی سے کوچ کر گئے۔ آپ نے بدلتے سیاسی، اجتماعی، دینی، علمی اور ثقافتی حالات کا سامنا کیا۔ اس بحث میں شعر اوی کے دور میں ملک مصر کے سیاسی، علمی و ثقافتی، معاشرتی اور دینی حالات کا تعارف ذکر کیا گیا ہے تاکہ ان کی خدمات کی اہمیت کا اندازہ ہو سکے۔

الف۔ سیاسی حالات

ملک مصر جو کہ شیخ شعر اوی کا مسکن تھا، تین براعظموں یعنی ایشیا، افریقہ اور یورپ کے سنگم پر موجود ہونے کی وجہ سے ایک ایسا اہم اور منفرد جغرافیائی، اسٹریٹیجک، اور ثقافتی و تہذیبی مقام رکھتا ہے جو کسی اور پڑوسی ملک کو حاصل نہیں ہے اسی سبب ہمیشہ خطے پر اپنا اثر و رسوخ بڑھانے کی خواہش مند قوتوں کی توجہ کا مرکز رہا ہے۔¹

مصر انگریز کے قبضے سے پہلے 1517ء سے خلافت عثمانیہ کے زیر سایہ تھا۔ 1882ء میں ملک مصر کے وسائل پر انگریز قابض ہو گئے۔ برطانوی کمشنر مصر کا حقیقی حکمران بن گیا اور "الخدیوی"² اور وزیر اکھ پتلی کی حیثیت سے اسی سے اختیارات حاصل کرتے اور اس کے احکامات کی عملی تفہیز کرتے تھے البتہ بڑے سیاسی اور انتظامی عہدوں کا انتظام انگریز نے اپنے پاس رکھا۔ انگریز نے دہشت کی سیاست اپناتے ہوئے ایسے قوانین نافذ کر دیے جن سے عوامی آزادی سلب ہو گئی، جیلیں شہریوں سے بھری گئیں، اور آزادی صحافت کو ختم کر دیا گیا البتہ مصری عوام آزادی کے مطالبے کے بارے میں خاموش نہیں رہی، اور انگریز سے آزادی کی جدوجہد جاری رکھی۔ 1914ء میں پہلی عالمی جنگ کے بین الاقوامی حالات نے مصر کی قومی تحریک کو اس وقت شدید نقصان پہنچایا جب برطانوی حکومت نے مارشل لا لگاتے ہوئے ایک جانب مصر کو جرمنی اور اس کے حلیف ممالک (جن میں سلطنت عثمانیہ بھی شامل تھی) کا ساتھ دینے سے روک دیا تو دوسری جانب برطانوی افواج کو ملک مصر کی تمام بحری و بری حدود کے بے دریغ استعمال کی اجازت دے دی۔³

(1) دکتور رؤف عباس حامد، مصر وعالم البحر المتوسط فی العصر الحديث، مکتبۃ نہضۃ الشرق - جامعۃ القاہرہ، ص: 5-6

(2) "الخدیوی" سلطنت عثمانیہ کے سلطانوں اور عظیم الشان وزیروں کے لیے استعمال ہونے والا فارسی الاصل اعزازی عنوان تھا، لیکن سب سے زیادہ مشہور یہ ہے کہ یہ لقب 1867ء سے 1914ء تک مصر کے وائسرائے کے لیے مشہور تھا۔

(Adam Mestyan, "Khedive", Encyclopaedia of Islam, Three (Leiden: Brill, 2020), 2:70-71)

(3) دیکھیے: محمد عبدالرحمن حسین، نضال شعب مصر 1798ء-1956ء، مکتبۃ منشأۃ المعارف، الاسکندریہ، مصر، ص: 65، 80، 112

پہلی جنگ عظیم کے خاتمے پر انگریز حکومت اپنی کمزوری اور سعد زغلول¹ کی قیادت میں اٹھنے والی تحریک کی بدولت گٹھن ٹینکے پر مجبور ہو گئی اور بالآخر 1922ء میں انگریز حکومت کو مجبوراً مصر کو آزاد کرنا پڑا۔ اس طرح مصر کی حکومت ایک بار پھر مقامی حکمرانوں کے ہاتھ آ گئی۔ اگرچہ انگریز نے اب بھی صرف مصر کی اپنی سرزمین پر خود مختاری اور داخلی معاملات میں تصرف کرنے کی آزادی کو تسلیم کیا اور یہ شرط عائد کی گئی کہ حکومت مصر کوئی ایسی خارجہ پالیسی نہیں اپنائے گی جو مصر اور برطانیہ کے اتحاد کو گزند پہنچائے، برطانوی سفیر کو خصوصی حیثیت فراہم کی گئی، مصر میں برطانوی بحری اڈوں کو برقرار رکھا گیا اور برطانیہ کو یہ حق حاصل رہا کہ وہ اس وقت تک نہر سوئز کے علاقے میں اپنی فوجیں رکھ سکے گا جب تک کہ مصر فوجی طور پر نہر کی حفاظت کرنے کے قابل نہ ہو جائے اور یہ کہ برطانوی فوج کو جنگ کی صورت میں واپس آنے کا حق حاصل رہے گا۔²

1936ء میں اینجلو-ایکچٹ معاہدہ ہوا جس کے تحت برطانیہ سوئز کنال کے علاوہ مصر سے اپنی تمام فوج نکال لے گا جبکہ سوئز کنال کے اطراف موجود فوج کا انخلا بھی 1949ء تک ہو جائے گا۔ پھر دوسری جنگ عظیم کے دوران برطانوی فوج نے مصر کو اپنے اور اتحادی افواج کے لیے ایک اڈے کے طور پر استعمال کیا۔ لیکن برطانیہ مخالف قومی جذبہ بڑھتا چلا گیا اور ساتھ ہی مصر کی حاکم جماعت وفد پارٹی (جسے سعد الزغلول نے 1918ء میں قائم کیا تھا) اور شاہ مصر الملک فاروق کے درمیان اختیارات کی تقسیم کا تنازعہ کھڑا ہو گیا۔ نتیجتاً 1952ء کی بغاوت نے مصری شاہی سلطنت اور مصر میں برطانوی فوج کی موجودگی کو ختم کر دیا اور مصر میں جدید جمہوری نظام قائم کیا گیا۔ محمد نجیب³ ملک کے پہلے صدر بنے جنہوں نے 1953-1954ء تک حکومت کی اور پھر 1954ء میں جمال عبدالناصر⁴ کی حکومت کا دور شروع ہوا جو 1970ء میں ان کی وفات تک جاری رہا۔⁵

جمال عبدالناصر نے جہاں ایک طرف ملک مصر کے لیے بہت اچھے اقدامات بھی کیے جیسا کہ "سوئز بحران" کے دوران غیر ملکی افواج کے کامیاب انخلا سے ناصر عرب دنیا میں ہیر و اور فاتح کی حیثیت سے ابھرے وہیں ان کے

(¹) سعد زغلول پاشا، (1859-1927ء) مصر کے ایک سیاست دان جو جنوری سے نومبر 1924ء تک مصر کے وزیر اعظم رہے۔ (عباس محمود العقاد،

سعد زغلول زعيم الثورة، مؤسسة هنداوي للتعليم والثقافة، 2013ء)

(²) دیکھیے: احمد حروش، ثورة 23 يوليو، الهيئة المصرية العامة للكتاب، 1990ء، ص: 79/1 اور ص: 89/1

(³) محمد نجیب (1901-1984ء) جمہوریہ مصر کے پہلے صدر تھے۔

(<https://www.sis.gov.eg/section/4748/5057?lang=ar>)

(⁴) جمال عبد الناصر (1918-1970ء) 1956ء سے 1970ء میں اپنی وفات تک مصر کے صدر رہے۔

(<https://www.sis.gov.eg/section/4748/5057?lang=ar>)

(⁵) محمد عبدالرحمن حسین، انصال شعب مصر 1798ء-1956ء، ص: 315

دور حکومت میں ان کے بعض اسلام مخالف اقدامات کی وجہ سے متعدد علماء اور مخالفین خصوصاً اخوان المسلمین¹ کو قتل کر دیا گیا اور بعض کو قید و بند اور دیگر پابندیوں کی صعوبتیں بھی برداشت کرنی پڑیں اور 1967ء کی جنگ میں اسرائیل کے ہاتھوں بدترین شکست کا بھی سامنا کرنا پڑا۔²

1970ء میں جمال عبدالناصر کے انتقال کے بعد انور سادات³ منصب صدارت پر فائز ہوئے جس نے عرصہ دراز سے جاری عرب اسرائیل لڑائی سے ہاتھ کھینچتے ہوئے اسرائیل کے ساتھ امن معاہدہ کر لیا۔⁴ اکتوبر 1981ء کو ایک فوجی پریڈ کے دوران سادات کو قتل کر دیا گیا اور اس کے نائب حسنی مبارک⁵ کو صدر مملکت منتخب کیا گیا۔ حسنی مبارک بھی اسرائیل کے ساتھ اپنے تعلقات بہتر کرتا رہا اور اسی کی حکومت کے دوران عراق۔ ایران جنگ میں مصر نے عراق کی حمایت کی۔⁶

ب۔ علمی و ثقافتی حالات

361 ہجری کا سال مصر کے لیے ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے جب دولت فاطمیہ کی جانب سے جامعۃ الازہر کی بنیاد رکھی گئی جو ابتدا سے ہی اسلامی ثقافت کی نشر و اشاعت کا مصدر رہی۔ جامعہ کے علمی اثرات عمومی طور پر تمام امت مسلمہ اور خصوصی طور پر مصر، مغربی عرب، شام اور مشرقی یورپ پر مرتب ہوئے جس کی پہلی بنیادی وجہ مصر کی سٹریٹیجک پوزیشن تھی اور دوسری بڑی وجہ منگول کے ہاتھوں سقوط بغداد ہونے کے بعد قاہرہ کا بغداد کی جگہ مرکز اسلامی بننا تھا۔ قاہرہ کے مرکز اسلامی بننے کے بعد فکری اور ثقافتی اعتبار سے مصر کے سنہرے دور کا آغاز ہوا جو اصلاً جامعۃ الازہر کی ہی مرہون منت ہی تھا۔ اس کے علاوہ مصر پر اثر انداز ہونے والی دیگر تہذیبوں میں فرانسیسی، اطالوی اور یونانی تہذیبیں نمایاں ہیں۔ اسی طرح برطانوی استعمار نے بھی مصر کی علمی اور ثقافتی زندگی پر انتہائی منفی نقوش مرتب کیے جیسا کہ تعلیم کا حصول مہنگا ہو گیا اور انگریز حکومت نے ایسی تعلیمی پالیسی اپنائی جس کے نتیجے میں انہیں ایسے افراد مل سکیں جو ریاست کے وفادار کارندے بن سکیں۔ مصری تعلیمی اداروں کو برطانوی مدرسین سے بھر دیا گیا اور انگریزی

(¹) یہ جماعت 1929ء میں مصر میں قائم ہوئی۔ اس کے بانی شیخ حسن البنا تھے جو اس سرور یہ کے ایک گاؤں کے رہنے والے تھے۔ انھوں نے اس تحریک کا آغاز 1923ء میں کیا تھا مگر 1929ء میں اسے باقاعدہ شکل دی گئی۔

(²) رؤوف عباس، مصر وعالم البحر المتوسط فی العصر الحديث، ص: 127

(³) فیلڈ مارشل محمد انور سادات (1918-1981ء) مصر کے ایک فوجی، سیاست دان اور 15 اکتوبر، 1970ء سے 6 اکتوبر، 1981ء کو اپنے قتل تک مصر کے تیسرے صدر تھے۔ (<https://www.sis.gov.eg/section/4748/5054?lang=ar>)

(⁴) صلاح العقاد، السادات وکامب دیفید، مکتبۃ مدبولی، القاہرہ، مصر، 1984ء، ص: 179

(⁵) حسنی مبارک (1928-2020ء) مصر کے سابق صدر تھے۔ وہ 1981ء تا 2011ء مصر کے صدر رہے اور پھر انہیں معزول کر دیا گیا۔

(<https://www.sis.gov.eg/section/4748/5052?lang=ar>)

(⁶) عبد الوہاب الکیالی اور دیگر، الموسوعة السیاسیة، المؤسسة العربیة للدراسات والنشر، بیروت، لبنان، ج: 6، ص: 215

زبان کو تدریسی زبان کا درجہ حاصل ہو گیا۔ اسی کشمکش کے سبب چالیس سالہ برطانوی قبضے کے بعد ناخواندگی کی شرح میں خطرناک حد تک اضافہ ہو گیا۔¹

مصری ذرائع ابلاغ نے برطانوی دور حکومت میں مغربی ثقافت کو عالم اسلام کے نوجوانوں کے سامنے انتہائی پرکشش بنا کر پیش کیا جس کے نتیجے میں سینکڑوں مصری مسلمان نوجوان مغربی ممالک میں تعلیم کی غرض سے پہنچے اور مغربی تہذیب سے مرعوب ہوئے یہاں تک کہ بعض نے تو دین اسلام کی مخالفت بھی شروع کر دی اور اسلام کو انسانی ترقی کی راہ میں رکاوٹ اور مغربی تہذیب کو نجات دہندہ بنا کر پیش کیا۔²

ج۔ معاشرتی حالات

اہل مغرب اس بات کا بخوبی ادراک رکھتے تھے کہ دین اسلام میں معاشرتی زندگی کی تمام جزئیات کے حوالے سے رہنمائی موجود ہے جس کے عملی نفاذ کے بعد حسن اسلام کی بہترین نمائندہ تصویر ابھر کر سامنے آتی ہے۔ اسی لیے انہوں نے اسلامی معاشرتی نظام پر تائب توڑ حملے کئے اور اپنے زیر اثر مصر اور دیگر اسلامی ممالک کو مغربی تہذیب کی راہ پر ڈالنے کی غرض سے بھرپور اقدامات کیے۔ آزادی نسواں کے نعرے کا غلط استعمال کرتے ہوئے مسلمان خواتین کو اپنے شکنجے میں جکڑا گیا اور پھر انہی مسلمان خواتین کو مغربی معاشرتی اقدار کے فروغ کے لیے آلہ کار بنایا گیا۔ نتیجتاً مصری معاشرے میں مرد و زن کا اختلاط ہونے لگا اور مغرب کی طرز پر عورت کو اپنے نسوانی حسن کی تشہیر میں لگا دیا گیا اور اسے زینت خانہ سے زینت بازار بنایا گیا جس کا سب سے بڑا نقصان خود عورت کو ہی ہوا۔ بیسویں صدی کے اوائل میں انگریز حکومت کے زیر اثر مصری معاشرہ متعدد طبقات میں منقسم ہو گیا جن میں سرمایہ دار، جاگیردار اور زرعی مزدوروں کی تقسیم نمایاں تھی۔ مالدار لوگوں نے غریب عوام کو غلامی کی زندگی گزارنے پر مجبور کر رکھا تھا، مزید یہ کہ جمہوریت میں بھی انتخابات میں حصہ لینے کے لیے بھاری معاوضہ جمع کرانے کی شرط عائد تھی جس کا مقصد غریب عوام کو انتخابات سے دور رکھنا تھا۔³

1947ء کے انتخابات میں ایک انقلابی صورتحال پیدا ہوئی جب ایک سو کے قریب مزدوروں، قصابوں، حجاموں اور دیگر غریب لوگوں نے انتخابات میں حصہ لیا اور ان کا منشور کمزور طبقے کے حقوق کی حفاظت تھا لیکن اصلاً یہ

(1) دیکھیے: مصر و عالم البحر المتوسط فی العصر الحديث، ص: 11 سے آگے اور ص: 83 اور ص: 68

(2) ڈاکٹر محمد محمد حسین، الاتجاهات الوطنية فی الأدب المعاصر، دار الحما للطلبة، مکتبۃ الآداب و مطبعتھا بالجما میر، طبع: دوم، 1968ء، ص: 281/2

(3) دیکھیے: رمضان، عبدالعظیم محمد ابراہیم، دراسات فی تاریخ مصر المعاصر، المرکز العربی للبحث والنشر، 1980ء، ص: 141، محمد حسین، الاتجاهات الوطنية فی الأدب المعاصر، ص: 236/2

تحریک "مارکس" کے اشتراک کی تصور سے متاثر تھی ایسے میں حزب الوفد نے خود کو ایک سوشلسٹ پارٹی کے طور پر پیش کیا اور ملوکیت کے ساتھ ساتھ سرمایہ دارانہ نظام کو بھی لکارا۔ اس وقت اخوان نے بھی حزب الوفد سے اتفاق کیا¹۔

د۔ دینی حالات

مصر جو کہ ایک زمانہ میں اسلامی تہذیب و ثقافت کا مرکز بن گیا تھا اسے برطانوی استعمار کی شدید ضرب لگی جب اسلام کو دین سے مذہب بنادیا گیا، یعنی اس کا تعلق فرد کی ذاتی زندگی تک محدود ہو کر رہ گیا جسے بد اعمالیوں نے مزید کمزور کر دیا۔ عزت کا معیار دین اور دینی نسبت کی بجائے مغربی تعلیم اور حکومتی وفاداری بن گیا۔ ایمان بالغیب کمزور اور مادیت پر یقین مضبوط ہونے لگا، غیبیات سے حسیات کی طرف میلان بڑھنے لگا اور دینی روایات کو د قیانوس قرار دیا جانے لگا۔ دوسری طرف مستشرقین دین اسلام پر طرح طرح کے حملے کر رہے تھے جبکہ ذہنی و فکری طور پر محکوم و مرعوب نام نہاد مصری دانشوران کی ہاں میں ہاں ملانے لگے۔²

ان حالات میں امام حسن البنا³ نے دین اسلام کے دفاع اور نشاۃ ثانیہ کا بیڑا اٹھایا اور جماعت الاخوان المسلمون کی بنیاد رکھی جو دو دہائیوں بعد مصر کی سب سے بڑی مذہبی جماعت بن گئی۔ اخوان نے مصری داخلی خارجی سیاست میں بھرپور کردار ادا کیا۔ لیکن 1952ء کے مصری انقلاب کے بعد جمال عبدالناصر نے اخوان پر پابندی لگادی اور اس کی قیادت کو پابند سلاسل کر دیا۔ 1967ء کی عرب۔ اسرائیل جنگ کی ہزیمت مصر میں دینی احیاء کی وجہ بنی جس کے بعد 1970ء میں اخوان سے پابندیاں ہٹادی گئیں۔⁴

خلاصہ یہ کہ امام شعر اوی نے جس دور میں آنکھ کھولی وہ مصر میں خصوصی طور پر اور پوری امت مسلمہ پر عمومی طور پر انتہائی کٹھن دور تھا جب ایک طرف مغربی یلغار مسلمانوں کے سیاسی، معاشی اور معاشرتی نظام پر حملہ آور تھی تو دوسری جانب امت مسلمہ کا ایک طبقہ مغرب سے مرعوب ہو کر ان کے کارندے کی حیثیت سے اسلامی ممالک میں مغرب کے آلہ کار کا کردار نبھا رہا تھا۔ گویا حالات ایسے بن گئے تھے کہ دین اسلام انفرادی و اجتماعی سطح پر غرابت کا شکار ہو گیا تھا۔ ان حالات میں شیخ محمد متولی شعر اوی نے دین اسلام کے دفاع، درست تعبیرات کی دعوت اور افکار باطلہ کے رد میں بھرپور کردار ادا کیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی تمام تر مساعی کو قبول فرمائے! آمین۔

(1) مارشیل کولومب، تطور مصر (1924-1950)، ترجمہ: زہیر الشلیب، مکتبۃ مدبولی، القاہرہ، ص: 282

(2) دیکھئے: محمد حسین، الاتجاہات الوطنیة فی الأدب المعاصر، ص: 1/255، 2/279

(3) ان کا تعارف آگے شعر اوی کے شیوخ میں آرہا ہے۔

(4) ڈاکٹر اسامۃ الباز، مصر فی القرن ۲۱ الآمال والتحدیات، مؤسسة الأهرام، القاہرہ، طبع: اول، 1996ء، ص: 159

شیخ محمد متولی الشعر اوی کے احوال زندگی

الف۔ ولادت، نام و نسب اور خاندانی پس منظر

شعر اوی کا تعلق مصر کی نہر نیل کے کنارے واقع ایک قدیم بستی دقا دوس¹ میں رہائش پزیر، ایک ایسے متوسط الحال دینی گھرانے سے تھا، جہاں علم اور اہل علم کی عزت کی جاتی اور ان سے محبت رکھی جاتی تھی۔ آپ کے والد پیشے کے لحاظ سے ایک کسان تھے اور آپ کی والدہ دریاں اور قالینیں بنانے میں مہارت رکھتی تھیں۔²

شعر اوی کے والد شیخ متولی کے ایک ماموں تھے جن کا نام صابر تھا۔ انہوں نے خود کو مسجد اور عبادت الہی کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ جس رات شیخ شعر اوی کی ولادت ہوئی اس صبح شیخ متولی فجر کی نماز کے لیے کچھ دیر سے پہنچے، شیخ صابر نے اپنی نگاہ کو نمازیوں میں دوڑایا تو شیخ متولی کو نہ پایا مگر کچھ ہی دیر میں شیخ متولی بھی مسجد میں آ پہنچے، اس وقت موذن اقامت پکار رہا تھا۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد سب لوگ اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہوئے تو شیخ صابر اپنے بھانجے کے پاس آئے اور تاخیر سے آنے کا سبب پوچھا جس پر شیخ متولی نے انہیں بتایا کہ گھر میں ان کی اہلیہ امید سے ہے۔ شیخ صابر اس بات پر مسکرا دیے اور فرمانے لگے: رات میں نے ایک مبارک خواب دیکھا کہ ایک چھوٹا مرغ منبر پر خطبہ دے رہا ہے، پس میں نے سوال کیا! بھلا یہ کون ہے؟ تو لوگوں نے مجھے بتایا کہ یہ متولی الشعر اوی کا بیٹا ہے۔ بس میں جان گیا کہ تمہاری بیوی ایک لڑکے کو جنم دے گی اور وہ لڑکا عالم بنے گا۔

اپنے ماموں کے اس خواب کو سن کر شیخ متولی بہت خوش ہوئے اور جلدی سے گھر پہنچے جہاں انہیں بیٹے کی ولادت کی خوش خبری ملی جس پر انہوں نے با آواز بلند پکارا: خواب سچ ہو گیا! خواب سچ ہو گیا! اس طرح شیخ شعر اوی کی ولادت 15 اپریل 1911ء کو ہوئی۔³

شعر اوی کا پورا نام محمد بن السید متولی الشعر اوی تھا۔ آپ کی کنیت ابو سامی تھی اور آپ کا سلسلہ نسب اپنی والدہ محترمہ "حبیبہ" کی نسبت سے سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما سے ملتا ہے، یعنی آپ اہل بیت المطہرہ کی اولاد میں سے ہیں۔ شعر اوی اپنی کتاب "أنا من سلالۃ اہل البیت" میں اپنے آباء و اجداد کے نسب کے بارے میں فرماتے ہیں

(1) دقا دوس سطح سمندر سے 11 میٹر بلند مصر کے صوبے دقلیہ کی ایک چھوٹی سی بستی ہے۔ (محمد بن رزق، التفسیر والمفسرون فی غرب افریقیا، دار ابن الجوزی للنشر والتوزیع، المملكة العربیة السعودیة، طبع: اول، 1426 ہجری، ص: 467/1)

(2) الصالحی، عمر، مدرسۃ الشیخ الشعر اوی فی التفسیر، دار الابرار للتوزیع والنشر، عمان، 2009ء، ص: 177

(3) دیکھیے: المنشاوی، محمد صدیق، الشیخ الشعر اوی وحديث الذکریات، دار الفضلیۃ للنشر والتوزیع، القاہرہ، ص: 9، ابوالعینین، سعید، الشعر اوی الذی لا نعرفہ، دار اخبار الیوم، القاہرہ، طبع: 4، 1995ء، ص: 5

کہ حسن و حسین رضی اللہ عنہما کی اولاد میں سے ہونے کے ناطے ان کا نسب رسول اللہ ﷺ سے ملتا ہے اور ان کے ایک عزیز نے ایک ورقہ سنبھال رکھا ہے جس میں ان کا نسب درج ہے اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ اہل بیت کی اولاد میں سے ہیں۔ مزید یہ کہ شعر اوی اپنی نسبت تصوف کے مشہور سلسلہ البازیہ سے کرتے تھے جو کہ حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما کی اولاد میں سے شرفاء کے لیے خاص ہے۔ شیخ کے مطابق آپ کے آباء و اجداد کا تعلق سعودیہ عرب کی ایک گھاٹی سے تھا جو مضیق الشعر اوی کہلاتی تھی پھر بعد ازیں انہوں نے مصر کی طرف نقل مکانی کر لی۔¹

شعر اوی کا ایک نام "امین" بھی تھا جو ان کی نانی نے رکھا تھا۔ محمد صدیق المنشاوی اپنی کتاب "الشیخ الشعر اوی و حدیث الذکریات" میں فرماتے ہیں کہ شیخ شعر اوی کے والد شیخ متولی کو جب بیٹے کی ولادت کی خوش خبری ملی تو ان سے پوچھا گیا کہ آپ اپنے بیٹے کا کیا نام رکھیں گے تو انہوں نے جواب دیا: "امین"۔²

شعر اوی عام لوگوں میں اپنے آبائی علاقے کی نسبت سے "الشعر اوی" مشہور ہوئے یہاں تک کہ جب بھی الشعر اوی پکارا جاتا ہے تو آپ کے سوا کسی کا خیال ذہن میں نہیں آتا۔

ب۔ ابتدائی تعلیم

شیخ شعر اوی کی ابتدائی پرورش ان کے پیدائشی علاقے دقادوس میں ہی ہوئی اور شاید یہ شیخ صابر کے خواب ہی کی تعبیر تھی کہ شیخ متولی ابتدا سے ہی اپنے بیٹے محمد متولی کی دینی تعلیم کے حریص تھے لہذا جب شعر اوی پانچ سال کی عمر کو پہنچے تو آپ کے والد نے آپ کا کاہتاہ پکڑا اور علاقے کے عرف کے مطابق، قراءت و کتابت اور قرآن مجید کی تجوید و تحفیظ کے لیے شیخ عبدالرحمن الشہابی کے ابتدائی مدرسہ میں لے گئے جسے "الکتب" کہا جاتا تھا۔ اور اپنے بیٹے کو شیخ کے حوالے کرتے ہوئے کہا کہ اگر آپ اس کی پسلی بھی توڑ دیں گے تو میں اس کا علاج کروالوں گا۔ یہی وجہ تھی کہ شیخ عبدالرحمن الشہابی نے شعر اوی پر خصوصی توجہ دی اور سختی بھی کی جس کا بلاشبہ آپ کی دعوتی و علمی زندگی پر بہت مثبت اثر مرتب ہوا۔ شیخ شعر اوی نے عبدالجید باشا³ کے تلمذ میں قراءت و کتابت سیکھی اور دس سال کی عمر میں حفظ قرآن بھی مکمل کر لیا۔ مزید یہ کہ چودہ سال کی عمر میں آپ نے قرآن مجید کو تجوید کے ساتھ مکمل کر لیا۔⁴

ابتدائی تعلیم "الکتب" میں حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ شعر اوی نے دقادوس میں مدرسہ اولیہ میں بھی داخلہ لے لیا جو کہ اسی دور میں قائم ہوا تھا۔ وہاں پر شعر اوی نے شیخ عبداللطیف الجودہ سے حفظ قرآن اور شیخ کفانی جودہ

(1) دیکھیے: ابوالعینین، سعید، الشعر اوی: أنا من سلالۃ اہل البیت، دار اخبار الیوم، القاہرہ، طبع: پنجم، ص: 7، محمد محبوب حسن، الشعر اوی من القریۃ الی

العالمیہ، مکتبۃ التراث الاسلامی، القاہرہ، ص: 7-8

(2) المنشاوی، الشعر اوی و حدیث الذکریات، ص: 10، محمد زاید، الراوی ہوا الشعر اوی، مذکرات امام الدعاۃ، دار الشروق، القاہرہ، 1998ء، ص: 26

(3) دونوں اساتذہ کا تعارف آگے شیوخ کے عنوان کی ذیل میں آرہا ہے۔

(4) ابوالعینین، الشعر اوی الذی لا نعرفہ، ص: 13، المنشاوی، الشعر اوی و حدیث الذکریات، ص: 11

سے فقہ کی تعلیم حاصل کی اور اس کے علاوہ شیخ احمد الطویل، شیخ محمد ابو عمارۃ اور شیخ حسن زغلول¹ سے بھی استفادہ کیا۔²
ت۔ شیخ شعر اوی کا جامعۃ الازہر سے التحاق

شعر اوی کی ذاتی دلچسپی کھیتی باڑی سے تھی اور وہ جامعۃ الازہر جانے کا کوئی ارادہ نہ رکھتے تھے لیکن آپ کے والد آپ کی اعلیٰ دینی تعلیم کے بے حد حریص تھے اور اپنی اس خواہش کی تکمیل کے لیے انہوں نے شعر اوی کو 1926ء الز قازیق³ میں واقع جامعۃ الازہر کے مقامی کیمپس "معهد الز قازیق الدینی الابتدائی الازہری" میں داخل کروادیا۔ شعر اوی کو بادل ناخواستہ والد کی بات ماننی پڑی اور انہوں نے 1930ء یا 1932ء میں "شهادة الابتدایۃ الازہریۃ" کی سند حاصل کی پھر 1936ء میں "شهادة الثانویۃ الازہریۃ" کی سند حاصل کی جو کہ جامعۃ الازہر میں داخلے کی تمہید کی حیثیت رکھتی تھی۔⁴

اس کے بعد شعر اوی قاہرہ چلے گئے جہاں آپ نے جامعۃ الازہر کی کلیۃ اللغة العربیۃ میں داخلہ لیا۔ وہاں سے انہوں نے عالمیہ کی سند 1941ء میں حاصل کی اور 1943ء میں اسی کلیہ سے آپ نے تخصص مکمل کیا اور اجازۃ التدریس حاصل کی۔ اسی دوران آپ نے ایک سکالرشپ بھی حاصل کیا جو حنفی مذہب کے فقہاء کے لیے خاص تھا۔⁵
ث۔ شعر اوی کی ذاتی زندگی کے احوال

شیخ شعر اوی ایک متوسط دینی گھرانے میں پیدا ہوئے جو کھیتی باڑی کے شعبہ سے منسلک تھا۔ بچپن ہی سے شعر اوی اپنی تعلیم اور زراعت میں منقسم رہے اگرچہ انہیں زراعت سے زیادہ شغف تھا جس وجہ سے وہ تعلیم سے فرار کے بہانے ڈھونڈتے رہے مگر اپنے والد کے دباؤ کی وجہ سے انہیں اپنی مرضی کے برخلاف پڑھائی جاری رکھنی پڑی۔⁶
شعر اوی کی شادی بہت چھوٹی عمر میں ہو گئی جبکہ وہ ابھی الازہر سے ابتدائی تعلیم حاصل کر رہے تھے۔⁷ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تین بیٹوں (سامی، عبدالرحیم، احمد) اور دو بیٹیوں (فاطمہ، صالحہ) سے نوازا۔ جلد شادی نے شعر اوی کو ایک ذمہ دار انسان بنادیا۔⁸

(1) اساتذہ کا تعارف آگے شیوخ کے عنوان کی ذیل میں آرہا ہے۔

(2) محمد محبوب، الشعر اوی من القریۃ الی العالمیۃ، ص: 14، المنشاوی، الشعر اوی وحديث الذکریات، ص: 16

(3) الز قازیق، قاہرہ سے 80 کلومیٹر دور، مصر کے مشرقی صوبے کا دار الخلافہ، کاٹن کی تجارت کا مرکز ہے۔ (الریاسۃ العامۃ لإدارات البحوث العلمیۃ والإفتاء والدعوة والإرشاد، مجلۃ البحوث الاسلامیۃ، التعریف بالاکمنیۃ، ص: 216)

(4) المنشاوی، الشعر اوی وحديث الذکریات، ص: 7، ابوالعینین، الشعر اوی الذی لا نعرفہ، ص: 27

(5) محمد محبوب، الشعر اوی من القریۃ الی العالمیۃ، ص: 17

(6) محمد زاید، الراوی ہوا الشعر اوی، ص: 44، محمد محبوب، الشعر اوی من القریۃ الی العالمیۃ، ص: 13

(7) محمد زاید، الراوی ہوا الشعر اوی، ص: 92، ابوالعینین، سعید، الشعر اوی۔۔ ہنارایت سیدنا ابراہیم، دارالابوالوطنیۃ للنشر، القاہرہ، 1999ء، ص: 41

(8) ابوالعینین، الشعر اوی۔۔ ہنارایت سیدنا ابراہیم، ص: 41-42

دوسری طرف، شعراوی سخت مشکل ترین سیاسی حالات میں پلے بڑھے جہاں مصر میں انگریزی نوآبادیاتی نظام رائج تھا اور اس نوآبادیاتی نظام اور لوگوں کے مابین محاذ آرائی، نقل مکانی، اضطراب اور نفسیاتی عدم استحکام کی کیفیت تھی، یعنی ایسے گھمبیر حالات جو سب کے لیے تکلیف دہ ہیں خواہ شعراوی ہوں یا کوئی اور، ایسے حالات میں لوگوں کے دلوں میں مذہب اور وطن کی محبت کا جذبہ پروان چڑھتا ہے اور اس دینی غیرت اور ملکی و قومی حمیت کی خاطر انسان اپنی آزادی کے حصول کے لیے اپنا سب کچھ لٹانے کو تیار ہو جاتا ہے۔ ان حالات کا ایک عمیق اثر شعراوی پر ہوا اور انہوں نے آزادی کی خاطر اپنی زبان و قلم سے خوب جہاد کیا جس وجہ سے انہیں تیس دن کے لیے قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کرنی پڑیں۔ زمانہ طالب علمی کے دوران آپ نوجوانوں میں زور دار گونجے اور الز قازیق میں آپ نے تمام ازہری طلباء کو متحد کرنے کی کوشش کی۔ اسی دوران آپ کی خطابت کے جوہر بھی نکھر کر سامنے آئے اور آپ لوگوں کی نگاہوں کا مرکز بن گئے۔¹

ج۔ کسب معاش (تدریس اور مختلف مناصب پر تقرری)

شعراوی نے سن 1943ء میں جامعہ الازہر سے عربی زبان میں اپنی سند حاصل کی جس کے بعد وہ کچھ عرصہ "مہدظ الدینی" میں بطور مدرس اپنی خدمات پیش کرتے رہے پھر مہدظ الاسکندریہ اور پھر الز قازیق میں تقریباً آٹھ سال کی مدت تک آپ نے عربی زبان کی درس و تدریس کی ذمہ داری نبھائی۔²

1950ء میں شیخ حمروش نے جامعہ الازہر کے اختیارات سنبھالے تو شعراوی اپنے استاد محترم کو مبارک باد دینے پہنچے جس پر شیخ حمروش نے شعراوی کو مکہ مکرمہ میں کلیۃ الشریعہ میں بطور معلم ذمہ داری پیش کی، جیسا کہ سعودی عرب نے وہاں نئی کلیۃ الشریعہ بنائی تھی جس کے لیے انہوں نے جامعہ الازہر سے دس اساتذہ منگوائے تھے۔ الازہر نے ان دس اساتذہ میں شعراوی کا نام بھی شامل کر دیا جس کے بعد آپ دس سال تک سعودی عرب میں مقیم رہے۔ پھر 1960ء میں آپ نے "مہدظ الدینی" میں وکیل کی حیثیت سے منصب سنبھالا۔ اس کے بعد آپ اوقاف محافظۃ الغربیہ کے مدیر بنے۔ 1961ء میں آپ وزارت اوقاف کے مرکز دعوت و فکر کے وکیل کے منصب پر فائز ہوئے۔ 1962ء میں شعراوی جامعۃ الازہر میں علوم عربیہ کے ممتحن بنے۔ 1964ء میں جب شیخ حسن مامون الازہر کے رئیس مقرر ہوئے تو انہوں نے شعراوی کو اپنا معاون مقرر کر دیا۔ 1970ء میں آپ ایک بار پھر سعودی عرب لوٹ گئے جہاں آپ وزٹنگ پروفیسر کی حیثیت سے جامعہ الملک عبدالعزیز مکہ میں تدریس کرتے رہے۔ اور پھر 1972ء

(1) محمد زاید، الراوی ہوا شعراوی، ص: 30-33، ابوالعینین، الشعراوی الذی لانعرفہ، ص: 27

(2) محمد محبوب، الشعراوی من القریۃ الی العالمیہ، ص: 19، المنشاوی، الشعراوی وحیث الذکریات، ص: 7

میں آپ جامعہ کی قسم الدر اسات العلیا کے صدر مقرر ہوئے۔¹

شعراوی کے بقول جمال عبدالناصر کے دور میں جب مصر اور سعودیہ کے حالات کشیدہ ہوئے تو آپ کا تعلق بھی سعودی عرب سے ختم ہوا اور اللہ تعالیٰ کی منشا کے مطابق آپ الازہر کی جانب سے الجزائر چلے گئے جہاں آپ چھ سال مقیم رہے یہاں تک کہ مصر اور سعودیہ کے حالات معمول پر آ گئے تو آپ ایک بار پھر سعودیہ کی جامعہ الملک عبد العزیز لوٹ گئے جو مکہ میں واقع تھی۔ وہاں آپ کو بہترین مواقع میسر آئے لہذا آپ وہاں مقیم رہے یہاں تک کہ سرکاری ذمہ داری کے لیے آپ کو واپس مصر آنا پڑا۔²

جس سرکاری ذمہ داری کا شعراوی نے ذکر کیا وہ ان کا وزارت اوقاف و شئون الازہر کا چارج سنبھالنا تھا اور یہ 1976ء کی بات ہے۔³ شعراوی مکہ مکرمہ میں کلیہ الشریعہ میں بحیثیت استاد کام کر رہے تھے جب مصر سے ممدوح سالم (جن کی ذمہ داری نئی وزارتوں کی تشکیل تھی) نے آپ کو خبر دی کہ آپ کو وزارت اوقاف کے لیے منتخب کیا گیا ہے۔ شعراوی نے ابتدا میں بعض وجوہات کا ذکر کر کے اس منصب کی قبولیت سے معذرت کا اظہار کیا لیکن ممدوح سالم کے اصرار پر آپ کچھ شرائط اور مطالبات کی منظوری کے ساتھ اس وزارت کی قبولیت پر آمادہ ہو گئے۔⁴

جو مطالبات شعراوی نے پیش کئے ان میں یہ مطالبہ بھی شامل تھا کہ شیخ الازہر جمہوریہ مصر کا نائب ہو گا اور ان کے منصب سے کوئی انہیں ہٹا نہیں سکے گا۔ اس کے بعد شیخ الازہر کا درجہ رئیس الوزراء کا مقرر کر دیا گیا۔⁵ شعراوی کے اس مطالبہ سے مقصود الازہر کی شان بلند کرنا اور حکومتی معاملات میں اسے باختیار بنانا تھا۔ یہاں یہ نقطہ بھی اہم ہے کہ شعراوی نے خود سے کسی منصب و وزارت کو طلب نہ کیا تھا بلکہ یہ تو خود ان کی جھولی میں آگری تھی اور مزید یہ کہ مصر میں بطور وزیر شعراوی کی تنخواہ 250 مصری جینیہ تھی جبکہ وہ اس سے پہلے سعودی عرب میں 2000 مصری جینیہ لے رہے تھے۔ اگر شعراوی مال و منصب کے حریص ہوتے تو وہ کبھی سعودی عرب نہ چھوڑتے لیکن انہوں نے یہ کام خالص دینی اور قومی خدمت کے جذبہ کے تحت کیا۔⁶

(1) ابوالعینین، الشعراوی الذی لا نعرفہ، ص: 85-90، ابوالعینین، ہنار لیت سیدنا ابراہیم، ص: 30، محمد محبوب، الشعراوی من القریۃ الی العالمیۃ، ص: 21، ابراہیم حسن الأشقر، فضلیۃ الشیخ محمد متولی الشعراوی دعویٰ و ربی، الأيام الآخیرۃ فی حیاۃ الشعراوی، دار الروضۃ للنشر والتوزیع، القاہرہ، 1998ء، ص: 89

(2) محمد محبوب، الشعراوی من القریۃ الی العالمیۃ، ص: 21

(3) ابراہیم حسن الأشقر، الأيام الآخیرۃ فی حیاۃ الشعراوی، ص: 90

(4) ابوالعینین، الشعراوی الذی لا نعرفہ، ص: 145

(5) ابوالعینین، الشعراوی الذی لا نعرفہ، ص: 150-151

(6) محمد محبوب، الشعراوی من القریۃ الی العالمیۃ، ص: 24

وزارت کی ذمہ داریوں کے دوران شعر اوی نے اپنی وہ تمام جمع پونجی جو انہوں نے سعودی عرب میں دوران ملازمت جمع کی تھی وزارتی امور میں ہی خرچ کر دی اور جب صرف 325 جنیہ ان کے اکاؤنٹ میں رہ گئے تو انہوں نے مدوح سالم کو فون کیا کہ مجھ پر وزارت کی ذمہ داریاں ہیں اور میرے پاس مال نہیں ہے اللہ کی رضا کے لیے مجھے اس منصب سے آزاد کر دو اللہ تم پر رحم فرمائے۔ اس طرح شعر اوی نے 1978ء میں وزارت اوقاف سے خلاصی حاصل کی۔¹ وزارت کے دو سالہ تلخ تجربے کے بعد شعر اوی کو جامعہ ازہر کی صدارت اور مجلس شوری کی رکنیت پیش کی گئی جسے انہوں نے قبول نہ کیا اور خود کو دعوت دین کے لیے فارغ کر لیا۔² وہ اپنے دور وزارت کے بارے میں کہتے ہیں: "یہ میری زندگی کا سب سے برادر تھا"³

د۔ شیخ شعر اوی کے شیوخ، معاصرین اور تلامذہ

شیوخ

شعر اوی کا تعلیمی سفر متعدد مراحل سے گزرا جس کا آغاز ابتدائی مدرسہ "الکتّاب" سے ہوا اور پھر اس کا اختتام جامعۃ الازہر سے عربی لغت میں درجہ عالمیہ کے حصول کے ساتھ ہوا۔ ان تمام مراحل میں شیخ نے مختلف اساتذہ سے مختلف علوم سیکھے جن میں سے بعض کا تذکرہ ذیل میں کیا جا رہا ہے۔

1- شیخ عبدالرحمن الشہابی

امام شعر اوی نے حفظ قرآن کرتے ہوئے جن اساتذہ سے استفادہ کیا ان میں شیخ عبدالرحمن الشہابی اور شیخ عبدالحمید باشا کے نام آتے ہیں۔ شیخ عبدالرحمن الشہابی کو مصری پولیس نے 1930ء میں انتخابات کی مخالفت کرنے کے سبب قتل کر دیا تھا۔⁴

2- شیخ عبدالحمید باشا

اگرچہ زیادہ مقامات پر یہ مذکور ہے کہ شعر اوی نے شیخ عبدالرحمن الشہابی کے تلمذ میں قرآن حفظ کیا البتہ شعر اوی کے ایک قریبی ساتھی شیخ عبدالرحیم عبدالباری فرماتے ہیں کہ انہوں نے شیخ عبدالحمید باشا کے پاس قرآن حفظ کیا تھا۔⁵

(1) ابوالعینین، الشعر اوی الذی لا نعرفہ، ص: 151، ابراہیم حسن الأشقر، الأيام الخیرة فی حیاة الشعر اوی، ص: 90

(2) البیومی، محمد جب، محمد متولی الشعر اوی جولہ فی فکرۃ الموسوعی الفصح، مکتبۃ التراث الاسلامیہ، القاہرہ، 1999ء، ص: 27

(3) ابوالعینین، الشعر اوی الذی لا نعرفہ، ص: 143

(4) دیکھیے: محمد زاید، الراوی هو الشعر اوی، مذکرات امام الدعاۃ، ص: 25، 32، المنشاوی، الشیخ الشعر اوی وحديث الذکریات، ص: 16

(5) ایضاً

3۔ المدرستہ الاولیہ کے اساتذہ

جب شعر اوی کے گاؤں میں ابتدائی مدرسہ کھلا تو وہ بھی اس سے منسلک ہو گئے اور وہاں آپ نے شیخ احمد الطویل، شیخ محمد ابو عمارہ اور شیخ حسن زغلول سے علمی فیض حاصل کیا۔ مدرسہ کی پڑھائی کے دوران شعر اوی نے شیخ عبداللطیف جودہ سے قرآن کریم پڑھا اور ان کے بھائی شیخ کفانی جودہ سے فقہ پڑھا جبکہ آپ نے شعر و ادب کی تعلیم شیخ عبدالرحمن البیاضی سے حاصل کی۔¹

4۔ معھد الزقازیق الدینی الابتدائی الازہری کے اساتذہ

معھد الزقازیق الدینی الابتدائی الازہری میں شعر اوی نے شیخ مصطفی الصاوی، شیخ احمد کلی اور شیخ ابراہیم حمروش سے استفادہ کیا۔² شیخ ابراہیم حمروش (1880ء-1960ء) ہی تھے جنہوں نے شعر اوی کو 1950ء میں تدریس کے لیے مکہ بھیجا تھا۔³ آپ نے 1906ء میں جامعۃ الازہر سے فراغت حاصل کی اور پھر وہاں پر ہی بطور مدرس آپ کا تقرر ہوا۔ بعد ازاں 1932ء میں آپ "کلیۃ اللغۃ العربیۃ" کے صدر بھی بن گئے۔ 1944ء میں آپ کلیۃ الشریعہ کے صدر بنے اور 1951ء میں جامعۃ الازہر کے سبراہ کے عہدے پر فائز ہوئے۔ حمروش کی مشہور تالیفات میں "عوامل نمو اللغۃ" اور "فصول عدیدۃ ودراسات قیمۃ" قابل ذکر ہیں۔⁴

5۔ جامعۃ الازہر میں مرحلہ ثانویہ کے اساتذہ

جامعۃ الازہر کے مرحلہ ثانویہ میں شعر اوی نے شیخ محمد علی الشربانی اور شیخ محمد محی الدین عبدالحمید سے پڑھا۔⁵ دونوں اساتذہ اپنے علوم میں خوب مہارت رکھتے تھے خصوصاً شیخ محمد محی الدین عبدالحمید (1900ء-1992ء) نے گہرے علمی نقوش چھوڑے ہیں۔ آپ نے 1925ء میں جامعۃ الازہر سے درجۃ العالمیۃ کی سند حاصل کی جو اس وقت کی اعلیٰ ترین سند تھی جس کے بعد وہ جامعۃ الازہر میں ہی تدریس کے ساتھ ساتھ اہم انتظامی ذمہ داریاں بھی نبھاتے رہے۔ اس کے علاوہ آپ نے عربی زبان اور دیگر علوم کے متعلق متعدد کتابیں بھی لکھیں جن میں "تصریف الافعال" اور "احکام الموارث" نمایاں ہیں۔ آپ نے بعض کتب کی تحقیق بھی کی جن میں "سیرۃ ابن ہشام"، "مروج الذهب للمسعودی" اور "مقالات الاسلامیین للأشعری" وغیرہ شامل ہیں۔⁶

(1) المنشاوی، الشیخ الشعر اوی وحديث الذکریات، ص: 16

(2) أیضاً

(3) دیکھیے: ابوالعینین، الشعر اوی الذی لا نعرفہ، ص: 85، ابوالعینین، ہنارایت سیدنا ابراہیم، ص: 30

(4) خفاجی، محمد عبدالمنعم۔ دکتور علی علی صبح، الازہر فی ألف عام، المکتبۃ الازہریۃ للتراث، القاہرہ، 2011ء، ص: 300

(5) دیکھیے: المنشاوی، الشیخ الشعر اوی وحديث الذکریات، ص: 16، محمد محبوب، الشعر اوی من القریۃ الی العالمیۃ، ص: 18

(6) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: مکتبۃ الازہر، شمارہ: 56، جز: 1، مجموعہ: 5، ص: 87

6۔ جامعۃ الازہر میں مرحلہ عالیہ کے اساتذہ

درجہ عالیہ میں شعر اوی نے جن اساتذہ سی استفادہ کیا ان میں شیخ احمد یوسف نجاتی، شیخ احمد عمارہ اور شیخ سلیمان عمارہ کے نام نمایاں ہیں۔¹

7۔ احمد بن مصطفیٰ المرائی (المتوفی: 1952ء)

محمد بن مصطفیٰ بن محمد المرائی کا شمار ملک مصر کے کبار علماء دین میں سے ہوتا ہے۔ آپ اعلیٰ درجے کے مفسر، فقیہ، اور مصلح و مجدد تھے۔ آپ شیخ محمد عبدہ کے شاگرد رشید تھے۔ امام شعر اوی آپ سے گہری عقیدت رکھتے تھے اور آپ کے تفسیر کے دروس سے بھرپور استفادہ بھی کرتے تھے۔ گویا شعر اوی کے علم تفسیر پر اثر انداز ہونے والی اہم ترین شخصیات میں المرائی کا نام آتا ہے۔ اور المرائی کے واسطے سے امام محمد عبدہ کے افکار کی جھلک شعر اوی میں بھی نظر آتی ہے اگرچہ شعر اوی نے بعض معاملات میں محمد عبدہ سے اختلاف بھی کیا ہے۔²

8۔ امام حسن البنا (1906ء-1949ء)

حسن احمد عبد الرحمن محمد البنا الساعاتی مصر کے ممتاز مذہبی رہنما اور اسلامی تحریک اخوان المسلمون کے بانی تھے۔ 1923ء میں تصوف کے شاذلی طریقہ سے منسوب ہوئے اور شیخ عبد الوہاب حصانی کی خدمت میں تکمیل کی، اسی لیے حسن البنا کی شخصیت سازی میں شیخ عبد الوہاب حصانی کے بہت گہرے اثرات مرتب ہوئے۔ 1927ء میں دار العلوم (مصر) سے فارغ ہوئے اور شہر اسماعیلیہ میں مدرس کی حیثیت سے تقرر ہوا۔ 1928ء میں اخوان المسلمون کا قیام عمل میں آیا۔ 1949ء میں حسن البنا ایک بھرپور تحریکی زندگی گزارنے کے بعد 43 سال کی عمر میں قاہرہ میں گولی مار کر شہید کر دیے گئے۔³ امام شعر اوی خطابت میں شیخ حسن البنا سے بے پناہ متاثر ہوئے تھے اور ان کے فہم سیرت نے بھی آپ پر اثر ڈالا تھا۔ اسی طرح شعر اوی ان کے انداز بیان اور قوت استدلال کے بھی معترف تھے کہ وہ انتہائی خوبصورتی سے اپنی بات کو بیان کرتے اور سامعین کو اپنی طرف مائل کر لیتے تھے۔⁴

معاصرین علماء

شیخ شعر اوی کے معاصر علماء میں امام حسن البنا، سید قطب، شیخ یوسف القرضاوی اور امام الشنقیطی جیسے بے مثل علماء شامل ہیں اور ان علماء کی موجودگی میں شیخ شعر اوی کے علم و فیض کا چرچہ ہونا بلاشبہ آپ کی علمی استعداد کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

(1) المنشاوی، الشیخ الشعر اوی وحديث الذکریات، ص: 16-17

(2) دیکھیے: البیوی، محمد متولی الشعر اوی جولین فی فکرۃ الموسوی الفسیح، ص: 19، محمد محبوب، الشعر اوی من القرینۃ الی العالمیہ، ص: 18

(3) عبد الغفار عزیز، سلیم منصور خالد، حسن البنا شہید ایک مطالعہ، منشورات پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز پرائیویٹ لمیٹڈ، نئی دہلی، 2012ء

(4) محمد ثابت، الشعر اوی والسلطۃ، دار الروضۃ القاہرۃ، طبع: اول، ص: 21

شیخ شعر اوی کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی جانب سے یہ اکرام ملا کہ آپ کی علمی میراث سے عمومی طور پر لاتعداد انسانوں نے اور خصوصی طور پر آپ کے تلامذہ کی کثیر تعداد نے استفادہ کیا جس کی بڑی وجہ شیخ کے درس قرآنی ہیں جو لوگوں نے بالمشافہ بھی سنے اور جدید ذرائع ابلاغ کی وساطت سے پوری دنیا میں سنے گئے۔ اس کے علاوہ شیخ مختلف ممالک کی مختلف جامعات میں مدرس کے فرائض بھی سرانجام دیتے رہے۔ مزید یہ کہ آپ مساجد میں خطیب کی ذمہ داری بھی ادا کرتے رہے۔ ان سب اسباب کی بنیاد پر ہم شعر اوی کے تلامذہ کی کثیر تعداد کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

ذ۔ شیخ شعر اوی کے علمی سفر

شعر اوی نے عرب اور غیر عرب ممالک کے متعدد اسفار کئے جن میں سے بعض تو سیاحت کی غرض سے جبکہ باقی دعوت دین کے لیے درس و محاضرات کی ادائیگی اور کانفرنسوں میں شرکت کی غرض سے تھے۔ ان رحلات میں سے درج ذیل کا ذکر ہم کر دیتے ہیں۔

شعر اوی سن 1950 میں پہلی بار سعودی عرب گئے جب الازہر کی جانب سے سعودی عرب بھیجے گئے اساتذہ کے دس رکنی وفد میں شعر اوی بھی شامل تھے۔ شعر اوی نے تیرہ برس تک سعودی عرب میں قیام کیا۔ اس کے علاوہ عمرہ کی ادائیگی کے لیے بھی آپ نے سعودی عرب کا سفر کیا۔¹ سعودی عرب سے پہلی بار لوٹنے کے بعد شعر اوی جامعۃ الازہر کی جانب سے الجزائر مبعوث کئے گئے جہاں آپ چھ سال تک قیام پذیر رہے۔²

شعر اوی سن 1973ء میں پہلی بار اور سن 1995ء میں آخری بار امریکہ گئے۔ اپنے امریکہ میں قیام کے دوران آپ نے نیویارک، واشنگٹن، سان فرانسسکو، اور لاس اینجلس میں قیام کیا۔ اس دوران آپ نے سیاحت بھی کی لیکن اپنے حقیقی مقصد یعنی دعوت دین کی غرض سے وہاں کی مسلم کمیونٹی سے ملاقاتیں بھی کی اور وہاں موجود اسلامک سنٹرز میں درس بھی دیئے۔³

اسی طرح شعر اوی چار مرتبہ کینیڈا گئے، پہلی مرتبہ 1978ء میں جب آپ کو الشریعہ الاسلامیہ پر لیکچرز دینے کے لیے بلایا گیا تھا۔ دوسری مرتبہ آپ اپنے کسی عزیز کے بیٹے سے ملنے گئے تھے، تیسری مرتبہ آپ سیاحت و غور و فکر کی غرض سے گئے جبکہ چوتھی بار پھر آپ شریعت پر لیکچرز دینے گئے تھے۔⁴

(1) دیکھیے: ابوالعینین، الشعر اوی الذی لانعرفہ، ص: 85، ابوالعینین، ہنارایت سیدنا براہیم، ص: 30

(2) دیکھیے: ابراہیم حسن الاشر، الايام الأخيرة فی حياة الشعر اوی، ص: 90، محمد محبوب، الشعر اوی من القرية الی العالمیہ، ص: 21

(3) دیکھیے: ابوالعینین، سعید، رحلات الشعر اوی فی اوربا و امریکا، دار اخبار الیوم، طبع: چہارم، ص: 13، 14، 24

(4) ایضاً: ص: 171

شعراوی نے برطانیہ کا سفر بھی کیا۔ ایک بار تو وہ اپنے ایک سعودی عزیز کے بیٹے کے پی ایچ۔ ڈی کے تھیسز کے مناقشہ کے لیے گئے۔ دوسری بار اپنے علاج کی غرض سے جبکہ دیگر حالات میں شعراوی دعوت دین کی غرض سے اپنے مہاجر مسلمان بھائیوں سے ملاقات یا لندن میں منعقد ہونے والی کانفرنس میں شرکت کے لیے گئے۔¹

د۔ وفات

امام شعراوی کے داماد ڈاکٹر عصام قطقاط بیان کرتے ہیں کہ اپنی وفات سے کچھ گھنٹے قبل شیخ شعراوی نے اپنے معمولات کا آغاز اپنی عادت کے مطابق خوب بشارت سے کیا، گویا قبل از موت یہ ان کی آخری بیداری تھی۔ پھر وہ حلف اٹھا کر ایک واقعہ نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ شعراوی کی طبیعت بگڑنے کے بعد جب وہ لوگ ہسپتال میں موجود تھے تب ایک خاتون آئیں اور شعراوی سے ملاقات کی ضد کرنے لگیں۔ اہل خانہ نے ان سے کہا کہ وہ بیمار ہیں مل نہیں سکتے تو وہ کہنے لگیں: مجھے ان کے پاس لے چلو کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا اور وہ شیخ شعراوی کو گلے لگا کر ان کا بھرپور استقبال کر رہے تھے۔ ڈاکٹر عصام کہتے ہیں کہ اس وقت انہوں نے یہ جان لیا کہ اس خواب کی تعبیر یہی ہے کہ شعراوی جو ارہمی میں منتقل ہونے والے ہیں۔²

اس طرح 22 صفر 1419ھ الموافق 17 جون 1998ء بروز بدھ کو شعراوی کا انتقال ہوا۔ آپ کے جنازے میں لاکھوں لوگوں نے شرکت کی اور آپ کو آپ کے آبائی علاقے دقا دوس میں ہی دفن کیا گیا۔³

ر۔ شیخ شعراوی کی خصوصیات

شیخ شعراوی ایک صاحب علم و حکمت عالم دین تھے۔ آپ ایک اعلیٰ پائے کے مفسر قرآن ہونے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایت سے اعلیٰ درجے کی خطابت اور فصاحت و بلاغت کی خوبیوں سے مزین تھے۔ اپنی تمام تر صلاحیتوں کا بھرپور استعمال کرتے ہوئے آپ نے اپنی زندگی کو دعوت دین کے لیے وقف کر دیا۔ اور شاید اسی بنیاد پر آپ کو "امام الدعاة" کا لقب بھی دیا گیا۔ آپ متعدد علوم کے ماہر، ثقافت شناس، اور مضبوط دلائل و براہین کے مالک تھے۔ آپ نے امام رازی، زمخشری اور طبری وغیرہ کے عمیق و صعب تفسیری علم کو انتہائی آسان اسلوب میں عام لوگوں تک پہنچایا۔ اپنی علمی استعداد اور خدمات کے پیش نظر امام شعراوی علماء کی نظر میں ہمیشہ صاحب مدح رہے ہیں۔ مزید یہ کہ شاید شعراوی وہ پہلے انسان تھے جنہوں نے عربی زبان میں قرآن کریم کی مکمل شفوی تفسیر بیان کی اور اپنی قوت اسلوب سے دلوں کو مسخر کیا۔ ذیل میں شعراوی کی چند صفات محمودہ کا تذکرہ کیا جا رہا ہے:

(1) ابوالعینین، سعید، رحلات الشعراوی فی اوربا و امریکا، ص: 183

(2) بدوی، طہ، قالوا عن الشعراوی بعد رحیلہ، دار الامین للطباعة والنشر والتوزیع، طبع: اول، 1999ء، ص: 117

(3) بدوی، طہ، قالوا عن الشعراوی بعد رحیلہ، ص: 65

1- متعدد علوم سے واقفیت

شعراوی کی علمی قابلیت یک جہتی نہ تھی بلکہ انہیں متعدد علوم میں مہارت حاصل تھی اور انہوں نے صرف الازہر میں اپنی تعلیم پر اکتفا نہ کیا بلکہ تاریخ، فلکیات، طبعیات، معاشرت، معیشت اور نفسیات جیسے متعدد علوم جدید پر بھی دسترس حاصل کی جس کی تفصیل ان کے تفسیری منہج کے بیان میں ذکر ہوگی۔ یہاں ہم شعراوی کی علمی قدرو منزلت کی دلیل کے طور ڈاکٹر محمد رجب البیومی¹ کی شہادت پیش کرتے ہیں جن کے مطابق اللہ سبحانہ کی طرف سے یہ مقدر تھا کہ شعراوی کا علمی نور ان کی عمر کے پچاسویں سال کے بعد چمک سکے۔ اس سے پہلے انہوں نے ہر سمت سے علم حاصل کیا، جیسا کہ انہوں نے صرف الازہر یا اپنے تدریسی دور میں حاصل کردہ دینی اور عربی علوم پر اکتفا نہ کیا بلکہ فزکس، کیمسٹری، فلکیات اور اقتصاد کے بعض مسائل کے متعلق ان جدید علوم میں بھی مہارت حاصل کی اور یہ ان کے علم تاریخ، سوشالوجی اور سائیکالوجی کے علاوہ علمی سرمایہ تھا۔ اسی وجہ سے شعراوی کے پاس جامع علمی صلاحیت تھی جس کا اظہار انہوں نے اپنے تفسیری دروس اور دیگر محاضرات کے اندر آسان ترین اسلوب میں کیا۔²

2- شعراوی بحیثیت شاعر

علم دین کی طرح شیخ شعراوی کو شعر کی جانب رغبت بھی اپنے والد کی وجہ سے ہوئی جو انہیں ہر قصیدہ یاد کرنے پر ایک ریال انعام دیتے تھے جس کا شعراوی پر بہت مثبت اثر ہوا اور بعد ازاں وہ خود بھی شعر کہنے کے قابل ہو گئے۔³ مثال کے طور پر ایک بار سعودی شاعر غازی القصیبی⁴ لندن میں آپ کی عیادت کے لیے آئے تو انہوں نے شعراوی کے لیے یہ اشعار پڑھے:

ادعوا لشیخ المسلمین بأن تدوم به النقاوة
لما مضت عنه المارة لم تعد الا الحلاوة

ترجمہ: میں مسلمانوں کے شیخ کے لیے دعا گو ہوں کہ گرم جوشی ان پر ہمیشہ رہے، اور تلخی ان سے ختم ہوئی تو مٹھاس کے سوا کچھ نہ رہا۔

جس کے فوری جواب میں شعراوی نے یہ اشعار پڑھے:

اللہ أسأله لغازی أن یدیم به الحفاوة

(1) ڈاکٹر محمد رجب البیومی، (1923-2011ء)، مصری ادیب اور شاعر اور جامعہ الازہر کے استاد تھے۔ (النبوی عبدالواحد شعلان، محمد رجب البیومی حیاتہ

وشعرہ، مکتبۃ جامعۃ الازہر، القاہرہ، مصر 1990ء)

(2) البیومی، محمد متولی الشعراوی جولۃ فی فکرۃ الموسوعی الفسیح، ص: 40

(3) المنشاوی، الشیخ الشعراوی وحیدۃ الذکریات، ص: 75

(4) غازی عبدالرحمن القصیبی، (1940-2010ء)، شاعر، ادیب اور سعودی سفیر اور وزیر رہے ہیں۔

بسليم أجهزة تعيش

مع المرارة في الحلاوة¹

ترجمہ: میں غازی کے لیے اللہ سے دعا گو ہوں کہ ان کی پاکیزگی قائم رہے۔ وہ اچھی صحت کے ساتھ زندگی گزاریں، مٹھاس میں کڑواہٹ کے ساتھ۔

اسی طرح ان کا ایک شعر ہے:

کل دنیا تبني على غير دين

فبناء على شفير هار²

(ترجمہ: دنیا (کی ہر چیز) جو غیر دین پر تعمیر ہوتی ہے وہ موت کے کنارے پر کھڑی ہے)

یہ چند مثالیں شعر اوی کے شاعرانہ ذوق کو عیاں کرتی ہیں اور یہی کمال بیان شعر اوی کو حاصل تھا جس نے ان کے دروس کو جاذبیت بخشی اور وہ اپنے دل کی بات کو احسن اسلوب سے سامعین تک پہنچا پائے۔

3۔ شیخ متولی الشعر اوی اور تصوف

شعر اوی کے بقول وہ تصوف کے سلسلہ البازیہ سے منسلک تھے جو اصحاب سبز عمامہ پہنتے ہیں اور یہ مصر کے معروف سلسلہ جات سے الگ سلسلہ ہے جو اشraf (خاندان نبوی علیہم السلام) کے ساتھ خاص ہے۔ شعر اوی فرماتے ہیں کہ یہ نسب اشraf ہے، اس کا تعلق صرف اشraf سے ہے وہ اشraf جو حسن و حسین رضی اللہ عنہما کی نسل سے ہیں یعنی اہل بیت کی اولاد میں سے ہیں۔ اس ضمن میں ایک مکالمہ جو شیخ شعر اوی اور استاد سعید ابوالعینین کے درمیان ہوا۔ جو کے "دار اخبار الیوم" کے صحافی ہیں۔ استاد سعید ابوالعینین نے شعر اوی سے اس طریقے کے شیخ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ طریقہ البازیہ کے شیخ کا نام احمد سعود ہے جن کا خاندان اس طریقہ کی مشیخت کا وارث ہے جبکہ شعر اوی خاندان نقابت کا وارث ہے لہذا ہم نقباء ہیں یعنی ان کے نائین۔

شعر اوی کے صاحبزادے جناب شیخ عبدالرحیم اس حوالے سے مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ طریقہ بازیہ کی نسبت اپنے مؤسس جناب شیخ شمس الدین الباز سے ہے۔ ہمارے اجداد سعودی عرب سے (مصر) آئے اور سعودی عرب میں ایک گھاٹی موجود ہے جس کا نام مضیق الشعر اوی ہے۔³

یہ ساری گفتگو اس بات پر شاہد ہے کہ شعر اوی کا تعلق تصوف کے ہی ایک سلسلہ سے ہے۔ جیسا کہ اس کلام سے شعر اوی کا تعلق ایک صوفی طریقے سے ثابت ہوتا ہے لہذا اس امر کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ شعر اوی کے نزدیک تصوف کا مفہوم کیا ہے۔ شعر اوی کہ مطابق جب ہم کسی کے بارے میں کہتے ہیں کہ فلاں شخص 'الصوفی' ہے تو ہماری مراد ہوتی ہے کہ 'الذی صوفی' یعنی وہ جو صاف کیا گیا ہو۔ کیونکہ یہاں "ال" معرفہ کے طور پر نہیں بلکہ اسم

(1) احمد عمر ہاشم، الامام الشعر اوی مفسر اوداعیہ، دار اخبار الیوم، القاہرہ، 1998ء، ص: 24

(2) ایضاً

(3) ابوالعینین، الشعر اوی: أنا من سلالۃ اہل البیت، ص: 6-10 کچھ تصرف کے ساتھ

موصولہ "الذی" کے طور پر آیا ہے۔ لہذا "الصوفی" سے مراد وہ شخص ہوگا جو اللہ کی طرف سے صاف کیا گیا ہو..... اور الصفاء یہ ہے کہ تم اللہ سے مخلص ہو جاؤ۔ اور ہر ایک انسان یہ کوشش کرتا ہے کہ وہ اللہ تک پہنچے اور اس مقصد کے لیے وہ ایسا راستہ اپنانے کی کوشش کرتا ہے جو اس کی نظر میں سب سے مختصر ہو۔

لہذا جب صوفی ان عبادات کا اہتمام کرتا ہے جو فرائض سے زائد ہیں تو وہ اپنی ذات میں کئی ثمرات پاتا ہے جیسا کہ کچھ ایسی چیزوں کا مشاہدہ جو باقی لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو۔ اور اس کا یہ مشاہدہ اس بات کی دلیل بنتا ہے کہ گویا اللہ تعالیٰ اسے یہ اشارہ دے رہے ہیں کہ جو منہج تم نے اپنایا ہے یہی درست ہے اور جوں جوں صوفی زائد عبادات میں بڑھتا جاتا ہے اسی نسبت سے اس پر عطاء بھی بڑھتی جاتی ہے۔ آپ کے نزدیک تصوف ایک ریاضت ہے جس سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کو عبادت الہی کے ایک ایسے منہج پر عمل پیرا کرواتا ہے جو کہ فرائض سے بڑھ کر ہو لیکن فرائض ہی کی جنس سے ہو۔¹

لہذا شیخ شعر اوی کے نزدیک تصوف کا بنیادی ہدف اس راستے کی پیروی کرنا ہے جو انسان کو اللہ تعالیٰ کی رضا تک پہنچا دے۔ آپ کا یہ موقف ظاہری مفہوم کے اعتبار سے قابل تحسین ہے جس کی رو سے تصوف رضائے الہی کے حصول کے لیے زائد نقلی عبادات کا نام ہے جو اصلاً فرائض ہی کی جنس سے ہوں اور یہ مضمون تو حدیث نبوی بھی وارد ہوا ہے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ اللَّهَ قَالَ: مَنْ عَادَى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ، وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِي بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ، وَمَا يَزَالُ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتَّى أُحِبَّهُ--- الحديث))²

(ترجمہ: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس نے میرے کسی ولی سے دشمنی کی اسے میری طرف سے اعلان جنگ ہے اور میرا بندہ جن جن عبادتوں سے میرا قرب حاصل کرتا ہے اور کوئی عبادت مجھ کو اس سے زیادہ پسند نہیں ہے جو میں نے اس پر فرض کی ہے (یعنی فرائض مجھ کو بہت پسند ہیں جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ) اور میرا بندہ فرض ادا کرنے کے بعد نفل عبادتیں کر کے مجھ سے اتنا نزدیک ہو جاتا ہے کہ میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں....)

شعر اوی کے علمی ذخیرے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اگرچہ شیخ تصوف کی طرف میلان رکھتے تھے اس کے باوجود ان کے بیشتر عقائد منہج اسلاف کے عین مطابق ہیں۔ اور تصوف تو ان کے نزدیک اصلاً زہد و احسان کے معنی میں ہی ہے۔ شیخ شعر اوی کے گرد و جوار میں رہنے والے اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ آپ اپنی زندگی میں انتہا درجہ

(1) محمد جزر، عالم عصرہ فی عیون معاصریہ، ص: 80

(2) بخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل، الجامع المسند الصحیح المختصر من أمور رسول اللہ ﷺ و سننہ و آیامہ (صحیح بخاری)، مکتبہ دار ابن کثیر، دمشق۔ بیروت،

الطبع: اول، 2002ء، کتاب الرقاق، باب التواضع، حدیث: #6502

زاہد تھے اور علمی اور عملی اعتبار سے بہت پختہ تھے۔ خلاصہ یہ ہے کہ شعر اوی اصلاً صوفی تھے، لیکن شاید سعودی جامعات میں پڑھانے کی وجہ سے سلفیت سے متاثر تھے اور تصوف سے ہماری مراد زہد و احسان ہے نہ کہ مروجہ تصوف جس میں رطب و یابس کی آمیزش موجود ہے۔

3۔ خداداد صلاحیتیں

شعر اوی کے خطبات اور درس ہی ان کے اظہار علم کا وسیلہ تھے جنہیں وہ لوگوں تک آسان طریقے سے پہنچاتے تھے۔ اس کام کے لیے بلاشبہ ایسا اسلوب درکار ہے جس میں معلومات کو سامعین تک ان کی استيعابی قدرت کو مد نظر رکھتے ہوئے بیان کیا جائے اور خطبات کو مختصر اور جامع رکھا جائے۔ شعر اوی ہمیشہ ایسے اسلوب سے خطاب کرتے جو سب لوگوں تک پیغام پہنچا دیتا اگرچہ وہ کلام کو دوہرایا نہ کرتے تھے۔ بلاشبہ یہ شعر اوی کی خداداد صلاحیت تھی۔ ڈاکٹر محمد رجب البیومی کے مطابق شعر اوی کو اللہ کی طرف سے عطا کردہ اس خاص خطیبانہ صلاحیت کی دلیل شعر اوی کے درس رمضان ہیں جو روزانہ کی بنیاد پر بعد از نماز عصر منعقد ہوتے تھے۔ کیونکہ اگر ہفتہ وار درس ہو تو اس کی تیاری اور افکار کو جمع و مرتب کرنے کا موقع ہوتا ہے مگر ان یومیہ درس کے بارے میں آپ کیا کہیں گے جو کئی سال تک جاری رہے اور ہم یومیہ درس میں بھی شعر اوی کو اتنا ہی مستعد پاتے ہیں جتنا ہفتہ وار درس میں۔ بلاشبہ یہ اللہ کا خاص عطیہ تھا تو جو اس نے شعر اوی کو عطا کیا تھا۔¹

استاد عبدالمنعم الصاوی کے مطابق شعر اوی کی زبان سے دوران درس جو علمی کلمات نکلتے تھے وہ صرف ایک ایسے شخص کی زبان سے ادا ہو سکتے تھے جو علم کی گہرائی رکھتا ہو یہاں تک کہ اسے یہ علم انگلیوں پر ازبر ہو اور وہ بیان کرتے ہوئے اسے اتنا آسان کر دے کہ سادہ لوح انسان بھی اسے سمجھ سکے۔ پھر شعر اوی کی ذمہ داری مزید مشکل ہو جاتی ہے جب آپ یہ تصور کرتے ہیں کہ وہ صرف ایک خاص طبقہ یا علماء کی ایک جماعت سے مخاطب نہ ہوتے تھے بلکہ وہ تمام لوگوں سے بیک وقت خطاب فرماتے تھے لہذا ان پر لازم تھا کہ وہ ایسا معتدل اسلوب اختیار کریں جو تمام عقول کے لیے قابل قبول ہو۔²

4۔ اعلیٰ اخلاق

ایک داعی کے لیے سب سے زیادہ ضروری چیز اچھے اخلاق ہوتے ہیں اور یہی وہ حکمت ہے جسے موعظ حسنہ کے ساتھ ملا کر بہترین دعوت دی جاسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں شعر اوی کو علمی استعداد عطا کر رکھی تھی وہیں بہترین اخلاق سے بھی بہرہ مند فرمایا تھا۔ شعر اوی دنیا سے بے رغبت، اللہ پر تکل کرنے والے اور بے حد درجہ سخی

(1) البیومی، محمد متولی الشعر اوی جولہ فی فکر الموعظ الفسیح، ص: 30

(2) جزر، محمد لیس، الشیخ الامام داعیہ الاسلام محمد متولی الشعر اوی: عالم عصرہ فی عیون معاصرہ، دار الخلیل، بیروت، 1990، طبع: دوم، ص: 8-9

تھے۔ انہوں نے اپنی ذات کو پس پشت ڈالتے ہوئے اپنے مال کو اللہ کی راہ میں دائیں اور بائیں خوب خرچ کیا۔ شعر اوی کے ذاتی ڈرائیور عبدالمنعم فرغلی گواہی دیتے ہیں کہ انہوں نے شیخ کے ساتھ ایک طویل وقت گزارا اور ہمیشہ انہیں محتاجوں کے لیے صاحب جود و عطا پایا۔ انہوں نے اپنی گاڑی کے ایک خانے میں ہمیشہ پیسے رکھے ہوتے تھے تاکہ راستے میں اگر اچانک سے کوئی محتاج آجائے تو اسے دے سکیں۔¹

امام شعر اوی علمی اعتبار سے اگرچہ بلند مقام پر تھے اور آپ کی شہرت سے ہر عام و خاص واقف تھا لیکن اس سب کے باوجود، آپ کے اندر انتہا درجے کی تواضع اور عاجزی تھی۔ شعر اوی جب وزیر بنے تو اپنی کرسی پر بھی نہ بیٹھتے تھے اور اگر لوگوں کی جانب سے زیادہ احترام و محبت ملتی تو دل کی صفائی کے لیے وضو کر لیا کرتے تھے۔² اسی طرح جب آپ الازہر میں طالب علم تھے تب اپنے اساتذہ سے چھپ کر ان کے جوتے صاف کرتے اور کہا کرتے کہ فتوحات علم تواضع کے بغیر نہیں حاصل ہو سکتیں۔³

شعر اوی ایک بے باک اور اصول پسند انسان تھے۔ حق بات بیان کرنے میں کسی کی ملامت کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ آپ کے متعلق مذکور ہے کہ ایک دفعہ ایک سابقہ وزیر نے آپ سے پندرہ لاکھ مصری کرنسی قرض مانگی تو شیخ نے انہیں رقم دے دی جس کے بدلے میں وزیر صاحب نے انہیں ایک چیک دے دیا جو باؤنس بیک ہو گیا۔ شعر اوی نے اگرچہ اس کے بعد وزیر سے رقم طلب کی لیکن وہ ٹال مٹول کرتا رہا جس پر آپ کے بعض ساتھیوں نے کہا کہ آپ ان کے خلاف مقدمہ درج کریں اور اس وزیر کو جیل بھجوا دیں جس پر شعر اوی نے وہ چیک نکالنا اور اسے ٹکڑے ٹکڑے کرتے ہوئے کہنے لگے: "یہ اللہ کے لیے اس کے ہوئے، ہمارا رب اس سے نرمی برتے!" اسی طرح وہ اپنے ڈرائیور سے کہا کرتے: "اے میرے بیٹے جو تجھے راضی نہ کرے تو اسے راضی کر اور ہمیشہ خیر ہی کرنا۔"⁴

ز۔ شعر اوی ہم عصر علماء کی نظر میں

شعر اوی اپنی علمی قابلیت، خداداد صلاحیتوں اور دینی و علمی خدمات کی بدولت اہل علم کی مدح کے مستحق ٹھہرے۔ ذیل میں چند علماء کی شعر اوی کے بارے میں آراء نقل کی جا رہی ہیں:

(1) المنشاوی، الشیخ الشعر اوی وحديث الذکریات، ص: 79

(2) دیکھیے: المنشاوی، الشیخ الشعر اوی وحديث الذکریات، ص: 79، ابو العینین، الشعر اوی الذی لا نعرفہ، ص: 189

(3) ایضاً، ص: 78

(4) دیکھیے: المنشاوی، الشیخ الشعر اوی وحديث الذکریات، ص: 80

(1) جامعہ الازہر کے سابقہ رئیس ڈاکٹر احمد عمر ہاشم¹ کہتے ہیں کہ شعر اوی ان لوگوں میں سے تھے جن کے لیے

ان کے رب کے پاس "قدم صدق" ہے۔ انہوں نے قرآن سے محبت کی تو اللہ نے ان پر اس کے اسرار کھول دیئے، رسول اللہ ﷺ سے محبت کی تو اللہ نے ان پر انوار رسالت عیاں کر دیئے، پھر وہ اپنے دل کے ساتھ اپنے رب سے جڑے، قرآن کریم کی تفسیر کرنے لگے اور اس کے معنی کی تحلیل کرنے لگے۔ وہ ہر ایک آیت، حرف اور کلمہ پر رکتے اور مشکل ترین معانی کو آسانی سے بیان کر دیتے یہاں تک کہ اسے ایک عالم اور جاہل، تعلیم یافتہ اور ناخواندہ سب سمجھ جاتے۔ یہ نادر صلاحیت نہیں حاصل ہوتی مگر صرف اسی شخص کو جو بیان کی چوٹی پر فائز ہو اور حکمت و فصل خطاب عطا کیا گیا ہو! ومن یوت الحکمة فقد اوتی خیراً کثیراً۔²

(2) ڈاکٹر محمد رجب البیومی شیخ شعر اوی کے متعلق رقم طراز ہیں کہ روشن وضاحت ان کی شخصیت کی وہ کنجی تھی جس سے انسان پوشیدہ خزانوں تک رسائی حاصل کر لیتا ہے اور یہ وضاحت ہم ان کے اسلوب میں ایسے ہی دیکھتے ہیں جیسے ان کے سلوک میں دیکھتے ہیں۔ گویا کہ جب آپ جبر و اختیار اور ارادہ و قدر کے دقیق مسائل میں شیخ کی شرح کو سنتے ہیں تو آپ کو اندازہ ہوتا ہے کہ جو لوگ منطق اور اس کے مقدمات کے مطابق نتائج

اغذ کرتے ہیں وہ لوگ اس مقام کے عشر عشر تک بھی نہیں پہنچ پائے جہاں تک شعر اوی پہنچے۔³

(3) شیخ یوسف القرضاوی⁴ نے امام شعر اوی کو اپنا شیخ اور استاد کہا ہے۔ آپ کے مطابق وہ ایک عظیم مفسر قرآن تھے اور ذوق ایمانی رکھنے والے عالم ربانی تھے۔ آپ ایک ایسے منفرد مربی تھے جنہوں نے قلوب و عقول کو ر حیق ایمان اور علم و اسلام سے منور کیا۔ آپ دعوت دین کا ایک ستون تھے اور ان چند لوگوں میں سے تھے جنہوں نے عصر حاضر میں امت کے لیے علم ہدایت اٹھار کھا تھا۔⁵

(4) استاد عبد المنعم الصاوی شعر اوی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ فضیلة الامام محمد متولی الشعر اوی علم کا وسیع العطاء سمندر تھے اور ان کی دلچسپ گفتگو سے بوریات کا احساس تک نہیں ہوتا تھا۔ امام شعر اوی کی امتیازی خصوصیت یہ تھی کہ انہوں نے دین کی جو بھی تشریحات بیان کیں ہیں، عملاً اس کے مطابق زندگی بھی

(¹) ڈاکٹر احمد عمر ہاشم (1941ء تا حال)، علم حدیث کے استاد، اور 1995-2003ء تک جامعہ الازہر کے رئیس رہے۔ (یاسر مغاوری عبد الحمید عمر،

الاستاذ الدكتور أحمد عمر هاشم وجوده في الحديث النبوي، مقالہ برائے پی ایچ ڈی، جامعۃ الازہر، 2013ء)

(²) احمد عمر ہاشم، الامام الشعر اوی مفسر اوداعیہ، ص: 122

(³) البیومی، محمد متولی الشعر اوی جولینہ فی فکر الموعود الفصح، ص: 32

(⁴) یوسف القرضاوی (9 ستمبر 1926ء تا حال) جامعہ الازہر سے پی ایچ ڈی، عالم اسلام کے ممتاز ترین مصری عالم دین، اخوانی فکر کے حامل، صدر عالمی اتحاد

برائے علمائے اہل اسلام ہیں۔ (أعضاء ملتقى أهل الحديث، المعجم الجامع في تراجم العلماء و طلبہ العلم المعاصرين، ص: 370)

(⁵) القرضاوی، دکتور، یوسف، فی وداغ الاعلام، الدار الشامیہ للطباعة والنشر، استنبول، ترکی، طبع: اول، 2016ء، ص: 423

گزاری ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شعر اوی نے جن معانی و مفاہیم کے لیے غور و خوض کیا تھا وہ خود ان کا جز بن گئے تھے یا وہ معانی ان کی زندگی کا جز بن گئے تھے۔ انہوں نے اپنی زبان ہاتھ اور ہر جذبے کو حرکت دی۔ اس طرح سے جو بھی معانی ان کے ہونٹوں سے نکلتے سامعین پر گہرا اثر ڈالتے، ان کی نگاہیں اور توجہ شعر اوی پر ہی مرکوز رہتی اور وقت گزرنے کا احساس تک نہ ہوتا۔

استاد عبدالمنعم الصاوی مزید فرماتے ہیں کہ شیخ کی بیانی مہم اور بھی مشکل معلوم ہوتی ہے جب ہم اس بات کا تصور کرتے ہیں کہ شیخ کا مخاطب صرف کوئی ایک خاص عوامی طبقہ یا علماء کا گروہ نہ تھا بلکہ آپ کے سامعین میں تمام لوگ شامل ہوتے تھے۔ لہذا شعر اوی پر لازم ہو جاتا کہ وہ ایک ایسا متوسط اسلوب اپنائیں جو تمام عقول کے لیے قابل قبول ہو۔¹

(5) امام شعر اوی کے صاحبزادے الحاج عبدالرحیم فرماتے ہیں:

"ہمارے والد ہم سے ایسے ہی پیش آتے جیسے وہ باقی لوگوں سے پیش آتے اور ہمیں کسی پر ترجیح نہ دیتے.... جب انہیں معلوم پڑتا کہ ہم میں سے کسی نے محتاج و مسکین کی مدد سے انکار کیا ہے تو وہ ہم پر سخت ناراض ہوتے اور وہ ہمیں بچپن سے یہ تعلیم دیتے رہے کہ محتاجوں کی مدد کرنا پوری دنیا سے اہم ہے۔"²

(6) دیدی محرم نجاری ایک انڈونیشی طالب علم تھے جنہیں شعر اوی کی وفات کی خبر ملی تو بغیر کسی تاخیر کے وہ لنڈن سے مصر پہنچ گئے۔ 1955ء میں شعر اوی جمال عبدالناصر کے ہمراہ انڈونیشیا آئے اور ان سے ملاقات ہوئی، اس کے بعد وہ شعر اوی کے اسلوب تفسیر قرآن سے بہت متاثر ہوئے۔³

اس کے علاوہ متعدد علماء امت ایسے ہیں جنہوں نے شعر اوی کی وفات پر غم کا اظہار کیا اور شعر اوی کی وفات کو امت کے لیے ایک ناقابل تلافی نقصان شمار کیا۔ علماء کے ان اقوال سے بلاشبہ شعر اوی کی قدر و منزلت واضح ہوتی ہے۔ ان علماء میں شیخ الازہر دکتور محمد سید طنطاوی، وزیر اوقاف دکتور محمود حمدی زقزوق، مصر کے سابق مفتی اعظم نصر فرید، جامعہ محمد بن سعود کے استاد دکتور محمد عبدالمحسن الراوی، الشیخ حسن الشناوی، اور دیگر بہت سے علماء شامل ہیں۔⁴

(1) محمد لیس، عالم عصرہ فی عیون معاصریہ، ص: 8

(2) ابراہیم حسن الأشقر، الأيام الخیرة فی حیاة الشعر اوی، ص: 79

(3) ابراہیم حسن الأشقر، الأيام الخیرة فی حیاة الشعر اوی، ص: 79

(4) دیکھیے: ابوالعینین، سعید، ماذا قالوا عن الشعر اوی بعد وفاته، دار أخبار الیوم، القاہرہ، طبع: چہارم، ص: 44، ابراہیم حسن الأشقر، الأيام الخیرة فی حیاة الشعر اوی، ص: 77

خلاصہ بحث یہ ہے کہ شعر اوی کی ولادت اگرچہ مشکل حالات اور پسماندہ و غیر معروف علاقے میں ہوئی لیکن آپ کے والدین کی کوشش اور جذبے کی وجہ سے آپ نے محدود وسائل کے باوجود دینی تعلیم کا سفر جاری و ساری رکھا جس دوران آپ نے مختلف اداروں اور اساتذہ سے استفادہ کیا۔ کسی بھی شخص کی کامیابی میں اس کے والدین کا مرکزی کردار ہوتا ہے۔ آپ کے اخلاص اور ان تھک محنت کے نتیجے میں کامیابی کے دروازے آپ پر کھلتے چلے گئے اور آپ کو پہلے دین سیکھنے اور بعد میں دین سکھانے کے متعدد مواقع میسر آئے جن کا آپ نے بھرپور فائدہ اٹھایا۔

شعر اوی کو اللہ تعالیٰ نے متعدد صفات حسنہ سے متصف فرمایا تھا۔ آپ اعلیٰ علمی صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ اعلیٰ اخلاقی صفات سے بھی لیس تھے۔ تواضع و انکساری کے ساتھ آپ میں حق گوئی کی جرات و شجاعت بھی موجود تھی۔ شعر اوی نے کسب معاش کے حوالے سے فکر مند ہونے کی بجائے توکل علی اللہ کا راستہ اختیار کیا اور دل کو ہمیشہ دنیا کی محبت سے خالی رکھا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کا جو بھی مال و متاع دیا آپ نے اسے اپنی آخرت سنوارنے کے لیے وقف کیے رکھا اور ہمیشہ مال و منصب سے بے رغبتی کا مظاہرہ کیا جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس یقین اور زہد کے طفیل دنیا سے مستغنی کیا اور نیک و صالح اولاد اور متعدد تلامذہ عطا فرمائے اور آپ کے علمی فیض کو دنیا کے کونے کونے میں پھیلا دیا۔ علمی صلاحیتوں کے اعتبار سے آپ دینی علوم کے ساتھ جدید سائنسی علوم سے بھی آگاہ رہتے تھے۔

شعر اوی کے ہم عصر علما میں اگرچہ بہت بڑے ناموں کا تذکرہ ہوتا ہے لیکن ان کے درمیان بھی شعر اوی کی صلاحیتیں اور خدمات نکھری ہوئی نظر آتی ہیں۔ آپ کے ہم عصر علماء بھی آپ کی ان صفات کے معترف ہیں۔ آپ کی زندگی ایک داعی اسلام کے لیے مثالی زندگی ہے۔

شیخ محمد متولی الشعر اوی کے سیاسی، دعوتی اور علمی کارنامے

الف۔ شعر اوی کی سیاسی زندگی

شعر اوی نے ملکی و ملی اصلاح کے لیے ہمیشہ اپنی خدمات کو وقف رکھا اور اس غرض سے انہوں نے سیاست میں حصہ بھی لیا مگر آپ کی زندگی میں سیاسی عمل کے حوالے سے دو متضاد آراء سامنے آتی ہیں:

1۔ سیاست میں اصلاح و تبدیلی کی غرض سے حصہ لینا

2۔ سیاست سے کنارہ کشی

پہلا موقف: اصلاح و تبدیلی کی غرض سے سیاست میں حصہ لینا

جہاں تک پہلے موقف کا تعلق ہے تو بلاشبہ شعر اوی کی ولادت ایک ایسے دور میں ہوئی جب انگریز مصر پر قابض تھے اور ہر قسم کی سیاسی، عسکری اور اجتماعی جدوجہد پر پابندیاں لگا رکھی تھیں۔ شعر اوی جب الز قازیق میں الازہر کے مرحلہ ثانویہ میں پہنچے تو آپ میں ملی و وطنی جذبہ پروان چڑھا۔ شعر اوی کا یہ ادارہ ایسی تمام انقلابی جدوجہد کا مرکز تھا جو الازہر کے زیر اثر خارج القاہرہ کی جاتی تھیں۔ اور اس سے یہ ظاہر ہے کہ مہد الز قازیق کے تمام طلبہ ملی اور قومی جذبے کے رنگ میں رنگے تھے۔¹

شعر اوی کے مطابق یہ تحریک "حرکتہ الشیخ المرائی" تھی جس سے وہ خود اور الز قازیق کے دیگر طلبہ منسلک تھے۔² بعد میں یہی ملی و قومی اور وطنیت کا جذبہ شعر اوی کو "وفد پارٹی" کے قریب لے گیا۔ شعر اوی وفد پارٹی کے ایک فعال کارکن بن کر وفد اور مصطفیٰ النحاس³ کی حمایت میں مختلف امور سرانجام دیتے رہے۔ شعر اوی مصطفیٰ النحاس سے شدید محبت رکھتے تھے اور ان کے بے حد معترف بھی تھے۔⁴

اسی طرح 1919ء کے انقلاب کے روح رواں اور وفد پارٹی کے سربراہ جناب سعد زغلول اور شیخ شعر اوی کے درمیان محبت کا رشتہ قائم تھا۔ ایک بار سعد زغلول اپنے گدھے سے گر کر اپنی پسلی تڑوا بیٹھے تو شعر اوی اپنے والد کی معیت میں ان سے ملنے گئے۔⁵ وفد پارٹی کے ساتھ شعر اوی کے گہرے روابط تھے اور وہ ان کے متعدد مظاہرات وغیرہ

(1) ابوالعینین الشعر اوی الذی لا نعرفہ، ص: 30

(2) ابوالعینین، سعید، الشعر اوی بن الاسلام والسیاسة، دار اخبار الیوم، ص: 32

(3) مصطفیٰ النحاس (1879-1965ء)، بیسویں صدی میں مصر کے ایک نامی گرامی سیاستدان تھے۔

(4) دیکھیے: ابوالعینین، الشعر اوی الذی لا نعرفہ، ص: 31 اور ص: 53

(5) محمد زاید، الراوی ہوا الشعر اوی، مذکرات امام الدعاة، ص: 56

میں شریک ہوتے اور خطاب بھی فرماتے۔ اس وجہ سے انہیں ایک ماہ جیل میں قید بھی رہنا پڑا۔¹ سیاست میں اصلاح و تغیر کی غرض سے ہی شعر اوی نے وزارت اوقاف و شؤون الازہر کا منصب قبول کیا۔
دوسرا موقف: سیاست سے کنارہ کشی

شعر اوی کا یہ موقف وزارت اوقاف کے بعض تلخ تجربات کی بنیاد پر بنا جیسا کہ امام شعر اوی نے ایک جریدے کو انٹرویو دیتے ہوئے وزارت میں کام کرتے ہوئے محسوس کیا کہ ایک اسلامی کام کو جعل سازی سے نظام وضعی میں شامل کیا جا رہا ہے اور یہی تھکاوٹ کا راز ہے۔²

شعر اوی کے نزدیک وزارت اوقاف زندگی کا سب سے برا تجربہ تھا سو جب شعر اوی سے یہ سوال کیا گیا: "کیا وزارت اوقاف قبول کرنے پر آپ نادم ہیں؟" شعر اوی نے جواب دیا: "نہیں! لیکن میں اسے دوبارہ قبول کرنا پسند نہ کروں گا۔" اور شعر اوی نے مصری مثال دی: "كفاني من الدست مغرفة" یعنی "میں نے اس برتن سے جو لے لیا وہ میرے لیے کافی ہے اور مجھے مزید کی حاجت نہیں ہے۔"³ اس تلخ تجربے کا شعر اوی پر یہ اثر ہوا کہ انہوں نے سیاست سے مکمل کنارہ کشی اختیار کر لی اور وہ اکثر کہا کرتے:

"السياسة هي صراع بين فكر بشري يصارع فكرا بشريا، أما الدين فهو خضوع فكر بشري لفكر السماوي"⁴

(ترجمہ: سیاست ایک جدوجہد ہے جو ایک انسانی سوچ اور دوسری انسانی سوچ کے مابین واقع ہوتی ہے، جبکہ دین انسانی سوچ کو خدائی فکر کے ماتحت کرنے کا نام ہے)

بعد میں شعر اوی کو مصری مجلس شوریٰ کا حصہ بننے اور الازہر کی سربراہی کی پیشکش بھی ہوئی لیکن انہوں نے اس سے معذرت کر لی۔⁵

شعر اوی کی بعض منفرد سیاسی آراء

مصر کے سیاسی حالات کا شعر اوی پر جو منفی اثر پڑا اس کا اندازہ شعر اوی کی بعض سیاسی آراء سے ہوتا ہے۔ شعر اوی کے نزدیک ریاست کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ جدید وضعی سیاسی نظام کو اختیار کر لے۔⁶ اسی طرح آپ نے "الدعوى" میگزین کو انٹرویو دیتے ہوئے انور سادات کے متعلق فرمایا:

(¹) المنشاوی، الشیخ الشعر اوی وحديث الذکریات، ص: 25-26

(²) شعر اوی، انٹرویو، جریدة دار اخبار الیوم، 18 اکتوبر 1980ء

(³) محمد جزر، عالم عصرہ فی عیون معاصریہ، ص: 147

(⁴) ابوالعینین، الشعر اوی بین الاسلام والسیاسة، ص: 38

(⁵) المنشاوی، الشیخ الشعر اوی وحديث الذکریات، ص: 48

(⁶) ایضاً: ص: 120

"لو كان لي من الأمر شيء، لحكمت لهذا الرجل الذي رفعنا تلك الرفعة، وانتشلنا مما كنا فيه إلى

قمة، «ألا يُسأل عما يفعل وهم يُسألون»¹

"اگر معاملہ میرے اختیار میں ہوتا تو، اس شخص کے بارے میں جس نے ہمیں ان رفعتوں پر پہنچایا، اور اس

حالت سے نکالا جس میں ہم تھے، میں یہ فیصلہ کرتا کہ وہ جو کچھ بھی کر لے تب بھی اس سے سوال نہ ہو۔"²

اسی طرح شیخ شعر اوی حسنی مبارک کے بھی بہت معترف تھے اور ان کے بقول مبارک انتہائی امین، شفیق،

خدا ترس انسان تھی اور انہوں نے عوام کی خدمت کی غرض سے خود کو اللہ کے لیے وقف کر دیا تھا۔³

اسی طرح ایک اور مقام پر آپ نے دین بدلنے کی آزادی دینے اور مرتد کو قتل کرنے سے گریز کرنے کا ذکر

کیا ہے۔ آپ کے بقول مذہب تبدیل کرنے کی آزادی ہونی چاہیے اور مرتد کو قتل کرنے سے اعراض کرنا چاہیے۔⁴

ہمیں اس قول کی تفصیل نہیں ملتی کہ شعر اوی کی اس بات سے حقیقی مراد کیا ہے البتہ ظاہری طور پر آپ کی یہ بات کتاب و سنت کے خلاف ہے۔

شعر اوی کے مطابق تیسری اسلامی دنیا میں حکمرانی بہت سے لوگوں کے لیے ایک شہوت بن گئی ہے اور وہ

اپنی شہوت کے حصول کے لیے ہر وسیلہ اختیار کرنے کو تیار ہیں۔⁵ آپ کی یہی رائے بعد میں اخوان المسلمین کے لیے بھی بن گئی تھی۔

شعر اوی اور الاخوان المسلمون

شعر اوی کا اخوان سے پہلی بار تعلق تب قائم ہوا جب امام حسن البنا رحمہ اللہ قاہرہ آئے اور تحریک

اسماعیلیہ سے قاہرہ منتقل ہوئی۔ آپ امام حسن البنا کی شخصیت سے متاثر تھے۔ شعر اوی اور شیخ احمد شریعت، شیخ

الباقوری اور حسن البنا کے درمیان متعدد ملاقاتیں ہوئیں۔ اخوان کا پہلا منشور بھی شعر اوی ہی کے ہاتھوں کا لکھا

ہوا ہے۔ اور یہ تعلق کچھ عرصہ قائم رہا پھر ایک مجلس میں جب شعر اوی اخوان کے ساتھ بیٹھے تھے کچھ ایسا واقعہ

پیش آیا جو شعر اوی اور اخوان کے مابین علیحدگی کا باعث بنا۔

شعر اوی ایک رات آپ اور اخوانی جماعت کے دیگر ساتھی کچھ گفت و شنید کر رہے تھے اور حسن البنا

بھی اس محفل میں موجود تھے کہ فجر سے کچھ پہلے سیاسی قائدین کے بارے گفتگو ہونے لگی کہ اخوان کس کی

حمایت کریں اور کس کے ساتھ کھڑے ہوں؟ شعر اوی نے محسوس کیا کہ حاضرین مجلس النحاس پاشا کے معاملے

(¹) مجلۃ الدعوة (المصرية) شمارہ: 22، مارچ: 1978ء، ص: 50

(²) مجلۃ الدعوة (المصرية) شمارہ: 22، مارچ: 1978ء، ص: 50

(³) ایضاً: ص: 124

(⁴) شعر اوی، محمد متولی، اعداد: مجدی الحفناوی، قضا یا اسلامیہ، دار لشرق، القاہرہ، 1979ء، ص: 27

(⁵) محمد محبوب، الشعر اوی من القرية إلى العالمية، ص: 21

میں تعصب کا شکار ہیں اور صدیق پاشا کی حمایت کر رہے ہیں تو شعر اوی نے اس پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ وہ لوگ جو اپنی نسبت دین سے کرتے ہیں، اگر بلا تعصب انہیں کسی سیاسی قائد کی حمایت کرنی چاہیے تو وہ شخص مصطفیٰ النحاس باشا کے سوا کوئی نہیں کیونکہ وہ ایک اچھا اور متقی انسان ہے اور ہمارے رب کی معرفت رکھتا ہے اور میں اس کی مخالفت کا کوئی سبب محسوس نہیں کرتا اور یہی بات مبنی بر حکمت بھی ہے۔

شعر اوی کے بقول جب آپ نے یہ بات کہی تو ایک صاحب مجلس، جن کا نام آپ نے بیان نہیں کیا، وہ کہنے لگے کہ النحاس باشا ہی تو ہمارا حقیقی دشمن ہے کیونکہ وہ اکثریت کا قائد ہے اور یہی اکثریت ہماری مقبولیت کے لیے پریشان کن ہے جبکہ اس کے سوا باقی قائدین اور جماعتوں پر تو اگر ہم تھوک بھی دیں تو وہ بچھ جائیں گی اور ختم ہو جائیں گی!

شعر اوی کے بقول یہ کلام ان کے لیے نیا اور حیران کن تھا اور وہ بالکل بھی اس کی توقع نہیں کر رہے تھے۔ آپ نے یہ نتیجہ نکالا کہ یہاں مسئلہ دعوت یا دینی جماعت کا نہیں بلکہ سیاست اور اکثریت و اقلیت کا ہے، اقتدار کی حرص کا ہے لہذا اسی رات آپ نے اخوان سے دور ہونے کا عہد کر لیا۔ جس کے بعد 1938ء میں آپ انتہائی ادب کے ساتھ معذرت کر کے ان سے علیحدہ ہو گئے۔¹

شعر اوی کا اخوان کے بارے میں یہ سخت موقف قائم رہا یہاں تک کہ ایک بار آپ نے کہا:

"میں الاخوان المسلمون سے معاملہ کرنے پر اہل کتاب سے معاملہ کو ترجیح دینا پسند کروں گا۔"²

شعر اوی نے اخوان سے علیحدگی کا جو عذر بتایا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شعر اوی کی یہ رائے محض کسی ایک یا چند اشخاص کے رویے سے متاثر ہو کر بنی جو درست نہیں ہے۔ کسی بھی جماعت کے بارے میں رائے قائم کرنے کے لیے اس کے بعض اراکین کی آراء پر انحصار نہیں کرنا چاہیے بلکہ اس جماعت کے نظریہ اور عمومی منہج کو دیکھا جانا چاہیے۔ جہاں تک شعر اوی کا اخوان کے متعلق یہ قول ہے کہ "اخوان کا ارادہ دین کا غلبہ نہیں بلکہ سیاست و اقتدار کا حصول ہے" یہ بات بالکل درست نہیں ہے بلکہ اخوان کے پیش نظر صرف نفاذ اسلام ہے اور اس مقصد کے حصول کے لیے ان کی جانب سے دی جانے والی بے شمار قربانیاں ان کی صداقت کی دلیل ہیں۔ لیکن یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اگرچہ شعر اوی اخوان سے علیحدہ ہو گئے مگر ان کا اور اخوان دونوں کا مطالبہ ایک ہی ہے کہ اللہ کی زمین پر اللہ کے حکم کے مطابق حکومت کی جائے۔

(1) أبو العینین، الشعر اوی الذی لا نعرفہ، ص: 68

(2) مجلۃ الدعوة (المصریۃ) نمبر: 22، مارچ: 1978ء

ب۔ شعر اوی کی معاشرتی خدمات

شعر اوی نے معاشرتی اصلاح کے لیے قابل ذکر خدمات سرانجام دیں جن کا سلسلہ شعر اوی کی وفات کے بعد بھی جاری ہے اور بلاشبہ یہ وہ صدقہ جاریہ کا عظیم سلسلہ ہے جو شعر اوی کے نامہ اعمال میں درج ہوتا رہے گا۔ ان خدمات میں سب سے اہم تو شعر اوی کی وہ علمی خدمات ہیں جو وہ مختلف جامعات میں اپنے تدریسی فرائض کی ادائیگی کے دوران ادا کرتے رہے، لیکن ان تدریسی خدمات سے بھی زیادہ اہم شعر اوی کے دروس قرآنی ہیں جنہیں قبولیت عامہ کا شرف حاصل ہوا اور وہ بہت سے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کا ذریعہ بنے۔ ان دروس کا اکثر حصہ اب کتابی شکل میں بھی موجود ہے لہذا اس کی تفصیل شعر اوی کی تصانیف کے تعارف کی صورت میں بیان ہو جائے گی۔ عملی میدان میں بھی شعر اوی نے کافی کام کئے جن میں سے چند قابل ذکر درج ذیل ہیں۔

1۔ شعر اوی کمپلیکس

یہ پانچ منزلہ عمارت پر مبنی کمپلیکس ہے جو 1989ء میں دقا دوس میں شعر اوی کی کوششوں سے قائم کیا گیا جہاں پر دینی اور ثقافتی سیمینار اور شعر اوی کے تفسیری دروس منعقد ہوتے تھے۔ یہاں شعبہ حفظ قرآن بھی موجود ہے جہاں طالب علموں کو جدید ذرائع ابلاغ کے توسل سے تعلیم دی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ یتیموں کی کفالت، شعبہ تجہیز و تکفین اور دیگر فلاحی کاموں کے لیے بھی اس کمپلیکس میں انتظام موجود ہے۔¹

2۔ ابتدائی مدرسہ علی بن ابی طالب کی تعمیر نو

مدرسہ علی بن ابی طالب کی تعمیر نو کا کام شعر اوی کی زیر سرپرستی سن 1987ء میں ہوا اور اس مدرسے کے ساتھ 200 مربع میٹر کی مسجد کا الحاق کر دیا گیا تاکہ مدرسے کے طالب علم اور قریبی لوگ اپنی نماز پنچگانہ جماعت کے ساتھ ادا کر سکیں۔²

3۔ مہدا لشعر اوی الدینی الابتدائی الازہری

اس ادارے کی تعمیر سن 1992ء میں شروع ہوئی اور سن 1995ء میں الازہر نے اس کا چارج سنبھال لیا۔ اس بلڈنگ کا کل رقبہ 300 مربع میٹر ہے اور اس میں شاگردوں کی تعداد 500 سے زائد ہے جو دینی علوم حاصل کرنے میں مشغول ہیں۔ یقیناً شعر اوی کی جانب سے ان کے آبائی علاقہ کے لیے یہ بہت بڑا تحفہ ہے۔

(¹) <https://www.elbalad.news/1487781> (10th Oct, 2022)

(²) <https://dalilbook.com/ar/phone/0506921309> (10th Oct, 2022)

3۔ عوامی پارک

مجمع الاسلامی اور شعر اوی کی مشترکہ کاوشوں سے دقادوس میں ایک عوامی پارک بنایا گیا جس کی وسعت 400 مربع میٹر ہے۔ بعد میں اس پارک کو سٹی کونسل کے نام عطیہ کر دیا گیا۔

4۔ مسجد سید محمد نصر الدین الاربعین (المسجد الکبیر)

1993 کے زلزلے سے اس کے مینار کے منہدم ہونے کے بعد مسجد کو بھی منہدم کر دیا گیا تھا۔ پھر اس کی تعمیر نئے سرے سے شعر اوی کے خرچ پر ہوئی۔ اس کے علاوہ اس میں کم آمدنی والوں کے لیے پچیس عدد ڈپارٹمنٹ والی ایک رہائشی عمارت تعمیر کی گئی۔ اور شعر اوی کے نام سے ایک ہسپتال کی تعمیر بھی شروع کی گئی لیکن یہ تاحال مکمل نہیں ہو سکا۔

یہ چند کوششیں تھیں جو شعر اوی نے خاص طور پر اپنے پیدائشی علاقے دقادوس کے لیے کی اور جن پر اہل دقادوس آج بھی شعر اوی کے شکر گزار ہیں اور ان کے لیے دعا گو ہیں۔

5۔ شعر اوی کی دیگر علاقوں کے لیے خدمات

شعر اوی کی خدمات صرف اپنے شہر تک محدود نہ تھیں بلکہ مصر کے دیگر شہروں میں بھی آپ کی وساطت سے خیر کثیر پھیلی۔ شعر اوی نے قاہرہ میں ایک خیراتی ادارہ قائم کیا جس کے ذمے نادار و محتاج لوگوں کو کھانا کھانا اور ان کی دیگر ضروریات کی تکمیل تھا۔ اس کے علاوہ بھی بہت سے خیر کے کاموں میں شعر اوی کا حظ وافر ہے کیونکہ آپ کے دروس سے متاثر ہو کر بہت سے لوگوں نے معاشرے میں کار خیر کو اختیار کیا اور اسی ترغیب کی بدولت مصری معاشرے میں بہت مثبت اثرات مرتب ہوئے۔ اللہ تعالیٰ شعر اوی کی تمام تر خدمات کو قبول فرمائیں۔ آمین!

ج۔ شعر اوی کی تصانیف

علوم قرآن، تفسیر، سنت و سیرت، عقیدہ اور فقہ جیسے دین اسلام سے متعلقہ متعدد علوم کے حوالے سے امام شعر اوی کی تالیفات دستیاب ہیں۔¹ البتہ شعر اوی سے منسوب تصانیف کے حوالے سے اہم ترین نقطہ یہ ہے کہ یہ تصانیف شعر اوی کے اپنے ہاتھوں سے لکھی ہوئی نہیں ہیں بلکہ بعض اہل علم نے شعر اوی کے خطبات میں سے مواد لے کر اسے مختلف موضوعات و عناوین کے تحت بقدر امکان جمع کر کے کتابی شکل میں مدون کیا۔ استاد طارق حبیب نے اپنے ٹیلی ویژن پروگرام "من الی الیاء" میں شعر اوی سے انٹرویو کرتے ہوئے یہ سوال کیا: آپ لکھتے کب ہیں؟ شعر اوی نے جواب دیا کہ وہ نہیں لکھتے اور وہ تو بس مصحف سے کچھ پڑھتے ہیں اور لوگ اسے آپ کی جانب منسوب کر

(۱) الصالحی، مدرسۃ الشیخ الشعر اوی فی التفسیر، ص: 196

کے لکھ دیتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ تحریری کام آپ کو تھکا دیتا ہے کیونکہ آپ ہمیشہ اس بات کے حریص رہتے ہیں کہ کچھ ایسا لکھیں جو واقعی میں کتابت شمار ہو اور محض عادی کلام نہ ہو۔¹

یہاں پر یہ بات بیان کرنا بھی ضروری ہے کہ شعر اوای نے اپنے دروس و محاضرات کی کتابت و تحقیق کا اختیار صرف مکتبہ دار اخبار الیوم، قاہرہ اور مکتبہ التراث الاسلامی، قاہرہ کو دے رکھا تھا جبکہ ان دو مکتبہ جات کے سوا کسی کو شعر اوای کی کتب کے اشاعتی حقوق حاصل نہیں ہیں۔ لہذا دیگر مکاتیب کی شعر اوای سے منسوب شائع کردہ کتب کا اعتبار نہ ہوگا۔ ان دو مکتبہ جات کے علاوہ بھی بعض مکتبہ جات کی جانب سے شعر اوای سے منسوب کتب شائع ہوئیں شعر اوای اس بارے میں خود فرماتے ہیں:

"محمد متولی الشعر اوای کسی ایسی کتاب کی نسبت اپنی طرف قبول نہیں کرتا جو دار الاخبار اور مکتبہ التراث الاسلامی کے علاوہ کسی مکتبہ نے شائع کی ہوں۔ ان دو مکاتیب کے علاوہ جو کچھ بھی جس جس نے شائع کیا ہے تو اگر ان کے کام ایک حصہ درست ہے تو زیادہ حصہ غلط ہے جو انہوں نے اپنی خواہشات کی تکمیل کی غرض سے کیا ہے اور اگر وہ پورا کام درست کرتے تو ہم بھی ان کی روزی کے حصول میں ان سے نرمی برتتے.... کسی نے ایک کتاب نشر کی جس کے غلاف پر میری جعلی تصویر بنی تھی۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں نے ویسا عمامہ کبھی نہیں پہنا اور اللہ میرے لیے کافی ہے ہر اس شخص کے معاملہ میں جو ہمارے بارے میں وہ دعویٰ کرے جو ہم میں نہیں ہے.... اور آخر میں میں یہ کہتا ہوں کہ حسبی اللہ ونعم الوکیل وافوض امری الی اللہ، ولیس لھا من دون اللہ کاشفة اللهم ان کنت صادقاً فیما قلت فخذ لی حقی من کل هؤلاء"²

شعر اوای کے خطبات عمومی طور پر تفسیر قرآن کے متعلق ہی ہوتے تھے لیکن جیسا کہ شعر اوای کی علمی قابلیت کا تذکرہ ہوا، ایک محقق ان دروس و خطبات میں متعدد علوم سے واقفیت حاصل کر سکتا ہے اسی لیے ہمیں شعر اوای سے منسوب متنوع علوم پر مشتمل بہت سی کتب ملتی ہیں جن میں علم تفسیر و علوم القرآن، عقیدہ، فقہ، سیرت اور دیگر علوم شامل ہیں۔ ذیل میں آپ کی چند کتب جن میں آپ کے توثیق کردہ دونوں مکتبہ جات سے شائع شدہ کتب کے علاوہ آپ سے منسوب دیگر مکتبہ جات کی مشہور کتب کے کا مختصر تعارف ذکر کیا جا رہا ہے۔

الف۔ کتب تفسیر و علوم القرآن

تفسیر قرآن اور علوم قرآن کے حوالے سے شعر اوای کی قابل ذکر تصانیف درج ذیل ہیں:

1۔ تفسیر الشعر اوای (خواطر حول القرآن الکریم)

یہ تصنیف شیخ شعر اوای کی تفسیر کا نام ہے جو 24 جلدوں اور تفسیر جز عم پر مشتمل ہے جسے مکتبہ دار اخبار الیوم

(1) طارق حبیب، من الألف الی ایاء، المركز العربی للحدیث، القاہرہ، مصر، 1989ء، ص: 80

(2) محمد متولی الشعر اوای، الفتاوی الکبری، مکتبۃ التراث الاسلامی، القاہرہ، مصر، 1987ء، ص: 1 (حاشیہ کتاب)

نے 1991ء میں شائع کیا ہے۔ ان نشریات کو مرتب کر کے دار اخبار الیوم المصریہ نے کتابی شکل تو دے دی، لیکن امانت علمی کا پورا خیال نہیں رکھا، بلکہ بعض مقامات پر حذف، اضافہ اور رد و بدل تک کیا جس کا اندازہ مکتوب اور مسموع کے درمیان مقارنہ کر کے کیا جاسکتا ہے، اور یہ غلط عمل ہے، اور شیخ کے بعض تلامذہ بھی اس بات پر سخت نالاں ہیں۔

2۔ تفسیر القرآن العظیم

یہ کتاب مکتبہ دار التراث الاسلامی نے شائع کی اور اس میں بعض مختصر سورتوں کی تفسیر کو جمع کیا گیا ہے اگرچہ اس کے نام سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ یہ پورے قرآن کی تفسیر ہے۔ لہذا اس کتاب کا نام کچھ اور ہوتا تو بہتر تھا۔

3۔ المرأة فی القرآن

چھ فصول پر مبنی یہ کتاب بھی تفسیر موضوعی میں سے ہے اور اس میں خاص طور پر عورت کے حوالے سے قرآن مجید میں مذکورہ امور شریعت کے بارے میں کلام کیا گیا ہے۔ یعنی عورت کے حقوق و فرائض کو قرآن مجید کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ کتاب 134 صفحات پر مشتمل ہے جسے دار اخبار الیوم نے 1998ء میں شائع کیا ہے۔

4۔ قصص الحيوان فی القرآن

یہ کتاب تفسیر موضوعی کے باب سے ہے اور متنوع موضوعات پر مشتمل ہے۔ 252 صفحات پر مشتمل یہ کتاب دار اخبار الیوم کی جانب سے 1999ء میں شائع کی گئی۔ اس کتاب میں موبیشیوں کی تخلیق کی حکمت اور اس میں خدا کی شان و شوکت کی وضاحت کی گئی ہے۔ اس میں اللہ کی جانب سے جانوروں کی حلت اور حرمت، مردہ جانوروں کو کھانے کا حکم، اور احرام کے دوران شکار کرنے کا حکم بھی شامل ہے۔ یہ موبیشیوں کے فوائد بھی ظاہر کرتی ہے۔ پھر وہ کچھ اور معاملات کو بھی زیر بحث لاتے ہیں، جن میں: کافروں پر موبیشیوں کی ترجیح، کیونکہ موبیشی سنتے اور سمجھتے نہیں، نیز جانوروں کی زبانیں اور ان کی تربیت کے ذرائع بھی شامل ہیں۔ زلزلے آنے سے پہلے جانوروں کے احساس کا بھی ذکر کیا ہے، اور جانوروں کے اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرنے کا بھی ذکر ہے۔ پھر آپ نے جانوروں سے متعلق کچھ قصص بھی پیش کئے ہیں۔ بشمول صالح علیہ السلام کی اونٹنی، بنی اسرائیل کی گائے، اور سبت کی ویہلوں کا ذکر موجود ہے۔

ب: کتب اعجاز

قرآن کریم اور رسول اللہ ﷺ کے دیگر معجزات کے حوالے سے شعر اوی کی مشہور تصانیف درج ذیل

ہیں:

1۔ معجزة القرآن

یہ کتاب دس مختصر اجزاء پر مشتمل ہے جسے دار اخبار الیوم نے شائع کیا ہے۔ اس کے پہلے جز میں معجزہ کی تعریف، اعجاز قرآنی، قرآن کا لغوی اعجاز، قرآن اور قوانین کونیہ کا ذکر ہے۔ دوسرے جز میں کون و وجود، سورۃ کہف

کے بعض اشارات، علم اُر ضیٰ اور معجزہ اسراء و معراج کا ذکر ہے۔ تیسرا جز کائنات کی وحدت، خدا کی قدرت، دنیا میں مخفی طاقتوں، کائنات میں طاقت کی روانی، اور سورہ مریم کے بارے میں اشارات، اور تخلیق کے معجزہ کے بارے میں ہے۔ چوتھا جز کائنات اور بنی نوع انسان کے قوانین، بنی نوع انسانیت اور امانت اور بعض آیات سے متعلق اشارات پر مبنی ہے۔ پانچواں جز انسانی روح اور قرآن، زندگی اور کائنات، خدا اور بندوں کا تعلق، متغیرات اور استقامت کے بارے میں ہے۔ چھٹا جز مواکب رسل، مواکب ایمان، تحدیٰ کی مثال، اور دنیاوی زندگی کی تمثیل پر گفتگو کرتا ہے۔ ساتواں جز معصیت اور آدم، کلمہ طیبہ اور کلمہ خبیثہ، عیسیٰ بن مریم علیہا السلام اور جنت و جہنم سے متعلق ہے۔ آٹھواں جز اس بارے میں ہے کہ توازن کیوں خراب ہوتا ہے، آدم کو فرشتوں کا سجدہ کرنا، زمین پر انسان کا جائنشین ہونا، شیطان کی نافرمانی اور آدم کی خطا وغیرہ۔ اور نواں جز قیامت اور زندگی کے خاتمے، زندگی کے بعد کا قانون، اور قیامت کی نشانیوں کے متعلق ہے۔ جبکہ آخری جز میں شعر اوی نے انسانی آزادی، زندگی کے معنی، دنیا کا خاتمہ اور قیامت کے بیان سے بحث کو مکمل کیا ہے۔

2- معجزات الرسول ﷺ

110 صفحات پر مشتمل یہ کتاب دار اخبار الیوم کی جانب سے 1997ء میں شائع کی گئی۔ یہ کتاب چھ فصول پر مشتمل ہے جن کے عنوانات درج ذیل ہیں:

معجزہ کی لغوی و اصطلاحی تعریف، معجزہ قرآن اور دیگر انبیاء کے معجزات میں فرق، رسول اللہ ﷺ کے مادی معجزات، رسول اللہ ﷺ کے حسی معجزات، رسول اللہ ﷺ کے انسانوں حیوانوں اور نباتات کے ساتھ معجزات، معجزات جو ابھی وقوع پذیر نہیں ہوئے۔

3- شرح معجزات الانبیاء والمرسلین

یہ ایک ضخیم کتاب ہے جو 304 صفحات پر مشتمل ہے اور اسے المکتبۃ العصریۃ للطباعة والنشر نے شائع کیا ہے۔ اس کتاب میں شعر اوی نے آدم علیہ السلام سے لے کر محمد ﷺ تک تمام انبیاء کے معجزات کا بیان قرآن مجید کی روشنی میں کیا ہے۔

شعر اوی نے معجزات کے حوالے سے جو کتب لکھیں ہیں ان میں بہت سے ایسے واقعات بھی درج ہیں جو اصطلاحی معنی میں یا تو کرامت شمار ہونگے یا دلائل النبوة نہ کہ معجزہ۔ مثال کے طور پر قرآن کریم میں مریم علیہ السلام کا قصہ مذکور ہے جس میں ان کے ہاں بے موسم پھلوں کا پایا جانا یا بن شوہر کے اللہ کے اذن سے عیسیٰ علیہ السلام کا پیدا ہونے کا بیان ہے یا اصحاب کہف کا واقعہ وغیرہ معجزات میں شمار نہیں ہوتے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ معجزہ کے کچھ شروط و ضوابط ہوتے ہیں اور علوم القرآن کی کتب میں اس کی تعریف یہ بیان ہوئی ہے کہ وہ ایک ایسا خرق العادت واقعہ ہوتا

ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے کسی نبی یا رسول کی صداقت کی دلیل کے طور پر اس نبی یا رسول کے ہاتھوں ظاہر کرواتے ہیں اور اس کے ساتھ ایک چیلنج بھی دیا جاتا ہے کہ اے لوگو! اگر تم قادر ہو تو اس جیسا معجزہ لے آؤ۔¹

ج: کتب عقیدہ

عقیدہ کے ضمن میں شعر اوی کی درج ذیل تصانیف قابل ذکر ہیں:

1۔ الادلۃ المادیۃ علی وجود اللہ

134 صفحات پر مشتمل یہ کتاب دار اخبار الیوم کی جانب سے 1989ء میں شائع کی گئی ہے۔ یہ کتاب بھی چھ فصول پر مشتمل ہے جس کے عنوانات کی ترتیب کچھ اس طرح سے ہے: اسباب الوجود، وفی انفسکم افلا تبصرون، غیبی دلیل، وفی الارض آیات للمؤمنین، مادی دلائل، ہر چیز میں دلیل ہے یعنی علم ولغت وغیرہ میں بھی

2۔ القضاء والقدر

یہ کتاب چھ فصول پر مشتمل ہے اور اس میں شعر اوی نے جن موضوعات پر کلام کیا ان میں: اللہ کی مشیت، تکلیف اور اختیار بشری، قدر اور اس کا انسان کے اختیار پر اثر، اللہ تعالیٰ کی قدرت مطلقہ، ہدایت اور ارادہ، اللہ تعالیٰ کے علم کا ہر چیز پر محیط ہونا، وغیرہ جیسے موضوعات شامل ہیں۔ 197 صفحات پر مشتمل یہ ضخیم کتاب دار اخبار الیوم کی جانب سے 1989ء میں شائع کی گئی۔

3۔ الخیر والشر

یہ کتاب پانچ فصول پر مبنی ہے اور اس میں خیر و شر کے اصل معنی و مفاہیم اور لوگوں میں ان کے مفہوم کے علاوہ دنیا و آخرت میں ان کی حقیقت پر گفتگو کی گئی ہے۔ 112 صفحات پر مشتمل یہ کتاب دار اخبار الیوم کی جانب سے 1990ء میں شائع کی گئی ہے۔

4۔ السحر والحسد

135 صفحات پر مشتمل یہ کتاب دار اخبار الیوم کی جانب سے 1990ء میں شائع کی گئی۔ یہ کتاب بھی چھ فصول پر مشتمل ہے اور اس میں سحر کی ابتداء، ہاروت و ماروت، سلیمان علیہ السلام اور سحر، شیاطین کی تعلیم سحر، موسیٰ علیہ السلام اور سحر اور سحر سے بچاؤ کے حوالہ سے بات کی گئی ہے اس کے علاوہ اس کتاب کے آخر میں حسد کے بارے میں بھی کلام کیا گیا ہے۔

5۔ الحیۃ والموت

یہ کتاب 118 صفحات اور چھ فصول پر مشتمل ہے۔ اس میں: آغاز زندگی اور روح، حقیقت حیات، موت اور

(۱) مباحث فی علوم القرآن، ص: 265

قبر کی زندگی، انسان کا خلود اور جن مراحل سے انسان گزرے گا، دنیاوی زندگی اور اس کا ہدف، اخروی زندگی، بعث بعد الموت اور جنت جیسے موضوعات پر گفتگو کی گئی ہے۔ اس کتاب کو دار اخبار الیوم نے 1990ء میں شائع کیا۔

6۔ الغیب

یہ کتاب چھ فصول پر مشتمل ہے جس میں شعر اوی نے غیب کے معنی، زندگی کی مشکلات کے حل میں غیب کا دخل، قرآن کا ماضی حال اور مستقبل کے غیب کا انکشاف کرنا، کائنات کا جھوٹ، قیامت کی علامات، اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا علم غیب جس میں رحم مادر، رزق اور موت کا علم جیسے موضوعات پر لکھا ہے۔ یہ کتاب 128 صفحات پر مشتمل ہے جو کہ دار اخبار الیوم کی جانب سے 1998ء میں شائع کی گئی۔

د۔ کتب تاریخ والسیر

شعر اوی نے تاریخ والسیر کے حوالے سے بھی کافی کلام کیا ہے جو مستقل کتابوں کی صورت میں بعد ازاں شائع بھی ہوا۔ ایسی چند کتابیں درج ذیل ہیں:

1۔ من هو محمد ﷺ

یہ کتاب تین فصول پر مشتمل ہے۔ پہلی فصل میں رسول اللہ ﷺ سے قبل مکہ کی صورت حال کا بیان ہے پھر دوسری فصل میں آپ ﷺ کے اخلاق و خصائل جبکہ تیسری فصل میں نبی ﷺ کی رسالت، نکاح اور عمر رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام اور چند دیگر واقعات بیان ہوئے ہیں۔

2۔ حفاوة المسلمین بمیلاد سید المرسلین

اس کتاب میں رسول اللہ ﷺ کی صفات و شمائل اور معجزات وغیرہ کا بیان ہے اور شعر اوی سے نبی ﷺ کے بارے میں پوچھے گئے چند سوالات کا جواب بھی موجود ہے۔

3۔ الهجرة النبویة

اس کتاب میں درج ذیل موضوعات شامل ہیں: ہجرت کے معنی اور فضائل، مہاجرین و انصار میں سے السابقون الاولون کے فضائل، نبی ﷺ کا قبائل کو دعوت دینا اور بیعت عقبہ اولی و ثانیہ، ہجرت رسول ﷺ اور اس کے اسباب، رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کے متعلق قصیدہ۔

4۔ الجهاد فی الاسلام

اس کتاب میں شعر اوی نے احکام جہاد، جہاد اور تقویٰ، جہاد کا فتنہ بننا، فرضیت قتال، جہاد کی حجت و بیان، اسلام کا تلوار کے زور سے پھیلنا وغیرہ جیسے موضوعات پر کلام کیا ہے۔ 266 صفحات پر مشتمل یہ کتاب مکتبۃ التراث الاسلامی کی جانب سے 1998ء میں شائع کی گئی۔

5۔ قصص الانبیاء ومعہ سیرۃ الرسول

اس کتاب میں انبیاء علیہم السلام سے متعلق قصص قرآنی بشمول آدم علیہ السلام سے عیسیٰ علیہ السلام تک انبیاء کے قصص کی تفصیل ہیں۔ جبکہ آخر میں جناب محمد ﷺ کی بعثت تا وصال تک کی سیرت کا بیان ہے۔ 608 صفحات پر مشتمل یہ کتاب داشر القدرس کی جانب سے 2006 میں شائع کی گئی۔

ذ۔ کتب فقہ

فقہ سے متعلق درج ذیل کتب آپ کی تصانیف میں شامل ہیں:

1۔ الفتاویٰ الکبریٰ

یہ مفید کتاب دو اجزاء پر مبنی ہے جس میں اصول دین اور بعض فروعات دین پر کلام کیا گیا ہے اور بہت سے معاصر مسائل پر سوال جواب کے اسلوب میں گفتگو کی گئی ہے۔ یہ کتاب مکتبۃ التراث الاسلامی کی جانب سے 1998ء میں شائع کی گئی۔

2۔ الحلال والحرام

یہ کتاب چھ فصول پر مبنی ہے جس میں حلال و حرام کے حوالے سے مختلف موضوعات پر کلام کیا گیا ہے جن میں: حلال و حرام کا مفہوم، عدم فواحش پر نفی دلائل، حلال کے نفس پر اثرات، ربا اور بعض حرام کھانے، عصر حاضر میں حلال و حرام کے درمیان زندگی وغیرہ جیسے موضوعات شامل ہیں۔ 142 صفحات پر مشتمل یہ کتاب دار اخبار الیوم کی جانب سے شائع کی گئی۔

3۔ زکاة الوریعین

کتاب کی ابتدا میں شعر اوی نے زکاة کی ادائیگی کے لیے ترغیب و ترہیب کا اسلوب اختیار کیا ہے پھر زکاة کے اقتصادی و اجتماعی فوائد اور مال جمع کرنے کے نقصانات کا بیان کیا ہے۔ اس کے علاوہ انفاق کی مختلف اقسام اور زکاة کے مختلف مسائل کا ذکر کیا ہے۔

4۔ التداوی بالصیام

اس کتاب کے تین حصے ہیں۔ پہلے حصہ میں روزہ کی مشروعیت اور احکام کا تذکرہ ہے جو خواطر شعر اوی سے ہی ماخوذ ہے۔ دوسرے حصہ میں طب نبوی ﷺ کا بیان ہے جبکہ تیسرے حصہ میں روزہ کے متعلق فتاویٰ جمع کیے گئے ہیں۔

5۔ الحج المبرور

142 صفحات پر مشتمل یہ کتاب دار اخبار الیوم کی جانب سے شائع کی گئی۔ یہ کتاب چھ فصول پر مبنی ہے جس

میں تلبیہ، حج کے مہینے، بیت الحرام کی تعظیم، مقام ابراہیم علیہ السلام، کعبہ کی برکت، عرفہ اور اس کی تجلیات اور رسول اللہ ﷺ کی زیارت اور دیگر موضوعات پر کلام کیا گیا ہے۔

وکتب ترغیب وترہیب

1۔ احکام الصلاۃ وصفہ صلاۃ النبی ﷺ کا نیک تراہ

اس کتاب نماز پڑھنے کی رغبت دلائی گئی ہے اور نماز سے پیچھے رہنے پر وعیدوں کا ذکر ہے۔ مزید یہ کہ اس میں نماز کی فرضیت و فضائل، فرمانبرداروں کی نماز، نماز جمعہ، قیام اللیل اور نماز ہی کے متعلق دیگر امور کو بیان کیا گیا ہے۔

2۔ الدعاء المستجاب

یہ کتاب چھ فصول پر مشتمل ہے جس میں دعا کے متعلق مختلف موضوعات پر کلام کیا گیا ہے جس میں دعا کی اہمیت و فضائل، دعاء کے اوقات مقبولہ، دعا اور تقدیر، حرام کا قبولیت دعا پر اثر اور شفاعت کے موضوعات شامل ہیں۔ 120 صفحات پر مشتمل یہ کتاب مکتبہ دار القلم کی جانب سے 2000ء میں شائع کی گئی۔

3۔ الذکر والدعاء

یہ ایک مختصر کتابچہ ہے جس میں ذکر کی فضیلت، شروط و آداب، سید الاستغفار، توکل علی اللہ، موطن ذکر و دعا، انبیاء و رسل کی دعاؤں کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے اسماء سے دعا مانگنا وغیرہ جیسے موضوعات کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ گزشتہ کلام کی روشنی میں یہ واضح ہے کہ شعراوی نے اپنی تمام تر صلاحیتوں کو استعمال کرتے ہوئے معاشرے کے ایک فعال شخص کی حیثیت سے نفع بخش اور بھرپور زندگی گزاری۔ آپ کی اصل خصوصیت قرآن حکیم سے آپ کا بے پناہ لگاؤ تھا لہذا جب آپ نے درس قرآنی کا سلسلہ شروع کیا تو ایک جانب آپ کا تمام تعلیمی استفادہ آپ کا معاون بنا تو دوسری جانب آپ کا ذوق قرآنی کام آیا۔ آپ اپنی زندگی میں مختلف اداروں میں درس و تدریس بھی کرتے رہے لیکن آپ کے جس کام کو اصل مقبولیت حاصل ہوئی وہ درس قرآنی ہی تھا۔ پھر جب آپ کو شہرت ملی تو آپ نے اس کا دین کی نصرت اور لوگوں کے نفع کے لیے ہر اعتبار سے استعمال کیا۔ آپ نے دعوت دین کو اپنا شعار بنالیا یہاں تک کہ آپ کو امام الدعاء کہا جانے لگا۔ آپ ایک اعلیٰ پائے کے مقرر تھے البتہ آپ کو تصنیف و تحریر سے خاص شغف نہ تھا لیکن آپ نے اپنے درس میں متعدد علوم و موضوعات کے متعلق اس حد تک کلام فرمایا ہے کہ بعد میں اس حوالے سے آپ کے درس میں سے ہی مواد لے کر انہیں کتابی صورت میں شائع کیا جاتا رہا جس کی آپ نے توثیق بھی کی۔

فصل دوم

ڈاکٹر اسرار احمد کے سوانح حیات

مبحث اول: ڈاکٹر اسرار احمد کے احوال زندگی

مبحث دوم: ڈاکٹر اسرار احمد کے علمی اور دعوتی کارنامے

مبحث سوم: ڈاکٹر اسرار احمد کی نظر میں مسلمانان پاکستان کے سیاسی، سماجی اور مذہبی احوال

مبحث اول

ڈاکٹر اسرار احمد کے احوال زندگی

1۔ نام و ولادت اور خاندانی پس منظر

ڈاکٹر اسرار احمد کے پڑدادا حافظ نور اللہ یو۔ پی کے ضلع مظفر نگر کے قصبہ حسین پور میں سکونت پذیر تھے لیکن 1857ء کی جنگ آزادی کے دوران ایک سازش کے سبب وہ انگریز حکومت کے زیر عتاب آ گئے۔ سبب یہ تھا کہ جنگ آزادی میں ایک انگریز ڈپٹی کمشنر زخمی ہو کر ان کے پاس پناہ مانگنے آیا تو انہوں نے اسے پناہ دی تھی۔ اس جرم کی پاداش میں ان کی ساری جائیداد ضبط کر لی گئی اور وہ اپنی جائیداد سے محروم ہو کر مجبوراً مشرقی پنجاب (موجودہ بھارت کے صوبہ ہریانہ) کے ایک پسماندہ ضلع "حصار" میں منتقل ہو گئے۔¹

ان تمام تر مشکلات کے باوجود ڈاکٹر اسرار احمد کے والد شیخ مختار احمد ایک سرکاری ملازمت حاصل کرنے میں کامیاب رہے جس کے بعد ان کا نکاح صدیقی قریشی خاندان سے نسبت رکھنے والی ایک دیندار خاتون فردوسی بیگم سے ہوا۔ ڈاکٹر صاحب اپنے والدین کے دوسرے صاحبزادے تھے اور آپ کی ولادت 26 اپریل 1933ء کو ہوئی۔ اس باسعادت جوڑے نے اپنے پہلے بیٹے اظہار احمد کے بعد دو بچوں کا نام اسرار احمد رکھا مگر وہ دونوں جاں بر نہ ہو سکے، لیکن اس کے باوجود انہوں نے کسی قسم کی بدشگونئی نہ لیتے ہوئے اپنے اگلے بیٹے کا نام بھی اسرار احمد رکھا۔ جو اس آزمائشی دور میں ان کی دین سے وابستگی کا منہ بولتا ثبوت تھا۔²

2۔ تعلیم

ڈاکٹر اسرار احمد کی ابتدائی تعلیم و تربیت میں ان کی والدہ کا بنیادی کردار تھا جنہوں نے دینی نچر پر آپ کی تربیت کرتے ہوئے آپ کو بچپن سے ہی قرآن کریم اور دیگر ابتدائی دینی علوم سے متعارف کروایا۔ شاید اسی دینی تعلیم و تربیت کی وجہ سے آپ نے سکول میں عربی کو بطور اختیاری مضمون منتخب کیا۔ ڈاکٹر صاحب کا گھرانہ دینی ہونے کے باوجود ہمیں آپ کی تعلیم و تربیت میں دینی و دنیوی تعلیم کا امتزاج نظر آتا ہے کیونکہ آپ نے باقاعدہ دینی تعلیم حاصل کرنے کی بجائے گورنمنٹ ہائی سکول حصار سے 12 جولائی 1947ء کو پنجاب یونیورسٹی کے تحت میٹرک کا امتحان امتیازی

(1) ڈاکٹر اسرار احمد، ڈاکٹر اسرار احمد: شخصیت، افکار و خیالات اور تحریکی جدوجہد، ایک یادگار انٹرویو، انٹرویو کنندہ، مرزا ایوب بیگ، انجمن خدام القرآن، لاہور،

2014ء، ص: 5

(2) ڈاکٹر اسرار احمد، اسلام میں عورت کا مقام، انجمن خدام القرآن، لاہور، طبع: 16، دسمبر 2013ء، ص: 133، مرزا ایوب بیگ، ادارہ، ہفت روزہ

ندائے خلافت، 27 اپریل تا 3 مئی، 2010ء، ص: 3

حیثیت سے پاس کیا اور کل ساڑھے آٹھ سو میں سے سات سو اٹھارہ نمبر لے کر یونیورسٹی میں چوتھی اور ضلع حصار میں پہلی پوزیشن حاصل کی جو کہ آپ کی ذہانت کی واضح دلیل ہے۔¹

یہاں یہ بیان کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کا بچپن عام بچوں سے بہت مختلف تھا اور شروع ہی سے آپ کو مطالعہ کا بے حد شوق تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ آپ نے اپنی زندگی کے بالکل نا سمجھی کے دور میں بھی چونکہ ہندو مسلم کشمکش کی فضا میں سانس لی تھی جب ہندوستان کے مسلمان اپنے قومی تشخص کے تحفظ کے لیے جان توڑ کوشش پر مجبور ہو گئے تھے، لہذا آپ کے تحت الشعور کی سب سے نچلی سطح میں مسلم قوم پرستی کا جذبہ رچ بس گیا تھا۔ یہاں تک کہ آپ نے صرف چھ سال کی عمر میں علامہ اقبال² مرحوم اور مصطفیٰ کمال پاشا³ کے انتقال کو نہ صرف ایک قومی نقصان بلکہ ذاتی صدمے کی حیثیت سے محسوس کیا تھا۔

ڈاکٹر اسرار احمد کے ذہن پر نیم شعوری میں ہی سب سے پہلی فکری ضرب علامہ اقبال اور حفیظ جالندھری⁴ وغیرہ کی ملی و قومی شاعری کی پڑی اور یہی ملی جذبہ تھا جس نے آپ میں تحریک اور جستجو پیدا کی اور آپ کی ابتدائی تعلیم و تربیت میں کلیدی کردار ادا کیا۔ پانچویں جماعت سے ساتویں جماعت کے دوران آپ نے علامہ کی "بانگ درا"، "بال جبریل"، "ضرب کلیم" اور "ارمغانِ حجاز" کو حاصل کر کے پڑھ کر گویا علامہ مرحوم کا پورا اردو کلام نظر سے گزار لیا۔ پھر آٹھویں جماعت میں آپ ایک مرتبہ رات بھر اپنی والدہ کو حفیظ جالندھری کے کلام "شاہنامہ" کی دوسری جلد کو ترنم کے ساتھ پڑھ کر سناتے رہے۔ اسی طرح میٹرک کے دو سالوں کے دوران آپ ابوالکلام آزاد⁵ مرحوم کی تحریریں بھی پڑھتے رہے۔⁶

(1) رافعتہ الجبین، ڈاکٹر اسرار احمد: شخصیت اور دینی خدمات، انجمن خدام القرآن، لاہور، طبع: اول، 2016ء، ص: 16، ڈاکٹر اسرار احمد، عزم تنظیم، انجمن خدام القرآن، لاہور، جون 2011ء، ص: 12

(2) ڈاکٹر سر علامہ محمد اقبال (1877ء-1938ء) برصغیر ہند و پاک سے تعلق رکھنے والے بیسویں صدی کے ایک معروف شاعر، مصنف، قانون دان، سیاستدان اور تحریک پاکستان کی اہم ترین شخصیات میں سے ایک تھے۔ (وحید عشرت، حیات اقبال، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، طب: اول، 2004ء)

(3) مصطفیٰ کمال پاشا (1881ء-1938ء)، جنگ عظیم اول میں عثمانی دور کا فوجی سالار، جدید ترکی کا بانی اور پہلا صدر تھا۔ (محمد توفیق، کمال اتاترک، غازی مصطفیٰ کمال کی بہترین سوانح عمری، مترجم: مرزا کریم الہی خاموش، علمیہ بک ڈپو لاہور، 2000ء)

(4) ابوالاثر حفیظ جالندھری، (1900-1982ء) پاکستانی اردو شاعر اور افسانہ نگار، پاکستان کے قومی ترانہ کے خالق تھے۔ (صائمہ نورین بخاری، ابوالاثر حفیظ جالندھری، روزنامہ نوائے وقت، 13 مئی، 2015)

(5) ابوالکلام احمد بن خیر الدین غلام محی الدین آزاد (1888ء-1958ء) کلکتہ سے بنگالی، عالم دین، مفکر، مفسر اور آزاد ہند کے پہلے وزیر تعلیم اور قومی رہنما تھے۔ (عبدالحی بن فخر الدین بن عبد العلی الحسن الطالبی (المتوفی: 1341ھ)، الإعلام بمن فی تاریخ الهند من الاعلام المسیب۔ (نزهة الخواطر و بحجة المسامع والنواظر، دار ابن حزم۔ بیروت، لبنان، 1999ء، ص: 1169/8)

(6) انجینیر نوید احمد، ڈاکٹر اسرار احمد اور تنظیم اسلامی ایک تعارف، شعبہ مطبوعات، انجمن خدام القرآن، کراچی، طبع: سوم، 2012ء، ص: 85 عزم تنظیم،

اس ملی جذبے کو دینی رنگ تب ملا جب قیام پاکستان کے بعد ہندو مسلم فسادات کے سبب حصار میں حالات کشیدہ ہو گئے اور ڈاکٹر اسرار احمد اپنے اہل و عیال کے ساتھ گھر میں محصور ہو کر رہ گئے۔ اسی حالت محصور میں آپ نے اپنے بڑے بھائی کے ہمراہ ماہنامہ "ترجمان القرآن" سے سورہ یوسف کی تفسیر کا اجتماعی مطالعہ کیا جس سے آپ کے دل میں قرآن مجید کو سمجھ کر پڑھنے کی رغبت پیدا ہوئی۔¹

قیام پاکستان کے بعد نومبر 1947ء میں ڈاکٹر اسرار احمد اپنے خاندان کے ساتھ ایک پرخطر سفر طے کرتے ہوئے ہجرت کر کے پاکستان تشریف لائے جہاں گورنمنٹ کالج لاہور سے ایف ایس سی پری میڈیکل کا امتحان اول پوزیشن کے ساتھ پاس کیا۔ 1954ء میں اسرار احمد صاحب نے کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور سے ایم بی بی ایس کی ڈگری حاصل کی۔ اس کے علاوہ آپ نے کراچی یونیورسٹی سے 1965ء میں ایم اے اسلامیات بھی کیا اور جامعہ میں پہلی پوزیشن حاصل کی۔²

ڈاکٹر اسرار احمد کو اپنی ابتدائی زندگی میں انفرادی و اجتماعی سطح پر کٹھن حالات سے سابقہ رہا مگر اس صورت حال نے آپ کے عزم و حوصلہ میں صرف اضافہ ہی کیا اور آپ ان حالات کی بھٹی سے کندن بن کر، ملت اسلامیہ کی عمومی اور مسلمانان بر صغیر کی خصوصی نشاۃ ثانیہ کے لیے کچھ کر گزرنے کے جذبے سے سرشار ہو کر نکلے۔

3۔ ذاتی زندگی کے احوال

ایم بی بی ایس مکمل کرنے کے بعد ڈاکٹر اسرار احمد نے تین سال تک جماعت اسلامی ساہیوال کی ڈسپنسری میں ملازمت کی۔ اسی دوران 26 فروری 1955ء کو آپ کا نکاح ایک دیندار خاتون طاہرہ بیگم سے ہوا جن کا خاندان ضلع گرداس پور (بھارت) سے ہجرت کر کے ساہیوال میں آباد ہوا تھا۔ طاہرہ بیگم نے بنات الاسلام سے دینی تعلیم حاصل کی اور جماعت اسلامی کی رکن بنی۔ پھر اسی دینی و جماعتی نسبت سے آپ ڈاکٹر اسرار کی والدہ فردوسی بیگم کے قریب ہوئیں جو ساہیوال میں جماعت اسلامی کے مقامی حلقہ خواتین کی ناظمہ تھیں۔ یہی دینی تعلق بعد ازیں آپ کی ڈاکٹر صاحب سے زوجیت کا سبب بھی بنا۔³

1957ء میں ڈاکٹر اسرار اپنا مطب بند کر کے مع اہل و عیال کراچی منتقل ہو گئے لیکن والد صاحب کی علالت کے سبب آپ کو محض چھ یا سات ماہ بعد ہی ساہیوال لوٹنا پڑا۔ ساہیوال لوٹنے کے بعد 1957ء تا 1962ء کے دوران ڈاکٹر صاحب نے اپنی ذاتی میڈیکل پریکٹس کی۔ 1962ء سے 1965ء تک ڈاکٹر صاحب کراچی میں اپنے بھائیوں

(1) اسرار احمد، عزم تنظیم، ص: 12

(2) انجینئر نوید احمد، ڈاکٹر اسرار احمد اور تنظیم اسلامی ایک تعارف، ص: 20

(3) رافقہ الجبین، ڈاکٹر اسرار احمد: شخصیت اور دینی خدمات، ص: 33

(4) ڈاکٹر اسرار احمد، حساب کم و بیش اور گزارش احوال واقعی، انجمن خدام القرآن، لاہور، طبع: سوم، 2005ء، ص: 8 اسرار احمد، عزم تنظیم، ص: 28

کے ساتھ ایک کاروبار میں شریک رہے مگر بامقصد زندگی اور اپنی تحریکی پیاس بجھانے کی غرض سے ڈاکٹر صاحب واپس ساہیوال آگئے اور پھر لاہور منتقل ہو گئے جہاں آپ نے ایک مکان خرید اور اسی میں اپنا مطب بھی قائم کیا۔¹

ڈاکٹر صاحب کی زوجہ محترمہ نے نہ صرف ازدواجی زندگی میں بلکہ دینی و تحریکی زندگی میں بھی آپ کا بھرپور ساتھ دیا۔ ڈاکٹر صاحب کو اللہ تعالیٰ نے چار بیٹوں اور پانچ بیٹیوں سے نوازا تھا۔ دونوں میاں بیوی نے پوری توجہ اور فکر سے اپنی اولاد کی بہترین تربیت میں اپنا حصہ ڈالا۔ بہر حال اس عمل میں ماں کا کردار زیادہ اہم تھا لہذا ڈاکٹر صاحب نے اس سلسلے میں اپنی زوجہ پر بھروسہ کیا۔ ڈاکٹر صاحب کی صاحبزادی اس حوالے سے کہتی ہیں:

"امی کا دینی ذوق تو بہت زیادہ اور بہت پہلے سے تھا بلکہ کئی دفع اباجی کہا کرتے تھے بھی تمہاری ماں تو مجھ سے بھی دو ہاتھ آگے ہے۔ امی ابھی تک ہماری تربیت پر کڑی نگاہ رکھتی ہیں... ہمارے ابا جان تو تبلیغ دین میں مصروف رہتے تھے ساری گھریلو ذمہ داری امی پر تھی۔ والد صاحب کو اس حوالے سے ان پر پورا اعتماد تھا۔"²

ڈاکٹر صاحب اپنی اولاد کے متعلق جس خواہش و دعا کا احساس رکھتے تھے۔ اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

"راقم کو اللہ نے جب بھی حرم کی حاضری کا موقعہ عنایت فرمایا، طواف کی مستقل دعاؤں میں یہ دعا ہمیشہ شامل رہی کہ "اے رب، تیرے علم میں جو بھی نسبت (خواہ ہزار میں ایک، خواہ لاکھ میں ایک) حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی سے ہے وہی نسبت میرے بیٹوں کو حضرت مجدد الف ثانی کے عالی قدر فرزندوں کے ساتھ عطاء فرمادے۔" ولا تجعلنی بدعائک رب شقیہا "اور مجھے اپنے رب کی بے پایاں رحمت سے امید واثق ہے کہ وہ مجھے مایوس و محروم نہیں کرے گا۔"³

آپ کی زندگی میں ہی یہ دعا اس قدر مقبول و منظور ہوئی کہ آپ کی ساری اولاد کو اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل سے اپنے دین کی خدمت میں لگا دیا۔ آپ کے بڑے صاحبزادے مسمیٰ ڈاکٹر عارف رشید (ایم بی بی ایس) آج کل انجمن خدام القرآن کے ناظم اعلیٰ ہیں۔ دوسرے صاحبزادے عاکف سعید (ایم۔ اے فلسفہ) تنظیم اسلامی کے سابقہ امیر رہے ہیں۔ تیسرے صاحبزادے عاطف وحید (پی ایچ ڈی) شعبہ تحقیق اسلامی کے ناظم ہیں۔ چوتھے صاحبزادے آصف حمید (ایم اے عربی، بی۔ اے عربی، ایم۔ اے انگلش) شعبہ سمع و بصر انجمن خدام القرآن لاہور کے ناظم ہیں۔⁴

ڈاکٹر اسرار احمد نہ صرف داعی اسلام تھے بلکہ آپ کی عملی زندگی کے ہر گوشے میں دین اسلام کی واضح جھلک نظر آتی ہے اور آپ کی عائلی و معاشی زندگی اس کا واضح ثبوت ہے۔

(1) اسرار احمد، عزم تنظیم، ص: 29

(2) رافعة الجبین ڈاکٹر اسرار احمد: شخصیت اور دینی خدمات، ص: 36

(3) ڈاکٹر اسرار احمد، دعوت رجوع الی القرآن کا منظر اور پس منظر، انجمن خدام القرآن، لاہور، طبع: دوم، 1952ء، ص: 20

(4) دیکھیے: ایضاً، ص: 20، بیگم اسرار احمد، ہفت روزہ ندائے خلافت، 18 تا 24 مئی 2006ء (اشاعت خصوصی) خواتین نمبر، لاہور، جلد 15، شمارہ 17،

4- دینی تعلیم و استفادہ

ڈاکٹر اسرار احمد اپنے سکول کے زمانہ طالب علمی سے ہی مختلف شخصیات و تحریکات سے متاثر رہے اور ان کی کتب کا مطالعہ کرتے رہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ جہاں آپ کے اس شوق و ذوق میں اضافہ ہوتا چلا گیا وہیں آپ کا مطالعہ وسیع تر ہوتا گیا۔ آپ نے اپنی علمی، تحریکی اور عملی زندگی میں جن شخصیات سے براہ راست بہت کچھ پڑھا اور سیکھا ان میں مولانا ابو الاعلیٰ مودودی¹، مولانا امین اصلاحی²، مولانا عبدالغفار حسن³، مولانا افتخار احمد بلخی، پروفیسر یوسف سلیم چشتی⁴، ڈاکٹر رفیع الدین⁵ اور مولانا برکات احمد خان کے نام نمایاں ہیں۔ جبکہ بعض حضرات کی کتب، خطابات اور شاعری سے آپ نے حظِ عظیم حاصل کیا ان میں علامہ اقبال، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا حمید الدین فراہی⁶، مولانا محمود الحسن⁷ اور علامہ شبیر احمد عثمانی⁸ کے گراں قدر نام شامل ہیں۔⁹

ان تمام حضرات میں سے مولانا مودودی کے ساتھ آپ کا تعلق بہت مضبوط رہا اور مولانا کی تقریباً تمام تحریروں سے عمومی طور پر اور تفہیم القرآن سے خصوصی طور پر آپ نے خوب استفادہ کیا۔ یہ ذہنی و قلبی رشتہ اتنا گہرا ہو گیا کہ تقسیم ملک کے ہنگاموں اور آگ اور خون کی وادیوں سے گزر کر جیسے ہی ڈاکٹر صاحب پاکستان پہنچے تو مولانا مودودی کی تحریک سے وابستہ ہو گئے۔ اسی طرح 1950ء کے بعد سے آپ مولانا امین احسن اصلاحی کے بہت قریب

(1) سید ابوالاعلیٰ مودودی (1903ء-1979ء)، عالم دین، مفکر، مفسر قرآن اور جماعت اسلامی کے بانی تھے۔ (پروفیسر خورشید احمد، مولانا مودودی: مفکر، مصلح اور مدبر)

(2) مولانا امین احسن اصلاحی (1904ء-1997ء) حمید الدین فراہی کے تلمیذ خاص، عالم دین، مفسر قرآن اور ریسرچ سکالر تھے۔ (شہزاد سلیم، مولانا اصلاحی کی کہانی ان کی اپنی زبانی، ماہنامہ اشراق، لاہور، جنوری۔ فروری، 1998ء، ص 566)

مولانا عبدالغفار حسن رحمانی، (1913-2007ء) عمر پور، مظفر نگر یو پی سے تعلق رکھنے والے محدث اور مستند عالم دین تھے۔ (صہیب حسن، مولانا عبدالغفار حسن حیات و خدمات، مکتبہ اسلامیہ، لاہور)

(4) یوسف سلیم چشتی (1895ء-1984ء) محقق، مورخ اور مفسر کلام اقبال تھے۔

(5) ڈاکٹر محمد رفیع الدین، (1904-1969ء)، اسلامی محقق و مفکر اور برصغیر پاک و ہند کی ملت اسلامیہ کی نشاۃ ثانیہ کی جدوجہد میں سرخیل تھے۔ (پروفیسر محمد عارف خان، ڈاکٹر محمد رفیع الدین (مرحوم) شخصیت اور فکر ایک جائزہ، ششماہی فکر و نظر، جلد 32، 1994ء)

(6) حمید الدین فراہی (1863-1930ء) برصغیر پاک و ہند کے مفسر اور دین اسلام کی جدید تعبیر کے بانی تصور کیے جاتے ہیں۔ (شریف الدین اصلاحی، ذکر فراہی، دارالتذکیر، لاہور، 2002ء)

(7) محمود حسن دیوبندی، (1851-1920ء)، عالم، رہنما، وہ دارالعلوم دیوبند کے پہلے شاگرد، اور برصغیر میں تحریک آزادی کے کارکن تھے۔ (نظام الدین اسیر ادروی، تذکرہ مشاہیر ہند: کاروانِ رفعت (ایڈیشن دوسرا، اپریل 2016)۔ دیوبند: دارالمؤلفین۔ صفحہ 246)

(8) شبیر احمد عثمانی (1887ء-1949ء) عالم دین، مفسر، مصنف، خطیب، سیاست دان، اور تحریک پاکستان کے حامی تھے۔ (ابو محمد مولانا ثناء اللہ سعد شجاع آبادی، علمائے دیوبند کے آخری لمحات، مکتبہ رشیدیہ، سہارنپور۔ صفحہ 66-69)

(9) دیکھیے: ڈاکٹر اسرار احمد، علامہ اقبال، قائد اعظم اور نظریہ پاکستان، انجمن خدام القرآن، لاہور، طبع اول، 2007ء، ص: 18، اسرار احمد، دعوت رجوع الی القرآن کا منظر اور پس منظر، ص 129

رہے۔ مولانا اصلاحی سے قلبی تعلق کے سبب ان کی بظاہر ثقیل اور خشک تحریروں میں آپ کو نہ نقل کا احساس ہوتا نہ خشکی کا۔ ڈاکٹر صاحب نے نہ صرف مولانا کی تقریباً تمام تحریروں پر پڑھ ڈالیں بلکہ اپنے دروس میں بھی ان سے خوب استفادہ کرتے رہے۔¹

بعد ازاں جماعت اسلامی سے علیحدگی کے بعد بھی ڈاکٹر صاحب نے اپنی دینی تعلیم کے سلسلے میں مختلف شخصیات سے استفادہ کیا، جس کا احوال ان کی اپنی زبان سے کچھ یوں ہے۔

"کراچی کی پہلی نقل مکانی کے دوران راقم نے مولانا افتخار احمد بلوچی مرحوم سے تفسیر بیضاوی کا ابتدائی حصہ سبقتاً سبقتاً پڑھا اور دوسری نقل مکانی کے دوران ان ہی کے اصرار پر کراچی یونیورسٹی میں داخلہ لے کر 1965ء میں ایم۔ اے اسلامیات کا امتحان پاس کر لیا۔"²

اس کے علاوہ آپ نے پندرہ برس تک دو شخصیات سے بھرپور استفادہ فرمایا جن میں ایک عالم دین تھے اور دوسرے فلسفہ و تصوف کے میدان کی مایہ ناز شخصیت، اس بارے میں آپ لکھتے ہیں:

"ابتدائی پانچ سالوں کے دوران راقم کو فائدہ پہنچا، مولانا برکات احمد خاں (ٹوکی ٹم ساہیوالی) کی ہم نشینی سے اور بعد کے دس سالوں کے دوران فیض حاصل ہوا پروفیسر یوسف سلیم چشتی مرحوم و مغفور کی صحبت سے۔"³

آپ اپنی قرآنی فہم و فکر کے اجزاء کو یوں بیان فرماتے ہیں:

"راقم کے فکر و نظریہ "ہوالا اول والاخر" کے مصداق ابتدائی اور تکمیلی چھاپ تو ہے علامہ اقبال مرحوم کی ان میں سے ابتدائی تاثر زیادہ تر جذباتی ہے جس کا حاصل ہے، جذبہ ملی، اور تکمیلی رنگ خالص فکری ہے۔ جس کا موضوع ہے فکر جدید کے پس منظر میں قرآن حکیم کا مطالعہ یا قرآن حکیم کی روشنی میں فکر جدید کا جائزہ و تجزیہ.... اور ان کے مابین رواں ہیں مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم اور سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم و مغفور کی "قرآنی دعوت جہاد و انقلاب" اور امام حمید الدین فرائی اور مولانا امین احسن اصلاحی کے "طریق تدبر قرآن" اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کے "علم راسخ" کے کوثر و تسنیم کے ایسے چشمے...."⁴

خلاصہ یہ کہ معروف مصادر علم سے باقاعدہ طور پر کسی قسم کی سند فراغت حاصل نہ کر سکنے کے باوجود اپنے ذوق مطالعہ اور حب دین کی بدولت آپ نے اپنی دینی و تحریکی زندگی کے دوران بہت سے جید علماء سے استفادہ کیا اور ان کی فکر سے فیض یاب ہوتے رہے۔ ان حضرات کے مناجع و اسالیب کو آپ نے اپنی زندگی کا حصہ بنا لیا۔ جس سے آپ کی فکر میں چٹنگی پیدا ہوئی اور آپ کی بصیرت میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ بعد میں آپ نے جو بھی علمی و عملی کام کیے وہ

(1) اسرار احمد، دعوت رجوع الی القرآن کا منظر اور پس منظر، ص: 129-130، انجینئر نوید احمد، ڈاکٹر اسرار احمد اور تنظیم اسلامی ایک تعارف، ص: 20

(2) اسرار احمد، دعوت رجوع الی القرآن کا منظر اور پس منظر، ص: 8

(3) ایضاً، ص: 132

(4) اسرار احمد، دعوت رجوع الی القرآن کا منظر اور پس منظر، ص: 132

انہی شخصیات سے متاثر ہو کر کیے۔ اس کے علاوہ آپ کو جہاں بھی موقع میسر آیا آپ اپنی بساط میں مختلف دینی علوم سے آگاہی بھی حاصل کرتے رہے جس کا واضح عکس آپ کی عالمانہ تحریروں اور درس میں نظر آتا ہے۔

5۔ وفات

ڈاکٹر صاحب نے اپنی زندگی کے آخری کئی سال متعدد بیماریوں کے ساتھ گزارے لیکن اپنے جذبے اور ہمت کے سبب آپ آخری دم تک دین کی خدمت کرتے رہے یہاں تک کہ 10 اپریل 2010 کو آپ نے کمر درد کے ساتھ فیصل آباد میں تنظیم اسلامی کی مرکزی مجلس شوریٰ میں شرکت کی لیکن واپسی پر آپ کو بخار ہو گیا، 13 اپریل کو آپ پر سخت کپکپی طاری ہو گئی اور طبیعت مزید بگڑتی گئی بالآخر رات تین بجے کے قریب نیند میں اپنے گھر کی دوسری منزل میں چلے گئے جہاں 13 اور 14 اپریل 2010ء کی درمیانی شب کو آپ کا انتقال ہوا۔ کسی قسم کے تنازعے کی جڑ کاٹتے ہوئے آپ نے وفات سے قبل اپنی تمام تر ذاتی املاک کو دین حق ٹرسٹ کے نام منتقل کر دیا تھا¹۔ اور یوں اللہ کے دین کا یہ خادم اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے پاس پہنچ گیا۔ اللہم اغفر له وارحمہ (آمین)

ڈاکٹر اسرار احمد کی نماز جنازہ 14 اپریل 2010ء بروز بدھ بعد نماز عصر سنٹرل پارک ماڈل ٹاؤن میں ان کے صاحبزادے امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید نے پڑھائی۔ نماز جنازہ میں ملک بھر سے متعدد دانشوروں، صحافیوں اور سیاسی و مذہبی رہنماؤں سمیت مختلف طبقات زندگی سے تعلق رکھنے والے بے شمار لوگوں نے شرکت کی۔ اگلے روز تمام اخبارات کے صفحہ اول پر آپ کی وفات کی خبر ذیلی سرخیوں میں موجود تھی۔ آپ کی وفات کو ملکی اور غیر ملکی سیاسی و مذہبی قائدین نے امت مسلمہ کے لیے ایک عظیم اور ناقابل تلافی نقصان شمار کیا۔ آپ کی وفات پر تعزیتی پیغام ارسال کرنے والوں میں سید علی گیلانی مرحوم، لیاقت بلوچ، ابتسام الہی ظہیر، ڈاکٹر ذاکر نانیک، جاوید غامدی اور دیگر افراد شامل تھے۔²

6۔ ڈاکٹر اسرار احمد اہل دانش کی نظر میں

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ڈاکٹر اسرار احمد سے دین اسلام کی خدمت کا جو عظیم کام لیا وہ بلاشبہ ان اعلیٰ اوصاف حمیدہ کی ہی بدولت تھا جن سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو متصف فرمایا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کے ہم عصر علماء اور مقربین کی نظر میں آپ ایک باعمل عالم دین اور ایک حق پرست اور اصول پسند انسان تھے۔ حق گوئی، خود داری، قناعت، سادگی، استقامت و استقلال، بے پناہ قوت عمل اور نیک مقاصد کے ساتھ سچی لگن آپ کی شخصیت کی نمایاں صفات تھیں۔ اللہ

(1) دیکھیے: رافعة الجبین، ڈاکٹر اسرار احمد: شخصیت اور دینی خدمات، ص: 37، انجیئر نوید احمد، ڈاکٹر اسرار احمد، تنظیم اسلامی ایک تعارف، ص: 35، ہفت

روزہ ندائے خلافت، جلد 19، شمارہ 17، 17 اپریل تا 27 اپریل، 2010ء

(2) رافعة الجبین، ڈاکٹر اسرار احمد: شخصیت اور دینی خدمات، ص: 37

سبحانہ و تعالیٰ نے آپ کو ذہانت، اظہارِ مافی الضمیر، اور خطابت کی بہترین صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ ان سب پر مستزاد یہ کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق آپ کے شامل حال رہی ورنہ ایک اکیلے شخص کے لیے اتنی خدمات سرانجام دینا ممکن نہ تھا۔ ذیل میں چند اہل علم کے اقوال کی روشنی میں آپ کی زندگی کے بعض نمایاں اوصاف کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کا سب سے نمایاں وصف اخلاص فی الدین تھا۔ اسلام اور پاکستان سے خلوص و اخلاص آپ کے رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے تھا۔ اسی اخلاص کا ثمرہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت سے فتنوں سے محفوظ رکھا اور تصویب رائے جیسی نعمت سے نوازا، اگرچہ آپ باقاعدہ طور پر عالم دین نہ تھے۔ مفتی رفیع عثمانی صاحب فرماتے ہیں:

"بلاشبہ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کو اللہ تعالیٰ نے خدمت قرآن کے لیے خاص جذبہ عطا کیا تھا، وہ اسلام اور پاکستان کے سچے سپاہی اور مخلص خادم تھے... میں نے ہمیشہ ان کو اسلام اور پاکستان کے سلسلے میں مخلص پایا... پاکستان اور اسلام کے لیے ان کے خلوص میں شبہ نہیں کیا جاسکتا۔ بلاشبہ ہم بہت مخلص خادم اسلام اور خادم پاکستان سے محروم ہوئے ہیں۔"¹

ڈاکٹر صاحب کو اللہ تعالیٰ نے جو استقامت اور استقلال عطا کیا تھا اس بارے میں محمد عطاء اللہ صدیقی لکھتے ہیں:

"ایک اور بات جو ڈاکٹر صاحب کے بارے میں نہایت اہم ہے، وہ ان کا غیر متزلزل عزم اور بلا کی استقامت اور استقلال ہے... ڈاکٹر صاحب کبھی مایوسی کا شکار نہیں ہوئے۔ وہ نتائج سے زیادہ اپنے نظریہ کی صداقت اور جدوجہد کے صحیح ہونے پر ان مٹ یقین رکھتے تھے۔"²

ڈاکٹر صاحب نے ہمیشہ اسلاف سے عقیدت و محبت کا رشتہ انتہائی مضبوطی سے جوڑے رکھا اور اسلاف کے مضبوط کنڈے (العروۃ الوثقی) کو کبھی ہاتھوں سے چھوٹنے نہ دیا۔ ایسے کوئی کام کو جو سلف سے کٹ کر کیا جائے، آپ اسے "فتنہ" قرار دیتے تھے لیکن اندھی اور جامد تقلید پر بھی آواز اٹھاتے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے ہمیشہ علماء سے ربط کو اپنے لیے لازم رکھا۔³ مولانا اسلم شیخوپوری رقم طراز ہیں:

"جن حضرات کو حضرت شیخ الہند کی شخصیت اور فکر نے بہت زیادہ متاثر کیا ان میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا نام بہت نمایاں ہے۔ وہ حضرت شیخ الہند کو حضرت شاہ ولی اللہ کی جامعیت کبریٰ کا عکس کامل اور اپنے آپ کو حضرت شیخ کے علوم و معارف کا خوشہ چین اور فکری جانشین قرار دیتے تھے۔"⁴

مولانا زاہد الراشدی صاحب فرماتے ہیں:

"وہ میرے بزرگ دوست تھے۔ تحریک نفاذ اسلام کے فکری رہنما تھے اور شیخ الہند کے ایسے عقیدت مند تھے

(1) محمد وقاص غازی، ڈاکٹر اسرار احمد کی یاد میں: کالم مضامین اور ادارے، صفحہ پبلشرز لاہور، طبع اول، جولائی 2010ء، ص: 244

(2) محمد عطاء اللہ صدیقی، اک اور شاہ بلوط ٹوٹ گرا، (ماہنامہ) محدث، لاہور، جلد: 42، شمارہ: 5، مئی 2010ء، ص: 79

(3) انجینئر نوید احمد، ڈاکٹر اسرار احمد اور تنظیم اسلامی ایک تعارف، ص: 36

(4) اسلم شیخوپوری، اک ڈاکٹر نے ہمیں بھولا ہوا سبق یاد دلادیا، (ہفت روزہ) اندائے خلافت، لاہور، جلد: 20، شمارہ: 18، 10 تا 10 مئی 2010ء، ص: 11

جو آج کے دور میں بھی شیخ الہند کا نام لینے اور انہیں رہنما قرار دینے میں فخر محسوس کرتے تھے۔¹

ڈاکٹر صاحب شریعت کی پابندی اور اتباع سنت کو ہر حال میں لازم خیال کرتے تھے۔ آپ نے جس چیز کی دعوت دی خود اس پر سب سے پہلے عمل کیا۔ آپ نے اپنی ساری زندگی اسلامی تعلیمات کے فروغ میں پر گزار کر دکھائی۔ اتباع سنت کا اہتمام عمر بھر ڈاکٹر صاحب کی زندگی کا حصہ رہا۔ دین کے غلبہ کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دینے کا داعیہ ان کی زندگی کا مقصد تھا۔ وہ اسی لیے زندہ رہے اور زندگی کے آخری سانس تک انہوں نے اپنے اس مشن کو نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیا۔²

مولانا اسلم شیخوپوری کے بقول اس حقیقت کا اعتراف تو ان کے مخالفین بھی کرتے ہیں کہ وہ شرعی مسائل و احکام کی اتباع اور ان پر استقامت میں مدہانت سے کام نہیں لیتے تھے۔ آپ نے اپنی اولاد کی شادیوں کے سلسلے میں بھی سنت کے تقاضوں کو ملحوظ رکھا اور کسی قسم کی پلک دکھانے پر تیار نہ ہوئے۔ مظاہر شریعت کی پابندی اور علماء کے ادب و احترام میں بھی اپنے مولانا نے ذاتی تجربہ کی حد تک میں نے ڈاکٹر صاحب اور ان کے متعلقین کو بہتر پایا ہے۔³

اپنے پرائے سب ڈاکٹر صاحب کے اس وصف کے قائل تھے کہ وہ کلمہ حق کہنے میں کبھی بھی سستی سے کام نہیں لیتے تھے۔ حق گوئی آپ کی زندگی کا خاصہ تھا اور اس معاملے میں وہ {وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ} کے مصداق کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قول و فعل میں مطابقت، اصولوں پر سختی سے عمل، کلمہ حق کہنے کی زبردست جرات، خوداری، قناعت، سادگی، استقامت، بے پناہ قوت عمل اور نیک مقاصد کے ساتھ سچی لگن سے نوازا تھا۔ آپ اپنی جرات ایمانی کے سبب جس بات کو حق سمجھتے تھے اس کو بیان کرنے میں کسی کی پرواہ نہ کرتے تھے۔⁴ پروفیسر محمد یونس جنجوعہ فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے انہیں خاص قسم کا رعب و دبدبہ عطا فرمایا تھا۔ آپ کبھی کسی حکمران یا معروف سیاسی شخصیت سے مرعوب نہیں ہوئے بلکہ بڑے بڑے صاحبان اقتدار اور مالکان جاہ و جلال آپ کے پاس آتے تھے اور کھری کھری سن کر جاتے تھے۔ کسی کو آپ کے سامنے استدلال کرنے کا یارا نہ ہوتا"⁵

(1) محمد وقاص غازی، ڈاکٹر اسرار احمد کی یاد میں: کالم مضامین اور ادارے، ص: 180

(2) ڈاکٹر قاری محمد طاہر، ڈاکٹر اسرار احمد ایک فعال شخصیت، (سہ ماہی) حکمت قرآن، لاہور، جلد: 29، شمارہ: 3، جولائی تا ستمبر 2012ء، ص: 35

(3) محمد اسلم شیخوپوری، اک ڈاکٹر نے ہمیں بھولا ہوا سبق یاد دلایا، (ہفت روزہ) ندائے خلافت، ص: 11

(4) المائدہ: 54

(5) انجینئر نوید احمد، ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے، (ہفت روزہ) ندائے خلافت، جلد: 19، شمارہ: 17، 27 اپریل تا 3 مئی 2010ء، ص: 24 اور

حافظ محمد زبیر، خادم قرآن: کچھ یادیں، کچھ باتیں، (ماہنامہ) میثاق، جلد: 59، شمارہ: 5، مئی 2010ء، ص: 148

(6) پروفیسر محمد یونس جنجوعہ، ڈاکٹر اسرار احمد: پیکر صدق و وفا، (ماہنامہ) میثاق، جلد: 59، شمارہ: 5، مئی 2010ء، ص: 125

ڈاکٹر صاحب علوم جدید و قدیم دونوں میں درک رکھتے تھے آپ نے ایک جانب توحید سائنسی علوم پڑھے تھے اور دوسری جانب دینی علوم سے بھی حظ عظیم اٹھایا تھا۔ مولانا اسلم شیخوپوری اور پروفیسر خورشید احمد کے مطابق آپ نے ایم بی بی ایس ڈاکٹر ہونے کے ناطے جدید و قدیم، دونوں علوم سے بھرپور استفادہ کیا، مغربی فلسفوں اور جدید نظریات پر نظر رکھتے ہوئے مذاہب عالم کا بھی بقدر ضرورت آپ نے نہ صرف مطالعہ کر رکھا تھا بلکہ اس علم کو دعوت دین کے لیے بڑی کامیابی سے استعمال کیا۔ انگریزی میں اظہار مافی الضمیر کی قدرت رکھتے تھے۔ نوجوانوں کی نفسیات پر آپ کی گہری نظر تھی۔ آواز میں طنطنہ اور اسلوب میں روانی اور دلکشی تھی۔ اس لیے جب جدید تعلیم یافتہ مجمع میں اس زبان اور لہجے میں بات کرتے جس کا مجمع عادی تھا تو ان کی بات بہت توجہ سے سنی جاتی تھی۔¹

ڈاکٹر صاحب بے حد خود ار شخصیت کے حامل تھے۔ اور استغناء و خوداری کا پیکر تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ نے ساری زندگی سادگی اور قناعت کے ساتھ گزاری اور اپنے مال و صلاحیت کو اللہ کے دین کے لیے وقف کیے رکھا۔ ڈاکٹر صاحب کی اہلیہ محترمہ کے بقول آپ کا طرز زندگی نہایت سادہ تھا، میس میں جو کھانا پکا ہوتا وہ بھی خوش ہو کر تناول فرماتے، تیس سال پہلے کافر نیچر آج بھی زیر استعمال تھا۔ آپ کا بیڈ پہلے نوڑا بنا ہوا تھا لیکن جب آپ کو کمر کی تکلیف ہوئی تو سخت بیڈ کی ضرورت ہوئی تو اسی بیڈ پر تختے لگوا لیے۔²

ڈاکٹر صاحب شعور سنبھالتے ہی دعوت الی اللہ کے کام میں لگ گئے اور ایسے لگے کہ زندگی کی آخری سانس تک یہ کام نہ چھوڑا۔ یوں تو آپ نے اپنی زندگی کی ساری صلاحیتیں اسی کام میں صرف کر دیں مگر جو صلاحیت خطابت اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی خاص عنایت تھی اسے بخوبی استعمال فرمایا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ پائے کی خطیبانہ صلاحیت سے نوازا تھا اور آپ نے اس صفت بیان کو قرآن کے حوالے کر دیا۔ جو یقیناً ان کا سب سے عالی منصب تھا۔ جناب ظہیر احمد سلہری "ڈاکٹر اسرار کی خطیبانہ صلاحیت کی ایک دنیا معترف تھی" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

"ڈاکٹر صاحب کے دروس کو عوامی سطح پر ملنے والی پذیرائی کا یہ عالم تھا کہ باغ جناح سے جناح روڈ کوئی تھک جہاں ان کے دروس ہوئے، مخلوق خدا دیوانہ وار چلی آتی۔ آٹھ دس ہزار لوگوں کا درس کے لیے چلے آنا کوئی معمولی واقعہ نہیں ہوتا.... ڈاکٹر صاحب کمال کے مقرر تھے۔ جلالی مقرر کہنا زیادہ موزوں ہوگا۔ موضوع کوئی بھی ہو وہ ایک سحر طاری کر دینے پر قادر رہتے۔ لفظ، جملہ، اشعار سب ہاتھ باندھے چلے آنا کوئی معمولی بات نہیں ہوتا... ان کی باتوں سے جو اخلاص ٹپکتا سننے والا اس کے سحر میں گم ہو کر رہ جاتا ہے۔"³

(1) اسلم شیخوپوری، اک ڈاکٹر نے ہمیں بھولا ہوا سبق یاد دلادیا، ص: 12، پروفیسر خورشید احمد، اسرار بھائی۔ رقتید و لے نہ ازل ما، (ماہنامہ) ترجمان القرآن،

لاہور، شمارہ: 5، مئی 2010ء، ص: 91

(2) رافقہ الجبین، ڈاکٹر اسرار احمد: شخصیت اور دینی خدمات، ص: 41

(3) محمد وقاص، ڈاکٹر اسرار احمد کی یاد میں: کالم مضامین اور ادارے، ص: 50

ڈاکٹر صاحب کی اولین ترجیح دین اسلام کا غلبہ تھا۔ اسی لیے آپ فروعی مسائل میں اختلاف کو سخت ناپسند کرتے تھے اور فرقہ واریت کے شدید مخالف بلکہ فرقہ ورانہ تعصب سے بالاتر اور نہایت وسیع النظر انسان تھے۔ آپ عصر حاضر اور علوم اسلامیہ پر گہری نظر رکھتے تھے، علماء کی بہت قدر کرتے تھے۔ آپ اختلاف ضرور فرماتے مگر مکمل احترام ملحوظ خاطر رکھتے اور اہل علم بھی آپ کی قدر کرتے تھے۔ کسی کی ذات کو ہدف تنقید نہیں بناتے تھے۔ ہر طبقہ فکر سے یکساں تعلقات رکھتے تھے۔

محمد عطاء اللہ صدیقی اور پروفیسر ڈاکٹر قاری محمد طاہر کے بقول ڈاکٹر صاحب ایک وسیع المشرب دینی سکالر تھے۔ وہ اگرچہ حنفی مسلک سے دلی قربت رکھتے مگر ماہ رمضان میں بارہا ان کے ہاں سلفی طریق پر جہری دعا کے ساتھ نماز و تراویح کی جاتی تھی۔¹ آپ علم و علماء کے شاور تھے، قرآن فہمی اور رجوع الی القرآن کے حوالے سے رجال کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر تلاش کرتے، ان کو اپنے عمل میں شریک کرنے کی کوشش فرماتے، ان کی صلاحیتوں سے استفادہ کرنے کی کوشش کرتے اور اس معاملے میں آپ کو اس بات کی پرواہ نہ ہوتی تھی کہ آپ کا مدعو علم و مقام و مرتبے کی وجہ سے ان سے سبقت لے جائے گا۔ آپ نے ان کے ذریعے رجوع الی القرآن جیسا عظیم مقصد حاصل کرنے میں اپنا کندھا پیش کیا اور مثبت نتائج حاصل کرنے کی سبیل پیدا کی۔²

ڈاکٹر صاحب اقبال کی فکر سے بہت زیادہ لگاؤ رکھتے تھے۔ اپنے ہر خطاب و تقریر میں علامہ کے اشعار لازماً استعمال فرماتے تھے۔ آپ کو علامہ کے سینکڑوں اردو اور فارسی اشعار از بر تھے۔ عبد القیوم فہمید ر قم طراز ہیں:

"ڈاکٹر اسرار ہوں اور مفکر اسلام علامہ اقبال کا تذکرہ نہ ہو، کیسے ممکن ہے؟ سوان سے پہلی ملاقات میں علامہ اقبال کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر ان کے سامنے سوالات اٹھائے، جن میں سے بعض کے جوابات انکشاف انگیز بھی تھے۔ ڈاکٹر صاحب برملا اعتراف کرتے تھے کہ اگر برصغیر میں انہیں بچپن میں علامہ جیسی شخصیت کے سحر انگیز کلام سے واسطہ نہ پڑتا تو شاید ان کا راستہ اور منزل کوئی اور ہوتی۔"³

ڈاکٹر اسرار صاحب کے نزدیک تصوف کی اصطلاح سے اصلاً مراد اسلام کا تصور احسان تھا جس کے حقیقی معنی میں وقت کے ساتھ تغیر آگیا اور بہت سی خرافات اس سے منسلک ہو گئی۔ آپ کے نزدیک حقیقی تصوف دین اسلام کے مغز کی حیثیت رکھتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی تصوف کے حوالے سے رائے کے متعلق ڈاکٹر اے آر خالد لکھتے ہیں:

"اگرچہ وہ کسی صوفی ازم سے مرعوب نظر نہیں آتے مگر اولیاء اللہ کا ادب و احترام ان کے زہد و تقویٰ اور دینی بصیرت و خدمت کے حوالے سے کرتے اور.... احساس ہوتا کہ ڈاکٹر اسرار احمد عام مسلمانوں اور صوفیاء کے

(¹) محمد عطاء اللہ صدیقی، اک اور شاہ بلوط ٹوٹ گرا، ص: 79

(²) قاری محمد طاہر، ڈاکٹر اسرار احمد ایک فعال شخصیت، ص: 35

(³) محمد وقاص، ڈاکٹر اسرار احمد کی یاد میں: کالم مضامین اور ادارے، ص: 78

ماہین اس فرق کے حوالے سے صوفیاء کی قطار میں کھڑے نظر آتے ہیں کہ عام مسلمان خدا کو مانتا ہے اور صوفیاء خدا کی مانتے ہیں۔¹

ڈاکٹر صاحب میں تنظیمی اور قائدانہ صلاحیت بھی بخوبی موجود تھی۔ انہوں نے اپنی تمام تر اجتماعی سعی کی بنیاد قرآن و سنت کو بنایا اور اپنی تنظیم کو سماع و طاعت کی مضبوط بنیادوں پر کھڑا کیا۔ پروفیسر خورشید صاحب لکھتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے انہیں اعلیٰ تنظیمی اور قائدانہ صلاحیتوں سے نوازا تھا اور انہوں نے اسلامی جمعیت طلبہ، انجمن خدام القرآن، تنظیم اسلامی اور عالمی تحریک خلافت کے ذریعے اپنی بہترین صلاحیتیں دین کی خدمت میں صرف کیں۔"²

ڈاکٹر صاحب اپنی زندگی کے ہر لمحے کو قیمتی جانتے اور ہمیشہ وقت کی پابندی کرتے تھے۔ آپ پابندی وقت کو ہمیشہ ملحوظ خاطر رکھتے تھے اور وقت کو بالکل بھی ضائع نہ کرتے تھے۔ چند منٹوں کی تقدیم و تاخیر آپ کو گوارا نہ تھی اسی لیے آپ کے پروگراموں میں لوگ وقت سے پہلے تشریف لے آتے تھے۔ عین نماز کے وقت مسجد میں تشریف لانا، اگر تین چار منٹ بھی نماز میں رہتے ہوں تو فوراً نفل نماز کی نیت باندھ لینا، ان کا روزمرہ کام معمول تھا۔³

ڈاکٹر صاحب نے جس کشاکش کے دور میں آنکھ کھولی اس دور کے حالات اور آپ کے والدین کی محنت نے آپ کی زندگی کو سنجیدہ و با مقصد بنایا۔ پھر یہ کہ جب قوم میں علامہ اقبال جیسے عظیم رہنما موجود ہوں تو اسرار احمد جیسے افراد بھی قوم و ملت میں پیدا ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے اگرچہ کسی دینی مدرسے وغیرہ سے باقاعدہ تعلیم نہیں حاصل کی تھی لیکن آپ اردو، عربی اور انگریزی زبان پر مہارت رکھتے تھے اور آپ نے دینی علوم کے اعتبار سے متعدد علماء سے براہ راست اور بالواسطہ استفادہ کر رکھا تھا۔ آپ نے اپنے کیریئر کو دین کے لیے قربان کر دیا جس کا سبب وہ قومی و ملی جذبہ تھا جس نے آپ کے اندر ایک تحریک پیدا کر دی تھی۔ گویا امت کی موجودہ زبوں حالی، اور دین کی نشاۃ ثانیہ کا خاکہ آپ کے ذہن میں بن چکا تھا جس میں آپ نے قرآن و حدیث کا رنگ بھر رکھا تھا۔ آپ کی اسی لگن اور کوشش کے سبب آپ نے اس قدر بڑی علمی و دعوتی خدمات سر انجام دیں جو مثالی حیثیت رکھتی ہیں۔ آپ نے علم حاصل کرنے کے لیے صرف ایک رخ کو خاص نہیں رکھا بلکہ ہر قسم کے تعصب سے بالاتر ہو کر مختلف اور بعض متضاد مصادر سے علم حاصل کیا۔ امت میں اتحاد و یگانگت پیدا کرنے کی کوشش کی جو کہ عصر حاضر میں کسی بھی داعی دین کے لیے مشعل راہ ہے۔

(¹) ڈاکٹر اے آر خالد، حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا، (ہفت روزہ) ندائے خلافت، لاہور، جلد: 20، شمارہ: 18، 4، 10 مئی 2010ء، ص: 11

(²) پروفیسر خورشید احمد، اسرار بھائی۔۔۔ رقتید و لے نہ ازل ما، (ماہنامہ) ترجمان القرآن، ص: 92

(³) محمد یونس، ڈاکٹر اسرار احمد پیکر صدق و وفا، ص: 125، حافظ محمد زبیر، خادم قرآن: کچھ یادیں، کچھ باتیں، ص: 148

مبحث دوم

ڈاکٹر اسرار احمد کی تحریکی، دعوتی و علمی خدمات

ڈاکٹر اسرار احمد کی پوری زندگی ایک جہد مسلسل ہے۔ آپ کی دینی خدمات کا جائزہ لینے کے لیے ذیل میں ہم آپ کی زندگی کو مختلف ادوار میں تقسیم کرتے ہوئے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

الف۔ ڈاکٹر اسرار احمد کی جماعتی و تحریکی زندگی کا پہلا دور (1945ء سے 1957ء)

اس دور میں ڈاکٹر صاحب بنیادی طور پر دو تحریکات سے وابستہ رہے جن میں تحریک پاکستان اور جماعت اسلامی شامل ہیں۔

تحریک پاکستان میں آپ کا کردار

ڈاکٹر صاحب نے اپنی عمر کے نیم شعوری دور میں ایک نوجوان کارکن کی حیثیت سے 1945ء-1947ء کے دوران مسلمانان ہند کی قومی جدوجہد یعنی تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا اور ایک فعال کردار ادا کیا۔ ڈاکٹر صاحب پہلے مسلم سٹوڈنٹ فیڈریشن میں شامل ہو گئے تھے جو ان کی تحریک پاکستان میں شمولیت کا ذریعہ بنا۔ کچھ عرصہ تک وہ ضلع حصار میں مسلم سٹوڈنٹ فیڈریشن کے جنرل سیکریٹری رہے۔ آپ نے کم عمری کے باوجود تحریک پاکستان کے ایک نو عمر کارکن کی حیثیت سے 1945-46ء کے انتخابات کی مہم میں بھی بھرپور حصہ لیا اور 1946ء میں ایک بار آپ نے لاہور میں منعقدہ فیڈریشن کے ایک مرکزی اجلاس میں ضلع حصار کے نمائندے کی حیثیت سے بھی شرکت کی۔ اسی حیثیت سے وہ اس وفد میں شامل تھے۔ جو حصار سے لاہور قائد اعظم سے ملاقات کے لیے آیا تھا۔ اس بارے میں آپ خود لکھتے ہیں:

"راقم کو اس پر فخر ہے کہ تحریک پاکستان کے ننھے کارکنوں میں اس کا نام بھی شامل ہے۔"¹

جماعت اسلامی میں شمولیت

ڈاکٹر صاحب اپنی طالب علمی کے دور میں ہی جس دوسری تحریک سے متاثر ہوئے اور بعد ازاں اس کا حصہ بھی بنے وہ تحریک سید ابوالاعلیٰ مودودی کی جماعت اسلامی تھی۔ جماعت نے آپ کے جذبہ ملی کو ایک نئی وسعت عطاء کی اور دل میں تجدید و احیائے ملت کے ساتھ ساتھ بلکہ اس سے بھی مقدم اور پیشتر تجدید و احیائے دین کا جذبہ پیدا کیا۔ دوسرے لفظوں میں علامہ اقبال مرحوم کے عطاء کردہ جذبہ ملی کے خاکے میں ایک دینی فکر کار نگ بھر دیا۔²

قیام پاکستان کے بعد جن شدید حالات میں سے گزر کر آپ کو پاکستان پہنچنا نصیب ہوا تھا اس نے فوری طور پر

(1) دیکھیے: اسرار احمد، استحکام پاکستان، ص: 42-43، اسرار احمد، علامہ اقبال، قائد اعظم اور نظریہ پاکستان، ص: 30-31

(2) اسرار احمد، عزم تنظیم، ص: 12

آپ کے ملی اور دینی جذبات کو بہت بھڑکا دیا اور کچھ صورت حال بھی بظاہر ایسی نظر آتی تھی کہ جیسے احیائے اسلام کی منزل بہت قریب ہے۔ قیام پاکستان سے گویا اصل مرحلہ تو طے ہو ہی گیا ہے اب کسر صرف اتنی ہے کہ اس ملک میں اسلامی نظام قائم کر دیا جائے۔ ان حالات میں جب جماعت اسلامی پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام کی داعی بن کر سامنے آئی تو گویا اس نے آپ کے جملہ قومی و ملی اور دینی و مذہبی جذبات کو اپیل کیا اور دوسرے بے شمار کارکنوں کی طرح آپ بھی حد درجہ کیف و سرور کے عالم میں اس کی جدوجہد میں عملاً شریک ہو گئے۔ جس کے لیے آپ نے گورنمنٹ کالج لاہور میں ایف ایس سی کے دوران جماعت اسلامی کے حلقہ ہمدرداں میں شمولیت اختیار کر لی۔¹

1950ء میں آپ کنگ ایڈورڈ کالج لاہور میں داخل ہو گئے اور اسلامی جمعیت طلبہ کے کارکن کے طور پر پہلے ناظم لاہور بنے۔ پھر پنجاب کے ناظم ہوئے اور آخر کار ناظم اعلیٰ کے منصب تک پہنچے۔ 1954ء میں جب ڈاکٹر صاحب نے ایم بی بی ایس کر لیا تو آپ کا دور طالب علمی ختم ہوا اور ساتھ ہی آپ نے جماعت اسلامی میں باقاعدہ شمولیت کی درخواست دے دی۔ نومبر 1954ء میں آپ کی درخواست کو منظور کر لیا گیا۔ اور آپ جماعت کے رکن بن گئے۔ تعلیم کی تکمیل کے بعد آپ ساہیوال میں اپنے والدین کے پاس منتقل ہو گئے۔ جہاں آپ نے جماعت کی ایک ڈسپنری میں ملازمت اختیار کر لی۔ کچھ عرصہ بعد آپ کو جماعت اسلامی ساہیوال کا امیر بنایا گیا۔²

جماعت اسلامی سے علیحدگی

1955ء میں جماعت اسلامی میں ایک بحرانی کیفیت پیدا ہونی شروع ہوئی۔ کئی اراکین جماعت نے محسوس کیا کہ اب جماعت کی سرگرمیوں کا رخ بدل رہا ہے۔ اب فرد کی اصلاح کے بجائے زیادہ زور نظام حکومت کی اصلاح کی طرف ہے۔ جس سے اراکین جماعت کی تربیت کا معیار گرتا چلا جا رہا ہے۔ 1955ء میں کراچی کے کیولری گراؤنڈ میں جماعت اسلامی کے آل پاکستان اجتماع میں یہ باتیں کھل کر سامنے آئیں۔ اس اجتماع میں بہت سے لوگوں نے اپنی اپنی تجاویز بھیجی ہوئی تھیں۔ جس پر حالات کا جائزہ لینے کے لیے مولانا مودودی نے ایک کمیٹی تشکیل دی جس کا نام "جائزہ کمیٹی" رکھا گیا۔ کمیٹی کا کام یہ تھا کہ پورے پاکستان میں گھوم پھر کر جائزہ لے اور جن پالیسیوں کے بارے میں شکالات ہیں انہیں سن کر رپورٹ پیش کرے۔ ڈاکٹر صاحب نے اواخر اکتوبر 1956ء میں 250 صفحات پر مشتمل اپنا ایک بیان اس کمیٹی کے سامنے پیش کیا جس میں آپ نے جماعت اسلامی کے قبل از تقسیم ہند اور بعد کے موقف اور طریق کار کے فرق اور تضاد کو واضح کیا۔³

(1) اسرار احمد، عزم تنظیم، ص: 14-15

(2) انجینئر نوید احمد، ڈاکٹر اسرار احمد اور تنظیم اسلامی ایک تعارف، ص: 20

(1) آپ کا یہ بیان اب تحریک "جماعت اسلامی ایک تحقیقی مطالعہ" کے عنوان سے مطبوعہ شکل میں موجود ہے۔

آپ کے بقول قبل از تقسیم کی جماعت جہاں ایک خالص اسلامی تحریک کا نقشہ پیش کرتی ہے، وہاں بعد از تقسیم کی جماعت ایک ایسی سیاسی جماعت بن گئی جس میں دین کا داعیہ چاہے کم یا زیادہ ہو، خالص اسلامی تحریک کی خصوصیات موجود نہیں ہیں۔ اس صورتحال کے پیش نظر سن 1957ء میں ماچھی گوٹھ میں ارکان جماعت کا ایک اجتماع اس غرض سے بلا یا گیا کہ جماعت کی پالیسی اور طریق کار کے بارے میں جائزہ لے کر آئندہ کے لیے اپنا لائحہ عمل طے کیا جائے۔ اس اجتماع میں اختلاف شدید ترین صورت اختیار کر گیا۔ جس کے نتیجے میں ڈاکٹر صاحب سمیت تقریباً ستر اسی ارکان جماعت سے علیحدہ ہو گئے۔ اس طرح آپ نے اپریل 1957ء جماعت سے باقاعدہ استعفیٰ دے دیا۔¹

ب۔ ڈاکٹر اسرار احمد کی جماعتی و تحریکی زندگی کا دوسرا دور (۱۹۵۷ء تا ۱۹۶۷ء)

جماعت اسلامی سے علیحدگی کے باوجود ڈاکٹر اسرار احمد نے اپنے نصب العین سے دوری اختیار نہیں کی اور احیائے اسلام و تجدید دین اور شہادت حق و اقامت دین کے جو تصورات آپ پر آشکار ہوئے تھے اور جنہیں آپ نے پورے شعور و ادراک کے ساتھ اپنا دینی فرض سمجھ کر قبول کیا تھا آپ اس پر ثابت قدم رہے۔

1957ء میں جماعت اسلامی سے علیحدگی کے بعد آپ نے جماعت کی ڈسپنری کی ملازمت ترک کر دی اور ساہیوال میں اپنا ذاتی مطب قائم کر لیا۔ آپ نے دروس قرآن کے کئی حلقے قائم کیے۔ ساتھ ہی طلبہ کے لیے ایک ہاسٹل بنایا تاکہ وہاں مقیم طلبہ دین کی ذہن سازی کی جاسکے۔ اس عرصہ میں آپ نے تبلیغی جماعت کے ساتھ بھی دو سال تک رابطہ رکھا۔ تبلیغی جماعت کے اجتماع میں بھی آپ دروس قرآن ہی دیتے رہے۔ البتہ تبلیغی جماعت کی جانب سے اقامت دین کے لیے کوئی واضح لائحہ عمل سامنے نہ آنے کے سبب آپ کا ان سے مزید ربط جاری نہ رہ سکا۔ اس کے بعد آپ نے ایک ایسی نئی اجتماعیت کے قیام کی غرض سے جماعت اسلامی سے علیحدہ ہونے والے اکابرین سے بار بار رابطے کیے جو جماعت اسلامی کے ابتدائی طریقہ کار کو پھر سے اختیار کر کے افراد کی ذہن سازی اور عملی تربیت کا اہتمام کر سکے تاکہ غلبہ و اقامت دین کی راہ ہموار ہو سکے۔²

1962ء تا 1965ء تک تین سال ڈاکٹر صاحب نے کراچی میں ایک کاروباری اشتراک کے سلسلے میں اپنے بھائی کی کمپنی میں جنرل مینیجر کی حیثیت سے کام کیا۔ اس دوران بھی آپ نے دروس قرآن دینے کا سلسلہ جاری رکھا۔ 1965ء میں ڈاکٹر صاحب نے کراچی یونیورسٹی سے ایم اے اسلامیات پہلی پوزیشن کے ساتھ مکمل کیا۔ 1965ء میں ڈاکٹر صاحب نے اپنی اب تک کی جمع شدہ پونجی سے کرشن نگر لاہور میں ایک مکان خریدا اور اس میں اپنا مطب قائم کیا۔ مکان کی بالائی منزل میں رہائش اختیار کی اور چلی منزل میں "دارالاشاعت اسلامیہ" قائم کیا۔ دارالاشاعت سے

(۱) دیکھیے: رافعتہ الجبین ڈاکٹر اسرار احمد شخصیت، افکار و خیالات اور تحریکی جدوجہد، ایک یادگار انٹرویو، ص: 9، عزم تنظیم، ص: 20

(۲) دیکھیے: اسرار احمد، عزم تنظیم، ص: 24، انجینئر نوید احمد، ڈاکٹر اسرار احمد اور تنظیم اسلامی ایک تعارف، ص: 22

ڈاکٹر صاحب نے کئی دعوتی کتب شائع کیں اور مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کی تفسیر تدبر قرآن کی اشاعت کا بھی آغاز کیا۔ لاہور میں آپ نے دروس قرآن کے کئی حلقے قائم کیے اور مطالعہ قرآن حکیم کی سورتوں کے منتخب نصاب کو یکجا کتابی صورت میں شائع کر دیا۔ اور جماعت اسلامی سے علیحدہ ہونے والے اکابرین سے رابطوں میں تیزی پیدا کر دی تاکہ احیائے اسلام کے لیے ایک نئی اجتماعیت قائم کی جاسکے۔

1966ء میں ڈاکٹر صاحب نے ماہنامہ "میثاق" کا دوبارہ اجرا کیا جو بند ہو چکا تھا۔ اسی سال آپ نے جماعت اسلامی کے حوالے سے اپنا اختلافی بیان "تحریک جماعت اسلامی ایک تحقیقی مطالعہ" کے نام سے کتابی شکل میں شائع کیا جس کے اندر ان عوامل کا تذکرہ کیا جن کی بنیادوں پر آپ کو علیحدگی اختیار کرنا پڑی۔ اس کے بعد آپ نے ایک اجتماعیت کے قیام پر سنجیدگی سے غور و فکر شروع کر دیا۔ نتیجتاً 1967ء میں رحیم یار خاں میں جماعت اسلامی سے علیحدہ ہونے والے اکابرین کا اجتماع ہوا۔ اس اجلاس میں ایک اجتماعیت کے قیام کے حوالے سے قرارداد تاسیس پر اتفاق ہوا۔¹

ت۔ انفرادی مساعی کا بھرپور دعوتی دور (1967ء تا 1975ء)

یہ دور محترم ڈاکٹر صاحب کے لیے بے پناہ مصروفیت اور شدید ترین مشقت کا دور تھا۔ ایک طرف اپنی معاشی جدوجہد میں مطب کی ذمہ داریاں تھیں تو دوسری طرف دروس قرآنی اور خطبات عامہ کا سلسلہ جاری تھا، مزید یہ کہ ماہنامہ "میثاق" کی ادارت اور اہتمام و انتظام بھی آپ ہی کے ذمہ تھا جس کے ساتھ ساتھ دارالاشاعت اور اس کی گوناگوں مصروفیات نے آپ کو گھیر رکھا تھا، الغرض بالکل مختلف بلکہ متضاد النوع مصروفیات کی کشاکش طاری تھی۔

رحیم یار خاں میں ہونے والے اکابرین کے اجتماع کے باوجود عملی اجتماعی جدوجہد کے عدم آغاز پر آپ اس بات سے مایوس ہو گئے کہ جماعت اسلامی سے الگ ہونے والے ارکان جماعت اب کسی اسلامی اجتماعیت کے قیام کے لیے آگے بڑھیں گے تو آپ نے احساس فرض کے تحت اپنے طور احیاء اسلام کے لیے منظم اجتماعی جدوجہد کے آغاز کرنے کا عزم کیا۔ اس غرض سے آپ نے "اسلام کی نشاۃ ثانیہ کرنے کا اصل کام" کے عنوان سے ایک لائحہ عمل پیش کیا جو ایک مختصر کتابچے کی شکل میں تھا لیکن بعد ازاں یہی کتابچہ آپ کی تمام تر جدوجہد کا مبنی اور مرکز و محور بنا۔ اس تحریر میں آپ نے عصر حاضر میں احیائے اسلام کے لیے علمی اور تحریکی جہتوں کو شرح و بسط سے واضح کیا۔ اسی طرح آپ نے اپنی دعوتی کتب اور ماہنامہ رسائل، ملک گیر دروس قرآنی اور خطبات جمعہ کے ذریعے امت مسلمہ کے زوال کو بنیادی طور پر قرآن مجید سے دوری اور ترک قرآن سے جوڑا اور عروج پانے کے لیے دوبارہ "رجوع الی القرآن" کو لازمی قرار دیا۔²

(1) دیکھیے: اسرار احمد، عزم تنظیم، ص: 24-30، انجینئر نوید احمد، ڈاکٹر اسرار احمد اور تنظیم اسلامی ایک تعارف، ص: 22-30

(2) دیکھیے: اسرار احمد، دعوت رجوع الی القرآن کا منظر اور پس منظر، ص: 135، انجینئر نوید احمد، ڈاکٹر اسرار احمد، تنظیم اسلامی ایک تعارف، ص: 25

اس ہمہ جہت مشقت کا صحت پر منفی اثر ظاہر ہونے لگا اور مسلسل بخار کی سی کیفیت نے ایک دائمی مرض کی صورت اختیار کر لی۔ ڈاکٹر صاحب یہ سوچنے پر مجبور ہوئے کہ دینی اور تحریکی مساعی اور مطب دونوں کو ساتھ لے کر چلنا ممکن نہیں، اب کسی ایک جانب یک سو ہونے کی ضرورت ہے۔ جب آپ اکتوبر 1970ء میں پورے چار ماہ پر محیط اپنی زندگی کے طویل ترین سفر پر حجاز مقدس کے لیے روانہ ہوئے تو وہاں عمرہ اور حج دونوں کی سعادت حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ آپ مسلسل آئندہ کے لائحہ عمل کے بارے میں سوچتے رہے اور بالآخر سرزمین حجاز میں، حج ہی کے مبارک موقع پر آپ نے یہ فیصلہ کر لیا کہ آئندہ مطب کا سلسلہ بالکل بند اور جتنی بھی مہلت عمر بقایا ہے سب کی سب کتاب اللہ کی خدمت کے لیے وقف رہے گی۔ چنانچہ وطن واپسی کے بعد اپنا مطب بند کر یا اور اس کے اثاثہ جات فروخت کر دیئے۔

ڈاکٹر صاحب نے 1972ء میں مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور قائم کی جس کے قیام کا مقصد علوم قرآنی کی اشاعت اور مختلف تعلیمی اداروں کے قیام کے لیے وسائل مہیا کرنا تھا۔ بعد ازاں اس انجمن کے تحت 1977ء میں ماڈل ٹاؤن لاہور میں قرآن اکیڈمی قائم ہوئی۔ 1966ء تا 1974ء حلقہ ہائے دروس قرآن کے ذریعے شہر لاہور میں قرآن کے انقلابی پیغام کے نتیجے میں پڑھے لکھے طبقات پر مشتمل ایک حلقہ احباب وجود میں آگیا جو اپنی تمام دینی ذمہ داریوں اور بالخصوص اقامت دین کی جدوجہد کے لیے قلبی و ذہنی طور پر آمادہ ہو چکے تھے۔ لہذا 1975ء میں آپ نے تحریکی کام (غلبہ و اقامت دین) کے لیے تنظیم اسلامی، کے نام سے ایک منظم اسلامی اجتماعیت قائم فرمائی۔¹

ث۔ ایک منظم اسلامی اجتماعی جدوجہد کا دور (1975ء تا وفات)

ڈاکٹر صاحب نے اپنی زندگی کے اس آخری دور میں، جو آپ کی حیات کے آخری سانس تک جاری و ساری رہا، غلبہ و اقامت دین کی پیہم اجتماعی جدوجہد کی۔ اس دور کے دو حصے ہیں۔ پہلا دور وہ ہے جس میں آپ اس اجتماعی جدوجہد کے قائد رہنما اور امیر کے طور پر اپنی ذمہ داری ادا فرماتے رہے۔ جب کہ دوسرے دور میں آپ اسی تحریک میں ایک رفیق اور مربی کے طور پر اپنی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ پہلے دور کے چیدہ چیدہ سنگ ہائے میل درج ذیل ہیں۔

1. آپ نے انجمن خدام القرآن کے صدر موسس کی حیثیت سے انجمن کے تحت جنوری 1976ء میں ماڈل ٹاؤن

لاہور میں قرآن اکیڈمی قائم کی اور اپنے دعوتی خطابات کے لیے پاکستان اور دیگر ممالک کے اسفار کیے۔²

(1) دیکھیے: اسرار احمد، عزم تنظیم، ص: 36، انجینئر نوید احمد، ڈاکٹر اسرار احمد، تنظیم اسلامی ایک تعارف، ص: 27

(2) دیکھیے: اسرار احمد، دعوت رجوع الی القرآن کا منظر اور پس منظر، ص: 271 اور ص: 17

2. 1973ء سے انجمن نے سالانہ قرآن کانفرنسوں کا سلسلہ شروع کیا جس میں مختلف مکاتب فکر کے جید علماء کرام نے اپنے مقالات و خطابات پیش کئے۔ پھر 1981ء میں "قرآن کانفرنس" کی بجائے "محاضرات قرآنی" کا عنوان اختیار کر لیا گیا۔ محاضرات قرآنی کا یہ سلسلہ سالانہ بنیادوں پر جاری رہا۔¹
3. 1981ء میں آپ نے جنرل ضیاء الحق کی مجلس شوریٰ میں شمولیت اختیار فرمائی۔ جو دو ماہ بعد ہی استعفیٰ کی صورت میں ختم ہو گئی۔²
4. اپریل 1981ء تا جون 1982ء "الہدیٰ" کے نام سے آپ کا ہفتہ وار پروگرام پاکستان ٹیلی ویژن پر باقاعدگی کے ساتھ چلتا رہا جس کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب اور ان کی فکر قرآنی کا وسیع پیمانے پر تعارف ہوا۔
5. 1984ء میں آپ نے مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور میں سیرت طیبہ کے عملی و انقلابی پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے "منہج انقلاب نبوی" کے موضوع پر گیارہ خطابات ارشاد فرمائے۔
6. 1984ء میں ڈاکٹر صاحب نے رمضان المبارک کے دوران نماز تراویح کے ساتھ دورہ ترجمہ قرآن کا آغاز کیا جس کا مقصد یہ تھا کہ لوگ قرآن کریم کی ہدایت سے روشناس ہوں۔ مزید یہ کہ رات کا طویل حصہ قرآن کے ساتھ بسر ہو۔ اس پروگرام کو اللہ نے خصوصی شرف قبولیت بخشا اور ہر سال اس کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جا رہا ہے۔
7. 1987ء میں آپ اپنی تمام تر اجتماعی قوت کے ساتھ "متحدہ شریعت محاذ" میں شریک ہوئے۔ یہ محاذ دراصل سینٹ میں پیش کردہ شریعت بل کی منظوری کے لیے بنا تھا۔
8. 1991ء میں امریکہ نے عراق پر حملہ کیا تو ڈاکٹر صاحب نے وطن عزیز کے طول و عرض میں امریکہ کے اصل عزائم یعنی عظیم ترین اسرائیل کے قیام کو بے نقاب کیا۔ اسی سال ڈاکٹر صاحب نے "تحریک خلافت" کے قیام کا اعلان کیا۔ آپ نے کئی شہروں میں "نظام خلافت" کے موضوع پر خطابات ارشاد فرمائے۔
9. 1997ء میں پاکستان میں جب مسلم لیگ (ن) کو عام انتخابات میں شاندار کامیابی حاصل ہوئی تو ڈاکٹر صاحب نے نواز شریف سے کئی ملاقاتیں کیں اور اسلامی قوانین کے نفاذ کے لیے بھرپور عوامی رابطہ مہم چلائی گئی جس میں رفقاء تنظیم اسلامی نے بھی بھرپور شرکت کی اور لاکھوں کی تعداد میں مجوزہ ترامیم کا خاکہ حکومت کو بذریعہ ڈاک بھیجا گیا۔³

(¹) اسرار احمد، دعوت رجوع الی القرآن کا منظر اور پس منظر، ص: 215

(²) ڈاکٹر اسرار احمد، تنظیم اسلامی کی دعوت، شعبہ تعلیم و تربیت تنظیم اسلامی، لاہور، جولائی 2013ء، ص: 10

(³) انجینئر نوید احمد، ڈاکٹر اسرار احمد اور تنظیم اسلامی ایک تعارف، ص: 29-31

10. 1998ء میں ڈاکٹر صاحب نے قرآن اکیڈمی کراچی میں دورہ ترجمہ قرآن کیا جس کی وڈیو ریکارڈنگ جدید ڈیجیٹل کیمروں کی مدد سے کی گئی۔ یہ ریکارڈنگ QTV اور کئی دیگر ٹی وی چینلز پر نشر ہوئی اور 126 ممالک میں لاکھوں مسلمانوں اور غیر مسلموں تک قرآن کا پیغام پہنچا۔

11. 1998ء میں آپ کے دونوں گھٹنوں کا آپریشن ہوا۔ اور اسی سال آپ نے دینی جماعتوں کے اتحاد کی ایک اور کوشش کی۔ اور متحدہ اسلامی محاذ قائم فرمایا۔

12. 2002ء میں ڈاکٹر صاحب نے کئی عوارض اور بیماریوں کی وجہ سے تنظیم اسلامی کی امارت سے معذرت فرمائی اور مشاورت کے بعد امارت کی ذمہ داری اپنے فرزند محترم حافظ عاکف سعید صاحب کو منتقل کر دی گئی۔ تنظیم اسلامی کی امارت سے سبکدوش ہونے کے بعد ڈاکٹر صاحب بطور مربی اور رفیق کے تنظیم اسلامی میں شامل رہے اور تنظیم کی مجلس شوریٰ میں اپنے قیمتی مشوروں سے تنظیم کی قیادت کو نوازتے رہے۔ اگرچہ اس دور میں آپ نے علمی فکری کاوشیں تیز کر دیں اور اپنی ساری توجہ کو علمی، فکری اور تبلیغی امور کی طرف مرکوز کر دیا۔ اس عرصہ کے دوران آپ کی کارگزاری کا مختصر احوال یہ ہے۔

1. روزنامہ نوائے وقت اور جنگ میں کالمز تحریر کرتے رہے، اہم ملکی اداروں میں لیکچرز دیتے رہے۔ اور ملک کے طول و عرض میں دروس قرآن اور مختلف موضوعات پر خطبات ارشاد فرماتے رہے۔¹

2. 2005ء میں ڈاکٹر صاحب نے مایہ ناز اسکالر "ڈاکٹر ذاکر نانیک" کی دعوت پر بھارت کا دورہ کیا اور بمبئی میں بڑے بڑے عوامی اجتماعات سے کئی کئی گھنٹے خطاب کیا اور اسٹوڈیو میں کئی لیکچرز ریکارڈ کرائے۔ پیس ٹی وی چینل پر یہ خطبات اور لیکچرز نشر ہوتے رہتے ہیں۔

3. 2009ء میں جنوبی افریقہ کا دورہ فرمایا اور وہاں بھی کئی مقامات پر خطبات ارشاد فرمائے۔²

4. 9 اپریل 2010ء آپ نے قرآن اکیڈمی کی جامع مسجد میں اپنی زندگی کا آخری خطاب جمعہ ارشاد فرمایا۔

5. 10 اپریل 2010ء کو فیصل آباد میں آپ نے علالت کے باوجود تنظیم کی مرکزی شوریٰ کے اجلاس میں شرکت فرمائی۔ اس موقع پر ڈاکٹر صاحب نے رفقاء تنظیم سے فرمایا:

"شاید آخری بار آپ سے ملاقات کے لیے آیا ہوں۔ یہ پیغام دینے کے لیے آیا ہوں کہ اس ظالمانہ نظام کے خلاف اپنے جذبات کو سرد نہ ہونے دینا اور دین حق کی سر بلندی کے لیے اپنی جدوجہد کو تیز سے تیز کرنا یعنی ساتھیو!

(1) انجینئر نوید احمد، ڈاکٹر اسرار احمد اور تنظیم اسلامی ایک تعارف، ص: 31-33

(2) ایضاً

مشعلوں کو تیز کرو۔ حالات بڑی تیزی سے تباہی کی طرف جارہے ہیں۔ دین، ملت اور ملک کے خیر خواہوں کو چاہیے کہ اپنے زیادہ وسائل، اوقات اور توانائیاں حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے وقف کر دیں۔¹

واپسی پر آپ کی طبیعت شدید خراب ہو گئی اور 13 اور 14 اپریل 2010ء کی درمیانی شب کو ڈاکٹر اسرار احمد کا انتقال ہو گیا۔

ج۔ تصانیف

ڈاکٹر اسرار احمد کو اللہ تعالیٰ نے جن خطیبانہ اور تصنیفی صلاحیتوں سے بہرہ ور فرمایا تھا آپ نے اس کا بھرپور استعمال دین اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں کیا۔ ڈاکٹر صاحب کے بقول آپ کی خطیبانہ صلاحیتوں کو آپ کی تصنیفی صلاحیتوں پر فوقیت حاصل تھی۔ اگرچہ آپ نے متعدد تصنیفات بھی لکھیں لیکن آپ سے منسوب متعدد کتابیں اصلاً آپ کے خطبات مسموعات ہی کی کتابی شکل ہیں۔ ڈاکٹر اسرار احمد اس حوالے سے خود رقم طراز ہیں:

"راقم الحروف کے واقفان حال اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ انجمن خدام القرآن اور تنظیم اسلامی کی اکثر و بیشتر مطبوعات راقم کی ان تقاریر یا دروس پر مشتمل ہیں جنہیں رفقاء و احباب (بالخصوص رفیق مکرّم شیخ جمیل الرحمن صاحب) نے ٹیپ سے اتار کر اپنے ذوق اور فہم کی مناسبت سے مرتب کر کے شائع کر دیا ہے... اور گزشتہ بائیس سال کے عرصے میں براہ راست راقم کے قلم سے نکلنے والی تحریروں کی تعداد بہت کم ہے۔"²

ڈاکٹر اسرار احمد نے ایک مفکر، داعی الی اللہ اور خادم قرآن کی حیثیت سے اپنی تصانیف میں ہر طرح کا رطب و یابس جمع نہ کیا بلکہ جس موضوع پر واقعی ضرورت ہوتی اور وہ امت مسلمہ کی خیر خواہی کے لیے لازم ہوتا اسے اپنی تصانیف میں شامل کیا۔ آپ کی تحریر کا انداز علمی سطح کے اعلیٰ معیارات کو مس کرتا ہے۔ اسی مناسبت سے علمی و سیاسی موضوعات پر آپ کی تصانیف کو خوب سراہا گیا ہے۔ آپ نے دین اسلام اور امت مسلمہ سے متعلق متعدد موضوعات سے متعلق تصنیف و تالیف کا بیش بہا کام کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی تقریباً تمام تصانیف اس وقت جدید تحقیقی اختیارات کے ساتھ تنظیم اسلامی کی ڈیجیٹل لائبریری³ میں موجود ہیں۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے قرآن حکیم، سنت و سیرت، ملت و سیاست، حقیقت دین و مطالبات دین، احیائے اسلام و اسلامی تحریکیں اور دیگر موضوعات پر 100 سے زائد تصانیف لکھیں ہیں۔ ذیل میں ڈاکٹر صاحب کی چند اہم عنوانات کے تحت لکھی گئی تصانیف کے نام اور ان کا مختصر تعارف بیان کیا جا رہا ہے جن کی تفصیلات مذکورہ بالا ویب سائٹ پر دستیاب ہیں۔

(1) انجینئر نوید احمد، ڈاکٹر اسرار احمد اور تنظیم اسلامی ایک تعارف، ص: 33

(2) ڈاکٹر اسرار احمد، نبی اکرم ﷺ کا مقصد بعثت، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، طبع: چہارم، ص: 5

(3) <http://tanzeemdigitalibrary.com>

قرآن حکیم

قرآن مجید کے حوالے سے آپ کی اہم تصانیف مندرجہ ذیل ہیں۔

1۔ مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق

ڈاکٹر صاحب کی تقریر پر مبنی اس مختصر کتابچہ کو پہلی بار دارالاشاعت لاہور کے زیر اہتمام 1969ء میں شائع کیا گیا اور اب تک اس کے چالیس سے زائد ایڈیشنز شائع ہو چکے ہیں اور دیگر زبانوں میں اس کا ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے مسلمانوں کو جھنجھوڑا اور ان پر کلام اللہ کے حوالے سے عائد ذمہ داریوں کا احساس دلاتے ہوئے رجوع الی القرآن کی دعوت دی۔ آپ نے مسلمانوں پر قرآن مجید کے درج ذیل پانچ حقوق کو کتاب و سنت کے دلائل کی روشنی میں واضح کیا: قرآن پر ایمان لانا، اس کی تلاوت کرنا، اس پر غور و فکر کرنا، اس پر عمل کرنا، اس کی تبلیغ کرنا

2۔ مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب

قرآن کریم کے مختلف مقامات پر مبنی یہ نصاب ڈاکٹر صاحب کے دروس قرآن کی اساس کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس میں ڈاکٹر صاحب نے ایک مسلمان پر بنیادی دینی ذمہ داریوں کو مقامات قرآن سے بخوبی واضح فرمایا ہے۔ اس نصاب کا بنیادی ڈھانچہ مولانا امین احسن اصلاحی کا تیار کردہ ہے جس میں کچھ اضافے ڈاکٹر صاحب نے بعد میں کیے ہیں۔ یہ کتاب چھ حصوں پر مشتمل ہے جس کی ابتدا سورۃ العصر سے ہوتی ہے اور پھر اسی سورت کے چار مضامین یعنی ایمان، عمل صالح، تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کو قرآن کریم کے دیگر مقامات کی روشنی میں شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اس کا مقصد ایک مسلمان کو انفرادی نجات کے لیے مطلوبہ فرائض دینی کے جامع تصور کو واضح کرنا ہے۔ مرکزی انجمن خدام القرآن نے 1978ء میں اسے پہلی بار شائع کیا اور اب تک اس کے متعدد ایڈیشنز شائع ہو چکے ہیں۔

3۔ جہاد بالقرآن اور اس کے پانچ محاذ

یہ تصنیف ڈاکٹر صاحب کے دو خطابات پر مشتمل جسے آپ کے دیرینہ رفیق کار شیخ جمیل الرحمان نے صفحہ قرطاس پر اتار کر مرتب کیا ہے۔ آپ نے اس کتاب میں سورۃ الفرقان کی آیت: (فَلَا تُطْعِ الْكَافِرِينَ وَجَاهِدْهُمْ بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا)¹ کی روشنی میں جہاد بالقرآن کے پانچ محاذ بیان فرمائے اور ان سب میں قرآن حکیم کے ذریعے مقابلہ کرنے کی تجویز دی ہے۔ وہ محاذ یہ ہیں: جاہلیت قدیمہ، شفاعت باطلہ، جاہلیت جدیدہ، بے یقینی، نفس پرستی و شیطانی ترغیبات، فرقہ واریت۔ مزید برآں آپ نے جہاد و قتال کا فرق، جہاد فی سبیل اللہ کا مفہوم اور جہاد کی منازل، غلبہ و اقامت دین کی جدوجہد کے مدارج بھی بیان فرمائے۔ یہ کتاب انجمن خدام القرآن لاہور نے 1984ء میں شائع کی۔

(۱) الفرقان: 52

4۔ بیان القرآن

بیان القرآن جو ہمارے اس مقالے کے موضوع کا حصہ بھی ہے ڈاکٹر صاحب کے شہرہ آفاق دورہ ترجمہ القرآن پر مشتمل ہے جو آپ نے ماہ رمضان المبارک میں نماز تراویح کے ساتھ فرمایا کرتے تھے۔ یوں تو آپ نے 1984ء میں نماز تراویح کے ساتھ دورہ ترجمہ القرآن کا آغاز فرمایا تھا، جس کی ترتیب کچھ یوں تھی کہ ہر چار رکعت تراویح سے قبل ان رکعتوں میں پڑھی جانے والی آیات کا ترجمہ اور تشریح بیان ہوتی۔ 1998ء میں قرآن اکیڈمی، ڈیفنس کراچی کی جامع مسجد میں ڈاکٹر صاحب نے دورہ ترجمہ القرآن فرمایا جس کی اعلیٰ پیمانے پر ڈیجیٹل ریکارڈنگ کی گئی۔ اور بعد ازاں اسے کتابی شکل میں انجمن خدام القرآن خیبر پختونخواہ نے عمدہ طباعت کے ساتھ 7 جلدوں میں شائع کیا۔ اس کی ترتیب و تسوید جناب خالد محمود خضر صاحب نے کی اور اس کی اشاعت اول 2008ء میں مرکزی انجمن خدام القرآن سرحد کے زیر اہتمام ہوئی۔

مندرجہ بالا کتب کے علاوہ بھی ڈاکٹر صاحب نے قرآن پاک کے حوالے سے متعدد کتابیں لکھیں ہیں جن کے عنوانات درج ذیل ہیں:-

- 5۔ تعارف قرآن مع عظمت قرآن، 6۔ دنیا کی عظیم ترین نعمت قرآن حکیم، 7۔ راہ نجات سورۃ العصر کی روشنی میں
- 8۔ قرآن حکیم کی قوت تسخیر، 9۔ انفرادی نجات اور اجتماعی فلاح کے لیے قرآن کا لائحہ عمل، 10۔ قرآن حکیم کی سورتوں کے مضامین کا اجمالی جائزہ، 11۔ عظمت قرآن بزبان قرآن و صاحب قرآن، 12۔ قرآن اور امن عالم

سنت و سیرت

قرآن پاک کے بعد ڈاکٹر صاحب کو رسول اللہ ﷺ کی سنت و سیرت سے خصوصی شغف حاصل رہا اور آپ نے عصر حاضر میں اسلام کی انقلابی دعوت کو پیش کرنے کی غرض سے سیرت طیبہ کے انقلابی پہلو کو خوب واضح کیا۔ اس حوالے سے نبی اکرم ﷺ کے مقصد بعثت اور حب رسول ﷺ کے تقاضوں اور منہج انقلاب نبوی پر سیر حاصل گفتگو کی۔ ڈاکٹر صاحب اس بات پر کامل یقین رکھتے تھے کہ امت مسلمہ کے جملہ مسائل کا حل وہ واحد راستہ ہے جو ہمیں سیرت طیبہ کی روشنی میں ملتا ہے خصوصاً اسلامی انقلاب کا منہج اور طریقہ صرف سیرت پاک ہی سے مل سکتا ہے۔ ذیل میں اس حوالے سے ڈاکٹر صاحب کی نمایاں تصانیف کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

1۔ نبی اکرم ﷺ سے ہمارے تعلق کی بنیادیں

یہ کتابچہ 43 صفحات پر مشتمل ہے جو پہلی مرتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن کے زیر اہتمام 1974ء میں لاہور سے شائع کیا گیا۔ اس کتابچے میں ڈاکٹر صاحب نے ایک مسلمان کے لیے رسول اللہ ﷺ کی ذات پر ایمان، آپ ﷺ کی عظمت و توقیر، نصرت رسول ﷺ، آپ ﷺ کی اتباع جو اطاعت و محبت کا مجموعہ ہو اور اتباع قرآن مجید کو

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تعلق کی بنیادیں قرار دیا ہے۔

2۔ نبی اکرم ﷺ کا مقصد بعثت

72 صفحات پر مشتمل اس کتابچے میں ڈاکٹر صاحب نے آنحضرت ﷺ کو دنیا میں بھیجے جانے کے مقصد کو دو مقالوں کی شکل میں پیش کیا ہے۔ پہلا مقالہ 1975ء میں دوسری سالانہ کانفرنس کے موقع پر پیش کیا اور دوسرا مقالہ 1977ء میں تحریری صورت میں ایک تقریب میں پیش کیا گیا۔ دونوں مقالات اعلیٰ علمی سطح کے ہیں۔ بعد ازاں دونوں مقالات کو یکجا کر کے کتابچہ کی صورت میں 1978ء میں مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور نے شائع کیا۔ پہلے مقالے کی مباحث عام قاری کے لیے دقیق ہیں۔ جبکہ دوسرے مقالہ میں انداز نسبتاً آسان ہے۔

3۔ رسول کامل ﷺ

92 صفحات پر مشتمل زیر نظر کتابچہ ڈاکٹر صاحب کی پاکستان ٹیلی ویژن پر یکم تا 12 ربیع الاول 1405ھ تک کی جانے والی ان بارہ تقاریر کا مجموعہ ہے۔ جنہیں بعد میں انجمن خدام القرآن لاہور نے 1983ء میں کتابی شکل میں پیش کیا۔ آپ نے مختلف عنوانات کے تحت سیرت طیبہ کے انقلابی پہلو کو اجاگر کیا ہے۔ جن میں خلافت علی منہاج النبوة کا ذکر بھی آتا ہے۔ ان عنوانات میں نبوت اور رسالت اور اس کا مقصد، ختم نبوت اور اس کے لوازم، حیات نبوت، قبل از آغاز وحی، مکی دور، مدنی دور، اندرون عرب انقلاب نبوی کی تکمیل، انقلاب نبوی کے بین الاقوامی مرحلے کا آغاز، خلافت صدیقی، امت محمد ﷺ کی تاریخ کے اہم خدوخال، نبی اکرم ﷺ سے ہمارے تعلق کی بنیادیں، نبوی مشن کی تکمیل اور ہمارا فرض شامل ہیں۔ اس کتابچے کا اسلوب سادہ اور سلیس ہے جس میں اختصار اور جامعیت کے ساتھ مذکورہ بالا اہم مضامین پر گفتگو کی گئی ہے۔ تاریخی واقعات کو قرآنی حوالوں کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے مشن کی محبت کو بہت دلنشین انداز میں بیان کیا گیا ہے اور اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ اگر ہم آپ ﷺ کی محبت کا دم بھرتے ہیں تو ہم پر لازم ہے کہ ہم ان کے مشن کے ساتھ وابستگی اختیار کریں۔

4۔ منہج انقلاب نبوی

یہ ڈاکٹر صاحب کے گیارہ خطبات کا مجموعہ ہے جو آپ نے باغ جناح لاہور، مسجد دارالسلام لاہور میں ارشاد فرمائے تھے۔ بعد ازاں جون 1987ء کو مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور نے ان خطبات کو 376 صفحات پر مشتمل کتاب کی شکل میں شائع کیا۔ یہ کتاب ڈاکٹر اسرار احمد اور تنظیم اسلامی کی دعوت کی اساس کی حیثیت رکھتی ہے۔ آپ سیرت النبی میں فلسفہ انقلاب کے نقطہ نظر سے گہرا مطالعہ کرنے کے بعد یہ نتیجہ نکالا کہ رسول اللہ ﷺ نے جزیرۃ العرب میں جو انقلاب برپا کیا تھا وہ درج ذیل چھ مراحل پر مبنی تھا۔

(2) تنظیم

(1) دعوت

(2) تربیت

(4) صبر محض

(5) اقدام

(6) مسلح تصادم

ڈاکٹر صاحب کے بقول عصر حاضر میں دوبارہ اسلامی انقلاب لانے کے لیے پہلے پانچوں مراحل تو وہی ہونگے جو منہج انقلاب نبوی ﷺ کا حصہ تھے البتہ آج کے دور میں ایک مسلم معاشرے میں مسلح تصادم موزوں نہیں ہے لہذا عصر حاضر میں اسلامی انقلاب کے لیے ایک پرامن غیر مسلح منظم اجتماعی تحریک کو ابتدائی مراحل میں سیرت طیبہ سے مجوزہ راستے کی کامل پیروی کرتے ہوئے آخری اقدام میں کسی بڑے منکر کو بنیاد بنا کر ایک ایسے احتجاج کا راستہ اپنانا ہو گا جس میں کسی قسم کی توڑ پھوڑ کے بغیر اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا جائے گا جو اولاً خاموش اکثریت کی حمایت حاصل کرے گا اور پھر اصحاب نظام کو مجبور کر دے گا کہ وہ اسلامی انقلابی راستے کو مجبوراً تسلیم کر لیں۔

ڈاکٹر صاحب کے اس تجویز کردہ مرحلے کے حوالے سے بہت سے سوالات اور خدشات جنم لیتے ہیں۔ اولاً تو اس طریق کے قابل عمل ہونے کے متعلق شبہات موجود ہیں خصوصاً سابقہ کچھ عرصہ کے دوران بعض جماعتوں کے احتجاجات اور دھرنوں کے بعد اور ثانیاً بد نظمی اور مخالفت کے نتیجے میں فساد و تکفیر کی راہیں بھی کھل سکتی ہیں۔ البتہ ڈاکٹر صاحب نے اپنی طرف سے ایسے تمام خدشات کو دور کرنے کی کوشش کے ساتھ اس مرحلے کو اجتہادی قرار دیا ہے۔

5۔ اربعین نووی

ڈاکٹر اسرار احمد نے 2007ء سے 2008ء کے دوران جامع القرآن قرآن اکیڈمی لاہور میں اپنے خطابات جمعہ میں "اربعین نووی" کی احادیث کا سلسلہ وار مطالعہ کرایا۔ ان 42 احادیث پر مستزاد "حکمت دین کا ایک عظیم خزانہ" کے عنوان سے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ایک طویل حدیث کا مطالعہ بھی دو نشستوں میں کرایا۔ قرآن اکیڈمی کے شعبہ مطبوعات کے زیر اہتمام ترتیب و تسوید کے بعد ان خطابات جمعہ کی اشاعت کا اہتمام ماہنامہ "میثاق" میں کیا جاتا رہا ہے اور اس سلسلے کی تکمیل کے بعد ان کو یکجا کر کے 2016ء میں 850 صفحات پر مشتمل ضخیم کتاب کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔ اس کتاب کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ محترم ڈاکٹر صاحب زیر مطالعہ حدیث کے مضامین کی مناسبت سے ہر خطاب کے آغاز میں قرآن حکیم کی آیات بھی تلاوت کرتے رہے اور ہر حدیث کی تشریح و توضیح میں ذخیرہ احادیث سے متعلقہ دیگر احادیث بھی بیان کرتے رہے۔

مندرجہ بالا کتب کے علاوہ سنت و سیرت کے مضمون پر ڈاکٹر صاحب کی بعض دیگر کتب کے عنوانات درج ذیل ہیں:

6۔ عظمت مصطفیٰ ﷺ، 7۔ معراج النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام، 8۔ اسوہ رسول ﷺ: سورۃ الاحزاب کے تیسرے رکوع کی روشنی میں، 9۔ رسول انقلاب ﷺ کا طریق انقلاب، 10۔ شیل عیسیٰ۔ علی المرتضیٰ، 11۔ سانحہ کربلا

حقیقت دین اور مطالبات دین

ڈاکٹر صاحب دین و مذہب کا فرق بیان کرتے ہوئے اسلام کے جامع تصور کو بیان کرتے ہیں کہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور زندگی کے ہر گوشے میں ہدایات فراہم کرنے کے ساتھ یہ تقاضا بھی کرتا ہے کہ اسے مکمل اپنایا جائے۔ اس ضمن میں آپ عقائد، عبادات، رسومات، اسلام کا معاشرتی نظام، اسلام کا سیاسی نظام، اسلام کا معاشی نظام تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔ پھر یہ بھی واضح کرتے ہیں کہ دین کے مطالبات کیا ہیں اور یہ ایک مسلمان سے کیا تقاضے کرتا ہے۔ اس ضمن میں آپ کی اہم تصانیف مندرجہ ذیل ہیں۔

1- حقیقتِ ایمان

یہ کتاب ڈاکٹر صاحب کے پانچ خطبات پر مشتمل ہے جو آپ نے 1991ء میں ہونے والے محاضرات قرآنی میں دیئے جسے بعد ازاں مولانا عبدالرحمان شبیر بن نور نے کتابی شکل میں مرتب کیا جو انجمن خدام القرآن لاہور کے تحت 2003ء میں 213 صفحات پر مشتمل کتاب کی صورت میں شائع ہوئی۔ اس کتاب میں ڈاکٹر صاحب نے ایمان اور اس سے متعلقہ مباحث پر موجودہ دور کے تقاضوں کے عین مطابق گفتگو کی ہے۔ کتاب ہذا میں ایمان کی لغوی مباحث، اصطلاحی تعریف، ایمان کے دو درجات یعنی حقیقی اور قانونی ایمان، قانونی ایمان اور نفاق، ایمان اور جہاد، ایمان کا عمل سے تعلق، ایمان اور تصوف، ایمان کے متعلق ائمہ کرام کے اقوال اور مختلف فرقوں کے نزدیک نظریہ ایمان کو بیان کیا گیا ہے۔

2- حقیقت و اقسام و شرک

ڈاکٹر صاحب نے حقیقت و اقسام شرک کے موضوع پر چھ مفصل خطبے ارشاد فرمائے۔ اس ضمن میں آپ نے شرک فی الذات، شرک فی الصفات اور شرک فی الحقوق کے عنوانات کے تحت بحث فرمائی ہے۔ اس حوالے سے دور حاضر کے شرک کو خوب واضح کیا ہے۔ پھر اس کتاب کی خوبی یہ ہے کہ اس میں توازن و اعتدال کو پیش نظر رکھا گیا ہے، کسی مکتبہ فکر پر براہ راست تنقید نہیں کی گئی نہ ہی فتویٰ کی زبان استعمال کی گئی ہے جس سے مسلمانوں کے درمیان نفرتیں جنم لیں بلکہ انداز انتہائی ناصحانہ ہے۔ زیر نظر کتاب 128 صفحات پر مشتمل ہے جسے مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور نے 2008ء شائع کیا ہے۔

3- زندگی موت اور انسان۔ آئینہ قرآنی میں

20 صفحات پر مشتمل ڈاکٹر صاحب کی یہ تحریر انتہائی عالمانہ سطح کی ہے۔ اس کتاب میں آپ کی دو تحریریں یعنی "حقیقت زندگی" اور "حقیقت انسان" شامل ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کے مطابق زندگی محض امروز و فردا کا نام نہیں اور نہ موت اختتام کا نام ہے۔ بلکہ یہ جادواں پیہم رواں اور ہر دم جواں ہے۔ موت تو اس کے ابدی حصے میں داخلے کا

شاہد رہے۔ اسی طرح انسان صرف جسم ہی سے عبارت نہیں، بلکہ اس میں "نور تجلی" بھی شامل ہے اور جسد حیوانی کے ساتھ روح ربانی اس کی حقیقت کو واضح کرتی ہے۔ آپ کی یہ کتاب مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور نے 1988ء میں شائع کی ہے۔

4۔ ایجا و ابداع عالم سے عالمی نظام خلافت تک۔ منزل و ارتقاء کے مراحل

ڈاکٹر صاحب کی یہ تحریر فلسفیانہ اور کلامی طرز کی ہے جس میں سائنسی پہلو کو بھی سامنے رکھا گیا ہے۔ آپ نے "ربط الحادث بالقدیم" کو جدید انداز میں واضح کیا ہے۔ حیات ارضی کی ابتداء اور اس میں سائنسی نظریات کی آسمانی وحی کے ساتھ مطابقت، پھر حیات ارضی کا ارتقاء، قصہ آم و ایللیس سے عالمی خلافت تک تمام موضوعات انتہائی جامعیت مگر اختصار کے ساتھ سمولیا گیا ہے۔ یہ کتاب 59 صفحات پر مبنی ہے اور اسے پہلی بار 1999ء میں انجمن خدام القرآن نے شائع کیا ہے۔

5۔ مطالبات دین

ڈاکٹر صاحب کے تین خطبات پر مشتمل یہ کتاب شیخ جمیل الرحمان کی ترتیب و تسوید کے بعد مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام پہلی بار 1975ء میں شائع ہوئی۔ اس کے صفحات کی تعداد 112 ہے۔ زیر نظر کتاب میں ڈاکٹر صاحب نے مطالبات دین کے تحت درج ذیل تین عنوانات کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ 1۔ عبادت رب 2۔ شہادت علی الناس 3۔ اقامت دین۔ ڈاکٹر صاحب کے بقول یہ تینوں چیزیں فرائض دینی میں شامل ہیں اور دنیوی فلاح اور اخروی نجات کے لیے ناگزیر ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کی پوری دعوت و تحریک میں حصول اقتدار کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ آپ کے پیش نظر صرف اقامت دین ہے اور آپ نے اس کے لیے تمام دروازے کھلے رکھے ہیں۔

ان کتب کے علاوہ اس موضوع سے متعلق درج ذیل کتب بھی ڈاکٹر صاحب کی تحریر کردہ ہیں:-

- 6۔ اسلام میں عورت کا مقام ، 7۔ توحید عملی: سورۃ الزمر تا سورۃ الشوری کی روشنی میں، 8۔ فرائض دینی کا جامع تصور
- 9۔ جہاد فی سبیل اللہ: اصل حقیقت، اہمیت و لزوم اور مراحل و مدارج، 10۔ عظمت صوم، 11۔ ختم نبوت کے دو مفہوم اور تکمیل رسالت کے عملی تقاضے، 12۔ عظمت صیام و قیام رمضان مبارک، 13۔ دعوت الی اللہ کی ضرورت و اہمیت اور اس کے اصول و مبادی، 14۔ حب رسول اور اس کے تقاضے، 15۔ قرب الہی کے مراتب: کتاب و سنت کی روشنی میں، 16۔ تنظیم اسلامی کی دعوت، 17۔ اسلامی نظم جماعت میں بیعت کی اہمیت، 18۔ ایک اصلاحی تحریک مع خطبہ نکاح 19۔ مسلمان خواتین کے دینی فرائض، 20۔ اسلام کا معاشی نظام، 21۔ خلافت کی حقیقت اور عصر حاضر میں اس کا نظام، 22۔ اسلام میں عدل اجتماعی کی اہمیت اور موجودہ جاگیر اری اور غیر حاضر زمینداری کے

خاتمے کی صورت، 23۔ عہد حاضر میں اسلامی ریاست اور معیشت کے چند بنیادی مسائل، 24۔ عید الاضحیٰ اور فلسفہ قربانی، 25۔ مروجہ تصوف یا سلوک محمدی ﷺ؟ یعنی احسان اسلام

احیائے اسلام اور اسلامی تحریکیں

ڈاکٹر صاحب ہمیشہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور تجدید و احیائے دین کے لیے فکر مند رہتے تھے۔ آپ کی پوری زندگی اعلائے کلمۃ اللہ کی جدوجہد سے عبارت ہے۔ آپ نے احیائے اسلام کے حوالے سے مختلف تحریکات کا مطالعہ نہایت گہرائی سے کیا تھا اور آپ کو اس موضوع سے خاصی دلچسپی تھی۔ مزید برآں آپ کی تصانیف اس حوالے سے بہت اعلیٰ معیار کی ہیں جنہیں اہل علم نے خوب سراہا ہے۔ ذیل میں ڈاکٹر صاحب کی ان تصانیف کا اجمالی ذکر کیا گیا ہے جو بہت نمایاں ہوئیں۔

1۔ اسلام کی نشاۃ ثانیہ: کرنے کا اصل کام

27 صفحات پر مشتمل زیر نظر کتابچہ ڈاکٹر صاحب کی اجتماعی جدوجہد میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ تحریر "میثاق" میں 1967ء میں شائع ہوئی۔ اسلام اور مغرب کی تہذیبی کشمکش، مغربی فلسفہ و فکر کی بنیادیں اور اس فکر کا عالمی استیلا اور غلبہ، اسلامی تہذیب و تمدن اور انداز فکر پر اس کے اثرات، اس کے مد مقابل اسلامی تحریکوں میں بنیادی غلطی اور کرنے کے عملی کام کے حوالے سے یہ کتابچہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ اسی تحریر میں ڈاکٹر صاحب نے "قرآن اکیڈمی" کا مجوزہ خاکہ پیش کیا تھا۔

2۔ دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر

یہ کتاب ڈاکٹر صاحب کی سعی میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس میں آپ نے رجوع الی القرآن کی دعوت کا منظر و پس منظر رکھا ہے۔ قرآن پاک کی طرف رجوع کرنے کے حوالے سے حضرت شیخ الہند کے نظریے کو پر زور انداز میں پیش کیا ہے اور اس پر عمل کرنے کی دعوت دی ہے۔ شیخ الہند کے نزدیک مسلمانوں کی موجودہ پستی اور زوال کی دو بنیادی وجوہات ہیں: 1. قرآن سے دوری 2. فرقہ واریت اور خانہ جنگی۔ مزید برآں ڈاکٹر صاحب نے اس کتاب میں اپنی سعی و جہد کا ایک اجمالی خاکہ بھی پیش کیا ہے۔ اپنے فکری عناصر کو بھی وضاحت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اس تحریر کو مرکزی انجمن خدام القرآن نے 1990ء میں 270 صفحات پر مشتمل کتاب کی صورت میں شائع کی۔

3۔ تحریک جماعت اسلامی۔ ایک تحقیقی مطالعہ

یہ تحریر دراصل ڈاکٹر صاحب کے اس بیان پر مشتمل ہے جو جماعت اسلامی کی جائزہ کمیٹی کے سامنے 1956ء میں پیش کیا تھا۔ اور اس کے بعد 1957ء میں ڈاکٹر صاحب جماعت اسلامی سے مستعفی ہو گئے تھے۔ مگر

آپ نے یہ بیان کتابی شکل میں پورے دس سال بعد 1966ء میں دارالاشاعت اسلامیہ سے شائع کیا۔ اس کتاب میں آپ نے جماعت اسلامی کی تاریخ کے دو ادوار کے باہمی فرق کو نمایاں کیا ہے۔

4۔ تاریخ جماعت اسلامی کا ایک گمشدہ باب

یہ کتاب دراصل تحریک جماعت اسلامی: ایک تحقیقی مطالعہ کا دوسرا حصہ ہے اور اجتماع ماچھی گوٹھ کے بعد جماعت کے دو اکابرین کے درمیان ہونے والے اختلافات کی روداد پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں آپ نے اپنے استعفیٰ کا ذکر بھی کیا ہے، اور جماعت کی قیادت کے مابین رسہ کشی کی کیفیت کو بھی واضح کیا ہے۔ گویا یہ ایک طرح جماعت اسلامی کے اختلافی دور کی تاریخ ہے۔ اس کتاب کو مرکزی انجمن خدام القرآن نے 1990ء میں شائع کیا ہے۔

5۔ جماعت شیخ الہند اور تنظیم اسلامی

656 صفحات پر مشتمل زیر نظر کتاب دراصل ڈاکٹر صاحب کے ان مضامین کا مجموعہ ہے جو 1984ء سے 1995ء تک ماہنامہ: "میثاق" اور "حکمت قرآن" میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ بعد ازاں انہیں کتابی شکل میں "جماعت شیخ الہند اور تنظیم اسلامی" کے عنوان سے مرکزی انجمن خدام القرآن نے 1987ء میں شائع کیا۔ اس میں شیخ الہند کی عظمت کا برملا اعتراف کرتے ہوئے انہیں چودہویں صدی ہجری کا مجدد اعظم قرار دیا گیا ہے۔ علماء کرام سے مسئلہ امامت میں سنجیدگی سے غور کرنے کی دردمندانہ اپیل ہے۔ اسی طرح اس میں ڈاکٹر صاحب کے علماء سے روابط بھی بیان ہوئے ہیں اور بعض علماء کی ڈاکٹر صاحب اور تنظیم اسلامی سے متعلق آراء کا ذکر بھی ہے ان میں مولانا یوسف بنوری، مولانا اخلاق حسین قاسمی، مولانا سعید احمد اکبر آبادی، اور مولانا محمد یوسف بنوری شامل ہیں۔ ان مضامین کے درمیان بے ربطی سی دکھائی دیتی ہے لیکن یہ تمام مضامین فکر اسلامی اور احیائے دین سے تعلق رکھنے والے حضرات کے لیے بہت دلچسپ ہیں۔

ان کتب کے علاوہ اس موضوع سے متعلق مندرجہ ذیل کتب بھی شامل ہیں۔

- 6۔ حساب کم و بیش اور گزارش احوال واقعی، 7۔ حزب اللہ کے اوصاف اور امیر و مامورین کا باہمی تعلق، 8۔ مولانا مودودی مرحوم اور میں، 9۔ تعارف تنظیم اسلامی، 10۔ عزم تنظیم، 11۔ مذہبی جماعتوں کے باہمی تعاون کے ضمن میں تنظیم اسلامی کی مساعی، 12۔ برعظیم پاک و ہند میں اسلام کے انقلابی فکر کی تجدید و تعمیل اور اس سے انحراف کی راہیں

ملت و سیاست

جیسا کہ قبل ازیں بیان ہوا کہ ڈاکٹر صاحب کے ملی جذبہ کو اولاً اقبال اور پھر حالی کی شاعری نے جلا بخشی اور ڈاکٹر صاحب کی عمر بھر کی جدوجہد میں یہی ملی و قومی جذبہ ہی کاربند رہا۔ ڈاکٹر صاحب امت مسلمہ کے حوالے سے عموماً

اور مسلمانان پاکستان کے حوالے سے خصوصاً ہمیشہ فکر مند رہتے تھے۔ امت مسلمہ کی زبوں حالی اور اس سے نکلنے کا راستہ ایسے موضوعات ہیں جو آپ کی تقاریر و تحریروں میں عام نظر آتے ہیں۔ آپ اپنے خاندان سمیت بیس دن پیدل سفر کر کے آگ اور خون کا دریاعبور کر کے پاکستان آئے تھے اسی وجہ سے آپ پاکستان میں دین اسلام کے حوالے سے جو پسپائی دیکھتے تھے وہ آپ کو فکر مند کرتی تھی۔ کیونکہ آپ اس بات پر کامل یقین رکھتے تھے کہ پاکستان کا وجود کی بقا اور استحکام دین اسلام سے وابستہ ہے۔ ذیل میں اس موضوع سے متعلق آپ کی چیدہ چیدہ تصانیف کا ذکر کیا گیا ہے۔

1۔ استحکام پاکستان

ڈاکٹر صاحب کی یہ کتاب ان تقاریر و خطبات پر مبنی ہے جو آپ نے پاکستان کی چالیسویں سالگرہ کے موقع پر اہل پاکستان کو ان کی ذمہ داریاں یاد کروانے کے لیے شہر شہر جا کر دیے۔ ان خطبات میں آپ نے واضح کیا کہ پاکستان کے معرض وجود میں آنے کا واحد مقصد یہاں دین اسلام کا نفاذ اور بول بالا کرنا تھا۔ مگر ہم اس حوالے سے اللہ تعالیٰ کے حضور مجرم ہیں اور کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ جرم ہمیں عذاب الہی سے دوچار کر دے۔ اس حوالے سے امید کی ایک کرن یہ بھی ہے کہ ہم بنی اسرائیل کی طرح چالیس سالہ صحرا نوری کے بعد شاید جاگ جائیں۔ البتہ پاکستانی معاشرے کا دین کے ساتھ تعلق ایک المیہ ہے جسے آپ نے تفصیل سے بیان کیا ہے۔ یہ کتاب 188 صفحات پر مشتمل ہے اور مرکزی انجمن خدام القرآن نے اسے پہلی بار 1986ء میں شائع کی۔

2۔ پاکستان میں نظام خلافت کیا کیوں اور کیسے؟

ڈاکٹر صاحب نے 1991ء میں تحریک خلافت کا آغاز کیا۔ جس کا مقصد پاکستان میں نظام خلافت کا قیام تھا۔ اس تحریک کے تحت منعقدہ تقاریر میں آپ نے ملک بھر میں خطبات خلافت ارشاد فرمائے۔ اس موضوع پر دی گئی ڈاکٹر صاحب کی چار اہم تحریروں اور ایک مفصل تقریر کو یکجا کر کے 94 صفحات پر مشتمل کتاب کی صورت میں انجمن خدام القرآن نے 2001ء میں شائع کیا ہے۔ اس کتاب میں ڈاکٹر صاحب نے خلافت راشدہ کے خصائص اور موجودہ دور میں نظام خلافت کے حوالے سے نو نکات بیان فرمائے۔ آپ صدارتی نظام کو خلافت کے نظام سے بہت قریب سمجھتے تھے۔ ان کتب کے علاوہ ملت و سیاست کے حوالے سے آپ کی درج ذیل تصانیف بھی ہیں۔

3۔ اسلام اور پاکستان تاریخی، سیاسی، علمی اور ثقافتی پس منظر، 4۔ سابقہ اور موجودہ مسلمان امتوں کا ماضی، حال اور مستقبل اور مسلمانان پاکستان کی خصوصی ذمہ داریاں، 5۔ علامہ اقبال اور ہم، 6۔ عیسائیت اور اسلام، 7۔ پاکستان کے وجود کو لاحق خطرات و خدشات اور بچاؤ کی تدابیر، 8۔ شیعہ سنی مفاہمت کی ضرورت و اہمیت، 9۔ موجودہ عالمی حالات کے پس منظر میں اسلام کا مستقبل، 10۔ علامہ اقبال، قائد اعظم اور نظریہ پاکستان

ڈاکٹر صاحب کے نزدیک قرآن حکیم ہی وہ نسخہ کیمیا ہے جس میں امت مسلمہ کے تمام تر انفرادی و اجتماعی مسائل کا کامل حل موجود ہے۔ اسی سبب ڈاکٹر صاحب کی تصانیف میں تنوع تھا اور وہ ہر مسئلہ میں قرآن مجید سے رہنمائی لیتے ہوئے امت مسلمہ کی علاقائی و عالمی سطح پر رہنمائی فرماتے تھے۔ ان کی تصانیف اس پر شاہد ہیں۔
د۔ دعوتی و تبلیغی خدمات کے ذرائع اور طریقہ کار

ڈاکٹر صاحب کی دعوتی و اصلاحی جدوجہد کا خاصہ یہ بھی تھا کہ آپ نے اپنی دعوت کو عام کرنے کے لیے تمام ممکنہ اور مختلف ذرائع و طریق کار اختیار کیے۔ ڈاکٹر صاحب نے دعوت دین کی تشہیر کے لیے جن متفرق ذرائع و طریقہ کار کو اختیار کیا ذیل میں ان کا ذکر کیا جائے گا۔

1۔ دروس قرآنی

دعوت و تبلیغ اور قرآنی خدمات کے ضمن میں اولیت ڈاکٹر صاحب کے دروس قرآن کو حاصل ہے۔ زمانہ طالب علمی ہی سے آپ نے یہ خدمت سرانجام دینی شروع کر دی۔ آپ نے کرشن نگر، مسجد خضراء، سمن آباد، مسجد شہداء، مسجد دارالسلام سمیت لاہور میں متعدد مقامات پر دروس قرآنی دیے۔ بعد ازاں ان دروس کا سلسلہ لاہور اور اس کے مضافات سے آگے بڑھ کر ملک دیگر بڑے شہروں تک پھیل گیا۔ آپ کے دروس قرآنی کے سامعین کی بڑی تعداد اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ پر مشتمل ہوتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آج ڈاکٹر صاحب کے مخاطبین اور آپ کے شاگرد دنیا بھر میں مختلف زبانوں اور مختلف علاقوں میں دروس قرآن کا اہتمام کر رہے ہیں۔¹

2۔ خطبات جمعہ

عوام کو قرآنی تعلیمات کی جانب موڑنے اور ان کی ذہنی اور فکری تطہیر میں جمعہ المبارک کے خطبات کی بہت اہمیت ہے۔ اسی غرض سے ڈاکٹر صاحب نے جمعہ المبارک کے خطاب کی ذمہ داری بھی قبول فرمائی۔ ان خطبات جمعہ کے سلسلے کا آغاز 1968 میں مسجد خضراء، سمن آباد سے ہوا۔ ان خطبات کا دورانیہ دو ڈھائی گھنٹے پر محیط ہوتا اور باذوق سامعین کی تعداد دو ڈھائی ہزار کے قریب ہو جاتی۔

3۔ قرآن کانفرنسز کا انعقاد

قرآن حکیم کے علوم و معارف کو عام کرنے کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب کی دعوتی خدمات میں قرآن کانفرنسوں کو ایک اہم مقام حاصل ہے۔ ان کانفرنسوں کا آغاز 1973ء میں ہوا، جس میں مختلف مکاتب فکر کے علماء اور اہل علم اہل دانش و فکر کو مدعو کیا جاتا۔ ان علمائے کرام میں مولانا سید محمد یوسف بنوری، مولانا شمس الحق افغانی، مولانا حافظ محمد گوندلوی، مولانا محمد حنیف ندوی، مولانا محمد مالک کاندھلوی، مولانا سید ابو بکر غزنوی، مولانا سید حامد میاں

(۱) اسرار احمد، عزم تنظیم، ص: 16

یوسف سلیم چشتی قابل ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ بھارت سے بھی جید علمائے کرام جیسے مولانا اخلاق حسین قاسمی، مولانا سعید احمد اکبر آبادی، مولانا عبدالکریم پارکچہ، اور مولانا وحید الدین خان وغیرہم کو بھی مدعو کیا جاتا رہا۔ ہر کانفرنس کا ایک خاص موضوع ہوتا جس میں مقالے پڑھے جاتے اور تقاریر کی جاتیں۔ 1973ء سے مسلسل سات سال "قرآن کانفرنس" کے انعقاد کا سلسلہ جاری رہا جس دوران کل آٹھ کانفرنسیں منعقد ہوئیں۔

4۔ محاضرات قرآنی

ڈاکٹر صاحب نے 1981ء سے قرآن کانفرنس کی جگہ محاضرات قرآنی کا آغاز کیا۔ ان محاضرات میں ڈاکٹر صاحب کسی موضوع پر ایک مختصر تحریر مرتب کرنے کے بعد اسے متعدد علماء کی خدمت میں تصویب و تصحیح کے لیے ارسال فرما کر "مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور" اور "تنظیم اسلامی" کے مشترکہ اجتماع میں خطاب فرمانے کی دعوت دیتے۔ جس کی بنا پر علماء کرام کو اپنے خیالات کے اظہار کا بھرپور موقع ملتا اور باہم سوالات و جوابات کی صورت میں نادر علمی افکار سے آگاہی حاصل ہوتی۔ اسی طرح ان محاضرات میں آپ ایک موضوع پر متعدد قرآنی لیکچر دیتے اور ہر لیکچر کے بعد اہل فکر و دانش کا ایک پینل اس علمی موضوع سے متعلق مختصر سوالات کرتا۔ یہ محاضرات قرآنی زیادہ تر اردو اور کبھی کبھار انگریزی زبان منعقد کیے جاتے۔¹

5۔ سیرت کانفرنس

سالانہ قرآن کانفرنس اور سالانہ قرآنی محاضرات کی طرح سیرت کانفرنس کا انعقاد بھی ڈاکٹر صاحب کی ایک اہم دینی خدمت ہے۔

6۔ قرآنی تربیت گاہیں

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے قیام کے کل چار ماہ بعد ہی انجمن کی جانب سے اپنے کارکنوں کی تربیت کے لیے پہلی اقامتی قرآنی تربیت گاہ کا انعقاد عمل میں آگیا جو اگست 1972ء کے وسط میں جامع مسجد خضراء سمن آباد میں دس روز کے لیے منعقد ہوئی۔ بعد میں یہ تربیت گاہیں ہر سال منعقد ہوتی رہی ہیں۔

7۔ نماز تراویح کے ساتھ دورہ ترجمہ قرآن

ڈاکٹر اسرار احمد نے قرآن مجید کی تعلیمات سے روشناس کرانے کے لیے نئے انداز اختیار کیے جن میں نماز تراویح کے ساتھ دورہ ترجمہ قرآن کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ اپنی نوعیت کے اعتبار سے رمضان المبارک میں اس طرح کے پروگرام کی کوئی اور مثال نہیں ملتی۔ نماز تراویح کے ساتھ دورہ ترجمہ قرآنی کا آغاز 1984ء میں "قرآن اکیڈمی لاہور" سے ہوا۔ نماز تراویح میں قرآن مجید کے جتنے حصے کی تلاوت کی جاتی، پہلے اس کا سہل و سلیس ترجمہ اور

(۱) دیکھیے: اسرار احمد، دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر، ص: 215-218

پھر مختصر تفسیر بیان کی جاتی۔ ڈاکٹر صاحب کے جاری کردہ اس پروگرام کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس وقت ہر رمضان المبارک میں ملک بھر کے سینکڑوں مقامات پر آپ کے تلامذہ دورہ ترجمہ قرآن کی ادائیگی کی سعادت حاصل کر رہے ہیں اور مزید براں یہ کہ بیرون ملک میں بھی یہ خدمت جاری ہے۔ اس طریقے کا شمار عصر حاضر میں ڈاکٹر صاحب اور تنظیم اسلامی کے موثر ترین دعوتی ذرائع میں ہوتا ہے جسے اب دیگر داعیان دین بھی اختیار کر رہے ہیں۔¹

8۔ دعوت دین میں ذرائع ابلاغ کا استعمال

ذرائع ابلاغ سے مراد ریڈیو، ٹیلی ویژن، اخبارات و رسائل، آڈیو اور ویڈیو کیسٹس، ویب سائٹس اور سوشل میڈیا وغیرہ ہیں۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے اپنی زندگی میں دعوت تبلیغ دعوت کے لیے بشمول ریڈیو، ٹیلی ویژن، اخبارات و رسائل، آڈیو اور ویڈیو کیسٹس، ویب سائٹس اور سوشل میڈیا وغیرہ جیسے تمام ممکنہ ذرائع ابلاغ سے بھرپور استفادہ کیا۔ اسی سبب آپ کی دعوت نہ صرف اندرون ملک بلکہ بیرون ملک تک پہنچی۔ ذیل میں ذرائع ابلاغ سے دی جانے والی ڈاکٹر صاحب کی خدمات کا مختصر جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

ریڈیو

ڈاکٹر صاحب کی تقاریر اور درس قرآن ریڈیو پر بھی نشر ہوتے رہے ہیں۔ جن میں قرآن مجید کی مختلف سورتوں کے دروس کے علاوہ قرآن حکیم اور ہماری زندگی، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، الحیاء شعبۂ من الایمان، اسلام کی عیدیں، نبی اکرم ﷺ بحیثیت منتظم، صراط مستقیم، انفاق فی سبیل اللہ اور اسی طرح کے دیگر عنوانات پر تقاریر شامل ہیں۔

ٹیلی ویژن

ٹیلی ویژن ڈاکٹر صاحب کے دور میں سب سے موثر ذریعہ ابلاغ تھا۔ آپ نے قرآن مجید کا پیغام ملک کے گوشے گوشے تک پہنچانے کے لیے اس ذریعے کو بھی خوب استعمال کیا۔ پاکستان ٹیلی ویژن سے آپ کے قرآن مجید کی مختلف سورتوں کے منتخب دروس اور متنوع موضوعات پر مختلف پروگرامات (الکتاب، آلم، لہدیٰ وغیرہ) نشر ہوتے رہے۔ بعد ازاں پرائیویٹ چینلز شروع ہونے کے بعد آپ کے دروس نہ صرف ملک بھر میں، بلکہ دنیا بھر میں سنے اور دیکھے جانے لگے۔

اخبارات

ڈاکٹر صاحب کے مضامین پاکستان کے تمام قومی، اردو، عربی، انگریزی اخبارات بشمول نوائے وقت، جنگ،

(۱) اسرار احمد، دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر: ص: 219

پاکستان ٹائمز، جسارت، وفاق، امروز، مسلم اور ڈان وغیرہ میں شائع ہوتے رہے ہیں۔¹

رسائل و جرائد

ڈاکٹر صاحب نے دینی، علمی اور دعوتی نوعیت کے چند رسائل بھی جاری کیے جن میں آپ اور دوسرے بہت سے اہل علم حضرات کے مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں۔ بلند علمی معیار کے حامل یہ رسائل آج بھی دین کی ترویج و اشاعت میں نمایاں کردار ادا کر رہے ہیں۔ ان رسائل میں ہفت روزہ ندائے خلافت، ماہنامہ میثاق، سہ ماہی حکمت قرآن اور دی قرآنک ہوریزون (The Quranic Horizone) شامل ہیں۔

دعوت بذریعہ آڈیو ویڈیو کیسٹس اور سی ڈیز و ڈی وی ڈیز

ڈاکٹر اسرار احمد نے اسلامی دعوت کو عام کرنے کے لیے درس قرآن اور دوسرے موضوعات پر جو تقاریر کیں، انہیں جدید انداز میں آڈیو ویڈیو کیسٹس، سی ڈیز اور ڈی وی ڈیز کی صورت میں محفوظ بھی کرایا۔ آج ان سے لاکھوں لوگ نہ صرف پاکستان میں بلکہ بیرون ملک بھی مستفید ہو رہے ہیں۔²

دعوتی کتابچوں کی تقسیم

ڈاکٹر اسرار احمد نے دعوت حق کو عام کرنے اور اس کی تشہیر کے لیے ہر ممکن کوشش کی۔ دعوتی کتب کی مفت تقسیم بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جس کے تحت چند کتابچے مثلاً "روزہ اور قرآن"، "حج اور عید الاضحیٰ اور ان کی اصل روح قرآن حکیم کے آئینہ میں"، "انقلاب نبوی کا اساسی منہاج" "اسلام کی نشاۃ ثانیہ کرنے کا اصل کام"، "مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق"، "دعوت الی اللہ" اور "راہ نجات سورۃ العصر کی روشنی میں" ہزاروں کی تعداد میں تقسیم کئے گئے۔³

خطوط بنام سربراہان مملکت

ڈاکٹر صاحب درس و تدریس، خطبات، تقاریر اور تصنیف و تالیف کے ذریعے اپنا پیغام ہر خاص و عام کو پہنچانے کے ساتھ ساتھ ہر دور میں بالخصوص ارباب اختیار و اقتدار کو ان کی ذمہ داریوں کا احساس بھی دلاتے رہے۔ کبھی انہیں مجمع عام میں مخاطب کر کے اور کبھی انہیں خطوط ارسال کر کے۔ چنانچہ آپ نے صدر ضیاء الحق، صدر رفیق تارڑ، صدر پرویز مشرف اور وزیراعظم نواز شریف وغیرہ کو وقتاً فوقتاً ان کے فرائض سے آگاہ فرمایا اور جن باتوں کی آپ نے انہیں

(1) اسرار احمد، دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر: ص: 242

(2) رافعة الجبین، ڈاکٹر اسرار احمد: شخصیت اور دینی خدمات، ص: 111

(3) اسرار احمد، دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر، ص: 240

تاکید کی، ان میں خاص طور پر اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونا، سود کافی الفور خاتمہ اور قرآن و سنت کو پاکستان کا سپریم لاء قرار دینے کے لیے دستور میں ضروری ترامیم کرانا تھا۔¹

مختلف علاقوں کے دورے

ڈاکٹر صاحب نے اپنی فکر اور دعوت کو عام کرنے کے لیے کئی ملکی اور غیر ملکی دورے کئے۔ جب کبھی کہیں سے دین کو عام کرنے کی دعوت آئی تو نہ فاصلوں کی مشکلات اور صعوبتوں کو دیکھا اور نہ بیماری اور پیرانہ سالی کو عذر بنایا۔ بلکہ اللہ کے پیغام کو پورے جذبہ و خلوص کے ساتھ پہنچانے کی بھرپور کوشش کی۔ الغرض آپ نے غیر ملکی سطح پر امریکہ، انڈیا، متحدہ عرب امارات، سعودی عرب، انگلینڈ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ کے کامیاب دورے کئے۔²

ویب سائٹ اور سوشل میڈیا

بلاشبہ عصر حاضر میں معلومات کی فراہمی اور رسائی کا سب سے مؤثر ترین طریقہ انٹرنیٹ ہی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اگرچہ خود براہ راست تو اس سے استفادہ نہ کیا البتہ تنظیم اسلامی ڈاٹ او آر جی۔ (Tanzeem.org) کے رابطے سے ڈاکٹر صاحب کی جماعت "تنظیم اسلامی" کی اپنی ویب سائٹ ہے۔ اسی طرح قرآن اکیڈمی کی بھی ویب سائٹ ہے³ اور اب تحقیق کے جدید آپشنز کے ساتھ ایک آپلیکیشن بھی بنائی گئی ہے جو کہ گوگل پلے سٹور پر بھی دستیاب ہے۔ جہاں ڈاکٹر صاحب کی تقریباً تمام کتب موجود ہیں۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر صاحب کے متعدد آڈیو و ویڈیو لیکچرز روزانہ کی بنیادوں پر فیس بک، یوٹیوب اور دیگر سوشل میڈیا پر گردش میں رہتے ہیں۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے اپنی ساری زندگی دعوت و تحریک میں گزاری ہے۔ اس ساری تگ و دو میں ملت و قوم کی اصلاح و فلاح کا جذبہ آپ کے پیش نظر رہا اور قرآن کو آپ نے اپنا امام اور دعوتی ذریعہ بنایا ہے۔ قرآنی و دینی تعلیم کو عام کرنے کے لیے آپ نے نہ صرف متفرق ذرائع اختیار کیے، بلکہ دینی علوم کی دعوت و اشاعت کے لیے ایک طرف تو اشاعتی و تعلیمی ادارے قائم کیے دوسری طرف اقامت دین اور اور اعلاء کلمۃ اللہ کے بلند و بالا مقاصد کے لیے خالص اصولی اور انقلابی طریق پر جدوجہد اور اسلامی انقلاب کی سعی کے لیے ٹھیکہ اسلامی اصولوں پر نئی تحریکوں کا قیام بھی عمل میں لائے۔ آپ کی تصانیف متنوع موضوعات پر مشتمل ہیں۔ آپ نے اکیلے ایک جماعت کی خدمات سرانجام دی ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی کاوشوں کو قبول فرمائے! آمین

(¹) درافتہ الجبین، ڈاکٹر اسرار احمد: شخصیت اور دینی خدمات، ص: 112

(²) اسرار احمد، دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر، ص: 244-245

(³) <http://quranacademy.com/> <http://tanzeemdigitalibrary.com/>

مبحث سوم

ڈاکٹر اسرار احمد کی نظر میں مسلمانان پاکستان کے سیاسی سماجی اور مذہبی احوال

قیام پاکستان سے قبل ڈاکٹر صاحب کی فکر پر جن حالات و شخصیات نے نقوش چھوڑے اور جو ملی و دینی تحریک آپ میں پیدا ہوئی، اس کا تذکرہ پہلی بحث میں کیا جا چکا ہے۔ اس بحث میں قیام پاکستان کے بعد کے دور کا ایک جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس مقصد کے لیے یہاں ڈاکٹر صاحب کے دور میں مسلمانان پاکستان کے سیاسی، سماجی، معاشی اور مذہبی احوال کو صرف ڈاکٹر صاحب کی ہی تحریروں کے آئینے میں جاننے کی کوشش کی گئی ہے کہ ڈاکٹر صاحب پاکستان اور اہل پاکستان کے حالات کو کس نظر سے دیکھتے تھے اور وہ کیا اسباب و حالات تھے جنہوں نے آپ کو ایک بڑی انفرادی و اجتماعی جدوجہد کے لیے جذبہ متحرکہ فراہم کیا تاکہ تفسیر قرآن کے ضمن میں ڈاکٹر صاحب کے فکری پس منظر کو اچھی طرح سمجھا جاسکے۔

الف۔ دستور پاکستان کی صورت حال

بلاشبہ جمہوری ریاستوں میں ملک کا آئین اس کے نظریات اور قوم کی امنگوں اور جذبات کا ترجمان ہوا کرتا ہے۔ جس کے مطابق عمل کر کے وہ قوم ترقی و کامیابی کی منازل طے کرتی ہے۔ پاکستانی قوم کا المیہ یہ ہے کہ ایک طرف تو ذاتی اغراض و مقاصد کے لیے دستور میں کی گئی ترامیم نے اسے بے وقعت بنا دیا اور دوسری طرف اس پر عمل نہ ہونے کی وجہ سے ملک اسلامی نظام سے دور بد امنی، خانہ جنگی، اور لاقانونیت کے محاذ پر کھڑا ہے۔ دستور پاکستان کی صورت حال کا جو نقشہ ڈاکٹر صاحب نے تیس سال قبل کھینچا ہے وہ بالکل درست اور حقیقت پر مبنی ہے۔

آپ اس ضمن میں فرماتے ہیں:

"پاکستان کے عدم استحکام کا جیتا جاگتا ثبوت یہ ہے کہ قمری تقویم کی رو سے اپنی عمر کے چالیسویں سال میں قدم رکھنے کے باوجود یہ ملک تاحال سرزمین بے آئین کی حیثیت رکھتا ہے۔ بے آئنی ہی اس کا آئین اور بے دستوری ہی اس کا دستور ہے... دستور سازی میں جو کئی سالوں کا وقفہ اور خلل ہوا تھا۔ وہ خدا خدا کر کے 1956ء میں ختم ہوا تھا، لیکن 1956ء کے دستور کو واقعاً دن کی روشنی میں روشنی دیکھنا نصیب نہ ہوئی، پھر 1962ء کا دستور آیا اور صرف چند سال قائم رہ کر ختم ہو گیا۔ اس کے بعد 1973ء میں مسٹر بھٹو نے واقعاً ایک عظیم کارنامہ سرانجام دیا تھا۔ کہ دن رات ایک کر کے پارلیمنٹ کا اتفاق رائے حاصل کر لیا تھا... لیکن افسوس کے اولا خود انہوں نے اس میں پے درپے ترامیم کر کے اس کا حلیہ بگاڑ دیا... اور پھر 1977ء کے مارشل لاء نے اسے اولاً ساڑھے آٹھ سال تک معطل رکھا اور پھر ترامیم کے ذریعے اس کے پورے نقشے ہی کو تباہ اور بدل کر کے رکھ دیا۔"¹

(۱) ڈاکٹر اسرار احمد، استحکام پاکستان، انجمن خدام القرآن، لاہور، طبع ہفتم، 2006ء، ص: 54

دستور پاکستان میں موجود اسلامی شقوں کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ قرارداد مقاصد، جس کے مطابق ملک خداداد میں حاکمیت صرف اللہ کی ہے، کو اولاً قیام پاکستان کے کچھ ہی عرصے کے بعد پاس کیا گیا اور بعد میں اسے دستور کے دیباچہ میں شامل کیا گیا اور اب وہ دفعہ (2 الف) کی حیثیت سے دستور کا حصہ بن چکی ہے۔ اسی طرح ایک موقع پر دفعہ 227 آئی تھی جس کے مطابق پاکستان میں قرآن اور سنت کے خلاف نہ کوئی قانون نافذ رہے گا نہ مزید بنے گا گویا موجودہ قوانین بھی اگر خلاف شریعت ہیں تو انہیں ختم کیا جائے گا، اور مزید قانون سازی بھی قرآن و سنت کے خلاف نہیں جائے گی۔ لیکن ایک چور دروازہ ایسا کھلا ہوا ہے کہ دونوں آرٹیکل غیر موثر ہیں۔ قرارداد مقاصد کے متعلق یہ کہا گیا کہ یہ تو بس باقی دفعات ہی کی طرح ایک دفعہ ہے ان پر حاکم نہیں ہے اور دفعہ 227 کو اسلامی نظریاتی کونسل کے ساتھ نتھی کر دیا کہ یہ کہ وہ جن قوانین کو خلاف شریعت سمجھے گی۔ ان پر مسلسل غور کرتی رہے گی اور مسلسل رپورٹیں پیش کرتی رہے گی۔ لیکن اس سے آگے کچھ صراحت نہیں کہ ان رپورٹوں کا حشر کیا ہو گا۔ اس کونسل نے جتنی سفارشات بھی پیش کیں ان میں سے آج تک ایک کی بھی تفہیم نہیں کی گئی۔ گویا ہمارے دستور میں جہاں قرارداد مقاصد اور دیگر اسلامی دفعات موجود ہیں وہاں آئین میں ایسے چور دروازے بھی موجود ہیں جو مختلف النوع ابہام پیدا کرنے کا موجب ہیں اور یوں ہمارا آئین ایک گورکھ دھندہ بن کر رہ گیا ہے۔¹

ب۔ ملکی معاملات میں عالمی قوتوں کا عمل دخل

پاکستانی سیاست کا ایک اہم مسئلہ یہ ہے کہ ہم کہنے کو تو آزاد ہیں، لیکن ذہنی اور عملی آزادی سے کوسوں دور ہیں۔ ہمارا ہر حکمران عالمی قوتوں کے ہاتھ میں کھ پٹکی بنا ہوتا ہے۔ ان کے دباؤ کے تحت ہم اپنے مفادات اور اصولوں کی قربانی دینے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ آج تک اقتدار میں وہی قائم رہ سکا جو بیرونی مفاد میں کام کر سکے۔ ڈاکٹر اسرار لکھتے ہیں۔

"یہودیوں کا جو پروگرام اس وقت چل رہا ہے ان کے اولین آلہ کار برطانیہ اور امریکہ ہیں۔ یہ یک جان دو قالب ہیں۔ اب یہ اس کو گلوبلائز کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ جو بھی ان کی تعلیم پا کر آتا ہے ان کی تہذیب کے رنگ میں رنگا جاتا ہے۔ ایسے تمام افراد ان کے ایجنٹ ہیں چاہے وہ عرب ہوں یا غیر عرب، ہندوستانی ہوں یا پاکستانی، ان کی برین واشنگ کی جا چکی ہے... انہوں نے یہاں کی سروس سروس اور فوج کی ایک خاص نیچر تربیت کی ہے۔ وہ اگرچہ چلے گئے ہیں لیکن درحقیقت By Proxy حکومت انہی کی ہو رہی ہے۔ انہی کے غلام، کاسہ لیس اور انہی کے جو قوتوں کی ٹوہ چاٹنے والے اس وقت عالم اسلام پر حکمران ہیں۔ پوری اسلامی دنیا میں ہمارے حکمران اس نئی تہذیب کے سب سے بڑے آلہ کار ہیں.... حکومت کی پوری پالیسی امریکی امریکا ڈکٹیٹ کر رہا ہے۔"²

(1) ڈاکٹر اسرار احمد، پاکستان کے وجود کو لاحق خطرات و خدشات اور بچاؤ کی تدابیر، مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، طبع دوم، 2006ء، ص: 28

(2) ڈاکٹر اسرار احمد، بصائر: منتخب اخباری کالموں کا مجموعہ، مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، طبع اول، 2006ء، ص: 15

ت۔ ملکی قیادت کی صورتحال

تحریک پاکستان کی قیادت اخلاص کی دولت سے مالا مال تھی، جس کے پیش نظر ایک ایسی اسلامی ریاست کا قیام تھا جو باہمی طور پر متحد اور متفق ہو اور عالم اسلام کے قلعے کی حیثیت حاصل کرے۔ اسی خلوص کا ثمرہ تھا کہ اس قیادت کو تحریک پاکستان میں کامیابی بھی حاصل ہوئی۔ لیکن بد قسمتی سے جلد ہی ملک پاکستان میں قیادت صالحہ کا بحران پیدا ہو گیا۔ اور پاکستان میں اسلام دشمنوں کی ریشہ دوانیوں کے سبب قومی شعور اور ملی احساسات سے عاری حکومتیں قائم ہونے لگی اور یہ سلسلہ تاحال جاری و ساری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج ملک پاکستان کو وجود میں آئے ستر سال سے زیادہ عرصہ گزر جانے کے باوجود ملک سیاسی عدم استحکام کا شکار ہے۔ نہ ہی ادارے مضبوط ہو سکے ہیں اور نہ ہی قوم کا سیاسی شعور مستحکم ہو سکا ہے۔

ڈاکٹر صاحب جو خود قومی و ملی جذبہ سے سرشار تھے، مسلم قومی قیادت کے منظر عام سے ہٹنے اور قومی جماعت کے کمزور پڑنے کے بعد ملکی سیاست کو صرف وڈیروں، نوابوں اور قبائلی سرداروں کے ذاتی مفادات کا کھیل سمجھتے تھے۔ آپ کی رائے میں اسی قیادت کی نااہلیوں نے افواج پاکستان کو یہ جواز فراہم کیا کہ وہ ملکی قیادت کی باگ دور سنبھال لیں۔ وہ دن اور آج کا دن پاکستان میں اقتدار کے دو مستقل ستونوں کی حیثیت فوج اور سول بیورو کریسی کو حاصل ہے۔ رہے نام نہاد سیاستدان جن کی غالب اکثریت وڈیروں اور جاگیرداروں پر مشتمل ہے تو وہ اس اقلیم سیاست کے دوسرے درجے کے شہری ہیں، جو لیبل بدل بدل کر مختلف سیاسی جماعتوں کی صورت اختیار کرتے رہتے ہیں۔¹

آپ کا کہنا ہے کہ فوج کی جانب سے ملکی سیاسی نظام کی مسلسل سرپرستانہ نگرانی کے سبب بحیثیت مجموعی پاکستانی قوم ابھی تک سیاسی طور پر باشعور نہیں بن سکی ہے، عوام میں سیاسی شعور کا خوفناک حد تک فقدان ہے جس کے نتیجے میں ملک بھر میں کوئی بھی منظم ملک گیر سیاسی جماعت موجود نہیں ہے جو قومی نقطہ نظر، واضح نظریاتی اساس کے ساتھ ایک مضبوط اور باصلاحیت قیادت اور مخلص اور بے نفس کارکنوں کی معتد بہ تعداد بھی رکھتی ہو اور اسے عوام میں قابل لحاظ حد تک پذیرائی اور اثر و رسوخ بھی حاصل ہو۔²

ث۔ ملک میں مغربی اقوام سے ذہنی مرعوبیت رکھنے والے تعلیم یافتہ طبقہ کا انتظامی اختیار

عصر حاضر کی ایک بڑی جنگ "الغزو الفکری" ہے جس کے تحت تمام طاقتور اقوام دیگر قوموں کو فکری طور پر ماتحت بنانے کی غرض سے انہیں مرعوب کرنے اور ان پر فکری برتری حاصل کرنے کے درپے ہیں تاکہ وہ اپنے مطلوبہ

(¹) ڈاکٹر اسرار احمد، بصائر: منتخب اخباری کالموں کا مجموعہ، ص: 126 اور تفصیل کے لیے دیکھیے: ڈاکٹر اسرار احمد، اسلام اور پاکستان: تاریخی، سیاسی، علمی اور

ثقافتی پس منظر، مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، طبع پنجم، 1996ء، ص: 30

(²) اسرار احمد، استحکام پاکستان، ص: 174

مقاصد اپنی تیار کردہ کھپ کے ذریعے حاصل کر سکیں۔ ڈاکٹر صاحب کی رائے میں ہمارے ملک کے پڑھے لکھے اور ذہین طبقے کے قلوب و اذہان (الامشاء اللہ) اسلام کے بنیادی اعتقادات سے یکسر خالی ہیں۔ شعوری یا غیر شعوری طور پر ان کی ایک بہت بڑی اکثریت مغرب کی مادہ پرستانہ الحاد کے نظریات و افکار پر پورا ایمان رکھتی ہے۔ ان میں سے جو جتنا ذہین ہے اتنا ہی مغربی فلسفہ و فکر سے متاثر ہے۔ اسی طبقہ کے نسبتاً ذہین افراد ہی سے ملک کے تمام فوجی و سول محکموں کا اصل تانا بانا بنتا ہے، جس کے نتیجے میں سروسز کا پورا ماحول مغربی افکار و نظریات اور مادہ پرستانہ تہذیب و ثقافت سے تیار ہوا ہے، جو اپنی پسندیدہ تہذیب و ثقافت کی پورے ملک میں ترویج و اشاعت کی کھلم کھلا کوشش میں مصروف ہیں۔¹

ج۔ روشن خیالی اور اعتدال پسندی کا دھوکہ

ڈاکٹر صاحب کے مطابق سیکولرزم کے تحت مذہب کا تعلق انسان کی اجتماعی زندگی کے تمام گوشوں سے بالکل منقطع کر دیا گیا ہے نتیجتاً عصر حاضر کا انسان مادر پدر آزاد، اخلاقیات سے عاری، شرم و حیا کی قیود سے بے پروہ ہو گیا ہے۔ اس سارے نظام کا موجودہ نام روشن خیالی ہے۔ انسان اپنی عظمت اور منصب اشرف المخلوقات سے حیوانیت کی پستی میں گر رہا ہے۔ اس وقت پوری دنیا اور بالخصوص پاکستان میں روشن خیالی اور اعتدال پسندی جیسی اصطلاحات کا بہت غلغلہ ہے اور ہمارے حکمران امریکہ کو بار بار یہ یقین دہانی کرانے میں مصروف ہیں کہ پاکستان روشن خیالی اور اعتدال پسندی کے ایجنڈے پر گامزن ہے اور عنقریب ہمارا معاشرہ روشن خیالی کی کامل تصویر ہوگا۔²

د۔ نسلی، لسانی علاقائی عصبیت کا شکار قوم

ملک پاکستان جو کلمہ توحید کی وحدت کی بنیاد پر قائم ہوا تھا اس وقت یہاں قومی سطح پر ہمارا شیرازہ سخت پراگندگی کے عالم میں ہے۔ اور مختلف النوع نسلی، لسانی اور علاقائی عصبیتوں کے فروغ نے قومی یکجہتی کو شدید ضعف سے دوچار کر دیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے نزدیک اس معاملہ پر بد قسمتی سے ہم نے کوئی پیش قدمی نہیں کی۔ لہذا ہمارے درمیان زبان اور نسل کی بنیاد پر عصبیتوں نے نفرت پیدا کی اور پہلے 1971ء میں پاکستان دولخت ہو گیا۔ لیکن ہم ہوش میں نہیں آئے، ہمارے اطوار نہیں بدلے، ہمارے روز و شب کے انداز نہیں بدلے، اور ہماری سوچ نہیں بدلی۔ آج بھی صوبائی اور لسانی عصبیتیں زہر گھول رہی ہیں اور پاکستان کی سیاست شدید خطرات سے دوچار ہے۔³

(1) اسرار احمد، اسلام اور پاکستان: تاریخی، سیاسی، علمی اور ثقافتی پس منظر، ص: 41

(2) اسرار احمد، بصائر: منتخب اخباری کالموں کا مجموعہ، ص: 103

(3) اسرار احمد، بصائر: منتخب اخباری کالموں کا مجموعہ، ص: 33

ذ۔ قومی و ملی سطح پر اخلاق کا دیوالیہ

ڈاکٹر صاحب کے نزدیک اخلاقی سطح پر قوم کا دیوالہ نکلا چکا ہے۔ قومی اور اجتماعی سطح پر صداقت و امانت اور شرافت و مروت ناپید ہو چکے ہیں۔ ایفائے عہد اور پاس امانت کا دور دور تک نشان نہیں ملتا۔ اخلاقیات کی اسلامی اور ایمانی سطح تو درکنار، عام انسانی سطح پر بھی ہم اخلاق کے بحران سے دوچار ہیں۔ معاملات میں بد عہدی اور بددیانتی بلکہ باضابطہ مکاری اور چالبازی کی گرم بازاری ہے۔ انفرادی اعتبار سے خالص خود غرضی اور عریاں مفاد پرستی کا دور دورہ ہے اور قومی مصالح اور ملی مفادات سے کسی کو کوئی غرض نہیں رہی۔ تجارت اور لین دین میں دھوکے اور فریب سے بھی بڑھ کر کھانے پینے کی چیزوں حتیٰ کہ ادویات تک میں ملاوٹ گویا معمولی بات بن کر رہ گئی ہے۔ سرکاری محکموں اور دفتروں میں رشوت کا بازار تو گرم ہے ہی باضابطہ اذیت رسانی اور لوگوں کی عزت نفس کو مجروح کرنا تفریح اور مشغلے کی صورت اختیار کر گئے ہیں۔ معاشرتی اور سماجی سطح پر سنگ دلی اور سفاکی نے ڈیرے جمالیے ہیں تو سیاسی اور حکومتی سطح پر بھی جھوٹ اور وعدہ خلافی نے کا دور دورہ ہے۔¹

ر۔ سود پر مبنی بین الاقوامی معاشی نظام

ڈاکٹر صاحب کے بقول اس وقت عالمی سطح پر ایک تہذیب نے پوری دنیا پر اپنا تسلط قائم کر رکھا ہے۔ اسی تہذیب کا ایک مالیاتی نظام ہے جس کی اصل بنیاد سودی بنگلہ سسٹم پر قائم ہے۔ یہ سود اس وقت تمام ممالک کی معیشت کے اندر تانے بانے کی طرح بنا ہوا ہے پھر اس کے ساتھ اس کی چھوٹی بہن جو اہے جو ہمارے ہاں تو بہت زیادہ ہی پھیل گیا ہے۔ ہر شے کو بیچنے کے لیے لائری کا پراسس ہے ویسے بھی دنیا کے اندر سٹاک مارکیٹ اور دولت کے الٹ پھیر کی بنیاد ہی جو اہے۔ اس نظام کا تیسرا ستون انشورنس ہے۔²

دوسری طرف پاکستان کی ملکی معاشی صورتحال کے متعلق ڈاکٹر اسرار احمد کا مشاہدہ یہ ہے کہ پاکستان غیر ملکی قرضوں کے کوہ ہمالیہ تلے دب کر شدید افراط زر اور اس سے پیدا شدہ ہولناک صورتحال سے دوچار ہے۔ صرف بیرون ملک سے آنے والی زر ترسیل کی وجہ سے کچھ عارضی برکت اور مصنوعی خوشحالی کی جھلک موجود ہے³۔ آپ کا یہ مشاہدہ کئی سال پہلے کا ہے اور اب ملک کی موجودہ معاشی صورتحال تو پہلے سے بھی بدتر ہو چکی ہے۔

س۔ ملک میں رائج استحصالی سرمایہ دارانہ اور جاگیر دارانہ نظام

ڈاکٹر صاحب ملک میں رائج جاگیر دارانہ نظام کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

(1) اسرار احمد، استحکام پاکستان، ص: 31

(2) اسرار احمد، پاکستان کے وجود کو لاحق خطرات و خدشات اور بچاؤ کی تدابیر، ص: 8

(3) اسرار احمد، استحکام پاکستان، ص: 174

"مجموعی نسبت و تناسب کے اعتبار سے تاحال پاکستانی معاشرے میں سرمایہ دارانہ طرز استحصال کے مقابلے میں زمیندار ظلم و جور اور جاگیر دارانہ زراعت و مزارعت کے "طریق واردات" سے ہونے والی جبر و استحصال کی مقدار بہت زیادہ ہے.... جب تک یہ نظام موجود ہے اور ستر پچھتر فیصد انسان جاگیر داروں، وڈیروں، بڑے زمینداروں اور قبائلی سرداروں کے زیر نگیں ہیں، دستور مملکت میں درج حقوق شہریت بالکل بے معنی ہیں۔ اور نام نہاد بالغ رائے دہی کی اساس پر خواہ کتنے ہی غیر جانب دارانہ اور منصفانہ انتخابات کا ڈھونگ چالیا جائے ان پر مبنی جمہوریت فی الحقیقت جاگیر داروں کی آمریت کے سوا کچھ نہیں۔"¹

ڈاکٹر صاحب کے مطابق معاشی عدل اور اقتصادی انصاف کسی معاشرے کی بقا کے لیے بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے یہاں تک کہ اگر کسی معاشرے میں معاشرتی عدل و قسط کا فقدان ہو اور اقتصادی میدان میں ظلم و استحصال کی بھٹی گرم ہو اور انسان "متر فین" اور "مخرومین" کے طبقات میں تقسیم ہو کر رہ گئے ہوں۔ تو وہاں خواہ حریت، اخوت اور مساوات کے کتنے ہی راگ الاپے جائیں یا وعظ کہے جائیں۔ حقیقت کے اعتبار سے وہاں کا پورا اجتماعی نظام سرمایہ دارانہ معیشت اور سود۔ جوئے اور سٹپر مبنی اقتصادی نظام کے سبب مراعات یافتہ طبقات کی لونڈی بن کر رہ جائے گا۔²

ش۔ مذہبی حالت زار

ڈاکٹر صاحب کے مطابق دینی سطح پر اسلام کے ساتھ عملی تعلق کے اعتبار سے پاکستانی معاشرے کا یہ حال ہے کہ ایک عظیم اکثریت کا دین و مذہب کے ساتھ کوئی عملی تعلق نہیں ہے۔ ماسوائے شادی بیاہ، میت کی تکفین و تدفین سے متعلق رسومات اور کچھ مذہبی تہوار وغیرہ جیسے چند ناگزیر تمدنی اور سماجی امور کے جن میں دین و مذہب کے خلاف کسی روش کا اختیار کرنا علی الاعلان قطع تعلقی کے بغیر ممکن نہیں ہوتا۔³ آپ پاکستانی معاشرے کی ایمانی حالت زار کے بارے میں رقمطراز ہیں:

"ایمان کے اعتبار سے بھی حالت انتہائی دگرگوں ہے۔ اس لیے کہ عوام کی سطح پر ایمان بالعموم ایک عقیدہ کی ایسی پوٹلی کے مشابہ ہے۔ جو ذہن کے کسی ایک کونے میں رکھی ہوئی ہو اور جس سے انسان کے اخلاقی رویے اور عملی اقدار کا کوئی تعلق نہ ہو اور خواص میں سے جدید تعلیم یافتہ لوگوں کی اکثریت یا باضابطہ الحاد کی شکار ہے یا کم از کم تشکک اور لادریت سے دوچار ہے۔ اور علماء دین کے حلقے میں کثیر تعداد ان علمائے سو کی موجود ہے۔ جن کی عملی روش سے ہویدا، حب دنیا، حب مال، حب جاہ۔ ان کے ایمان کی ناگفتہ بہ حالت کی غمازی کر رہی ہے۔ مزید

(1) ڈاکٹر اسرار احمد، اسلام میں عدل اجتماعی کی اہمیت اور موجودہ جاگیر داری اور غیر حاضر زمینداری کے خاتمے کی صورت، مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن،

لاہور، طبع اول، 2001ء، ص: 25

(2) ایضاً، ص: 22

(3) دیکھیے: اسرار احمد، استحکام پاکستان، ص: 109

برال ان کی پیدا کردہ فرقہ واریت کی ہولناکی روز بروز بڑھ رہی ہے اور قومی سطح پر تشنت و انتشار میں ایک مزید اور حد درجہ تشویشناک سمت کا اضافہ کر رہی ہے۔¹

خلاصہ بحث یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب بین الاقوامی اور قومی صورتحال پر گہری نظر رکھتے تھے۔ آپ امت مسلمہ کے عمومی اور مسلمانان پاکستان کے مسائل کا خصوصی طور پر ادراک رکھتے تھے اور ان مسائل کی کثرت اور سنگینی کے باوجود آپ نے اپنی عملی جہد و مساعی کو جاری رکھا اور نہ ہمت ہارے نہ ہی مایوس ہوئے۔ بلکہ امت مسلمہ کی نشاۃ ثانیہ کا جو خواب آپ نے علامہ اقبال اور دیگر کے ذریعہ دیکھا تھا اسی کی دعوت دیتے رہے۔ غرض یہ کہ آپ نے اپنی پوری زندگی اس مقصد کے لیے وقف کر دی۔

ڈاکٹر صاحب کی رائے میں ملک پاکستان دینی و دنیوی اعتبار سے انتہائی تشویشناک صورتحال سے دوچار ہے اور آپ کی یہ رائے ہر صاحب شعور اور درد دل رکھنے والے مسلمان کے لیے اجنبی نہیں ہے بلکہ پاکستان کی موجودہ صورتحال تو مزید خراب ہو گئی ہے۔ اس وقت ایک جانب ملک میں سیاسی و حکومتی سطح پر رسہ کشی کا سماں ہے دوسری جانب سودی معاشی پالیسیوں، ملکی اور بیرونی قرضوں اور آفات کے نتیجے میں ملکی معیشت تباہی کے دہانے پر کھڑی ہے۔ ان پریشان کن حالات میں بھی قوم رجوع الی اللہ کرنے کی بجائے دین سے مزید دور ہو رہی ہے اور حکمران آئی۔ ایم ایف کے پروگرام کے تحت ایک طرف عوام پر مہنگائی کا ناقابل برداشت بوجھ ڈال رہے ہیں اور اللہ سے بغاوت پر مبنی قوانین بنا رہے ہیں۔

(۱) اسرار احمد، استحکام پاکستان، ص: 175

فصل سوم

تفسیر الشعر اوی اور بیان القرآن کا تعارف

مبحث اول: تفسیر الشعر اوی کا تعارف اور تفسیری اُسلوب

مبحث دوم: بیان القرآن کا تعارف اور تفسیری اُسلوب

مبحث اول

تفسیر الشعر اوی کا تعارف اور تفسیری اسلوب

الف۔ تعارف کتاب

شعر اوی کی دیگر کتب کی طرح تفسیر بھی خود آپ کی تحریر شدہ نہیں ہے بلکہ یہ ان تفسیری دروس کی کتابی شکل ہے جو آپ نے ٹیلی ویژن کے پروگرام "نور علی نور"¹ میں دیئے تھے۔ اس کتاب کے آغاز میں تقریباً تیس صفحات پر مشتمل تعارفی مقدمہ ہے جس کے بعد شعر اوی نے سورۃ الفاتحہ سے قرآن کریم کی تفسیر شروع کی اور یہ سلسلہ سورۃ الجمعہ تک جاری رہا۔ شعر اوی اپنی وفات کے سبب اس تفسیر کی ریکارڈنگ کو مکمل نہ کر سکے البتہ شعر اوی کے صاحبزادے عبدالرحیم شعر اوی کے مطابق آخری پارے کی تفسیر کی ریکارڈنگ بھی موجود تھی جسے بعد ازاں تفسیر الشعر اوی کی کتابی شکل میں شامل کر دیا گیا۔

شعر اوی کی زبانی تفسیر کی کتابی صورت میں اشاعت کا ذمہ "مکتبہ دار اخبار الیوم" نے اٹھا رکھا تھا جس کی نظر ثانی اور تخریج احادیث کا ذمہ ڈاکٹر احمد عمر ہاشم نے لیا۔ یہ تفسیر شعر اوی کی وفات سے چھ سال قبل 1991ء میں پہلی بار شائع ہوئی اور شعر اوی نے اس پر اپنی رضامندی ظاہر کی۔ مزید یہ کہ یہ تفسیر شعر اوی کی آڈیو اور ویڈیو ریکارڈنگز سے بھی مطابقت رکھتی ہے۔ یہ تفسیر 24 جلدوں اور تفسیر جز "عم" پر مشتمل ہے۔

وجہ تسمیہ

شعر اوی نے اپنی تفسیر کا نام "خواطر حول القرآن" رکھا ہے جو "تفسیر الشعر اوی" کے نام سے مشہور ہے۔ کلمہ (خواطر) کو دیکھیں تو یہ خاطر کی جمع ہے جس کا اصل "خطر" ہے یعنی "دل میں خیال آنا" جیسے کہا جاتا ہے "خطر ببال کذا" یعنی "میرے دل میں ایسا خیال گزرا" اور اس سے مراد وہ فوری گزرنے والا خیال ہوتا ہے جو بغیر کسی تاخیر و سستی کے دل پر وارد ہو۔²

اس نام کو رکھنے کا سبب یہ ہے کہ شعر اوی کے مطابق یہ کتاب ہر گز عام مفہوم میں تفسیر نہیں ہے بلکہ یہ تو بس اللہ کی طرف سے عطا کردہ کچھ پاکیزہ خیالات ہیں جو ایک یازند آیات کی تلاوت کے دوران بندہ مومن کے قلب پر وارد ہوتے ہیں۔ شعر اوی کا یہ خیال تھا کہ اگر یہ ممکن ہو تا کہ قرآن کی تفسیر کی جائے تو رسول اللہ ﷺ یہ کام کرنے

(1) یہ 1973ء سے مصری ٹیلی ویژن پر نشر ہونے والا پروگرام تھا جس کی تیاری اور میزبانی کے فرائض احمد فرانج نے ادا کئے۔ اس کی شہرت پہلے مصر اور پھر پورے عالم عرب تک پہنچی۔

(2) ابن فارس، أبو الحسن، احمد بن فارس بن زکریاء القزوینی، معجم مقاییس اللغة، المحقق: عبدالسلام محمد ہارون، دار الفکر، بیروت، لبنان، 1979ء،

میں سب سے سبقت لے جاتے کیونکہ یہ قرآن کریم ان ہی پر تو نازل ہوا ہے اور آپ تک ہی اس کے علم و عمل کی حقیقت پہنچی۔ رسول اللہ ﷺ نے تو صرف اس بات پر اکتفی کیا کہ لوگوں کو ان کی حاجت کے بقدر قرآن مجید میں مذکور احکامات تکلیفی بتا دیے یعنی بتا دیا کہ یہ کرو اور یہ نہ کرو! وہ احکامات جن پر عمل کرنے سے انسان کو ثواب و جزاء ملتا ہو اور جن کو ترک کرنے پر اس کی پکڑ ہوتی ہو اور یہی اللہ تعالیٰ کی عبادت کی بنیاد ہے جو انسان کی دنیاوی زندگی کے منہج کے طور پر قرآن میں بیان ہوئی ہے۔ باقی جہاں تک قرآن کریم کے پوشیدہ خزانوں اور اسرار کا تعلق ہے تو رسول اللہ ﷺ نے اس کے بارے میں وہی بات بیان کی جو اس زمانہ کے پیمانہ عقول کے عین مطابق تھی۔ ان موضوعات کا پیش کرنا ایسے بحث و جدل کو جنم دیتا جس کی وجہ سے قضیہ دین فاسد ہو جاتا اور لوگوں کو منہج الہی کے فہم سے پھیر کر ایسے موضوعات کے گرد بحث میں الجھا دیتا جس سے وہ کچھ حاصل نہیں کر پاتے۔¹

تو پس شعر اوی کا اپنی تفسیر کا نام خواطر رکھنا اس معنی میں ہے کہ گویا وہ ایک آیت یا چند آیات کے مجموعہ کی تلاوت کرتے پھر ان کے دل پر کچھ افکار وارد ہوتے جنہیں وہ بیان کر دیتے یعنی وہ خیالات جو دل میں اترتے زبان سے ان کا اظہار ہو جاتا۔ اگرچہ ذرا غور کیا جائے تو ہمیں شعر اوی کے خواطر قرآنیہ کو اسم تفسیر سے پکارنا ممکن ہو سکے گا کیونکہ تفسیر کی تو تعریف ہی ایسے علم سے کی جاتی ہے جس میں انسانی طاقت کے بقدر قرآن کریم کو سمجھنے اور مراد الہی جاننے کی کوشش کی جاتی ہے اور اگر کوئی مفہوم انسانی دسترس سے باہر ہو جائے تو ایسی صورت میں کچھ کہنا آیات قرآنی کی وہ توجیہ شمار ہوگی جو مطلوب نہیں ہے لہذا ہم اسے تفسیر بھی نہ کہیں گے۔ بلاشبہ جو شخص بھی اللہ کی راہ کی جستجو کرتا ہے اللہ سبحانہ و تعالیٰ اس پر اپنی راہیں کھول دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ دنیا کی نعمتیں تو فرماں برداروں اور نافرمانوں دونوں ہی کو دیتا ہے لیکن نعمت ہدایت صرف اسی کو دیتا ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے۔ ایسا شخص جو خود اللہ کا تقویٰ اختیار کرتا ہے اور طلب ہدایت رکھتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ﴾²

(ترجمہ: اور جو لوگ ہماری راہ میں جہاد کرتے ہیں ہم یقیناً انہیں اپنی راہیں دکھا دیتے ہیں اور اللہ

تعالیٰ یقیناً اچھے کام کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے)

شعر اوی کا یہ موقف اس وجہ سے بھی درست نہیں کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے تو براہ راست رسول اللہ ﷺ سے قرآن سنا اور سمجھا اور انہیں ہر آیت کی الگ تفسیر کی ضرورت نہیں تھی جبکہ بعد کے لوگوں کو قرآن کریم سمجھانا، علمی طور کے ساتھ ساتھ قرآنی آیات کے معنی و مفہیم پر غور کرنا اور علمی خزانے دریافت کرنا اس چیز کا

(1) الشعر اوی، محمد متولی، تفسیر الشعر اوی، دار اخبار الیوم، القاہرہ، مصر، 1991ء، ص: 9/1

(2) العنکبوت: 69

متقاضی ہے کہ متعدد علوم کی روشنی میں قرآن کی تفسیر کی جائے۔ اسی سبب امت کے سلف اور خلف نے متعدد تفاسیر لکھیں اور بہت سے لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ بنے۔ شعر اوی نے خود بھی بعض مقامات پر کلمہ تفسیر کا استعمال کرتے ہوئے گویا یہ اعتراف کیا کہ ان کی یہ کتاب تفسیر ہی ہے، پھر اگر ہم شعر اوی کے منہج بیان پر غور کریں تو وہ بھی دیگر مفسرین کی ہی طرح آیت قرآنی کی مناسبت، اسباب نزول، نسخ منسوخ، لغت، تفسیر القرآن بالقرآن والحديث وغیرہ بیان کرتے ہیں۔ یعنی انہوں نے اپنے خواطر یا مافی الضمیر کو بیان کرنے کے لیے کوئی نیا اسلوب و منہج اختیار نہیں کیا صرف اسم تفسیر اختیار کرنے میں احتیاط کی ہے۔

جہاں تک بعض علوم قرآنی کو رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کی حاجت کے مطابق ہی بیان کیا جیسا کہ سائنسی تفسیر ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اذہان ابھی اس کی استطاعت نہیں رکھتے تھے کیونکہ اس زمانے کے لوگ بہت سے ایسے علوم سے ناواقف تھے جن کی معرفت انسانیت نے عصر حاضر میں حاصل کی۔ باقی جہاں تک قرآن کریم کی عمومی تفسیر کا تعلق ہے تو رسول اللہ ﷺ نے اگرچہ مکمل قرآن کریم کی تفسیر نہیں کی مگر اس کے بیشتر حصے کو اپنے اصحاب پر واضح فرما دیا جس کا ثبوت کتب احادیث میں موجود تفسیر قرآن سے متعلقہ احادیث ہیں۔¹

ب۔ شعر اوی کا اسلوب تفسیر

شعر اوی کی تفسیر ٹیلی ویژن پر نشر ہونے والے تیس منٹ پر مشتمل حلقہ جات قرآنی کا مجموعہ ہے جس میں آپ صرف مصحف کو ہاتھ میں لے کر آیت کی تلاوت کرتے اور پھر زبانی اس کی تفسیر شروع کر دیتے۔ شعر اوی نے تفسیر قرآن کرتے ہوئے فصیح عربی زبان کے ساتھ ساتھ عامی عربی کا بھی استعمال کیا ہے تاکہ ان کے اور سامعین کے درمیان حجاب نہ رہے اور یہی اسلوب اہل عرب کے نزدیک ان کی تفسیر کی مقبولیت کا سبب بھی بنا، جیسا کہ عصر حاضر میں اہل عرب کے ہاں فصیح عربی کی نسبت عامی عربی کا استعمال زیادہ ہے۔ آپ نے اپنی تفسیر میں انتہائی آسان عام فہم اسلوب اختیار کیا ہے جسے لوگ سہولت سے جذب کر لیتے اور ان کا شوق سماعت بڑھتا جاتا۔ اس تفسیر کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ایک مفسر کے تمام مطلوبہ اوصاف سے متصف تھے۔ آپ عربی زبان میں مہارت رکھتے تھے اور قرآن کریم کے دقیق مطالعے کے سبب ربط آیات خوش اسلوبی سے قائم کرتے تھے۔ اس کے علاوہ آپ احادیث رسول ﷺ، اسباب و مکان نزول قرآن، نسخ منسوخ، قراءات قرآنی، سابقہ تفاسیر اور تفسیر اور علوم قرآن کی دیگر مباحث سے آگاہی رکھتے تھے۔

(1) دیکھیے: محمد حسین الذہبی، إلتجہات المنہج فی تفسیر القرآن الکریم دو افہام و دفعہا، مکتبۃ وہبہ، قاہرہ، طبع: سوم، 1986ء، ص: 11، کافی،

منصور، مناج المفسرین فی العصر الحدیث بین النظریۃ والتطبیق، دارالعلوم للنشر، 2006ء، ص: 43

بلاشبہ شعر اوی کی تفسیر عصر حاضر کی عمدہ ترین تفاسیر میں سے ایک ہے جس کے لاتعداد علمی و ایمانی فوائد ہیں۔ شعر اوی نے اپنی تفسیر میں جو طریقہ اپنایا اس کے متعلق چند نکات درج ذیل ہیں۔

(1) شعر اوی نے سورتوں اور آیات کی تفسیر کرتے ہوئے عام مفسرین جیسا اسلوب ہی اپنایا ہے یعنی حسب ترتیب مصحف سورۃ الفاتحہ سے شروع کیا اگرچہ بعض مواقع پر وہ زیادہ تفصیل میں گئے ہیں اور ایک آیت کی تفسیر میں ایسی آیات سے استشہاد بھی کیا جو براہ راست موضوع سے تعلق نہیں رکھتی تھی گویا وہ بعض جگہ بہت زیادہ گہرائی میں چلے گئے جس کی وجہ شاید خطیبانہ اسلوب میں تفسیر کرنا تھا۔ اسی وجہ سے شعر اوی کی تفسیر میں تکرار بھی کافی ہے۔¹

(2) شعر اوی ایک آیت کی تفسیر کرتے ہوئے اسے مختلف اجزاء میں تقسیم کر دیتے ہیں۔ مثلاً قول باری تعالیٰ:

﴿وَمَنْ يَرْغَبْ عَنْ مِلَّةِ إِبْرَاهِيمَ إِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهُ وَلَقَدْ اصْطَفَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا وَإِنَّهُ فِي

الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ﴾² (ترجمہ: دین ابراہیمی سے وہ ہی بے رغبتی کرے گا جو محض بیوقوف

ہو، ہم نے تو اسے دنیا میں بھی برگزیدہ کیا تھا اور آخرت میں بھی وہ نیکو کاروں میں سے ہے)

کی تفسیر کرتے ہوئے شعر اوی پہلے اس بات کی وضاحت فرماتے ہیں کہ ملت ابراہیم کیا ہے؟ یعنی انتہائی خلوص اور محبت سے صرف اکیلے اللہ کی عبادت کرنا۔ ابراہیم علیہ السلام نے ہر اس کام کو پورا کیا جس پر وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مکلف کیے گئے بلکہ انہوں نے اس میں اضافہ بھی کیا اور ہر آزمائش کا مقابلہ اطاعت و صبر سے کیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے اکیلے بیٹے کو ذبح کرنے کے حکم سے آزمایا تو انہوں نے ذرہ برابر بھی تردد نہ کیا گویا وہ تکالیف کو خلوص اور محبت سے پورا کرتے رہے اور انہوں نے یہ کوشش کی کہ یہی منہج سلیم ان کی اولاد میں بھی باقی رہے۔³

اس تمہیدی گفتگو کے بعد شعر اوی آیت کی تفسیر کی طرف بڑھتے ہوئے لفظ "رغب" کی وضاحت فرماتے ہیں کہ "وَمَنْ يَرْغَبْ" یعنی اعراض کرتا ہے یا انکار کرتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ (رغب فی کذا) یعنی کسی چیز کی چاہت رکھنا یا اسے پسند کرنا اور (رغب عن کذا) یعنی کسی چیز سے رک جانا یا اعراض کرنا۔ وہ لوگ جو ملت ابراہیم سے رکتے ہیں اور اس کو مسترد کرتے ہیں وہی لوگ اصلاً جاہل اور احمق ہیں اسی لیے اللہ نے ان کے متعلق فرمایا: {إِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهُ} یہ ان کی کمزور رائے اور نفع بخش اور نقصان دہ کے درمیان فرق نہ کر سکنے کا ثبوت ہے۔⁴

یہاں شعر اوی نے آیت کا تجزیہ کرتے ہوئے پہلے ملت ابراہیمی کی تعریف بیان کی اور اس کے بعد لفظ رغب

(1) اس منہج کی تفصیل مقالہ ہذا کے باب دوم، فصل اول کی بحث اول میں موجود ہے۔

(2) البقرة: 130

(3) تفسیر الشعر اوی، ص: 591/1

(4) تفسیر الشعر اوی، ص: 591/1

کی تفصیل بیان کی اور اس کا ربط آیت کے اگلے حصے سے جوڑا۔ یہی اسلوب آپ کی تفسیر میں عمومی طور پر پایا جاتا ہے۔

(3) شعر اوی آیت میں مذکور مفردات کی بعض اوقات اجمالاً اور بعض اوقات تفصیل کے ساتھ شرح

بیان کرتے ہیں خاص طور پر جب غریب یا مشکل الفاظ سامنے آتے ہیں۔¹

(4) شعر اوی نے دیگر مفسرین کے برخلاف آیات کی تفسیر میں کوئی مخصوص ترتیب اختیار نہیں کی، یعنی جیسا کہ

عام طور پر مفسرین پہلے آیت کے عام معنی بیان کرتے ہیں پھر بعض مفردات کی تشریح، پھر اسباب نزول،

پھر مناسبات، پھر قراءات اور اس کے بعد احکامات کا ذکر کرتے ہیں۔ یعنی ترتیب تو مختلف ہو سکتی ہے لیکن منہج

تفسیر ایک ہی ہوتا ہے۔ شعر اوی کبھی تو اجمالی معنی پہلے ذکر کرتے ہیں اور کبھی مفردات کی شرح کو مقدم کر

دیتے ہیں، کبھی وہ اعراب سے شروع کرتے ہیں تو کبھی سبب نزول پہلے ذکر کر دیتے ہیں اور کبھی تفسیر

موضوعی کی طرز پر ایک موضوع سے متعلق آیات کو جمع کر دیتے ہیں۔ اور کبھی مخاطبین کو متنبہ کرنے کے

لیے اپنی بات کا آغاز کسی سوال سے کرتے ہیں۔

(5) آیات اور سورتوں کے مابین مناسبت کا بیان تفسیر الشعر اوی کے خصائص میں سے ہے۔ جس کی تفصیل آگے

آئے گی۔²

(6) آیت کا مفہوم سمجھنے میں سبب نزول کی اہمیت کے پیش نظر اکثر مقامات پر آپ نے سبب نزول کا ذکر کیا ہے۔

مگر کبھی تو آپ سبب نزول شروع میں ذکر کرتے ہیں تو کبھی دوران تفسیر ضمناً بیان کرتے ہیں اور کبھی تو

بالکل آخر میں سبب نزول بیان کر کے آیت کی تفسیر کو مکمل کرتے ہیں۔³

(7) بعض مقامات پر آپ نے آیت سے متعلقہ قراءات کا ذکر بھی کیا ہے۔ مگر اس میں بھی آپ کا کوئی مختص منہج

نہیں تھا یعنی کبھی تو آپ نے آیت سے متعلقہ قراءات کا ذکر شروع میں ہی کر دیا تو کبھی بعد میں۔⁴

(8) عربی لغت میں مہارت کے سبب شعر اوی نے اکثر مقامات پر نحوی، صرفی اور بلاغی مسائل پر مفصل گفتگو کی

ہے۔ (جس کی تفصیل مقالہ ہذا کے باب سوم کی فصل اول کی پہلی بحث میں مذکور ہے)

(9) شعر اوی نے فصیح اور عامی عربی زبان کا امتزاج کیا، مصری لہجے کو اپنایا اور اپنی بات کو سمجھانے کے لیے

متداول مثالوں کا استعمال کیا یہاں تک کہ ہر عام و خاص کے لیے آپ کی بات کو سمجھنا ممکن ہو سکا۔

(1) تفسیر الشعر اوی، ص: 501/1

(2) ملاحظہ ہو! باب چہارم، فصل چہارم کی بحث اول

(3) ملاحظہ ہو! باب چہارم، فصل سوم کی بحث اول

(4) دیکھیے: تفسیر الشعر اوی، ص: 103/1، 228/1، 6425/10، وغیرہ

(10) شعر او کی تفسیر میں لغوی و بلاغی رنگ غالب نظر آتا ہے۔ البتہ کئی دفعہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ لغوی و بلاغی تفصیل بیان کرتے کرتے اصل آیت کی تفسیر سے بہت دور چلے گئے ہیں جو بلاشبہ ایک قاری یا سامع کے لیے اپنی توجہ قائم رکھنے کے راستے میں رکاوٹ بن جاتا ہے۔ اس کے مقابلے میں آپ نے آثار سے بہت کم استشہاد کیا ہے۔¹

(11) شعر او کی بعض مقامات پر نص قرآنی سے متعلق شبہات کا ازالہ بھی کیا ہے اسی طرح بعض مقامات پر آپ نے باطل نظریات کا ابطال اور مستشرقین وغیرہم کا رد بھی کیا ہے۔²

(12) تفسیر الشعر او کی دعوتی و اصلاحی رنگ غالب ہے۔ آپ نے عقائد و اعمال کے علاوہ معاشرتی، معاشی اور سیاسی اصلاح کے حوالے سے بھی کلام کیا ہے۔³

(13) تفسیر موضوعی کی مناسبت سے اگر دیکھا جائے تو بعض مقامات پر شعر او کی کسی ایک مفرد قرآنی کو لے لیتے اور اس کے متعلق آیات کو جمع کر کے کوئی نتیجہ اخذ کرتے ہیں تو کبھی آپ کسی موضوع کو لے کر قرآن کریم کے مختلف مقامات سے آیات جمع کر کے ایک مضمون باندھ دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر قول باری تعالیٰ:

﴿مَثَلُہُمْ كَمَثَلِ الَّذِی اسْتَوْفَدَ نَارًا فَلَمَّا اُضْءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُورِہُمْ وَتَرَکْہُمْ فِی ظُلُمَاتٍ لَا یُبْصِرُوْنَ﴾⁴

(ترجمہ: ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی، پس آس پاس کی چیزیں روشنی میں آئی ہی تھیں کہ اللہ ان کے نور کو لے گیا اور انہیں اندھیروں میں چھوڑ دیا، جو نہیں دیکھتے)

کی تفسیر میں شعر او کی پہلے قرآنی مثالوں کی حکمت بیان فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کئی مقامات پر مثالیں بیان فرمائی ہیں تاکہ ہمارے اذہان ان غیبیات کے معانی کے قریب پہنچ سکیں جن کا مشاہدہ ہم نہیں کر سکتے.... اور خدا تعالیٰ نے ہمارے لیے دنیا اور آخرت، تخلیق کی درستی اور ایمان کے عروج کے متعلق تمثیلیں بیان کیں ہیں۔ تاہم، لوگ ان مثالوں کی حکمت سے صرف نظر کرتے ہوئے ان کا کفر کر بیٹھے، حالانکہ حق تبارک و تعالیٰ نے یہ مثالیں اس لیے قائم کیں کہ ہم حقیقت کے قریب پہنچ سکیں...."⁵

اس کے بعد آپ درج ذیل آیات میں مذکور مثالیں ذکر فرماتے ہیں:

(1) ملاحظہ ہو! مقالہ ہذا کا دوسرا باب

(2) دیکھیے: مقالہ ہذا، باب پنجم، فصل دوم کی پہلی بحث

(3) دیکھیے: مقالہ ہذا، باب پنجم، فصل اول کی پہلی بحث

(4) البقرة: 17

(5) تفسیر الشعر او، ص: 166/1

1. ﴿ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا رَجُلًا فِيهِ شُرَكَاءُ مُتَشَاكِسُونَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ هَلْ يَسْتَوِيَانِ مَثَلًا

الْحَمْدُ لِلَّهِ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ﴾¹

2. ﴿اللَّهُ نُورُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ مِثْلُ نُورِهِ كَمِشْكَاةٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ الْمِصْبَاحُ فِي زُجَاجَةٍ

الزُّجَاجَةُ كَأَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُوقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُبَارَكَةٍ زَيْتُونَةٍ لَا شَرْقِيَّةٍ وَلَا غَرْبِيَّةٍ يَكَادُ

زَيْتُهَا يُضِيءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُورٌ عَلَى نُورٍ يَهْدِي اللَّهُ لِنُورِهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَضْرِبُ اللَّهُ

الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾²

3. {مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ فِيهَا أَنْهَارٌ مِنْ مَّاءٍ غَيْرِ آسِنٍ وَأَنْهَارٌ مِنْ لَبَنٍ لَمْ يَتَغَيَّرَ

طَعْمُهُ وَأَنْهَارٌ مِنْ خَمْرٍ لَذَّةٍ لِلشَّارِبِينَ وَأَنْهَارٌ مِنْ عَسَلٍ مُصَفًّى {3}

آپ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے سامنے ان چیزوں کی مثال بیان فرماتے ہیں جو ہماری

زندگی کا حصہ ہیں کیونکہ انسانی عقول اس سے زیادہ کا احاطہ نہیں کر سکتی۔⁴

یہاں شعر اوی نے قرآن کریم میں مذکورہ مثالوں کے حوالے سے مختلف مقامات کو جمع کرتے ہوئے مضمون

کی وضاحت کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ انداز مخاطبین کے لیے دلچسپی کا باعث بھی ہوتا ہے اور اس سے بات

اچھے طریقے سے ذہن نشین ہو جاتی ہے۔ مزید یہ کہ قرآنی موضوعات کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

14) آپ نے کسی قسم کی جانب داری و تعصب کے بغیر اور اختلافات کی تفصیل میں نہ جاتے ہوئے فقہی

مباحث کا اجمالاً بیان کیا ہے۔⁵

15) شعر اوی نے حتی الامکان یہ کوشش کی ہے کہ وہ اپنی تفسیر میں عقل و نقل دونوں سے استفادہ کریں جیسا

کہ ڈاکٹر یوسف قرضاوی کے نزدیک تفسیر قرآن کا سب سے بہترین منہج یہ ہے کہ مفسر ثابت شدہ آثار اور

صحیح عقل کی روشنی میں تفسیر کرے۔⁶

تفسیر شعر اوی میں تفسیر بالماثور کی نسبت تفسیر بالرأے کا غلبہ ہے اور اس میں بھی لغوی تفسیر کا اہتمام زیادہ

ہے اگرچہ شعر اوی نے اسباب نزول، قراءات، نسخ، منسوخ، فقہ، عقیدہ، رد فرق باطلہ وغیرہ پر بھی سیر حاصل گفتگو کی

ہے۔ یہ تفسیر آسان اسلوب میں دیے گئے واعظانہ دروس کا مجموعہ ہے جس میں شعر اوی نے یہ ہدف رکھا کہ جو ایمانی

(1) الزمر: 29

(2) النور: 35

(3) محمد: 15

(4) تفسیر الشعر اوی، ص: 168/1-169

(5) دیکھیے: باب سوم، فصل سوم کی پہلی بحث

(6) القرضاوی، دکتور یوسف، کیف تعامل مع القرآن، مکتبۃ دار البیان، کویت، ص: 217

نفع انہیں قرآن کریم کے مطالعہ سے حاصل ہوا، اسے سامعین کی جانب منتقل کرتے ہوئے ان میں ایمانی حس کو بیدار کریں اور انہیں عمل کی جانب راغب کر سکیں۔ اس ہدف کے حصول کے لیے آپ نے مفہوم پر زیادہ توجہ دی اور تحریر و کتابت کی علمی تحقیق اور حوالہ جات پر کم توجہ کی ہے۔

ت۔ شعر اوی کے تفسیری مصادر

کسی مفسر کے منہج کا تعین کرنے کے لیے یہ جاننا اشد ضروری ہے کہ اس نے کون کون سے مصادر پر انحصار کیا کیونکہ مصادر کے اختلاف سے منہج بھی مختلف ہو جاتا ہے۔ ان مصادر میں وہ بھی شامل ہیں جن سے استفادہ کرتے ہوئے ایک مفسر کی فکر پر وان چڑھی ہو مثلاً: علوم القرآن، علوم الحدیث، علوم اللغۃ والبلاغۃ، علوم فقہ اور اصول فقہ، علم تصوف و سلوک، وغیرہ کی وہ کتب جن کا مطالعہ تو مفسر نے کر رکھا ہوا اگرچہ اس کا تذکرہ تفسیر میں موجود نہ ہو۔ اور وہ مصادر بھی جن پر ایک مفسر نے اعتماد کرتے ہوئے ان کا تذکرہ بھی کر دیا ہو: یعنی کتب تفسیر، قواعد و میس اور معاجم، کتب سنت اور کتب مذاہب فقہ وغیرہ۔

یہاں پہلے تو اس بات کا تذکرہ مناسب ہو گا کہ شعر اوی کتاب اللہ کے حافظ اور سنت نبوی ﷺ پر کسی درجہ مطلع اور متعدد دینی علوم سے آراستہ تھے اور اس کے ساتھ ساتھ عربی زبان اور اس کے قواعد پر خوب دسترس رکھتے تھے۔ آپ کی تفسیر میں یہ واضح دکھائی دیتا ہے کہ آپ نے ہمیشہ اپنی علمی صلاحیتوں کے ساتھ کیے گئے مطالعہ قرآن کریم کے نتیجے میں حاصل ہونے والے ایسے ذاتی ایمانی افکار کو ترجیح دی ہے جو نصوص قرآن سے متاثر، ہر اس شخص کے دل پر وارد ہوتے ہیں جو قرآن کریم کو براہ راست پڑھنے اور سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ یعنی وہ علوم و معارف جو قرآن میں تدبر کرنے والے شخص کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ----﴾¹

(ترجمہ: اور جو لوگ ہماری راہ میں جہاد کرتے ہیں ہم یقیناً انھیں اپنی راہیں دکھا دیتے ہیں)

شعر اوی خود فرماتے ہیں:

"قرآن کریم کے متعلق میرے خیالات سے مقصود تفسیر قرآن نہیں ہے یہ تو بس چند پاکیزہ خیالات ہیں جو قلب

مومن پر ایک یا چند آیات کے مطالعہ کے وقت نازل ہوتے ہیں۔"²

شعر اوی اپنی تفسیر کے متعلق مزید فرماتے ہیں:

(1) العنکبوت: 69

(2) تفسیر اشعر اوی، ص: 9/1

"یہ میری عمر بھر کی علمی کھیتی ہے، اور میری عمر بھر کی جدوجہد کا نتیجہ ہے، اس میں مجھے یہ شرف حاصل ہوا کہ میں نے کتاب اللہ کے ساتھ زندگی گزاری اور میں فیضان الہی کے استقبال کے لیے مطمئن ہوں اور شاید میں نے اپنا ایمانی حق اور واجب عرفانی ادا کر دیا ہے۔"¹

شعر اوی نے اپنی تفسیر میں متعدد مصادر سے استفادہ کیا ہے جن کی مکمل تحدید ہمارے لیے ممکن نہیں ہے۔ عام مفسرین کے برخلاف یہ تفسیر آپ کے اپنے ہاتھوں سے لکھی ہوئی نہیں ہے۔ اسی طرح یہ ایک ایسی تفسیر بھی نہیں ہے جس میں ایک استاد اپنے شاگردوں کو اس کی املاء کرواتا ہے اور ساتھ ساتھ علماء کے اقوال بمع حوالہ یا اشارتاً بتاتا ہے۔ اور نہ ہی آپ نے مقدمہ تفسیر میں اپنے مصادر تفسیر کا ذکر نہیں کیا۔ لیکن اس کے باوجود ایک قاری تفسیر کا مطالعہ کرتے ہوئے مصادر تفسیر کے متعلق کافی کچھ جان سکتا ہے۔ ہم بعض مصادر کا تذکرہ کر دیتے ہیں:

مفسرین کی آراء سے استفادہ

1۔ امام ابن جریر الطبری²

امام طبری کی تفسیر علم تفسیر میں بالعموم اور تفسیر بالماثور میں بالخصوص بنیادی مصادر تفسیر میں شمار ہوتی ہے۔ شعر اوی نے بھی مختلف مقامات پر اس کا حوالہ دیا ہے۔ جیسے آیت مبارکہ:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِمَنْ فِي أَيْدِيكُمْ مِنَ الْأَسْرَىٰ إِنَّ يَعْلَمَ اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمْ خَيْرًا يُؤْتِيكُمْ خَيْرًا مِّمَّا أُخِذَ مِنْكُمْ ---﴾³

(ترجمہ: اے نبی! اپنے ہاتھ تلے کے قیدیوں سے کہہ دو کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں نیک نیتی دیکھے گا تو جو کچھ تم سے لیا گیا ہے اس سے بہتر تمہیں دے گا۔۔)

کی تفسیر میں شعر اوی کا قول ہے:

"فقد أسند الطبري إلى العباس أنه قال: في نزلت - أي هذه الآية - حين أعلمت رسول الله صلى الله عليه وسلم بإسلامي وسألته أن يحاسبني بالعشرين أوقية التي أخذت مني قبل المفاداة فأبى وقال: «ذلك فيء» فأبدلني الله من ذلك عشرين عبدًا كلهم تاجر بمالي"⁴ (ترجمہ: طبری نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں: یہ آیت میرے متعلق نازل ہوئی تھی۔ جب میں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے اسلام لانے کی خبر دی اور ان بیس اوقیہ کا سوال کیا جو فدیے کے طور پر مجھ سے لیے گئے تو آپ

(1) تفسیر الشعر اوی، سرورق (مقدمہ تفسیر سے قبل شعر اوی کے ہاتھ سے لکھی عبارت ہے۔)

(2) أبو جعفر محمد بن جریر بن یزید الطبری (224-310ھ) طبرستان، موجودہ ایران سے عہد عباسی کے مشہور عالم، مفسر، مورخ تھے۔ (أبو العباس أحمد بن محمد بن خلکان، وفیات الأعیان و أنباء أبناء الزمان، المحقق: احسان عباس، دارصادر، بیروت، 1994ء، ص: 191/4)

(3) الانفال: 70

(4) الطبری، محمد بن جریر، أبو جعفر (التوفی: 310 ہجری)، جامع البیان فی تائیل القرآن (تفسیر طبری)، مکتبۃ مؤسسۃ الرسالۃ، طبع

اول، 2000ء، ص: 73/14، اثر #16321

ﷺ نے جواب دیا کہ وہ نے ہے۔ پھر اللہ نے اس کے بدلے مجھے میں غلام عطا کیے جو سب میرے مال سے تجارت کرتے تھے۔" ¹

اس روایت کو امام بیہقی نے مجمع الزوائد میں اور امام طبرانی نے معجم الاوسط میں ذکر کیا ہے۔ شیخ احمد محمد شاگر نے اس روایت کے رجال کو صحیح قرار دیا ہے۔ اس روایت کی روشنی میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے آیت مذکورہ میں کیے گئے وعدے کو سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے حق میں پورا فرمایا جب ان سے لیے گئے فدیہ کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے اس سے بہت بہتر مال عطا فرمادیا۔ مزید یہ کہ اس واقعہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے دل میں خیر موجود تھی۔

2۔ امام زرخشری ²

امام زرخشری اپنی اعتزال پر مبنی آراء کے سبب اہل سنت علماء کی تنقید کا نشانہ رہے ہیں البتہ اپنی لغوی آراء کے سبب امت کے ہاں مقبول و معروف ہیں۔ شعر اوای نے اپنی تفسیر میں زرخشری کی آراء سے استفادہ کیا ہے۔ جیسا کہ قول باری تعالیٰ:

﴿إِذْ قَالَ الْخَوَارِثُونَ يَا عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ أَنْ يُنْزِلَ عَلَيْنَا مَائِدَةً...﴾ ³

(ترجمہ: وہ وقت یاد کے قابل ہے جب کہ حواریوں نے عرض کیا کہ اے عیسیٰ بن مریم! کیا آپ کا رب ایسا کر سکتا ہے کہ ہم پر آسمان سے ایک خوان نازل فرمادے؟)

کی تفسیر میں "هَلْ يَسْتَطِيعُ" کے مختلف معانی بیان کرنے کے بعد شعر اوای فرماتے ہیں:

"وقال الزرخشری: ما وصفهم الله بالإيمان والإخلاص، وإنما حكى ادعاءهم، وقولهم: (هل يستطيع)

كلام لا يتأتى مثله من مؤمنين معظمين لربهم" ⁴

(ترجمہ: زرخشری فرماتے ہیں: "اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان اور اخلاص کا وصف بیان نہیں فرمایا بلکہ صرف ان کی

دعا اور یہ قول ذکر فرمایا: "هل يستطيع" اور ایسا کلام ان مؤمنین کی جانب سے نہیں صادر ہوتا جو اپنے رب کی

تعظیم کرنے والے ہوتے ہیں)

لغوی اعتبار سے امام زرخشری کی تفسیر امہات تفسیر میں شمار ہوتی ہے اور آپ کے بعد آنے والے تقریباً سبھی

(¹) تفسیر اشعر اوای، ص: 4813/8

(²) ابوالقاسم محمود بن عمر بن محمد خوارزمی جارا اللہ زرخشری (538-467ھ)، عظیم لغوی، مفسر، محدث اور ایک معتزلی عالم تھے۔ (ابن خلکان، وفیات

الاعیان، ص: 168/5)

(³) المائدہ: 112

(⁴) الزرخشری، الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل، دار الکتب العربی، بیروت، طبع: سوم، 1407ھ، ص: 692/1

(⁵) تفسیر اشعر اوای، ص: 3461/6

مفسرین اس حوالے سے آپ کی جانب رجوع کرتے ہیں۔

3۔ امام رازی¹

شعراوی نے اپنی تفسیر میں مختلف مقامات پر امام رازی کی آراء کو بیان کیا ہے۔ مثال کے طور پر آیت مبارکہ:

﴿فَكُلًّا أَخَذْنَا بِذَنْبِهِ فَمِنْهُمْ مَنْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا وَمِنْهُمْ مَنْ أَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ وَمِنْهُمْ مَنْ حَسَفْنَا بِهِ الْأَرْضَ وَمِنْهُمْ مَنْ أَعْرَفْنَا وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُظْلِمَهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ﴾²

(ترجمہ: پھر تو ہر ایک کو ہم نے اس کے گناہ کے وبال میں گرفتار کر لیا ان میں سے بعض پر ہم نے پتھروں کا مینہ برسایا اور ان میں سے بعض کو زوردار سخت آواز نے دبوچ لیا اور ان میں سے بعض کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور ان میں سے بعض کو ہم نے ڈبو دیا اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہ ان پر ظلم کرے بلکہ یہی لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے)

کی تفسیر میں شعراوی فرماتے ہیں:

"هذه وسائل أربعة لإهلاك المكذبين، النار في الحصباء، والهواء في الصيحة، والتراب في الخسف، ثم الماء في الإغراق، ورحم الله الفخر الرازي حين قال في هذه الآية أنها جمعت العناصر التي بها وجود الإنسان والعناصر الأساسية أربعة: الماء والنار والتراب والهواء...."³

(ترجمہ: یہ وہ چار وسائل ہیں جو جھٹلانے والوں کی ہلاکت کا سبب بنتے رہے ہیں: پتھروں میں آگ، چنگھاڑ میں ہوا، خسف میں مٹی، اور غرق ہونے کی صورت میں پانی، اور اللہ رحم فرمائے فخر رازی پر جب انہوں نے کہا کہ اس آیت میں ان عناصر کو جمع کر دیا گیا ہے جن کی بنیاد پر انسان کا وجود قائم ہے اور یہ چار اساسی عناصر ہیں: پانی، آگ، مٹی اور ہوا...)۔

تفسیر رازی ایک عظیم علمی خزانہ ہے اور کھوج لگانے والوں کے لیے بڑے نفع کا سماں اپنے اندر سموئے ہے۔

4۔ امام نسفی⁵

اس کی مثال یہ ہے کہ قول باری تعالیٰ:

(¹) فخر الدین ابو عبد اللہ محمد بن عمر الرازی، (544-604ھ) ایک ممتاز مفسر، محدث، شافعی فقیہ اور فلسفی تھے۔ (وفیات الأعيان، ص: 4/249)

(²) العنكبوت: 40

(³) 77. فخر الدین الرازی، مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر)، دار احیاء التراث العربی، بیروت، طبع: سوم-1420ھ، ص: 57/25

(⁴) تفسیر الشعراوی، ص: 18/11167

(⁵) أبو البركات عبد الله بن أحمد بن محمود حافظ الدين النسفی (1240-1310ء)، فقیہ، حنفی، مفسر نسبت علائقہ نسف کی طرف ہے۔ (أبوالحسنات محمد عبد

الحي المكنوى الهندی، الفوائد البهية فی تراجم الحنفی، مطبع دار السعادة، طبع: اول، 1324ھ، ص: 101)

﴿وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَعْلُومٌ﴾¹

(ترجمہ: کسی بستی کو ہم نے ہلاک نہیں کیا مگر یہ کہ اس کے لیے مقررہ نوشتہ تھا)

کی تفسیر میں شعر اوی فرماتے ہیں:

"وأذكر أن تفسير النسفي قد صُودِرَ في عصر سابق؛ لأن صاحب التفسير قال عند تفسيره لهذه

الآية: «حدثني فلان عن فلان أن البلد الفلاني سيحصل فيه كذا؛ والبلد الآخر سوف يحدث فيه

كذا إلى أن جاء إلى مصر وقال بالنص: ويدخل مصر رجل من جهينة، فويل لأهلها...»²

(ترجمہ: یہاں میں یہ بھی بیان کردوں کہ ماضی میں تفسیر نسفی میں اس آیت کا ضبط کیا گیا ہے کیونکہ صاحب تفسیر

نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: مجھے فلاں نے فلاں سے بیان کیا کہ فلاں علاقے میں ایسا ایسا ہوگا اور فلاں میں

ایسا ہوگا یہاں تک جب وہ مصر تک پہنچا تو اس نے کہا کہ مصر میں ایک جہینی شخص داخل ہوگا سو اس کے بانیوں

کے لیے ہلاکت ہوگی...)

یہاں شعر اوی نے امام نسفی کا ایک بالکل غیر مستند قول ذکر کیا ہے۔

5۔ امام ابن کثیر⁴

شعر اوی نے اپنی تفسیر میں بعض مقامات پر امام ابن کثیر کا حوالہ دیا ہے مثال کے طور پر بدر ہب کے قیدیوں

کے حوالے سے شعر اوی کا قول ہے:

"وفي الرواية التي ذكرها ابن كثير (قال العباس فأعطاني الله مكان العشرين الأوقية في الإسلام عشرين

عبدًا كلهم في يده مال يضرب به مع ما أرجوه من مغفرة الله عزَّ وجلَّ)، وهكذا تحقق قول الله عزَّ

وجلَّ {يُؤْتِكُمْ خَيْرًا مِمَّا أُخِذَ مِنْكُمْ}...»⁵

(ترجمہ: اور جو روایت ابن کثیر نے نقل کی ہے اس کے مطابق عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: ان بیس اوقیہ کے

بدلے اللہ نے اسلام میں مجھے بیس غلام عطا کئے جو سب کے سب تاجر ہیں اور مجھے امید ہے کہ میرے گناہ بھی

دھل گئے.... اور اس طرح اللہ کی وہ بات حق ثابت ہوئی: {يُؤْتِكُمْ خَيْرًا مِمَّا أُخِذَ مِنْكُمْ}...)

(¹) الحجر: 4

(²) النسفي، أبو البركات عبد الله بن أحمد بن محمود حافظ الدين، تفسير النسفي (مدارك التنزيل وحقائق التأويل)، دار الكلم الطيب، بيروت، طبع: اول، 1998ء،

ص: 263/2

(³) تفسير الشعر اوى، ص: 7644/12

(⁴) أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير، عماد الدين، (700-774هـ) عالم اسلام کے معروف حافظ، محدث، مفسر، فقیہ اور مورخ تھے۔ (محمد بن علی بن

أحمد الداوودي المالكي، المتوفى: 945هـ، طبقات المفسرين للداوودي، حرف الألف، من اسمہ اسماعیل ص 111/1، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1403ھ)

(⁵) ابن کثیر، أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير، تفسير القرآن العظيم (ابن کثیر)، المحقق: محمد حسين شمس الدين، دار الکتب العلمیہ، بیروت، طبع: اول،

1419ھ، ص: 82/4

(⁶) تفسير الشعر اوى، ص: 4813/8

6۔ امام آلوسی¹

اس کی مثال یہ ہے کہ قول باری تعالیٰ:

﴿قَالَ سَوْفَ أَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّي إِنَّهُ هُوَ الْعَفُورُ الرَّحِيمُ﴾²

(ترجمہ: کہا اچھا میں جلد ہی تمہارے لیے اپنے پروردگار سے بخشش مانگوں گا وہ بہت بڑا بخشنے والا اور نہایت مہربانی کرنے والا ہے)

کی تفسیر میں شعر اوی فرماتے ہیں:

"والشيخ الألوسي في تفسيره يقول: «إنما كان ذلك لأن مطلوبات البر من الأخ لأخوته غير مطلوبات البر من ابن لأبيه؛ لأن الأخ ليس له نفس حق الأب؛ لذلك يكون غضب الأب أشد من غضب الأخ..»³

(ترجمہ: شیخ آلوسی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: بلکہ، اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک بھائی کے ذمہ بھائیوں کے ساتھ حسن سلوک کے وہ تقاضے نہیں ہیں جو ایک بیٹے کے ذمہ باپ کے ساتھ حسن سلوک کے تقاضے ہیں کیونکہ بھائی کا وہ حق نہیں جو باپ کا حق ہے اور اسی لیے باپ کا غصہ بھی بھائیوں سے زیادہ ہوتا ہے۔)

7۔ شیخ محمد عبدہ⁵

شعر اوی نے سلف مفسرین کے علاوہ عصر حاضر کے مفسرین کی آراء بھی بیان کی ہیں۔ قول باری تعالیٰ:

﴿الر تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ﴾⁶ (ترجمہ: الہ! یہ روشن کتاب کی آیتیں ہیں)

کی تفسیر میں شعر اوی فرماتے ہیں:

"ونذكر هنا أن الإمام محمد عبده رَحِمَهُ اللهُ حَدَّثَ عَنْهُ وَهُوَ فِي بَارِيسَ أَنَّ أَحَدَ الْمُسْتَشْرِقِينَ قَالَ لَهُ: أليس في آيات القرآن: {مَا فَزَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ} . قال: بلى، قال له: فهات لي من القرآن: كم رَغِيفًا يوجد في أردب القمح؟ فقال الشيخ: نسأل الخباز فعنده إجابة هذا السؤال. فقال

(¹) ابوالثناء شہاب الدین محمود بن عبد اللہ الحسینی آلوسی بغدادی، (1802-1854ء) مفسر، محدث، فقیہ، شاعر اور ادیب تھے۔ (الدکتور محمد حسین الذہبی، التفسیر والمفسرون، (المتوفی: 1398ھ)، مکتبۃ الوہب، القاہرہ، 2000ء، ص 25/1)

(²) یوسف: 98

(³) آلوسی، شہاب الدین محمود بن عبد اللہ، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، المحقق: علی عبد الباری عطیہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، طبع: اول، 1415ھ، ص: 53/7

(⁴) تفسیر الشعر اوی، ص: 7024/12

(⁵) شیخ محمد عبدہ (1849-1905ء) مصری عالم، محقق، فقیہ، مفتی اعظم، مصلح، مصنف و مؤلف تھے۔ (خیر الدین بن محمود، الزرکلی الدمشقی (المتوفی: 1396ھ)، الأعلام، دار العلم للملايين، طبع: 15، ص: 252/6)

(⁶) یوسف: 1

(⁷) الانعام: 38

المستشرق: أريد الجواب من القرآن الذي ما فرط في شيء، فقال الشيخ: هذا القرآن هو الذي علمنا

فيما لا نعلم أن نسأل أهل الذكر فقال: {فاسئلوا أهل الذكر إن كنتم لا تعلمون} ²1

(ترجمہ: مروی ہے کہ پیرس میں امام محمد عبدہ کا سامنا ایک مستشرق سے ہوا، تو اس نے شیخ سے سوال کیا: قرآن کریم میں یہ آیت موجود ہے {مَا فَرَطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ...} تو مجھے ایک سوال کا جواب دیں کہ گندم کے ایک اردب (پیمانہ مصر) سے کتنی روٹیاں بن جاتی ہیں؟ اس پر امام نے کہا تھوڑا انتظار کرو اور ایک نان بائی کو بلو بھیجا پھر جب وہ آیا تو اس سے پوچھا کہ ہم گندم کے ایک اردب (پیمانہ مصر) سے کتنی روٹیاں بنا سکتے ہیں؟ تو اس نان بائی نے جواب دے دیا۔ مستشرق کہنے لگا میں نے قرآن سے جواب مانگا ہے نہ کہ نان بائی سے تو امام نے جواب دیا کہ جہاں قرآن نے یہ کہا {ہم نے اس کتاب میں کچھ اٹھانہ رکھا...} وہاں پر قرآن نے یہ بھی کہا کہ: {اگر تم نہیں جانتے تو علم والوں سے پوچھ لو})"

8- رشید رضا ³

قول باری تعالیٰ:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ...﴾ ⁴

(ترجمہ: اے ایمان والو! تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے...)

کی تفسیر میں شعراوی کا قول درج ہے:

"ونجد أن شيخنا رشيد رضا الذي نقل لنا تاريخ الإمام محمد عبده يروي قصة لقاء بينه وبين ذلك المدعو «بهاء» في بيروت، وحكى الشيخ رشيد عن الإمام محمد عبده أن هذا البهاء كان يأتي للصلوات الخمس ويصلي الجمعة. وعندما سأله عن تلك المسألة المسماة بالبهائية. أجاب بأنها محاولة للتقريب بين الشيعة وأهل السنة." ⁵

(ترجمہ: ہمارے شیخ رشید رضا، امام محمد عبده سے ایک قصہ نقل کرتے ہیں کہ ان کی بیروت میں ایک "بہائی" سے ملاقات ہوئی جو پانچوں نمازیں اور جمعہ ادا کرتا تھا اور جب امام عبده نے اس سے مسئلہ "بہائیہ" کے متعلق سوال کیا تو اس نے کہا کہ یہ شیعہ اور اہل سنت کو قریب کرنے کی ایک کوشش ہے۔)

9- سید قطب ⁶

شعراوی نے اپنی تفسیر میں ہم عصر مفسرین کے اقوال بھی درج کیے ہیں جیسا کہ قرآن کریم میں میراث کے

(¹) الانبياء: 7

(²) تفسیر الشعراوی، ص: 3027/5

(³) محمد رشید رضا (1865-1935ء) صاحب تفسیر المنار، تفسیر، حدیث، فقہ، تاریخ اور عربی ادب کے عالم تھے۔ (الاعلام للزركلي، ص: 126/6)

(⁴) المائدة: 54

(⁵) تفسیر الشعراوی، ص: 3229/6

(⁶) سید قطب (1906-1967)، صاحب ظلال، مصر کے اخوانی مفسر، مصنف، ادیب، اور شاعر تھے۔ (الاعلام للزركلي، ص: 147/3)

مقررہ حصوں کے حوالے سے شعر اوی سید قطب کا قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ومن الذي يفرض هذا النصيب؟ إنه الله الذي ملك وهو الذي فرض. هنا نلاحظ أن المرحوم الشهيد صاحب الظلال الوارفة الشيخ سيد قطب لحظ ملحظا جميلا هو: كيف يكون للمتوفي أولاد أو نساء محسوبون عليه ولا يأخذون؟ إن الصغار كانوا أولى أن يأخذوا لأن الكبار قد اشتدت أعوادهم وسواعدهم، فالصغار أولى بالرعاية، وأيضا إذا كانت قوانين «مندل» في الوراثة توضح أن الأولاد يرثون من أمهاتهم وآبائهم وأجدادهم الخصال الحسنة أو السيئة، أو المرض أو العفة أو الخلقة، فلماذا لا تورثونهم أيضا في الأموال؟"¹

(ترجمہ: یہ حصے کس نے مقرر کئے ہیں؟ بے شک اس اللہ نے جو مالک ہے اور بادشاہ ہے۔ یہاں صاحب ظلال شہید مرحوم شیخ سید قطب نے عمدہ تبصرہ کیا ہے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مرنے والے کے ایسے بچے اور بیویاں ہوں جنہیں شمار تو کیا جائے مگر انہیں حصہ وراثت نہ ملے؟ چھوٹے بچے تو وراثت کے زیادہ حقدار ہیں کیونکہ بالغ افراد کی لاٹھیاں اور بازو زیادہ مضبوط ہو چکے ہیں اور بچے رعایت کے زیادہ حقدار ہیں اور یہ بھی کہ اگر وراثت میں "مینڈل" کے قوانین اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ بچے اپنی ماؤں اور باپ دادا اور دادا سے ان کی اچھی یا بری خوبیوں، بیماری، عفت یا تخلیق کو ورثہ میں لیتے ہیں تو پھر آپ ان کو مال میں بھی کیوں وارث نہیں بناتے؟)

10۔ مفسرین کے اقوال کو بغیر تعین کے بیان کرنا

شعر اوی اکثر مقامات پر اسلاف میں سے بعض مفسرین کے اقوال کو نام ذکر کر کے بغیر بیان کرتے ہیں جیسا کہ

قول باری تعالیٰ:

﴿وَأَنذَلْ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقْبِلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْآخَرِ....﴾²

(ترجمہ: آدم (علیہ السلام) کے دونوں بیٹوں کا کھرا کھرا حال بھی انہیں سنا دو ان دونوں نے ایک نذرانہ پیش کیا، ان میں سے ایک کی نذر قبول ہو گئی اور دوسرے کی مقبول نہ ہوئی....)
اس آیت کی تفسیر میں شعر اوی فرماتے ہیں:

"ونعرف أن آدم هو أول الخلق البشري، وأن ابني آدم هما هابيل وقابيل، كما قال المفسرون. وقد قرب كل منهما قرباناً. والقربان هو ما يتقرب به العبد إلى الله"³

(ترجمہ: ہم جانتے ہیں کہ آدم پہلے انسان تخلیق ہوئے تھے اور ہابیل اور قابیل ان کے دو بیٹے تھے جیسا کہ مفسرین کہتے ہیں: ان دونوں نے قربانی دی اور قربانی ہر وہ چیز ہے جس سے بندہ اللہ کا قرب حاصل کرتا ہے۔)

(¹) تفسیر الشعر اوی، ص: 2015/4

(²) المائدہ: 27

(³) تفسیر الشعر اوی، ص: 3038/5

کتب احادیث رسول ﷺ

تفسیر قرآن کریم میں حدیث کو بیان کرنے کے حوالے سے شعر اوی کا تفصیلی منہج آگے بیان ہوگا۔ مختصر یہ ہے کہ شعر اوی نے تفسیر کرتے ہوئے احادیث رسول ﷺ سے استدلال کرنے کا بہت کم اہتمام کیا ہے اور شاید یہ اس تفسیر پر گرفت کا سبب بھی ہے کیونکہ احادیث رسول ﷺ شریعت اسلامی اور تفسیر قرآن کا دوسرا اہم ترین مصدر ہے۔ بہر حال جن کتب احادیث سے شعر اوی نے ذکر کیا ان میں سے بعض کا ذکر ہم کئے دیتے ہیں۔

1- صحیح بخاری

قول باری تعالیٰ:

﴿قَالَ لَوْ أَنَّ لِي بِكُمْ قُوَّةً أَوْ آوِي إِلَى رُكْنٍ شَدِيدٍ﴾¹

(ترجمہ: لوط نے کہا کاش مجھ میں تم سے مقابلہ کرنے کی قوت ہوتی یا میں کسی زبردست کا سراپکڑ پاتا)

کی تفسیر میں شعر اوی نے بیان فرمایا:

"وقد تعجب رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ من قول لوط، فقال فيما رواه البخاري: رحم الله أخي لوطاً كان يأوي إلى ركن شديد"²

(ترجمہ: بخاری کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ کو حضرت لوط علیہ السلام کی اس بات پر تعجب ہوا جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ میرے بھائی لوط علیہ السلام پر رحم فرمائے کہ وہ زبردست رکن کی پناہ لیتے تھے)

2- صحیح مسلم

آیت مبارکہ:

﴿وَمِنَ الَّذِينَ هَادُوا يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهِ...﴾⁴

(ترجمہ: اور وہ جو یہودی ہیں جھوٹ بولنے کے لیے جاسوسی کرتے ہیں وہ دوسری جماعت کے

جاسوس ہیں جو تجھ تک نہیں آئی بات کو اس کے ٹھکانے سے بدل دیتے ہیں کہتے ہیں کہ تمہیں یہ

حکم ملے تو قبول کر لینا اور اگر یہ نہ ملے تو بچتے رہنا)

کی تفسیر میں امام شعر اوی فرماتے ہیں کہ اس واقعہ کو امام مسلم نے کچھ اس طرح روایت کیا ہے:

((أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَى يَهُودِيٍّ وَيَهُودِيَّةً قَدْ زَنَيَا ، فَأَنْطَلَقَ رَسُولُ اللَّهِ

(1) ہود: 80

(2) یہ حدیث کچھ مختلف الفاظ کے ساتھ دیکھیے: صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب قول عز وجل { وَنَسْتَحْمُ عَنْ ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ }،

حدیث #3372

(3) تفسیر الشعر اوی، ص: 6581/11

(4) المائدہ: 41

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى جَاءَ يَهُودَ ، فَقَالَ : مَا تَجِدُونَ فِي التَّوْرَةِ عَلَى مَنْ
زَنَى؟ (1)... 2

یہاں آپ نے صحیح مسلم کی وہ روایت پورے نقل کی جس میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک یہودی مرد اور ایک یہودی عورت آئی دونوں نے زنا کیا تھا رسول اللہ ﷺ نے یہود سے تورات کی سزا کا استفسار کیا تو انہوں نے کہا: ہم دونوں کا منہ کالا کرتے ہیں اور انہیں (گدھے پر) ایک کا منہ ادھر اور ایک کا منہ ادھر (یعنی دونوں کی پیٹھ ملی رہتی ہے تاکہ لوگ دونوں کا منہ دیکھیں) کر کے بٹھا دیتے ہیں اور پھر ان کو چکر لگواتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اچھا تورات لاؤ اگر تم سچ کہتے ہو۔“ وہ لے کر آئے اور پڑھنے لگے جب رجم کی آیت آئی تو جو شخص پڑھ رہا تھا اس نے اپنا ہاتھ اس آیت پر رکھ دیا اور آگے اور پیچھے کا مضمون پڑھا، سیدنا عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ، یہودیوں کے عالم جو مسلمان ہو گئے تھے، وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے انہوں نے کہا: آپ اس شخص سے کہیے اپنا ہاتھ اٹھائے اس نے ہاتھ اٹھایا تو رجم کی آیت ہاتھ کے نیچے نکلی۔ پھر آپ ﷺ نے حکم دیا وہ دونوں رجم کیے گئے۔

3۔ مسند احمد

قول باری تعالیٰ:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسُكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ﴾³

(ترجمہ: اے ایمان والو! تمہیں اپنی فکر کرنا لازم ہے۔ جب تم خود راہ راست پر ہو گے تو کسی دوسرے کی گمراہی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی)

کی تفسیر میں شعر اوی فرماتے ہیں:

"امام احمد سے مروی ہے: "قَامَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَحَمِدَ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ وَأَثْنَى عَلَيْهِ فَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّكُمْ تَقْرَءُونَ هَذِهِ الْآيَةَ (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسُكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ) إِلَى آخِرِ الْآيَةِ وَإِنَّكُمْ تَضَعُونَهَا عَلَى غَيْرِ مَوْضِعِهَا وَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ إِنَّ النَّاسَ إِذَا رَأَوْا الْمُنْكَرَ وَلَا يُعَيِّرُوهُ أَوْ شَكَ اللَّهُ أَنْ يُعَمَّهُمْ بِعِقَابِهِ"⁴

(1) مسلم بن الحجاج أبو الحسن القشيري النيسابوري، (206-261ھ) صحیح مسلم، تحقیق: محمد فواد عبد الباقی، دار احیاء التراث العربی، بیروت، کتاب الحدود،

باب رجم الیہود اہل الذمۃ فی الزنی، حدیث #1691

(2) تفسیر الشعر اوی، ص: 3436/6

(3) المائدہ: 105

(4) ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی (164-241ھ)، مسند الامام احمد بن حنبل، المحقق: شعیب الارنؤوط و آخرون، مؤسسة الرسالۃ، بیروت، طبع:

دوم، 1999ء، مسند ابی بکر الصدیق، حدیث #16 حکم: صحیح (شیخ الارنؤوط)

(ترجمہ: ایک مرتبہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے تو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا: اے لوگو! تم اس آیت کی تلاوت کرتے ہو: (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ) اور تم اسے اس کے صحیح مطلب پر محمول نہیں کرتے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: بے شک جب لوگ گناہ کے کام کو ہوتا دیکھیں گے اور اسے بدلنے کی کوشش نہ کریں گے تو عنقریب ان سب کو اللہ کا عذاب گھیر لے گا)¹

یہاں سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کے درمیان پھیلنے والی ایک غلط فہمی کو حدیث رسول ﷺ سے دور فرمایا۔ قرآن و حدیث کی تعلیمات کی روشنی میں امت مسلمہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں بلکہ اس امت کی غرض تاسیس ہی یہی ہے۔

4۔ احادیث رسول ﷺ کی دیگر کتب

شعراوی نے اپنی تفسیر میں زیادہ تر احادیث بغیر حوالے کے نقل کی ہیں لیکن اگر ایک باحث ان احادیث کی تخریج کرے تو اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے اوپر بیان کی گئی کتب کے علاوہ سنن ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ، شعب الایمان، معجم الاوسط، مستدرک حاکم، صحیح ابن حبان اور شرح السنہ وغیرہ سے بھی احادیث ذکر کی ہیں جس کا مکمل استیعاب کرنا ہمارے لیے یہاں ممکن نہیں ہے۔

قوامیس و معاجم

شعراوی نے اپنی تفسیر میں لغوی مباحث کے دوران عام طور پر قوامیس وغیرہ کا حوالہ نہیں دیتے لیکن ایک باحث اگر شعراوی کی شرح مفردات کا موازنہ دیگر قوامیس لغت سے کرے تو یہ عیاں ہوتا ہے کہ آپ نے لسان العرب اور القاموس المحیط سمیت مختلف قوامیس لغت سے استفادہ کر رکھا تھا۔

فقہ میں ائمہ اربعہ کی آراء سے استفادہ

امام شعراوی نے فقہی مسائل میں امام ابو حنیفہ²، امام مالک³ اور امام شافعی⁴ کی آراء ذکر کی ہے لیکن فقہی مباحث میں امام احمد کی آراء سے استفادہ نہیں کیا۔ مثال کے طور پر قول باری تعالیٰ:

(1) تفسیر الشعراوی، ص: 3141/5

(2) ابو حنیفہ، نعمان بن ثابت بن زوطا بن مرزبان (80-150ھ)، عظیم عالم دین اور فقہ حنفی کے بانی ہیں۔ (امام شمس الدین الذہبی، سیر أعلام النبلاء، المحقق: مجموعة من المحققين بإشراف الشيخ شعيب الأرنؤوط، مؤسسة الرسال، طبع: سوم، 1405ھ، الطبعة الخامسة، ص: 390/6)

(3) مالک بن انس بن مالک بن عمر (93-179ھ)، امام دار الهجرة، عظیم فقیہ اور محدث ہیں۔ (امام ذہبی، سیر أعلام، الطبعة السابعة، ص: 48/8)

(4) محمد بن ادریس شافعی (150-204ھ)، اہل سنت کے تیسرے امام اور شافعی مذہب کے بانی ہیں۔ (امام ذہبی، سیر أعلام، الطبعة العاشرة، ص: 5/10)

﴿فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ بِآيَاتِهِ مُؤْمِنِينَ﴾¹ (ترجمہ: جس جانور پر اللہ کا نام لیا جائے اس میں سے کھاؤ! اگر تم اس کے احکام پر ایمان رکھتے ہو) کی تفسیر کے تحت شعر اوی فرماتے ہیں:

"وما معنى الذكر؟ إنَّ عدم تحديد العلماء المعنى المقصود بالذكر، هو الذي أوجد بينهم خلافاً كبيراً. فسيدنا الإمام مالك يرى أنك إذا ذبحت ولم تذكر اسم الله سواء أكنت ناسياً أم عامداً فلا يصح لك ان تأكل من الذبيحة. ويرى الإمام أبو حنيفة: إذا كنت لم تسم ناسياً فكل مما ذبحت، لكن إن كنت عامداً فلا تأكل، والإمام الشافعي - رضي الله عنه - يرى: ما دمت مؤمناً ومقبلاً على الذبح وأنت مؤمن فكل مما لم تذكر اسم الله ناسياً أو عامداً لأن إيمانك ذكر الله." ²

(ترجمہ: ذکر کا کیا معنی ہے؟ بلاشبہ علماء کی جانب سے لفظ ذکر کی تحدید نہ کرنا ہی ان کے اختلاف کی وجہ بنا ہے۔ سیدنا امام مالک کے مطابق اگر آپ نے ذبح کرتے ہوئے اللہ کا نام نہیں لیا چاہے بھول کر یا ارادی طور پر تو ایسی صورت میں آپ کے لیے اس میں سے کھانا صحیح نہیں ہے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک اگر آپ نام لینا بھول گئے ہیں تو آپ اس ذبیحہ میں سے کھا سکتے ہیں لیکن اگر ارادی طور پر آپ نے اللہ کا نام نہیں لیا تو آپ مت کھائیں جبکہ امام شافعی کے نزدیک اگر آپ مومن ہیں تو آپ اس میں سے کھا سکتے ہیں جس پر آپ اللہ کا نام لینا بھول گئے ہیں یا آپ نے جان بوجھ کر اس پر اللہ کا نام نہیں لیا کیونکہ آپ کا ایمان ہی اللہ کا ذکر ہے۔)

اسی طرح قول باری تعالیٰ:

﴿إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ﴾³

(بیشک تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمان اور زمین چھ دن میں بنائے پھر عرش پر استواء فرمایا)

کی تفسیر میں شعر اوی فرماتے ہیں:

"حينما سئل سيدنا الإمام مالك عن هذه المسألة قال لمن سألته: «الاستواء معلوم والكيف مجهول والسؤال عنه بدعة» وأراك رجل سوء! أخرجوه." ^{4 5}

(ترجمہ: سیدنا امام مالک سے جب اس مسئلہ سے متعلق سوال ہوا تو وہ سائل سے کہنے لگے: استواء معلوم ہے اور اس کی کیفیت مجہول ہے جبکہ اس کے متعلق سوال کرنا بدعت ہے اور میں تجھے برا آدمی پاتا ہوں!) (پھر حکم دیا) اسے نکال دو!

(1) الانعام: 118

(2) تفسیر الشعر اوی، ص: 3901/7

(3) الأعراف: 54

(4) أبو نعیم أحمد بن عبد اللہ بن أحمد الأصمہانی (المتوفی: 430 ہجری)، حلیۃ الأولیاء وطبقات الأصفیاء، السعادة، بجوار محافظة مصر، 1974ء، ص: 325/6

(5) تفسیر الشعر اوی، ص: 4169/7

شعراوی نے اپنی تفسیر میں جابجا عربی اشعار سے استشہاد کیا ہے لیکن وہ یہ بیان نہیں کرتے کہ یہ شعر کس کا ہے یا کس دیوان میں موجود ہے۔ مثال کے طور پر قول باری تعالیٰ:

﴿وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ عَسَىٰ أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا...﴾¹

(ترجمہ: رات کے کچھ حصے میں تہجد کی نماز میں قرآن کی تلاوت کریں یہ زیادتی آپ کے لیے ہے

عنقریب آپ کا رب آپ کو مقام محمود میں کھڑا کرے گا۔)

کی تفسیر میں شعراوی نے یہ شعر نقل کیا:

أَلَا لَيْتَ الشَّبَابَ يُعُودُ يَوْمًا فَأُخْبِرُهُ بِمَا فَعَلَ الْمَشِيبُ²

خلاصہ بحث:

بلاشبہ تفسیر الشعراوی ایک قیمتی خزانہ ہے جو شعراوی کے تقویٰ اور علمی اور خطیبانہ صلاحیتوں کو منہ بولتا ثبوت ہے۔ یہ پہلی مکمل عربی آڈیو تفسیر ہے جس میں عمیق علمی مباحث بھی آسان اور عام فہم اسلوب میں بیان ہوئی ہیں۔ یہ تفسیر عقل و نقل کا خوبصورت امتزاج ہے جس میں متداول مثالوں اور واقعاتی تفسیر کا اہتمام کیا گیا ہے۔ اس میں آیات قرآنی اور آیات آفاقی اور انفسی کے درمیان مطابقت پیدا کرتے ہوئے معانی سمجھائے گئے ہیں۔ شعراوی نے لغوی تفسیر میں زرخیزی اور دیگر مفسرین کی تشریحات کو آسان ترین انداز میں بیان فرمایا ہے۔ آپ نے اس میں اعجاز قرآنی اور خاص طور پر بلاغی اعجاز کو مبرہن کیا گیا ہے۔

مصر اور دیگر عرب ممالک کے علماء کے نزدیک یہ تفسیر ایک عظیم علمی میراث ہے جس سے دنیا بھر سے کڑوڑوں لوگ مستفید ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ ایسے عظیم کام کا شرف شعراوی کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہوا۔ البتہ اس تفسیر میں شعراوی نے کوئی ایک خاص منہج نہیں اپنایا، کبھی تفصیل تو کبھی اختصار سے کام لیا ہے۔ اسی طرح کچھ موضوعات کے متعلق جہاں بہت تفصیل موجود ہیں وہاں کچھ موضوعات کو نظر انداز کیا گیا ہے۔ شعراوی نے قدیم اور جدید مصادر تفسیر سے استفادہ کیا ہے البتہ تفسیر میں تفسیر بالماثور کے مقابلے میں تفسیر بالرأے کا غلبہ ہے۔ ایک جانب بعض مقامات پر آپ لغوی رائے کو کسی خبر پر ترجیح دے دیتے ہیں تو دوسری جانب اس میں بعض ضعیف بلکہ موضوع روایات بھی موجود ہیں۔ لیکن ان سب مواخذ کے باوجود اس تفسیر کا شمار عصر حاضر کی بہترین تفاسیر میں ہوتا ہے۔

(1) الاسراء: 79

(2) تفسیر الشعراوی، ص: 8703/14

مبحث دوم

بیان القرآن کا تعارف اور تفسیری اسلوب

الف۔ کتاب کا تعارف

قرآن مجید کی خدمات کے ضمن میں ڈاکٹر اسرار احمد کی ایک خدمت قرآن مجید کی تفسیر بھی ہے جو کہ "بیان القرآن" کے نام سے مشہور ہے۔ "بیان القرآن" ڈاکٹر صاحب کے شہرہ آفاق دورہ ترجمہ قرآن پر مشتمل ہے جو آپ ماہ رمضان المبارک میں نماز تراویح کے ساتھ فرمایا کرتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے 1984ء میں نماز تراویح کے ساتھ دورہ ترجمہ القرآن کا آغاز فرمایا تھا، جس کی ترتیب کچھ اس طرح تھی کہ ہر چار رکعت تراویح سے قبل ان رکعتوں میں پڑھی جانے والی آیات کا ترجمہ اور تشریح بیان ہوتی۔ 1998ء میں قرآن اکیڈمی، ڈیفنس، کراچی کی جامع مسجد میں ڈاکٹر صاحب نے دورہ ترجمہ القرآن فرمایا جس کی اعلیٰ پیمانے پر ڈیجیٹل ریکارڈنگ کی گئی۔ پھر اشاعت عامہ کی غرض سے پہلے تو اس دورہ قرآن کے پروگرام کو آڈیو اور ویڈیو کیسٹس اور Cds اور Dvds کی شکل میں محفوظ کیا گیا اور ان کے ذریعے اسے پوری دنیا میں متعارف کرایا گیا۔ بعد ازاں افادیت عامہ کے پیش نظر اسے کتابی شکل میں عمدہ طباعت کے ساتھ سات جلدوں میں شائع کیا۔ اس کی ترتیب و تسوید جناب خالد محمود خضر صاحب نے کی۔ اور اس کی اشاعت اول 2008ء میں مرکزی انجمن خدام القرآن خیبر پختونخواہ کے زیر اہتمام ہوئی۔

ڈاکٹر صاحب نے تفسیر کا آغاز مختصر مقدمہ سے کرنے کے بعد 89 صفحات اور آٹھ ابواب پر مبنی "تعارف قرآن" بیان کیا ہے۔ جس کے پہلے باب میں کلام الہی ہونے کی حیثیت سے قرآن کی عظمت، خاتم النبیین ﷺ پر اس کا نزول اور اور قیامت تک قرآن کی حفاظت کا بیان کیا ہے۔ پھر دوسرے باب میں قرآن کی زبان، اس کے اسماء و صفات اور اس کے اسلوب کلام کے حوالے سے بحث کی گئی ہے۔ تیسرے اور چوتھے باب میں قرآن کی ترتیب و تقسیم اور تدوین قرآن کے مراحل و واقعات کا ایک جامع تذکرہ ملتا ہے۔ پانچواں باب "قرآن کا موضوع" کے عنوان سے ہے۔ جس میں بتایا گیا ہے کہ قرآن کا اصل موضوع انسان ہے اور یہ کامل ترین کتاب قیامت تک آنے والے انسانوں کے لیے واحد نجات اور کامیابی کا ذریعہ ہے۔ چھٹے باب میں فہم قرآن کے اصولوں پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ قرآن کو سمجھنے کے لیے کیا چیزیں درکار ہیں۔ ساتویں باب میں اعجاز قرآن اور عظمت قرآن کا بیان ہے۔ قرآن کے اوصاف و خصائص کو بیان کیا گیا ہے۔ آخری باب میں اس چیز کا بیان ہے کہ قرآن جو کتاب ہدایت ہے اس سے ہمارے تعلق کی کیا صورت حال ہے اور کیا ہونا چاہیے۔ نیز اس چیز کا بھی بیان ہے کہ قرآن جو جبل اللہ ہے ایک مسلمان پر کیا حقوق رکھتا ہے۔¹

(۱) ڈاکٹر اسرار احمد، بیان القرآن، مکتبہ انجمن خدام القرآن، خیبر پختونخواہ، 2008ء، ص: 99-11/1

ب۔ بیان القرآن کا تفسیری اسلوب

بیان القرآن دعوتی اسلوب پر مبنی تفسیر ہے جو اردو زبان کی معرفت رکھنے والے افراد کے لیے قرآنی آیات کی تفہیم اور اس کی تعلیمات سے استفادہ کرنے کا بہترین وسیلہ ہے۔ یہ تفسیر ڈاکٹر صاحب کی عمر بھر کی علمی تحقیق کا نچوڑ ہے جو آسان و رواں ترجمہ کی سہولت، زبان کی روانی، دلنشین انداز بیان، علمیت اور داعیانہ انداز کی حامل ہے۔ تفسیر کے لیے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے جو منہج اختیار کیا ہے اس کا خاکہ ہم درج ذیل نکات میں بیان کر دیتے ہیں:

- (1) بیان القرآن ایک مکمل تفسیر ہے جو سورۃ الفاتحہ سے شروع ہو کر سورۃ الناس پر ختم ہوتی ہے۔¹
- (2) ڈاکٹر صاحب ہر سورت کے آغاز میں ایک تمہیدی گفتگو کرتے ہیں جس میں آپ سورت کے نام، عدد آیات، اس کے مکی مدنی ہونے، اور اس کے نزول کے پس منظر کے متعلق گفتگو کرتے ہیں۔²
- (3) علم مناسبات کے حوالے سے بیان القرآن امتیازی حیثیت رکھتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے نزدیک قرآن کریم کی تمام سورتیں سات مختلف گروپس میں منقسم ہے۔ آپ عام طور پر ہر گروپ کی پہلی سورت اور بعض اوقات بعد والی سورتوں کی تفسیر کے آغاز میں گروپ میں شامل سورتوں کا تذکرہ کرنے کے ساتھ ساتھ ان سورتوں کا باہمی ربط، ان کے مضامین کا تقابل اور اسلوب بھی بہت عمدہ انداز میں پیش کرتے ہیں۔³
- (4) سورتوں کے مضامین پر آپ کی گہری نظر ہے۔ ہر سورت کے مرکزی مضمون کے ساتھ سورت کو مضامین اور رکوعوں کے لحاظ سے مختلف حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ پھر ان حصوں میں جو رکوع اور آیات ہیں ان میں بیان کردہ مضامین پیش کرتے ہیں۔ البتہ آیات کے باہمی ربط پر اس تفسیر میں کم توجہ دی گئی ہے۔⁴
- (5) سیرت آپ کی تفسیر کا بنیادی مصدر ہے، آپ نے اسباب نزول اور پس منظر کا خصوصی اہتمام کیا ہے اور آپ بعض سورتوں کے فضائل بھی بیان کرتے ہیں۔ جیسا کہ سورۃ البقرۃ کے بارے میں آپ فرماتے ہیں:
"سورۃ البقرۃ کی اہمیت و فضیلت کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ اسے حضور ﷺ نے قرآن مجید کا ذرہ سنام یعنی کلا نگس قرار دیا ہے۔ حدیث کے الفاظ ہیں ((الْبَقْرَةُ سَنَامُ الْقُرْآنِ وَذُرْوَتُهُ))⁵ حجم کے اعتبار سے بھی قرآن کی سب سے بڑی سورت یہی ہے۔"⁶

(1) ڈاکٹر اسرار احمد، بیان القرآن، جلد 1-7

(2) مثال کے طور پر، ایضاً، ص: 119/1، 101/1

(3) تفصیل کے لیے مقالہ ہذا کے باب چہارم کی فصل چہارم کب بحث دوم ملاحظہ ہو

(4) ایضاً

(5) مسند احمد بن حنبل، مسند البصرین، حدیث #20300 حکم: ضعیف (شیخ الارنوط والہانی)

(6) ڈاکٹر اسرار احمد، بیان القرآن، ص: 120/1

(6) چھوٹی سورتوں میں مکمل سورت یا لمبی سورتوں میں سے چند آیات پیش کرتے ہیں پھر ایک ایک آیت کا آسان و سادہ با محاورہ ترجمہ اور مختصر تشریح پیش کرتے ہیں جبکہ بعض مقامات پر صرف با محاورہ ترجمہ پر ہی اکتفا کرتے ہیں اور بعض مقامات کی وضاحت تفصیلاً بھی کرتے ہیں۔¹

(7) ڈاکٹر صاحب نے قرآن کی تفسیر قرآن ہی سے کی ہے۔ بعض اوقات آیات کی وضاحت میں آیات ہی لاتے ہیں۔ چونکہ آپ نے بیان القرآن میں آیات کی مختصر تفسیر پیش کی ہے اس لیے اکثر و بیشتر قرآن مجید میں جہاں کہیں اسی معنی و مفہوم اور اس کی وضاحت سے متعلق آیات آئی ہوں ان کی صرف نشاندہی کر دیتے ہیں۔²

(8) آپ آیات کی وضاحت پیش کرتے ہوئے احادیث مبارکہ بھی بیان کرتے ہیں لیکن اس کا اہتمام بہت کم ہے۔³

(9) آپ نے تفسیر میں آسان، عام فہم مگر دلنشین انداز اپنایا ہے۔ آپ نے فصیح اردو کے ساتھ ساتھ انگریزی الفاظ کا بھی استعمال کیا ہے۔ اسی طرح آپ نے دقیق تفسیری مباحث سے اجتناب کرتے ہوئے ایک عام آدمی کی قرآن فہمی کے تقاضوں کے مطابق اختصار و جامعیت سے کلام کیا ہے۔ مثال کے طور پر حروف مقطعات کی تفسیر میں آپ فرماتے ہیں:

"یہ حروف مقطعات ہیں جن کے بارے میں یہ جان لیجیے کہ ان کے حقیقی، حتیٰ اور یقینی مفہوم کو کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے۔ یہ ایک راز ہے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے مابین۔ حروف مقطعات کے بارے میں اگرچہ بہت سی آراء ظاہر کی گئی ہیں، لیکن ان میں سے کوئی شے رسول اللہ ﷺ سے منقول نہیں ہے۔ البتہ یہ بات ثابت ہے کہ اس طرح کے حروف مقطعات کا کلام میں استعمال عرب میں معروف تھا، اس لیے کسی نے ان پر اعتراض نہیں کیا۔..."⁴

(10) بعض مقامات پر آپ نے مفردات کی شرح بھی کی ہے۔ اسی طرح آپ کی تفسیر میں بعض مقامات پر لغوی مباحث بھی ملتی ہیں۔ جہاں ضروری معنی و مفہوم کی وضاحت درکار ہو وہاں آپ عربی قواعد کی رو سے مفہوم واضح کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگرچہ ایسے مقامات بہت ہی کم ہیں۔ مثال کے طور پر قول باری تعالیٰ:

﴿وَمَنْ يَرْغَبْ عَنْ مِلَّةِ إِبْرَاهِيمَ﴾⁵ (ترجمہ: کون ہوگا جو ابراہیم کے طریقے سے منہ موڑے)

میں لفظ يَرْغَبْ کی حدیث کی رو سے تفسیر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

(1) مثلاً: بیان القرآن، ص: 101/1، 122/1 وغیرہ

(2) تفصیل آگے مقالہ ہذا کے باب دوم کی فصل اول کی بحث دوم میں ہے۔

(3) تفصیل آگے مقالہ ہذا کے باب دوم کی فصل دوم کی بحث دوم میں ہے۔

(4) بیان القرآن، ص: 122/1

(5) البقرة: 130

"رغبت کا لفظ عربی زبان میں دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ "رغب الی" کا مفہوم ہے کسی شے کی طرف رغبت ہونا، محبت ہونا، میلان ہونا جبکہ "رغب عن" کا مطلب ہے کسی شے سے متنفر ہونا، کسی شے سے اباء کرنا، اسے چھوڑ دینا۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔ ((فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي))¹ پس جسے میری سنت ناپسند ہو تو وہ مجھ سے نہیں۔"²

(11) اسرائیلیات کے بارے میں آپ کا موقف یہ ہے کہ تورات، انجیل، زبور اور صحف ابراہیم وغیرہ میں تحریف ہو گئی ہے۔ لہذا ان کتابوں کی کوئی شے قرآن پر حجت نہیں ہوگی۔ جو چیز قرآن سے ٹکرائے گی اس کو رد کیا جائے گا لیکن جہاں قرآن مجید کی کسی بات کی نفی نہ ہو رہی ہو وہاں ان سے استفادہ میں کوئی حرج نہیں۔ بہت سے حقائق ایسے ہیں جو ہمیں ان کتابوں ہی سے ملتے ہیں۔ مثلاً انبیاء کے درمیان زمانی ترتیب ہمیں تورات سے ملتی ہے جو قرآن میں نہیں ہے۔³

(12) ڈاکٹر صاحب تفسیر بیان کرتے ہوئے اپنی رائے دینے کی بجائے دیگر مفسرین کی آراء کو بیان کرنا پسند کرتے تھے۔ خصوصاً جمہور مفسرین کا جس بات پر اتفاق ہوتا ہے آپ اسی رائے کو ترجیح دیتے تھے۔ البتہ بعض اوقات کسی ایک مفسر کی منفرد رائے کو جمہور کی آراء پر معتبر گردانتے تھے۔

(13) آپ نے اپنی تفسیر میں اہل کتاب اور مسلمانوں کے اندر آنے والے گمراہ عقائد کی نہ صرف نشاندہی کی بلکہ ان کا رد بھی کیا۔⁴

(14) ڈاکٹر اسرار احمد نے مذاہب عالم کے مابین تقابلی تجزیات بھی اپنی تفسیر میں بیان کئے ہیں۔ مثلاً قول باری تعالیٰ:

﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ...﴾⁵

(ترجمہ: یہود کہتے ہیں عزیز اللہ کا بیٹا ہے اور نصرانی کہتے ہیں مسیح اللہ کا بیٹا ہے یہ قول صرف ان کے منہ کی بات ہے۔ اگلے منکروں کی بات کی یہ بھی نقل کرنے لگے اللہ انہیں غارت کرے وہ کیسے پلٹائے جاتے ہیں)

کی تفسیر میں آپ نے عقیدہ تثلیث کے منبع کا ذکر کیا ہے کہ تثلیث کا عقیدہ سب سے پہلے مصر کے قدیم مذہب "متھرازم" کے پیروکاروں نے گھڑا تھا۔ اس حوالے سے انہوں نے یہ تین کردار متعارف کرائے

(¹) صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح، حدیث #4776

(²) بیان القرآن، ص: 222/1

(³) ایضاً، ص: 124/1

(⁴) تفصیل آگے مقالہ ہذا کے باب پنجم کی فصل دوم کی بحث دوم میں ہے۔

(⁵) التوبہ: 30

تھے: یعنی خدا، خدا کا بیٹا حورس اور اس کی ماں آئسس دیوی¹۔ یہ پہلی تثلیث تھی جو مصر میں بنی تھی۔ پھر جب سینٹ پال نے عیسائیت کی تبلیغ شروع کی اور اس کا دائرہ غیر اسرائیلیوں تک پھیلا تو اہل مصر کی نقالی میں تثلیث جیسے نظریات عیسائیت میں بھی شامل کر لیے گئے تاکہ نئے لوگوں کو عیسائیت اختیار کرنے میں آسانی ہو۔ چنانچہ عیسائیت میں جو پہلی تثلیث شامل کی گئی وہ ”خدا، خدا کا بیٹا یسوع اور مریم مقدس“ کے کرداروں پر مشتمل تھی گویا کہ اس تثلیث کا بنیادی تصور متھرا ازم سے لیا گیا تھا۔²

(15) آپ نے بیان القرآن میں آیات قرآنی کی فقہی تفسیر کے دوران کسی ایک فقہی مذہب کی تقلید سے گریز کرتے ہوئے تفسیر کو اجمالی تشریح و تفہیم تک محدود رکھا ہے۔ البتہ آپ نے فرقہ پرستی کی شدید مذمت کی ہے۔ مثال کے طور پر قول باری تعالیٰ:

﴿أَمْ تَقُولُونَ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطَ كَانُوا هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ قُلْ أَنْتُمْ أَغْلَمُ أَمْ اللَّهُ ۚ﴾³ (ترجمہ: (اے یہود و نصاریٰ) کیا تم کہتے ہو کہ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب (علیہم السلام) اور ان کی اولاد یہودی یا نصرانی تھے؟ کہہ دو کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ تعالیٰ؟)

کی تفسیر میں آپ فرماتے ہیں:

"یہی بات آج مسلمانوں کو سوچنا چاہیے کہ محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب دیوبندی تھے، بریلوی تھے، اہل حدیث تھے یا شیعہ تھے؟ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اخلاص کا تقاضا یہ ہے کہ ان تقسیموں سے بالاتر رہا جائے۔ ٹھیک ہے ایک شخص کسی فقہی مسلک کی پیروی کر رہا ہے، لیکن اس مسلک کو اپنی شناخت بنا لینا، اسے دین پر مقدم رکھنا، اس مسلک ہی کے لیے ساری محنت و مشقت اور بھاگ دوڑ کرنا، اور اسی کی دعوت و تبلیغ کرنا، دین کی اصل حقیقت اور روح کے یکسر خلاف ہے۔"⁴

(16) آپ نے جہاں ضرورت محسوس کی وہاں عام مثالوں کے ذریعے بھی مفہوم کی وضاحت فرمائی۔ جیسا کہ قول باری تعالیٰ:

﴿وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ۖ ۝۵﴾ (ترجمہ: اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔۔۔۔۔)

(¹) God the Father, Horus the Son of God and Isis the Mother Goddess

(²) بیان القرآن، ص: 277/2

(³) البقرة: 140

(⁴) بیان القرآن، ص: 227/1

(⁵) البقرة: 30

کی تفسیر میں آپ فرماتے ہیں:

"1947ء سے پہلے ہم انگریز کے غلام تھے، ہمارا اصل حاکم انگلستان میں تھا جبکہ دہلی میں وائسرائے ہوتا تھا۔ وائسرائے کا کام یہ تھا کہ "His Majesty" یا "Her Majesty" کی حکومت کا جو بھی حکم موصول ہوا اسے بلاچوں و چربغیر کسی تغیر اور تبدل کے نافذ کرے۔ البتہ وائسرائے کو اختیار حاصل تھا کہ اگر کسی معاملے میں انگلستان سے حکم نہ آئے تو یہاں کے حالات کے مطابق اپنی بہترین رائے قائم کرے۔ وہ غور و فکر کرے کہ یہاں کی مصلحتیں کیا ہیں اور جو چیز سلطنت میں ہو اس کے مطابق فیصلہ کرے بعینہ یہی رشتہ کائنات کے اصل حاکم اور زمین پر اس کے خلیفہ کے مابین ہے"¹

(17) ڈاکٹر صاحب کی تفسیر داعیانہ اسلوب پر مبنی ہے جس میں جا بجا مسلمانوں کو دعوت اصلاح اور دعوت اقامت دین دی گئی ہے۔ آپ مسلمانوں کو دین اسلام کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھالنے اور دین کے تقاضوں کی ادائیگی پر زور دینے کے ساتھ ساتھ افراد کی تربیت کے لیے ان کی کمزوریوں کی نشاندہی بھی کرتے ہیں۔ مثلاً آپ ایک مقام پر رقمطراز ہیں:

"جب مذہب اور دین پیشہ بن جائے تو اس میں کوئی خیر باقی نہیں رہتا۔ دین اور مذہب پیشہ نہیں تھا، لیکن اسے پیشہ بنالیا گیا۔ اسلام میں کوئی پیشوائیت نہیں، کوئی پاپائیت نہیں، کوئی برہمنیت نہیں۔ اسلام تو ایک کھلی کتاب کی مانند ہے۔ ہر شخص کتاب اللہ پڑھے، ہر شخص عربی سیکھے اور کتاب اللہ کو سمجھے۔ ہر شخص کو عبادات کے قابل ہونا چاہیے۔ ہر شخص اپنی بچی کا نکاح خود پڑھائے، اپنے والد کا جنازہ خود پڑھائے۔"²

ت۔ بیان القرآن کے تفسیری مصادر

ڈاکٹر صاحب ایک داعی تھے نہ کہ مفسر کیونکہ آپ نے باقاعدہ طور پر ایک مفسر کے مطلوبہ علوم نہیں حاصل کر رکھے تھے یعنی وہ مصادر جن سے استفادہ کرتے ہوئے ایک مفسر تفسیر کا اہل بنتا ہے۔ مثلاً: علوم قرآن، علوم حدیث، علوم لغت و بلاغت، علوم فقہ اور اصول فقہ، علم تصوف و سلوک، وغیرہ۔ آپ خود رقمطراز ہیں:

"میں عالم دین ہونے کا ہر گز مدعی نہیں بلکہ مجھے اپنی کم علمی کا پورا اعتراف ہے۔ گویا بقول علامہ اقبال مرحومؒ "میں نہ عارف، نہ مجدد، نہ محدث، نہ فقیہ!" لہذا مجھے فقہی معاملات میں رائے دینے کا ہر گز کوئی شوق نہیں، بلکہ میں صاف اقرار کرتا ہوں کہ مجھ میں اس کی اہلیت ہی موجود نہیں ہے... میری کل حیثیت قرآن کے ایک ادنیٰ طالب علم اور دین کے ایک ادنیٰ خادم کی ہے۔ البتہ قرآن کے مطالعے سے مجھے یہ ضرور معلوم ہو گیا ہے کہ

(¹) بیان القرآن، ص: 144/1

(²) ایضاً، ص: 211/1

دین میں مقدم کیا ہے اور موخر کیا، اولیت کسے حاصل ہے اور ثانوی درجہ کس کا ہے، جڑ اور اصل کی حیثیت رکھنے والی چیزیں کون سی ہیں اور فروعات کی حیثیت کن کی ہے۔¹

آپ نے اپنی تفسیر میں بہت سارے مصادر سے استفادہ کیا ہے جن کا احاطہ ہمارے لیے ممکن نہیں ہے، البتہ آپ نے اپنی قرآنی فکر کے بنیادی مصادر کے متعلق واضح انداز میں بیان فرمادیا۔ ڈاکٹر صاحب ایک مقام پر فرماتے ہیں:

"مجھے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کا جو تھوڑا بہت فہم اور فکر دیا ہے اس کے ذرائع (sources) میں آٹھ اشخاص بہت نمایاں ہیں۔ ان میں سے دو "ابوین" ہیں، یعنی ابوالاعلیٰ مودودی اور ابوالکلام آزاد۔ دو "دکترین" ہیں، یعنی ڈاکٹر محمد اقبال اور ڈاکٹر رفیع الدین۔ دو "شیخین" ہیں، یعنی شیخ الہند مولانا محمود حسن اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی۔ قرآن فہمی میں میں نے شیخ الہند مولانا محمود حسن کا ترجمہ قرآن مجید بہت مفید پایا ہے، جس پر شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کے حواشی ہیں۔ ان کے علاوہ دو "حی این" ہیں، یعنی مولانا حمید الدین فراہی اور مولانا امین احسن اصلاحی، جنہوں نے قرآن مجید کے مضامین کے اندر موجود نظم کو واضح کیا ہے۔"²

ایک اور مقام پر آپ فرماتے ہیں:

"اب خواہ اسے کوئی باندازِ تحقیر راقم کے مطالعہ قرآن کا حدودِ اربعہ کہہ لے خواہ بطرزِ استہزا اسے اس کا مبلغ علم قرار دے لے، بہر حال واقعہ یہی ہے کہ راقم کی قرآنی سوچ کا اصل تانا بانا ان ہی ابعادِ اربعہ سے تیار ہوا ہے"³

یعنی آپ نے آیات کی جو تفسیر بیان کی ہے وہ زیادہ تر انہیں اشخاص میں سے کسی ایک کی رائے پر مبنی ہوتی ہے مگر ان آراء کے مابین تطبیق و ترجیح کا کام آپ کی ذاتی بصیرت پر مبنی تھا جیسا کہ آپ ایک مقام پر فرماتے ہیں:

"مجھ پر اللہ تعالیٰ کا ایک خاص فضل و کرم اس اعتبار سے بھی ہوا کہ اس نے مجھے کسی ایک لکیر کا فقیر ہونے سے بچا لیا۔ چنانچہ قرآن کے علم و فہم کے ضمن میں میرے استفادہ کا حلقہ بہت وسیع بھی ہے اور بعض اعتبارات سے تضادات کا حامل بھی!.. میرے علم و فہم قرآن کے "حوض" میں تفسیر قرآن کے چار سلسلوں کی نہروں سے پانی آتا رہا، جن پر پانچواں اضافہ میری تعلیم میں شامل علومِ طبعیہ کے مبادیات کا علم تھا پھر اللہ نے مجھے جو منطقی ذہن عطا فرمایا تھا اس کے ذریعے ان پانچ سلسلوں سے حاصل شدہ معلومات میں "تجمیع و توافق" (synthesis) قائم کیا۔ جس کی بنا پر بجز اللہ میرے "بیان القرآن" کو ایک جامعیت حاصل ہو گئی۔ اور غالباً یہی اس کی مقبولیت کا اصل راز ہے۔"⁴

لیکن اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ آپ نے اس کے علاوہ دیگر تفاسیر کا مطالعہ نہ کر رکھا تھا۔ ڈاکٹر صاحب اردو، انگریزی اور عربی زبان اور ان کے قواعد سے آگاہی رکھتے تھے، باقاعدہ دینی تعلیم نہ ہونے کے باوجود آپ کا

(1) اسرار احمد، عزمِ تنظیم، ص: 52

(2) اسرار احمد، علامہ اقبال، قائد اعظم اور نظریہ پاکستان، ص: 18

(3) اسرار احمد، دعوتِ رجوع الی القرآن کا منظر اور پس منظر، ص: 131

(4) بیان القرآن، ص: 6/1

مطالعہ بہت زیادہ تھا۔ آپ نے عربی، اردو اور انگریزی زبان کے وسیع لٹریچر کا مطالعہ کر رکھا تھا اور آپ نے ان کے حوالے بھی دیے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:

"میں اپنے دروس کے لیے تیاری کے ضمن میں جو مطالعہ کرتا اور مختلف عربی اور اردو تفاسیر سے رجوع کرتا اور پھر اپنے ذاتی غور و فکر سے بھی کام لیتا تو اس کے نتیجے میں مجھ پر قرآن کی عظمت مزید منکشف ہوتی چلی گئی اور اس قول کو ہر گز کسی مبالغے پر مبنی نہ سمجھا جائے کہ قرآن نے مجھے اپنا "اسیر" (possess) کر لیا۔"¹

اس خارجی مطالعے کے علی الرغم آپ نے سب سے زیادہ توجہ مطالعہ قرآن حکیم کو ہی دے رکھی تھی۔ آپ کی تفسیر میں یہ واضح دکھائی دیتا ہے کہ آپ نے اولین سطح پر ہمیشہ قرآن کو قرآن سے ہی سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ بیان القرآن کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو ایک آیت کی تفسیر سے متعلق دوسری آیات حفظ تھیں۔ آپ ایک آیت کے تحت کسی موضوع کو بیان کرتے ہیں تو اس کے استشہاد میں قرآن کی دوسری آیت بیان کرتے ہیں۔ اسی طرح آپ نے اکثر مقامات پر حدیث سے بھی استشہاد کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی تاویلات من مانی نہیں ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنی تفسیر میں جن مصادر کی جانب اشارہ دیا ہے ان میں سے بعض کا تذکرہ ذیل میں کیا جا رہا ہے۔

کتب تفسیر

ڈاکٹر صاحب نے اپنی تفسیر میں متعدد کتب تفسیر سے استفادہ کیا جن میں سے بعض کا آپ نے تذکرہ فرمایا اور بعض کا ذکر نہیں کیا۔ جن تفاسیر کا آپ نے حوالہ دیا وہ درج ذیل ہیں:

1- تفسیر طبری

سورۃ الحج کے متعلق اختلاف ہے کہ آیا یہ مکی ہے یا مدنی، جمہور مفسرین نے اس بات پر اتفاق کیا کہ یہ مکی ہے اور اس میں بعض آیات مدنی ہیں اور ان آیات کی تصریح اور تعداد میں اختلاف ہے۔ قول باری تعالیٰ:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَعْْبُدُ اللَّهَ عَلَىٰ حَرْفٍ...﴾²

(ترجمہ: بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ ایک کنارے پر (کھڑے) ہو کر اللہ کی عبادت کرتے ہیں) تفسیر میں ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:

"اس آیت میں منافقانہ کردار کا ذکر ہے۔ اسی طرح اس سورت (سورۃ الحج) میں جہاد کا ذکر بھی ملتا ہے۔ منافقت اور جہاد چونکہ مدنی سورتوں کے موضوعات ہیں اس لیے سورۃ الحج کو بعض مفسرین مدنی سورت مانتے ہیں، لیکن میرے نزدیک یہ مکی ہے۔ تفسیر طبری میں منقول جبر الامت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے قول

(¹) بیان القرآن، ص: 6/1

(²) الحج: 11

سے اس خیال کی تائید ہوتی ہے کہ اس سورت کی کچھ آیات (۴۱ تا ۳۸) اثنائے سفر ہجرت میں نازل ہوئیں۔
چنانچہ ان آیات کو ”برزخی آیات“ کہنا چاہیے۔¹

2۔ تفسیر رازی (مفتاح الغیب)

ڈاکٹر صاحب امام رازی سے بہت متاثر تھے اور مختلف مقامات پر آپ ان کا حوالہ بھی دیتے رہے ہیں۔ مثال کے طور پر قول باری تعالیٰ:

﴿هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾² (ترجمہ: وہی اول ہے اور

آخر ہے اور ظاہر ہے اور پوشیدہ ہے اور وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے)

کی تفسیر میں آپ فرماتے ہیں:

"کتنے ہی مفسرین ہیں جو سورۃ الحديد کی تیسری آیت { هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ

عَلِيمٌ } کی تفسیر کیے بغیر آگے گزر گئے ہیں، لیکن امام رازی جب اسے پڑھتے ہیں تو ان کی نظر کسی اور ہی جہان کا

نظارہ کرتی ہے، اس کا اظہار وہ اس طرح کرتے ہیں: اِعْلَمَنَّ أَنَّ هَذَا الْمَقَامَ مَقَامٌ غَامِضٌ عَمِيقٌ مُهَيْبٌ

³ (ترجمہ: جان لو کہ یہ مقام بہت مشکل، بہت گہرا اور بہت پُر ہیبت ہے!) یہ قرآن کا معجزاتی پہلو ہے اور اس کا

تعلق دیکھنے والی آنکھ سے ہے۔"⁴

3۔ موضح القرآن (شاہ عبدالقادر محدث دہلوی⁵)

ڈاکٹر صاحب نے اپنے تفسیری دروس کی تیاری میں سب سے زیادہ استفادہ شاہ عبدالقادر کے ترجمہ قرآن

سے کیا ہے اور بعض مقامات پر آپ نے ان کے ترجمہ کو بطور دلیل بھی پیش کیا ہے۔

مثال کے طور پر قول باری تعالیٰ: ﴿كَأَلَا إِذَا دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكًّا دَكًّا﴾⁶ کے ترجمہ کے حوالے سے مترجمین میں

اختلاف پایا جاتا ہے۔ سب اختلاف یہ ہے کہ لفظ "دک" سے مراد ہے کسی چیز کو مار کر یا کوٹ کر یا توڑ کر ایسے ہموار کر

دینا کہ اس میں کوئی اونچائی نہ رہے۔⁷ اس آیت کا ترجمہ کرتے ہوئے آپ رقم طراز ہیں:

(¹) بیان القرآن، ص: 22/5

(²) الحديد: 3

(³) تفسیر رازی، 444/29

(⁴) بیان القرآن، ص: 169/5-170

(⁵) شاہ عبدالقادر محدث دہلوی (1753-1814ء)، مبر صغیر کے ممتاز عالم دین اور شاہ ولی اللہ دہلوی کے تیسرے صاحبزادے تھے، (عبدالحی الطاہری،

نزہۃ النواظر و بھیم المسامح والنواظر، ص: 1027/7)

(⁶) الفجر: 21

(⁷) تاج العروس من جواهر القاموس، الزبیدی، ص: 27/150

"(ہر گز نہیں! جب زمین کو کوٹ کوٹ کر ہموار کر دیا جائے گا۔) اس آیت کا یہ ترجمہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ارجمند شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ کے مطابق ہے، جبکہ ان کے بھائی شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ: جب زمین کو ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا۔"¹

مولانا مودودی اس آیت کا ترجمہ ان الفاظ میں کرتے ہیں: (ہر گز نہیں، جب زمین پے در پے کوٹ کوٹ کر ریگ زار بنا دی جائے گی)

4۔ تفسیر مظہری (قاضی ثناء اللہ پانی پتی²)

ڈاکٹر صاحب قاضی ثناء اللہ پانی پتی کے متعلق فرماتے ہیں:

"اولین آدوار کے بزرگانِ دین تو جامع الصفات تھے۔ جو صوفی تھے وہ بہت بڑے عالم اور مفتی بھی ہوا کرتے تھے۔ برصغیر میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ ایسی ہی ایک جامع شخصیت تھے۔ آپ مفتی، مفسر اور محدث بھی تھے اور بہت بڑے صوفی اور مرشد بھی۔"³

سورۃ الصّٰحٰی کی تمہید بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب تفسیر مظہری کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے تفسیر مظہری میں لکھا ہے کہ روحانی انقباض کی کیفیت میں اس سورت کا پڑھنا تریاق کا درجہ رکھتا ہے.... یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے نفسیاتی طور پر انسان کے مزاج کے دورخ ہیں۔ کبھی انسان کی طبیعت ہشاش بشاش اور ہنسنے کھیلنے پر آمادہ ہوتی ہے اور کبھی وہ غمگین و افسردہ ہوتا ہے۔"⁴

یہاں ڈاکٹر صاحب نے قاضی ثناء اللہ صاحب کے قول کا تذکرہ شاید اس مناسبت سے کیا ہے کہ اس سورت کے نزول سے قبل رسول اللہ ﷺ پر کچھ عرصہ وحی کا سلسلہ رک گیا تھا اور مشرکین نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ محمد چھوڑ دیے گئے ہیں!⁵ جس کے سبب آپ کسی قدر غمزدہ تھے لہذا اس سورت میں آپ ﷺ کو تسلی دی گئی۔

5۔ تفسیر عثمانی (مولانا شبیر احمد عثمانی)

آپ نے متعدد مقامات پر مولانا شبیر احمد عثمانی کی تفسیری آراء کا حوالہ دیا ہے۔ مثال کے طور پر قول باری

تعالیٰ:

﴿أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ﴾⁶

(¹) بیان القرآن، ص: 470/7

(²) قاضی ثناء اللہ پانی پتی (1730-1810ء) اپنے عہد کے عظیم فقیہ، محدث، محقق اور مفسر تھے۔ (عبدالحی الطاہری، نزہۃ الخواطر و بحجۃ المسامح والنواظر، ص: 992/7)

(³) بیان القرآن، ص: 352/7

(⁴) ایضاً، ص: 491/7

(⁵) صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر، باب ما لقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم من اذی المشرکین والمنافقین، حدیث #1797

(⁶) الشرح: 1

(ترجمہ: کیا ہم نے آپ کے لیے آپ کا سینہ نہیں کھول دیا؟)

کے تحت آپ لکھتے ہیں:

"یعنی ہم نے آپ ﷺ کا اضطراب کم کر کے آپ ﷺ کے دل کو ایک ٹھہراؤ اور سکون عطا فرما دیا ہے۔ مولانا شبیر احمد عثمانی اس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں: "اس میں علوم و معارف کے سمندر اتار دیے اور لوازم نبوت اور فرائض رسالت برداشت کرنے کو بڑا وسیع حوصلہ دیا۔"¹

اس آیت کا یہی مفہوم ابن کثیر، بغوی اور دیگر مفسرین نے بھی بیان کیا ہے۔ بلاشبہ نزول قرآن تو اگر پہاڑ پر ہوتا تو وہ بھی ریزہ ریزہ ہو جاتا مگر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے قلب اطہر کو نزول قرآن کے قابل بنایا۔

6۔ مولانا مناظر احسن گیلانی² (تفسیر سورہ کہف)

سورۃ الکہف کی تفسیر کے دوران فتنہ دجال کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:

"اس موضوع کے بارے میں یہاں صرف اس قدر جان لینا ہی کافی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قرب قیامت کے زمانے میں دجال کے ظاہر ہونے اور ایک بہت بڑا فتنہ اٹھانے کے بارے میں خبریں دی ہیں۔ جو حضرات اس حوالے سے تفصیلی معلومات چاہتے ہوں وہ مولانا مناظر احسن گیلانی کی کتاب 'تفسیر سورۃ الکہف' کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔"³

مذکورہ کتاب 179 صفحات اور سات ابواب پر مشتمل ہے جس میں مولانا مناظر احسن گیلانی نے پہلے فتنہ دجال کے نمایاں خدوخال اور اس حوالے سے ابن حزم کا موقف بیان کیا ہے جس کے بعد فتنہ دجال کے حوالے سے سورہ کہف میں اشارات، نظریہ ارتقاء اور عیسائیت و کلیسا کے متعلق کلام کیا ہے۔ پھر آپ نے سورت میں مذکورہ مضامین بشمول اصحاب کہف، دو آدمیوں، قصہ آدم و ابلیس، موسیٰ و خضر، ذوالقرنین اور یاجوج ماجوج کے حوالے سے آیات کی روشنی میں تفصیلی گفتگو کی ہے۔ اس دوران آپ نے ایک طرف سورت کے مضامین کی تفسیر اور ان کی فتنہ دجال کی مناسبت کے متعلق کلام کے ساتھ عملی رہنمائی بھی حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔

7۔ تفہیم القرآن (مولانا مودودی)

آپ کی قرآنی فکر پر مولانا مودودی کا گہرا اثر تھا اور آپ نے قرآن کریم کی آیات کی تشریحات کے دوران متعدد مقامات پر سید مودودی کی تفسیری آراء کو بیان کیا ہے۔ مثال کے طور پر سورہ یوسف کی تفسیر کے تحت آپ

(¹) بیان القرآن: 496/7

(²) سید مناظر احسن گیلانی، سلطان القلم (1892-1956ء) ہند کے مشہور عالم دین، مفسر قرآن و محدث، مصنف اور مقرر تھے۔ (ڈاکٹر فاروق اعظم قاسمی، مناظر گیلانی، پروفیسر علامہ سید مناظر احسن گیلانی کے احوال و اشعار کا مجموعہ، مرکزی پبلی کیشنز نئی دہلی، 2006ء)

(³) بیان القرآن، ص: 343/4

فرماتے ہیں:

"حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے کے سلسلے میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے بہت عمدگی کے ساتھ تورات اور قرآن کا تقابلی مطالعہ پیش کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کے حسن بیان اور اس کے حکیمانہ انداز کا معیار اس قدر بلند ہے کہ تورات میں اس کا عشر عشیر بھی نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اصل تورات تو گم ہو گئی تھی۔ بعد میں حافظے کی مدد سے جو تحریریں مرتب کی گئیں، ان میں ظاہر ہے وہ معیار تو پیدا نہیں ہو سکتا تھا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ تورات میں تھا۔"¹

بلاشبہ قرآن کریم کا اسلوب بیان بہت بلند ہے غرضیکہ سورہ یوسف کے علاوہ بھی دیگر واقعات اور مضامین کے بیان میں حقانیت اور اسلوب کے اعتبار سے قرآن کریم نہ صرف دیگر تمام کتب سے افضل ہے بلکہ ان پر مسمین بھی ہے۔

8۔ تدبر قرآن (مولانا امین احسن اصلاحی)

مولانا امین احسن اصلاحی سے ڈاکٹر اسرار احمد کے دیرینہ تعلقات رہے ہیں جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد کے بقول آپ کے فہم قرآن میں مولانا موصوف کی تفسیر "تدبر قرآن" کا بہت اہم کردار ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

"مولانا صاحب کی تفسیر "تدبر قرآن" بلاشبہ بہت اعلیٰ پائے کی تفسیر ہے۔... میں نے ذاتی طور پر اس تفسیر سے بہت استفادہ کیا ہے، لیکن مجھے مولانا سے بہت سی باتوں میں اختلاف بھی تھا۔"²

آپ نے مولانا اصلاحی کے تصور نظم قرآن (جو انہوں نے اپنے استاد مولانا حمید الدین فراہی سے اخذ کیا تھا) اور تفسیری آراء سے خوب استفادہ کیا ہے۔ مثال کے طور پر قول باری تعالیٰ:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ﴾³

(ترجمہ: اور لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو (زبان سے تو) کہتے ہیں کہ "ہم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائے ہیں۔" حالانکہ وہ مومن نہیں ہیں)

کی تفسیر کے دوران آپ رقم طراز ہیں:

"اکثر و بیشتر مفسرین نے اس تیسری قسم (category) کے بارے میں یہی رائے قائم کی ہے کہ یہ منافقین کا تذکرہ ہے، اگرچہ یہاں لفظ منافق یا لفظ نفاق نہیں آیا۔ لیکن مولانا امین احسن اصلاحی صاحب نے اس کے

(¹) بیان القرآن، ص: 146/4

(²) ایضاً: 118/5

(³) البقرة: 8

بارے میں ایک رائے ظاہر کی ہے جو بڑی قیمتی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ یہاں ایک کردار کا نقشہ کھینچ دیا گیا ہے، غور کرنے والے غور کر لیں، دیکھ لیں کہ وہ کس پر چسپاں ہو رہا ہے۔"¹

علماء کی تفسیری آراء

معروف کتب تفاسیر کے علاوہ بھی ڈاکٹر صاحب نے متعدد علماء کی تفسیری آراء سے استفادہ کیا جن میں سے درج ذیل قابل ذکر ہیں:

1۔ شاہ عبدالقادر جیلانی²

سورۃ الانعام کی آیت:

﴿إِنَّ اللَّهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوَى، يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ---﴾³
(ترجمہ: بلاشبہ اللہ ہی دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والا ہے۔ وہ مردہ سے زندہ کو اور زندہ سے مردہ کو نکالنے والا ہے)

کی تفسیر کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:

"اس کائنات میں وقوع پذیر ہونے والے ہر چھوٹے بڑے معاملے کا فاعل حقیقی اللہ تعالیٰ ہے۔ اس حقیقت کا ذکر شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ علیہ نے اپنے وصایا میں بڑے مؤثر انداز سے کیا ہے۔ وہ اپنے بیٹے کو وصیت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اے میرے بچے اس حقیقت کو ہر وقت مستحضر رکھنا کہ ”لَا فاعلَ فِي الْحَقِيقَةِ وَلَا مُؤَثِّرَ إِلَّا اللَّهُ“، یعنی حقیقت میں فاعل اور مؤثر اللہ کے سوا کوئی نہیں۔ مختلف اشیاء میں جو تاثیر ہے وہ اُسی کی عطا کردہ ہے اور اُسی کے اذن سے ہے۔ انسان کسی فعل کا ارادہ تو کر سکتا ہے لیکن کسی فعل کا بالفعل انجام پذیر ہونا اس کے اختیار میں نہیں ہے، کیونکہ ہر فعل اللہ کے حکم سے انجام پذیر ہوتا ہے۔"⁴

2۔ مولانا روم⁵

ڈاکٹر صاحب نے اپنی تفسیر میں مولانا روم کے اشعار اور حکایتوں سے بھی استفادہ کیا ہے۔ مثال کے طور پر اپنے مقدمے میں آپ فرماتے ہیں:

"نصفانی اسے کہتے ہیں جس کو دیکھ کر ذہن کسی اور شے کی طرف منتقل ہو جائے۔ آپ نے قلم یار و مال دیکھا تو ذہن دوست کی طرف منتقل ہو گیا جس سے ملے ہوئے بہت عرصہ ہو گیا تھا اور اس کا کبھی خیال ہی نہیں آیا تھا۔

(¹) بیان القرآن: 127/1

(²) ابو محمد عبدالقادر بن موسیٰ، المعروف بشیخ عبدالقادر جیلانی (1078-1166ء) حنبلی عالم اور صوفی بزرگ تھے (الاعلام للزرکلی، ص: 47/4)

(³) الانعام: 95

(⁴) بیان القرآن، ص: 69/3

(⁵) محمد بن محمد بن الحسین، جلال الدین رومی (1207-1273ء) صاحب مثنوی، حنفی عالم اور صوفی فارسی شاعر تھے۔ (الاعلام للزرکلی، ص: 30/7)

مولانا روم کہتے ہیں

خشک تار و خشک مغز و خشک پوست

از کجای آید ایں آوازِ دوست؟

ہمارا ایک ازلی دوست ہے ”اللہ“ وہی ہمارا خالق ہے، ہمارا باری ہے، ہمارا رب ہے۔ اس کی دوستی پر کچھ پردے پڑ گئے ہیں، اس پر کچھ ذہول طاری ہو گیا ہے۔ قرآن اس دوست کی یاد دلانے کے لیے آیا ہے۔¹

3۔ امام ابن تیمیہ²

امام کے پیچھے سورۃ الفاتحہ پڑھنے کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب ابن تیمیہ کی رائے پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ایک درمیانی مسلک بھی ہے اور وہ امام مالکؒ اور امام ابن تیمیہؒ وغیرہ کا ہے۔ اس ضمن میں ان کا موقف یہ ہے کہ جہری رکعت میں مقتدی سورۃ الفاتحہ مت پڑھے، بلکہ امام کی قراءت خاموشی سے سنے"³

4۔ امام ابن القیم⁴

سورۃ الزمر کی آیت مبارکہ: ﴿قُلْ إِنِّي أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ﴾⁵

(ترجمہ: اے نبی ﷺ!) آپ کہہ دیجیے مجھے تو حکم ہوا ہے کہ میں بندگی کروں اللہ کی اُس کے لیے اپنی اطاعت کو خالص کرتے ہوئے)

کی تفسیر کرتے ہوئے عبادت کا حقیقی مفہوم سمجھانے کی غرض سے ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:

"امام ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد حافظ ابن قیم نے عبادت کی تعریف یوں کی ہے: العبادة تجمع أصْلَيْن : غاية الخُصِّ مع غاية الذِّلِّ والخُضوع یعنی اللہ کی عبادت دو چیزوں کے مجموعے کا نام ہے: اس کے ساتھ غایت درجے کی محبت اور اس کے سامنے غایت درجے کا تذلل اور عاجزی کا اظہار۔ دوسرے لفظوں میں اللہ کی عبادت کا مطلب یہ ہے کہ انسان حد درجے کی محبت کے ساتھ خود کو اللہ کے سامنے بچھا دے اور اس کا مطیع و منقاد

(¹) بیان القرآن، ص: 67/1-68

(²) تقی الدین احمد بن عبد الحلیم بن عبد السلام النمیری الحررانی (621-728ھ) ایک مشہور عالم دین، فقیہ، محدث، مصنف، فلسفی، ماہر معاشیات اور جامع العلوم تھے۔ (عبد الحیی بن احمد ابن العماد الحنبلی (المتوفی: 1089ھ)، شذرات الذهب فی أخبار من ذهب، دار ابن کثیر، دمشق، بیروت، طبع: اول، 1986ء، ص: 142/8)

(³) بیان القرآن، ص: 104/1

(⁴) حافظ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر بن ایوب الزرعی الدمشقی المعروف بابن قیم (751-691ھ) ابن تیمیہ کے شاگرد رشید، فقیہ، محدث اور عظیم عالم دین تھے۔ (ابن العماد، شذرات الذهب، ص: 287/8)

(⁵) الزمر: 11

ہو جائے۔ چنانچہ اللہ کی محبت کے جذبے سے سرشار ہو کر اس کی کلی اطاعت کرنا اصل عبادت ہے، جبکہ مراسم عبادت کی حیثیت عبادت کے ”ظاہر“ کی ہے۔¹

یہاں ڈاکٹر صاحب نے کتاب کا حوالہ نہیں دیا البتہ ان الفاظ کے ساتھ یہ عبارت امداد الفتاویٰ میں موجود ہے۔ ابن القیم کی کتب میں تلاش کے بعد یہ قول کچھ مختلف الفاظ کے ساتھ ملا ہے۔ ابن القیم فرماتے ہیں:

"وَمِنْ حَصَائِصِ الْإِلَهِيَّةِ: الْعُبُودِيَّةُ الَّتِي قَامَتْ عَلَى سَاقَيْنِ لَا قِيَامَ لَهَا بِدُونِهِمَا: غَايَةُ الْحُبِّ، مَعَ غَايَةِ الدُّلِّ. هَذَا تَمَامُ الْعُبُودِيَّةِ، وَتَفَاوُثُ مَنَازِلِ الْخَلْقِ فِيهَا بِحَسَبِ تَفَاوُثِهِمْ فِي هَذَيْنِ الْأَصْلَيْنِ."²

5۔ شیخ احمد سرہندی³

قول باری تعالیٰ:

﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ﴾⁴

(ترجمہ: ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے، مگر اس کا چہرہ، اسی کے لیے حکم ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے)⁵

میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے چہرہ مبارک کے متعلق کلام کرتے ہوئے آپ رقم طراز ہیں:

"مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ علیہ نے اپنے مکاتیب میں یہ الفاظ بار بار لکھے ہیں کہ ذات باری تعالیٰ وراء الوراء، ثم وراء الوراء، ثم وراء الوراء ہے۔ اس بارے میں کوئی تصور بنانا انسانی ذہن کے لیے ممکن ہی نہیں۔"

در حقیقت انسان کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ ذات باری تعالیٰ کے متعلق کوئی بھی تصور بنائے۔ ارشاد

باری تعالیٰ ہے:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾⁶

(ترجمہ: کوئی چیز اس کی مثل نہیں اور وہ سننے والا دیکھنے والا ہے)۔

(¹) بیان القرآن، ص: 206/6

(²) ابن القیم، الجواب الکافی لمن سأل عن الدواء الثانی أو الداء والدواء، دار المعرفہ - المغرب، طبع: اول، 1997ء، ص: 136

(³) شیخ احمد بن عبد الاحد بن زین العابدین السربندی المعروف مجد الف ثانی (971-1034ھ) مشہور عالم و صوفی بزرگ تھے۔ (الاعلام للزرکلی،

ص: 142/1)

(⁴) القصص: 88

(⁵) ترجمہ عبد السلام بھٹوی

(⁶) الشوری: 11

شاہ ولی اللہ کو ڈاکٹر اسرار احمد امام الہند کا لقب دیتے ہیں اور انہیں برصغیر میں علوم قرآن کی ترویج کا مضبوط اور اہم ستون قرار دیتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ سے تفسیر کی کوئی کتاب منسوب نہیں ہے۔ البتہ ان کا قرآن مجید کا فارسی میں ترجمہ اور اصول و علوم تفسیر پر ان کی کتب معروف ہیں۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے شاہ ولی اللہ کے افکار و خیالات کو اپنی تفسیر میں چند مقامات پر ذکر کیا ہے۔ مثلاً قول باری تعالیٰ:

﴿بَدِيعُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَإِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ﴾²

(ترجمہ: وہ آسمانوں اور زمین کا موجد ہے اور جب وہ کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے تو بس اتنا کہہ دیتا ہے کہ "ہو جا" تو وہ ہو جاتی ہے)

کی تفسیر میں آپ فرماتے ہیں:

"شاہ ولی اللہ دہلوی نے جتہ اللہ البالغہ کے پہلے باب میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال بنیادی طور پر تین ہیں: ابداع، خلق اور تدبیر۔ ابداع سے مراد ہے عدم محض سے کسی چیز کو وجود میں لانا، جسے انگریزی میں "creation ex nihilo" سے تعبیر کیا جاتا ہے جبکہ خلق ایک چیز سے دوسری چیز کا بنانا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے گارے سے انسان بنایا، آگ سے جنات بنائے اور نور سے فرشتے بنائے، یہ تخلیق ہے۔"³

معاشی افکار کے حوالے سے ڈاکٹر اسرار احمد نے شاہ ولی اللہ کی صلاحیتوں کا اعتراف کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

"آج معاشی پیچیدگیوں کی وجہ سے جدید معاشرے میں جو گھمبیر صورتحال جنم لے رہی ہے اس کا ادراک سب سے پہلے جس عالم دین کو ہوا وہ شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ شاہ ولی اللہ ایسی صورت حال کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جس ملک یا معاشرے میں تقسیم دولت کا نظام غیر منصفانہ ہو گا وہاں کچھ لوگ دولت کے انبار جمع کر کے مسرفانہ عیاشیوں اور بد معاشیوں میں مبتلا ہو جائیں گے، جبکہ محروم طبقے کے لوگ بار برداری کے جانور بن کر رہ جائیں گے۔"⁴

اس حوالے سے تفصیلی گفتگو آخری باب میں موجود ہے۔

7۔ مولانا حمید الدین فراہی (الرأی الصّحیح فی من ہوا الذبیح)

ڈاکٹر صاحب مولانا حمید الدین فراہی کے متعلق فرماتے ہیں:

(¹) شاہ ولی اللہ بن عبد الرحیم محدث دہلوی (1703-1762ء) برصغیر پاک و ہند میں عہد مغلیہ کے مشہور عالم دین، محدث، مفسر، فقیہ، اصولی اور مصنف تھے۔ (موقع یعسوب، مجمع المولفین، ص: 169/13)

(²) البقرة: 117

(³) بیان القرآن، ص: 213/1

(⁴) ایضاً، ص: 185/7

" مولانا حمید الدین فراہی نے خاص طور پر اپنی توجہ کو نظم قرآن پر مرکوز کیا، آیات کا باہمی ربط تلاش کیا.... وہ ایک مفکر قسم کے انسان تھے، مصنف قسم کے انسان نہیں تھے۔ مفکر انسان مسلسل غور کرتا رہتا ہے اور اس کے سامنے نئے نئے پہلو آتے رہتے ہیں۔"¹

قول باری تعالیٰ:

﴿فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَابُنَيَّ إِنِّي أَرَى فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبُحُكَ فَاظْطُرْ مَاذَا تَرَى﴾²

(ترجمہ: پھر جب وہ بیٹا ان کے ہمراہ دوڑ دھوپ کرنے کی عمر کو پہنچ گیا تو) (ایک دن) ابراہیم نے کہا: بیٹے! میں

نے خواب میں دیکھا کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں اب بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے)

کی تفسیر کے تحت ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

" مولانا حمید الدین فراہی نے اس موضوع پر 'الرأى الصحيح في من هو الذبح' کے عنوان سے ایک معرکہ الارا

کتاب لکھی اور مدلل انداز میں ثابت کیا کہ ذبح اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی تھے۔ مولانا فراہی کی اصل

کتاب عربی میں ہے۔ مولانا امین احسن اصلاحی نے اس کا اردو ترجمہ کیا تھا۔"³

8۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال

ڈاکٹر اسرار احمد نے اپنی تفسیر میں سینکڑوں مقامات پر علامہ محمد اقبال کی شاعری، خطبات اور کتابوں کے

حوالہ جات کو تفسیری نکات میں پیش کیا ہے۔ اس کی وجہ خود وہ لکھتے ہیں:

"میرے نزدیک عہد حاضر میں قرآن کے اعجاز کا سب سے بڑا مظہر علامہ اقبال کی شخصیت ہے... علامہ اقبال

جیسا شخص جس نے وقت کی اعلیٰ ترین سطح پر علم حاصل کیا، علامہ اقبال جیسا شخص جس نے مشرق اور مغرب کے

فلسفے پڑھ لیے، جو قدیم اور جدید دونوں کا جامع تھا، جو جرمنی اور انگلستان میں جا کر فلسفہ پڑھتا رہا۔ اس کو قرآن

نے اس طرح Possess کیا اور اس پر اپنی چھاپ قائم کی کہ اس کے ذہن کو سکون ملا تو صرف قرآن

حکیم سے اور اس کی تشفی علم کو آسودگی حاصل ہو سکی تو صرف کتاب اللہ سے۔۔۔"⁴

آپ مزید لکھتے ہیں:

"میں علامہ اقبال کو اس دور کا سب سے بڑا ترجمان القرآن سمجھتا ہوں۔ قرآن مجید کے علوم و معارف کی جو تعبیر

حضرت اقبال نے کی ہے۔ اس دور میں کوئی دوسری شخصیت اس کے آس پاس بھی نہیں پہنچی۔ ان سے لوگوں

(¹) بیان القرآن، ص: 43-44

(²) الصافات: 102

(³) ایضاً، ص: 155/6

(⁴) بیان القرآن، ص: 119/1

نے چیزیں مستعار لی ہیں اور پھر ان کو بڑے پیمانے پر پھیلا یا ہے۔ ان حضرات کی یہ خدمت اپنی جگہ قابل قدر ہے۔ لیکن فکری اعتبار سے وہ چیزیں علامہ اقبال کے ذہن کی پیداوار ہیں۔"¹

قول باری تعالیٰ:

﴿إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا﴾²

(ترجمہ: کیونکہ کان اور آنکھ اور دل ان میں سے ہر ایک سے پوچھ گچھ کی جانے والی ہے)

کی تفسیر میں ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:

"علامہ اقبال نے اسی حوالے سے اپنے خطبات میں فرمایا ہے: "The inner core of the western civilization is Quranic." کہ موجودہ مغربی تہذیب کا اندرونی محور خالص قرآنی ہے، کیونکہ اس کی بنیاد سائنس پر ہے اور سائنسی علوم کی طرف انسان کی توجہ قرآن نے مبذول کروائی ہے۔ بہر حال قرآن انسان کو ہر قسم کے توہمات، رمل، نجوم، پامسٹری وغیرہ سے بیزار کر کے اپنے معاملات اور نظریات کی بنیاد ٹھوس علمی حقائق پر رکھنے کی ہدایت کرتا ہے۔"³

9۔ مولانا نور شاہ کاشمیری⁴

قول باری تعالیٰ:

﴿أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ وَعَلَىٰ الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾⁵

(ترجمہ: (یہ روزے) چند گنتی کے دن ہیں۔ پھر اگر تم میں سے کوئی بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں سے گنتی پوری کر لے اور جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت تو رکھتے ہوں (مگر رکھیں نہیں) تو اس کا فدیہ ایک مسکین کا کھانا ہے۔ اور جو شخص اپنی خوشی سے زیادہ بھلائی کرے۔ (یعنی فدیہ زیادہ دے دے) تو یہ اس کے حق میں بہتر ہے۔ اور اگر تم روزے ہی رکھ لو تو اگر تم سمجھو تو یہی بات تمہارے لیے بہتر ہے)

کی تفسیر میں ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:

(¹) بیان القرآن، ص: 87/1

(²) الاسراء: 36

(³) بیان القرآن، ص: 306/4

(⁴) سید محمد انور شاہ کشمیری (1875-1934ء)، دیوبند کے عظیم عالم، فقیہ، شاعر اور سیاستدان تھے۔ (نزہۃ الخواطر، ص: 1198/8)

(⁵) البقرة: 184

" ہر مہینے میں تین دن کے روزوں کا جو ابتدائی حکم تھا اس میں علی الاطلاق یہ اجازت تھی کہ جو شخص یہ روزہ نہ رکھے وہ اس کا فدیہ دے، اگرچہ وہ بیمار یا مسافر نہ ہو اور روزہ رکھنے کی طاقت بھی رکھتا ہو۔ جب رمضان کے روزوں کی فرضیت کا حکم آگیا تو اب یہ رخصت ختم کر دی گئی۔ البتہ رسول اللہ ﷺ نے فدیہ کی اس رخصت کو ایسے شخص کے لیے باقی رکھا جو بہت بوڑھا ہے، یا کسی ایسی سخت بیماری میں مبتلا ہے کہ روزہ رکھنے سے اس کے لیے جان کی ہلاکت کا اندیشہ ہو سکتا ہے۔ یہ ہے ان آیات کی تاویل جس پر میں بہت عرصہ پہلے پہنچ گیا تھا، لیکن چونکہ اکثر مفسرین نے یہ بات نہیں لکھی اس لیے میں اسے بیان کرنے سے جھجکتا رہا۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ مولانا نور شاہ کاشمیری کی رائے یہی ہے تو مجھے اپنی رائے پر اعتقاد ہو گیا۔"¹

10۔ ڈاکٹر رفیع الدین

ڈاکٹر رفیع الدین اردو ادب میں شعبہ اقبالیات کے ماہر تھے اور ان کی اسلامی فلسفہ حیات سائنسی علوم پر گہری نظر تھی۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے اپنے فہم القرآن کے ضمن میں ان کی کتب سے خوب استفادہ کیا ہے۔ مثلاً قول باری تعالیٰ: ﴿وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَمُسْتَوْدَعٌ﴾² (ترجمہ: اور وہی تو ہے جس نے تمہیں ایک جان (آدم) سے پیدا کیا پھر (ہر ایک کے لیے) ایک جائے قرار ہے اور ایک سوئے جانے کی جگہ) کی تفسیر میں ڈاکٹر صاحب نسل انسانی کی ابتدا کے متعلق فرماتے ہیں:

"ظاہر ہے کہ تمام نوع انسانی ایک ہی جان سے وجود میں آئی ہے۔ اس سے حضرت آدم بھی مراد ہو سکتے ہیں۔ اور اگر نظریہ ارتقا میں کوئی حقیقت تسلیم کر لی جائے۔ تو پھر تحقیق کا یہ سفر امیباتک چلا جاتا ہے کہ اس میں ایک جان سے مختلف ارتقائی مراحل طے کرتے ہوئے انسان بنا۔ امیبا کوئی Sex یعنی تذکیر و تانیث کا معاملہ نہیں تھا۔ دوران ارتقا رفتہ رفتہ Sex ظاہر ہوا۔ (خَلَقَ مِنْهَا ذُرِّيَّتَهَا) کا مرحلہ آیا۔ اس سلسلہ میں ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم نے اپنی کتاب "قرآن اور علم جدید" میں بہت عمدہ تحقیق کی ہے اور مولانا امین اصلاحی صاحب نے بھی اس کی تصویب کی ہے۔ جن حضرات کو دلچسپی ہو کہ ایک جان سے تمام نوع انسان کو پیدا کرنے کا کیا مطلب ہے وہ اس کتاب کا مطالعہ ضرور کریں۔"³

ڈاکٹر رفیع الدین کی یہ کتاب ایک معرکتہ الآراء تصنیف ہے جو درحقیقت علامہ اقبال کی کتاب "خطبات" ہی کے سلسلے کی دوسری کامیاب کاوش ہے۔ اس کتاب کے پہلے تین ایڈیشن ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور نے شائع کیے۔ بعد ازاں اس کتاب کی اشاعت آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگریس لاہور کی جانب سے ہوتی رہی اور بالآخر اس کتاب کی اشاعت کی ذمہ داری ڈاکٹر رفیع الدین فاؤنڈیشن کے پاس آئی۔ 2016ء میں اس کتاب کا آٹھواں ایڈیشن شائع ہوا۔ یہ

(¹) بیان القرآن، ص: 258-259

(²) الانعام: 98

(³) بیان القرآن، ص: 60/3

ایک ضخیم کتاب ہے جو 584 صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے دو حصے ہیں: پہلا حصہ چیلنج اور دوسرا حصہ جواب پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں جدید نظریات بشمول نظریہ ارتقاء، نظریہ جبلت، نظریہ لاشعور، نظریہ سوشلزم اور نظریہ وطنیت وغیرہ کی گمراہی کو اسلامی تعلیمات اور فلسفے کی روشنی میں غلط ثابت کیا ہے۔

ب۔ کتب حدیث

ڈاکٹر صاحب نے اپنی تفسیر میں جن کتب احادیث سے استفادہ کیا ہے ان میں درج ذیل کتب شامل ہیں: صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ترمذی، سنن دارمی، سنن نسائی، سنن ابی دوؤد، سنن ابن ماجہ، صحیح ابن حبان، مرا سیل ابی دوؤد، مسند احمد، مستدرک الحاکم، نہج البلاغہ، الکشاف للزیلعی، مولانا اشرف علی تھانوی۔ اس حوالے سے مثالیں ہم باب دوم کی بحث دوم میں درج کریں گے۔

ت۔ کتب سیرت

ڈاکٹر صاحب نے اپنی تفسیر میں سیرت کو بنیادی مصدر کی حیثیت دی ہے اور آپ کا فہم قرآن کا تحریکی و انقلابی پہلو در حقیقت فہم سیرت پر ہی مبنی ہے اور آپ نے متعدد مقامات پر سیرت سے حوالے دیے ہیں۔ آپ نے مولانا شبلی کی سیرت النبی ﷺ اور صفی اللہ مبارکپوری کی الر حیق المختوم کا حوالہ بھی دیا ہے۔ البتہ زیادہ تر مقامات پر آپ نے سیرت کے واقعات کو حوالہ دیئے بغیر نقل کیا ہے۔ مثال کے طور پر سورۃ الانفال کے آغاز میں تمہیدی گفتگو کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

"سورۃ الانفال غزوہ بدر کے متصلاً بعد اور سورۃ آل عمران کے اکثر حصوں کے نزول سے پہلے نازل ہوئی۔ چنانچہ اس سورت کے مطالعے سے پہلے غزوہ بدر کے پس منظر اور واقعات کے بارے میں جاننا بہت ضروری ہے.... میدان بدر میں قریش کے ستر سردار مارے گئے، ستر افراد قیدی بنے اور متعدد زخمی ہوئے... اپنے دور کے جدید ترین اسلحہ سے لیس اور تعداد میں اپنے حریف لشکر سے تین گنا تھے۔ ان کے مقابلے میں مسلمانوں کی بے سروسامانی کا عالم یہ تھا کہ تین سو تیرہ میں سے صرف آٹھ افراد کے پاس تلواریں تھیں۔ ان نہتے تین سو تیرہ مجاہدین کے ہاتھوں ایکسزارجنگجوؤں پر مشتمل مسلح لشکر کی یہ ذلت اور ہزیمت دراصل قریش مکہ کے لیے عذاب الہی کی پہلی قسط تھی۔"¹

ث۔ کتب لغت

ڈاکٹر صاحب نے اپنی تفسیر میں متعدد مقامات پر مفردات کے معنی اور تشریح بیان کی ہے۔ مثال کے طور پر قول باری تعالیٰ: ﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ.....﴾²

(¹) بیان القرآن، ص: 207/3

(²) البقرہ: 157

(ترجمہ: بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں پس جو۔۔)

کی تفسیر کے تحت آپ فرماتے ہیں:

"شعائر، شعیرہ کی جمع ہے جس کے معنی ایسی چیز کے ہیں جو شعور بخشنے، جو کسی حقیقت کا احساس دلانے والی اور اس کا مظہر اور نشان ہو۔ چنانچہ وہ مظاہر جن کے ساتھ اولوالعزم پیغمبروں یا اولوالعزم اولیاء اللہ کے حالات و واقعات کا کوئی ذہنی سلسلہ قائم ہوتا ہو اور جو اللہ اور رسول ﷺ کی طرف سے بطور ایک نشان اور علامت مقرر کیے گئے ہوں شعائر کہلاتے ہیں۔ وہ گویا بعض معنوی حقائق کا شعور دلانے والے اور ذہن کو اللہ کی طرف لے جانے والے ہوتے ہیں۔ اس اعتبار سے بیت اللہ، حجر اسود، جمرات اور صفا و مروہ اللہ تعالیٰ کے شعائر میں سے ہیں۔" ¹

تاج العروس اور لسان العرب میں بھی لفظ شعائر کے ایسے ہی معنی بیان کیے گئے ہیں ²۔ لیکن آپ نے تفسیر میں امام راغب اصفہانی کی "مفردات القرآن" کے علاوہ کسی قاموس وغیرہ کا حوالہ نہیں دیا۔ آپ اپنی تفسیر کے مقدمہ میں رقم طراز ہیں:

"جب ہم کہتے ہیں کہ قرآن "حبل اللہ" ہے تو اس کے کیا معنی ہیں؟ "حبل" کے ایک معنی رسی کے ہیں اور یہی اصل معنی ہیں۔ سورۃ اللہ میں یہ لفظ آیا ہے: {حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ} یعنی مونج کی بٹی ہوئی رسی۔ امام راغب نے اس کی تعبیر کی ہے: "استعبر للوصل ولكل ما يتوصل به الى شيء" یعنی کسی شے سے جڑنے کے لیے اور جس شے سے جڑ جائے اس کے لیے استعارۃً یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ عہد، قول و قرار اور میثاق و فریقوں کو باہم جوڑ دیتا ہے۔ چنانچہ یہ لفظ عہد کے معنی میں بھی آتا ہے، اور قرآن حکیم میں یہ ایسے عہد کے لیے آیا ہے جس سے کسی کو امن مل رہا ہو، حفاظت اور امان حاصل ہو رہی ہو۔" ³

ج۔ دیگر مذاہب کی کتب

ڈاکٹر صاحب نے اپنی تفسیر میں تورات، انجیل، تالمود اور اپنشد سے بھی حوالے دیئے ہیں۔ مثال کے طور پر

قول باری تعالیٰ:

﴿وَمَنْ أَهْلَ الْكِتَابِ مَنْ إِِنْ تَأْمَنُهُ بِقِنطَارٍ يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَنْ إِِنْ تَأْمَنُهُ بِدِينَارٍ لَا يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ إِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ فَإِمَّا ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيِّينَ سَبِيلٌ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ﴾ ⁴

(¹) بیان القرآن، ص: 239/1

(²) لسان العرب، ص: 410\4 تاج العروس، ص: 191\12

(³) ایضاً، ص: 91/1

(⁴) آل عمران: 75

(ترجمہ: اور اہل کتاب میں کچھ تو ایسے ہیں کہ اگر آپ ان پر اعتماد کرتے ہوئے ایک خزانہ بھر مال دے دیں تو وہ آپ کو واپس کر دیں اور کچھ ایسے ہیں کہ اگر آپ انہیں ایک دینار بھی دے بیٹھیں تو وہ ادا نہ کریں الا یہ کہ تم ہر وقت ان کے سر پر سوار رہو۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ (ان کا عقیدہ یہ بن گیا ہے) کہ ان پڑھوں (غیر یہود) کے بارے میں ان پر کچھ گرفت نہ ہوگی۔ یہ لوگ دیدہ دانستہ اللہ کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کر رہے ہیں)

کی تفسیر میں آپ لکھتے ہیں:

"یہودیوں کا یہ عقیدہ تورات میں نہیں ہے، لیکن ان کی اصل مذہبی کتاب کا درجہ تورات کی بجائے "تہالمود" کو حاصل ہے۔ یوں سمجھئے کہ تورات تو ان کے لیے "اُمّ الکتاب" ہے، جبکہ ان کی ساری شریعت، قوانین و ضوابط اور عبادات کی ساری تفصیل تالمود میں ہیں۔ اور تالمود میں یہ بات موجود ہے کہ ایک یہودی کے لیے دوسرے یہودی سے جھوٹ بولنا حرام ہے، لیکن کسی غیر یہودی سے جھوٹ بولنے میں کوئی قباحت نہیں۔ اسی طرح ایک یہودی کے لیے کسی یہودی کا مال ہڑپ کرنا حرام اور ناجائز ہے، لیکن کسی غیر یہودی کا مال جس طرح چاہو، دھوکہ، فریب اور بددیانتی سے ہڑپ کرو، سب جائز ہے، اس پر کوئی مواخذہ نہیں۔ ان کے نزدیک انسانیت کا شرف صرف یہودیوں کو حاصل ہے جبکہ غیر یہودی ان کے نزدیک انسان ہی نہیں۔"¹

اسی طرح قول باری تعالیٰ:

﴿وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ﴾²

(ترجمہ: اور خود تمہارے اپنے اندر بھی، (نشانیایں ہیں) پھر کیا تم غور سے نہیں دیکھتے؟)

کی تفسیر میں ڈاکٹر صاحب اپنشد کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اپنشد کے ایک جملے کا انگریزی ترجمہ اس طرح ہے:

"Man, in his ignorance identifies himself with the material sheaths which encompass his real self."

یعنی انسان اپنی جہالت کے باعث ان مادی غلافوں ہی کو اپنی ذات سمجھ بیٹھتا ہے جو اس کی ذات (انایا روح) کے گرد اگر د لپٹے ہوئے ہیں۔ اور یوں وہ نہ خود کو پہچان پاتا ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی معرفت اسے حاصل ہوتی ہے۔"³

یہ جملہ تیرہ اپنشد میں موجود ہے۔⁴

(¹) بیان القرآن، ص: 50/2-51

(²) الذاریات: 20

(³) بیان القرآن، ص: 165/5

(⁴) David L Blumenthal, Transformation of Soul, author house, 2008, page 1/37.

ح۔ جدید علوم کے ماہرین کی آراء کا بیان

ڈاکٹر اسرار احمد چونکہ فلسفہ، سائنس، علم نفسیات، تاریخ، طب، اور جدید علوم سے آگاہ ہونے کی کوشش میں رہتے تھے۔ اس لیے انہوں نے مختلف سائنس دانوں، تاریخ دانوں، ماہرین طب، ماہرین نفسیات وغیرہ کے اقوال و نظریات کو بھی تفسیری نکات میں بطور دلیل اور شہادت کے پیش کیا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ڈاکٹر اسرار احمد خود سمجھتے تھے کہ قرآن کریم کے فہم کے لیے علوم قدیم و جدید دونوں سے واقف ہونا اور ان میں مہارت حاصل کرنا لازمی امر ہے۔ اس فکر کی وضاحت انہوں نے اپنی تفسیر کے مقدمہ میں کی ہے۔ چنانچہ علوم جدیدہ اس دور میں چونکہ اہل مغرب کے ہاں زیادہ متداول مروج ہیں۔ اس لیے ڈاکٹر اسرار احمد نے مغربی مصنفین اور علماء کے اقوال کو بھی قرآن کریم کی تشریح کے ضمن میں بیان کیا ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے جن جدید علوم کے ماہرین سے استفادہ کیا ہے ان میں ایڈورڈ گکین¹، کارل مارکس²، ایلفریڈ ایبلر³، سگمنڈ فروید⁴، ایچ جی ویلز⁵، ڈاکٹر مورلیس بوکائلے⁶ اور ڈاکٹر کیتھ ایل مور⁷ وغیرہ شامل ہیں۔

(¹) ایڈورڈ گکین (پیدائش: 27 اپریل، 1737ء - انتقال: 16 جنوری 1794ء) ایک انگریز مؤرخ، مستشرق اور رکن پارلیمنٹ تھے۔ گکین کو جدید تاریخ نگاری کا بانی کہا جاتا ہے۔

(Eugene Y. C. Ho, Hong Kong, Edward Gibbon, Historian of the Roman Empire, Part I: The Man and His Book)

(²) کارل ہینرچ مارکس (5 مئی 1818ء - 14 مارچ 1883ء)، ایک جرمن فلسفی، ماہر معاشیات، تاریخ دان، ماہر معاشیات، سیاسی نظریہ ساز، صحافی اور سوشلسٹ انقلابی تھے۔

(Berlin, Isaiah. Karl Marx: His Life and Environment (Oxford University Press, 1963)

(³) الفریڈ ایبلر (1870-1937ء) آسٹریا کا ایک طبی ڈاکٹر، ماہر نفسیات، اور انفرادی نفسیات کے اسکول کا بانی تھا۔

(Edward Hoffman, The drive for self, Addison-Wesley Pub. Co, Adler, Alfred)

(⁴) سگمنڈ فروید (1856-1939ء) آسٹریا کا نیورولوجسٹ، ماہر نفسیات اور نفسیاتی تجزیہ (psychoanalysis) کا بانی تھا، یعنی ایک طبی طریقہ جس سے ایک مریض اور ایک نفسیاتی ماہر کے مابین مکالمے کے ذریعے سائیکوپیتھولوجی کا علاج کیا جاتا تھا۔

(Noel Sheehy; Alexandra Forsythe, "Sigmund Freud". Fifty Key Thinkers in Psychology, Routledge, second edition (2013).)

(⁵) ہربرٹ جارج ویلز (21 ستمبر 1866-13 اگست 1946) ایک انگریزی مصنف تھا۔ اس نے درجنوں ناول، مختصر کہانیاں، اور معاشرتی تحریروں، تاریخ، طنزیہ، سوانح عمری لکھیں۔ (Foot, Michael. H. G.: History of Mr. Wells. Doubleday, 1985)

(⁶) ڈاکٹر مورلیس بوکائلے (1920-1998ء) فرانسیسی طبیب تھے۔

(https://en.wikipedia.org/wiki/Maurice_Bucaille)

(⁷) کیتھ لیون مور (5 اکتوبر 1925-5 دسمبر 2019)، کینیڈا کی یونیورسٹی میں اناٹومی کے پروفیسر تھے۔

(https://en.wikipedia.org/wiki/Keith_L._Moore)

ڈاکٹر صاحب نے سورۃ الکہف کی تفسیر میں اصحاب کہف کی تاریخ بیان کرتے ہوئے ایڈورڈ گبن کا حوالہ نقل کیا ہے۔ آپ رقم طراز ہیں:

"اصحاب کہف کا یہ قصہ گبن کی کتاب "The Decline and fall of Roman Empire"

میں بھی "Seven Sleepers" کے عنوان سے موجود ہے۔"¹

ڈاکٹر اسرار احمد نے علم نفسیات کے ضمن میں اپنی تفسیر میں اہم نظریات پر تبصرہ کیا ہے۔ اس ضمن میں ایڈلر کا تذکرہ بھی موجود ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

"عہد حاضر میں علم نفسیات (Psychology) میں ایڈلر کے مکتبہ فکر کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ اس کا نقطہ نظریہ ہے کہ انسان کے جبلی افعال (instincts) اور محرکات (motives) میں ایک نہایت طاقتور محرک غالب ہونے کی طلب (Urge to dominate) ہے۔ چنانچہ کسی دوسرے کی بات ماننا نفس انسانی پر بہت گراں گزرتا ہے، وہ چاہتا ہے کہ میری بات مانی جائے۔"²

ڈاکٹر صاحب نے اس کے علاوہ بھی متعدد مقامات پر ایسے حوالے دیے ہیں۔³ ڈاکٹر اسرار احمد نے اپنی تفسیر میں دودستاوی فلموں کا بھی ذکر کیا ہے۔ ایک فلم میں اسرائیل کے عالمی حالات تناظر میں منفی کردار کی نقاب کشائی کی گئی ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

"ان کے نزدیک انسانیت کا شرف صرف یہودیوں کو حاصل ہے جبکہ غیر یہودی ان کے نزدیک انسان ہی نہیں۔ غیر یہودیوں کو وہ انسان نما حیوان (Goyims & Gentiles) سمجھتے ہیں اور ان کا عقیدہ ہے کہ غیر یہودیوں سے ہر قسم کا فائدہ اٹھالینا ان کا حق ہے، جیسا کہ گھوڑے کوتانگے اور بیل کو بیل کے اندر جوت لینا اس کے مالک کا حق ہے۔ یہودیوں کے اس فلسفے پر امریکہ میں ایک مووی بھی بنائی گئی ہے: "The Other Side of Israel" یہ دستاویزی فلم وہاں کے عیسائیوں نے بنائی ہے اور اس میں انہوں نے یہودیوں کی اپنی کتابوں کے حوالے سے ان کے نظریات کو واضح کیا ہے اور یہودیت کا اصل چہرہ دنیا کو دکھایا ہے۔"⁴

د۔ اردو، عربی اور فارسی اشعار

ڈاکٹر صاحب نے اپنی تفسیر میں سینکڑوں مقامات پر عربی، فارسی، اردو اور انگریزی کے اشعار استعمال فرمائے ہیں۔ خاص طور پر علامہ اقبال کے اشعار تو آپ بہت کثرت سے استعمال فرماتے ہیں۔ علامہ اقبال کے علاوہ آپ کے

(¹) بیان القرآن، ص: 4/347 یہ کتاب سلطنت روم کے عروج و زوال سے بحث کرتی ہے۔ اس کتاب کی علمی حیثیت کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ مصنف کو جدید تاریخ نگاری کا بانی کہا جاتا ہے۔ مختلف مکتبہ جات نے اس کتاب کی اشاعت کی ہے۔ "seven sleepers" کا مضمون اس کتاب کے 33 ویں باب میں موجود ہے۔

(²) بیان القرآن، ص: 195/1

(³) ملاحظہ ہو! بیان القرآن، ص: 1/57، 1/83، 1/161، 1/317، 4/121، 4/240، 5/219، 6/332، 6/478 وغیرہ

(⁴) بیان القرآن، ص: 1/317 (15th Oct 2022) <https://vimeo.com/17857010>

دروس اور تفسیر کے دوران بہت سے شعراء کے اشعار برجستہ آپ کی زبان پر آتے تھے۔ جن میں غالب، میر تقی میر، بہادر شاہ ظفر، جگر مراد آبادی، فیض احمد فیض، حفیظ جالندھری، مولانا الطاف حسین حالی اور ماہر القاری کے نام نمایاں ہیں۔ فارسی کے شعراء میں آپ نے جن شعراء کے اشعار نقل کئے ان میں مولانا روم، سعدی شیرازی، مرزا عبدالقادر بیدل کے نام نمایاں ہیں جبکہ عربی اشعار میں آپ حضرت علی رضی اللہ، امام شافعی، ابن عربی وغیرہ کے اشعار بھی پڑھتے تھے۔ اور کچھ انگریزی شعراء کے اشعار بھی بکثرت نقل فرماتے تھے۔ گویا آپ کو شعر و ادب کا ستھرا ذوق تھا اور اعلیٰ درجے کی شاعری سے دلچسپی رکھتے تھے۔ ان کے ادبی ذوق پر ایک مستقل مقالہ لکھا جاسکتا ہے۔¹

ذ۔ کتب فقہ

ڈاکٹر صاحب نے اپنی تفسیر کے دوران فقہی مسائل کا اجمالاً ذکر کیا ہے اور اس ضمن میں آپ نے امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور امام ابن تیمیہ وغیرہ کی فقہی آراء سے استفادہ کیا ہے لیکن آپ نے ان اقوال کی تخریج کا کام نہیں کیا اور صرف نسبت پر اکتفا کیا ہے جس کی تفصیل آگے (باب سوم، فصل سوم میں) آرہی ہے۔

خلاصہ بحث:

خلاصہ بحث یہ ہے کہ تفسیر بیان القرآن مکمل قرآن کی ایک مختصر تفسیر ہے جس میں تفسیر بالرائے غالب ہے البتہ یہ تفسیر اہل سنت کے منہج پر ہے اور اس میں مفسر نے دعوتی و اصلاحی پہلو پر زیادہ توجہ دی ہے۔ اس تفسیر کے مصادر میں جہاں ایک طرف متقدمین و متاخرین مفسرین و علماء کی آراء سے استفادہ کیا گیا ہے وہاں جدید علوم اور ان کے ماہرین کی آراء سے قرآن کریم کے مختلف اعجازی پہلوؤں کو نمایاں کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ قدیم مفسرین کے مقابلے میں آپ نے جدید مفسرین اور محققین کی آراء پر زیادہ انحصار کیا ہے۔ مزید یہ کہ آپ نے عام طور پر تفسیر کے بنیادی مصادر کی بجائے برصغیر ہند و پاک کے مفسرین پر اعتماد کیا ہے۔ جدید علوم کے حوالے سے آپ کی تحقیق قابل تحسین ہے لیکن یہ بہتر ہوتا اگر آپ تفسیر بالماثور اور تفسیر بالرائے محمود کی نمائندہ تفاسیر، اسی طرح کتب احادیث، کتب علوم قرآن، کتب لغت، کتب فقہ وغیرہ میں بھی دیگر مصادر و ماخذ کی جانب رجوع کرتے۔

خلاصہ باب:

اس باب میں امام شعر اوی اور ڈاکٹر اسرار احمد کے سوانح اور ان دونوں کی تفاسیر کا تعارف بیان ہوا ہے۔ شیخ شعر اوی اور اسرار احمد صاحبان نے بیسویں صدی کے اوائل میں ایسے انقلابی و تحریکی حالات میں آنکھ کھولی جب مصر اور پاکستان میں ملت اسلامیہ کے باشندے برطانوی قبضے سے چھٹکارا حاصل کرنے کی جدوجہد کر رہے تھے۔ دونوں نے جہاں اس تحریک آزادی میں اپنا اپنا کردار ادا کیا وہاں یہ تحریکی فکر و دونوں کی شخصیت میں سرایت کر گئی۔ برطانیہ کے

(۱) مثال کے طور پر ملاحظہ ہو! بیان القرآن، ص: 13/7

اخراج کے بعد اب دونوں اشخاص کے سامنے انگریزی معاشی، معاشرتی اور سیاسی اثرات کو زائل کر کے اپنے ملک میں اصلاح ملت اور دین کی نشاۃ ثانیہ کرنے کا مرحلہ آیا۔

تعلیمی سفر میں شعر اوی نے ٹھوس دینی تعلیم اور ڈاکٹر صاحب نے دنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم بھی حاصل کی جسے خوب گہرے مطالعے سے مزید نکھارتے رہے۔ شعر اوی صاحب نے اصلاحی کام کرنے کے لیے انفرادی کوششوں کو ترجیح دی جب کہ ڈاکٹر صاحب پہلے جماعت اسلامی سے وابستہ رہے اور بعد میں انہوں نے تنظیم اسلامی کی بنیاد رکھی۔ ڈاکٹر صاحب تصوف اور اہل تصوف سے محبت کا رشتہ رکھتے تھے جب کہ شعر اوی خود سلسلہ البازیہ کے ساتھ منسلک تھے۔ ان علمی و شخصی صلاحیتوں کے ساتھ، ملی و تحریکی جذبے سے سرشار ہو کر دونوں نے قرآن کریم کو آلہ کار بناتے ہوئے اپنی اپنی قوم کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا اور اپنی تمام تر توانائیوں کے ساتھ، پوری عمر اسی خدمت میں لگے رہے۔

دعوتی و اصلاحی طریقہ کار مختلف ہونے کے باوجود دونوں نے قرآن کریم ہی کو اپنی اصلاحی دعوت کا ذریعہ بناتے ہوئے تمام تر وسائل اور ذرائع استعمال کرنے کی کوشش کی ہے۔ دونوں نے اس ضرورت کو محسوس کیا کہ اس وقت قرآنی دعوت کے فروغ کے لیے جدید ذرائع ابلاغ کا استعمال ناگزیر ہے لہذا قرآن کریم کو بیان کیا جائے اور ٹیلی ویژن اور ریڈیو وغیرہ کے ذریعے سے اسے نشر کیا جائے۔ دونوں کی اس کاوش کو اللہ تعالیٰ نے عام مقبولیت کا شرف بخشا اور کروڑوں لوگ اس سے مستفید ہوئے۔ بعد ازاں دونوں کی قرآنی شرح کو مزید پھیلانے کی غرض سے آڈیو اور ویڈیو ریکارڈنگز لے کر کتابی صورت میں شائع کیا گیا۔ ڈاکٹر صاحب کی مکمل مگر مختصر تفسیر "بیان القرآن" کے نام سے اور شعر اوی کی (سورۃ المنافقون سے سورۃ المرسلات تک کی سورتوں کے علاوہ تمام سورتوں کی) تفصیلی تفسیر "الخواطر حول القرآن" (تفسیر الشعر اوی) کے نام سے شائع ہوئی۔

امام شعر اوی اور ڈاکٹر اسرار احمد نے جہاں ایک طرف قدیم مصادر تفسیر سے استفادہ کیا وہاں جدید مصادر سے بھی تعلق قائم رکھا۔ البتہ ان تفاسیر میں دونوں کا منہج وہی تھا جو انہوں نے شفیوی تفسیر میں اپنایا تھا، یعنی سامعین کی مناسبت سے عام فہم خطیبانہ اسلوب اختیار کیا، لہذا اس اعتبار سے دونوں تفاسیر عام تفسیروں سے مختلف ہیں۔ لیکن عصر حاضر میں لوگ پڑھنے سے زیادہ مسموعات کو ترجیح دے رہے ہیں لہذا عام لوگوں اور داعیان قرآن کے لیے ان تفاسیر میں نمونہ موجود ہے۔ مزید یہ کہ ایک جیسے حالات و واقعات سے دوچار ہونے کے بعد دونوں نے قرآن کریم کو نسخہ علاج سمجھتے ہوئے اس کی دعوت کا کام کیا ہے۔ شعر اوی کا دعوتی اسلوب اور ڈاکٹر اسرار صاحب کا تحریکی اسلوب ہے۔ لہذا اگلے ابواب میں یہ جاننا دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا کہ دونوں کا منہج کیا ہے اور ان مناہج کے تقابلی نتائج کیا ہیں۔

باب دوم

تفسیر بالماثور کے حوالے سے شیخ محمد متولی الشعر اوی اور ڈاکٹر اسرار

احمد کی تفسیری آراء کا تقابلی جائزہ

فصل اول: تفسیر القرآن بالقرآن میں شعر اوی اور ڈاکٹر اسرار احمد کے منہج کا تقابل

فصل دوم: تفسیر القرآن بالحديث میں شعر اوی اور ڈاکٹر اسرار احمد کے منہج کا تقابل

فصل سوم: تفسیر القرآن باقوال الصحابة والتابعين میں دونوں مفسرین کے منہج کا تقابل

فصل چہارم: اسرائیلیات کے حوالے سے شعر اوی اور ڈاکٹر اسرار احمد کے منہج کا تقابل

فصل اول

تفسیر القرآن بالقرآن میں شعراوی اور ڈاکٹر اسرار احمد کے منہج کا تقابل

مبحث اول: تفسیر القرآن بالقرآن میں شعراوی کا منہج

مبحث دوم: تفسیر القرآن بالقرآن میں ڈاکٹر اسرار احمد کا منہج

مبحث سوم: تفسیر القرآن بالقرآن میں دونوں مفسرین کے منہج کا تقابلی جائزہ

تعارف:

الف۔ تفسیر بالماثور کی تعریف

تفسیر بالماثور سے مراد وہ تفسیر ہے جو خود قرآن کریم میں بعض آیات کی وضاحت بیان ہوئی ہے یا وہ تفسیر جو احادیث نبویہ ﷺ کی صورت میں ہم تک منتقل ہوئی، یا وہ تفسیر جو اقوال صحابہ و تابعین سے منقول ہو۔¹ بلاشبہ تفسیر بالماثور ہی قرآن کریم کی سب سے افضل تفسیر ہے اور ایک مفسر قرآن پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ سب سے پہلے قرآن مجید کو سمجھنے کے لیے قرآن ہی کی طرف رجوع کرے اور اس کے بعد سنت رسول ﷺ اور اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف التفات کرے۔ اس باب میں یہ جاننے کی کوشش کی گئی ہے کہ تفسیر بالماثور کے ضمن میں ڈاکٹر اسرار احمد اور امام شعر اوی کا موقف و منہج کیا ہے۔ باللہ التوفیق

ب۔ تفسیر القرآن بالقرآن

قرآن کریم کی سب سے بہترین تفسیر وہی ہے جو خود قرآن کریم میں بیان ہوئی ہے اس لیے کہ کتاب اللہ میں مضامین کو مختلف اسالیب میں کئی بار ذکر کیا گیا ہے۔ ایک مقام پر کسی مضمون کے ایک پہلو کو بیان کیا جاتا ہے تو دوسرے مقام پر باقی پہلو بیان کیے جاتے ہیں۔ جو چیز ایک جگہ اجمالاً بیان ہوتی ہے دوسری جگہ اس کی تفصیل موجود ہوتی ہے۔ کبھی ایک حکم مطلقاً بیان ہوتا ہے تو دوسری جگہ اس کی تفسیر ہوتی ہے، اسی طرح کبھی عام کی تخصیص اور کبھی منطوق کا مفہوم بیان ہوتا ہے، کبھی ایک لفظ سے دوسرے لفظ کا معنی بیان ہوتا ہے تو کبھی سابقہ آیت کے کسی لفظ یا جملے کے معانی کو واضح کیا جاتا ہے، کبھی ایک آیت سے دوسری آیت کا مفہوم بیان ہوتا ہے تو کبھی موجز کی تفصیل بیان ہوتی ہے اور اسی طرح کبھی مختلف قراءات کو تفسیر کے لیے جمع کیا جاتا ہے۔²

بلاشبہ یہ اسلوب قرآن کریم کی عظمت کا عکاس اور اہل لب کے لیے غور و تدبر کی دعوت ہے۔ اگر قرآن کریم کے ہر مقام کو دیگر مقامات سے مکمل طور پر بے نیاز ہو کر سمجھا جائے تو مفہوم کی غلطی کا امکان ہوتا ہے۔ اسی لیے جمہور اہل سنت نے قرآن فہمی کے جب اصول مرتب کیے تو پہلا درجہ تفسیر قرآن بالقرآن کو دیا۔ قرآن فہمی کا سب سے بنیادی مصدر خود قرآن کریم ہے۔

علامہ شنفیطی³ اپنی تفسیر کے مقدمہ میں اس امر کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

(1) الدكتور محمد السيد حسين الذهبي (المتوفى: 1398 هجرى)، التفسير والمفسرون، مكتبة وهبه، القاهرة، ص: 112/1
(2) تفصیل کے لیے دیکھیے: ابن تیمیہ، تقی الدین، مجموع الفتاوى، مجمع الملك فهد لطباعة المصحف الشريف، المدينة النبوية، 1995ء، ص: 363/13، منصور كافي، مناجح المفسرين في العصر الحديث: بين النظرية والتطبيق، دار العلوم للنشر، 2006ء، ص: 98.
(3) محمد الامين بن محمد البخاري الشنفيطي (1905-1974ء) موريتانيا عالم، مدرس اور مفسر تھے۔ (الاعلام للزركلي، ص: 45/6)

"واعلم أنّ من أهم المقصود بتأليفه أمران، أحدهما بيان القرآن بالقرآن لإجماع العلماء عليّ أن أشرف أنواع التفسير و أجملها تفسير كتاب الله بكتاب الله، إذ لا أحد أعلم بمعني كلام الله جل و علا من الله جل و علا" ¹

(ترجمہ: آپ کے علم میں ہونا چاہیے کہ اس تفسیر کی تالیف کے دو اہم مقاصد ہیں: پہلا مقصد یہ ہے کہ قرآن مجید کی خود قرآن ہی کی روشنی میں وضاحت کی جائے کیونکہ سب علماء کا اس پر اجماع ہے کہ تفسیر کی اعلیٰ و عظیم ترین صورت یہ ہے کہ کتاب الہی کی خود کتاب الہی کے ساتھ تفسیر کی جائے، کیونکہ کلام اللہ عز و جل کو خود اللہ عز و جل سے زیادہ کوئی نہیں جان سکتا۔)

اسی طرح ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

”إن أصح الطرق في ذلك أن يفسر القرآن بالقرآن، فما أُجْمِلَ في مكان فإنه قد فُيِّرَ في موضع آخر، وما اختُصِرَ من مكان فقد بُسِطَ في موضع آخر“ ²

(ترجمہ: اس ضمن (تفسیر) میں سب سے درست طریقہ یہ ہے کہ قرآن کی تفسیر قرآن سے کی جائے کیونکہ جو (مضمون) ایک جگہ اجمالاً بیان ہوتا ہے دوسرے مقام پر اس کی تفسیر بیان ہوتی ہے، جو ایک جگہ اختصار سے بیان ہوتا ہے دوسرے مقام پر اس کی تفصیل موجود ہوتی ہے۔)

مثال کے طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا واقعہ قرآن کریم کے مختلف مقامات پر موجود ہے لیکن ہر مقام اپنے اسلوب کے لحاظ سے منفرد ہے۔ یہی معاملہ حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس کے قصے کا بھی ہے۔ اس حوالے سے دیگر مثالیں اسی فصل کی اگلی تینوں مباحث میں آرہی ہیں۔

اس فصل میں تفسیر القرآن بالقرآن کے حوالے سے تفسیر الشعراوی اور بیان القرآن کے مناہج و اسلوب کو تفصیلی طور پر بیان کرنے کے بعد دونوں تفسیروں کے مناہج کا تقابل کیا گیا ہے۔

(1) محمد الامین الشنقیطی، أعضاء البیان فی إيضاح القرآن بالقرآن، دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت، 1415ھ، ص: 7/1

(2) ابن تیمیہ، مقدمہ فی أصول التفسیر، دار مکتبۃ الحیاء، بیروت، لبنان، 1980ء، ص: 39

مبحث اول

تفسیر القرآن بالقرآن میں شعر اوی کا منہج

سابقہ تعارفی کلام کی روشنی میں قرآن کریم کی تفسیر کرتے ہوئے اس کے تمام مقامات کا استحضار ہونا مفسر کے لیے لازمی شرط ہے۔ امام شعر اوی کا بھی یہی موقف ہے جیسا کہ وہ خود فرماتے ہیں:

"ولذلك أقول دائما لابد لنا أن نأخذ القرآن جملة واحدة، ونأتي بكل الآيات التي تتعلق بالموضوع لنفهم المقصود تماماً" ¹

(ترجمہ: اسی لیے میں ہمیشہ یہ کہتا ہوں کہ ہم پر لازم ہے کہ ہم قرآن کو جملہ واحد کی صورت میں سمجھیں اور کسی ایک موضوع کو سمجھنے کے لیے اس کے متعلق تمام آیات کو یکجا کر کے پورے مفہوم مقصود کو حاصل کریں)

شعر اوی اپنی تفسیر میں عام طور پر کسی ایک آیت کی تفسیر کرتے ہوئے قرآن کریم کے متعدد مقامات سے استشہاد کرتے ہیں۔ ذیل میں تفسیر القرآن بالقرآن کے ضمن میں شعر اوی کے اسلوب کو ان کی تفسیر کی چند مثالوں سے سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔

1- ایک آیت کے معنی کو دوسری آیت سے واضح کرنا\مجمل کی مبین سے وضاحت

مجمل سے مراد وہ عبارت ہے جس کی دلالت واضح نہ ہو یعنی اس کے ظاہری الفاظ سے بات مکمل طور پر واضح نہ ہو جبکہ مبین یا مفسر سے مراد وہ عبارت ہے جس کی دلالت واضح ہو یعنی اس کے ظاہری صیغہ اور الفاظ سے مفہوم واضح ہو رہا ہو۔ اگر مجمل کی تفسیر کے دوران مبین کی طرف رجوع نہ کیا جائے تو اشکال پیدا ہونے کا اندیشہ رہتا ہے۔² شعر اوی نے قرآن کریم کی تفسیر کرتے ہوئے متعدد مقامات پر آیات کے معنی سمجھانے کی غرض سے قرآن کریم کے دیگر مقامات کی طرف رجوع کیا ہے جیسا کہ قول باری تعالیٰ:

﴿فَتَلَقَّى آدَمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ﴾ ³

(ترجمہ: پھر آدم (علیہ السلام) نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھ کر توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی

توبہ قبول کر لی۔ بلاشبہ وہ بندوں کی توبہ قبول کرنے والا نہایت رحم کرنے والا ہے)

کی تفسیر کے دوران شعر اوی نے اکثر مفسرین کی رائے کے مطابق سورۃ الاعراف کی آیت مبارکہ:

(1) تفسیر الشعر اوی، ص: 837/2

(2) أبو الوفاء، علی بن عقیل الظفری، الواضح فی أصول الفقه، مؤسسة الرسالۃ للطباعة والنشر والتوزیع، بیروت - لبنان، طبع: اول، 1420ھ، ص: 385/3.

72/4، 5/4، ابن مغلجہ الحنبلی، اصول فقہ، مکتبۃ العبیکان، 1999ء، ص: 1018/3، 999/3.

(3) البقرة: 37

﴿قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾¹

(ترجمہ: وہ دونوں کہنے لگے: "ہمارے پروردگار! ہم نے اپنے آپ پر ظلم کیا اور اگر تو نے ہمیں

معاف نہ کیا اور ہم پر رحم نہ کیا تو ہم بہت نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے")

کو بیان فرمایا اور ساتھ ہی ان کلمات کے متعلق کچھ اور آراء بھی بیان فرمادی۔ جیسا کہ امام ابن جریر الطبری نے اپنی تفسیر میں اقوال نقل کیے ہیں۔² اور آخر میں اصل چیز کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی طرف وہ کلمات وحی کیے جن سے وہ اللہ کا تقرب حاصل کر سکیں چاہے وہ کلمات یہ آیت کریمہ ہوں یا کوئی اور کلمات ہوں۔³ یہاں شعر اوی کو رائج قول کا تعین کرنا چاہیے تھا جیسا کہ جمہور مفسرین کے مطابق (رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا) ہی وہ کلمات تھے جن کو سیکھ کر آدم علیہ السلام نے اللہ سے دعا کی تھی۔ باقی امام طبری کے نقل کردہ اقوال صحت میں بھی کمزور ہیں۔

2- کسی مفرد کی شرح قرآن کریم سے

شعر اوی نے مفردات کے معنی کے حوالے سے تفصیلی کلام کیا ہے۔ آپ نے معانی کو بیان کرنے کی غرض سے اس لفظ کے مختلف مادوں کا قرآنی استعمال بیان کرتے ہوئے معنی کا تعین کیا ہے۔ مثلاً قول باری تعالیٰ:

﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾⁴

(ترجمہ: نیز تمام شوہروں والی عورتیں بھی (حرام ہیں) مگر وہ کنیزیں جو تمہارے قبضہ میں آجائیں)

کی تفسیر میں شعر اوی لفظ "محصنات" کے متعلق کلام کرتے ہوئے پہلے یہ وضاحت کرتے ہیں کہ عام طور پر مشتقات اپنے معنی میں اصل (مصدر) کے ساتھ مشترک ہوتے ہیں اور یہ کلمہ "الحصن" سے ماخوذ ہے اور یہ وہ مقام ہے جہاں لوگ اپنے دشمن سے بچنے کے لیے پناہ لیتے ہیں گویا جب وہ اس میں پناہ لے لیتے ہیں تو وہ اپنے دشمن کو خود سے روک دیتے ہیں اور جب وہ محصن نہیں ہوتے تب وہ اپنے دشمن کے سامنے ظاہر ہو جاتے ہیں کہ وہ ان پر چڑھ دوڑے اور یہی "الحصن" کی حقیقت ہے۔

اس کے بعد اس حوالے سے شعر اوی قرآن کریم کی دیگر آیات ذکر کرتے ہیں کہ اس لفظ سے بننے والے

مشتقات بہت ہیں جن میں سے قول باری تعالیٰ: ﴿وَمَرْيَمُ ابْنَتُ عِمْرَانَ الَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا﴾⁵ ہے اور (أحصنت

(1) الأعراف: 23

(2) الطبری، جامع البیان، ص: 542/1

(3) تفسیر الشعر اوی، ص: 273/1

(4) النساء: 24

(5) التحریم: 12

فرجھا) کے معنی ہیں کہ انہوں نے عفت اپنالی اور کسی بھی مرد کو اپنے قریب آنے سے روک دیا اور یہاں ہمارے زیر مطالعہ آیت میں لفظ (والمحسنات) سے مقصود شادی شدہ خواتین ہیں اور عورت جب تک شادی شدہ ہوتی ہے تب تک اس کا تعلق اس کے خاوند کے ساتھ خاص ہوتا ہے اور وہ باقیوں کے لیے ممنوع ہوتی ہے۔ اسی طرح آپ آیت مبارکہ: ﴿فَإِذَا أَحْصَيْنَ فَإِنْ أَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ﴾¹ اور قول باری تعالیٰ: ﴿ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَأْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ إِلَّا قَلِيلًا مِّمَّا تَخَصِمُونَ﴾² وغیرہ سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ حصن کا مادہ روکنے اور امتناع کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔³

شعراوی کا یہ انداز بیان کسی قرآنی مفرد کے مفہوم تک رسائی حاصل کرنے اور اسے ذہن نشین کرنے کا بہترین انداز ہے۔ خصوصی طور پر ان لوگوں کے لیے جو قرآن کریم کی درس و تدریس سے منسلک ہیں۔

4۔ العموم والتخصيص

قرآن حکیم کے تمام احکامات اصلاً عام ہیں یہاں تک کہ ان کی تخصیص ثابت ہو سکے۔ اسی لیے شعراوی اپنی تفسیر میں اس قول کو اکثر دوہراتے ہیں کہ: "إن العبرة بعموم اللفظ لا بخصوص السبب"⁴ یعنی عبرت لفظ کے عموم سے حاصل ہوگی نہ کہ سبب کی خصوص سے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شعراوی آیات کو ان کے عام معنی پر محمول کرنے کو اسے بعض متعین افراد کے ساتھ تخصیص کرنے پر ترجیح دیتے ہیں اور اس کی ہم ایک مثال یہاں بیان کرتے ہیں جب شعراوی اللہ کے اس قول:

﴿أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ...﴾⁵

(ترجمہ: تم لوگوں کو تو نیکی کا حکم کرتے ہو مگر اپنے آپ کو بھول ہی جاتے ہو....)

کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ولا بد أن ننبه إلى أنه إذا كانت هذه الآيات قد نزلت في اليهود. فليس معناها أنها تنطبق عليهم

وحدهم. بل هي تنطبق على أهل الكتاب جميعاً. وغير المؤمنين. فالعبرة ليست بخصوص الموضوع.

ولكن العبرة بعموم السبب."⁶

(1) النساء: 25

(2) يوسف: 48

(3) تفسیر الشعراوی، ص: 2110/4

(4) تفسیر الشعراوی، ص: 11089/18 اور رازی، فخر الدین، المحصول، مؤسسة الرسالہ، طبع: سوم، 1997ء، 125/3

(5) البقرة: 44

(6) تفسیر الشعراوی: 303/1

(ترجمہ: یہ ضروری ہے کہ ہم یہاں جان لیں کہ اگرچہ یہ آیات یہود کے متعلق نازل ہوئی ہیں لیکن اس کا یہ معنی ہر گز نہیں کہ اس کا اطلاق صرف ان ہی پر ہوگا بلکہ اس کا اطلاق تمام اہل کتاب اور غیر مومنین پر بھی ہوگا کیونکہ عبرت لفظ کے عموم سے حاصل ہوگی نہ کہ موضوع کی تخصیص سے۔)

لیکن یہ بات مسلم ہے کہ بعض آیات خاص ہوتی ہیں اور ان کی تعمیم ممکن نہیں ہوتی مثلاً اللہ تعالیٰ کا اپنے نبی کریم ﷺ کو تہجد کا حکم دینا، چار سے زائد شادیوں کی اجازت دینا وغیرہ اور ایسی آیات کی تخصیص کو شعر اوی بھی بیان فرماتے ہیں۔ شعر اوی اپنی تفسیر میں بعض اوقات ایک آیت کی تخصیص دوسری آیت سے کر دیتے ہیں لیکن عدم صراحت کے ساتھ جیسا کہ آیت مبارکہ:

﴿وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتَّىٰ يُؤْمِنَ وَلَا مَؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَلَوْ أَعْجَبَتْكُمْ - ۱﴾

(ترجمہ: اور مشرک عورتیں جب تک ایمان نہ لائیں ان سے نکاح نہ کرو اور مشرک عورتوں سے ایمان دار لونڈی بہتر ہے گو وہ تمہیں بھلی معلوم ہو)

کی تفسیر میں شعر اوی اس امر کی وضاحت کرتے ہیں کہ اہل کتاب عورتیں اس آیت سے مستثنیٰ ہیں اور مسلمان ان سے نکاح کر سکتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿الْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ.... ۲﴾

(ترجمہ: آج تمہارے لیے تمام پاک چیزیں حلال کر دی گئی ہیں اور اہل کتاب کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لیے۔ نیز مومن عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں اور ان لوگوں کی عقیقہ عورتیں بھی جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی) ۳

5۔ ایک مطلق آیت کو دوسری آیت سے مقید بنانا

قرآن کریم کی بعض آیات میں بیان ہونے والا مطلق حکم دوسری آیات سے مقید بن جاتا ہے۔ آیت مبارکہ:

﴿وَمَنْ يَرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۴﴾

(ترجمہ: اور تم میں سے اگر کوئی اپنے دین سے برگشتہ ہو جائے پھر اس حالت میں مرے کہ وہ کافر ہی ہو تو ایسے لوگوں کے اعمال دنیا اور آخرت دونوں میں ضائع ہو گئے...)

(۱) البقرة: 221

(۲) المائدة: 5

(۳) تفسیر الشعر اوی، ص: 2937/5

(۴) البقرة: 217

کی تفسیر کے دوران آیت کے مفہوم کو بیان کرنے کے لیے شعر اوی اس آیت کا تقابل ایک اور آیت سے کرتے ہیں جس میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَمَنْ يَكْفُرْ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾¹ (ترجمہ: اور جس نے بھی ایمان کے بجائے کفر اختیار کیا اس کا وہ عمل برباد ہو گیا اور آخرت میں وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا)

آپ رقم طراز ہیں:

"وإذا قارنا بين الآيتين نجد أن الآية التي نحن بصدد خواطرنّا عنها قد ورد فيها قوله: {فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ} وفي سورة المائدة لم يرد هذا وإنما ورد قوله: {وَمَنْ يَكْفُرْ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ} وقد اختلف العلماء في المسألة اختلافات جميلة. ولكنهم اتفقوا أولاً على أن أي إنسان يرتد عن الإسلام ثم يموت مرتداً فقد حبطت أعماله." ²

(ترجمہ: جب ہم دونوں آیات کا تقابل کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ زیر مطالعہ آیت میں یہ الفاظ {فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ} موجود ہیں جبکہ سورۃ المائدہ کی آیت میں یہ الفاظ نہیں ہیں اور صرف یہ مذکور ہے کہ ﴿وَمَنْ يَكْفُرْ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ﴾ لہذا ان آیات کو سمجھنے میں فقہاء نے اختلاف کیا ہے لیکن سب سے پہلے انہوں نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ جو شخص اسلام سے مرتد ہو جائے اور پھر اسی حال میں مر جائے تو اس کے تو تمام اعمال برباد ہوئے۔)

اس کے بعد آپ اختلاف فقہاء کی وضاحت کرتے ہیں:

"ولكن اختلافهم تركز فيما لو رجع وآمن مرة ثانية، أي لم يمّت وهو كافر، بل رجع فأمن بعد ردة، فهل حبط عمله أم لم يحبط؟ وللإمام الشافعي رأي يقول: إن الذي يرتد عن الدين تحبط أعماله إن مات على الكفر، أما إن عاد وأسلم مرة أخرى فإن أعماله التي كانت قبل الارتداد تكون محسوبة له. والإمام أبو حنيفة له رأي مختلف فهو يقول: لا، إن آية سورة المائدة ليس فيها {فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ} وعليه فإننا نحملها على آية سورة البقرة التي ذكر فيها ذلك من باب حمل المطلق على المقيد، وعلى ذلك فالذي يكفر بعد إيمانه عمله محبط سواء رجع إلى الإيمان بعد ذلك أو لم يرجع، فلا يحتسب له عمل." ³

(ترجمہ: فقہاء کا اختلاف اس بات پر ہے کہ اگر کوئی شخص مرتد ہونے کے بعد دوبارہ ایمان لے آئے، یعنی وہ اس حال میں نہ مرے کہ وہ کافر ہو بلکہ وہ اپنے ارتداد کے بعد دوبارہ ایمان لے آئے، تو اس کا معاملہ کیا ہوگا؟ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ بے شک جو مرتد ہو گیا اور کفر پر مر گیا تو اس کے تمام اعمال برباد ہو گئے

(¹) المائدہ: 5

(²) تفسیر الشعراوی، ص: 930/2

(³) تفسیر الشعراوی، ص: 930/2

لیکن اگر وہ لوٹ آیا اور دوبارہ اسلام لے آیا تو اس کے ارتداد سے پہلے کے اعمال کا ثواب بھی اسے ملے گا۔ اور امام ابو حنیفہ کی رائے مختلف ہے کہ وہ کہتے ہیں: "سورة المائدة کی آیت میں یہ الفاظ ﴿فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ﴾ نہیں ہے لہذا ہم اسے سورة البقرة طرف لوٹائیں گے اور یہ مطلق کو مقید پر محمول کرنے کے باب سے ہے سو جو شخص بھی ایمان کے بعد کافر ہو جائے اس کے اعمال کا اجر نہ ملے گا چاہے وہ ایمان کی طرف لوٹے یا نہ لوٹے۔)

لیکن اگر غور کریں تو یہ معلوم ہو گا کہ امام شافعی نے مطلق کو مقید کی طرف لوٹایا ہے نہ کہ امام ابو حنیفہ نے اور دوسری جگہ پر شعر اووی نے خود یہ بیان کیا ہے کہ: "اگر کوئی شخص حج کرنے کے بعد مرتد ہو جائے اور پھر دوبارہ اسلام میں لوٹ آئے تو کیا اسے حج کا ثواب ملے گا؟ تو شافعی کی رائے کے مطابق تو اس کا عمل برباد نہ ہو گا اگر وہ ایمان کی طرف لوٹ آئے گا کیونکہ اللہ نے کہا ہے: (فیمت وهو کافر) یعنی یہ تو امام شافعی ہیں جنہوں نے سورة المائدة کی مطلق آیت کو سورة البقرة کی آیت سے مقید کیا ہے نہ کہ امام ابو حنیفہ نے اور یہی ثابت بھی ہے۔

6۔ کسی ایک موضوع کے متعلق آیات کو جمع کرنا

بلاشبہ اگر کسی ایک موضوع کے متعلق مختلف آیات کو یک جگہ جمع کر کے موضوع کو سمجھا جائے تو بہترین تعبیر سامنے آتی ہے اور کسی قسم کا غموض و ابہام باقی نہیں رہتا، اور غلطی کا امکان بھی کم ہو جاتا ہے۔ شاید اسی سبب کے پیش نظر شعر اووی اکثر اوقات کسی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے اس آیت کے مضمون کے متعلق مختلف آیات کو ایک جگہ جمع کر دیتے ہیں جس کی ایک مثال سورة النساء کی یہ آیت ہے:

﴿وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا - - -﴾¹

(ترجمہ: اور اللہ کی بندگی کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو۔)

اس آیت کی تفسیر میں شعر اووی نے درج ذیل آیات ذکر کی ہیں:

1. ﴿وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَءِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا...﴾²
2. (وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا...﴾³
3. (قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبِّي عَلَيْكُمْ ۖ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا...﴾⁴
4. (وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا ۖ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا...﴾⁵

(1) النساء: 36

(2) البقرة: 83

(3) النساء: 36

(4) الانعام: 151

(5) الاحقاف: 15

5. (وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ... ﴿١﴾²

یہاں شعر اوی نے والدین کے ساتھ حسن سلوک کے حوالے سے قرآن کریم کے دیگر چار مقامات کا ذکر بھی کیا ہے جس سے یہ موضوع قرآنی آیات کی روشنی میں واضح ہو گیا ہے۔ البتہ یہاں آپ نے اس مضمون کے متعلق سورۃ الاسراء میں مذکور نہایت اہم مقام کا تذکرہ نہیں کیا، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۖ إِنَّمَا يُبَلِّغَنَّ عَنْكَ الْكِبَرُ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا﴾³

(ترجمہ: آپ کے پروردگار نے فیصلہ کر دیا ہے کہ: تم اس کے علاوہ اور کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ بہتر سلوک کرو۔ اگر ان میں سے کوئی ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جائیں تو انہیں اف تک نہ کہو، نہ ہی انہیں جھڑکوا اور ان سے بات کرو تو ادب سے کرو)

7۔ نحوی، بلاغی، اور لغوی مسائل بیان کرنے کے لیے کسی آیت سے استشہاد کرنا

اس قبیل سے بہت سی مثالیں شعر اوی کی تفسیر میں موجود ہیں۔ ایک مثال درج ذیل ہے۔

قول باری تعالیٰ: ﴿قَالُوا إِنَّ هَٰذَا لَسَاحِرٌ يُرِيدُ أَنْ يُخْرِجَكُمْ مِنْ أَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِم﴾⁴

(ترجمہ: آخر کچھ لوگوں نے کہا: "یہ دونوں جادو گر ہیں اور چاہتے ہیں کہ جادو کے زور سے تمہیں تمہارے ملک سے نکال دیں)

کی تفسیر میں آپ فرماتے ہیں:

"(ان) شرطیہ ہوتا ہے جب فعل میں داخل ہوتا ہے جیسا کہ ہم کہتے ہیں: ان زارنی زید اکرمته لیکن یہ (ان) کبھی نفی میں (ما) کے معنی میں آتا ہے جیسا کہ قول باری تعالیٰ: ﴿الَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَائِهِمْ مَا هُنَّ أُمَّهَاتُهُمْ ۖ إِنَّ أُمَّهَاتُهُمْ إِلَّا اللَّائِي وَلَدَتْهُمْ﴾⁵ جس کا معنی ہے: ما امہاتہم إلا اللائی ولدنہم، اور اسی طرح قول باری تعالیٰ: (ان هذان لساحران) میں معنی ہوگا: ما هذان الا ساحران اور لساحران میں لام بمعنی (الا) ہو

گا...⁶

اسی طرح آیت میں موجود بلاغی معنی کو دوسری آیت سے واضح کرنے کی مثال میں قول باری تعالیٰ:

(۱) العنکبوت: 8

(۲) تفسیر الشعراوی، 4/2210

(۳) الاسراء: 23

(۴) ط: 63

(۵) المجادلہ: 2

(۶) تفسیر الشعراوی، ص: 9307/15

﴿قَالُوا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَأَشْرَبُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ قُلْ بِسْمَا يَأْمُرُكُمْ بِهِ إِيْمَانُكُمْ إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾¹

(ترجمہ: تو (تمہارے اسلاف) کہنے لگے کہ ہم نے یہ حکم سن لیا اور (دل میں کہا) ہم مانیں گے نہیں۔ ان کے اسی کفر کی وجہ سے مچھڑے کی محبت ان کے دلوں میں ڈال دی گئی تھی۔ آپ ان سے کہیے کہ اگر تم مومن ہو تو تمہارا یہ ایمان تمہیں کیسی بری باتوں کا حکم دیتا ہے)

کی تفسیر میں شعر اوی فرماتے ہیں یہودیوں نے کہا کہ ہم اس پر یقین رکھتے ہیں جو ہماری طرف نازل ہوا ہے اور اس پر یقین نہیں رکھتے جو اس کے بعد آیا ہے۔ اللہ نے کہا کہ ان سے کہو، کیا تمہارا ایمان یہی حکم دیتا ہے؟ اور "وهذا أسلوب تھکم من القرآن الكريم عليهم، مثل قوله تعالى: {أَخْرِجُوا آلَ لُوطٍ مِّن قَرْيَتِكُمْ إِنَّهُمْ أَنَاسٌ يَّتَطَهَّرُونَ} ² هل الطهر والطهارة مبرر لإخراج آل لوط من القرية؟ طبعاً لا، ولكنه أسلوب تھکم واستنکار"

(ترجمہ: اور یہ قرآن کریم میں ان سے تمسخرانہ اسلوب میں کلام ہے جیسا کہ قول باری تعالیٰ: (ترجمہ: قوم کا جواب بجز اس کہنے کہ اور کچھ نہ تھا کہ آل لوط کو اپنے شہر سے شہر بدر کر دو، یہ تو بڑے پاکباز بن رہے ہیں) اب بھلا کیا طہر و طہارت، آل لوط کے اخراج کی وجہ تھی؟ یقیناً نہیں لیکن یہ اسلوب تھکم اور استنکار تھا۔"³

مندرجہ بالا مثالوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ شعر اوی کی قرآن فہمی میں قرآن سے تعلق اور لغت کا سب سے زیادہ دخل رہا ہے۔ آپ ایک باریک لغوی نکتہ انتہائی عام فہم انداز میں بیان فرمانے کی صلاحیت رکھتے تھے جس کا اظہار ان دونوں مثالوں میں بخوبی ہوتا ہے۔

8۔ کسی ایک لفظ کا قرآن کریم میں مختلف معانی میں استعمال

شعر اوی اپنی تفسیر میں ایک لفظ کی مختلف وجوہ کے بیان کا بھی اہتمام کرتے ہیں مثال کی طور پر لفظ "قضى" کے قرآن کریم میں مستعمل مختلف وجوہ کا ذکر شعر اوی نے کیا ہے۔ شعر اوی اس موقع پر وضاحت کرتے ہیں کہ لغت میں ایک اصطلاح (مشترک لفظی) استعمال ہوتی ہے جس سے مراد یہ ہے کہ ایک ہی لفظ اپنے سیاق کے مطابق مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے مثلاً کلمہ (قضى) کے متعدد معنی ہیں اور ایک ایسا معنی بھی ہے جو اپنے اندر تمام معانی کو جمع کر لیتا ہے۔

(¹) البقرة: 93

(²) النمل: 56

(³) تفسیر الشعر اوی، ص: 468/1

اس کے بعد آپ لفظ قضی کے متعلق گفتگو کرتے ہیں کہ کبھی تو (قضی) سے مراد فارغ ہونے یا مکمل کرنے کی ہوتی ہے جیسا کہ ارشاد الہی ہے: ﴿فَإِذَا قُضِيَتْكُمْ مَنَاسِكُكُمْ...﴾¹ یہاں مراد ہے کہ جب تم اپنے مناسک مکمل کر لو۔ دوسری جگہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿فَاقْضِ مَا أَنْتَ قَاضٍ إِنَّمَا تَقْضِي هَذِهِ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا﴾² یہاں مراد ہے کہ تم کر گزرو جو تم چاہو۔ ایک اور آیت میں فرمان الہی ہے: ﴿وَمَا كَانَ لِلْمُؤْمِنِ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ...﴾³ یہاں معنی یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کچھ فیصلہ فرمادیتے ہیں تو پھر مومنین کے لیے اس معاملے میں اختیار باقی نہیں چھوڑتے۔

آپ مزید فرماتے ہیں کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَنَادَوْا يَا مَالِكُ لِيَقْضِيَ عَلَيْنَا رَبُّكَ...﴾⁴ لیقض علینا کا معنی یہ ہے کہ ہمیں مار دے۔ اسی لفظ کا ایک اور معنی اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے: ﴿وَقَالَ الشَّيْطَانُ لَمَّا قُضِيَ الْأَمْرُ...﴾⁵ یعنی جب معاملہ تمام ہو گیا اور جزا واقع ہو گئی۔ ایک اور موقع پر آیت ہے: ﴿فَلَمَّا قَضَى مُوسَى الْأَجَلَ...﴾⁶ یعنی جب موسیٰ نے مدت پوری کر لی۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے قول: ﴿وَقُضِيَ بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ...﴾⁷ میں غور کریں تو اس کا مطلب ہے کہ حکم جاری فرمادیا اور ان کے درمیان فیصلہ فرمادیا۔ اور آیت مبارکہ: ﴿وَقُضِينَا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ فِي الْكِتَابِ...﴾⁸ میں اس سے مراد ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل کے علم میں یہ بات ڈال دی۔

آخر میں آپ نتیجہ نکالتے ہیں کہ ان آیات کی روشنی میں یہ معلوم ہوا کہ کلمہ (قضی) کے متعدد معنی ہیں جن کی تحدید سیاق سے ہوتی ہے لیکن اس کا ایک معنی ایسا بھی ہے جس میں تمام معانی سموئے جاسکتے ہیں اور وہ (فیصلہ کرنے) کے ہیں اور یہی اس کے اصل معنی ہیں۔⁹

یہاں شعر اوی نے لفظ قضی کے قرآنی استعمال کو سمجھانے کے لیے قرآن کریم کے آٹھ مختلف مقامات سے استشہاد کرتے ہوئے اس لفظ کے مختلف معانی بیان کرنے کے بعد رائج اور جامع معنی کا تعین کیا ہے۔ لغوی اعتبار سے اس تفسیر میں خاصی تفصیل موجود ہیں اور بعض تو صرف لغوی دلچسپی اور معلومات رکھنے والوں ہی کے لیے خاص ہیں۔

(¹) البقرہ: 200

(²) طہ: 72

(³) الاحزاب: 36

(⁴) الزخرف: 77

(⁵) ابراہیم: 22

(⁶) القصص: 29

(⁷) یونس: 54

(⁸) الاسراء: 4

(⁹) تفسیر الشعر اوی، ص: 553/1

9۔ آیت کے معنی کو تقویت دینے کے لیے دوسری آیات سے استشہاد

شعر اووی سورۃ الفاتحہ کی آیت:

﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾¹

(ترجمہ: ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں)

کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

" {إِيَّاكَ نَعْبُدُ} تنفي العبودية لغير الله . أي لا نعبد غير الله ولا يعطف عليها أبدا . {إِيَّاكَ نَعْبُدُ} أعطت تخصيص العبادۃ لله وحده لا إله غيره ولا معبود سواه وعلمنا أن نلتفت الي قوله

تبارك وتعالى: {لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا فَسُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ}²

(ترجمہ: {إِيَّاكَ نَعْبُدُ} میں غیر اللہ کی عبادت کی نفی ہے یعنی ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے اور نہ ہی

اس طرف کبھی بھی مائل ہونگے سوا بس {إِيَّاكَ نَعْبُدُ} میں اللہ کے لیے عبادت کی تخصیص کرنے کا حکم ہو جو اکیلا

ہے اسی کے سوا کوئی معبود نہیں اور ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف التفات نظر کریں:

(ترجمہ: اگر زمین و آسمان میں اللہ کے سوا کوئی اور بھی الہ ہوتے تو زمین و آسمان کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔۔)

یہاں شعر اووی نے اللہ کی عبادت کی تخصیص کے لیے سورۃ الانبیاء کی آیت سے استشہاد کیا ہے اور زیر مطالعہ

آیت کے موقف کو دوسری آیت سے موکد بنایا ہے۔ یعنی نظام کائنات میں ٹھہراؤ اور یکسانیت معبود واحد کی دلیل ہے

لہذا عبادت بھی ایک ہی معبود کی ہونی چاہیے۔

10۔ شعر اووی کا قرآنی آیات سے موقف حاصل کرنا

شعر اووی اپنی رائے کو ثابت کرنے کے لیے اکثر و بیشتر قرآنی آیات کو بیان کرتے ہیں جس کی ایک مثال یہ ہے

کہ آیت مبارکہ:

﴿الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ﴾⁴

(ترجمہ: جو غیب پر ایمان لاتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دے رکھا ہے، اس

میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں)

(1) الفاتحہ: 5

(2) الانبیاء: 22

(3) تفسیر الشعر اووی، ص: 1/ 78

(4) البقرہ: 3

کی تفسیر میں شعر اوی یہ موقف پیش کرتے ہیں کہ غیب ایک ایسی چیز ہے جس کے مقدمات نہیں ہوتے اور اللہ کی مخلوق میں سے کسی کے علم کی رسائی غیب تک ممکن نہیں یہاں تک کے فرشتوں کی بھی نہیں۔ اپنے اس موقف کی دلیل کے طور پر آپ درج ذیل قول باری سے استدلال کرتے ہیں:

﴿وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ فَقَالَ أَنْبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هَؤُلَاءِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ قَالُوا سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ----﴾¹

(ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام نام سکھا کر ان چیزوں کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا، اگر تم سچے ہو تو ان چیزوں کے نام بتاؤ، ان سب نے کہا اے اللہ! تیری ذات پاک ہے ہمیں تو صرف اتنا ہی علم ہے جتنا تو نے ہمیں سکھا رکھا ہے، پورے علم و حکمت والا تو تو ہی ہے) اس کے بعد آپ یہ موقف پیش کرتے ہیں کہ جنات غیب کا علم نہیں رکھتے اسی لیے جب سلیمان علیہ السلام وفات پا گئے، اور اس سے قبل اللہ نے جنات کو ان کے لیے مسخر کر رکھا تھا، تب جنات کو سلیمان علیہ السلام کی موت کا ادراک نہ ہو سکا یہاں تک کے ایک دابة الأرض نے ان کے عصا کو کھالیا، آپ دلیل میں یہ آیت پیش کرتے ہیں:

﴿فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلَى مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنْسَأَتَهُ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ أَنْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ الْمُهِينِ﴾²

(ترجمہ: پھر جب ہم نے سلیمان پر موت کا فیصلہ کر دیا تو جنوں کو گھن کے کیڑے کے سوا کسی چیز نے سلیمان کی موت کا پتہ نہ دیا جو ان کے عصا کو کھائے جا رہا تھا۔ پھر جب وہ گر پڑا تو جنوں پر واضح ہو گیا کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو ایسے ذلت کے عذاب میں نہ پڑے رہتے۔) آپ فرماتے ہیں کہ غیب تو بس وہ ہے جس کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ آپ پھر دلیل کے لیے درج ذیل آیت ذکر کرتے ہیں:

﴿عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَى مِنْ رَسُولٍ فَإِنَّهُ يَسْلُكُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ رَصَدًا﴾³

(ترجمہ: وہ غیب کا جاننے والا ہے اور اپنے غیب پر کسی کو آگاہ نہیں کرتا، سوائے ایسے رسول کے جسے وہ (کوئی غیب کی بات بتانا) پسند کرے۔ پھر وہ اس (وحی) کے آگے اور پیچھے محافظ لگا دیتا ہے)

(¹) البقرة: 31-32

(²) سبا: 14

(³) الجن: 26-27

اس آیت سے آپ یہ بھی دلیل پکڑتے ہیں کہ رسول بھی غیب کو نہیں جانتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ انہیں غیب سے جو چاہتا ہے سکھاتا ہے، اور یہ ان کے اور ان کے پیروکاروں کے لیے معجزہ ہوتا ہے۔¹ شعر اوی کا یہ موقف درست ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی مطلق علم غیب نہیں جانتا۔ خالق اور مخلوق کی جن بعض صفات میں مماثلت پائی جاتی ہے مثلاً سماعت، بصارت، علم وغیرہ، ان صفات کے حوالے سے یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ خالق کی تمام تر صفات ذاتی اور غیر محدود ہیں جب کہ مخلوق کی تمام تر صفات عطائی اور محدود ہیں۔ اسی طرح علم غیب کے حوالے سے ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ﴾²

(ترجمہ: کہہ دے اللہ کے سوا آسمانوں اور زمین میں کوئی بھی غیب کی بات نہیں جانتا)

یہ مضمون قرآن حکیم میں دیگر مقامات پر بھی بیان ہوا ہے۔

اس بحث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام شعر اوی نے اپنی تفسیر میں تفسیر القرآن بالقرآن کا اہتمام بخوبی کیا ہے۔ آپ ہمیشہ قرآنی آیات کو انفرادی حیثیت کے ساتھ دیگر آیات سے ملا کر سمجھاتے۔ اس دوران آپ کبھی تو ایک مفرد کی شرح کرتے ہوئے اور کبھی پوری آیت کی شرح اور کبھی کسی خاص مضمون کی شرح میں قرآن کریم کے مختلف مقامات سے استدلال کرتے۔ غرض یہ کہ آپ جو بھی بات کرتے حتی الامکان اس کی دلیل کے طور پر قرآنی آیت پیش کرنے کی کوشش کرتے۔

(1) تفسیر الشعر اوی، ص: 126/1

(2) النمل: 65

مبحث دوم

تفسیر القرآن بالقرآن میں ڈاکٹر اسرار احمد کا منہج

قرآن کریم کی قرآن ہی سے تفسیر کے متعلق ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:

"قرآن مجید کی تفسیر کا یہ اصول پیش نظر رکھیے کہ، الْقُرْآنُ يُفَسِّرُ بَعْضُهُ بَعْضًا، قرآن کا ایک حصہ دوسرے حصے کی تفسیر کرتا ہے۔"¹

ڈاکٹر صاحب نے اپنی تفسیر میں تفسیر القرآن بالقرآن میں جو منہج اپنایا ہے، اس بحث میں اسے چند مثالوں کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔

1۔ قرآنی آیت کا پس منظر قرآن سے

قرآن کریم کے اعجاز کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ یہ محمد رسول اللہ ﷺ کی قلب اطہر پر آہستہ آہستہ حالات و واقعات کے مطابق نازل ہوا، اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن کا نزول اللہ کی جانب سے ہوا ہے جو ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔ اس تدریج کی حکمت یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ کو تسلی اور دل جمعی حاصل ہو سکے اور مشرکین مکہ اور دیگر کفار کے اعتراضات کا بھرپور جواب دیا جاسکے۔ اسی لحاظ سے قرآن کریم کی بعض آیات کے نزول کا پس منظر اور سبب نزول بھی قرآن میں مل جاتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے بھی اس کا اہتمام کیا ہے کہ متعدد آیات کے پس منظر کو قرآن ہی سے بیان کیا ہے۔ مثال کے طور پر قول باری تعالیٰ:

﴿الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ﴾²

کی تفسیر میں اس پس منظر کو بیان کرتے ہیں جس کے سبب قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کے مبارک نام "الرحمن" کو خصوصی اہمیت دی گئی ہے۔ آپ رقم طراز ہیں:

"اللہ کا نام بڑی اہمیت کا حامل ہے اور عرب میں سب سے زیادہ معروف یہی نام تھا۔ جب قرآن نے رحمن کا تذکرہ کرنا شروع کیا تو وہ حیران ہوئے اور کہنے لگے کہ یہ رحمن کیا ہوتا ہے؟ (مَا الرَّحْمَنُ) کتب یہ کہا گیا: ﴿قُلْ

(1) ڈاکٹر اسرار احمد، منتخب نصاب، مرتب: حافظ عاکف سعید، مکتبہ انجمن خدام القرآن، لاہور، طبع: سوم، اگست 2010ء، درس #5، سورۃ الفاتحہ قرآن

حکیم کے فلسفہ و حکمت کی اساس کامل درس، ص: 146

(2) الفاتحہ: 2

(3) الفرقان: 60

ادْعُوا اللَّهَ أَوْ ادْعُوا الرَّحْمَنَ أَيًّا مَا تَدْعُوا فَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى ﴿١﴾ (اے نبی! ان سے) کہہ دو کہ اسے اللہ کہہ کر پکار لو یا رحمن کہہ کر پکار لو، جو کہہ کر بھی پکارو گے تو تمام اچھے نام اسی کے ہیں) ²

2- آیت کی شرح دوسری آیت سے / مجمل کا بیان

قول باری تعالیٰ:

﴿صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ ³ (ترجمہ: ان لوگوں کی راہ پر جن پر تو نے انعام کیا)

میں وہ کون لوگ ہیں جن پر اللہ کا انعام نازل ہوا، اس حوالے سے ڈاکٹر صاحب نے بھی اکثر مفسرین کی طرح یہ رائے اختیار کی ہے کہ یہ "منعم علیہم" وہ چار گروہ ہیں جن کا ذکر سورۃ النساء کی آیت مبارکہ میں آیا ہے یعنی:

﴿وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ...﴾ ⁴

(ترجمہ: اور جو شخص اللہ اور رسول کی اطاعت کرتا ہے تو ایسے لوگ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے

جن پر اللہ نے انعام کیا ہے یعنی انبیاء، صدیقین، شہیدوں اور صالحین کے ساتھ.....)

ڈاکٹر صاحب نے آیت کی مراد حاصل کرنے کے لیے قرآن کریم کی دوسری آیات کی جانب رجوع کیا ہے

جس کے بعد کسی اور موقف کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی اور شاید اسی سبب جمہور مفسرین نے اس آیت کے یہی معنی بیان کیے ہیں ⁵۔

3- آیت کا ماقبل سے منطقی ربط قائم کرنا

ڈاکٹر صاحب نے اپنی تفسیر میں قول باری تعالیٰ:

﴿ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ﴾ ⁶

(یہ ایسی کتاب ہے جس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں، اس میں ان ڈرنے والوں کے لیے ہدایت ہے)

اور سورۃ الفاتحہ کے مابین ایک خوبصورت ربط پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ یہ کہ سورۃ الفاتحہ میں ایک ایسے سلیم

الفطرت اور سلیم العقل انسان کی ترجمانی کی گئی تھی جو آیات آفاقی و انفسی سے اپنے خالق کا جزوی تعارف حاصل کر چکا

ہے، اس سے یہ کہلوایا گیا تھا:

(¹) الاسراء: 110

(²) بیان القرآن، ص: 109/1

(³) الفاتحہ: 7

(⁴) النساء: 69

(⁵) النساء: 69

(⁶) ملاحظہ ہو! تفسیر ابن کثیر، ص: 53/1 تفسیر طبری، 178/1

﴿اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ﴾¹

(ترجمہ: (اے پروردگار) ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت بخش)

اب زیر مطالعہ آیت میں گویا اس کا جواب ہے یعنی: ﴿ذَلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ﴾، لو وہ کتاب موجود ہے کہ جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے اور یہ ان تمام لوگوں کے لیے ہدایت کے تقاضوں کے اعتبار سے کفایت کرتی ہے جن میں غلط روی سے بچنے کی خواہش موجود ہے۔²

4- آیت کے متعلق تفسیری رائے دیتے ہوئے دیگر مقامات سے استشہاد

ڈاکٹر صاحب بعض اوقات کوئی تفسیری رائے بیان فرماتے ہیں اور پھر اس کی دلیل کے طور پر قرآن کریم کی دیگر آیات پیش کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر قول باری تعالیٰ:

﴿الَّذِينَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِينَ﴾³

(ترجمہ: جنہوں نے قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا)

کے مفہوم کے سلسلے میں مفسرین نے مختلف آراء بیان کی ہیں کہ یہاں قرآن سے کیا مراد ہے اور وہ کون لوگ ہیں جنہوں نے (اپنے) قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے۔ بعض کے نزدیک اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں اور بعض کے نزدیک اس مفہوم میں تمام لوگ شامل ہیں اور بعض نے ان سے مراد صالح علیہ السلام کے قتل کی سازش کرنے والے لوگ مراد لیے ہیں⁴۔ ڈاکٹر صاحب کے مطابق یہاں لفظ "قرآن" کا اطلاق تورات پر ہوا ہے۔ اور وہ اس کی دلیل کے طور پر سورہ سبأ کی آیت پیش کرتے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ نُؤْمِنَ بِهَذَا الْقُرْآنِ وَلَا بِالَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ﴾⁵

(ترجمہ: اور کافروں نے کہا ہم ہر گز نہ تو اس قرآن کو مانیں نہ اس سے پہلے کی کتابوں کو!)

یعنی تورات بھی قرآن ہی تھا اور یہود نے اپنے مفادات کے لیے اپنے اس قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا۔ اور آپ مزید فرماتے ہیں کہ یہود کے اس کارنامے کا تذکرہ سورۃ الانعام میں ہے یعنی:

﴿يَجْعَلُونَهُ قَرَاطِيسَ يُبْدُونَهَا وَيُخْفُونَ كَثِيرًا﴾⁶

(¹) الفاتحہ: 6

(²) بیان القرآن: 123/1

(³) الحج: 91

(⁴) تفسیر طبری، ص: 142/17، تفسیر ابن کثیر، ص: 471/4

(⁵) سبأ: 31

(⁶) الانعام: 91

(ترجمہ: تم نے اس (تورات) کو ورق ورق کر دیا ہے، ان میں سے کسی حصے کو ظاہر کرتے ہو اور اکثر کو چھپا کر رکھتے ہو)¹

صحیح بخاری میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا آیت «الَّذِينَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِينَ» «جنہوں نے قرآن کے ٹکڑے کر رکھے ہیں» کے متعلق کہا کہ اس سے مراد اہل کتاب ہیں کہ انہوں نے قرآن کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے بعض باتوں پر ایمان لائے اور بعض باتوں کا انکار کیا²۔

5۔ قرآنی لفظ کا مختلف معانی میں استعمال

قرآن کریم میں مذکور الفاظ کی مختلف وجوہ و نظائر بھی ڈاکٹر صاحب کی نظر تھی۔ مثال کے طور پر قول باری تعالیٰ:

﴿قَالَ فَعَلْتُهَا إِذَا وَأَنَا مِنَ الضَّالِّينَ﴾³

(ترجمہ: موسیٰ نے کہا: "وہ کام تو اس وقت مجھ سے بھول چوک سے ہو گیا تھا)

کی تفسیر کے دوران لفظ "الضَّالَّ" کے مختلف معانی بیان کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں کہ اس لفظ کے ایک معنی تو راستے سے بھٹک جانے والے اور غلط فہمی کی بنا پر کوئی غلط راستہ اختیار کر لینے والے کے ہیں، لیکن اس کے علاوہ جو شخص ابھی درست راستے کی تلاش میں سرگرداں ہو اس پر بھی اس لفظ کا اطلاق ہوتا ہے اور اسی مفہوم میں یہ لفظ سورۃ الضحیٰ کی درج ذیل آیت میں حضور ﷺ کے لیے استعمال ہوا ہے

﴿وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَى﴾⁴

یعنی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تلاش حقیقت میں سرگرداں پایا تو آپ کی رہنمائی فرمادی! یہ ترجمہ درست بھی ہے اور رسول اللہ ﷺ کی تعظیم کے بھی قریب تر ہے۔

6۔ ایک آیت کو دوسری آیات کے ساتھ ملا کر مفہوم مکمل کرنا/ مطلق اور مقید

ڈاکٹر صاحب کے بقول سورۃ البقرۃ کے چھٹے اور پندرہویں رکوع میں شفاعت کا مطلق طور پر انکار وارد ہوا

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاتَّقُوا يَوْمًا لَا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ﴾⁶

(¹) بیان القرآن، ص: 220/4

(²) صحیح بخاری، کتاب فضائل الصحابة، باب إتيان اليهود النبي صلى الله عليه وسلم حين قدم المدينة، حديث #3729

(³) الشعراء: 20

(⁴) الضحیٰ: 7

(⁵) بیان القرآن، ص: 278/5

(⁶) البقرۃ: 48

(ترجمہ: اور اس دن سے ڈرتے رہو جب نہ تو کوئی کسی دوسرے کے کام آسکے گا، نہ اس کے حق میں سفارش قبول کی جائے گی)

﴿وَأَنْتُمْ لَا تَخْزِي نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ﴾¹
(ترجمہ: اور اس دن سے ڈر جاؤ جب کوئی کسی دوسرے کے کام نہ آسکے گا، اس دن نہ تو اس سے معاوضہ قبول کیا جائے گا اور نہ کسی کی سفارش اسے فائدہ دے گی)

لیکن بعد میں قول باری تعالیٰ:

﴿مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ﴾²

(ترجمہ: کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے حضور سفارش کر سکے؟)

میں پہلے جلالی انداز سے یہ بیان کیا گیا کہ کوئی بھی اپنی حیثیت، اختیار اور مقام کی بنیاد پر اللہ کے حضور کسی کی شفاعت کر نہیں کر سکتا مگر جس کے لیے اللہ اجازت دے دے! یعنی پہلی مرتبہ شفاعت کا ذکر ایک استثناء کے ساتھ بیان کیا جا رہا ہے کہ جس کو اللہ کی طرف سے اذن شفاعت حاصل ہو گا وہ اس کے حق میں شفاعت کر سکے گا جس کے لیے اذن ہو گا۔ یعنی ایک مطلق حکم میں قید لگائی گئی ہے۔³

7۔ تاویل عام اور تاویل خاص

ڈاکٹر صاحب کے نزدیک قرآن کریم کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے تاویل عام اور تاویل خاص کے دونوں مرحلے ہمیشہ پیش نظر رہنے چاہئیں کیونکہ قرآن حکیم ایک طرف تو زمان و مکان کے ایک خاص تناظر میں نازل ہوا ہے۔ یعنی اس کا زمانہ نزول بائیس سال سے زائد کے عرصے پر محیط ہے اور اس کے نزول کی جگہ سرزمین حجاز ہے۔ اس کا ایک خاص پس منظر ہے۔ جبکہ دوسری جانب قرآن مجید نوع انسانی کی ابدی ہدایت کے لیے نازل ہوا ہے، صرف خاص علاقے اور خاص زمانے کے لوگوں کے لیے نازل نہیں ہوا ہے۔ نزول قرآن کے وقت کے حالات و واقعات کیا تھے اور پھر ان حالات میں بتدریج کیا تبدیلی ہوئی، پھر اس کے اولین مخاطب یعنی اہل مکہ کے عقائد و رسومات اور دلچسپیاں کیا تھیں، فلاں آیت کا واقعاتی پس منظر کیا تھا، تو یہ تاویل خاص ہوگی۔ لیکن جب ہم قرآن سے ابدی ہدایت لینے کی کوشش کریں گے تو ہم تاویل عام کے اعتبار سے الفاظ پر غور کریں گے کہ الفاظ کیا استعمال ہوئے ہیں؟ ترکیب الفاظ کیا ہے؟ آیات کا باہمی ربط، سیاق و سباق کیا ہے؟ یہ آیات جس سورت میں وارد ہوئیں وہ مکی ہے یا مدنی ہے؟ سورت کا مرکزی مضمون کیا ہے؟ اس پس منظر میں ایک سیاق و سباق متن کا ہوگا، جس سے ہمیں تاویل عام معلوم ہوگی اور ایک

(¹) البقرة: 123

(²) البقرة: 255

(³) بیان القرآن، ص: 324/1

سیاق و سباق واقعات کا ہوگا، جس سے ہمیں ان آیات کی تاویل خاص معلوم ہوگی۔ بہر حال قرآن مجید کی موجودہ ترتیب ہی اصل حجت ہے اور یہی لوح محفوظ کی ترتیب ہے۔¹

قول باری تعالیٰ:

﴿ذَلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ﴾²

(ترجمہ: ایسی کتاب ہے جس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں، اس میں ان ڈرنے والوں کے لیے ہدایت ہے)

میں متقین کے متعلق ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:

"وہ لوگ کون ہیں؟ اب یہاں دیکھیے تاویل خاص کا معاملہ آجائے گا کہ اس وقت رسول اللہ ﷺ کی تیرہ برس کی محنت کے نتیجے میں مہاجرین و انصار کی ایک جماعت وجود میں آگئی تھی، جس میں حضرات ابو بکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، سعد بن عبادہ اور سعد ابن معاذ رضی اللہ عنہم اجمعین جیسے نفوس قدسیہ شامل تھے۔ تو گویا اشارہ کر کے دکھایا جا رہا ہے کہ دیکھو یہ وہ لوگ ہیں، دیکھ لو ان میں کیا اوصاف ہیں۔"³

8۔ قرآنی آیات کے مابین ظاہری تعارض کو رفع کرنا

قرآن کریم کے کلام اللہ ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اس کی آیات میں کسی قسم کا باہمی تعارض نہیں

ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا﴾⁴

(ترجمہ: کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے۔ اگر یہ قرآن اللہ کے علاوہ کسی اور کی طرف سے

ہوتا تو اس میں بہت سے اختلاف پاتے)

البتہ قرآن کریم کی بعض آیات میں ایک قاری کو ظاہری تعارض معلوم ہوتا ہے جسے رفع کرنا ایک مفسر کی ذمہ داریوں میں سے ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے بھی اس ضمن میں بعض آیات قرآنی کے مابین ظاہری تعارض کو رفع کرنے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً انسان کی تخلیق کس مادے سے ہوئی اس حوالے سے قرآن کریم میں مختلف الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ قول باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ...﴾⁵

(ترجمہ: اور اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا)

(¹) بیان القرآن، ص: 65/1

(²) البقرة: 2

(³) بیان القرآن، ص: 123/1

(⁴) النساء: 82

(⁵) الروم: 20

ایک اور مقام پر فرمایا:

{ خَلَقْتَنِي مِنْ نَّارٍ وَ خَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ }¹

(ترجمہ: تو نے مجھے تو آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے (طین) مٹی سے)

ایک اور مقام پر ارشاد ہوا

{ اَنَا خَلَقْتُهُمْ مِنْ طِينٍ لَازِبٍ }²

(ترجمہ: ہم نے انہیں لیسدار گارے سے پیدا کیا ہے۔)

اسی طرح ارشاد ہوا:

{ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمَإٍ مَسْنُونٍ }³

(ترجمہ: ہم نے انسان کو گلے سڑے گارے سے خشک شدہ ٹن سے بننے والی مٹی سے پیدا کیا)

ایک اور جگہ { صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ }⁴ یعنی ٹھیکرے جیسی کھنکھاتی مٹی کے الفاظ آئے ہیں:

ڈاکٹر صاحب یہاں یہ وضاحت فرماتے ہیں کہ انسان کے مادہ تخلیق کے لیے مندرجہ بالا تمام الفاظ میں سے صرف ایک بنیادی لفظ ہی کفایت کر سکتا تھا کہ ہم نے انسان کو مٹی سے بنایا، لیکن اس ضمن میں ان مختلف الفاظ (تُرَاب، طِين، طِين لَازِب، صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ اور صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ) کے استعمال میں یقیناً کوئی حکمت کار فرما ہوگی۔ ممکن ہے یہ تخلیق کے مختلف مراحل (stages) کا ذکر ہو یعنی سب سے پہلے مرحلے پر تراب یعنی مٹی کا ذکر ہے، مٹی میں پانی مل کر گار بن جائے تو اس گارے کو عربی میں طین کہتے ہیں۔ طین کے بعد طین لَازِب کا مرحلہ ہے، یعنی وہ گار جو عمل تخمیر کی وجہ سے لیس دار ہو چکا ہو، عام طور پر گارے میں بھوسہ وغیرہ ملانے سے اس کی یہ شکل بنتی ہے۔ اگر لیس دار گار زیادہ دیر تک پڑا رہے تو اس میں بدبو پیدا ہو جاتی ہے جسے "حَمَإٍ مَّسْنُونٍ" کہا جاتا ہے۔ پھر اگر یہ گلاسٹرا ہو گا راختک ہو کر سخت ہو جائے تو کھنکنے لگتا ہے۔ گویا ایسی مٹی کے لیے قرآن نے "صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ" کی اصطلاح استعمال کی ہے، یعنی ٹھیکرے جیسی کھنکھاتی مٹی۔⁵ ڈاکٹر صاحب یہاں ایک اشکال جو پیدا ہو رہا تھا اسے کسی حد تک ضرور رفع کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔

(1) الأعراف: 12

(2) الصافات: 11

(3) الحجر: 26

(4) الرحمن: 14

(5) بیان القرآن، ص: 207/4-208

9۔ دعوتی و اصلاحی غرض سے آیت کی تفسیر میں مختلف آیات کو بیان کرنا

ڈاکٹر صاحب کی تفسیر خطیبانہ اسلوب پر مبنی ہونے کی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کئی مقامات پر ایک مضمون کے متعلق پے درپے آیات و احادیث بیان کر کے سماں باندھ دیتے ہیں۔ مثلاً قول باری تعالیٰ:

﴿وَرَأَوْا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ﴾¹

(ترجمہ: اور ان کے باہمی تعلقات منقطع ہو جائیں گے)

کی تفسیر کرتے ہوئے آپ رشتوں کے منقطع ہونے کی تصویر کشی کرتے ہوئے امت کو تنبیہ کرتے ہیں۔ اس دوران آپ پہلے سورہ عبس اور سورۃ المعارج کی درج ذیل آیات ذکر کرتے ہیں:

﴿يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ، وَأُمِّهِ وَأَبْنَيْهِ ، وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ ، لِكُلِّ امْرِئٍ مِنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ﴾²

(ترجمہ: اس روز آدمی بھاگے گا اپنے بھائی سے، اور اپنی ماں اور اپنے باپ سے، اور اپنی بیوی اور اپنی اولاد سے۔ ان میں سے ہر شخص پر اس دن ایسا وقت آ پڑے گا کہ اسے اپنے سوا کسی کا ہوش نہ ہوگا) {يَوْمَ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِي مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍ بَنِيهِ وَصَاحِبَتِهِ وَأَخِيهِ ، وَفَصِيلَتِهِ الَّتِي تُؤْوِيهِ ، وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ يُنْجِيهِ }³

(ترجمہ: مجرم چاہے گا کہ اس دن کے عذاب سے بچنے کے لیے اپنی اولاد کو، اپنی بیوی کو، اپنے بھائی کو، اپنے قریب ترین خاندان کو جو اسے پناہ دینے والا تھا، اور روئے زمین کے سب انسانوں کو فدیہ میں دے دے اور یہ تدبیر اسے نجات دلا دے)

آخر میں آپ فرماتے ہیں:

"یہ لمحہ فکریہ ہے کہ جن رشتوں کی وجہ سے ہم حرام کو حلال اور حلال کو حرام کر رہے ہیں جن کی دل جوئی کے لیے حرام کی کمائی کرتے ہیں اور جن کی ناراضی کے خوف سے دین کے راستے پر آگے نہیں بڑھ رہے ہیں، یہ سارے رشتے اسی دنیا تک محدود ہیں اور اخروی زندگی میں یہ کچھ کام نہ آئیں گے۔"⁴

قرآن کریم کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے موعظہ حسنہ کہا ہے اور رسول اللہ ﷺ بھی اسی کے ذریعہ سے وعظ و نصیحت فرماتے تھے۔ قرآن کریم میں موجود تبشیر و انداز پتھر دل انسانوں کو بھی موم کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ کسی بھی موضوع کے متعلق قرآن حکیم کی مختلف آیات کو جمع کر کے مستند ترین اور اثر انگیز خطاب کیا جاسکتا ہے۔

(1) البقرة: 166

(2) عبس: 34-37

(3) المعارج: 11-14

(4) بیان القرآن، ص: 245/1

10- ایک مضمون کے متعلق آیات کو جمع کرنا

ڈاکٹر صاحب کے بقول قرآن مجید میں عام طور پر اہم مضامین کم از کم دو مرتبہ آئے ہیں مثال کے طور پر یہ مضمون کے اللہ تعالیٰ کا ہر کام مبنی بر حکمت ہے اور اس نے یہ آسمان وزمین بیکار پیدا نہیں فرمائے۔ مطلب یہ کہ عبث اور بے کار کام کرنا اللہ کی شان سے بہت بعید ہے۔ اس مضمون کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب نے تین آیات جمع فرمائیں:

(1) ﴿وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ذَلِكَ ظَنُّ الَّذِينَ كَفَرُوا...﴾¹

(ترجمہ: اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے بیکار تو پیدا نہیں کیا یہ تو ان کا

خیال ہے جو کافر ہیں)

(2) ﴿رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾²

(ترجمہ: اے ہمارے رب! تو نے یہ سب کچھ بے کار پیدا نہیں کیا، تو پاک ہے، پس ہمیں آگ کے

عذاب سے بچالے!)

(3) ﴿أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ﴾³

(ترجمہ: کیا تم نے سمجھا تھا کہ ہم نے تمہیں بے کار پیدا کیا تھا اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹائے نہیں

جاؤ گے!)

11- ایک موقف کے متعلق مختلف آیات سے استشہاد

قول باری تعالیٰ:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾⁵

(ترجمہ: اے لوگو! اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں بھی پیدا کیا ہے اور تم سے پہلے

لوگوں کو بھی) (اور اس کی عبادت اس لیے کرو) کہ تم پر ہیزگار بن سکو)

کی تفسیر میں دعوت عبادت کے متعلق ڈاکٹر صاحب نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ عبادت ہی تمام انبیاء و رسل علیہم السلام کی دعوت تھی اور یہی عبادت رب انسان کی تخلیق کا مقصد ہے۔ اپنے اس موقف کے حق میں آپ نے مختلف آیات پیش کی ہیں۔ جن میں سے دو آیات درج ذیل ہیں:

(1) ص: 27

(2) آل عمران: 191

(3) المؤمنون: 115

(4) بیان القرآن، ص: 179/6

(5) البقرة: 21

(1) ﴿لَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَقَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ---﴾¹

(ترجمہ: اہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا تو اس نے کہا: "اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو، جس کے بغیر تمہارا کوئی الہ نہیں۔۔۔)

(2) ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾²

(ترجمہ: اور میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں)

12۔ حکم تکلفی کے متعلق اشکال کو دوسری آیت سے دور کرنا

قول باری تعالیٰ:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ﴾³

(ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ایسے ڈرو جیسے اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تمہیں موت نہیں آنی چاہیے مگر

اس حال میں کہ تم مسلمان ہو)

کی تفسیر میں ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:

"قرآن مجید میں تقویٰ کی تلقین کے لیے یہ سب سے گاڑھی آیت ہے۔ اس پر صحابہ رضی اللہ عنہم گھبرا گئے کہ یا

رسول اللہ ﷺ! اللہ کے تقویٰ کا حق کون ادا کر سکتا ہے؟ پھر جب سورۃ التغابن کی یہ آیت نازل ہوئی کہ

﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ (آیت ۱۶) "اپنی امکانی حد تک اللہ کا تقویٰ اختیار کرو" تب ان کی جان میں جان

آئی۔"⁴

درج بالا مثالوں اور اس بحث سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ ڈاکٹر اسرار احمد نے قرآن مجید کو قرآن سے ہی

سمجھنے پر کس قدر زور دیا ہے۔ آپ نے ہمیشہ اس اصول کو پیش نظر رکھا کہ قرآن خود اپنی تفسیر کرتا ہے۔ آیت کے پس

منظر کو سمجھنا ہو، مفرد یا آیت کی شرح مقصود ہو، کلام میں باہمی ربط پیدا کرنا ہو، یا قرآن کے وجوہ و نظائر کا معاملہ ہو

ڈاکٹر صاحب قرآن کریم کے اکثر مقامات کو مستحضر رکھتے تھے۔ کہیں ابہام ہوتا تو کسی اور آیت سے اس ابہام کو دور

کرتے، اسی طرح جب کوئی رائے دیتے تو کسی آیت سے ہی اسے موکد بنانے کی کوشش کرتے تھے۔ جب کسی موضوع

کے حوالے سے تفصیلی کلام مقصود ہوتا تو اس حوالے سے قرآن کریم کے دیگر مقامات بھی ذکر کرتے تھے۔

(۱) الأعراف: 59

(۲) الذاریات: 56

(۳) آل عمران: 102

(۴) بیان القرآن، ص: 62/2

تفسیر القرآن بالقرآن میں دونوں مفسرین کے منہج کا تقابل

تفسیر القرآن بالقرآن کے ضمن میں دونوں مفسرین کے منہج کو سابقہ دو مباحث میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے جس سے اس حوالے سے ان کے منہج کے درمیان مشترکات اور متفرقات واضح ہو جاتی ہیں۔ ان مباحث سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ دونوں مفسرین نے اپنی تفسیر میں تفسیر القرآن بالقرآن خاص طور پر اس کا اہتمام کیا ہے۔ مفرد کی شرح، آیت کی وضاحت، اور موضوع کی تشریح کے لیے دونوں نے قرآن کریم کی جانب رجوع کیا ہے۔ البتہ اس حوالے سے دونوں مفسرین کے منہج میں یکسانیت نہیں پائی جاتی۔ یعنی کسی ایک آیت کی تفسیر کرتے ہوئے اگر دونوں مفسرین نے تفسیر القرآن بالقرآن کا اسلوب بھی اپنایا ہے تو اس حوالے سے دونوں کا طریقہ کار مختلف ہے۔ دونوں مفسرین کے منہج کے مابین تقابل کی غرض سے یہاں قرآن حکیم کے ایک مقام کا انتخاب کیا گیا ہے تاکہ ایک ہی آیت کے ضمن میں تفسیر القرآن بالقرآن کے حوالے سے دونوں مفسرین کے منہج دیکھے جاسکیں۔

تقابلی مثال:

مثال کے لیے سورۃ الدخان کی پہلی چھ آیات کا انتخاب کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿حَمْدٌ ، وَالْكِتَابِ الْمُبِينِ ، إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُبَارَكَةٍ إِنَّا كُنَّا مُنْذِرِينَ ، فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ ، أَمْرًا مِنْ عِنْدِنَا إِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ ، رَحْمَةً مِنْ رَبِّكَ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾¹

(حم، اس واضح کتاب کی قسم، کہ ہم نے اسے خیر و برکت والی رات میں نازل کیا ہے کیونکہ ہمیں بلاشبہ اس سے ڈرانا مقصود تھا، اس رات ہمارے حکم سے ہر معاملہ کا حکیمانہ فیصلہ کر دیا جاتا ہے، بلاشبہ ہم ہی رسول بھیجنے والے ہیں، اور یہ آپ کے پروردگار کی رحمت کی بنا پر تھا بلاشبہ وہ سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے)

ڈاکٹر اسرار صاحب ان آیات کی تفسیر سے قبل فرماتے ہیں کہ سورۃ الدخان کی سورۃ الزخرف کے ساتھ نسبت زوجیت ہے اور اس کی ایک علامت یہ ہے کہ دونوں سورتوں کی دو ابتدائی آیات مشترک ہیں اور ان کا اسلوب بھی ایک جیسا ہے اور سورۃ الزخرف کی طرح سورۃ الدخان کی اس آیت میں بھی قرآن کی قسم کا جواب قسم یا مقسوم علیہ مخدوف ہے۔ آپ کے نزدیک ایسے مقامات پر مقسوم علیہ گویا وہی حقیقت ہے جس کا ذکر سورہ یس کے آغاز میں ہو چکا ہے: { یس ، وَالْقُرْآنِ الْحَكِيمِ ، إِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ }² (ترجمہ: یس، قسم ہے قرآن کی جو حکمت سے بھرا ہوا ہے، (اے محمد ﷺ) بے شک تم پیغمبروں میں سے ہو) چنانچہ یہاں پر (إِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ) کو مقدر

(1) الدخان: 1-6

(2) یس: 1-3

(understood) مانتے ہوئے آیت زیر مطالعہ کا مفہوم یوں ہوگا: ”اے محمد (ﷺ) یہ کتاب مبین گواہ ہے کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں“¹

اس کے بعد قول باری تعالیٰ (إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُبَارَكَةٍ) کی وضاحت میں آپ بیان کرتے ہیں:

"یہ مضمون سورۃ القدر میں واضح تر انداز میں آیا ہے: { إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ } کہ ہم نے اسے ”لیلۃ القدر“ میں نازل فرمایا۔ چونکہ قرآن مجید میں عام طور پر اہم مضامین کم از کم دو مرتبہ آئے ہیں اس لیے اس خاص رات کا ذکر بھی دو مرتبہ آیا ہے۔ وہاں ”لیلۃ القدر“ کے نام سے اور یہاں ”لیلۃ مبارکہ“ کے نام سے۔“²

گویا آپ کے نزدیک دونوں راتیں ایک ہی ہیں۔ اس کے بعد قول باری تعالیٰ: (إِنَّا كُنَّا مُنْذِرِينَ) کی وضاحت کے دوران آپ رسالت اور انزال کتب کا اصل مقصد لوگوں کو اصل زندگی یعنی آخرت کا انداز قرار دیتے ہوئے پہلے سورۃ المدثر سے استشہاد کرتے ہیں جہاں حضور ﷺ کو حکم دیا گیا:

﴿يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ، قُمْ فَأَنْذِرْ﴾³

(ترجمہ: اے چادر اوڑھنے والے، اٹھئے اور (لوگوں کو) خبردار کیجیے)

اس کے بعد آپ دنیاوی زندگی کا اخروی زندگی سے موازنہ کرتے ہوئے قول باری تعالیٰ نقل کرتے ہیں:

﴿وَمَا هَذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَهُوٌّ وَلَعِبٌ وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ﴾⁴

(ترجمہ: یہ دنیا کی زندگی تو کھیل اور تماشے کے سوا کچھ نہیں، جبکہ آخرت کا گھر ہی اصل زندگی ہے۔ کاش کہ انہیں معلوم ہوتا!)⁵

اس کے بعد قول باری تعالیٰ: (فِيهَا يُفَرَّقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ، أَمْرًا مِنْ عِنْدِنَا إِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ ، رَحْمَةً مِنْ

رَبِّكَ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ) کی تفسیر میں آپ رقم طراز ہیں:

"اس سے پہلے ہم سورۃ السجدۃ میں پڑھ چکے ہیں کہ تدبیر کائنات کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کی منصوبہ بندی ایک

ہزار سال کی ہوتی ہے: { يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ أَلْفَ سَنَةٍ

بِمَا تَعْدُونَ }⁶ (ترجمہ: وہ تدبیر کرتا ہے اپنے امر کی آسمان سے زمین کی طرف، پھر وہ (امر) چڑھتا ہے اس کی

(¹) بیان القرآن، ص: 367/6

(²) ایضاً: ص: 368/6

(³) المدثر: 1-2

(⁴) العنکبوت: 64

(⁵) بیان القرآن، ص: 368/6

(⁶) السجدہ: 5

طرف، (یہ سارا معاملہ طے پاتا ہے) ایک دن میں جس کی مقدار تمہاری گنتی کے حساب سے ایک ہزار برس ہے۔) البتہ انسانی معاملات کے حوالے سے یہ رات (لیلہ مبارکہ) گویا اللہ تعالیٰ کی کائناتی سلطنت (Cosmic Empire) کے سالانہ بجٹ سیشن کا درجہ رکھتی ہے....¹

آپ مزید فرماتے ہیں:

"لفظ فرق کے لغوی معنی علیحدہ کر دینے کے ہیں۔ چنانچہ يُفَرِّقُ کا درست مفہوم یہ ہو گا کہ فیصلے جاری (issue) کر دیئے جاتے ہیں۔ یعنی یہ وہ رات ہے جس میں تمام سال کے فیصلے طے کر کے تعمیل و تنفیذ (implementation) کے لیے ملائکہ کے حوالے کر دیئے جاتے ہیں جو اس عظیم سلطنت کی "سول سروس" کا درجہ رکھتے ہیں۔ گزشتہ آیت کے مطابق یہ وہی رات ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کو لوح محفوظ یا ام الکتاب سے آسمان دنیا پر اتارا.... یہ تمام فیصلے یقیناً اللہ تعالیٰ کی رحمت پر مبنی ہوتے ہیں۔ خاص طور پر قرآن کا نزول اور نبی آخر الزماں ﷺ کی بعثت تو نوع انسانی کے لیے اللہ تعالیٰ کی عظیم رحمت کا مظہر ہے۔"²

ان آیات کی تفسیر کے دوران شعر اوی صاحب پہلے حروف مقطعات کے بارے میں کلام کرتے ہوئے یہ وضاحت کرتے ہیں کہ ہمارے دین میں عقائد، احکامات اور قرآن سے متعلقہ بعض امور غیبیات سے تعلق رکھتے ہیں جن تک رسائی انسانی عقل کے لیے ممکن نہیں ہے۔ جیسے قبر، برزخ، امور آخرت، عدد رکعات نماز کی حقیقت کا ادراک انسانی بساط سے باہر ہے۔ اور حروف مقطعات بھی اسی قبیل سے ہیں۔ شعر اوی اس کے بعد دوسری آیت (وَالْكِتَابِ الْمُبِينِ) کا ربط پہلی آیت سے جوڑتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے غیب سے متعلق چیز کا ذکر کرنے کے بعد کتاب مبین کا ذکر کیا جو سامنے موجود ہے اور نہایت واضح ہے۔ گویا یہاں اللہ نے انسانوں کس نسبت سے ایک غیبی چیز اور ایک ظاہری چیز کی قسم کھائی۔ اس کے بعد وہ مقسم علیہ کے طور پر اگلی آیت کو پیش کرتے ہیں۔ (إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُبَارَكَةٍ إِنَّا كُنَّا مُنْذِرِينَ) آپ اس کے بعد رات کے وقت نزول کی حکمت کو بیان کرتے ہیں کہ رات محل سکون ہے جس میں انسان اور دیگر مخلوقات میں ٹھہراؤ کی کیفیت ہوتی ہے۔ اور اس وقت میں انسانی عقل کی بیداری، فہم، اور طہارت نفس کے لیے تمام اجزاء موجود ہوتے ہیں۔ اس حوالے سے آپ سورۃ المزمل کی ابتدائی آیات سے استشہاد کرتے ہیں جہاں نبی کریم ﷺ کو قول ثقیل کے نزول سے قبل قیام اللیل کا حکم دیا گیا اور یہ بیان کیا گیا کہ بلاشبہ رات کا قیام نفس کو سخت پامال کرتا ہے اور اس وقت ذکر بھی خوب درست ہوتا ہے۔

اس بات کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے شعر اوی یہ فرماتے ہیں کہ قرآن رات کے وقت قلب محمد ﷺ پر نازل ہوا اور یہ رات بھی مکہ کی رات تھی جو پورے عالم کا مرکز اور وسط ہے جیسا کہ اللہ نے فرمایا:

(1) بیان القرآن، ص: 368/6

(2) ایضاً

(وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا)¹

(ترجمہ: اور اسی طرح (اے مسلمانو!) ہم نے تمہیں امت وسط بنایا ہے تاکہ تم دنیا کے لوگوں پر

گواہ ہو اور رسول (ﷺ) تم پر گواہ ہو)

اس کے بعد شعر اوی اس مبارک رات کے تعین کے حوالے سے دو اقوال پیش کرتے ہیں کہ بعض کے نزدیک یہ رات لیلة القدر ہے اور بعض کے نزدیک یہ پندرہ شعبان کی رات ہے۔ اس امر کی وضاحت کرتے ہوئے آپ قرآن کریم کے تین نزولات کو بیان کرتے ہیں کہ پہلے قرآن لوح محفوظ میں موجود تھا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ، فِي كِتَابٍ مَكْنُونٍ، لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ﴾² (ترجمہ: کہ یہ قرآن بلاشبہ بلند پایہ کتاب ہے، جو ایک محفوظ کتاب میں درج ہے، جسے پاک لوگوں کے سوا کوئی نہیں چھو سکتا) اور دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿وَإِنَّهُ فِي أُمِّ الْكِتَابِ لَدَيْنَا لَعَلِّي حَكِيمٌ﴾³ (ترجمہ: بلاشبہ یہ قرآن ام الکتاب (لوح محفوظ) میں درج ہے جو ہمارے پاس بڑی بلند مرتبہ اور حکمت والی کتاب ہے)

اس کے بعد یک بارگی وہ لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر نازل ہوا اور اس کے بعد احوال و حوادث کے مطابق وہ جبریل علیہ السلام کے ذریعے آپ ﷺ پر آہستہ آہستہ نازل ہوا۔ اس کے بعد شعر اوی یہ موقف پیش کرتے ہیں کہ ان تین نزولات سے اشکال دور ہو سکتا ہے کیونکہ دونوں راتوں کا اس فضیلت میں شامل ہونا بھی ممکن ہے۔ یعنی کسی ایک مرحلہ میں نزول لیلة القدر میں ہوا ہو اور دوسرے مرحلے میں نزول نصف شعبان کی رات ہو ہو۔ اس بات کی نظیر کے طور پر آپ تحویل قبلہ کا معاملہ ذکر کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس حکم کے ذریعے دونوں قبولوں کی فضیلت مسلمانوں کے دلوں میں داخل کر دی۔⁴ یہاں یہ نقطہ بھی زیر نظر رہے کہ قرآن کریم کے یک بارگی نزول کے حوالے سے امت میں اختلاف رہا ہے۔ اکثریت کا موقف یہ ہے کہ قرآن لیلة القدر میں یک بارگی آسمان دنیا پر نازل ہوا جہاں سے وہ رسول اللہ کے قلب اطہر پر آہستہ آہستہ نازل ہوا۔ جب کہ دیگر علماء کا یہ موقف ہے کہ لیلة القدر میں صرف نزول قرآن کا آغاز ہوا۔⁵

اس کے بعد شعر اوی قول باری تعالیٰ: (إِنَّا كُنَّا مُنْذِرِينَ) کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"انزال کے بعد تبشیر سے قبل انذار کا ذکر ہے کیونکہ شرعی قاعدہ ہے: درء المفسدة مقدم علی جلب

(1) البقرة: 143

(2) الواقعة: 77-79

(3) الزخرف: 4

(4) تفسیر الشعر اوی، ص: 13983/22-13971

(5) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو! مناع بن خلیل القطان، مباحث فی علوم القرآن، ص: 100-105

المصلحة - کلمہ (کُنَّا) ماضی پر دلالت کرتا ہے جبکہ انذار تو جاری ہے اور ہمیشہ جاری رہے گا۔ یہ اس لیے کہ زمانہ ہماری نسبت سے ماضی، حال یا مستقبل کا ہوتا ہے جبکہ اللہ کے نسبت سے یہ سب برابر ہیں۔¹

اس کے بعد قول باری تعالیٰ: (فِيهَا يُفَرَّقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ، أَمْرًا مِنْ عِنْدِنَا إِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ، رَحْمَةً مِنْ رَبِّكَ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ) کی تفسیر میں آپ بیان کرتے ہیں کہ یہ تفریق حق اور باطل کے درمیان نہیں ہے بلکہ دو جائز امور میں ہے۔ یہ حکیم ذات یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور اس نے رسول بھیج کر لوگوں کی ہدایت کا بندوبست کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین کی آباد کاری کے لیے بھیجا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿هُوَ أَنْشَأَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا﴾²

(ترجمہ: اسی نے تم کو زمین سے پیدا کیا اور اس میں آباد کیا)

اور اس کے لیے ایک منہج مقرر کیا ہے جس میں اس کی کامیابی پوشیدہ ہے۔ اگر انسان اس منہج کی مخالفت کرے گا تو مشقت میں پر جائے گا۔³

مذکورہ آیات کے حوالے سے دونوں تفسیروں کا تقابل کرنے سے درج ذیل نکات سامنے آتے ہیں:

- (1) شعر اوی آیات کی تفسیر کا آغاز حروف مقطعات کے حوالے سے اپنے موقف کو بیان کرنے سے کرتے ہیں جب کہ ڈاکٹر صاحب نے اس حوالے سے سابقہ کلام پر اکتفا کیا ہے۔⁴
- (2) ڈاکٹر صاحب کے نزدیک سورۃ الزخرف اور سورۃ الدخان میں نسبت زوجیت ہے اور اس کی دلیل دونوں سورتوں کی ابتدائی دو آیات کا مشترک ہونا ہے۔

(3) شعر اوی صاحب کے نزدیک اللہ تعالیٰ نے پہلے ایک غیبی امر یعنی حروف مقطعات کی قسم کھائی اس کے بعد ایک ظاہری امر یعنی کتاب مبین کی قسم کھائی اور مقسم علیہ تیسری آیت میں بیان ہوا یعنی اللہ کا قول کہ: "ہم نے اس کو مبارک رات میں نازل فرمایا ہم تو رستہ دکھانے والے ہیں"۔ جب کہ ڈاکٹر صاحب سورۃ الزخرف اور سورۃ الدخان کی نسبت بیان کرنے کے بعد دونوں سورتوں کی دوسری آیت (وَالْكِتَابِ الْمُبِينِ) میں مذکور قسم کے بعد مقسم علیہ کو محذوف ٹھہراتے ہیں اور آپ کے نزدیک یہ مقسم علیہ وہی ہے جو سورہ یس میں بیان ہوا یعنی: (إِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ) ((اے محمد ﷺ)) بے شک آپ ﷺ رسولوں میں سے ہیں)

(1) تفسیر الشعر اوی، 13977/22

(2) ہود: 61

(3) تفسیر الشعر اوی، ص: 13971-13983/22

(4) بیان القرآن، ص: 122/1

(4) ڈاکٹر صاحب لیلہ مبارکہ کو لیلۃ القدر قرار دے کر سورۃ القدر کی آیت کو بیان کرتے ہیں۔ جب کہ شعر اووی اس حوالے سے تفصیل میں جاتے ہیں اور قرآن کریم کے نزول ثلاث بیان کرنے کے بعد لیلۃ القدر اور نصف شعبان دونوں ہی کو نزول قرآن کی فضیلت میں شامل ہونے کا احتمال قائم کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ شعر اووی صاحب نزول قرآن کے لیے رات کے انتخاب کی حکمت پر بھی کلام کرتے ہیں۔

(5) ڈاکٹر صاحب آخرت کو اصل زندگی قرار دے کر انداز آخرت کو رسالت اور انزال کتب کا اصل مقصد قرار دیتے ہوئے قرآنی آیات سے استشہاد کرتے ہیں۔ جب کہ شعر اووی صاحب تبشیر سے قبل انداز کے ذکر کی وجہ کے طور پر فقہی قاعدہ: درء المفسدة مقدم علی جلب المصلحة بیان کرتے ہیں۔

(6) آخری تین آیات کی تفسیر میں ڈاکٹر صاحب نے یہ بیان کیا کہ کائناتی امور تو ایک ایسے دن میں سرانجام پاتے ہیں جس کی مدت ایک ہزار سال ہے جب کہ انسانی معاملات کے اعتبار سے رحمت الہی پر مبنی سالانہ فیصلے شب قدر میں طے کر کے فرشتوں کے سپرد کیے جاتے ہیں۔ جب کہ شعر اووی صاحب نے اس بات پر زور دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین کی تعمیر کے لیے بھیجا ہے اور خود ہی اس کے لیے ایک رحمت سے لبریز منہج مقرر کر دیا ہے جس میں اس کی کامیابی پوشیدہ ہے۔

(7) مذکورہ آیات کی تفسیر کے حوالے سے دونوں مفسرین نے اپنی بساط کے مطابق عوام الناس تک قرآنی آیات کا مفہوم پہنچانے کی کوشش کی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تفسیر کے ایک پہلو کو اگر ایک مفسر نے بیان کیا ہے تو دوسرے پہلو کو دوسرے مفسر نے بیان کیا ہے۔

(8) اس مبارک رات کے تعین کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب کا موقف خالص قرآنی دلیل پر مبنی ہے اور زیادہ درست معلوم ہوتا ہے جیسا کہ ان آیات کے ضمن میں ابن کثیر نے کہا ہے کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ لیلۃ المبارکہ جس میں قرآن شریف نازل ہوا وہ شعبان کی پندرہویں رات ہے ان کا قول سراسر بے دلیل ہے¹۔ اسی طرح امام رازی کا بھی یہی موقف ہے کہ انہوں نے دونوں آراء اور ان کے دلائل ذکر کرنے کے بعد ارشاد فرمایا:

"وأما القائلون بأن المراد من الليلة المباركة المذكورة في هذه الآية، هي ليلة النصف من شعبان، فما رأيت لهم فيه دليلاً يعول عليه"²

(ترجمہ: جو لوگ لیلۃ مبارکہ سے شعبان کے وسط کی رات کہتے ہیں میں نے ان کے پاس اس دعویٰ پر کوئی معقول دلیل نہیں پائی)

(1) ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم (ابن کثیر)، ص: 225/7

(2) رازی، مفتاح الغیب، ص: 653/27

فصل دوم

تفسیر القرآن بالحديث میں شعراوی اور ڈاکٹر اسرار احمد کے منہج کا تقابل

مبحث اول: تفسیر القرآن بالحديث میں شعراوی کا منہج

مبحث دوم: تفسیر القرآن بالحديث میں ڈاکٹر اسرار احمد کا منہج

مبحث سوم: تفسیر القرآن بالحديث میں دونوں مفسرین کے منہج کا تقابلی جائزہ

تعارف

تفسیر القرآن بالحديث

قرآن کریم کی تفسیر میں خود قرآن کے بعد سب سے اہم مصدر احادیث رسول اللہ ﷺ ہیں اور یہ بات قرآن کریم میں بیان ہوئی ہے کہ اس کو بیان کرنے کی ذمہ داری بھی نبی کریم ﷺ کے وظائف میں شامل ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾¹

(ترجمہ: اور آپ کی طرف یہ ذکر (قرآن) اس لیے نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کو واضح طور پر بتادیں کہ ان کی طرف کیا چیز نازل کی گئی ہے۔ اس لیے کہ وہ اس میں غور و فکر کریں)

اسی آیت کے حوالے سے امام ابن تیمیہ نے امام شافعی رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کیا ہے:

"كل ما حكم به رسول الله صلى الله عليه وسلم فهو مما فهمه من القرآن"²

(ترجمہ: ہر وہ حکم جو نبی کریم ﷺ نے صادر فرمایا ہے وہ اسی فہم کے سبب ہے جو آپ ﷺ نے قرآن سے حاصل کیا ہے)

امام سیوطی³ فرماتے ہیں:

"وقال ابن تيمية في كتاب ألفه في هذا النوع: يجب أن يعلم أن النبي صلى الله عليه وسلم بين لأصحابه معاني القرآن كما بين لهم ألفاظه فقولاه تعالى: ﴿وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾⁴ يتناول هذا وهذا"⁵

(ترجمہ: ابن تیمیہ اس موضوع سے متعلقہ کتاب میں فرماتے ہیں: یہ جاننا ضروری ہے کہ نبی ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو قرآن کریم کے معانی بھی اسی طرح سمجھائے جیسے اس کے الفاظ سمجھائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (اور آپ کی طرف یہ ذکر (قرآن) اس لیے نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کو واضح طور پر بتادیں کہ ان کی طرف کیا چیز نازل کی گئی ہے۔ اس لیے کہ وہ اس میں غور و فکر کریں) اس میں الفاظ اور معانی دونوں شامل ہیں)

(¹) النحل: 44

(²) تفسیر ابن کثیر، ص: 8/1

(³) عبد الرحمن بن أبي بكر بن محمد ابن سابق الدين الحنفى السيوطى، جلال الدين (849-911 هـ)، ایک حافظ، مفسر، محدث، مصنف، فقیہ اور مورخ تھے (الاعلام للزركلى، ص: 301/3)

(⁴) النحل: 44

(⁵) جلال الدين السيوطى، الإقتان في علوم القرآن، المحقق: محمد أبو الفضل إبراهيم، الهيئة المصرية العامة للكتاب، طبع: 1974ء، ص: 202/4

مبحث اول

تفسیر القرآن بالحديث میں امام شعر اوی کا منہج

سنت نبوی کی ضرورت اور اہمیت کے پیش نظر شعر اوی نے اپنی تفسیر میں قرآنی آیات کی تشریح کرتے ہوئے متعدد احادیث سے استفادہ کیا ہے۔ لیکن آپ نسبتاً کم مقامات پر ہی احادیث رسول ﷺ کا تذکرہ کرتے ہیں اسی طرح اگر علم حدیث کی بات کریں تو شعر اوی بہت کم ہی کسی حدیث کو پوری سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ کبھی وہ حدیث کو صحابی سے روایت کرتے ہیں اور کبھی صحابی کے بغیر، اسی طرح وہ جرح و تعدیل کا بیان بھی نہیں کرتے اور نہ ہی سند کی باریکی پر کلام کرتے ہیں۔ سوائے چند نادر مواقع کے شعر اوی نے اپنی تفسیر میں حدیث کی صحت پر بحث نہیں کی، وہ خود بھی حدیث پر حکم نہیں لگاتے اور نہ ہی کسی اور محدث کے حکم کو بیان کرتے ہیں۔

پھر حدیث کو بیان کرتے ہوئے بھی شعر اوی کبھی تو حدیث کو لفظاً بیان کرتے ہیں اور کبھی صرف مفہوم بتانے پر اکتفا کرتے ہیں اسی طرح کبھی وہ پوری حدیث اور کبھی صرف ایک جز بیان کرتے ہیں۔ شعر اوی نے اپنی تفسیر میں مجموعی طور پر بہت کم ہی ضعیف احادیث بیان کی ہیں بلکہ انہوں نے اکثر روایات وہی بیان کی ہیں جو بخاری و مسلم میں موجود ہوں۔ مزید یہ کہ شعر اوی احادیث قدسی اور احادیث نبوی ﷺ دونوں کو بیان کرتے ہیں۔

اس موضوع کو بیان کرنے کی غرض سے آپ کی تفسیر کے چند ایسے مقامات کا انتخاب کیا گیا ہے جن میں شعر اوی نے تفسیر قرآن کے لیے احادیث سے استدلال کیا ہے تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ اس موقع پر استشہاد حدیث کی غرض و غایت کیا ہے۔

1۔ شعر اوی کے نزدیک سنت کی اہمیت اور حدیث سے مجمل قرآنی کا بیان

شعر اوی نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ قرآن کریم میں بعض امور اجمالی طور پر بیان ہوئے ہیں اور ان کی تفصیل سنت رسول ﷺ میں بیان ہوئی ہے اور اسی لیے ان امور کی تفصیل و وضاحت کے لیے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت غیر مشروط، شرط لازم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو قرآن کے علاوہ بھی تشریع احکامات کی ذمہ داری دے رکھی تھی۔ اسی طرح شعر اوی نے اس شخص کو تنبیہ کی ہی جو خود کو سنت سے مستغنی سمجھتے ہوئے صرف ادا امر قرآنی پر اکتفا کرے۔ لہذا قول باری تعالیٰ:

﴿مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ وَمَنْ تَوَلَّىٰ فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا﴾¹

(ترجمہ: جس کسی نے رسول کی اطاعت کی تو اس نے اللہ کی اطاعت کی اور اگر کوئی منہ موڑتا ہے تو

ہم نے آپ کو ان پر پاسبان بنا کر نہیں بھیجا)

کی تفسیر میں شعر اوی فرماتے ہیں کہ جب اللہ اور رسول ﷺ دونوں کی طرف سے کسی قسم کی اطاعت کا حکم ہو تو ہم دونوں کی اطاعت کرتے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی اجمالی حکم ہو مثلاً زکاۃ و حج وغیرہ اور پھر رسول اللہ ﷺ کی جانب سے اس حکم کی تفصیل وارد ہو تو ہم اجمالی حکم میں اللہ کی اور تفصیلی حکم میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرتے ہیں۔ اور جب اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی جانب سے نہ اجمالی حکم ہو نہ مفصل بلکہ صرف آپ ﷺ کی جانب سے حکم ہو تو گویا اب آپ ﷺ نے خود اس حق تفویض میں سے تشریح حکم فرمایا جو اللہ نے آپ کو درج ذیل آیت میں عطا کر رکھا ہے:

﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾¹

(ترجمہ: اور جو کچھ تمہیں رسول دے وہ لے لو اور جس سے روکے اس سے رک جاؤ۔ اور اللہ سے

ڈرتے رہو۔ اللہ یقیناً سخت سزا دینے والا ہے)

اس آیت میں ہر اس شخص کا جواب موجود ہے جو یہ کہے کہ قرآن مجید سے اس بات کی دلیل دو کہ مغرب کی نماز تین رکعات، فجر کی دو رکعات، ظہر کی چار رکعات اور عشاء کی چار رکعات ہے۔ اسی لیے منہج حقیقی کو اس قسم کی تحریفات سے بچانے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا أَفِيئَ أَحَدَكُمْ مُتَكَيِّمًا عَلَى أَرْيَكْتِهِ يَأْتِيهِ أَمْرٌ مِمَّا أَمَرْتُ بِهِ أَوْ نَهَيْتُ عَنْهُ، فَيَقُولُ: لَا أَذْرِي، مَا وَجَدْنَا فِي كِتَابِ اللَّهِ اتَّبَعْنَاهُ))²

(ترجمہ: میں تم میں سے کسی کو ہر گز اس حال میں نہ پاؤں کہ وہ اپنے آراستہ تخت پر ٹیک لگائے ہو اور اس کے پاس میرے امر یا نہی کی قسم کا کوئی حکم پہنچے تو وہ یہ کہے کہ میں کچھ نہیں جانتا، ہم نے تو اللہ کی کتاب میں جو چیز پائی اس کی پیروی کی۔)

اور ایک دوسری روایت میں مقدم بن معد یکرب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ألا هل عسى رجلٌ يبلغه الحديث عني وهو متكئٌ على أريكته، فيقول: بيننا وبينكم كتابُ الله، فما وجدنا فيه حلالاً استحللناه،

(1) الحشر: 7

(2) الترمذی، محمد بن عیسیٰ، أبو عیسیٰ (التوفی: 279 ہجری)، الجامع الکبیر۔ سنن الترمذی، دار احیاء التراث العربی، بیروت، 1998ء، محقق: ناصر الدین البانی، أبواب العلم، باب ما نُهي عنه أن يُقال عند حديث النبي صلى الله عليه وسلم، حديث #2663، علم: صحیح (البانی)

وما وجدنا فيه حرامًا حرمناه ، وإن ما حَرَّمَ رسولُ الله صلى الله عليه وسلم كَمَا حَرَّمَ الله⁽¹⁾

(ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”خبردار رہو! قریب ہے کہ کوئی آدمی اپنے آراستہ تخت پر ٹیک لگائے بیٹھا ہو اور وہ کہے: ہمارے اور تمہارے درمیان (فیصلے کی چیز) بس اللہ کی کتاب ہے۔ اس میں جو چیز ہم حلال پائیں گے پس اسی کو حلال سمجھیں گے، اور اس میں جو چیز حرام پائیں گے بس اسی کو ہم حرام جانیں گے، یاد رکھو! بلا شک و شبہ رسول اللہ ﷺ نے جو چیز حرام قرار دی ہے وہ ویسے ہی حرام ہے جیسے کہ اللہ کی حرام کی ہوئی چیز“²)

شعراوی نے یہاں نہایت خوبصورتی سے سنت رسول ﷺ کی اہمیت کو کتاب و سنت کے دلائل سے ثابت کیا ہے۔ اس کلام سے جہاں ایک طرف شعراوی کے نزدیک سنت کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے وہاں ان باطل پرستوں کے رد میں بھی مدد ملتی ہے جو سنت کے منکرین ہیں۔

2۔ قرآن اور سنت ثابتہ میں عدم تعارض

بلاشبہ قرآن اور ثابت شدہ سنت میں تعارض ممکن نہیں ہے کیونکہ دونوں اللہ ہی کی جانب سے ہیں۔ اس حوالے سے قول باری تعالیٰ:

﴿لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ وَنُودُوا أَنْ تَتْلُوا الْجَنَّةَ أَوْ رُتُّمُوهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ﴾³

(ترجمہ: ہمارے پروردگار کے رسول واقعی حق ہی لے کر آئے تھے "اس وقت انہیں ندا آئے گی": تم اس جنت کے وارث بنائے گئے ہو اور یہ ان (نیک) اعمال کا بدلہ ہے جو تم دنیا میں کرتے رہے) اور قول رسول ﷺ:

((لَنْ يَدْخُلَ أَحَدًا عَمَلُهُ الْجَنَّةَ . قَالُوا وَلَا أَنْتَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ " لَا ، وَلَا أَنَا إِلَّا أَنْ يَتَغَمَّدَنِي اللَّهُ بِفَضْلٍ وَرَحْمَةٍ))⁴

(ترجمہ: کسی شخص کا عمل اسے جنت میں داخل نہیں کر سکے گا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کا بھی نہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں، میرا بھی نہیں، سو اس کے کہ اللہ اپنے فضل و رحمت سے مجھے نوازے)

(1) سنن ترمذی، أبواب العلم، باب مَا نُحْيِي عَنْهُ أَنْ يُقَالَ عِنْدَ حَدِيثِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، حديث #2664، حکم: صحیح (البانی)

(2) تفسیر الشعراوی، ص: 2461/4

(3) الأعراف: 43

(4) صحیح بخاری، کتاب الرقاق ، باب القصد والمدامية على العمل، حديث #6098

کے ظاہری تعارض کو رفع کرتے ہوئے شعر اوی فرماتے ہیں کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے قول اور صادق المصدق ﷺ کے قول میں کوئی تناقض نہیں ہے بلکہ دونوں ایک دوسرے کی تائید کر رہے ہیں۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے جب شریعت اتاری تب یہ واضح کر دیا کہ جو کوئی بھی نیک عمل کرے گا وہ جنت میں داخل ہوگا اور اس تشریح کے متعلق کسی اور نے اللہ کو مجبور نہیں کیا بلکہ وہی ذات ہے جس نے ہمیں یہ شریعت، ہم پر اپنا ذاتی فضل کرتے ہوئے عطا کی۔ سو کوئی بھی اللہ پر حق نہیں رکھتا کیونکہ ایسا کوئی عمل نہیں ہے جو اللہ کو فائدہ پہنچائے، بلکہ حکم الہی پر عمل کرنے سے صرف بندے کو فائدہ اور خیر پہنچتی ہے۔ لہذا اگر آپ جنت میں داخل ہو بھی جاتے ہیں تو یہ اللہ کے فضل سے ہی ہوگا۔ پھر عمل کی جزا انسان ہی کی طرف لوٹ کر آتی ہے کیونکہ وہ صرف مکافات عمل ہی پاتا ہے اور اگر مکافات جزا سے بڑھ کے ہو تو یہ فضل ہوگا کیونکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ﴾¹ (ترجمہ: ہر شخص اپنے ہی عملوں کے عوض گروی ہے) اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَأَنْ لَّيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى﴾² (ترجمہ: اور یہ کہ انسان کے لیے وہی کچھ ہے جو اس نے کوشش کی) لہذا اللہ تعالیٰ کے قول اور رسول اللہ ﷺ کی ثابت سنت میں کبھی بھی تضاد و تناقض واقعہ نہیں ہو سکتا۔³

یہ دونوں مضمون قرآن کریم اور احادیث نبوی میں بیان ہوئے ہیں۔ ایک طرف وہ آیات اور احادیث ہیں جن میں انسان کے عمل کی جزا کے طور پر انعامات کا وعدہ کیا گیا ہے اور دوسری طرف ایسی متواتر احادیث موجود ہیں جن میں یہ تذکرہ ہے کہ کوئی شخص بھی اپنے عمل کی وجہ سے جنت میں نہیں جاسکے گا۔ شعر اوی نے دو دلائل کے ذریعے اس ظاہری تضاد کو دور کرنے کی کوشش کی ہے۔ پہلی دلیل یہ دی کہ اگر کسی عمل کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے جنت یا انعام کا وعدہ کیا ہے تو وہ بھی درحقیقت ذات باری تعالیٰ کا فضل ہے نہ کہ انسان کا حق کیونکہ کسی عمل کا حکم بھی فضل الہی ہی ہے۔ مزید یہ کہ کسی بھی شرعی حکم سے اللہ تعالیٰ کا کوئی ذاتی فائدہ نہیں ہے بلکہ اس میں بھی بندوں ہی کی بہتری ہے۔ دوسری دلیل یہ دی کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو ان کے عمل سے بڑھ کر جزا دے گا تبھی وہ جنت میں داخل ہو سکیں گے لہذا یہ خاص فضل الہی ہوگا۔

ان نصوص کے حوالے سے دو گمراہ فرقوں: قدریہ اور جبریہ نے دو متضاد موقف اختیار کیے ہیں۔ قدریہ نے ایک طرف کے نصوص کو لیتے ہوئے یہ موقف اختیار کیا کہ جنت درحقیقت صرف اعمال کا عوض اور قیمت ہے جب کہ جبریہ نے دوسری طرف کے نصوص کو لیتے ہوئے یہ رائے اپنائی کہ اعمال کا جنت کے دخول اور جزا سے کوئی تعلق

(¹) الطور: 21

(²) النجم: 39

(³) تفسیر الشعر اوی، ص: 4144/7

نہیں ہے۔ اہل سنت نے دونوں طرح کے نصوص کے درمیان تعارض دور کرتے ہوئے جمع و تطبیق کی کوشش کی ہے۔ اگرچہ اس جمع و تطبیق کی صورت میں اختلاف موجود ہے۔ بعض کے نزدیک مجرد اعمال دخول جنت کا باعث نہیں بن سکتے لہذا اللہ کا فضل اور رحمت درکار ہے۔ بعض کے نزدیک جنت میں دخول تو اللہ کے فضل و رحمت سے ہی ممکن ہوگا مگر درجات کا تفاوت اعمال کی بنیاد پر ہوگا۔ بعض کے نزدیک چونکہ عمل کی توفیق اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوتی ہے لہذا عمل بھی درحقیقت فضل الہی کا نتیجہ ہے۔ اسی طرح عمل جب تک مقبول نہ ہوا اجر نہیں لاسکتا اور عمل کی قبولیت رحمت الہی ہے۔¹ غرضیکہ علماء اہل سنت نے اس ظاہری تعارض کو دور کرنے کی حتی الامکان کوشش کی ہے۔

3۔ قرآن کریم کے عموم کی تخصیص

قرآن کریم کے کسی عام حکم کی تخصیص میں سنت کا اہم عمل دخل ہے خصوصی طور پر احکام کے ضمن میں، کیونکہ قرآن کریم میں ہر حرام و مباح حکم کی تحدید موجود نہیں ہے بلکہ صرف عام قواعد بیان کیے گئے ہیں اور کئی عمومی احکام کی تخصیص سنت رسول ﷺ میں وارد ہوئی ہے۔ شعراوی نے بھی اپنی تفسیر میں سنت کے ذریعے سے ہونے والی تخصیص کو بیان کیا ہے مثلاً قول باری تعالیٰ:

﴿إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهْلَ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ.....﴾²

(ترجمہ: اس نے تم پر مراہوا جانور اور لہو اور سور کا گوشت اور جس چیز پر خدا کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے حرام کر دیا ہے.....)

اس آیت میں صراحت کے ساتھ یہ بیان ہوا ہے کہ تمام مردار حرام ہیں اور ہر وہ چیز مردار ہے جس میں روح موجود تھی اور پھر نکل گئی لیکن ہم مچھلی کھاتے ہیں جبکہ وہ مردار ہوتی ہے۔ شعراوی یہاں بیان فرماتے ہیں کہ قرآن کے اس عمومی حکم کی تخصیص سنت سے ہوتی ہے جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((أَحَلَّتْ لَكُمْ مَيْتَتَانِ وَدَمَانِ ، فَأَمَّا الْمَيْتَتَانِ ، فَالْحَوْثُ وَالْجُرَادُ ، وَأَمَّا الدَّمَانِ ، فَالْكَبِدُ وَالطَّحَالُ))³

(ترجمہ: تمہارے لیے دو مردار اور دو خون حلال کر دیئے گئے ہیں: رہے دونوں مردار تو وہ مچھلی اور ٹنڈی ہے، اور رہے دونوں خون: تو وہ جگر (کلیجی) اور تلی ہے)

(¹) أحمد بن عبد العزيز بن مقرن القسيري، لأحاديث المشكاة الواردة في تفسير القرآن الكريم (عروض ودراسة)، دار ابن الجوزي للنشر والتوزيع، مملكة السعودية، طبع:

اول، 1430ھ، ص: 233

(²) البقرة: 173

(³) محمد بن يزيد أبو عبد الله القزويني، سنن ابن ماجه، تحقيق: محمد فؤاد عبد الباقي، دار الفكر، بيروت، كتاب الطعام، باب الكبد والطحال، حديث #3314، علم: صحيح (الباني)

4۔ قرآن کریم کے کسی مفرد کی لغوی شرح میں حدیث سے رہنمائی

امت کے علماء ہمیشہ سے قرآن کریم کے الفاظ و اصطلاحات کو سمجھنے کے لیے کو پہلے قرآن اور پھر حدیث کی جانب رجوع کرتے رہے ہیں۔ قول باری تعالیٰ:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوا وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾¹

اے اہل ایمان! (گفتگو کے وقت پیغمبر خدا سے) راعنا نہ کہا کرو۔ انظرنا کہا کرو۔ اور خوب سن رکھو، اور کافروں کے لیے دکھ دینے والا عذاب ہے

کی تفسیر میں لفظ (راعنا) کی تشریح کرتے ہوئے شعر اوی فرماتے ہیں:

"ما معنى راعنا؟ نحن نقول في لغتنا الدارجة (راعينا) يعني احفظنا وراقبنا وخذ بيدنا وكلها مأخوذة من مادة الرعاية والراعي. ورسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يقول: «كلكم راع وكلكم مسئول عن رعيته» وأصل المادة مأخوذة من راعي الغنم. لأن راعي الغنم لا بد أن يتجه بها إلى الأماكن التي فيها العشب والماء أي إلى أماكن الرعي. وأن يكون حارسا عليها حتى لا تشرذم واحد أو تضل فتفتك بها ذئب الصحاري. وأن يوفر لها الراحة حتى لا تتعب وتنفق في الطريق"

(ترجمہ: راعنا کا معنی کیا ہے؟ ہم اپنی معمول کی لغت میں کہتے ہیں (راعينا) یعنی ہماری حفاظت کرو اور ہماری سیکورٹی کرو وغیرہ، یہ سب معنی اصلاً مادہ (الرعاية) اور (الراعي) سے ماخوذ ہے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ﴿كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ﴾² اور اس مادہ کا اصل (راعي الغنم) یعنی (ریوڑ کے چرواہے) سے ماخوذ ہے کیونکہ راعی کا کام یہ ہے کہ وہ اپنے ریوڑ کو ایسی چراگا ہوں میں لے جائے جہاں سبزہ اور پانی ہو اور ان کی نگرانی و حفاظت کرے یہاں تک کہ ایک بھی گم نہ ہو یا کسی کو بھیڑیانہ کھا جائے اور وہ جانوروں کی تھکان کا بھی خیال رکھے کہ راستے میں ہی نہ بیٹھ جائے..."³

یہاں شعر اوی نے لفظ کے معنی بیان کرنے کے لیے کسی ڈکشنری سے لغوی مثال دینے کی بجائے حدیث رسول ﷺ سے مثال دی۔

5۔ کسی آیت کے حقیقی مفہوم کے لیے حدیث کی طرف رجوع

رسول اللہ ﷺ کی ذمہ داریوں میں قرآن سنانے کے علاوہ اس کا بیان بھی شامل تھا۔ اسی سبب صحابہ رضی اللہ عنہم کو جب بھی کوئی اشکال ہوتا تو آپ ﷺ اس کی وضاحت فرمادیتے۔ آیت مبارکہ:

(¹) البقرة: 104

(²) صحیح بخاری، کتاب الجمعة، باب الجمعة فی القری والمدن، حدیث #853

(³) تفسیر الشعر اوی، ص: 501/1

﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُمْ مُهْتَدُونَ﴾¹

(ترجمہ: جو لوگ ایمان لائے پھر اپنے ایمان کو ظلم (شرک) سے آلودہ نہیں کیا۔ انہی کے لیے امن و سلامتی ہے اور یہی لوگ راہ راست پر ہیں)

کی تفسیر کے دوران لفظ (ظلم) کی تشریح میں حدیث رسول ﷺ سے استدلال کرتے ہوئے شعر اوی فرماتے ہیں کہ اس آیت کو صحابہ رضی اللہ عنہم نے بہت بھاری جانا کیونکہ جب انہوں نے اپنے نفوس کو ٹٹولا تو ظلم سے خالی نہ پایا اور وہ اس بات سے ڈر گئے کہ وہ اس قول ﴿أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ﴾ میں شامل نہیں ہو سکیں گے، لہذا انہوں نے اپنے معاملہ کو نبی ﷺ تک پہنچایا تو آپ ﷺ نے ان کو مطمئن کرتے ہوئے وضاحت فرمائی کہ ظلم تو وہ ہے جو اللہ نے سورہ لقمان میں فرمایا: ﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾² (ترجمہ: بے شک شرک کرنا بڑا بھاری ظلم ہے)³

6۔ ترغیب و ترہیب اور فضائل میں احادیث کا بیان

شعر اوی ایک بہترین داعی اور واعظ تھے اور انہوں نے اپنے دعوتی مقصد کے لیے اکثر احادیث فضائل کے متعلق ہی نقل کی ہیں چاہے وہ ترغیب کے باب سے ہوں یا ترہیب سے۔ لیکن اس حوالے سے آپ نے صحیح احادیث کے ساتھ ساتھ بہت سی ضعیف احادیث بھی بیان کر دی ہیں۔ مثلاً آیت الکرسی کے فضائل میں شعر اوی نے یہ احادیث رسول ﷺ نقل کی ہیں:

الف:- ((وعن أبي هريرة أن رسول الله - صلى الله عليه وسلم قال: "سُورَةُ الْبَقَرَةِ ، فِيهَا آيَةٌ سَيِّدَةُ آيِ الْقُرْآنِ ، لَا تُقْرَأُ فِي بَيْتٍ فِيهِ شَيْطَانٌ إِلَّا خَرَجَ مِنْهُ : آيَةُ الْكُرْسِيِّ))⁴

(ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سورۃ البقرۃ میں ایک ایسی آیت ہے جو قرآنی آیات کی سردار ہے اور وہ کسی گھر میں نہیں پڑھی جاتی مگر یہ کہ شیطان وہاں سے نکل جاتا ہے: وہ آیت، آیت الکرسی ہے۔)
اس روایت کو امام البانی نے ضعیف قرار دیا ہے۔

(¹) الانعام: 82

(²) لقمان: 13

(³) تفسیر الشعر اوی، 6/3758

(⁴) ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری (321 ہجری — 405 ہجری)، المستدرک علی الصحیحین، تحقیق: مصطفیٰ عبدالقادر عطا، دار الکتب العلمیہ۔ بیروت، 1990ء، کتاب التفسیر، من سورۃ البقرۃ، حدیث #3026، حکم: ضعیف، محمد ناصر الدین الالبانی، ضعیف الترغیب والترہیب، مکتبۃ المعارف، الریاض، ص: 220/1

ب۔ ((وعن أبي أمامة قال: قال رسول الله صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ « مَنْ قَرَأَ آيَةَ الْكُرْسِيِّ دُبُرَ كُلِّ صَلَاةٍ مَكْتُوبَةٍ لَمْ يَمْنَعْهُ مِنْ دُخُولِ الْجَنَّةِ، إِلَّا أَنْ يَمُوتَ))¹

(حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص ہر نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھتا ہے تو اس کو دخول جنت سے صرف موت روکے ہوئے ہے۔)
یہ حدیث امام البانی کے مطابق صحیح ہے۔

ج۔ ((وعن علي كرم الله وجهه عن رسول الله صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قال: "ومن قرأها (يعني آية الكرسي) حين يأخذُ مَضْجَعَهُ، آمَنَهُ اللهُ على دارِهِ ودارِ جَارِهِ وأهلِ دُورَاتِ حَوْلِهِ))²

(ترجمہ: حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اور جو شخص سونے کے لیے اپنے بستر پر لیٹتے وقت اسے (آیت الکرسی) پڑھتا ہے تو اللہ اس کے گھر کو، اس کے پڑوسی کے گھر اور اس کے آس پاس کے گھروالوں کو امن عطا کر دیتا ہے۔)³
یہ روایت امام البانی کے نزدیک موضوع ہے۔

7۔ حدیث رسول ﷺ سے تفسیری رائے اخذ کرنا

بعض اوقات شعراوی اپنی تفسیر میں حدیث رسول ﷺ کی بنیاد پر کوئی رائے بیان کرتے ہیں اور آخر میں حدیث رسول ﷺ نقل کرتے ہیں جس کی ایک مثال قول باری تعالیٰ:

﴿ فَأَزَلَّهُمَا الشَّيْطَانُ عَنْهَا فَأَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِ ... ﴾⁴

(ترجمہ: آخر کار شیطان نے اسی درخت کی ترغیب دے کر آدم و حوا دونوں کو ورغلا دیا۔ اور جس حالت میں وہ تھے انہیں وہاں سے نکلوا کر ہی دم لیا۔)

کی تفسیر میں شعراوی کے بقول آدم علیہ السلام کو غفلت و نسیان نے معصیت میں ڈالا جیسا کہ حق سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَى آدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا﴾⁵

(¹) أبو القاسم سليمان بن أحمد الطبراني (260 هـ - 360 هـ جري) المعجم الأوسط، دار الحرمين للطباعة والنشر والتوزيع، القاهرة، 1415 م، حديث #8068، حكم: صحيح، الألباني، صحيح الترغيب والترتيب، مكتبة المعارف - الرياض، طبع: پنجم، حديث #1595

(²) محمد بن عبد الله الخطيب التبريزي، مشكاة المصابيح، المكتبة الإسلامية - بيروت، طبع: سوم، 1985ء، تحقيق: محمد ناصر الدين الألباني، باب الذكر بعد الصلاة، فصل الاول، حديث #974، حكم: موضوع (الألباني)

(³) تفسیر الشعراوی، 2/1109

(⁴) البقرة: 36

(⁵) طه: 115

(ترجمہ: اور اس سے بیشتر ہم نے آدم سے ایک عہد لیا تھا مگر وہ بھول گیا اور ہم نے اس کا ایسا عزم نہ پایا)
لیکن کیا نسیان معصیت ہے؟ وہ بھی ایسی کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَعَصَى آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَى﴾¹ (ترجمہ: اور آدم نے اپنے پروردگار کی نافرمانی کی لہذا وہ بھٹک گئے)
شعر اوی فرماتے ہیں کہ نسیان پچھلی امتوں میں معصیت ہی شمار ہوتا تھا اسی لیے تور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:
((رَفَعَ عَنْ أُمَّتِي الْخَطَا وَالنِّسْيَانَ وَمَا اسْتَكْبَرُوا عَلَيْهِ²))

(ترجمہ: میری امت سے بھول چوک، اور جس کام پہ تم مجبور کر دیئے جاؤ معاف کر دیا گیا ہے)
یہاں شعر اوی نے اپنی رائے کو حدیث رسول ﷺ کے ذریعے ثابت کیا اور دیگر آیات اور حدیث سے ایک ایسا مدلل موقف بیان فرمایا جس میں حضرت آدم علیہ السلام کی تعظیم بھی ملحوظ خاطر رکھی گئی ہے۔
8۔ فقہی احکامات کے بیان میں سنت رسول ﷺ سے استدلال

امام شعر اوی فرماتے ہیں: "إِذْن، السَّنة لها لدور بيان في التحليل والتحريم"³

(ترجمہ: تحلیل و تحریم کے بیان میں سنت کا اہم عمل دخل ہے)

آپ ان لوگوں کا رد کرتے ہیں جو لوگ درج ذیل آیت مبارکہ:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِنَ الْهُدَى وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمْ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ...﴾⁴

(ترجمہ: رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو تمام لوگوں کے لیے ہدایت ہے اور اس میں ہدایت اور حق و باطل میں امتیاز کرنے والے واضح دلائل موجود ہیں۔ لہذا تم میں سے جو شخص اس مہینہ کو پالے اس پر لازم ہے کہ پورا مہینہ روزے رکھے۔ ہاں اگر کوئی بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں سے گنتی پوری کر سکتا ہے...)۔

میں سفر کے دوران روزہ چھوڑنے کی رخصت کی روک تھام کے لیے اس آیت کے حوالے سے بحث کر رہے ہیں۔
آپ کہتے ہیں کہ بلاشبہ ماضی میں سفر میں دشواری زیادہ تھی، لیکن اگر ماضی کے سفر کا آج کے سفر کے ساتھ، قیام کے لحاظ سے، موازنہ کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اب بھی سفر کرنا بہر حال قیام سے مشکل ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے

(¹) طہ: 121

(²) عبد الرحمن بن ابی بکر، جلال الدین السیوطی (المتوفی: 911 ہجری)، صحیح وضعیف الجامع الصغیر و زیادہ، حدیث #5828، حکم: صحیح (البانی)

(³) تفسیر الشعر اوی، ص: 716/2

(⁴) البقرہ: 185

دی جانے والی رخصت پر عمل سے ہی حکم شرعی کا مطلوب حاصل ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد شعر اوی اس بارے میں جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث رسول ﷺ نقل فرماتے ہیں:

((كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ ، فَرَأَى زَحَامًا وَرَجُلًا قَدْ ظَلَّلَ عَلَيْهِ ، فَقَالَ : مَا هَذَا ؟ فَقَالُوا : صَائِمٌ . فَقَالَ : لَيْسَ مِنَ الْبِرِّ الصَّوْمُ فِي السَّفَرِ))¹

(ترجمہ: جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ایک سفر میں تھے کہ آپ نے دیکھا ایک جگہ ہجوم ہے اور ایک شخص پر سایہ کیا گیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کیا ہے؟ تو صحابہ نے جواب دیا: روزہ دار! جس پر آپ ﷺ نے فرمایا: سفر میں روزہ رکھنا نیکی نہیں ہے۔)²

ہم دیکھتے ہیں کہ بعض لوگ عبادات کے ضمن میں مختلف حالات بشمول نماز، روزہ و حج وغیرہ میں اپنے تئیں احتیاط برتتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی جانب سے دی گئی رخصت قبول نہیں کرتے۔ یہ مناسب نہیں ہے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے جب امن کے دنوں میں سفر میں لوگوں کے نماز قصر کرنے کا مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تبارک و تعالیٰ نے تم پر یہ صدقہ کیا ہے لہذا تم اس کے صدقے کو قبول کرو"³

9۔ عقائد و فرق کے بیان میں حدیث رسول ﷺ سے استدلال

اللہ سبحانہ و تعالیٰ سورۃ الانعام کی درج ذیل آیت مبارکہ میں فرماتے ہیں:

﴿وَإِنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ۚ ذَلِكُمْ وَصَّيْتُكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾⁴

(ترجمہ: اور بلاشبہ یہی میری سیدھی راہ ہے لہذا اسی پر چلتے جاؤ اور دوسری راہوں پر نہ چلو ورنہ وہ تمہیں اللہ کی راہ سے ہٹا کر جدا کر دیں گی اللہ نے تمہیں انہی باتوں کا حکم دیا ہے شاید کہ تم (کج روی سے) بچ جاؤ)

شعر اوی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے باوجود یہودیوں نے کہا: عیسائی کچھ بھی نہیں ہیں، اور عیسائیوں نے کہا: یہودی کچھ نہیں ہیں۔ اور جو نہیں جانتے یعنی مکہ مکرمہ والے (مشرکین) بھی ان جیسی بات کہتے رہے۔ ہر مذہب متعدد فرقوں میں تقسیم ہوا ہے، اور ہر فرقہ اپنے پاس چیز کے معاملے میں تعصب زدہ ہے، اور سمجھتا ہے کہ جو بات اسے اس کے پاس ہے وہ حق ہے، اور جو کچھ دوسرے کہتے ہیں وہ باطل ہے۔

(¹) صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب قول النبی ﷺ لمن ظلل عليه واشتد الحر (ليس من البر الصوم في السفر) حدیث #1844

(²) تفسیر الشعر اوی، ص: 769/2

(³) صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین و قصرھا، باب صلاۃ المسافرین و قصرھا، حدیث #686

(⁴) الانعام: 153

آپ کے نزدیک دین کے ایک ماخذ اور رسولوں پر خدائی تنزیلات کے باوجود اختلاف کی یہ ساری آفت عارضی اقتدار کی ہوس سے پیدا ہوتی ہے اور ہر شخص اپنی حیثیت، اثر و رسوخ اور خلافت قائم رکھنا چاہتا ہے۔ یہ ایک گروہ کی قیادت کرنا چاہتا ہے، اور دوسرا ایک اور گروہ کی رہنمائی کرنا چاہتا ہے، اور اگر وہ سب ایک ہی راستے پر جمع ہوئے تو وہ گروہوں میں نہیں بٹیں گے۔ اس کے بعد آپ ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں:

((افْتَرَقَتِ الْيَهُودُ عَلَى إِحْدَى أَوْ ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ فِرْقَةً وَتَفَرَّقَتِ النَّصَارَى عَلَى إِحْدَى أَوْ

ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ فِرْقَةً وَتَفَرَّقَتْ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ فِرْقَةً))¹

(ترجمہ: یہود اکہتر یا بہتر فرقوں میں بٹ گئے، نصاریٰ اکہتر یا بہتر فرقوں میں بٹ گئے اور میری

امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی)

ایک اور روایت میں ہے: ((كُلُّهَا فِي النَّارِ إِلَّا وَاحِدَةً وَهِيَ الْجَمَاعَةُ))² (ترجمہ: سوائے ایک کے سب

جہنمی ہوں گے، اور وہ «الجماعة» ہے) اور الجماعة سے مراد اہل السنۃ والجماعۃ ہیں)) ایک اور روایت میں: ((مَا

أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي))³ (ترجمہ: یہ وہ لوگ ہوں گے جو میرے اور میرے صحابہ کے نقش قدم پر ہوں گے)

کے الفاظ ہیں۔)⁴

اس مقام پر شعر اوی نے احادیث کی روشنی میں قرآنی آیت کی شرح کرتے ہوئے انتہائی خوبصورت انداز میں، کسی خاص شخص یا جماعت کو مخاطب کیے بغیر، فرقہ واریت کا بھرپور رد کیا ہے۔ اور پوری امت کو فرقہ واریت ترک کر کے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے طریقے کو مضبوطی سے پکڑنے کی دعوت دی ہے۔

10- ضعیف اور موضوع روایات سے استدلال

شعر اوی نے اکثر و بیشتر مستند روایات ہی سے استدلال کیا ہے البتہ بعض مقامات پر، خصوصی طور پر ترغیب و ترہیب اور فضائل میں، آپ نے ضعیف بلکہ وہ روایات بھی بیان کی ہیں جن کی کوئی اصل نہیں ہے۔ مثال کے طور پر ایک مقام پر شعر اوی نے اسرائیلی روایت کو حدیث بنا کے ذکر کیا ہے۔ قول باری تعالیٰ:

﴿وَاسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ ثُوبُوا إِلَيْهِ إِنَّ رَبِّي رَحِيمٌ وَدُودٌ﴾⁵

(1) أبوداود سليمان بن الأشعث بن إسحاق بن بشير الأزدي السجستاني المشهور بابي داود (202 هـ - 270 هـ)، سنن أبي داود، تحقيق: محمد محي الدين عبد

الحمد، دار الفكر، بيروت، كتاب السنۃ، باب شرح السنۃ، حديث #4596، حكم: حسن صحيح (الباني)

(2) سنن ابن ماجه، كتاب الفتن، باب افتراق الامم، حديث #3993

(3) سنن ترمذي، كتاب الايمان، باب افتراق الامم، حديث #2641

(4) تفسير الشعر اوى، ص: 4002/7

(5) ہود: 90

(ترجمہ: اور اپنے پروردگار سے معافی مانگو اور اسی کے آگے توبہ کرو۔ میرا پروردگار یقیناً رحم کرنے

والا اور) (اپنی مخلوق سے) محبت رکھنے والا ہے)

کی تفسیر میں شعر اوی فرماتے ہیں:

"یا بن آدم؛ لا تَخَافَنَّ مِنْ ذِي سُلْطَانٍ؛ مَا دَامَ سُلْطَانِي بَاقِيًا؛ وَسَلْطَانِي لَا يَنْفَدُ أَبَدًا. يَا بَنَ آدَمَ لَا تَخْشَ مِنْ ضَيْقِ رِزْقٍ؛ وَخِزَانِي مَلَائِنَةٌ، وَخِزَانِي لَا تَنْفَدُ أَبَدًا. يَا بَنَ آدَمَ خَلَقْتُكَ لِلْعِبَادَةِ؛ فَلَا تَلْعَبْ، وَضَمَنْتُ لَكَ رِزْقَكَ فَلَا تَتَعَبْ، فَوَعِزَّتِي وَجَلَالِي إِنَّ رِضِيَتِي بِمَا قَسَمْتُ لَكَ أَرْحَتْ قَلْبَكَ وَبَدَنَكَ؛ وَكَنْتُ عِنْدِي مَحْمُودًا؛ وَإِنْ أَنْتَ لَمْ تَرْضَ بِمَا قَسَمْتُ لَكَ؛ فَوَعِزَّتِي وَجَلَالِي لِأَسْلَاطٍ عَلَيْكَ الدُّنْيَا، تَرْكُضُ فِيهَا رِكْضَ الْوَحُوشِ فِي الْبَرِيَّةِ؛ ثُمَّ لَا يَكُونُ لَكَ مِنْهَا إِلَّا مَا قَسَمْتُ لَكَ. يَا بَنَ آدَمَ خَلَقْتُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَلَمْ أُعْجِ بِخَلْقِهِنَّ؛ أَيْعِينِي رَغِيفَ عَيْشٍ أَسْوَقه لَكَ؟ يَا بَنَ آدَمَ لَا تَسْأَلْنِي رِزْقَ غَدٍ كَمَا أَطْلُبُ مِنْكَ عَمَلَ غَدٍ. يَا بَنَ آدَمَ أَنَا لَكَ مُحِبٌّ؛ فَبِحَقِّي عَلَيْكَ كُنْ لِي مُحِبًّا"¹

(ترجمہ: حق سبحانہ ایک حدیث قدسی میں فرماتا ہے: اے ابن آدم! کسی حکمران سے خوفزدہ نہ ہونا جب تک میری حکمرانی باقی ہے۔ اور میری حکمرانی کبھی ختم نہیں ہونے والی۔ اے ابن آدم! رزق کی تنگی کا خوف نہ رکھنا کہ میرے خزانے بھرے ہوئے ہیں، اور میرے خزانے کبھی ختم نہیں ہونے والے۔ اے ابن آدم، میں نے تجھے کو عبادت کے لیے پیدا کیا۔ تو کھیل کود میں نہ پڑنا، اور میں نے تیری روزی کی ضمانت دی ہے، لہذا تھکنا نہیں، میری عزت اور جلال کی قسم اگر تو میری تقسیم رزق پر راضی ہو تو میں تیرے دل اور بدن کو راحت عطا کروں گا اور تو میرے نزدیک محمود ہو گا اور اگر تو اس پر راضی نہ ہو جو تقسیم میں نے تیرے لیے کی ہے تو میں دنیا کو تجھ پر مسلط کروں گا اور تو وحشی جانوروں کی طرح دوڑتا رہے گا پھر بھی تجھے وہی ملے گا جو میں نے تیرے لیے تقسیم کیا ہے۔ اے ابن آدم! میں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا گیا ہے، اور میں ان کی تخلیق سے تھکا نہیں ہوں تو کیا میں تجھے ایک روٹی دے کر تھک جاؤں گا؟ اے بن آدم! مجھ سے کل کی روزی نہ مانگ کیوں کہ میں تجھ سے کل کا عمل کرنے کو نہیں کہتا ہوں۔ اے بن آدم! میں تجھ سے پیار کرتا ہوں۔ یہ تجھ پر میرا حق ہے کہ تجھے میری محبت ہو۔)

یہ روایت احادیث کی کسی بھی کتاب میں مذکور نہیں ہے البتہ اسے امام ابن تیمیہ نے اسرائیلی روایت کے طور

پر بیان کیا ہے۔²

ایک اور مقام پر قول باری تعالیٰ:

﴿تَكَادُ السَّمَاوَاتُ يَنْفَطَرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا﴾³

(¹) تفسیر الشعر اوی، ص: 6626/11

(²) ابن تیمیہ، مجموع الفتاوی، ص: 52/8

(³) مریم: 90

(ترجمہ: جس سے ابھی آسمان پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ دھڑام سے گر پڑیں)
 کی تفسیر کے دوران، اور اس کے علاوہ مزید سات مقامات پر، آپ نے ایک بے سند روایت ذکر کی ہے، آپ فرماتے ہیں کہ ایک حدیث قدسی میں ہے

(قالت السماء يا رب ائذن لي أن أسقط كِسْفًا على ابن آدم، فقد طعم خيرك ومنع شكرك، وقالت الأرض: يا رب ائذن لي أن أخسف بابتن آدم فقد طعم خيرك ومنع شكرك، وقالت الجبال: يا رب ائذن لي أن أخز على ابن آدم فقد طعم خيرك ومنع شكرك. وقالت البحار: يا رب ائذن لي أن أغرق ابن آدم فقد طعم خيرك ومنع شكرك. فقال لهم: دعوني وخلقى لو خلقتهم لرحمتهم، فإن تابوا إلي فأنا حبيبهم، وإن لم يتوبوا فأنا طيبهم)¹

(ترجمہ: آسمان نے کہا: اے رب! مجھے اجازت دے میں ابن آدم پر (آسمان کا) ٹکڑا گرا دوں کہ وہ تیری خیر کھا کر بھی تیرا شکر نہیں کرتا۔ زمین نے کہا: اے رب! مجھے اجازت دے میں ابن آدم کو (زمین میں) دھنسا دوں کہ وہ تیری خیر کھا کر بھی تیرا شکر نہیں کرتا۔ سمندر نے کہا: اے رب! مجھے اجازت دے میں ابن آدم کو غرق کر دوں کہ وہ تیری خیر کھا کر بھی تیرا شکر نہیں کرتا۔ اللہ نے ان سے کہا: مجھے اور میری خلقت کو چھوڑ دو کہ اگر تم نے ان کو پیدا کیا ہوتا تو تم ان پر رحم کرتے، اگر وہ مجھ سے توبہ کریں تو میں ان کا حبیب ہوں، اور اگر وہ توبہ نہ کریں تو میں ان کا معانج لے ہوں)
 یہ روایت حدیث کی کسی کتاب میں نہیں ہے۔ اسی طرح آیت الکرسی کی فضیلت میں آپ نے ضعیف اور موضوع روایات کو بیان فرمایا ہے جس کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے۔ اس کی ایک اور مثال قول باری تعالیٰ:
 ﴿وَمَنْ يَفْعَلْ مِنْكُمْ صَالِحًا نُّؤْتِهَا أَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ وَأَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيمًا﴾²
 (ترجمہ: اور جو تم میں سے اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری بن جائے اور نیک عمل کرے تو ہم اسے اجر بھی دگنادیں گے اور اس کے لیے ہم نے عزت کی روزی تیار کر رکھی ہے)
 کی تفسیر میں آپ فرماتے ہیں:

"ایک اثر میں وارد ہوا ہے کہ: اے ابن آدم، میں نے تجھے عبادت کے لیے پیدا کیا۔ تو کھیل کود میں نہ پڑنا، اور میں نے تیری روزی کی ضمانت دی ہے، لہذا تھکنا نہیں۔۔ یہاں تھکنے سے مراد ہے کہ اپنے دل کو مشغول نہیں

(¹) تفسیر الشرح، ص: 9194/15

(²) آل احزاب: 31

کرنا کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے: مَنْ بَاتَ كَالاً مِنْ عَمَلٍ يَدُهُ بَاتَ مَغْفُوراً لَهُ¹ (ترجمہ: جس شخص نے اس حال میں رات گزاری کہ وہ ہاتھ کی کمائی کرنے کی وجہ سے تھکا ہوا تھا تو اس نے اس حال میں رات گزاری کہ اس کے گناہ بخش دیئے گئے۔)

یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ کسی کتاب میں نہیں ملی البتہ اس سے کچھ مختلف الفاظ کے ساتھ امام البانی نے ایک حدیث ذکر فرمائی ہے:

((روى عن عائشة رضي الله عنها قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من أُمسى كالا من عمل يده أُمسى مغفورا له))²

(ترجمہ: عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے اس حال میں شام گزاری کہ وہ ہاتھ کی کمائی کرنے کی وجہ سے تھکا ہوا تھا تو اس نے اس حال میں شام گزاری کہ اس کے گناہ بخش دیئے گئے۔)

یہ حدیث امام البانی نے اپنی کتاب ضعیف الترغیب والترہیب میں ذکر کی ہے اور اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ شعراوی سنت کی اہمیت کے قائل تھے اور آپ نے اپنی تفسیر میں متعدد احادیث سے استشہاد بھی کیا ہے لیکن اس حوالے سے آپ کا اہتمام نسبتاً کم ہے۔ اسی طرح حدیث کی سند اور حوالہ یا حکم بیان کرنے کا آپ نے بالکل اہتمام نہیں کیا۔ آپ نے اکثر و بیشتر تو وہی روایات ذکر کی ہیں جو صحیح اور مستند کتابوں میں مذکور ہیں البتہ بعض مقامات پر آپ نے ضعیف اور بے سند روایات بھی بیان کر دی ہیں۔

(1) تفسیر الشعراوی، ص: 12015/19

(2) البانی، ضعیف الترغیب والترہیب، حدیث #1044

مبحث دوم

تفسیر القرآن بالحديث میں ڈاکٹر اسرار احمد کا منہج

ڈاکٹر اسرار احمد کے نزدیک دین اسلام اور شریعت اسلامی کی دو بنیادیں ہیں، ایک کتاب اللہ یعنی قرآن حکیم اور دوسری سنت رسول ﷺ بالکل اسی طرح جیسے ہمارے کلمہ طیبہ کے دو حصے ہیں: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ اور مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللَّهِ یعنی توحید اور رسالت۔ آپ کے نزدیک ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ سنت بھی وحی ہے، مگر وہ وحی خفی پر مبنی ہے۔ اس کا بھی اشارہ اللہ کی طرف سے ہے، لیکن یہ وحی باللفظ نہیں ہے، وحی بالمعنی ہے۔ یعنی مفہوم اللہ کی طرف سے آیا ہے، لیکن الفاظ اللہ کے رسول ﷺ کے ہیں۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ اللہ نے اس کی حفاظت کا اہتمام قرآن کی طرح کی خود نہیں فرمایا بلکہ یہ حفاظت بالواسطہ ہوئی ہے۔ آپ رقم طراز ہیں:

"تاریخ انسانی میں صرف ایک مثال ہے کہ کسی ایک شخصیت کے اقوال اور اعمال کی صداقت اور صحت کو پرکھنے کے لیے لاکھوں انسانوں کی سیرت و کردار کا جائزہ لیا گیا۔ احادیث کی جانچ پرکھ کے لیے مسلمانوں نے اسماء الرجال کا جو علم ایجاد کیا، پوری انسانی تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔"¹

قرآن فہمی میں حدیث کی اہمیت و ضرورت کے پیش نظر ڈاکٹر صاحب نے بھی اپنی تفسیر میں متعدد مقامات پر احادیث سے استدلال کیا ہے اگرچہ اس کا اہتمام تفسیر بالماثور کی قبیل سے تعلق رکھنے والی تفاسیر کے مقابلے میں بہت ہی کم ہے۔ بلکہ بعض ایسی احادیث جو کسی آیت کی تفسیر میں معروف ہیں اور محدثین نے بھی اپنی کتب میں تفسیر کے باب میں بیان کی ہیں، ڈاکٹر صاحب نے بیان نہیں کیں۔ اس کی وجہ شاید آپ کا تفسیر میں اختصار سے کام لینا ہے کیونکہ حدیث کی اہمیت تو آپ کے نزدیک مسلمہ ہے۔

ڈاکٹر صاحب اپنی تفسیر میں حدیث بیان کرتے ہوئے کوئی خاص منہج اختیار نہیں کیا ہے۔ حدیث بیان کرتے ہوئے کبھی آپ کتاب کا حوالہ دیتے ہیں، کبھی صرف صحابی کا نام بیان کر کے حدیث ذکر کرتے ہیں تو کبھی براہ راست رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں، اور کبھی صرف اتنا کہتے ہیں کہ "حدیث نبوی ﷺ میں بیان ہوا ہے" یا "حدیث کے الفاظ ہیں" وغیرہ۔ آپ کبھی پوری حدیث اور کبھی اس کے بعض الفاظ بیان کرتے ہیں، کبھی حدیث کا عربی متن اور ترجمہ اور کبھی صرف ترجمہ بیان کرتے ہیں، اسی طرح کبھی آپ صرف مفہوم بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ آپ نے اپنی تفسیر میں نہ ہی سند کے ساتھ حدیث بیان کرنے کا اہتمام کیا ہے اور نہ ہی حدیث کی صحت یا راوی کی

(¹) ڈاکٹر اسرار احمد، اربعین نووی، مرتب: خالد محمود خضر، مدیر شعبہ مطبوعات، قرآن اکیڈمی، شعبہ مطبوعات، 2016ء، ص: 10

جرح و تعدیل پر کلام کیا ہے۔ آپ نے اپنی تفسیر میں زیادہ تر صحیح اور حسن درجے کی روایات بیان کیں ہیں البتہ بعض مقامات پر آپ نے ضعیف حتیٰ کہ موضوع روایات بھی بیان کر دی ہیں۔ ضعیف احادیث کے متعلق آپ فرماتے ہیں:

" ضعیف احادیث کے ضمن میں یہ واضح رہے کہ کسی حدیث کے ساتھ ضعیف لکھا ہو تو اس سے ہمیں خیال پیدا ہوتا ہے کہ اس کو چھوڑ دیں، یہ تو ضعیف ہے۔ حالانکہ سند کی ایک کڑی میں بھی ضعف ہو تو حدیث ضعیف کہلاتی ہے۔ ضعیف احادیث کے اندر بھی علم و حکمت کے بڑے اعلیٰ موتی ہوتے ہیں۔ دیکھیے، ایک ہے کسی بات کا سچ ہونا، جبکہ ایک ہے سچ کا سچ ثابت ہو جانا۔ کتنے ہی سچ ایسے ہوتے ہیں جن کو ثابت نہیں کیا جاسکتا.... چنانچہ ضعیف حدیث کمزور تو ہے، لیکن موضوع نہیں ہے، وہ متروک نہیں ہوگی کہ اسے چھوڑ دیا جائے۔ ہاں اس سے کوئی حکم شرعی نہیں نکلے گا۔ اس سے حلت و حرمت کے احکامات اخذ نہیں کیے جائیں گے۔ اگر ہم ضعیف احادیث سے احکامات اخذ کرنا شروع کر دیں تو پھر شریعت اصل شکل میں باقی نہ رہے گی۔ ضعیف احادیث فضائل کے ضمن میں قابل قبول ہیں۔ ہمارے ہاں بہت سے مصنفین اپنی کتب میں ضعیف احادیث کی صورت میں حکمت کے بڑے قیمتی موتی لائے ہیں۔"¹

ڈاکٹر صاحب کا یہ موقف کسی حد تک درست ہے لیکن یہ بہتر ہوتا اگر وہ ضعیف احادیث کے حوالے سے ان علماء کی تمام شرائط کو ملحوظ خاطر رکھتے جو فضائل کے باب میں ضعیف احادیث کے بیان کرنے کے قائل ہیں۔ مثال کے طور پر یہ شرط کے ضعیف حدیث کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی جانب نہیں کی جاہے گی اور اس کے ضعف کو بھی ساتھ ہی بیان کیا جائے گا وغیرہ۔ آپ نے اپنی تفسیر میں احادیث رسول سے استدلال میں جو منہج اختیار کیا ہے اسے ہم چند مثالوں کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

1۔ حدیث سے مجمل قرآنی کا بیان

قول باری تعالیٰ:

﴿وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدْعُونَ﴾²

اور بہشت میں تمہارے لیے ہر چیز موجود ہے جس کو تمہارا دل چاہے اور تم جو وہاں مانگو گے ملے گا کی تفسیر کے دوران آیت میں مذکور جنت کی نعمتوں کی وضاحت کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب کے بقول قرآن و حدیث میں مذکور جنت کی نعمتوں کا تعلق اہل جنت کی ابتدائی مہمان نوازی سے ہے۔ جب کہ ان کی اصل ضیافت کا تعلق ہے اس کی کیفیت ہمارے احاطہ شعور میں نہیں آسکتی۔ اس پر انہوں نے درج ذیل حدیث کو بطور دلیل پیش کیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(¹) ڈاکٹر اسرار احمد، اربعین نووی، ص: 13

(²) الم السجدہ: 17

((قَالَ اللَّهُ أَعَدَدْتُ لِعِبَادِي الصَّالِحِينَ مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلَى قَلْبِ بَشَرٍ...))¹

(ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے (جنت میں) وہ کچھ تیار کر رکھا ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی انسان کے دل پر اس کا گمان ہی گزرا...) روایت میں ہے کہ اس کے بعد آپ ﷺ نے سورۃ السجدۃ کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ﴾²

(ترجمہ: کوئی شخص یہ نہیں جانتا کہ اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک کی کیا کچھ چیزیں ان کے لیے چھپا رکھی گئی ہیں یہ ان کاموں کا بدلہ ہو گا جو وہ کیا کرتے تھے)

2۔ واقعاتی صورت حال کی وضاحت کے لیے حدیث اور سیرت سے استدلال

مثال کے طور پر قول باری تعالیٰ:

﴿كَيْفَ يَهْدِي اللَّهُ قَوْمًا كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ وَشَهِدُوا أَنَّ الرَّسُولَ حَقٌّ وَجَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴾³

(ترجمہ: ایسے لوگوں کو اللہ کیونکر ہدایت دے سکتا ہے جنہوں نے ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کیا؟ حالانکہ وہ خود گواہی دے چکے ہیں کہ یہ رسول حق پر ہے اور ان کے پاس اس بات کے واضح دلائل بھی آچکے ہیں؟ اور اللہ تعالیٰ ایسے ناانصاف لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا

کی تفسیر کے دوران آپ اس امر کی وضاحت کرتے ہوئے کہ، یہ نجران سے آنے والے نصرانی کافر کس طرح اس بات کی گواہی دیتے تھے کہ رسول ﷺ سچے ہیں، فرماتے ہیں:

" اہل کتاب جب آپس میں باتیں کرتے تھے تو کہتے تھے کہ یہ واقعتاً نبی آخر الزمان (ﷺ) ہیں اور ہماری کتابوں میں بیان کردہ پیشینگوئیوں کا مصداق ہیں۔ چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ علقمہ کے دو بیٹے ابو حارثہ اور کرز جب نجران سے مدینہ منورہ چلے آ رہے تھے تو راستے میں کرز کے گھوڑے کو کہیں ٹھوکر لگی تو اس نے کہا: ”نَعِسَ الْاَبْعَدُ“ (ہلاک ہو جائے وہ دور والا یعنی جس کی طرف ہم جا رہے ہیں)۔ اس کا اشارہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف تھا۔ اس پر اس کے بڑے بھائی ابو حارثہ نے کہا ”بَلْ تَعَسَتْ اُمُّكَ“ (بلکہ تیری ماں ہلاک ہو جائے!) اس نے کہا میرے بھائی! تمہیں میری بات اس قدر بری کیوں لگی؟ ابو حارثہ نے کہا: اللہ کی قسم!

(¹) صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، باب ما جاء في صفه الجنة و انھا مخلوقة، حدیث #3072

(²) بیان القرآن، ص: 288-289/6

(³) آل عمران: 86

یقیناً وہی نبی اُمی ہیں جس کے ہم منتظر تھے۔ کرز نے کہا: جب آپ یہ سب جانتے ہیں تو ان پر ایمان کیوں نہیں لے آتے؟ ابو حارثہ کہنے لگا: ان بادشاہوں نے ہمیں بڑا مقام و مرتبہ عطا کر رکھا ہے، اگر ہم ایمان لے آئے تو وہ ہم سے یہ سب کچھ چھین لیں گے۔¹

ڈاکٹر صاحب نے یہاں اور اپنی تفسیر میں جا بجا یہ کوشش کی ہے کہ وہ نزول قرآن سے متعلقہ صورت حال کا ایک نقشہ کھینچ کر سامع و قاری تک حقیقی فہم پہنچا سکیں۔ جیسا کہ قرآن کریم کا نزول کسی بند کمرے میں ایسے نہیں ہوا کہ آپ ﷺ پر وحی اترتی اور آپ اسے لوگوں کو سنا کر واپس چلے جاتے بلکہ اس کا نزول واقعی پس منظر کی مناسبت سے ہوا ہے جس میں کبھی قرآن خود کسی برائی کا بیان کر کے اس کا علاج کرتا ہے تو کبھی کسی سوال کرنے والے کے جواب میں قرآن اترتا ہے۔ اسی طرح سفر و حضر، امن و جنگ، غرض یہ کہ انفرادی و اجتماعی زندگی کی مختلف صورت حال میں قرآن کا نزول ہوا ہے اور بلاشبہ آیات قرآنی کو سمجھنے میں اس صورت حال کا فہم بہت نفع بخش ہے۔

3- آیت کی مراد واضح کرنے کے لیے حدیث سے استدلال

قول باری تعالیٰ:

﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا﴾²

(ترجمہ: اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ میں نہ پڑو)

کی تفسیر میں آپ رقم طراز ہیں:

"حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ایک طویل حدیث میں قرآن حکیم کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے یہ الفاظ نقل ہوئے ہیں: ((وَهُوَ حَبْلُ اللَّهِ الْمَتِينُ))³ اور وہ اللہ سے تعلق کا مضبوط وسیلہ ہے۔" حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا: ((كِتَابُ اللَّهِ حَبْلٌ مَمْدُودٌ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ))⁴ اللہ کی کتاب (کو تھامے رکھنا)، یہی وہ مضبوط رسی ہے جو آسمان سے زمین تک تنی ہوئی ہے۔" ایک اور موقع پر حضور ﷺ نے فرمایا: ((أَبْشِرُوا! أَبْشِرُوا!-- إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ سَبَبٌ طَرَفُهُ يَبْدُ

(¹) بیان القرآن، ص: 55/2

(²) آل عمران: 103

(³) سنن ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب فضل القرآن، حدیث #2906، حکم: ضعیف (الالبانی)

(⁴) سنن ترمذی، کتاب المناقب، باب مناقب اہل النبی ﷺ، حدیث #3788، حکم: صحیح (الالبانی) (یہ حدیث زید بن ارقم، جابر بن عبد اللہ، ابو سعید الخدری وغیرہ سے تومروی ہے نہ کہ عبد اللہ بن مسعود سے۔)

اللَّهُ، وَطَرَفَهُ بِأَيْدِيكُمْ...) ¹ ”خوش ہو جاؤ، خوشیاں مناؤ... یہ قرآن ایک واسطہ ہے، جس کا ایک سر اللہ کے ہاتھ میں ہے اور ایک سر اتمہارے ہاتھ میں ہے۔“ ²

ڈاکٹر صاحب کے نزدیک آیت میں ”جل اللہ“ سے مراد قرآن کریم ہے۔ آپ نے اپنے اس موقف کی تائید میں تین مختلف احادیث ذکر فرمائی ہیں۔

4۔ قرآن کریم کے کسی مفرد کی لغوی شرح میں حدیث سے رہنمائی

قول باری تعالیٰ:

﴿فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَندَادًا وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ ³

(ترجمہ: لہذا دوسروں کو اللہ کا شریک نہ بناؤ اور (یہ باتیں) تم جانتے بھی ہو)

کی تفسیر میں لفظ ”أَنْدَادًا“ کے معنی کے متعلق کلام کرتے ہوئے آپ رقم طراز ہیں:

”أَنْدَادٌ“ کی جمع ہے، اس کا معنی مد مقابل ہے۔ خطبہ جمعہ میں آپ نے یہ الفاظ سنے ہوں گے: ”لَا ضِدَّ لَهُ وَلَا نِدَّ لَهُ“ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا: اللہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ((أَنْ يَجْعَلَ لِلَّهِ نِدًّا وَهُوَ خَلْقُكَ)) ⁴ ”یہ کہ تو اس کا کوئی مد مقابل ٹھہرائے حالانکہ اس نے تجھے پیدا کیا ہے“ ⁵

یہاں ڈاکٹر صاحب نے لفظ ”ند“ کی وضاحت میں حدیث ذکر کرنے کو قاموس پر ترجیح دی ہے۔

5۔ کسی آیت کے حقیقی مفہوم کے لیے حدیث کی طرف رجوع

قول باری تعالیٰ:

﴿وَلَا يَتَّخِذْ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾ ⁶

(ترجمہ: اور نہ ہی ہم میں سے کوئی شخص اللہ کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو رب بنائے)

اور قول باری تعالیٰ:

(¹) أبو القاسم سليمان بن أحمد الطبراني، المعجم الكبير، تحقيق: حمدي بن عبد المجيد السلفي، مكتبة العلوم والحكم، الموصل، 1983م، حديث #491، حكم: صحيح (الالباني)

(²) بيان القرآن، ص: 55/2

(³) البقرة: 22

(⁴) صحيح بخاری، کتاب التفسیر، باب سورة البقرة، حديث #4207

(⁵) بيان القرآن، ص: 137/1

(⁶) آل عمران: 64

﴿اتَّخَذُوا أَحْبَابَهُمْ وَزُهَبَاءَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾¹

(ترجمہ: انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا اپنا رب بنالیا)

سے مراد یہود و نصاریٰ نے کا اپنے احبار و رہبان کا یہ اختیار تسلیم کر لینا تھا کہ وہ جس چیز کو چاہیں حلال قرار دے دیں اور جس چیز کو چاہیں حرام ٹھہرا دیں۔ یہ گویا ان کو رب مان لینے کے مترادف تھا۔ اس بات کی دلیل میں ڈاکٹر صاحب حدیث ذکر کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ جب مشہور سنی حاتم طائی کے بیٹے عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ (جو پہلے عیسائی تھے) رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ قرآن اہل کتاب کے بارے میں کہتا ہے کہ انہوں نے اپنے احبار و رہبان کو اللہ کے سوا اپنا رب بنالیا، حالانکہ ہم نے تو انہیں رب کا درجہ نہیں دیا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((أَمَّا إِيَّاهُمْ لَمْ يَكُونُوا يَعْبُدُونَهُمْ وَلَكِنَّهُمْ كَانُوا إِذَا أَحْلَوْا لَهُمْ شَيْئًا اسْتَحْلَوْهُ وَإِذَا حَرَّمُوا عَلَيْهِمْ شَيْئًا حَرَّمُوهُ))²

(ترجمہ: وہ ان کی عبادت تو نہیں کرتے تھے، لیکن جب وہ ان کے لیے کسی شے کو حلال قرار دیتے تو وہ اسے حلال مان لیتے اور جب وہ کسی شے کو حرام قرار دے دیتے تو وہ اسے حرام مان لیتے)³

6- ترغیب و ترہیب میں احادیث کا بیان

قول باری تعالیٰ:

﴿النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ﴾⁴

(ترجمہ: یقیناً نبی ﷺ کا حق مومنوں پر خود ان کی جانوں سے بھی زیادہ ہے)

کی روشنی میں تمام اہل ایمان پر لازم ہے کہ وہ اپنی جانوں سے زیادہ حضور ﷺ کی جان کی فکر کریں اور آپ کو اپنے ماں باپ، اپنی اولاد اور اپنی جان سے بڑھ کر محبوب رکھیں۔ اس موقف کی تائید میں ڈاکٹر صاحب حدیث نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ صحیحین میں کا یہ فرمان ذرا سے لفظی فرق کے ساتھ نقل ہوا ہے:

((لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ))⁵

(¹) التوبہ: 31

(²) سنن ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب سورۃ التوبہ، حدیث #3095 (حکم: حسن) (البانی)

(³) بیان القرآن، ص: 45/2

(⁴) الأحزاب: 6

(⁵) صحیح بخاری، کتاب الایمان، حب الرسول ﷺ من الایمان، حدیث #15

(ترجمہ: تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کو اس کے باپ، اس کی اولاد اور سب انسانوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں)¹

2۔ قول باری تعالیٰ:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾²

(ترجمہ: اے ایمان والو! جمعہ کے دن جب نماز کے لیے اذان دی جائے تو ذکر الہی کی طرف دوڑ کر آؤ اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔ اگر تم جانو تو یہی بات تمہارے لیے بہتر ہے) کی تفسیر میں ڈاکٹر صاحب نے جمعہ کی نماز ترک کرنے والوں کے لیے درج ذیل حدیث بطور وعید بیان فرمائی ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

((مَنْ تَرَكَ ثَلَاثَ جُمُعَاتٍ مِنْ غَيْرِ عَذْرِ طَبِعٍ عَلَىٰ قَلْبِهِ))³

(ترجمہ: جو شخص بغیر کسی عذر کے مسلسل تین جمعے ترک کر دے اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔)⁴

7۔ اپنی تفسیری رائے کو موکد بنانے کے لیے حدیث رسول ﷺ سے استشہاد

ڈاکٹر صاحب کے نزدیک سورۃ البقرۃ کے پانچویں رکوع سے پندرہویں رکوع کی پہلی دو آیات تک کے دس رکوعوں سے دو آیات زائد میں کلی خطاب بنی اسرائیل سے ہے۔ جس میں پہلا رکوع دعوت پر مشتمل ہے، جس میں انہیں نبی کریم ﷺ پر ایمان لانے کی پرزور دعوت دی گئی ہے، جبکہ بقیہ نور کوع میں ان پر فرد جرم عائد کی جا رہی ہے کہ اللہ نے ان کے ساتھ فلاں فلاں احسان و اکرام کیا اور انہوں نے ایسے ایسے اللہ کی نافرمانی کی۔ لیکن اصل میں یہ امت مسلمہ کے لیے بھی ایک پیشگی تنبیہ ہے کہ کوئی مسلمان امت جب بگڑتی ہے تو اس میں یہ اور یہ خرابیاں آ جاتی ہیں۔ اور موجودہ امت مسلمہ بھی سابقہ امتوں کے نقش قدم پر چل رہی ہے۔ لہذا اس اعتبار سے ان رکوعوں کو پڑھتے ہوئے یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ محض اگلوں کی داستان ہے، بلکہ یہ ہمارے لیے ایک آئینہ ہے اور ہمیں ہر مرحلے پر سوچنا ہوگا،

(1) بیان القرآن: 11/6

(2) الجمعہ: 9

(3) المعجم الأوسط، حدیث # 2828 یہ حدیث کچھ مختلف الفاظ سے سنن ابوداؤد: 1052، سنن ابن ماجہ: 1126 اور سنن ترمذی 500 وغیرہ میں موجود ہے اور امام البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

(4) بیان القرآن: 242/7

دروں بنی کرنی ہوگی کہ کہیں اسی گمراہی میں ہم بھی تو مبتلا نہیں؟¹

اپنی اس رائے کی دلیل کے طور پر آپ درج ذیل احادیث سے استشہاد کرتے ہیں:

1. رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَيَأْتِيَنَّ عَلَى أُمَّتِي مَا أَتَى عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ حَذَوِ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ))²

(ترجمہ: میری امت پر بھی وہ سب حالات وارد ہو کر رہیں گے جو بنی اسرائیل پر آئے تھے، بالکل ایسے جیسے

ایک جوتی دوسری جوتی سے مشابہ ہوتی ہے۔)

2. حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَتَبْعَنَّ سَنَنَ مَنْ قَبْلَكُمْ شِبْرًا بِشِيرٍ وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ حَتَّىٰ لَوْ سَلَكَوْا جُحْرَ صَبٍّ لَسَلَكْتُمُوهُ قُلْنَا يَا

رَسُولَ اللَّهِ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ قَالَ فَمَنْ))³

(ترجمہ: تم لازماً اپنے سے پہلوں کے طور طریقوں کی پیروی کرو گے، بالشت کے مقابلے میں بالشت اور ہاتھ

کے مقابلے میں ہاتھ۔ یہاں تک کہ اگر وہ گاوہ کے بل میں گھسے ہوں گے تو تم بھی گھس کر رہو گے۔ ہم

(صحابہ) نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! یہود و نصاریٰ کی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تو اور کس

(کی؟)

3. ترمذی کی مذکورہ بالا حدیث میں تو یہاں تک الفاظ آتے ہیں کہ:

((حَتَّىٰ إِنْ كَانَ مِنْهُمْ مَنْ أَتَى أُمَّةً عَلَانِيَةً لَكَانَ فِي أُمَّتِي مَنْ يَصْنَعُ ذَلِكَ))⁴

(ترجمہ: اگر ان میں کوئی بد بخت ایسا اٹھا ہوگا جس نے اپنی ماں سے علی الاعلان زنا کیا تھا تو میری امت میں سے

بھی کوئی شقی ایسا ضرور اٹھے گا جو یہ حرکت کرے گا۔)

8۔ فقہی احکامات کے بیان میں سنت رسول ﷺ سے استدلال / سنت سے شرعی حکم کا اثبات

ڈاکٹر صاحب کے نزدیک سنت شریعت کا ایک بنیادی اور مستقل ماخذ ہے جو نہ صرف شرعی احکام کی توضیح

کرتا ہے بلکہ خود سے احکامات بھی عطا کرتا ہے۔ لہذا قول باری تعالیٰ:

﴿الرَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِائَةً جَلْدَةٍ﴾⁵

(¹) بیان القرآن، ص: 161/1

(²) سنن ترمذی، کتاب الایمان، باب افتراق امۃ، حدیث #2641، حکم: حسن (البانی)

(³) صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، باب ما ذکر عن بنی اسرائیل، حدیث #3269

(⁴) سنن ترمذی، کتاب الایمان، باب افتراق امۃ، حدیث #2641، حکم: حسن (البانی)

(⁵) النور: 2

(ترجمہ: زانی عورت ہو یا مرد، ان میں سے ہر ایک کو سودرے لگاؤ)

کی تفسیر میں آپ فرماتے ہیں:

"یہ غیر شادی شدہ زانی اور زانیہ کے لیے حد ہے جو نص قرآنی سے ثابت ہے۔ البتہ شادی شدہ زانی اور زانیہ کی سزا رجم ہے جو سنت رسول ﷺ سے ثابت ہے اور قرآن کے ساتھ ساتھ سنت رسول ﷺ بھی شریعت اسلامی کا ایک مستقل بالذات ماخذ ہے۔"¹

9- عقائد کے بیان میں حدیث رسول ﷺ سے استدلال

احکام کی طرح عقائد کے حوالے سے بھی سنت نہایت اہم ہے۔ ڈاکٹر صاحب اپنی تفسیر میں ایسے منکرین حدیث کا رد کرتے ہیں جو عذاب قبر کا انکار کرتے ہیں۔ آپ کے بقول عذاب قبر کا ذکر تو قرآن میں بھی موجود ہے۔ جیسا کہ قول باری تعالیٰ:

﴿النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا.....﴾²

(ترجمہ: وہ (آل فرعون) صبح اور شام آگ کے سامنے لائے جاتے ہیں....)

کے مفہوم کے مطابق آل فرعون کو شدید ترین عذاب میں تو قیامت قائم ہونے کے بعد داخل کیا جائے گا، لیکن اس سے پہلے قبر کی زندگی کے دوران صبح و شام وہ آگ کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں۔ اس کے بعد آپ عذاب قبر کے حوالے سے نبی اکرم ﷺ کا فرمان نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّمَا الْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ أَوْ حُفْرَةٌ مِنْ حُفْرِ النَّارِ))³

(ترجمہ: قبر یا تو جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا)

آخر میں آپ وضاحت کرتے ہیں کہ منکرین حدیث نا سمجھی کی وجہ سے عذاب قبر کی نفی کرتے ہیں۔ اگر وہ برزخی زندگی پر غور کریں تو درحقیقت قبر کا معاملہ ایک دوسرے جہان کا معاملہ ہے جو عالم غیب ہے۔ اس ضمن میں یہ بھی واضح رہنا چاہیے کہ قبر سے مراد وہ مخصوص گڑھا نہیں جہاں میت کو دفن کیا جاتا ہے بلکہ اس سے مراد عالم برزخ ہے۔⁴

(¹) بیان القرآن، ص: 196/5

(²) المؤمن: 46

(³) سنن ترمذی، کتاب صغۃ القیامۃ والرقائق والورع عن رسول اللہ ﷺ، حدیث #2460، حکم: ضعیف جدا (الالبانی)

(⁴) بیان القرآن: 257/6

10- آیات اور سورتوں کے فضائل میں حدیث کا بیان

ڈاکٹر صاحب نے متعدد سورتوں اور بعض آیات کے حوالے سے فضائل پر مبنی احادیث کا ذکر کیا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

1- سورۃ الفلق اور سورۃ الناس کی فضیلت میں ڈاکٹر صاحب نے درج ذیل حدیث نقل کی ہے۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: ((أَلَمْ تَرَ آيَاتِ أَنْزَلَتِ اللَّيْلَةَ لَمْ يَرْ مِثْلُهُنَّ قَطُّ، {قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ}، {وَقُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ}))¹

(ترجمہ: کیا تمہیں خبر ہے اللہ تعالیٰ نے آج رات ایسی آیات نازل فرمائی ہیں جن کی پہلے کوئی مثال

نظر نہیں آتی؟ وہ قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ ہیں۔)²

2- سورۃ الفاتحہ کی فضیلت بیان کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں کہ یہی سورت وہ سات آیتیں ہیں جو بار بار دوہرا کر نماز کی ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہیں اور یہی سورت خود اپنی جگہ پر قرآن عظیم ہے۔ اس کے بعد آپ صحیح بخاری کی روایت ذکر کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ هِيَ السَّبْعُ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنُ الْعَظِيمُ الَّذِي أُوتِيَتْهُ))³

(سورۃ الحمد للہ رب العالمین ہی "سبع مثانی" اور "قرآن عظیم" ہے جو مجھے عطا ہوئی ہے)⁴

3- آیت الکرسی کو رسول اللہ ﷺ نے تمام آیات قرآنی کی سردار قرار دیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب بطور دلیل حدیث نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لِكُلِّ شَيْءٍ سَنَامٌ وَإِنَّ سَنَامَ الْقُرْآنِ سُورَةُ الْبَقَرَةِ وَفِيهَا آيَةٌ هِيَ سَيِّدَةُ آيِ الْقُرْآنِ هِيَ آيَةُ الْكُرْسِيِّ))⁵

(ترجمہ: ہر شے کی ایک چوٹی ہوتی ہے اور یقیناً قرآن حکیم کی چوٹی سورۃ البقرہ ہے، اس میں ایک

آیت ہے جو آیات قرآنی کی سردار ہے، یہ آیت الکرسی ہے)⁶

(1) صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرين وقصرھا، باب فضل قراءة المعوذتین، حدیث #814

(2) بیان القرآن، ص: 548/7

(3) صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ فاتحۃ الكتاب، حدیث #4204

(4) بیان القرآن، ص: 102/1

(5) سنن ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب فضل سورۃ البقرۃ وآیۃ الکرسی، حدیث #2878، حکم: ضعیف (الالبانی)

(6) بیان القرآن، ص: 323/1

12- ضعیف اور موضوع روایات سے استدلال

ضعیف احادیث کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب کے موقف کو پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ آپ نے اپنی تفسیر میں بہت کم احادیث نقل کی ہیں جن میں سے اکثریت مقبول احادیث پر مبنی ہے البتہ بعض مقامات پر آپ نے ضعیف اور غیر صحیح روایات بھی بیان فرمائی ہیں۔ فضائل اور ترغیب و ترہیب کے باب میں تو آپ ضعیف احادیث بیان کرنے کے قائل ہیں اس لیے اس ضمن میں آپ نے کافی ضعیف روایات بطور حدیث بیان کی ہیں۔ مثلاً آیت الکرسی کی فضیلت میں مذکورہ بالا روایت کو امام البانی نے ضعیف قرار دیا ہے۔

اسی طرح ایک اور مقام پر آپ رقم طراز ہیں:

"ایک حدیث بھی بیان کی جاتی ہے کہ: الدُّنْيَا مَزْرَعَةُ الْآخِرَةِ (ترجمہ: دنیا آخرت کی کھیتی ہے)"¹

بلاشبہ یہ قول پر حکمت معلوم ہوتا ہے اور بعض علماء نے اس کے معنی کو صحیح قرار دیا ہے البتہ یہ کوئی حدیث نہیں ہے اور نہ ہی حدیث کی کسی بھی مستند کتاب میں مذکور ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنی تفسیر میں فضائل اور ترغیب و ترہیب کے علاوہ بھی بعض موضوعات سے متعلق ضعیف احادیث سے استدلال کیا ہے۔ مثلاً عذاب قبر کے منکرین کے رد میں آپ نے ایک حدیث سے استدلال کیا ہے:

((إِنَّمَا الْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ أَوْ حُفْرَةٌ مِنْ حُفْرِ النَّارِ))²

(ترجمہ: قبر یا تو جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا)³

اس حدیث کو امام البانی نے ضعیف جداً کہا ہے۔ اگرچہ اس موضوع کے حوالے سے دیگر بہت سی صحیح احادیث موجود ہیں اور ڈاکٹر صاحب کو ان کی جانب رجوع کرنا چاہیے تھا۔ مثال کے طور پر امام بخاری نے ایک حدیث نقل کی ہے:

(عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا أَنَّ يَهُودِيَّةً دَخَلَتْ عَلَيْهَا فَذَكَرَتْ عَذَابَ الْقَبْرِ، فَقَالَتْ لَهَا:

أَعَاذُكَ اللَّهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، فَسَأَلَتْ عَائِشَةَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ عَذَابِ

الْقَبْرِ، فَقَالَ: نَعَمْ، عَذَابُ الْقَبْرِ، قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا: فَمَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدُ صَلَاةٍ إِلَّا تَعَوَّذَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ)⁴

(ترجمہ: عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک یہودی عورت ان کے پاس آئی۔ اس نے

(¹) بیان القرآن، ص: 26/3

(²) سنن ترمذی، کتاب صغیر القیامہ والرقائق والورع عن رسول اللہ ﷺ، حدیث #2460، حکم: ضعیف جداً (الالبانی)

(³) بیان القرآن، 257/6

(⁴) صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب ما جاء فی عذاب القبر، حدیث #1306

عذاب قبر کا ذکر چھیڑ دیا اور کہا کہ اللہ تجھ کو عذاب قبر سے محفوظ رکھے۔ اس پر عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے عذاب قبر کے بارے میں دریافت کیا۔ آپ ﷺ نے اس کا جواب یہ دیا کہ ہاں عذاب قبر حق ہے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ پھر میں نے کبھی ایسا نہیں دیکھا کہ آپ ﷺ نے کوئی نماز پڑھی ہو اور اس میں عذاب قبر سے اللہ کی پناہ نہ مانگی ہو)

بعض مقامات پر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کا مطالعہ احادیث محدود تھا اور قرآن کریم کی تفسیر سے متعلق انتہائی اہم احادیث کو بھی آپ بیان نہیں کرتے بلکہ کبھی تو آپ کوئی ایسا موقف اختیار کر لیتے ہیں جس کے خلاف حدیث موجود ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر قول باری تعالیٰ:

﴿إِذْ نَسْتَعِثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَبَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُمْ بِالْفِ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُزْدَفِينَ﴾¹

(ترجمہ: اور جب تم اپنے پروردگار سے فریاد کر رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں جواب میں فرمایا کہ

میں پے درپے ایک ہزار فرشتے تمہاری مدد کو بھیج رہا ہوں)

کی تفسیر میں آپ نے یہ موقف اپنایا ہے کہ اللہ کے وعدے کے مطابق میدان بدر میں فرشتے اترے ضرور ہیں لیکن انہوں نے عملی طور پر لڑائی میں حصہ نہیں لیا۔ لڑائی عملی طور پر کفار کے ایک ہزار اور مسلمانوں کے تین سو تیرہ افراد کے درمیان ہی ہوئی اور قوت ایمانی سے سرشار مسلمان اس بے جگری اور بے خونی سے لڑے کہ اپنے سے تین گنا بڑے لشکر پر غالب آگئے۔²

ڈاکٹر صاحب کا یہ موقف درست نہیں ہے کہ فرشتوں نے عملی طور پر جنگ میں حصہ نہیں لیا تھا کیونکہ خود قرآن کریم میں غزوہ بدر کے حوالے سے سورۃ الانفال میں مذکور ہے:

﴿إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ فَتَبَيَّنُوا الَّذِينَ آمَنُوا سَأُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ﴾³

(ترجمہ: جب آپ کا پروردگار فرشتوں کو حکم دے رہا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں لہذا مسلمانوں کے قدم جمائے رکھو۔ میں ابھی کافروں کے دل میں رعب ڈال دوں گا پس تم ان کی گردنوں اور ہر جوڑ پر ضربیں لگا)

اسی طرح احادیث رسول ﷺ سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ فرشتوں نے جنگ میں حصہ بھی لیا تھا اور کافروں کو قتل بھی کیا تھا اور مسلمانوں کی بھرپور مدد کی تھی۔ جیسا کہ مسند احمد کی ایک روایت میں مذکور ہے:

(¹) الانفال: 9

(²) بیان القرآن، ص: 217/3

(³) الانفال: 12

(عَنْ أَبِي دَاوُدَ الْمَازِنِيِّ، وَكَانَ شَهِدَ بَدْرًا، قَالَ: "إِنِّي لَأَتَّبِعُ رَجُلًا مِنَ الْمُشْرِكِينَ لِأَضْرِبَهُ، إِذْ وَقَعَ رَأْسُهُ قَبْلَ أَنْ يَصِلَ إِلَيْهِ سَيْفِي، فَعَرَفْتُ أَنَّهُ قَدْ قَتَلَهُ غَيْرِي")¹

(ترجمہ: حضرت ابو داؤد المازنی جو غزوہ بدر میں شریک تھے، وہ فرماتے ہیں: "میں قتل کرنے کی غرض سے مشرکین میں سے ایک شخص کا تعاقب کر رہا تھا، میری تلوار اس تک پہنچنے سے پہلے اس کا سر کٹ کر گر گیا۔ پس میں نے جان لیا کہ اسے کسی اور (یعنی فرشتے) نے قتل کر دیا)

اسی طرح مسند احمد ہی کی ایک اور روایت میں ہے کہ ایک صحابی نے حضرت عباس کو قیدی بنانے کا دعویٰ کیا تو رسول اللہ ﷺ نے اسے خاموش کرواتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کریم فرشتے سے تیری مدد کی۔² اسی طرح ایک اور مقام پر قول باری تعالیٰ:

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ﴾³

ترجمہ: جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان سے تکبر کیا ان کے لیے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائیں گے)

کی تفسیر میں آپ رقم طراز ہیں:

"احادیث میں مذکور ہے کہ روز محشر میدانِ عرفات کو کھول کر وسیع کر دیا جائے گا اور یہیں پر حشر ہوگا۔ {وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا} (الفجر) کے الفاظ سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ پروردگار شانِ اجلال کے ساتھ نزول فرمائیں گے، فرشتے بھی فوج در فوج آئیں گے اور یہیں پر حساب کتاب ہوگا۔ گویا "قصہ زمین بر سر زمین" والا معاملہ ہوگا۔"⁴

جب کہ صحیح احادیث میں مذکور ہے کہ مقام حشر شام ہوگا۔ جیسا کہ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(الشَّامُ أَرْضُ الْمُحْشَرِّ وَالْمُنْشَرِّ)⁵

ترجمہ: شام محشر اور نشر کی زمین ہے۔

(¹) مسند احمد، حدیث ابی داؤد المازنی رضی اللہ عنہ، حدیث #23778، حکم: اسنادہ صحیح (الارنوط)

(²) ایضاً، مسند علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، حدیث #948، حکم: اسنادہ صحیح (الارنوط)

(³) الأعراف: 40

(⁴) بیان القرآن، ص: 120/3

(⁵) أبو بکر أحمد بن عمرو بن عبد الحلق المعروف بالبرزازی (المتوفی: 292 ہجری)، مسند البرزازی المنسوخ باسم البحر الزخار، المحقق: محفوظ الرحمن زین اللہ، مکتبۃ العلوم والحکم، المدینۃ المنورۃ، طبع: اول، 1988 م، حدیث #3965، حکم: صحیح (البانی: صحیح الجامع الصغیر و زیاداتہ، المکتبۃ الاسلامی، حدیث #3726)

تفسیر القرآن بالحديث میں دونوں مفسرین کے منہج کا تقابلی جائزہ

سابقہ دو مباحث میں تفسیر القرآن بالحديث کے حوالے سے ڈاکٹر اسرار احمد اور متولی الشعراوی کا منہج واضح ہو چکا ہے۔

اگر دونوں مفسرین کے منہج کا تقابل کیا جائے تو درج ذیل نکات سامنے آتے ہیں:

- (1) دونوں مفسرین حدیث کی اہمیت کے قائل تھے۔
- (2) دونوں نے فہم قرآن کی غرض سے حدیث سے استدلال کیا ہے۔ اس میں حدیث کے ذریعے قرآنی مفردات کی شرح، آیت کے معنی کا تعین، فقہی حکم کی وضاحت، ترغیب و ترہیب اور فضائل کا بیان شامل ہیں۔
- (3) دونوں مفسرین نے حدیث کو بیان کرنے کے لیے کوئی خاص منہج نہیں اپنایا۔ دونوں حضرات حدیث کو کبھی حوالے کے ساتھ اور کبھی حوالے کے بغیر، کبھی سند کے ساتھ اور کبھی سند کے بغیر بیان کرتے ہیں۔
- (4) دونوں مفسرین نے حدیث کی متعدد کتب سے احادیث بیان کی ہیں جس کی تفصیل ان کے مصادرِ تفسیر کے تحت گزر چکی ہے۔
- (5) حدیث کے حکم، جرح و تعدیل اور دیگر علوم حدیث کے حوالے سے دونوں مفسرین نے صرف نظر کیا ہے۔
- (6) عمومی طور پر دونوں مفسرین نے ان احادیث سے استدلال کیا ہے جو صحت کے درجے کو پہنچتی ہیں، البتہ چند ایک مقامات پر ضعیف احادیث بلکہ موضوع روایات بھی ذکر کی ہیں۔
- (7) دونوں مفسرین نے احادیث رسول ﷺ کا مطالعہ کر رکھا تھا اگرچہ ایک قاری کو محسوس ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کا مطالعہ شعراوی صاحب کی نسبت محدود تھا۔
- (8) تفسیر بالماثور کی نمائندہ تفاسیر سے موازنہ کیا جائے تو عیاں ہوتا ہے کہ دونوں مفسرین نے تفسیر القرآن بالحديث کا اہتمام نسبتاً کم کیا ہے۔ البتہ اس حوالے سے جہاں شعراوی صاحب کی تفسیر عمومی حجم کے اعتبار سے بیان القرآن سے کافی بڑی ہے وہاں اس میں احادیث کا ذخیرہ بھی زیادہ ہے۔
- (9) ذیل میں اس ضمن میں دونوں تفاسیر کے مابین تقابل کے لیے ایک آیت کی تفسیر کا تقابل کیا جا رہا ہے۔

تقابلی مثال:

تفسیر القرآن بالحديث کے ضمن میں مثال کے طور پر قول باری تعالیٰ:

﴿النَّبِيِّ أُولَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ إِلَّا أَنْ تَفْعَلُوا إِلَىٰ أَوْلِيَائِكُمْ مَعْرُوفًا كَانَ ذَلِكَ فِي الْكِتَابِ مَسْطُورًا﴾¹

(ترجمہ: بلاشبہ نبی مومنوں کے لیے ان کی اپنی ذات سے بھی مقدم ہے اور آپ کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں۔ اور کتاب اللہ کی رو سے مومنین اور مہاجرین کی نسبت، رشتہ دار ایک دوسرے کے زیادہ (ترکہ کے) حقدار ہیں۔ البتہ اگر تم اپنے دوستوں سے بھلائی کرنا چاہو (تو کر سکتے ہو) کتاب اللہ میں یہی کچھ لکھا ہوا ہے)

کی تفسیر میں دونوں مفسرین کے منہج کا تقابل کیا جائے تو یہ سامنے آتا ہے کہ اس آیت کی تفسیر میں ڈاکٹر اسرار احمد پہلے اس امر کی وضاحت کرتے ہیں کہ تمام اہل ایمان پر لازم ہے کہ وہ اپنی جانوں سے زیادہ حضور ﷺ کی جان کی فکر کریں اور آپ کو اپنے ماں باپ، اپنی اولاد اور اپنی جان سے بڑھ کر محبوب رکھیں۔ اس آیت کی شرح حدیث سے کرتے ہوئے آپ بیان کرتے ہیں کہ صحیحین میں کچھ لفظی فرق کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد منقول ہے:

(لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ)²

(ترجمہ: تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کو اس کے باپ، اس کی

اولاد اور سب انسانوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں)³

اس کے بعد قول باری تعالیٰ: {وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ} (ترجمہ: اور نبی کی بیویاں ان کی مائیں ہیں) کے حوالے سے آپ فرماتے ہیں کہ یہاں پر اس فقرے سے پہلے "وَهُوَ أَبُّ لَهُمْ" کے الفاظ کو محذوف سمجھا جانا چاہیے، یعنی حضور ﷺ مومنوں کے لیے بمنزلہ باپ کے ہیں۔ پھر اس بات کی دلیل میں آپ حدیث رسول ﷺ پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اس سلسلے میں آپ ﷺ کا فرمان بھی ہے کہ: (إِنَّمَا أَنَا لَكُمْ بِمَنْزِلَةِ الْوَالِدِ)⁴ یعنی تم سب کے لیے میری حیثیت والد کی سی ہے۔ قرآن مجید کے ان الفاظ کی رو سے نبی کریم ﷺ کی بیویاں مسلمانوں کے لیے اسی طرح قابل احترام ہیں جس طرح ان کی حقیقی مائیں قابل احترام ہیں۔ چنانچہ ازواج مطہرات کے ناموں کے ساتھ "ام المؤمنین" کے الفاظ کا اضافہ کیا جاتا ہے۔ مثلاً ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا، ام المؤمنین حضرت

(1) الأحزاب: 6

(2) صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب حب الرسول ﷺ من الایمان، حدیث #15 اور صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب وجوب محبہ رسول اللہ ﷺ من اکثر من الاہل والولد والوالد، حدیث #70 (یہ حدیث دونوں کتابوں میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے واسطے سے بالکل ایک جیسے الفاظ کے ساتھ مروی ہے۔)

(3) بیان القرآن، ص: 11/6

(4) سنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ، باب کراہیۃ استقبال القبلیۃ عن قضاء الحاجۃ، حدیث #8، حکم: حسن (البانی)

عائشہ رضی اللہ عنہا، ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا، ام المؤمنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا!¹

اس کے بعد قول باری تعالیٰ: (وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ إِلَّا أَنْ تَفْعَلُوا إِلَىٰ أَوْلِيَائِكُمْ مَعْرُوفًا) کی تفسیر میں ڈاکٹر صاحب رقم طراز ہیں:

"اس سے پہلے "أُولُوا الْأَرْحَامِ" کے بارے میں یہی الفاظ سورۃ الانفال کی آخری آیت میں بھی آچکے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ اللہ کے قانون میں رحمی اور خوئی رشتے دوسرے تمام رشتوں پر فوقیت رکھتے ہیں۔ یہاں پر مؤمنین و مہاجرین کا ذکر کر کے مدینہ کے مقامی معاشرے میں ایک مخصوص صورت حال کی بھی وضاحت کر دی گئی کہ اگرچہ تمہارے مہاجرین اور انصار کے درمیان "موأخات" کے تحت بے مثال رشتے قائم ہو چکے ہیں اور تم لوگوں نے ان رشتوں کے حوالے سے ایثار کی نئی نئی مثالیں بھی قائم کر کے دکھائی ہیں، لیکن اللہ کے قانون وراثت میں ایسے رشتوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ چنانچہ قانون وراثت میں نہ تو انصار و مہاجرین جیسے کسی بھائی چارے کا لحاظ ہو گا اور نہ ہی منہ بولے رشتوں کے لیے کوئی حصہ مخصوص کیا جائے گا۔ البتہ اگر کوئی شخص اپنے تعلقات کی بنا پر کسی دینی بھائی، عزیز یا دوست کو کوئی چیز تحفہ دینا چاہے یا کسی کے حق میں کوئی چیز بہہ کرنا چاہے تو وہ ایسا کر سکتا ہے۔"²

آیت کے آخری حصے یعنی: {كَانَ ذَٰلِكَ فِي الْكِتَابِ مَسْطُورًا} میں ڈاکٹر صاحب کے نزدیک کتاب میں لکھے ہوئے سے مراد لوح محفوظ یا اس موضوع پر تورات کے احکام بھی ہو سکتے ہیں اور خود قرآنی احکام بھی، جو اس سے پہلے سورۃ النساء اور سورۃ الانفال میں نازل ہو چکے تھے۔³

گویا اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے دو مرتبہ تفسیر القرآن بالحديث کا اسلوب اپنایا ہے۔ ایک مرتبہ آیت کی شرح کرتے ہوئے آپ نے حدیث بیان کی اور راوی کا بیان کیے بغیر اس حدیث کا کتابی حوالہ دے دیا۔ جب کہ دوسری مرتبہ آپ نے ایک موقف اپنانے کے بعد اس کی دلیل کے طور پر حدیث رسول ﷺ کو پیش کیا۔ اس مرتبہ آپ نے حدیث کے حوالے سے کوئی معلومات فراہم نہ کیں لیکن وہ حدیث حکم کے اعتبار سے حسن درجے کی ہے۔

اب اسی آیت کی تفسیر کے لیے جب تفسیر الشعر اوی کی جانب رجوع کرنے سے یہ سامنے آتا ہے کہ شعر اوی اس آیت کے سیاق سے کلام کو جوڑتے ہیں جہاں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے تعلق سے امت کو یہ حکم دیا گیا

(¹) بیان القرآن، ص: 11/6

(²) ایضاً

(³) ایضاً

ہے کہ لے پالک حقیقی بیٹے نہیں ہوتے اور انہیں ان کے حقیقی باپوں کے ناموں سے پکارو! آپ فرماتے ہیں کہ اب اس آیت میں مسلمانوں کو خبر دی گئی کہ اکیلے زید کیا نبی ﷺ تو تمام ہل ایمان پر ان کی جانوں سے بھی بڑھ حق رکھتے ہیں۔ اور زید رضی اللہ عنہ کے لیے اس سے بڑھ کر کیا فضیلت ہوگی کہ ان کا نام اللہ نے اپنی کتاب میں بیان فرمادیا۔¹

اس کے بعد شعر اوی قول باری تعالیٰ: (النَّبِيُّ أَوْلىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ) میں نبی کریم ﷺ کی اولیت کی وضاحت فرماتے ہیں کہ یہ کہا جاتا ہے انسان بھلائی کا آغاز اپنے نفس سے کرتا ہے اور پھر قریبی رشتہ داروں سے دور کے رشتوں کی جانب بھلائی کو پھیلاتا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(إِنِّدَا بِنَفْسِكَ ، ثُمَّ بِمَنْ تَعُولُ)²

(ترجمہ: پہلے اپنی ذات پر خرچ کرو، پھر ان پڑ جو تمہاری نگہبانی میں ہیں)

لیکن لوگوں میں سے بعض صرف اپنے نفس تک محدود ہوتے ہیں، کوئی اپنے کنبے تک محدود ہوتا ہے، کوئی اپنے وطن تک محدود ہوتا ہے تو کوئی پورے عالم اور پوری انسانیت تک اپنا دائرہ پھیلاتا ہے۔ اور رسول ﷺ کی خیر پوری انسانیت تک عمومی طور پر اور مومنین کے لیے خصوصی طور پر منتقل ہوئی۔³

آپ مزید فرماتے ہیں کہ اسی لیے جب آپ ﷺ کی امت کا کوئی شخص فوت ہو جاتا اور اس کے ذمے قرض ہوتا جو اس کے مال سے ادا نہ ہو پاتا تو آپ اس کی نماز جنازہ نہ پڑھاتے اور صحابہ سے فرماتے: اپنے بھائی پر تم ہی نماز پڑھ لو "رسول اللہ ﷺ اس پر نماز اس لیے نہیں پڑھتے تھے کیونکہ آپ نے ایک اور حدیث میں فرما رکھا تھا:

(مَنْ أَخَذَ أَمْوَالَ النَّاسِ يُرِيدُ أَدَاءَهَا أَدَّى اللَّهُ عَنْهُ)⁴

(ترجمہ: جو کوئی لوگوں کا مال قرض کے طور پر ادا کرنے کی نیت سے لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی

طرف سے ادا کرے گا)

لہذا اب اگر وہ بغیر ادا کیے مر گیا تو غالب گمان یہی ہے کہ وہ ادا نہیں کرنا چاہتا تھا، اس لیے آپ ﷺ اس پر نماز نہیں پڑھتے تھے۔ لیکن جب یہ آیت: (النَّبِيُّ أَوْلىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ) نازل ہو گئی تو آپ مسلمانوں کے متونی کا قرض اپنے ذمے لے لیتے⁵ اور یہی معنی ہے اس بات کا کہ نبی ﷺ مومنوں پر ان کی جانوں سے بڑھ کر حق

(1) تفسیر الشعراوی، 11934/19

(2) محمد ناصر الدین الالبانی، إرواء الغلیل فی تخریج أحادیث منار السبیل، المكتب الإسلامي، بیروت، 1985 م، حکم: صحیح (البانی: آپ فرماتے ہیں کہ یہ دو حدیثوں کا مرکب ہے جس کا ایک حصہ صحیح مسلم میں اور دوسرا حصہ سنن ترمذی میں ہے)

(3) تفسیر الشعراوی، 11935/19

(4) صحیح بخاری، کتاب الاستقراض وأداء الديون والحجر والتفليس، باب من أخذ أموال الناس يريد أداها أو إتلافها، حدیث #2257

(5) یہ مفہوم موجود ہے: صحیح بخاری، کتاب الکفالة، باب الدین، حدیث #2176

رکھتے ہیں۔¹ بعد ازاں شعر اوی مومنوں پر رسول اللہ ﷺ کے حق کے دوسرے پہلو کی وضاحت میں فرماتے ہیں:

"ثم ألم يقل سيدنا رسول الله صلى الله عليه وسلم «لا يؤمن أحدكم حتى أكون أحب إليه من نفسه، وماله، والناس أجمعين» ولصدق عمر - رضي الله عنه - مع نفسه قال: نعم يا رسول الله، أنت أحب إلي من أهلي ومالي، لكن نفسي. فقال النبي صلى الله عليه السلام: «والذي نفسي بيده، لا يؤمن أحدكم حتى أكون أحب إليه من نفسه» فلما رأى عمر أن المسألة عزيمة فطن إلى الجواب الصحيح² 3

(ترجمہ: پھر کیا رسول اللہ ﷺ نے عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے نہ فرمایا تھا کہ: تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کو اس کے باپ، اس کی اولاد اور سب انسانوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں۔ جس پر عمر رضی اللہ عنہ نے صدق نفس سے یہ کہا کہ آپ مجھے میرے اہل اور مال سے زیادہ محبوب ہے ماسوا میرے نفس کے۔ جس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اسے اس کے نفس سے بھی زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ نے غور و فکر کر کے درست جواب دیا۔)

یہاں شعر اوی نے آیت میں مذکور رسول اللہ ﷺ کی اولیت کے دونوں پہلوؤں کو احادیث کی روشنی میں بیان فرمایا ہے۔ آپ نے پہلے انسانی نفسیات کے ایک پہلو کو اجاگر کرتے ہوئے حدیث رسول ﷺ سے استشہاد کیا اور پھر آیت اور احادیث میں حسین ربط پیدا کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ کی فضیلت اور امت کے لیے آپ ﷺ کے درد کو انتہائی خوبصورتی سے بیان فرمایا۔ اس دوران آپ جہاں آیت کی شرح حدیث سے کر رہے تھے وہاں آپ نے ایک حدیث کی شرح دوسری حدیث سے بھی فرمائی۔ اس مختصر کلام میں آپ نے تین احادیث سے استشہاد کیا اور یہ تینوں حدیثیں صحیح درجے کی ہیں البتہ شعر اوی نے ان احادیث کے حوالے سے کسی قسم کی معلومات نہیں دیں۔ اس کے بعد آپ نے اس موضوع کے دوسرے پہلو یعنی اہل ایمان پر رسول اللہ ﷺ کی محبت کے وجوب کو بیان کرتے ہوئے ایک اور صحیح حدیث سے استشہاد کیا البتہ حدیث کی تفصیلات فراہم نہ کیں۔

اس کے بعد قول باری تعالیٰ: {وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ} کی وضاحت میں آپ نے جہاں یہ بیان کیا کہ نبی ﷺ کی بیویاں اہل ایمان کی مائیں ہیں وہاں آپ نے ایک عجیب بات بیان فرمائی کہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اس معنی میں رسول اللہ ﷺ کی والدہ تھی کیونکہ آپ ﷺ سب سے پہلے مومن تھے اور اسی لیے خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بھی ایک

(1) تفسیر الشعر اوی، 11935/19

(2) یہ واقعہ مختلف کتب احادیث میں مذکور ہے مثلاً ملاحظہ ہو: مسند احمد، مسند الکوفون، حدیث جد زہرۃ بن معبد رضی اللہ عنہ، حدیث #18193، صحیح بخاری، کتاب الایمان والندور، باب کیف کانت یمین النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث #6257

(3) تفسیر الشعر اوی، 11936/19

شفیق ماں کی طرح آپ ﷺ سے معاملہ کیانہ کہ ایک بیوی کی طرح۔ اس کے بعد آپ اس حکم کی حکمت بیان کرتے ہیں کہ نبی کی بیویاں امہات المؤمنین کیونکر ٹھہریں۔ اسی طرح آپ رسول اللہ ﷺ کی زوجات کی تعداد اور مستشرقین کے اعتراضات اور ان کا رد بھی بیان کرتے ہیں۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک بیوی اور ایک والدہ دونوں کی طرح برتاؤ کیا البتہ آیت کی تفسیر میں شعر اوی کا یہ موقف درست نہیں ہے کیونکہ نبی ﷺ کی ازواج مومنوں پر اس حکم میں بھی مائیں ہیں کہ وہ ان سے نبی ﷺ کے وصال کے بعد نکاح نہیں کر سکتے اور یہاں نبی ﷺ اور ان کی ازواج کی تعظیم کی غرض سے خطاب اہل عام اہل ایمان سے ہے نہ کہ رسول اللہ ﷺ سے۔

اس کے بعد قول باری تعالیٰ: (وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ...) کی وضاحت میں آپ فرماتے ہیں کہ مواخات مدینہ کے نتیجے میں انصار نے مہاجرین پر ایثار و قربانی کی مثال قائم کر دی یہاں تک کہ ایک انصاری نے اپنے مہاجر بھائی کو یہ پیشکش بھی کر دی کہ وہ اپنی دو بیویوں میں سے ایک کو طلاق دے دیتا ہے تاکہ وہ اس سے نکاح کر لے¹۔ اور اس مواخات کا تقاضا یہ بھی تھا کہ وہ ایک دوسرے کے وارث بنتے لیکن جب مہاجرین کو کچھ آسودگی حاصل ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے امور کو طبعی حالت کی جانب لوٹا دیا۔ آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کی اولاد ہونے کے ناطے تمام انسان آپس میں اولوالارحام ہیں۔

اس حوالے سے آپ ایک اثر نقل کرتے ہیں کہ دربان معاویہ رضی اللہ عنہ پر داخل ہوا اور ان سے کہا: دروازے پر ایک شخص کہتا ہے کہ وہ آپ کا بھائی ہے، معاویہ نے کہا: تم میرے بھائیوں کو کیسے نہیں جان سکتے، جب تم میرے دربان ہوتے ہو؟ اس نے کہا: وہ ایسا ہی کہہ رہا ہے۔ معاویہ نے کہا اسے اندر بھیجو! جب وہ شخص داخل ہوا تو معاویہ نے اس سے پوچھا: آپ میرے کون سے بھائی ہیں؟ انہوں نے کہا: آپ کا یہ بھائی حضرت آدم علیہ السلام سے ہے، معاویہ نے کہا: ہاں، رحم کو کاٹ دیا جاتا ہے، اور خدا کی قسم، میں اسے ملانے والا پہلا شخص ہوں گا۔²

آخر میں شعر اوی قول باری تعالیٰ: {كَانَ فِي الْكِتَابِ مَسْطُورًا} کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ کتاب سے مراد لوح محفوظ یعنی ام الکتاب ہے یا قرآن کریم مراد ہے۔³

سورۃ الاحزاب کی مذکورہ آیت کی تفسیر میں اگر شعر اوی صاحب اور ڈاکٹر اسرار صاحب کی تفسیر کا موازنہ کیا جائے تو تفسیر القرآن بالحدیث کے ضمن میں درج ذیل نکات سامنے آتے ہیں:

(1) یہ قصہ مذکور ہے: صحیح بخاری، کتاب فضائل الصحابة، باب إخوان النبی صلی اللہ علیہ وسلم بین المهاجرین والانصار، حدیث #3569

(2) کوشش کے باوجود یہ اثر کہیں مل نہیں سکا۔

(3) تفسیر الشعر اوی، 11937/19-11941

- (1) دونوں مفسرین نے تفسیر القرآن بالحديث کا بھرپور اہتمام کیا ہے۔
- (2) نبی کریم ﷺ کے مومنوں پر حق کے حوالے سے احادیث میں دو رخ بیان ہوئے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے حدیث کی روشنی میں صرف ایک رخ بیان کیا ہے جب کہ شعر اوی صاحب نے دونوں رخ بیان کیے ہیں۔ اس سے شعر اوی صاحب کے مطالعہ حدیث کی وسعت عیاں ہوتی ہے۔
- (3) شعر اوی صاحب کی تفسیر طوالت پر مبنی ہے اور یہاں بھی آپ رسول اللہ ﷺ کی اولیت کو واضح کرنے سے قبل انسانی نفسیات کو واضح کرتے ہیں اور اس کی دلیل میں ایک حدیث بھی پیش کرتے ہیں۔
- (4) دونوں مفسرین کے نزدیک ازواج نبی ﷺ امت کی مائیں ہیں البتہ شعر اوی صاحب نے یہاں خدیجہ رضی اللہ عنہ کی مثال دے کر ازواج نبی کو نبی ﷺ کی بھی اس معنی میں مائیں قرار دیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے نزدیک نبی ﷺ امت کے لیے بمنزلہ والد ہیں اور اس کی دلیل میں آپ نے حدیث بھی بیان کی۔
- (5) دونوں مفسرین کے نزدیک (وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ) کا تعلق مہاجرین اور انصار کے درمیان ہونے والے مواخات مدینہ سے ہے کہ وہ ایک دوسرے کے وارث نہیں بنیں گے۔ شعر اوی صاحب رحم کے رشتوں کو "وحدت أب" کی نسبت سے تمام انسانیت تک پھیلاتے ہیں اور اس حوالے سے آپ نے ایک اثر بھی بیان کیا ہے۔
- (6) قول باری تعالیٰ: {كَانَ ذَٰلِكَ فِي الْكِتَابِ مَسْطُورًا} میں شعر اوی کے نزدیک کتاب سے مراد لوح محفوظ یا قرآن ہے جب کہ ڈاکٹر صاحب کے نزدیک ان دونوں کے علاوہ تورات بھی مراد ہو سکتی ہے۔
- (7) دونوں مفسرین نے آیت کی تفسیر کے دوران صرف مقبول درجے کی روایات سے استدلال کیا ہے البتہ شعر اوی صاحب نے جو اثر نقل کیا ہے اس کی تخریج نہیں ہو سکی۔
- (8) علم حدیث کے ضمن میں ڈاکٹر صاحب نے ایک حدیث کے حوالے سے بتایا کہ وہ صحیحین میں مذکور ہے، اس کے علاوہ دونوں مفسرین نے نہ ہی حدیثوں کا کتابی حوالہ دیا، نہ ہی راویوں کا ذکر کیا، نہ ہی کسی حدیث کا حکم بیان کیا اور نہ ہی مکمل حدیث بیان کی۔
- (9) اس آیت کے حوالے سے تفسیر القرآن بالحديث کے ضمن میں تفسیر ابن کثیر کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ایک حصہ شعر اوی نے اور دوسرا حصہ ڈاکٹر اسرار نے بیان فرمایا ہے۔ اگرچہ وہاں پر اس کے باوجود (ماسوائے شعر اوی کے اثر کے) مزید تفصیل موجود ہے۔¹

(۱) ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم (تفسیر ابن کثیر)، ص: 339/6

فصل سوم

تفسیر القرآن باقوال الصحابہ والتابعین میں دونوں مفسرین کے منہج کا تقابل

مبحث اول: تفسیر القرآن باقوال الصحابہ والتابعین میں شعر اوی کا منہج

مبحث دوم: تفسیر القرآن باقوال الصحابہ والتابعین میں ڈاکٹر اسرار احمد کا منہج

مبحث سوم: تفسیر القرآن باقوال الصحابہ والتابعین میں دونوں مفسرین کے منہج کا تقابلی جائز

تعارف:

صحابہ تمام لوگوں سے بڑھ کر کتاب اللہ کی معرفت رکھنے والے تھے اور ان کے تزکیہ کی گواہی خود اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے دی ہے۔ مزید یہ کہ قرآن ان ہی کے زمانے اور ان ہی کی زبان میں نازل ہوا وہی لوگ ہیں جنہوں نے نزول وحی کا مشاہدہ کیا اور وحی کے اسباب نزول پر گواہ بنے۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((وَالَّذِي لَا إِلَهَ غَيْرُهُ مَا مِنْ كِتَابِ اللَّهِ سُورَةٌ إِلَّا أَنَا أَعْلَمُ حَيْثُ نَزَلَتْ ، وَمَا مِنْ آيَةٍ إِلَّا أَنَا أَعْلَمُ فِيمَا أُنْزِلَتْ ، وَلَوْ أَعْلَمُ أَحَدًا هُوَ أَعْلَمُ بِكِتَابِ اللَّهِ مِنِّي ، تَبْلُغُهُ الْإِبِلُ ، لَرَكِبْتُ إِلَيْهِ.))¹

(ترجمہ: قسم اس کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں اللہ کی کتاب میں کوئی ایسی سورت نہیں ہے مگر میں جانتا ہوں کہ وہ کہاں اتری اور کوئی آیت ایسی نہیں ہے مگر میں جانتا ہوں کہ وہ کس باب میں اتری اور جو میں جانتا کسی کو کہ وہ اللہ کی کتاب مجھ سے زیادہ جانتا ہے اور اس تک اونٹ پہنچ سکتے تو میں سوار ہو کر اس کے پاس جاتا)

اب جب کہ وہ قرآن مجید کے بارے میں زیادہ جانکاری رکھتے ہیں، لہذا ان کی تفہیم، ان کے اقوال اور ان کی نقل شدہ تفسیر دوسروں پر فوقیت رکھتی ہیں۔

صحابہ کرام کے بعد تابعین کا درجہ آتا ہے جنہوں نے صحابہ کی صحبت کا شرف حاصل کیا اور ان سے قرآن کریم کو سمجھا۔ نہ صحابہ کرام نے تابعین تک دین پہنچانے میں کسی بخل سے کام لیا اور نہ ہی تابعین نے سیکھنے میں کسی سستی کا مظاہرہ کیا۔ جیسا کہ ابن ابی ملیکہ فرماتے ہیں:

((رَأَيْتُ مُجَاهِدًا يَسْأَلُ ابْنَ عَبَّاسٍ عَنْ تَفْسِيرِ الْقُرْآنِ ، وَمَعَهُ أَلْوَاخُهُ ، فَيَقُولُ لَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ : " اَكْتُبْ " ، قَالَ : حَتَّى سَأَلَهُ عَنِ التَّفْسِيرِ كُلِّهِ))²

(ترجمہ: میں نے مجاہد کو ابن عباس سے تفسیر قرآن کے متعلق سوال کرتے دیکھا کہ ان کے ساتھ ان کی تختی ہوتی اور ابن عباس کہتے کہ لکھو! یہاں تک کہ انہوں نے ان سے پورے قرآن کی تفسیر کے متعلق پوچھا۔)

پس تابعین نے صحابہ سے دین اخذ کیا، قرآن کا فہم حاصل کیا اور پھر اسے اگلی امت تک منتقل کیا۔ اس فصل میں تفسیر القرآن باقوال الصحابہ والتابعین میں شیخ محمد متولی الشعرای اور ڈاکٹر اسرار احمد کے منہج کا تقابلی مطالعہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ وباللہ التوفیق

(1) صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابہ، باب من فضائل عبداللہ بن مسعود و أمہ رضی اللہ عنہ، حدیث #2463

(2) الطبری، جامع البیان، ص: 90/1

مبحث اول

تفسیر القرآن باقوال الصحابہ والتابعین میں شعر اوی کا منہج

شعر اوی نے اپنی تفسیر میں عام مفسرین سے نسبتاً کم مگر کافی مقامات پر صحابہ اور تابعین کے قول سے استدلال کیا ہے لیکن آپ کی تفسیر میں یہ بات ضرور سامنے آتی ہے کہ آپ صحابہ کے تفسیر اقوال سے واقفیت رکھتے تھے اور انہیں اہمیت بھی خوب دیتے تھے لیکن شفوی تفسیر کی وجہ سے عملی طور پر آپ کم ہی مقامات پر اقوال صحابہ و تابعین سے استفادہ کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ ذیل میں ایسی چند مثالیں بیان کی گئی ہیں۔

الف۔ تفسیری معانی کو بیان کرنے میں صحابہ و تابعین کے اقوال سے استشہاد

1۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول

قول باری تعالیٰ:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ﴾¹

(ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمہیں عدل، احسان اور قرابت داروں کو (امداد) دینے کا حکم دیتا ہے اور بے

حیائی، برے کام اور سرکشی سے منع کرتا ہے...)

کی تفسیر میں شعر اوی فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس آیت میں تین چیزوں کا حکم دیا ہے یعنی: عدل، احسان اور قرابت داروں پر خرچ کرنا اور تین چیزوں سے اللہ نے منع فرمایا یعنی: بے حیائی کے کاموں، ناشائستہ حرکتوں اور ظلم و زیادتی سے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((أَجْمَعُ آيَاتِ الْقُرْآنِ لِلْخَيْرِ هَذِهِ الْآيَةُ)).

(ترجمہ: یہ آیت خیر کے متعلق قرآن کی آیات میں سے جامع ترین آیت ہے۔)²

درج بالا آیت کے حوالے سے کتب حدیث و تفسیر میں سیدنا عبداللہ بن مسعود کے اقوال مختلف الفاظ کے

ساتھ موجود ہیں۔ امام بخاری نے ادب المفرد میں درج ذیل قول ذکر کیا ہے جسے امام البانی نے صحیح قرار دیا ہے:

((مَا فِي الْقُرْآنِ آيَةٌ أَجْمَعٌ لِحَلَالٍ وَحَرَامٍ وَأَمْرٍ وَنَهْيٍ، مِنْ هَذِهِ الْآيَةِ))³

(¹) النحل: 90

(²) تفسیر الشعر اوی، 13/8155

(³) بخاری، الادب المفرد، حدیث #505 ناصر الدین البانی، صحیح الادب المفرد، ص: 1/195

اسی طرح معجم الکبیر میں ہے: ((أَنْ أَجْمَعَ آيَةً فِي كِتَابِ اللَّهِ { إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ }))¹ یہ آیت واقعی جامع ترین آیت ہے اور شاید اسی سبب عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اسے خطبہ جمعہ میں پڑھنے کا رواج دیا تھا۔

2۔ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا قول

قول باری تعالیٰ:

﴿وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهِ وَالْمَلَائِكَةُ مِنْ خِيفَتِهِ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقُ فَيُصِيبُ بِهَا مَنْ يَشَاءُ﴾²

(ترجمہ: اور کڑک اس کی حمد کے ساتھ اس کی پاکی بیان کرتی ہے اور فرشتے اس کے ڈر سے (پاکی بیان کرتے ہیں) وہی کرنے والی بجلیاں بھیجتا ہے جو اس پر ہی گرتی ہیں جس پر وہ چاہتا ہے) کی تفسیر میں شعراوی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا قول نقل فرماتے ہیں:

((إِذَا مَاتَ ابْنُ آدَمَ بَكَى عَلَيْهِ مَوْضِعَانِ؛ مَوْضِعٌ فِي السَّمَاءِ، وَمَوْضِعٌ فِي الْأَرْضِ؛ وَأَمَّا مَوْضِعُهُ فِي الْأَرْضِ فَمَوْضِعٌ مُصَلَّاهُ؛ وَأَمَّا مَوْضِعُهُ فِي السَّمَاءِ فَمَصْعَدُ عَمَلِهِ))³

(ترجمہ: جب ابن آدم مر جاتا ہے تو دو جگہیں اس پر روتی ہیں، ایک آسمان میں اور دوسری زمین میں۔ زمین میں اس کے مصلا کی جگہ اور آسمان کی وہ جگہ جہاں سے اس کا عمل اوپر چڑھتا ہے)⁴ اس معنی کی روایت سنن ترمذی میں رسول اللہ ﷺ سے منسوب درج ذیل الفاظ کے ساتھ موجود ہے البتہ اس روایت کی سند ضعیف ہے:-

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا مِنْ مُؤْمِنٍ إِلَّا وَلَهُ بَابَانِ: بَابٌ يَصْعَدُ مِنْهُ عِلْمُهُ وَبَابٌ يَنْزِلُ مِنْهُ رِزْقُهُ. فَإِذَا مَاتَ بَكِنَا عَلَيْهِ فَذَلِكَ قَوْلُهُ تَعَالَى: (فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ))⁵

3۔ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا قول

قول باری تعالیٰ:

(1) طبرانی، المعجم الکبیر، حدیث #8659

(2) الرعد: 13

(3) یہ روایت کچھ مختلف الفاظ کے ساتھ موجود ہے: أبو محمد عبد الرحمن بن محمد بن إدريس بن المنذر التميمي، الخطلي، الرازي ابن أبي حاتم (التوفى: 327 هجرى)، تفسير القرآن العظيم لابن أبي حاتم، المحقق: أسعد محمد الطيب، مكتبة نزار مصطفى الباز، المملكة العربية السعودية، طبع: سوم، 1419 هـ،

ص: 18551#، 3289/10

(4) تفسير الشعراوى، ص: 5253/12

(5) سنن ترمذی، کتاب تفسیر القرآن عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، باب سورة الدخان، حدیث #3255

﴿إِنْ تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ وَإِنْ تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ...﴾¹
 (ترجمہ: اگر تم اپنے صدقات کو ظاہر کرو تو بھی اچھا ہے لیکن اگر خفیہ طور پر فقرا کو دو تو یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے....)

کی تفسیر میں آپ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل فرماتے ہیں:
 ((فعن ابن عباس رضي الله عنهما: صدقات السر في التطوع تفضل علانيتها سبعين ضعفا، وصدقة الفريضة علانيتها أفضل من سرها بخمسة وعشرين ضعفا...))
 (ترجمہ: ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نفلی صدقہ چھپا کر کرنا علانیہ کرنے سے ستر گنا زیادہ اجر رکھتا ہے اور فرض صدقہ علانیہ کرنا پوشیدہ کرنے سے پچیس گنا زیادہ اجر رکھتا ہے³)

4۔ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا قول

قول باری تعالیٰ:

﴿اللَّهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَإِنْ تُبْدُوا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللَّهُ فَيَعْزِزُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾⁴
 (ترجمہ: جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے۔ اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے خواہ تم اسے چھپاؤ یا ظاہر کرو، اللہ تم سے اس کا حساب لے گا۔ پھر جسے چاہے گا بخش دے گا اور جسے چاہے گا سزا دے گا اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے)

کی تفسیر میں آپ فرماتے ہیں کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے جب یہ آیت سنی تو فرمانے لگے:
 ((لئن آخذنا الله على ما أخفينا في نفوسنا لنهلكن. وبكى حتى شمع نشيجه بالبكاء. وبلغ ذلك الأمر ابن عباس فقال: يرحم الله أبا عبد الرحمن لقد وجد إخوانه المسلمون مثلما وجد من هذه الآية. فأنزل الله بعدها {لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا} إلى آخر السورة⁵))
 (ترجمہ: اگر اللہ نے ہمیں اپنی نفسوں میں پوشیدہ رکھی چیزوں پر پکڑا تو ہم تباہ ہو جائیں گے۔ اور وہ روتے رہے یہاں تک کہ ان کی سسکیوں کی آواز سنی گئی۔ یہ معاملہ ابن عباس کو پہنچا، اور انہوں نے

(¹) البقرة: 271

(²) زمخشري جار الله، الكشاف عن حقائق غوامض التنزيل، ص: 1/316 اور کچھ تصرف کے ساتھ اسے واحدی، قرطبی اور ابن کثیر وغیرہ نے نقل کیا ہے۔

دیکھیں: أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير، تفسير القرآن العظيم، المحقق: سامي بن محمد سلامة، دار طيبة للنشر والتوزيع، طبع: دوم، 1999ء، ص: 1/703

(³) تفسير الشعراوي، ص: 2/1172

(⁴) البقرة: 284

(⁵) الطبري، جامع البيان، 6/105

کہا: اللہ ابو عبد الرحمن پر رحم کرے، ان کے مسلمان بھائیوں نے بھی اس آیت میں وہی پایا جو انہوں نے پایا۔ تب اللہ نے یہ آیت اتاری: {لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا} سورت کے اختتام تک¹

5۔ امام مجاہد رحمۃ اللہ کا قول

قول باری تعالیٰ: ﴿وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَ جَنَّاتٍ مَعْرُوشَاتٍ.... كُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ﴾²

(ترجمہ: وہی تو ہے جس نے دونوں طرح کے باغات پیدا کیے ایک وہ جن کی بیلیں ٹیوں پر چڑھائی جاتی ہیں..... جب یہ درخت پھل لائیں تو ان سے خود بھی کھاؤ اور فصل اٹھاتے وقت ان میں سے اللہ کا حق بھی ادا کرو۔ اور بے جا خرچ نہ کرو۔ کیونکہ اللہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا) کی تفسیر میں آپ وضاحت کرتے ہیں کہ اسراف کا معنی حد سے تجاوز کرنا ہے اگرچہ بعض نے اس کا معنی صرف زیادتی بیان کیا ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ حد سے تجاوز کرنا، چاہے اس میں زیادتی ہو یا کمی وہ اسراف کہلاتا ہے کیونکہ یہ "صرف الماء" سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی پانی کو ایسے ضائع کرنا ہے کہ اس میں نفع نہ ہو۔ اس کے بعد فرماتے ہیں:

"سیدنا مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (لو أن للإنسان مثل جبل أبي قبيس ذهباً ثم أنفقه في حلٍّ ما عُدَّ سرفاً، ولو صرف درهماً واحداً في معصية يعد سرفاً)³ (ترجمہ: اگر انسان کے پاس ابو قبیس کے پہاڑ کے برابر سونا ہو اور وہ اسے حلال میں خرچ کر دے تو یہ اسراف نہ ہو گا اور اگر اس کے پاس ایک درہم ہو اور وہ اسے معصیت میں صرف کر دے تو یہ اسراف شمار ہو گا)۔"⁴

6۔ امام حسن بصری رحمہ اللہ کا قول

آیت مبارکہ:

﴿وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَا تُنْفِسْكُمْ وَمَا تُنْفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ﴾⁵

(ترجمہ: اور جو مال تم خرچ کرو گے وہ تمہارے اپنے ہی لیے ہے۔ اور جو تم خرچ کرتے ہو وہ اللہ ہی کی رضا کے لیے کرتے ہو۔ اور جو بھی مال و دولت تم خرچ کرو گے اس کا پورا پورا اجر تمہیں دیا

(¹) تفسیر الشعراوی، ص: 1234/2

(⁴) الانعام: 141

(³) یہ اثر ان الفاظ کے ساتھ نہیں مل سکا البتہ کچھ مختلف الفاظ سے اسے نقل کیا ہے: أبو المنظر، منصور بن محمد بن عبد الجبار ابن أحمد المروزی (المتوفی:

489 ہجری)، تفسیر القرآن، المحقق: یاسر بن ابراہیم وغنیم بن عباس، دار الوطن، الرياض - السعودیہ، طبع: اول، 1997 م، ص: 235/3

(⁴) تفسیر الشعراوی، ص: 3968/7

(⁵) البقرہ: 272

جائے گا اور تمہاری حق تلفی نہیں کی جائے گی)

کی تفسیر میں آپ فرماتے ہیں:

"فَكَأَنَّهُ نَظَرَ حِينَمَا فَعَلَ لِلغَيْرِ أَنَّهُ فَعَلَ لِنَفْسِهِ... إِنَّ الْعَارِفَ بِاللَّهِ «الْحَسَنَ الْبَصْرِيَّ» كَانَ إِذَا دَخَلَ عَلَيْهِ مَنْ يَسْأَلُهُ هَشَّ فِي وَجْهِهِ وَبَشَّ وَقَالَ لَهُ: مَرْحَبًا بِمَنْ جَاءَ يَحْمِلُ زَادِي إِلَى الْآخِرَةِ بِغَيْرِ أَجْرَةٍ¹"
(ترجمہ: گویا جب کوئی کسی دوسرے کے لیے کام کرتا ہے تو وہ درحقیقت اپنے ہی لیے کام کرتا ہے.... بے شک عارف باللہ الحسن البصری کے پاس جب کوئی سائل آتا تو آپ کا چہرہ کھل اٹھتا اور آپ اس سے کہتے: خوش آمدید ہے اس شخص کے لیے جو ہمارا سامان آخرت کی جانب اٹھا کر لے جائے گا وہ بھی بغیر کسی اجر کے)

7۔ امام قتادہ رحمہ اللہ کا قول

قول باری تعالیٰ: ﴿وَمَنْ خَلَقْنَا أُمَّةً يَهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِ يَعْدِلُونَ﴾

(ترجمہ: اور ہماری مخلوق میں سے ایک گروہ ایسا بھی ہے جو حق کی طرف رہنمائی کرتے اور اسی کے مطابق انصاف کرتے ہیں)³

کی تفسیر میں شعر اوی فرماتے ہیں:

"قتادہ رحمہ اللہ نے فرمایا: بلغني «أن رسول الله صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ: إِذَا قُرَأَ هَذِهِ الْآيَةُ: هَذِهِ لَكُمْ وَقَدْ أُعْطِيَ الْقَوْمَ بَيْنَ أَيْدِيكُمْ مِثْلَهَا» وَمِنْ قَوْمِ مُوسَى أُمَّةٌ يَهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِ يَعْدِلُونَ»
(ترجمہ: مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب اس آیت کی تلاوت کرتے تو فرمایا کرتے تھے: یہ آیت تمہارے لیے ہے اور تم سے قبل ایک قوم کو بھی ایسی ہی آیت دی گئی یعنی ومن قوم موسى أمة يهدون بالحق وبه يعدلون)⁴

اس روایت کو امام طبری نے نقل کیا ہے۔ کوشش کے باوجود اس کا حکم نہیں مل سکا۔⁵

ب۔ قراءات میں اقوال سلف کا بیان

قول باری تعالیٰ:

﴿إِنَّمَا ذَلِكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُ فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُوا إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾⁶

(¹) اس اثر کی سند نہیں مل سکی

(²) تفسیر الشعر اوی، ص: 1176/2

(³) الاعراف: 181

(⁴) تفسیر الشعر اوی، ص: 4488/7

(⁵) الطبری، جامع البیان، ص: 286/13

(⁶) آل عمران: 175

(ترجمہ: یہ شیطان ہی تو ہے جو تمہیں اپنے دوستوں (لشکر کفار) سے ڈراتا ہے۔ لہذا اگر تم مومن ہو تو اس سے نہ ڈرو بلکہ صرف مجھی سے ڈرو)

کی تفسیر میں شعر اوی فرماتے ہیں:

"وعلى ذلك نقرأ قول الحق: {إِنَّمَا ذَلِكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُ} ونفهم منها؛ أن ذلكم الشيطان يخوِّفكم أنتم من أوليائه، لأن حرف الجر في الآية الكريمة محذوف، ويعاضد هذا ويقويه قراءة ابن عباس وابن مسعود: يخوِّفكم أوليائه، وينبه الحق المؤمنين ألا يخافوا من أولياء الشيطان فيقول: {فَلَا تَخَافُوهُمْ} ¹

(ترجمہ: جب ہم یہ قول پڑھتے ہیں: ﴿یہ شیطان ہی تو ہے جو تمہیں اپنے دوستوں (لشکر کفار) سے ڈراتا ہے﴾ تو اس سے یہ سمجھتے ہیں کہ بلاشبہ یہ شیطان ہی جو تمہیں ڈراتا ہے اپنے اولیاء سے کیونکہ حرف جار محذوف ہے اور اس موقف کی تائید ابن عباس اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی قراءۃ سے ہوتی ہے: يخوِّفكم أوليائه² تو یہاں حق تعالیٰ اہل ایمان کو متنبہ کر رہا ہے کہ وہ شیطان کے اولیاء سے نہ ڈریں سو فرمایا: فَلَا تَخَافُوهُمْ)

ج۔ اسباب نزول کے حوالے سے اقوال سلف سے استفادہ

آیت مبارکہ:

﴿لَقَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ فَقِيرٌ وَنَحْنُ أَغْنِيَاءُ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوا وَقَتْلُهُمُ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَنَقُولُ ذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ﴾ ³

(ترجمہ: یقیناً اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی بات سن لی جنہوں نے کہا تھا کہ: "اللہ تو محتاج ہے اور ہم غنی ہیں" جو کچھ انہوں نے کہا ہے اسے ہم لکھ رکھیں گے اور جو وہ انبیاء کو ناحق کرتے رہے (وہ بھی لکھ رکھا ہے) ہم (قیامت کے دن ان سے) کہیں گے کہ اب جلا دینے والے عذاب کا مزہ چکلو)

کی تفسیر میں امام شعر اوی فرماتے ہیں کہ اس آیت مبارکہ کے سبب نزول کے متعلق مروی ہے:

"قال سعيد بن جبیر عن ابن عباس - رضي الله عنهما - لما نزل قوله تعالى: {مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضَاعِفَهُ لَهُ أَضْعَافًا كَثِيرَةً} قالت اليهود: يا محمد افتقر ربك، فسأل عباده القرض؟ فأنزل الله {لَقَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ فَقِيرٌ وَنَحْنُ أَغْنِيَاءُ} ⁴

(1) تفسیر الشعر اوی، ص: 1882/3

(2) تفسیر الزمخشري (الکشاف)، ص: 443/1، تفسیر ابن ابی حاتم، ص: 820/3

(3) آل عمران: 181

(4) تفسیر ابن کثیر، ص: 176/2

(ترجمہ: سعید بن جبیر نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت: (مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضَاعِفَهُ لَهُ أَضْعَافًا كَثِيرَةً) نازل ہوئی تو یہود کہنے لگے: اے محمد کیا آپ کا رب فقیر ہو گیا ہے جو اپنے بندوں سے قرضہ مانگ رہا ہے؟ جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی: (لَقَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ فَقِيرٌ وَنَحْنُ أَغْنِيَاءُ) ¹

د۔ اجتہادی مسائل میں اسلاف کی آراء کا بیان

قرآن کریم کی آیت مبارکہ:

﴿وَالْمُطَلَّاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ...﴾ ²

(ترجمہ: اور جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہو وہ تین حیض کی مدت اپنے آپ کو روکے رکھیں...)

کی تفسیر میں شعر اوی فرماتے ہیں:

(ترجمہ: ہم میں سے بعض لوگ چھ ماہ بعد وضع حمل کا قصہ جانتے ہیں جب لوگ ایک عورت کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس لے کر آئے کہ اس نے چھ ماہ بعد ہی بچہ جنا ہے (گویا اس پر زنا کی تہمت لگ رہی تھی)۔ انہوں نے اس پر حد قائم کرنے کا ارادہ کیا تو اتنے میں امام علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ داخل ہوئے اور کہنے لگے: ہم اس بنیاد پر اس خاتون کو حد کی سزا کیسے دے سکتے ہیں کہ اس نے چھ ماہ کے حمل کے بعد ہی بچہ جنا ہے؟ کیا آپ نے حق سبحانہ و تعالیٰ کا قول نہیں پڑھا؟ عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: اور حق تعالیٰ نے کیا فرمایا ہے؟ سو امام علی رضی اللہ عنہ نے اللہ کا یہ قول پڑھا: (ترجمہ: اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو برس دودھ پلائیں) یعنی وہ بچے کو چوبیس ماہ تک دودھ پلائیں جبکہ دوسری آیت میں حق تعالیٰ نے فرمایا: (ترجمہ: اسے اس کی ماں نے تکلیف سے اٹھائے رکھا اور اسے تکلیف سے جنا اور اس کا حمل اور دودھ کا چھڑانا تیس مہینے ہیں) سو اگر ہم پہلی آیت سے مدت رضاعت چوبیس ماہ شمار کریں اور اسے دوسری آیت سے ملائیں جس کے مطابق حمل و رضاعت کی مجموعی مدت تیس ماہ بیان ہوئی ہے تو ہم یہ نتیجہ نکال سکیں گے کہ حمل کبھی چھ ماہ کا بھی ہو سکتا ہے۔ اس پر عثمان رضی اللہ عنہ تعجب سے کہنے لگے: اللہ کی قسم مجھے اس بات کی سمجھ نہیں تھی۔) ³

اس بحث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ شعر اوی نے اپنی تفسیر میں اقوال سلف کو بھی بیان فرمایا ہے اور آپ ان کی اہمیت کے قائل تھے۔ اگرچہ اس حوالے سے آپ نے اختصار کا دامن تھا مے رکھا ہے۔ البتہ آپ نے صحت یا حوالہ بیان کرنے کا اہتمام نہیں کیا ہے۔ تفصیلی تجزیہ تقابل میں آئے گا۔

(1) تفسیر الشعر اوی، ص: 1907/3

(2) البقرة: 228

(3) تفسیر ابن ابی حاتم، ص: 18566/3293/10

(4) تفسیر الشعر اوی، ص: 985/2

مبحث دوم

تفسیر القرآن باقوال الصحابہ والتابعین میں ڈاکٹر اسرار احمد کا منہج

ڈاکٹر صاحب نے اسلاف امت کا مضبوط کنڈاہمیشہ تھامے رکھا اور آپ کا دل ان ہستیوں کی تعظیم و محبت سے لبریز تھا۔ آپ دین کے عملی پہلو کے متعلق یہ موقف رکھتے تھے کہ ہمیں اس میں پیچھے سے پیچھے جانا ہو گا اور یہاں یہ دلیل نہیں چلے گی کہ جدید دور کے تقاضے کچھ اور ہیں، جبکہ یہ دیکھنا ہو گا کہ رسول اللہ ﷺ نے اور آپ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کیا طریقہ اختیار کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

"اس حوالے سے قرآن کے طالب علم کا رخ پیچھے کی طرف ہونا چاہیے کہ اسلاف نے کیا سمجھا۔ متاخرین کو چھوڑ کر متقدمین کی طرف جائیے۔ متقدمین سے تبع تابعین، پھر تابعین سے ہوتے ہوئے ((مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي))¹ یعنی حضور ﷺ اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عمل تک پہنچئے۔۔۔ حضور اکرم ﷺ کا یہ فرمان بھی نوٹ کر لیجیے: ((فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ))² (تم پر میری سنت اختیار کرنا لازم ہے اور میرے خلفاء راشدین کی سنت جو ہدایت یافتہ ہیں)"³

ڈاکٹر صاحب نے اپنے اسی موقف کے پیش نظر اپنی تفسیر میں متعدد مقامات پر اقوال صحابہ کا ذکر کیا ہے جس سے فہم سلف پر آپ کا اعتماد ظاہر ہوتا ہے لیکن تابعین کی تفسیری آراء کا ذکر آپ نے نہیں کیا ہے بلکہ ایسے مقامات بھی کم ہیں جہاں آپ نے صحابہ کی آراء بیان کی ہیں۔ یہاں تک کہ بعض آیات جن کے متعلق صحابہ اور تابعین سے مشہور آراء منقول ہیں، ڈاکٹر صاحب نے ان کا ذکر نہیں کیا ہے۔ اس کا سبب شاید یہ ہے کہ آپ نے اپنی تفسیر میں اختصار سے کام لیا ہے۔ آپ یہ بھی کہتے ہیں کہ کوئی بھی تفسیری رائے دیتے ہوئے میں نے حتی الامکان یہ کوشش کی ہے کہ اس رائے کی اصل مجھے اسلاف سے مل جائے۔ ذیل میں بیان القرآن سے ایسی چند مثالیں ذکر کی جا رہی ہیں جہاں آپ نے صحابہ کی آراء ذکر کی ہیں:

الف۔ صحابہ کا اجتہاد

تدوین قرآن کے سلسلے میں ڈاکٹر صاحب نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ تدوین قرآن کا پہلا مرحلہ تو رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں، سورتوں اور ان کی ترتیب کے تعین سے ہوا جسے صحابہ نے اپنے سینوں میں محفوظ کرنے کے ساتھ ساتھ بعض ہڈیوں، پتھروں وغیرہ کی مختلف صورتوں میں لکھ بھی لیا۔ البتہ قرآن کریم کی کتابی صورت میں

(¹) سنن ترمذی، کتاب الایمان عن رسول اللہ ﷺ، باب افتراق الأمة، حدیث #2565، حکم: حسن (الالبانی)

(²) سنن ترمذی، کتاب العلم، باب الأخذ بالسنة واجتناب البدعة، حدیث #2676، حکم: صحیح (الالبانی)

(³) بیان القرآن، ص: 70/1

تدوین کا کام سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں صحابہ کے باہمی مشورے کے نتیجے میں عمل میں آیا۔ اور اسی دوران یہ مسئلہ بھی زیر غور آیا کہ قرآن مجید کی اس کتابی شکل کا کیا نام رکھا جائے! ایک تجویز یہ آئی کہ اسے بھی انجیل کا نام دیا جائے۔ ایک رائے یہ دی گئی کہ اس کا نام ”سفر“ ہو جس کی جمع ”اسفار“ ہے، پھر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے تجویز پیش کی کہ اس کا نام ”مصحف“ ہونا چاہیے۔ انہوں نے کہا کہ میرا آنا جانا حبشہ ہوتا ہے، وہاں کے لوگوں کے پاس ایک کتاب ہے اور وہ اسے ”مصحف“ کہتے ہیں۔ اب ”مصحف“ کے لفظ پر اتفاق و اجماع ہو گیا۔ چنانچہ قرآن کے لیے حضرت ابو بکرؓ کے عہد خلافت میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی تجویز پر پہلی بار ”مصحف“ نام رکھا گیا اور اس پر لوگوں کا اجماع ہوا۔¹

اس واقعہ کو امام سیوطی اور امام زرکشی نے مختلف واسطوں سے ذکر کیا ہے²۔

ب۔ صحابہ کی تفسیری آراء

ڈاکٹر صاحب نے بعض مقامات پر صحابہ کی تفسیری آراء بیان کیں ہیں۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

1۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ

سورۃ التوبہ قرآن کریم کی واحد سورت ہے جس کے آغاز میں ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ نہیں لکھی جاتی۔ اس کا سبب بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں:

”یہ سورت تو ننگی تلوار لے کر یعنی مشرکین کے لیے قتل عام کا اعلان لے کر نازل ہوئی ہے، لہذا

اللہ تعالیٰ کی رحمانیت اور رحیمیت کی صفات کے ساتھ اس کے مضامین کی مناسبت نہیں ہے۔“³

اس روایت کو امام حاکم نے ذکر کیا ہے اور اس کی سند میں محمد بن زکریا بن دینار موجود ہیں جن پر بشمول امام

ذہبی، ابن ہجر اور الدار قطنی اور دیگر محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے⁴۔

2۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ

قول باری تعالیٰ:

﴿وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ﴾⁵

(ترجمہ: ہر غیبت کرنے والے طعنہ دینے والے کے لیے ہلاکت ہے)

(¹) ایسیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، ص: 184/1، الزرکشی، البرہان فی علوم القرآن، 377/1

(²) بیان القرآن، ص: 48/1

(³) بیان القرآن، ص: 261/3

(⁴) المستدرک علی الصحیحین، کتاب التفسیر، باب سورۃ التوبہ، حدیث #3237

(⁵) الصمۃ: 1

میں "ہمزہ" اور لمزہ" سے کیا مراد ہے؟ اس حوالے سے ڈاکٹر صاحب بیان کرتے ہیں:

"حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ہر چغلی کھانے والے، دوستوں میں جدائی اور تفرقہ ڈالنے والے، بے قصور اور بے عیب انسانوں میں نقص نکالنے والے کو ہمزہ اور لمزہ کہتے ہیں¹⁻²

3۔ حضرت ابی بن کعب

ڈاکٹر صاحب نے اپنی کتاب "منتخب نصاب" میں سورۃ النور کی آیت مبارکہ:

﴿اللَّهُ نُورُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ مِثْلُ نُورِهِ كَمِثْلِ شَكَاةٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ﴾³

(ترجمہ: اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے طاق میں چراغ ہو)

کی تفسیر کے دوران کلمات "مِثْلُ نُورِهِ" کی تفسیر کے ضمن میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ کی رائے بیان کی ہے۔ آپ رقم طراز ہیں:

"حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہاں "مِثْلُ نُورِهِ" سے مراد ہے "مِثْلُ نُورِ مَنْ آمَنَ" (مثال اس کے نور کی جو ایمان لایا) یعنی جو ایمان لے آئے اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نور عطا ہوتا ہے، اس نور کی مثال یہاں بیان ہو رہی ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ یہاں "مِثْلُ نُورِهِ" سے مراد ہے "مِثْلُ نُورِهِ فِي قَلْبِ الْمُؤْمِنِ"⁴ (اس کے نور کی مثال جو مومن کے قلب میں ہوتا ہے) گویا کہ یہاں مراد ہے نور ایمان۔"⁵

ج۔ اختلاف صحابہ

معراج کے موقع پر حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا تھا یا نہیں اس حوالے سے ڈاکٹر صاحب نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اختلاف کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس بات کے قائل تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے شب معراج میں اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا البتہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منسوب روایات میں روایت باری تعالیٰ کا اثبات ملتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے یہاں محض اختلاف بتانے پر اکتفا کیا ہے۔⁶

(¹) الطبری، جامع البیان، ص: 596/24

(²) بیان القرآن، 7/529

(³) النور: 35

(⁴) الطبری، جامع البیان، ص: 179-178/19 (دونوں صحابہ کے اقوال یہاں موجود ہیں)

(⁵) ڈاکٹر اسرار احمد، منتخب نصاب، ص: 189/1

(⁶) بیان القرآن، 6/369

اسی طرح قول باری تعالیٰ:

﴿فَازْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُحَانٍ مُّبِينٍ﴾¹

(ترجمہ: سو آپ اس دن کا انتظار کیجئے جب آسمان سے صریح دھواں ظاہر ہوگا)

میں "دخان" (دھوئیں) سے کیا مراد ہے؟ ڈاکٹر صاحب نے یہ بیان کیا ہے کہ اس آیت کے مفہوم میں صحابہ کا اختلاف ہے۔ حضرت علی، ابن عمر، ابن عباس اور ابو سعید خدری رضوان اللہ علیہم اجمعین اور حسن بصری جیسے اکابر کی رائے میں اس سے وہ دھواں مراد ہے جو قیامت سے پہلے نمودار ہوگا۔ جیسا کہ ایک حدیث میں حضور ﷺ نے قیامت سے فوراً پہلے نمودار ہونے والی جن دس نشانیوں کا ذکر فرمایا ہے ان میں دھوئیں (دخان) کا ذکر بھی ہے۔ اس کے برعکس حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور تابعین میں سے مجاہد، قتادہ، ابراہیم نخعی وغیرہ حضرات کی یہ رائے ہے کہ اس آیت میں "دھوئیں" سے مراد حضور ﷺ کی نبوت کے ابتدائی سالوں میں مکہ میں جو قحط پڑنے کے نتیجے میں مکہ کے صحرائی علاقے میں طویل مدت تک بارش نہ ہونے کے سبب پوری فضا گرد سے اٹ گئی تھی اور آسمان کی طرف دیکھنے سے یوں لگتا ہے جیسے دھوئیں کے بادل چھا رہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب یہاں بھی محض صحابہ کے اختلاف کو بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"بہر حال میں نے یہاں جلیل القدر صحابہ کی آراء بیان کر دی ہیں۔ ان صحابہ کے عظیم مراتب کے پیش نظر ان

آراء میں محاکمہ کرنا میرے نزدیک درست نہیں۔"²

یہاں ڈاکٹر صاحب نے احتیاط برتتے ہوئے رائج موقف بیان کرنے سے بھی گریز کیا ہے اگرچہ علماء و اصولیین کے نزدیک متفقہ موقف ہے کہ صحابی کا قول درج ذیل صورتوں میں حجت شمار ہوگا:

(1) جب اس قول میں رائے اور اجتہاد کے دخل کا امکان نہ ہو

(2) جب اس کے لیے حکم رفع ثابت ہو جائے

(3) جب صحابہ کا کسی مسئلہ پر اجماع ہو جائے

اس کے علاوہ اس پر بھی اتفاق ہے کہ درج ذیل صورتوں میں قولی صحابہ حجت نہ ہوگا:

(1) جب وہ قول کتاب و سنت کی کسی نص کے خلاف ہو

(2) ایسے اجتہادی مسائل جن میں صحابہ کا اختلاف ہو³

(1) الدخان: 10

(2) بیان القرآن: 369/6

(3) دیکھیے: جمیلة بنت ناصر آل مضعی القحطانی، أستاذ الفقه وأصوله المساعد، جامعة الملك سعود اختلاف أفعال الصحابة واجتهادهم رؤية شرعية أصولية فقهية، مجلة الدراسات الإسلامية والبحوث الأكاديمية، عدد: 90، ص: 455-456

د۔ اسباب نزول میں صحابہ کے اقوال

اسباب نزول کے ضمن میں ڈاکٹر صاحب نے اپنی تفسیر میں اقوال صحابہ نقل کیے ہیں۔ اس میں بھی عام طور پر آپ براہ راست اس واقعہ یا حالت کو بیان کر دیتے ہیں جو نزول آیت کا سبب بنتے ہیں۔ مثال کے طور پر قول باری تعالیٰ:

﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضَيِّعَ إِيمَانَكُمْ﴾¹

(ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان کو ہرگز ضائع نہ کرے گا)

کی تفسیر میں آپ فرماتے ہیں:

"ایمان سے یہاں مراد نماز ہے جسے دین کا ستون قرار دیا گیا ہے۔ یہ بات اس تشویش کے جواب میں فرمائی گئی جو بعض مسلمانوں کو لاحق ہو گئی تھی کہ ہماری ان نمازوں کا کیا بنے گا جو ہم نے سولہ مہینے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے پڑھی ہیں؟ مسلمان تو رسول اللہ ﷺ کے حکم کا پابند ہے، اس وقت رسول کا وہ حکم تھا، وہ اللہ کے ہاں مقبول ٹھہرا، اس وقت یہ حکم ہے جو تمہیں رسول کی جانب سے مل رہا ہے، اب تم اس کی پیروی کرو۔"²

ذ۔ تبع تابعین کے واقعات

ڈاکٹر صاحب نے اپنی تفسیر میں ایک تابعی اور ایک تبع تابعی کا ذکر بھی کیا ہے:

1۔ عبد اللہ بن مبارک

ڈاکٹر صاحب مقدمہ تفسیر میں قرآن کریم سے تعلق استوار کرنے کی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"حضرت عبد اللہ بن مبارک تبع تابعین کے دور کی شخصیت ہیں۔ انہوں نے اپنا معمول بنالیا تھا کہ سال میں چھ مہینے سرحدوں پر جہاد میں شریک ہوتے۔ اس دور میں دارالاسلام کی سرحدیں بڑھ رہی تھیں اور اس کے لیے جہاد جاری تھا۔ جبکہ چھ مہینے آپ گھر پر گزارتے اور اس عرصے میں لوگوں سے ملنے جلنے سے حتی الامکان گریز کرتے۔ صرف نماز باجماعت کے لیے مسجد میں آتے، باقی وقت گھر پر ہی رہتے۔ کسی نے کہا کہ عبد اللہ! آپ تنہائی پسند ہو گئے ہیں، تنہائی سے آپ کی طبیعت آنتاقتی نہیں؟ انہوں نے فرمایا: "کیا تم اس شخص کو تنہا سمجھتے ہو جو اللہ سے ہم کلام ہوتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی صحبت سے فیض یاب ہوتا ہے؟" لوگ حیران ہوئے کہ یہ کیا کہہ رہے ہیں۔ جب اس کی وضاحت طلب کی گئی تو فرمایا کہ دیکھو جب میں اکیلا ہوتا ہوں تو قرآن پڑھتا ہوں یا حدیث پڑھتا ہوں۔ جب قرآن پڑھتا ہوں تو اللہ سے ہم کلام ہوتا ہوں اور جب حدیث پڑھتا ہوں تو رسول اللہ ﷺ کی صحبت سے فیض یاب ہوتا ہوں۔ تم مجھے تنہا نہ سمجھو۔"³

(¹) البقرة: 143

(²) بیان القرآن، ص: 231/1

(³) ایضاً، ص: 93/1

قول باری تعالیٰ:

﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ...﴾¹

(ترجمہ: وہی تو ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو انہیں اللہ کی آیات

پڑھ کر سناتا ہے ان کی زندگی سنوارتا اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے...)

کی تفسیر میں غفلت میں پڑے ہوئے مسلمانوں کو دعوت فکر دیتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

"مقام عبرت ہے! قرآن مجید کی طرف توپٹ کر دیکھنے کے لیے بھی ہمارے پاس وقت نہیں جبکہ دنیا کے حقیر مفادات کے لیے ہم دن رات ایک کیے ہوئے ہیں۔ کیا ہمیں اسی لیے پیدا کیا گیا تھا؟ یہی سوال تھا جس نے ابراہیم بن ادہم کی زندگی بدل دی تھی۔ ابراہیم بن ادہم بادشاہ کی حیثیت سے غفلت اور عیش و عشرت کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ ایک دن شکار کھیلنے میں مصروف تھے کہ انہوں نے ایک آواز سنی: يَا اِبْرَاهِيْمُ اَلْهَذَا خَلَقْتُ اُمَّ لِهَذَا اُمِرْتُ؟ کہ اے ابراہیم ذرا سوچو! کیا تمہیں اسی کام کے لیے پیدا کیا گیا تھا؟ اور کیا تمہیں اسی کام کا حکم ہوا تھا؟ اللہ جانے یہ کسی فرشتے کی آواز تھی یا ان کے اپنے دل کی صدا۔ بہر حال جو بھی صورت حال تھی، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ بات ان کے دل میں گھر کر گئی اور ان کی زندگی کی کاپیٹ گئی۔"²

بلاشبہ ابراہیم بن ادہم کا یہ واقعہ عصر حاضر میں مادیت کی دلدل میں پھنسے ہوئے انسان کو دعوت غور و فکر دیتا ہے۔ آج کے انسان کو بھی سوچنا چاہیے کہ بھلا کیا انسانی تخلیق کا مقصد صرف یہی ہے کہ وہ اپنے خالق اور اس کے بتائے گئے مقصد تخلیق سے غافل ہو کر محض کوہلو کے بیل کی طرح یا عصر حاضر کے کسی روباوٹ کی طرح مشینی زندگی گزارتا رہے؟ ہر گز نہیں خالق ارض و سماوات بہت پاک ہے اس بات سے کہ وہ انسان جیسی عظیم مخلوق کو ایسے عبس مقصد کے لیے تخلیق فرمائے۔

اس بحث میں اقوال صحابہ اور تابعین کے حوالے سے ڈاکٹر اسرار احمد کے تفسیری منہج کو بیان کیا گیا ہے۔ آپ نے اگرچہ فہم سلف کی اہمیت کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے لیکن اپنی تفسیر میں اس کا اہتمام بہت ہی کم کیا ہے باوجودیکہ کتب احادیث و آثار میں صحابہ کے متعدد تفسیری اقوال موجود ہیں۔

(۱) المجموعہ: 2

(۲) بیان القرآن، ص: 234/7

تفسیر القرآن باقوال الصحابہ والتابعین میں دونوں مفسرین کے منہج کا تقابلی جائزہ

تفسیر القرآن باقوال الصحابہ والتابعین کے حوالے سے دونوں مفسرین کا تقابل کرنے کی غرض سے کسی مخصوص آیت کی تفسیر کا موازنہ ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ ایسی کوئی آیت نہیں ہے جس کی تفسیر میں دونوں مفسرین نے بیک وقت اقوال صحابہ یا تابعین کی جانب رجوع کیا ہو۔ لہذا اس ضمن میں تقابل کی غرض سے اگر دونوں کے منہج کی جانب رجوع کیا جائے تو درج ذیل نکات سامنے آتے ہیں:

- (1) دونوں مفسرین صحابہ و تابعین کی عظمت و فضیلت کے قائل اور ان کے علم و فہم کے معترف تھے۔
- (2) شعراوی صاحب نے اپنی تفسیر میں اقوال صحابہ و تابعین سے استفادہ کیا ہے۔ البتہ اس حوالے سے ڈاکٹر صاحب نے بعض مقامات پر اقوال صحابہ تو بیان کیے ہیں لیکن اقوال صحابہ بیان نہیں کیے۔ دونوں مفسرین کے اس حوالے سے اہتمام سے تفسیر قرآن میں اقوال صحابہ و تابعین کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔
- (3) تفسیری معنی کو بیان کرنے کی غرض سے بعض مقامات پر دونوں مفسرین نے اقوال سلف کو بیان کیا ہے۔ اگرچہ دونوں تفسیروں میں مذکور اقوال سلف کے مطالعے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شعراوی صاحب تفسیر القرآن باقوال الصحابہ والتابعین میں ڈاکٹر صاحب سے زیادہ معلومات رکھتے تھے۔ لیکن تفسیر بالمآثور کی نمائندہ تفاسیر کے مقابلے میں دونوں مفسرین کی جانب سے اقوال صحابہ و تابعین بیان کرنے کا بہت کم اہتمام کیا گیا ہے۔
- (4) قراءات قرآنی کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب نے اپنی تفسیر میں صرف نظر کیا ہے اور اس حوالے سے اقوال سلف کو بھی بیان نہیں کیا البتہ شعراوی صاحب نے قراءات کے حوالے سے اقوال سلف ذکر کیے ہیں۔
- (5) اسباب نزول کی معرفت کے لیے دونوں مفسرین نے اقوال صحابہ کی طرف رجوع کیا ہے۔
- (6) ڈاکٹر صاحب نے اپنی تفسیر میں تابعین یا تبع تابعین کے اقوال کا ذکر نہیں کیا البتہ تبع تابعین کے دو واقعات بیان کیے ہیں۔ جب کہ شعراوی صاحب نے اقوال تابعین سے استفادہ کیا ہے۔
- (7) اجتہاد صحابہ کے ضمن میں دونوں ڈاکٹر صاحب اور شعراوی صاحب نے روایات ذکر کی ہیں۔ البتہ صحابہ کے درمیان اختلاف پر دونوں مفسرین نے خاموشی اختیار کی ہے۔
- (8) احادیث رسول ﷺ کی طرح اقوال صحابہ و تابعین نقل کرتے ہوئے بھی دونوں مفسرین نے سند اور حوالہ ذکر کرنے کا اہتمام نہیں کیا ہے۔

فصل چہارم

اسرائیلیات کے حوالے سے شعراوی اور ڈاکٹر اسرار احمد کے منہج کا تقابل

مبحث اول: اسرائیلیات کے حوالے سے شعراوی کا منہج

مبحث دوم: اسرائیلیات کے حوالے سے ڈاکٹر اسرار احمد کا منہج

مبحث سوم: اسرائیلیات کے حوالے سے دونوں مفسرین کے منہج کا تقابلی جائز

تعارف:

اسرائیلیات کیا ہیں؟

اسرائیلیات سے مراد وہ تمام معلومات ہیں جن کا مصدر بنی اسرائیل (یہود و نصاریٰ) ہیں چاہے ان کی کتابیں ہوں یا ان کے علماء کے اقوال اور اس میں وہ قصص اور واقعات بھی شامل ہیں جنہیں اہل کتاب کے بعض نو مسلموں نے بیان کیا ہو خاص طور پر وہ لوگ جو اسرائیلی حکایات بیان کرنے کے لیے کے مشہور تھے، جیسے کعب الاحبار، عبد اللہ بن سلام، وہب بن منبہ، وغیرہ۔

حکم کے اعتبار سے اسرائیلیات کی تین اقسام ہیں:

پہلی قسم

وہ روایات جن کی صحت کی تائید قرآن و سنت سے ہوتی ہو، مثلاً: فرعون کا غرق ہونا وغیرہ، ایسی روایات اسی لیے قابل اعتبار ہیں کہ قرآن کریم یا صحیح احادیث نے ان کی تصدیق کر دی ہے۔ یہ روایات اگر صحیح ہو گئی تو انہیں قبول کر لیا جائے گا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً وَحَدِّثُوا عَنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَلَا حَرَجَ وَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَّبِعُوا مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ))¹

(ترجمہ: میری باتیں لوگوں کو پہنچاؤ اگرچہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو اور بنی اسرائیل سے جو سنو اسے بھی بیان کرو اس میں کوئی حرج نہیں لیکن جو شخص جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھے گا تو وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں تلاش کرے)

دوسری قسم

وہ اسرائیلی روایات جو قرآن و سنت کی صریح نصوص کے خلاف ہوں، وہ نہ تو صحیح ہو گئی اور نہ حجت بنیں گی۔ مثلاً: یہ کہانی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام آخر عمر میں (معاذ اللہ) بت پرستی میں مبتلا ہوئے تھے یہ روایت اس لیے قطعاً باطل ہے کہ قرآن کریم نے صراحت کے ساتھ اس کی تردید فرمائی ہے۔

تیسری قسم (مسکوت عنہ)

اس سے (مسکوت عنہ) مراد ہیں یعنی وہ اسرائیلی روایات جو پہلی دونوں اقسام میں سے نہ ہوں۔ اس قسم کی مزید دو ذیلی اقسام ہیں:

(۱) صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، باب ما ذکر عن بنی اسرائیل، حدیث #3274

1. پہلی وہ مسکوت عنہ جن کی تائید یار د شریعت اسلامیہ میں موجود نہیں لیکن عقل سلیم اور صحیح فہم اسے قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا اور وہ انہیں خرافات یا جھوٹ معلوم ہوتی ہیں۔ جیسے حوت (نون) کا ذکر جس نے زمین اٹھا رکھی ہے۔

2. اور دوسری وہ مسکوت عنہ جن کی تائید یار د شریعت اسلامیہ میں موجود نہیں لیکن عقل سلیم اور صحیح فہم نہ تو اسے قبول کرتے ہیں نہ ہی رد کرتے ہیں اور ان کے جھوٹ ہونے کا غالب گمان بھی نہیں پایا جاتا۔ ایسی اخبار کی نہ تصدیق کی جائے گی اور نہ تکذیب بلکہ توقف (خاموشی) اختیار کیا جائے گا جیسا کہ مندرجہ ذیل حدیث میں مروی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

"كَانَ أَهْلُ الْكِتَابِ يَقْرَءُونَ التَّوْرَةَ بِالْعِبْرَانِيَّةِ وَيُفَسِّرُونَهَا بِالْعَرَبِيَّةِ لِأَهْلِ الْإِسْلَامِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا تُصَدِّقُوا أَهْلَ الْكِتَابِ وَلَا تُكَذِّبُوهُمْ وَقُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا--- (سورة البقرة: 136) 1-

(ترجمہ: اہل کتاب تورات عبرانی زبان میں پڑھتے تھے اور اہل اسلام کے لیے اس کی تفسیر عربی زبان میں کرتے تھے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو اور نہ تکذیب کرو۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: "(مسلمانو) کہو کہ ہم خدا پر ایمان لائے اور جو (کتاب) ہم پر اتری، اس پر اور جو (صحیفے) ابراہیم اور اسمعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد پر نازل ہوئے۔۔۔۔۔"

اس قسم کی روایات کو بیان کرنا تو جائز ہے، لیکن ان پر نہ کسی دینی مسئلہ کی بنیاد رکھی جاسکتی ہے نہ ان کی تصدیق یا تکذیب کی جاسکتی ہے اور اس قسم کی روایات کو بیان کرنے کا کوئی خاص فائدہ بھی نہیں۔²

حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے نہایت اختصار کے ساتھ مگر جامع بات لکھی ہے۔ آپ فرماتے ہیں: "تفسیر میں اسرائیلی روایتوں کو بیان کرنا دراصل یہ بھی ایک سازش ہے جبکہ یہ قاعدہ مسلم ہے کہ اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو نہ ان کی تکذیب کرو؛ لہذا اس قاعدہ کی بنیاد پر دو باتیں نہایت ضروری ہیں:

(1) صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب: سورة البقرة، قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا، حدیث #4215

(2) دیکھیے: التفسیر والمفسرون، ص: 120 سے 131 تک، اور ڈاکٹر طاہر محمود محمد یعقوب، أسباب الخطأ فی التفسیر در اساتذہ تاصیلیہ، دار ابن الجوزی، طبع: اول، 1425 ہجری، ص: 160-165 اور محمد بن محمد بن سویم ابو شہبہ (المتوفی: 1403 ہجری)، الاسرائیلیات والموضوعات فی کتب التفسیر، مکتبۃ السنۃ، طبع:

1. جب حدیث میں قرآن کریم کے اشارہ کی تفصیل موجود ہو تو اسرائیلی روایات کو تفسیر میں نقل نہیں کرنا چاہیے۔

2. اس قاعدہ کو ملحوظ خاطر رکھا جائے "الضروري يتقدر بقدر الضرورة" (ضروری بات بقدر ضرورت مانی جاتی ہے) یعنی قرآن کریم میں جس واقعہ کی طرف اشارہ آیا ہو اس کی تفصیل ضرورت کے بقدر ہی بیان کرنی چاہیے تاکہ قرآن کریم کی گواہی سے اس کی تصدیق ہو۔¹

یعنی اول تو کسی مفسر کو کسی آیت کی تفصیل کے لیے اسرائیلیات کی جانب جانے کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی کیونکہ احادیث رسول ﷺ اسے کفایت کر جائیں گی جن کی موجودگی میں اسرائیلیات کی کوئی حاجت نہیں ہے اور اگر کوئی ایسی تفصیل ہو جو صرف اسرائیلی روایات میں ہی دستیاب ہو تو صرف حسب ضرورت تفصیل لی جائے گی اور غیر ضروری معلومات کو نظر انداز کیا جائے گا۔

اس فصل میں اسرائیلی روایات کے بیان کرنے کے حوالے سے امام شعرابی اور ڈاکٹر اسرار احمد کے منہج کو بیان کیا گیا ہے اور آخر میں دونوں کے منہج کا تقابل کیا گیا ہے۔

(¹) الامام احمد بن عبد الرحیم المعروف ولی اللہ دہلوی، الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، دار الصحوة، القاہرہ، طبع: دوم 1986ء، ص: 179

اسرائیلیات کے حوالے سے شعراوی کا منہج

شعراوی کا اسرائیلیات کے متعلق تفصیلی موقف کیا ہے اس حوالے سے کوئی صریح عبارت تو نہیں ملتی البتہ آپ نے اپنی تفسیر میں بعض مقامات پر غیر مناسب اسرائیلی روایات کا رد کیا ہے۔ مثال کے طور پر قول باری تعالیٰ:

﴿قِيلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ فَلَمَّا رَأَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا قَالَ إِنَّهُ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِنْ قَوَارِيرَ قَالَتْ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي وَأَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمَانَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾¹

(ترجمہ: اس ملکہ سے کہا گیا کہ "محل میں چلو" جب اس نے دیکھا تو سمجھی یہ پانی کا ایک حوض ہے چنانچہ اپنی پنڈلیوں سے کپڑا اٹھالیا۔ سلیمان نے کہا: "یہ تو شیشے کا چکنا فرش ہے۔ تب وہ بول اٹھی: "اے میرے پروردگار! میں (سورج کی پوجا کر کے) اپنے آپ پر ظلم کرتی رہی ہوں اور اب میں نے سلیمان کے ساتھ اللہ رب العالمین کی اطاعت قبول کر لی")

کی تفسیر میں شعراوی فرماتے ہیں:

"وقد دخل هذه القصة بعض الإسرائيليات، منها أن سليمان عليه السلام جعل الصرح على هذه الصورة لتكشف بلقيس عن ساقها؛ لأنه بلغه أنها مُشْعَرَة الساقين، وإلى غير هذا من الافتراءات التي لا تليق بمقام النبوة."²

(ترجمہ: اس قصے میں کچھ اسرائیلی روایات کا داخل ہوا ہے، بشمول یہ کہ سلیمان علیہ السلام نے اس محل کی عمارت کو اس صورت میں اس لیے بنایا تھا کہ بلقیس اپنی پنڈلیاں کھول دے۔ کیونکہ انہیں بتایا گیا تھا کہ وہ بہت زیادہ بالوں والی ہے۔ اور اس طرح کے دیگر جھوٹ بھی جو نبوت کے مرتبہ کے لائق نہیں ہیں۔)

اس حوالے سے ابن جریر، الثعلبی، البغوی، الزجاج، الخازن اور دیگر نے ذکر کیا ہے کہ سلیمان علیہ السلام بلقیس سے شادی کرنا چاہتے تھے۔ ان سے کہا گیا کہ اس کی ٹانگیں گدھے کے کھر کی طرح ہیں اور اس کی ٹانگیں بالوں والی ہیں، تو انہوں نے ان کو حکم دیا کہ اس طرح کا محل تعمیر کرو تا کہ اس کی ٹانگیں ظاہر ہو جائیں۔ جب اس نے پنڈلی ظاہر کی تو وہ بہت خوبصورت تھی مگر اس پر کچھ بال تھے جنہیں دور کرنے کے لیے جنات نے محلول تیار کر کے دیا³۔ ایسی روایات حقیقتاً قابل تنقید ہیں جو ایک طرف تو صحت کے اعتبار سے بھی اتہادر جہ کمزور بلکہ من گھڑت اور دوسری

(¹) النمل: 44

(²) تفسیر الشعراوی، ص: 10793/17

(³) دیکھیے: معالم التنزیل، ص: 167/6، الزجاج، معانی القرآن و اعرابه، عالم الکتب، بیروت، ط: 1، 1988ء

طرف جن میں انبیاء کی شان و عظمت کا پاس بھی نہیں رکھا جاتا۔ حیرت ہے کہ ایسی روایات کتب تفسیر میں کیسے داخل ہوئی ہیں۔

اسی طرح ایک اور مقام پر شعر اوی ان قصص کا رد کرتے ہیں جن میں یہ بیان ہوا ہے کہ قابیل یہ نہیں جانتا تھا کہ ہابیل کو کیسے قتل کرے، سو شیطان اس کے سامنے ایک پرندہ لے کر آیا اور اسے ایک پتھر پر رکھ کر دوسرے پتھر سے اس کا سر کچل دیا جس سے وہ مر گیا۔ اس طرح قابیل کو یہ معلوم ہو گیا کہ قتل کیسے کرنا ہے پھر اسی طرح ایک کو آیا جس نے اسے یہ سکھایا کہ لاش کو دفن کیسے کرنا ہے۔¹ اسی طرح شعر اوی نے ہاروت و ماروت کے متعلق جھوٹی مرویات پر بھی نقد کیا ہے۔ آپ کا کہنا ہے کہ فرشتے اپنی تخلیق کے اعتبار سے اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے اور ایسی ہر روایت اسرائیلیات میں سے ہے جو کتب تفسیر میں داخل ہو گئی جس میں یہ بیان ہوا ہے کہ جب فرشتوں نے زمین پر انسانوں کے خلیفہ بنائے جانے پر اعتراض کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے یہ کہا کہ وہ دو فرشتوں کا انتخاب کر لیں جنہیں وہ زمین میں اتارے گا کہ دیکھے بھلا وہ کیسے عمل کرتی ہیں۔ اس پر فرشتوں نے ہاروت و ماروت کا انتخاب کیا اور پھر جب وہ زمین پر اترے تو انہیں ایک عورت نے فتنے میں ڈال دیا اور انہوں نے کبار کا رتکاب کیا۔²

ان مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ شعر اوی اسرائیلیات کے متعلق سخت منہج رکھتے تھے اور بلاشبہ آپ اپنے موقف میں بالکل حق پر ہیں۔ تعجب ہوتا ہے ان مفسرین پر جنہوں نے ایسے من گھڑت اور جھوٹے واقعات ذکر کیے ہیں اور ان کے کذب و افترا کا بیان بھی پوشیدہ رکھا ہے۔ بلاشبہ ایسی روایات عقیدہ میں طعن اور اخبار الہی میں تشکیک کا سبب بنتی ہیں۔ فرشتوں کے متعلق قرآن و حدیث کے نصوص سے یہ بات ثابت ہے کہ وہ کبھی بھی اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے اور اپنی ذمہ داریوں کو بخوبی نبھاتے ہیں، وہ نہ نکاح کرتے ہیں نہ ہی ان کی نسل آگے بڑھتی ہے اور نہ ہی ان میں شہوت کا مادہ ہے۔ ایسے میں کوئی یہ کہے کہ ہاروت و ماروت نے شراب پی اور زنا کیا تو ایسے شخص کو کیا کہا جائے گا؟ یہ خرافات ہیں جبکہ آیت میں صرف اتنا ذکر ہے کہ ہاروت و ماروت لوگوں کو تنبیہ دے کر جادو سکھاتے تھے۔

اگر شعر اوی کی تفسیر کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ دیگر مفسرین کے برعکس آپ نے بہت سے مقامات پر اسرائیلی روایات کو ترک کیا ہے۔ مثال کے طور پر سورۃ البقرۃ میں جہاں آدم علیہ السلام اور ابلیس کا قصہ مذکور ہے شعر اوی نے وہاں پر صرف انہیں تفصیلات پر بھروسہ کیا ہے جو قرآن کریم میں مذکور ہیں ماسوائے ایک مقام پر جہاں شعر اوی کہتے ہیں: "جیسا کہ اثر میں آیا ہے کہ ابلیس طاووس الملائکہ تھا۔"³

(¹) تفسیر الشعر اوی، ص: 3072/5

(²) ایضاً، ص: 495/1

(³) ایضاً، ص: 257/1

شعراوی کہ اس موقف کے باوجود بعض مقامات پر شعراوی نے اسرائیلیات سے استشہاد کیا ہے۔ آپ عام طور پر اسرائیلیات بیان کرتے ہوئے اس قول کی سند بیان نہیں کرتے اور نہ ہی اس کی صحت پر کلام کرتے ہیں۔ مزید یہ کہ آپ عام طور پر اسرائیلی روایت کا مفہوم ہی بیان کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر شعراوی نے اپنی تفسیر میں بنی اسرائیل کی گائے کا قصہ دو مرتبہ بیان کیا ہے۔ پہلی بار مقدمہ میں اور دوسری مرتبہ سورۃ البقرۃ میں مذکور آیات کی تفسیر میں شعراوی یہ قصہ بیان فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں ایک نیک انسان تھا جو رزق رزق حلال کا اہتمام کرتا تھا اور اللہ پر حقیقی ایمان رکھتا تھا۔ جب اس کی وفات کا وقت قریب آیا تو اس کے پاس ایک بچھیا بچی تھی اور اس کے ورثا میں ایک بیوی اور چھوٹا بچہ تھا اور اس کی ملکیت میں اور کوئی چیز نہ تھی۔ لہذا وہ اللہ کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا: اے اللہ میں اپنے بیٹے کے لیے اس بچھیا کو تجھے امانت دیتا ہوں اور پھر اس نے بچھیا کو چراگاہ میں چھوڑ دیا اور کسی کو اس کے متعلق وصیت نہ کی البتہ اس نے اپنی بیوی کو اس بات سے آگاہ کر دیا۔

پھر جب بچہ بڑا ہوا اس کی ماں نے اس سے کہا: تیرے والد نے تیرے لیے اللہ کے پاس ایک بچھیا امانت رکھوائی ہے۔ بیٹا کہنے لگا: اے میری ماں میں اسے کہاں پاؤں گا؟ اس نے کہا: تو بھی اپنے باپ کی طرح بن جا جس نے توکل کیا اور اللہ کے سپرد کر دیا لہذا تو بھی اللہ بر توکل کر اور اسے تلاش کر۔ لڑکے نے کہا: اے میرے اللہ جو ابراہیم اور موسیٰ کا رب ہے! جو امانت میرے باپ نے تیرے پاس رکھوائی ہے وہ مجھے لوٹا دے۔ اسی دوران وہ بچھیا آگئی جو کہ اب ایک گائے بن چکی تھی۔ اس لڑکے نے اسے پکڑا اور اپنی ماں کو دکھانے کے لیے لے جانے لگا کہ بنی اسرائیل نے اسے دیکھ لیا اور آپس میں کہنے لگے: بے شک یہ وہ گائے ہے جس کا مطالبہ رب تعالیٰ نے کیا ہے۔ بالآخر انہوں نے اس گائے کی کھال کو سونے سے بھرنے کی شرط پر خرید لیا اور اس طرح اس باپ کے ارادہ کی تعبیر ہوئی جو اس نے اپنی اولاد پر اللہ کو نگہبان بنا کر کیا تھا۔¹

اسی طرح شعراوی بعض مقامات پر صرف اسرائیلیات کی جانب اشارہ کر کے مفہوم بیان کر دیتے ہوں اور تفصیل سے اجتناب کرتے ہیں مثلاً قول باری تعالیٰ:

﴿فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۖ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَهُمْ ۖ﴾²

(ترجمہ: چنانچہ اس چٹان سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے اور (قوم موسیٰ کے بارہ قبیلوں میں سے) ہر

قبیلہ نے اپنا اپنا گھاٹ جان لیا۔)

کی تفسیر میں شعراوی فرماتے ہیں:

(1) تفسیر الشعراوی، ص: 397/1

(2) البقرۃ: 60

"﴿قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرَهُمْ﴾ یعنی ہر جماعت یا اس کا ایک گروہ پانی پینے گیا اور پتھر سے چشمے جاری ہو گئے اور ہر جماعت تک اس کی شاخ پہنچ گئی۔ پھر جب وہ اپنی حاجت پوری کر چکے تو موسیٰ علیہ السلام نے پتھر پر مارا جس سے وہ خشک ہو گئے۔ اس سے ہمیں یہ معلوم ہوا کہ پتھر ان کو صرف ان کی حاجت کے مطابق پانی دیتا تھا اور پتھر کی نچلی جانب زمین سے منسلک تھی اور اوپری جانب جہاں عصا کی ضرب لگی تھی وہاں کچھ نہ پھوٹا تھا جب کہ باقی چاروں اطراف سے چشمے پھوٹ پڑے تھے اور ہر جہت سے تین چشمے پھوٹے تھے۔"¹

بعض مقامات پر شعر اوی نے اسرائیلی روایت کو حدیث بنا کے ذکر کیا ہے۔ مثلاً قول باری تعالیٰ:

﴿وَاسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ إِنَّ رَبِّي رَحِيمٌ وَدُودٌ﴾²

(ترجمہ: اور اپنے پروردگار سے معافی مانگو اور اسی کے آگے توبہ کرو۔ میرا پروردگار یقیناً رحم کرنے والا اور (اپنی مخلوق سے) محبت رکھنے والا ہے)

کی تفسیر میں شعر اوی فرماتے ہیں:

"حق سبحانہ ایک حدیث قدسی میں فرماتا ہے: اے ابن آدم! کسی حکمران سے خوفزدہ نہ ہونا جب تک حکمرانی باقی ہے۔ اور میری حکمرانی کبھی ختم نہیں ہونے والی۔ اے ابن آدم! رزق کی تنگی کا خوف نہ رکھنا کہ میرے خزانے بھرے ہوئے ہیں، اور میرے خزانے کبھی ختم نہیں ہونے والے۔ اے ابن آدم، میں نے آپ کو عبادت کے لیے پیدا کیا۔ تو کھیل کود میں نہ پڑنا، اور میں نے تیری روزی کی ضمانت دی ہے، لہذا تنگنا نہیں، میری عزت اور جلال کی قسم اگر تو میری تقسیم رزق پر راضی ہو تو میں تیرے دل اور بدن کو راحت عطا کروں گا اور تو میرے نزدیک محمود ہو گا اور اگر تو اس پر راضی نہ ہو اجو تقسیم میں نے تیرے لیے کی ہے تو میں دنیا کو تجھ پر مسلط کر دوں گا اور تو وحشی جانوروں کی طرح دوڑتا رہے گا پھر ہی تجھے وہی ملے گا جو میں نے تیرے لیے تقسیم کیا ہے۔ اے ابن آدم! میں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا گیا ہے، اور میں ان کی تخلیق سے تھکا نہیں ہوں تو کیا میں تجھے ایک روٹی دے کر تھک جاؤں گا؟ اے بن آدم! مجھ سے کل کی روزی نہ مانگ کیوں کہ میں تجھ سے کل کا عمل کرنے کو نہیں کہتا ہوں۔ اے بن آدم! میں تجھ سے پیار کرتا ہوں۔ یہ تجھ پر میرا حق ہے کہ تجھے میری محبت ہو۔"³

یہ روایت احادیث کی کسی بھی کتاب میں مذکور نہیں ہے البتہ اسے امام ابن تیمیہ نے اسرائیلی روایت کے طور پر بیان کیا ہے۔⁴ اس بحث سے یہ واضح ہوتے ہیں کہ اگرچہ شعر اوی تفسیر میں اسرائیلی روایات کو بیان کرنا پسند نہیں کرتے تھے لیکن اس کے باوجود آپ نے خود اس سے کلی طور پر اجتناب نہیں کیا ہے۔

(1) تفسیر الشعر اوی، ص: 361/1

(2) ہود: 90

(3) تفسیر الشعر اوی، ص: 6626/11

(4) ابن تیمیہ، مجموع الفتاوی، ص: 52/8

مبحث دوم

اسرائیلیات کے حوالے سے ڈاکٹر اسرار احمد کا منہج

ڈاکٹر اسرار احمد نے اپنی تفسیر میں اسرائیلیات کے حوالے سے اپنے منہج کو وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ آپ کے نزدیک اصل تورات بخت نصر کے حملے میں گم ہو گئی تھی اور دوبارہ اس کو یادداشت کی مدد سے مرتب کیا گیا تھا۔ مرتبین چونکہ عام انسان تھے، نبی نہیں تھے، اس لیے ان کی یاداشتوں نے ٹھوکریں کھائیں اور بہت سی غلط باتیں بھی اس میں شامل کر دی گئیں۔¹ البتہ آپ کے نزدیک یہ خیال بھی درست نہیں ہے کہ سابقہ آسمانی کتب تورات اور انجیل وغیرہ کے پڑھنے کا کوئی فائدہ نہیں، البتہ یہ خیال کہ اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ کسی حد تک تو شاید درست ہو، لیکن ان کتب کا مطالعہ ہر گز فائدے سے خالی نہیں ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ قرآن کے آغاز ہی میں کس قدر اہتمام کے ساتھ کہا جا رہا ہے کہ ایمان صرف قرآن پر ہی نہیں، اس پر بھی ضروری ہے جو اس سے پہلے نازل کیا گیا۔ سورۃ النساء کوئی چھ ہجری میں جا کر نازل ہوئی ہے، اور اس کی آیت 136 کے الفاظ ہیں:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي
أَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ﴾²

(ترجمہ: اے ایمان والو! (خلوص دل سے) اللہ پر، اس کے رسول پر اور اس کتاب پر ایمان لاؤ جو اس نے اپنے رسول پر نازل کی ہے۔ نیز اس کتاب پر بھی جو اس سے پہلے اس نے نازل کی تھی) لیکن کیا یہ کتابیں اپنی موجودہ صورت میں وہی الہامی درجہ رکھتی ہیں؟ اس حوالے سے آپ کا یہ موقف ہے کہ چونکہ ہم سمجھتے ہیں اور مانتے ہیں کہ تورات، انجیل، زبور اور صحف ابراہیم میں تحریف ہو گئی ہے لہذا ان کتابوں کی کوئی شے قرآن پر حجت نہیں ہوگی۔ جو چیز قرآن سے ٹکرائے گی ہم اس کو رد کر دیں گے اور ان کتابوں کی کسی شے کو دلیل کے طور پر نہیں لائیں گے۔

ڈاکٹر صاحب کے نزدیک ان کتابوں سے استفادہ صرف ان مقامات پر ہو سکتا ہے جہاں قرآن مجید کی کسی بات کی نفی نہ ہو رہی ہو کیونکہ بہت سے حقائق ایسے ہیں جو ہمیں ان کتابوں ہی سے ملتے ہیں۔ مثلاً انبیاء علیہم السلام کے درمیان زمانی ترتیب (Chronological Order) ہمیں تورات سے ملتی ہے، جو قرآن میں نہیں ہے۔ قرآن میں کبھی حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر بعد میں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پہلے آ جاتا ہے۔ یہاں تو کسی اور پہلو سے

(¹) بیان القرآن، ص: 25/7

(²) النساء: 136

ترتیب آتی ہے، لیکن تورات میں ہمیں حضرات ابراہیم، اسحاق، یعقوب، انبیاء بنی اسرائیل موسیٰ اور عیسیٰ (علی نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام) کی تاریخ ملتی ہے۔¹

آپ کے نزدیک اگرچہ مندرجہ بالا اعتبار سے سابقہ کتب سماویہ کی اہمیت پیش نظر رہنی چاہیے لیکن بہر حال قرآن کریم سابقہ الہامی کتابوں پر "مَہِیْمِنٌ" (نگران) ہے، یعنی اس کی حیثیت کسوٹی کی ہے۔ پہلی کتابوں کے اندر جو تحریفات ہو گئی تھیں ان کی تصحیح اس قرآن کے ذریعے ہوئی ہے۔ اور شاید یہی وجہ ہے کہ جب ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کے پاس ایک کتاب (تورات کا نسخہ) لے کر آئے جو انہیں اہل کتاب میں سے کسی نے دی تھی اور اسے آپ ﷺ کو پڑھ کر سنا نا شروع کر دیا۔ اس پر آپ ﷺ ناراض ہوئے اور فرمایا:

((أَمْتَهُوْكَوْنَ فِيْهَا يَا ابْنَ الْخَطَّابِ، فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ، لَقَدْ جِئْتُكُمْ بِهَا بَيْضَاءَ نَقِيَّةً، لَا تَسْأَلُوْهُمْ عَنْ شَيْءٍ فَيُخْبِرُوْكُمْ بِحَقِّ فَتُكَذِّبُوْا بِهِ، أَوْ يَبْاطِلُ فَتُصَدِّقُوْا بِهِ، وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ، لَوْ كَانَ مُوسَى حَيًّا مَا وَسِعَهُ إِلَّا أَنْ يَتَّبِعَنِي))²

(ترجمہ: اے خطاب کے بیٹے! کیا تم لوگ اس (تورات) کے بارے میں متحیر ہو؟ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں تمہارے پاس یہ (قرآن) روشن اور پاکیزہ اور ہر آمیزش سے پاک لے کر آیا ہوں۔ ان (اہل کتاب) سے کسی چیز کے بارے میں نہ پوچھو، مبادا وہ تمہیں حق بتائیں اور تم اس کو جھٹلا دو، یا باطل خبر دیں اور تم اس کی تصدیق کر دو۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر موسیٰ (علیہ السلام) زندہ ہوتے تو ان کے پاس بھی میری پیروی کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا)³

بلاشبہ آپ کا یہ موقف اعتدال پر مبنی ہے اور اسی موقف پر عمل کرتے ہوئے آپ نے اپنی تفسیر میں جہاں ایسے بہت سے ایسے قصص اور واقعات سے اعراض کیا ہے جنہیں متعدد مفسرین نے ذکر کیا ہے وہاں سابقہ کتب سماویہ میں مذکور ایسی معلومات سے استفادہ بھی کیا ہے جو قرآن و حدیث کے واضح نصوص سے ٹکراتی نہ ہوں اور قرآن فہمی میں معاون و مددگار ہوں۔

مثال کے طور پر قول باری تعالیٰ:

﴿فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ الرَّوْعُ وَجَاءَتْهُ الْبُشْرَى يُجَادِلُنَا فِي قَوْمِ لُوطٍ﴾⁴

(¹) بیان القرآن، ص: 124/1

(²) مسند احمد، مسند جابر بن عبد اللہ، حدیث #15156، حکم: ضعیف (الارنوط)

(³) بیان القرآن، ص: 78/6

(⁴) ہود: 74

(ترجمہ: پھر جب ابراہیم سے خوف دور ہو گیا اور اسے خوشخبری مل گئی تو وہ قوم لوط کے بارے میں ہم سے جھگڑنے لگے)

کی تفسیر میں آپ فرماتے ہیں:

"حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ مجادلہ تورات میں بڑی تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں سے کہا کہ اگر ان بستیوں میں پچاس آدمی بھی راست باز ہوئے تو کیا پھر بھی ان کو ہلاک کر دیا جائے گا؟ فرشتوں نے جواب دیا کہ نہیں، پھر انہیں ہلاک نہیں کیا جائے گا۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چالیس آدمیوں کا پوچھا، تو انہوں نے کہا کہ پھر بھی ان کو تباہ نہیں کیا جائے گا۔ چنانچہ اس طرح بات ہوتے ہوتے پانچ آدمیوں پر آگئی۔ اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بتایا گیا کہ آپ اس بحث کو چھوڑ دیں۔ اب تو آپ کے رب کا فیصلہ آچکا ہے، کیونکہ ان بستیوں میں خود حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی دو بیٹیوں کے علاوہ کوئی ایک تنفس بھی راست باز نہیں ہے" ¹

اسی طرح قول باری تعالیٰ:

﴿وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا أَنْ رَأَىٰ بُرْهَانَ رَبِّهِ﴾ ²

(ترجمہ: چنانچہ اس عورت نے یوسف کا قصد کیا اور وہ بھی اس عورت کا قصد کر لیتے اگر اپنے پروردگار کی برہان نہ دیکھ لیتے)

میں وہ کون سی نشانی تھی جو یوسف علیہ السلام نے دیکھی تھی اس کی وضاحت کرتے ہوئے آپ رقم طراز ہیں:

"یہ نشانی کیا تھی، اس کا قرآن میں کوئی ذکر نہیں، البتہ تورات میں اس کی وضاحت یوں بیان کی گئی ہے کہ عین اس موقع پر حضرت یعقوب علیہ السلام کی شکل دیوار پر ظاہر ہوئی اور آپ نے انگلی کا اشارہ کر کے حضرت یوسف کو باز رہنے کے لیے کہا۔" ³

جہاں ڈاکٹر صاحب نے سابقہ کتب کی بعض معلومات سے استفادہ کیا ہے وہاں آپ نے ان کتابوں میں موجود

بعض غلط تصورات کا رد بھی کیا ہے۔ لہذا ہم دیکھتے ہیں کہ قول باری تعالیٰ:

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُغُوبٍ﴾ ⁴

(ترجمہ: ہم نے آسمانوں، زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب چیزوں کو چھ دن میں پیدا کیا اور ہمیں تھکاوٹ محسوس تک نہ ہوئی)

(¹) بیان القرآن، ص: 82/4

(²) یوسف: 24

(³) بیان القرآن، ص: 113/4

(⁴) ق: 38

کی تفسیر میں آپ نے موجودہ تورات کے اس تصور کا رد کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چھ دنوں میں زمین و آسمان کو پیدا کیا اور ساتویں دن آرام کر کے تھکن دور کی۔ اسی وجہ سے یہودیوں اور عیسائیوں کے ہاں "ویک اینڈ" کو خصوصی اہمیت دی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چھ دن کام کرنے کے بعد ساتویں دن آرام کیا تھا، لہذا تم لوگ بھی چھ دن کام کر کے ساتویں دن آرام کرو۔ اس آیت میں دراصل تورات کے اس تصور کی نفی کی گئی ہے۔ چنانچہ اسلام میں "ویک اینڈ" کا کوئی تصور نہیں ہے۔¹

اس حوالے سے تورات میں متعدد مقامات پر ذکر موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چھ دنوں میں آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے وہ سب پیدا کیا۔ بلکہ اس ضمن میں ہر دن کی کاروائی کا تذکرہ بھی موجود ہے۔ مثال کے طور پر تورات کی دوسری کتاب "خروج" کے بیسویں باب میں لکھا ہے:

((کیونکہ خداوند نے چھ دن میں آسمان اور زمین اور سمندر اور جو کچھ ان میں ہے وہ سب بنایا اور ساتویں دن آرام کیا۔ اس لیے خداوند نے سبت کے دن کو برکت دی اور اسے مقدس ٹھہرایا))²

تورات کے اس تصور کے برخلاف قرآن حکیم اور سنت نبوی میں یہ مضمون تفصیل سے بیان ہوا ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نہ ہی تھکتا ہے نہ آرام کرتا ہے، نہ اسے اونگھ آتی ہے نہ ہی وہ سوتا ہے اور نہ ہی اس کے شایان شان ہے کہ وہ تھک جائے یا آرام کرے۔ بلکہ وہ آسمان و زمین کو تھامے ہوئے ہے اور ترازو کو پست کرتا ہے اور بلند کرتا ہے۔ وہ ہر روز ایک نئی شان میں ہوتا ہے۔

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ ڈاکٹر اسرار احمد اسرائیلی روایات کے حوالے سے ایک معتدل منہج رکھتے تھے۔ آپ کے نزدیک یہ ہمارے لیے حجت تو نہیں ہیں لیکن تاریخی معلومات کے لیے بہر حال ایک نفع بخش ذریعہ ہیں۔ اپنے اسی موقف کو آپ نے اپنی تفسیر میں بھی اختیار کیا ہے۔ اگلی بحث میں اسرائیلیات کے ضمن میں دونوں مفسرین کے منہج کا تقابل کیا جائے گا اور اس حوالے سے مزید تجزیہ بھی لکھا جائے گا۔

(1) بیان القرآن، ص: 25/7

(2) بابل (نسخہ قدیم)، کتاب خروج، باب 11/20، کتاب پیدائش باب 1/2-3 وغیرہ

اسرائیلیات کے حوالے سے دونوں مفسرین کے منہج کا تقابلی جائزہ

گزشتہ دو مباحث کی روشنی میں یہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اسرائیلیات کے حوالے سے ڈاکٹر اسرار احمد اور شیخ شعر اوی کا موقف ایک دوسرے کے قریب تر ہے۔ دونوں مفسرین کے نزدیک تورات و انجیل میں تحریف ہو چکی ہے لہذا وہ اسرائیلی روایات کو صرف قرآن کریم کی نگہبانی میں سمجھنے کے قائل ہیں اور ایسی تمام روایات کو غلط قرار دیتے ہیں جو قرآنی تعلیمات، عقل صحیح اور تعظیم انبیاء وغیرہ کے خلاف ہوں۔ البتہ دونوں کے نزدیک انبیاء کے حوالے سے تاریخی معلومات اور قصص کی تفصیلات، یعنی ایسی معلومات جن کی تصدیق و تکذیب قرآن و سنت میں نہ ہو اور نہ ہی وہ عقل کے خلاف ہوں، کے لیے اسرائیلیات سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ دونوں مفسرین نے عملی طور پر بھی اپنی تفاسیر میں مذکورہ نوعیت کی اسرائیلی روایات کو بیان کیا ہے۔

اسرائیلیات کے حوالے سے دونوں مفسرین کے منہج کا تقابل کرنے کی غرض سے سورہ یوسف کا انتخاب کیا گیا ہے کیونکہ اس سورت کی تفسیر میں عمومی طور پر مفسرین نے بہت سی اسرائیلی روایات ذکر کی ہیں۔ شعر اوی صاحب نے اس سورت کی تفسیر میں درج ذیل نکات بیان کیے ہیں جن کا مصدر اسرائیلی روایات ہیں:

- (1) حضرت یوسف علیہ السلام نے جو خواب دیکھا تھا اسے پورا ہونے میں چالیس سے اسی سال لگے۔¹
- (2) حضرت یعقوب علیہ السلام کے کل بارہ بیٹے تھے جن میں سے سات ایک بیوی سے اور چار دو (لونڈیوں) یعنی زلفی اور بلہ سے تھے جب کہ یوسف اور بن یامین چوتھی بیوی راحیل سے تھے۔² (یہاں کل تعداد تیرہ بنتی ہے اور یہی تورات میں بھی مذکور ہے کہ آپ علیہ السلام کے بارہ بیٹے اور ایک بیٹی تھی)
- (3) حضرت یوسف اور آپ کے بھائی کے بچپن میں ہی ان کی والدہ فوت ہو گئیں۔ لہذا ان کے صرف والد تھے، جنہوں نے باپ کی شفقت اور ماں کی نرمی کی ضرورت کو محسوس کیا، اور ان کے لیے دونوں کو جمع کیا۔³
- (4) حضرت یوسف کے سوتیلے بھائی ہی تھے جو خاندان کے مفادات اور ضروریات کا خیال رکھتے تھے۔ ان کے والد اپنے عہدے سے دستبردار ہو چکے تھے اور خاندانی کاروبار ان کے حوالے کر دیا تھا۔ جس پر انہوں نے یہ کہا کہ جب ذمہ داریاں ہم اٹھاتے ہیں تو محبت بھی ہم ہی سے زیادہ ہونی چاہیے۔⁴

(1) تفسیر الشعر اوی، ص: 6859/11

(2) ایضاً، ص: 6863/11

(3) ایضاً، ص: 6864/11

(4) ایضاً، ص: 6867/11

(5) شعر اوی نے {وَأَخَافُ أَنْ يَأْكُلَهُ الذِّئْبُ وَأَنْتُمْ عَنْهُ غَافِلُونَ} ¹ کے متعلق بعض لوگوں کا قول نقل کیا

ہے حضرت یعقوب علیہ السلام نے انہیں جھوٹا بہانہ سکھا دیا۔ ورنہ، وہ خود ایسا بہانہ نہیں بنا سکتے تھے۔ ²

(6) جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی آپ کے وزیر بننے کے بعد آپ کے پاس آئے تو آپ نے ایک پیالہ

پکڑ کر اسے اپنی انگلیوں سے تھپتھپایا، اور ان سے کہا: سنو پیالہ کیا کہتا ہے۔ وہ کہتا ہے: تمہارا ایک بھائی تھا، اور

تم نے اس کے ساتھ ایسا ایسا سلوک کیا۔ ³

(7) شعر اوی کہتے ہیں: "اور کہا جاتا ہے: حضرت یعقوب علیہ السلام نے قمیض کے خون کے بارے میں تبصرہ

کرتے ہوئے کہا کہ بھیڑیا مہربان تھا، لہذا اس نے یوسف کا گوشت کھایا اور اس کی قمیض کو نہیں پھاڑا۔ گویا

انہیں معلوم تھا کہ ایسی کوئی سازش ہو رہی ہے جسے اللہ عنقریب ان کے سامنے ظاہر کر دے گا۔" ⁴

(8) جب یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا معاملہ ان کے والد کے سامنے ظاہر ہونے لگا تو ان میں سے ایک نے

چپکے سے باقیوں کی طرف اشارہ کیا اور ان سے سرگوشی کی: "اپنے والد کو بتاؤ کہ اس کے خلاف چور آئے اور

اس کو مار ڈالا۔" یعقوب علیہ السلام نے سرگوشی سن کر کہا: "چوروں کو اس کے خون سے زیادہ اس کی قمیض

کی ضرورت تھی!" ⁵

(9) جب بالٹی حضرت یوسف کی سطح پر اتری، تو یوسف علیہ السلام رسی سے لٹک گئے۔ لہذا رسی کھینچنے والے کو اس

چیز کا وزن محسوس ہوا تو اس نے نیچے دیکھا تو بالٹی سے لٹکا ایک لڑکا پایا، اور اس نے پکارا: خوش خبری ہے کہ

یہ ایک لڑکا ملا ہے۔ ⁶

(10) عزیز مصر کی اولاد نہیں تھی۔ ⁷

(11) حضرت یوسف اور عزیز مصر کے معاملے میں گواہی دینے والا شخص عزیز مصر کی بیوی کے خاندان سے تعلق

رکھتا تھا۔ ⁸

(¹) یوسف: 13

(²) تفسیر الشعر اوی، ص: 6877/11

(³) ایضاً، ص: 6879/11

(⁴) ایضاً، ص: 6888/11

(⁵) ایضاً، ص: 6890/11

(⁶) ایضاً، ص: 6895/11

(⁷) ایضاً، ص: 6899/11

(⁸) ایضاً، ص: 6917/11

(12) علماء نے کہا ہے کہ جن عورتوں کا ذکر ہوا وہ پانچ تھیں: ساقی کی بیوی، نان بائی کی بیوی، دربان کی بیوی، مویشیوں کے نگہبان کی بیوی، اور جیل کے پہرے دار کی بیوی۔ ان کے شوہروں میں سے کسی نے اپنے کنبہ کے ساتھ تفریحاً یوسف علیہ السلام کے ساتھ عزیز کی اہلیہ کی خبر سنا دی ہوگی۔ تب اس کی اہلیہ نے یہ خبر دوسری خواتین کو پہنچادی۔¹

(13) مذکورہ بالا خواتین میں سے ہر ایک کی خواہش تھی کہ عزیز یوسف کی اہلیہ کو محل سے بے دخل کر دیا جائے۔ یہاں تک کہ ان میں سے کوئی بھی یوسف کے ساتھ تنہائی اختیار کر سکے۔²

(14) حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ جیل میں ایک ساقی اور نان بائی بھی داخل ہوئے اور کہا جاتا ہے کہ ان کے داخلے کی وجہ عزیز مصر اور یوسف علیہ السلام کے معاملے کی اندرونی جانچ پرت کی خواہش تھی جو ایک بڑے سکینڈل کی صورت میں ظاہر ہوا تھا۔ حضرت یوسف نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ اور یہ کہ ساقی اور نان بائی عزیز مصر کو زہر دینے کی کوشش کرتے پکڑے گئے تھے۔³

(15) یوسف علیہ السلام کے کنویں میں گرنے اور جیل میں جانے سے اور دیگر مصائب کے اسباب کے حوالے سے مختلف روایات ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کی پھوپھی نے آپ کی والدہ کے انتقال کے بعد آپ کی پرورش کی اور وہ آپ سے شدید محبت کرتی تھی۔ جب یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹے کو لینے ان کے پاس گئے تو انہوں نے آپ علیہ السلام کو دینے سے انکار کیا اور جب حضرت یعقوب علیہ السلام ہٹے تو وہ ابراہیم علیہ السلام کی میراث سے کچھ لے کر آئی اور اسے حضرت یوسف کے کپڑے کے نیچے رکھ دیا۔ موجودہ رواج یہ تھا کہ اگر کسی نے کوئی چیز چوری کی تو اسے ضبط کر لیا جاتا۔ وہ آزاد آدمی سے غلام میں بدل جاتا، اور جب یعقوب اپنے بیٹے یوسف کے ساتھ واپس اپنے گھر جانے لگے تب پھوپھی نے اپنے والد اسحاق نے جو چیز دی تھی اس کے کھونے کا اعلان کیا۔ انہوں نے یوسف کی تلاش کی تو گمشدہ چیز ملی۔ یوں، یوسف کچھ عرصے کے لیے اپنے والد سے دور اپنی پھوپھی کے ساتھ رہے۔⁴

(16) یوسف علیہ السلام، اپنی فراخ دلی، ایمانداری، دیانت، ہمدردی، عبادت، خواب کی تعبیر، اور جیل کے لوگوں کے ساتھ مہربانی کے سبب جیل میں جانے جاتے تھے۔ اور جب یہ دونوں نوجوان آپ کے ساتھ جیل میں داخل ہوئے، وہ آپ کے قریب ہوئے اور آپ سے بے حد محبت کی، اور انہوں نے آپ سے کہا: خدا کی

(1) تفسیر اشعراوی، ص: 6933/11

(2) ایضاً، ص: 6942/11

(3) ایضاً، ص: 6948/11

(4) ایضاً، ص: 6962/11

قسم ہم آپ سے بہت محبت کرتے ہیں۔ حضرت یوسف نے کہا: خدا آپ دونوں کو سلامت رکھے۔ مجھ سے محبت کرنے والا کوئی نہیں سوائے اس کی محبت سے ہی مجھ پر تکلیف پہنچتی ہے، میری خالہ مجھ سے محبت کرتی تھیں اور اس کی وجہ سے نقصان داخل ہوا، اور میرے والد نے مجھ سے محبت کی اور مجھے اس کی وجہ سے نقصان پہنچا، اور عزیز کی بیوی نے مجھ سے محبت کی تو میں بغیر جرم کے یہاں پہنچا۔¹

(17) "بضع" کا مطلب تین سے دس سال تک ہے، اور کچھ علمائے کرام نے اسے سات سال قرار دیا ہے۔²

(18) اس وقت فرعونوں کی حکمرانی کچھ عرصہ کے لیے ختم ہو گئی تھی جب چرواہوں کے بادشاہوں نے مصر پر قبضہ کیا۔ وہ چرواہوں کے بادشاہ، میکسوس کہلائے جاتے ہیں۔³

(19) شعر اوی کہتے ہیں: "اور بعض نے کہا: یوسف علیہ السلام نے بادشاہ سے کہا کہ وہ انہیں زمین کے خزانوں کا نگران بنادے، ایک ایسی معاشی پالیسی طے کرنے کے لیے جس کے ساتھ انہیں سات سال خشک سالی کا سامنا کرنا پڑے گا، اور یہ ایک ایسی بات ہے جس میں دانائی، تحفظ اور علم کی ضرورت ہے۔"⁴

(20) حضرت یوسف سونے، چاندی، قیمتی پتھروں اور مویشیوں کے بدلے غلہ دیتے اور بعض فقیر لوگ اپنے اہل خانہ میں سے کسی کو غلامی میں دے کر باقی افراد کا رزق لے کر جاتے۔ اور یوسف علیہ السلام نے قحط کے سالوں میں معاملہ کو اچھی طرح سنبھالا اور حکم دیا کہ ہر شخص پیٹ پر کمر کس سخت کرے، تاکہ کوئی سات آنتوں میں نہ کھائے، بلکہ ایک آنت میں کھائے۔⁵

(21) بن یامین سے بادشاہ کا پیالہ برآمد ہونے پر ایک بھائی نے کہا: خدا کی قسم، راحیل کے بیٹوں، تمہاری وجہ سے ہم پر کتنی ہی مصیبتیں آچکی ہے، بن یامین نے جواب دیا: راحیل کے بچوں کو تمہاری وجہ سے ان مصیبتوں سے زیادہ کا سامنا کرنا پڑا ہے جو تمہیں ان سے پہنچی ہے۔⁶

(22) حضرت یعقوب علیہ السلام کے قول: {عَسَىٰ اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَنِي بِهِمْ جَمِيعًا}۔⁷ (ترجمہ: کیا بعید ہے کہ اللہ

(1) تفسیر الشراوی، ص: 6963/11

(2) ایضاً، ص: 6967/11

(3) ایضاً، ص: 6968/11

(4) ایضاً، ص: 6999/11

(5) ایضاً، ص: 6999/11

(6) ایضاً، ص: 7029/11

(7) یوسف: 83

ان سب کو مجھ سے لاملائے) سے مراد آپ کے تین غیر حاضر بیٹے تھے یعنی یوسف، بن یامین اور شمعون (جس نے بن یامین کے قید ہونے کے بعد واپس جانے سے انکار کر دیا تھا)¹

(23) حضرت یعقوب اپنے بیٹوں اور پوتوں کے ساتھ رہتے تھے، اور ایک اثر میں کہا جاتا ہے: کچھ لوگوں نے یعقوب سے کہا، خدا کی قسم، یعقوب، آپ اپنے والد اسحاق کی عمر میں نہیں پہنچے، اور آپ کو پکل دیا گیا ہے۔ انہوں نے کہا: یوسف نے مجھے توڑ دیا ہے۔ اللہ نے اس بات پر عتاب کیا اور واضح کیا کہ کیا تم اپنے رب سے اس کی مخلوق کی شکایت کرتے ہو؟ حضرت یعقوب نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور کہا: میں نے گناہ کیا ہے، اے خداوند، تو مجھے معاف کر دے۔ اللہ نے کہا: میں تمہیں معاف کرتا ہوں۔²

(24) کتب السیر میں ہے کہ حضرت یوسف کے بڑے بھائی جس نے مصر چھوڑنے سے انکار کر دیا تھا اس نے حضرت یوسف سے کہا: "اوہ عزیز! میں وہی ہوں جو باپ کے پاس جھوٹے لہو سے قمیض رنگ کر گیا تھا، لہذا مجھے یہ قمیض اپنے والد کے پاس لے جانے دیں، تاکہ یہ عمل میرا گناہ مٹا دے۔"³

اب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی سورہ یوسف کی تفسیر کا جائزہ لیا جا رہا ہے کہ انہوں نے اس ضمن میں کون کون سی اسرائیلی روایات ذکر کی ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کے نزدیک:

(1) حضرت یعقوب علیہ السلام کی بڑی بیوی سے آپ کے دس بیٹے تھے اور وہ سب کے سب اس وقت تک جوانی کی عمر کو پہنچ چکے تھے، جبکہ آپ کے دو بیٹے (یوسف اور بن یامین) آپ کی چھوٹی بیوی سے تھے۔ ان میں حضرت یوسف بڑے تھے، مگر ابھی یہ دونوں ہی کم سن تھے۔⁴

(2) جس بھائی نے حضرت یوسف کو قتل کرنے کی بجائے کنوئیں میں ڈالنے کا مشورہ دیا تھا وہ شریف النفس انسان ان کے سب سے بڑے بھائی تھے۔ ان کا نام یہود تھا، اور انہی کے نام پر لفظ "یہودی" بنا ہے۔ اور انہوں نے ہی بن یامین کے قیدی بننے کے بعد مصر میں رکنے کا فیصلہ کیا تھا۔⁵

(3) عزیز مصر دراصل مصر کی حکومت میں بہت اعلیٰ منصب پر فائز تھا۔ حضرت یوسف کو بیٹا بنانے کی خواہش سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید اس کے ہاں اولاد نہیں تھی۔⁶

(1) تفسیر اشعر اوی، ص: 7045/11

(2) ایضاً، ص: 7049/11

(3) ایضاً، ص: 7066/11

(4) بیان القرآن، ص: 105/4

(5) ایضاً، ص: 108/4 اور 135/4

(6) ایضاً، ص: 112/4

(4) عزیز مصر کی بیوی کا نام قرآن میں مذکور نہیں، البتہ تورات میں اس کا نام زلیخا بتایا گیا ہے۔¹

(5) یہ نشانی کیا تھی جس کا ذکر قول تعالیٰ: (وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ) میں آیا ہے۔ اس کا قرآن میں کوئی ذکر نہیں، البتہ تورات میں اس کی وضاحت یوں بیان کی گئی ہے کہ عین اس موقع پر حضرت یعقوب علیہ السلام کی شکل دیوار پر ظاہر ہوئی اور آپؑ نے انگلی کا اشارہ کر کے حضرت یوسفؑ کو باز رہنے کے لیے کہا۔²

(6) اس وقت مصر پر فراعنہ کی حکومت نہیں تھی، بلکہ وہاں چرواہے بادشاہ (Hyksos Kings) حکمران تھے۔

(7) جب پورا علاقہ قحط کی لپیٹ میں آیا تو مصر کی حکومت کے پاس نہ صرف اپنے عوام کے لیے بلکہ ملحقہ علاقوں کے لوگوں کی ضرورت پوری کرنے کے لیے بھی اناج وافر مقدار میں موجود تھا۔ چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اس غیر معمولی صورت حال کے پیش نظر ”راشن بندی“ کا ایک خاص نظام متعارف کروایا۔ اس نظام کے تحت ایک خاندان کو ایک سال کے لیے صرف اس قدر غلہ دیا جتنا تھا جس قدر ایک اونٹ اٹھا سکتا تھا اور اس کی قیمت اتنی وصول کی جاتی تھی جو وہ آسانی سے ادا کر سکیں۔

اب اگر اسرائیلیات کے ضمن میں دونوں مفسرین کی سورہ یوسف کی تفسیر کو دیکھا جائے تو یہ بات آسانی سے واضح ہوتی ہے کہ شعراوی صاحب نے ڈاکٹر صاحب کی نسبت بہت زیادہ اسرائیلیات ذکر کی ہیں۔ اگرچہ ان میں ایسی روایات نہیں ہے جو قرآن و حدیث کی کسی صریح نص کے خلاف ہوں یا انبیاء کی عظمت اور صریح عقل کے خلاف ہوں۔ لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شعراوی صاحب نے بعض غیر ضروری معلومات کو بھی جمع کر دیا ہے جیسا کہ آپ نے ان خواتین کے بارے میں بھی تفصیل ذکر کی ہیں جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے۔ لیکن بحر حال شعراوی ان مفسرین سے بہت بہتر ہیں جنہوں نے زلیخا کے نیک بن جانے کے بعد دوبارہ جوان ہو کر یوسف علیہ السلام سے نکاح کرنے جیسی واہیات کو اپنی تفسیروں میں جمع کر دیا ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر صاحب نے احتیاط کا دامن تھامتے ہوئے صرف چند اسرائیلیات پر ہی اکتفا کیا ہے۔ لہذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس ضمن میں ڈاکٹر صاحب کا منہج درست تر ہے۔ یہاں ہماری یہ منشا ہر گز نہیں ہے کہ جن مفسرین نے اسرائیلیات ذکر کی ہیں ان کی تفاسیر کی اہمیت کم ہے۔

(¹) بیان القرآن

(²) ایضاً، ص: 113/4

خلاصہ باب:

اس باب کا خلاصہ یہ ہے کہ بلاشبہ تفسیر بالماثور قرآن کریم کی سب سے بہترین تفسیر ہے اور اس میں بھی سب سے افضل تفسیر القرآن بالقرآن، پھر تفسیر القرآن بالحديث اور اس کے بعد تفسیر باقوال الصحابہ اور آخر میں تفسیر تابعین آتی ہے۔ ایک مفسر پر لازم ہے کہ وہ سب سے پہلے قرآن کریم کی تفسیر کو درج بالا مصادر سے حسب ترتیب فضیلت سمجھنے کی کوشش کرے اور اس کے بعد تفسیر بالرائے کا رخ کرے۔

ڈاکٹر اسرار احمد اور امام شعر اوی نے قرآن کریم کی قرآنی تفسیر پر خصوصی توجہ دی ہے۔ مفرد کی شرح، آیت کی وضاحت، اور موضوع کی تشریح کے لیے دونوں نے قرآن کریم کی جانب رجوع کیا ہے۔ البتہ اس حوالے سے دونوں مفسرین کے منہج میں یکسانیت نہیں پائی جاتی۔ یعنی کسی ایک آیت کی تفسیر کرتے ہوئے اگر دونوں مفسرین نے تفسیر القرآن بالقرآن کا اسلوب بھی اپنایا ہے تو اس حوالے سے دونوں کا طریقہ کار مختلف ہے۔

دونوں مفسرین کے نزدیک سنت رسول ﷺ دین اسلام کا بنیادی ماخذ اور قرآن کریم سمجھنے کا لازمی مصدر ہے۔ دونوں مفسرین نے اس ضمن میں احادیث سے استشہاد کیا ہے البتہ دیگر اثری تفاسیر کے مقابلے میں دونوں نے بہت کم احادیث نقل کی ہیں۔ اسی طرح احادیث کی سند اور حکم وغیرہ بیان کرنے کا اہتمام بھی دونوں نے نہیں کیا بلکہ بعض مقامات پر غیر صحیح روایات بھی نقل کی ہیں، اگرچہ اس حوالے سے ڈاکٹر صاحب نے شعر اوی صاحب سے زیادہ احتیاط کی ہے۔ اسی طرح کا منہج دونوں مفسرین نے صحابہ اور تابعین کے تفسیری اقوال کے حوالے سے اختیار کیا ہے۔ لیکن دونوں تفاسیر میں روایات کی قلت ہر لحاظ سے پائی جاتی ہے، یعنی دونوں تفاسیر میں اسرائیلیات نہ ہونے کے برابر ہیں اور اس حوالے سے دونوں کا موقف اعتدال پر مبنی ہے۔

عصر حاضر میں جو شخص بھی دعوت رجوع الی القرآن کا کام کرنا چاہتا ہو اس کے لیے امام شعر اوی اور ڈاکٹر صاحب کے مقبول قرآنی بیانات میں یہ سبق موجود ہے کہ اس وقت بھی تفسیر بالماثور کی اہمیت بہت زیادہ ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ لیکن موجودہ دور میں ایک مفسر پر لازم ہے کہ وہ سامعین کی مناسبت سے، طوالت سے بچتے ہوئے صرف ایسے مواد پر اکتفا کرے جو متعلقہ اور ضروری ہے۔ کیونکہ یہ اس دور کی اشد ضرورت ہے کہ اس مصروف ترین زندگی میں لوگوں کو قرآن کا پیغام سادہ اور آسان اسلوب میں پہنچایا جائے۔

باب سوم

تفسیر بالرائے کے اعتبار سے شیخ محمد متولی الشعر اوی اور ڈاکٹر اسرار

احمد کی آراء کا تقابلی جائزہ

مقدمہ: تفسیر بالرائے کی تعریف اور اقسام

فصل اول: قرآن کریم کی لغوی تفسیر میں دونوں مفسرین کے منہج کا تقابلی مطالعہ

فصل دوم: قرآن کریم کی علمی تفسیر میں دونوں مفسرین کے منہج کا تقابلی مطالعہ

فصل سوم: آیات احکام کی تفسیر (فقہی تفسیر) میں دونوں مفسرین کے منہج کا تقابلی مطالعہ

مقدمہ:

تفسیر بالرائے کی تعریف اور اقسام

الف۔ تفسیر بالرائے کا مفہوم

عربی لغت میں عام طور پر لفظ "الرأی" کا اطلاق مشاہدہ، غور و فکر، نظریہ اور عقیدہ، کوشش و تدبیر اور قیاس پر کیا جاتا ہے۔¹

رأی کے اصطلاحی مفہوم کے متعلق امام راغب² فرماتے ہیں:

"وَالرَّأْيُ: اعتقاد النفس أحد التقيضين عند غلبة الظن"³

(ترجمہ: دو متناقض چیزوں میں غور و فکر کرنے کے بعد غلبہ ظن کی بنیاد پر جب نفس انسانی میں کوئی نظریہ قائم

ہو جائے تو اسے (رأی) کہتے ہیں)

تفسیر بالرائے کے اصطلاحی مفہوم کے حوالے سے ڈاکٹر محمد حسین الذہبی اپنی کتاب التفسیر والمفسرون میں

رقم طراز ہیں:

"فالتفسير بالرأى، عبارة عن تفسير القرآن بالاجتهاد بعد معرفة المفسر لكلام العرب ومناحيهم في القول، ومعرفته للألفاظ العربية ووجوه دلالاتها، واستعانتة في ذلك بالشعر الجاهلي ووقوفه على أسباب النزول، ومعرفته بالناسخ والمنسوخ من آيات القرآن، وغير ذلك من الأدوات التي يحتاج إليها المفسر"⁴

(ترجمہ: تفسیر بالرأی سے یہ مراد ہے کہ کلام عرب، عربوں کے طریق کار، عربی الفاظ کی معرفت، ان کی وجہ دلالت، جاہلی اشعار سے معاونت، اسباب نزول کی معرفت، نسخ منسوخ اور دیگر ذرائع و اسباب جن کی ایک مفسر کو احتیاج ہوتی ہے، کے ذریعے قرآن کی تفسیر کی جائے)

گویا تفسیر بالرأی وہ تفسیر ہے جس میں ایک مفسر تفسیر بالمأثور کے برعکس اقوال سلف کی بجائے تفسیر سے متعلقہ علوم کی معرفت و اساس پر اجتہاد کے ذریعے، اپنے فہم اور ذاتی رأی پر انحصار کرتے ہوئے قرآن کریم کی تفسیر بیان کرتا ہے۔⁵

(1) دیکھیے: محمد بن کرم بن منظور الأفریقی المصری، لسان العرب، دار صادر، بیروت، طبع: اول، ص: 301/14، التفسیر والمفسرون، ص: 183/1، مجمع اللغة العربیة بالقاهرة (ابراہیم مصطفیٰ/ أحمد الزیات/ حامد عبد القادر/ محمد النجار)، المعجم الوسيط، دار الدعوة، ص: 320/1

(2) ابوالقاسم حسین بن محمد بن مفضل معروف ب راغب اصفہانی (المتوفی: 502 ہجری)، مشہور فقیہ، مفسر اور لغوی تھے۔ (الاعلام للزکلی، 2/255)

(3) راغب الأصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، المحقق: صفوان عدنان الداودی، دار القلم، دمشق۔ بیروت، طبع: اول، 1412ھ، ص: 374

(4) التفسیر والمفسرون، ص: 183/1

(5) مناع بن خلیل القطان (المتوفی: 1420 ہجری)، مباحث فی علوم القرآن، مکتبۃ المعارف للنشر والتوزیع، طبع: سوم، 2000ء، ص: 362

ب۔ تفسیر بالرائے کا حکم

بلاشبہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے انسانوں کو قرآن کریم میں غور و فکر اور تدبر کرنے کی دعوت دی ہے اور اس کتاب عظیم کے پوشیدہ خزانوں سے ہر اس شخص کو حظ وافر ملا جس نے نیک نیتی اور ایمان کے ساتھ اس میں غور و فکر کیا اور ان عجائب قرآنی سے امت کی بڑی تعداد مستفید ہوئی لیکن دوسری جانب بعض بدنیت اور زندیق لوگوں نے اسی کتاب کی باطل تاویلات کر کے اپنی اور دیگر لوگوں کی گمراہی کا سامان اکٹھا کیا۔ اسی سبب اسلاف امت میں تفسیر بالرائے کے متعلق دو متضاد آراء پائی جاتی ہیں۔ بعض علماء تفسیر بالرائے کی بالکل اجازت نہیں دیتے جب کہ دیگر علماء اجتہاد سے تفسیر کرنے کے جواز کے قائل ہیں۔ اس اختلاف کی سب سے بڑی وجہ احادیث رسول ﷺ میں مذکور وہ دلائل ہیں جو بظاہر ایک دوسرے سے تضاد رکھتے ہیں۔ ذیل میں تفسیر بالرائے کے حق اور مخالفت میں موجود دلائل کا اختصار سے ذکر کیا جا رہا ہے۔

اولاً: تفسیر بالرائے کی ممانعت میں دلائل

(1) اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ایسی بات کہنے سے منع فرمایا ہے جس کا انسان کو علم نہ ہو جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ

ہے:

أ. ﴿وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾¹

(ترجمہ: اور یہ (بھی حرام ہے) کہ اللہ کے نام پر کوئی ایسی بات کہو جس کے متعلق تمہیں

علم نہ ہو)

ب. ﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ﴾²

(ترجمہ: کسی ایسی چیز کے پیچھے نہ لگو جس کا تمہیں علم نہ ہو)

(2) رسول اللہ ﷺ نے قرآن کریم میں رائے زنی کرنے سے منع فرمایا اور وعیدیں سنائی۔ جیسا کہ فرمان ہے:

أ. ((عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : مَنْ

قَالَ فِي الْقُرْآنِ بَعْزَ عِلْمٍ فَلْيَتَّبِعْهُ مَقْعَدُهُ مِنَ النَّارِ))³

(ترجمہ: سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جس کسی نے قرآن مجید میں اپنی رائے سے۔ اور ایک روایت میں۔ اپنے علم سے کلام کیا وہ

اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے)

(¹) البقرة: 169

(²) الاسراء: 36

(³) سنن ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب الذی یفسر القرآن براہیہ، حدیث #2950، حکم: ضیف (الالبانی)

ب. ((عَنْ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ فِي كِتَابِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ بِرَأْيِهِ فَأَصَابَ فَقَدْ أَخْطَأَ))¹

(ترجمہ: حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس کسی نے قرآن مجید میں اپنی رائے سے کچھ کہا اور اس نے درست بات کہی تب بھی اس نے غلطی کی۔)

ت. قَالَ أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: «أَيُّ أَرْضٍ تُقْلِنِي، وَأَيُّ سَمَاءٍ تُظْلِنِي، إِذَا قُلْتُ فِي كَلَامِ اللَّهِ مَا لَا أَعْلَمُ»².

(ترجمہ: سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: "کون سے زمین مجھے پناہ دے گی؟ کون سا آسمان مجھے سایہ کرے گا اگر میں نے کلام اللہ میں وہ بات کہی جس کا مجھے علم نہیں ہے۔)

ثانیاً: تفسیر بالرائے کے جواز میں دلائل

1. درج ذیل آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے بندوں کو قرآن کریم میں غور و فکر اور تدبر کی دعوت دی گئی ہے۔

أ. ﴿كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ﴾³

(ترجمہ: جو کتاب ہم نے آپ کی طرف نازل کی ہے بڑی برکت والی ہے تاکہ لوگ اس کی آیات میں غور و فکر کریں اور اہل عقل و دانش اس سے سبق حاصل کریں)

ب. ﴿أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَى قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا﴾⁴

(ترجمہ: کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا ان لوگوں کے دلوں پر قفل چڑھے ہوئے ہیں)

(1) سنن ابی داؤد، کتاب العلم، باب الکلام فی کتاب اللہ بغیر علم، حدیث #3652، حکم: ضعیف (الالبانی)
(2) أبو سعید عثمان بن سعید بن خالد بن سعید الدارمی السجستانی (المتوفی: 280 ہجری)، الرد علی الجہمیۃ، المحقق: بدر بن عبد اللہ البدر، دار ابن الأثیر، الکویت، طبع: دوم، 1995 م، حدیث #14. اور أبو بکر بن ابی شیبہ، عبد اللہ بن محمد بن ابراہیم بن عثمان بن خواستی العسبی (المتوفی: 235 ہجری)، الکتاب المصنف فی الأحادیث والآثار (مصحف ابن ابی شیبہ)، المحقق: کمال یوسف الحوت، مکتبۃ الرشد، الریاض، طبع: اول، 1409ھ، کتاب فضائل القرآن، باب من کره أن یفسر القرآن، حدیث #30103

(3) ص: 29

(4) محمد: 24

ت. ﴿وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾¹

(ترجمہ: اور آپ کی طرف یہ ذکر (قرآن) اس لئے نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کو واضح طور پر بتادیں کہ ان کی طرف کیا چیز نازل کی گئی ہے۔ اس لئے کہ وہ اس میں غور و فکر کریں)

2. رسول اللہ ﷺ نے مختلف احادیث میں قرآن کریم کو پڑھنے، سمجھنے اور اس پر غور و فکر کرنے کے فضائل بیان کیے ہیں۔

أ. ((وعن أبي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : " وَمَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِي بَيْتٍ مِنْ بُيُوتِ اللَّهِ ، يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ ، وَيَتَدَارَسُونَهُ بَيْنَهُمْ ، إِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِينَةُ ، وَغَشِيَتْهُمْ الرَّحْمَةُ وَحَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ))²

(ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اور جو لوگ جمع ہوں اللہ کے کسی گھر میں اللہ کی کتاب پڑھیں اور ایک دوسرے کو پڑھائیں تو ان پر اللہ کی رحمت اترے گی اور رحمت ان کو ڈھانپ لے گی اور فرشتے ان کو گھیر لیں گے اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا ذکر کرے گا اپنے پاس رہنے والوں میں (یعنی فرشتوں میں))

3. صحابہ رضی اللہ عنہم قرآن کریم میں خوب غور و فکر کرتے تھے۔

أ. عَنْ مَالِكٍ أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ مَكَثَ عَلَى سُورَةِ الْبَقَرَةِ ثَمَانِي سِنِينَ يَتَعَلَّمُهَا³

(ترجمہ: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ عبد اللہ بن عمر نے مسلسل آٹھ برس تک سورۃ البقرۃ پڑھ کر سیکھی)

ثالثاً: تفسیر بالرأے کے متعلق متضاد دلائل کی توجیہ

مذکورہ بالا دلائل کی بنیاد پر علماء کی ایک جماعت تفسیر بالرأے کے جواز جبکہ دوسری جماعت عدم جواز کے قائل ہیں جیسا کہ بعض دلائل میں تفسیر بالرأے کی مدح جبکہ بعض میں اس کی مذمت بیان ہوئی ہے۔ اب جو ان نصوص میں ظاہری تضاد و تعارض ہے اس کو رفع کرنے کے لئے علماء نے بعض توجیہات بیان کیں ہیں۔ امام راغب اصفہانی فرماتے ہیں:

(1) النحل: 44

(2) صحیح مسلم، کتاب الذکر والتوبۃ والاستغفار، باب فضل الاجتماع علی تلاوة القرآن وعلی الذکر، حدیث #2699

(3) مالک بن انس أبو عبد اللہ الصباحی، موطأ الإمام مالک، تحقیق: محمد فواد عبد الباقي، دار إحياء التراث العربی - مصر، کتاب القرآن، باب ما جاء فی القرآن، حدیث #479

"وذكر بعض المحققين " أن المذهبين " هما الغلو والتقصير، فمن اقتصر على المنقول إليه فقد " ترك كثيراً مما يحتاج إليه "، ومن أجاز لكل أحد الخوض فيه، فقد عرضه للتخليط، ولم يعتبر حقيقة قوله تعالى: {لِيَذَّبُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ} 1.. 2"

(بعض محققین کہتے ہیں: یہ دونوں مذاہب دراصل افراط و تفریط پر مبنی ہیں۔ جس نے صرف منقول تفسیر پر انحصار کیا اس نے تفسیر کے ایک اہم حصے کو نظر انداز کر دیا اور جس نے ہر ایک کو قرآن میں غور و خوض (تفسیر) کرنے کی اجازت دے دی، اس نے قرآن کو اختلاط و امتزاج کا نشانہ بنا دیا، گویا اس نے قرآن کی آیت کریمہ: (ترجمہ بتا کہ یہ لوگ اس کی آیات پر غور کریں اور عقل و فکر رکھنے والے اس سے سبق لیں) کا حقیقی مفہوم نہیں سمجھا ہے)

اس تعارض کو دور کرنے کے لیے تفسیر بالرائے کی دو ممکنہ اقسام ہو سکتی ہیں:

(1) تفسیر بالرائے مذموم

(2) تفسیر بالرائے محمود

تفسیر بالرائے مذموم کی صورت یہ ہے کہ ایک مفسر اپنی خواہش نفسانی کے مطابق یا لاعلمی میں اور تفسیر کی شرط کا لحاظ رکھے بغیر، قواعد عربی یا نصوص صریحہ کے خلاف، قرآن مجید کے متعلق رائے دے تو ایسی رائے مذموم ہے اور غیر جائز ہے جیسا کہ بدعتی اور گمراہ فرقوں کی تفاسیر ہیں۔ اور تفسیر بالرائے محمود کی صورت یہ ہے کہ ایک مفسر قرآن کریم کی تفسیر بالرائے کی تمام شرائط کو پورا کرتا ہو اور پھر وہ غور و فکر اور اجتہاد کر کے، قرآن کریم کی کسی آیت کے متعلق کوئی ایسی رائے قائم کرے جو کلام عرب اور قرآن و سنت کے موافق ہو تو ایسی رائے محمود ہے جیسا کہ سلف اور خلف میں سے اہل سنت والجماعہ کے مفسرین کی قابل ذکر کاوشیں ہیں۔³

اس باب میں یہ جاننے کی کوشش کی جائے گی کہ تفسیر بالرائے کے ضمن میں شعر او می صاحب اور ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے کیا منہج اختیار کیا ہے۔ اور آخر میں دونوں مفسرین کے منہج کا تقابل بھی کیا جائے گا۔ اس حوالے سے لغوی، فقہی، اور علمی تفسیر کا انتخاب کیا گیا ہے۔

(1) ص: 29

(2) أبو القاسم الحسین بن محمد المعروف بالرأغب الأصفهانی (المتوفى: 502 هجرى)، تفسير الراغب الأصفهانی، تحقیق ودراسه: د. محمد عبدالعزیز بیہونی، کلیۃ الآداب - جامعۃ طنطا، طبع: اول، 1999 م، ص: 37/1

(3) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: أبو عبد اللہ محمد بن أحمد بن أبی بکر بن فرح الأنصاری الخزرجی شمس الدین القرطبی (المتوفى: 671 هجرى)، الجامع لأحكام القرآن (تفسير القرطبی)، تحقیق: أحمد البردونی و إبراہیم أطفیش، دارالکتب المصریة - القاهرة، طبع: دوم، 1964 م، ص: 38-31/1، ابن تیمیہ، مقدمہ فی اصول التفسیر، ص: 46-50 اور محمد بن أبی بکر بن أبیوب ابن قیم الجوزیہ (المتوفى: 751 هجرى)، اعلام الموقعین عن رب العالمین، تحقیق: محمد عبدالسلام إبراہیم، دارالکتب العلمیہ، بیروت، طبع: اول، 1991ء، ص: 67-42

فصل اول

قرآن کریم کی لغوی تفسیر میں دونوں مفسرین کے منہج کا تقابلی مطالعہ

مقدمہ فصل: لغوی تفسیر کا تعارف

مبحث اول: لغوی تفسیر میں امام شعرابی کا منہج

مبحث دوم: لغوی تفسیر میں ڈاکٹر اسرار احمد کا منہج

مبحث سوم: لغوی تفسیر میں دونوں مفسرین کے منہج کا تقابلی جائزہ

مقدمہ فصل:

لغوی تفسیر کا تعارف

لغوی تفسیر کی تعریف یہ ہے:

"التفسيرُ اللغويُّ: بيان معاني القرآن بما ورد في لغة العرب"¹

(ترجمہ: لغوی تفسیر سے مراد لغتِ عرب سے قرآن کے معنی بیان کرنا ہے)

اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن کریم کو واضح عربی زبان میں نازل فرمایا ہے لہذا ہر مفسر کتاب پر یہ لازم ہے کہ وہ عربی لغت اور اس کے قواعد میں مہارت رکھتا ہو ورنہ وہ اپنی تفسیر میں لغت کی عدم معرفت کے سبب بہت سی غلطیوں کا ارتکاب کر جائے گا یعنی کبھی تو وہ تفسیر کرنے سے ہی عاجز آجائے گا اور کبھی تاویلات بعیدہ کرتا پھرے گا۔

اجتہاد اور قوت استنباط صحابہ کرم رضی اللہ عنہم کے اہم ترین تفسیری مصادر میں سے تھے۔ اس اجتہاد اور قوت استنباط کا ایک انتہائی اہم ذریعہ عربی زبان کی طرف رجوع اور اس کے حالات، راز و اصطلاحات کو جاننا، اور عرب کے اشعار اور شعر و نثر میں ان کی عادات کی معرفت تھی۔ اسی لئے صحابہ کرام نے اکثر عربی شاعری کا حوالہ دیا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

"الشَّعْرُ دِيْوَانُ الْعَرَبِ فَإِذَا خَفِيَ عَلَيْهِمُ الْحَرْفُ مِنَ الْقُرْآنِ الَّذِي أَنْزَلَهُ اللَّهُ بَلَّغْتِهِمْ رَجَعُوا إِلَى دِيْوَانِهِمْ فَالْتَمَسُوا مَعْرِفَةَ ذَلِكَ"²

(ترجمہ: شاعری عرب کا دیوان ہے اور جب ہم پر اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قرآن کا کوئی حرف مخفی ہوتا جسے اللہ نے عربوں کی زبان میں نازل کیا ہے تو ہم عرب کے دیوان کی جانب رجوع کر کے اس کی معرفت حاصل کرتے)

اسی سبب بعد میں آنے والے علماء امت نے بھی ہمیشہ اس جانب توجہ دلائی ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"لَا أُوتَى بِرَجُلٍ يُفَسِّرُ كِتَابَ اللَّهِ غَيْرَ عَالِمٍ بِلُغَةِ الْعَرَبِ إِلَّا جَعَلْتُهُ نَكَالًا"³

(1) مساعدا بن سلیمان بن ناصر الطیار، التفسیر اللغوی للقرآن الکریم، دار ابن الجوزی، 1432ھ، ص: 38

(2) أبو عبد اللہ بدر الدین محمد بن عبد اللہ بن بہادر الزرکشی (المتوفی: 794ھ)، البرہان فی علوم القرآن، المحقق: محمد أبو الفضل إبراهیم، دار احیاء الکتب العربیہ

عیسیٰ البابلی الحلبی وشرکاء، اور دار المعرفۃ، بیروت، لبنان، طبع: اول، 1957م، ص: 294/1

(3) ایضاً، ص: 292/1

(ترجمہ: اگر میرے پاس کوئی ایسا شخص آئے جو عربی زبان کا عالم نہ ہونے کے باوجود کتاب اللہ کی تفسیر کرتا ہو تو میں اسے قابل عبرت بنا دوں گا)

قواعد تفسیر میں سے ہے کہ ایسی تفسیر جو آیت کے الفاظ اور اس کے سیاق و سباق سے مطابقت نہیں رکھتی وہ مردود ہے۔ بلکہ زبان میں ثابت شدہ ہر معنی پر قرآن مجید کو محمول کرنا بھی درست نہیں ہے۔ یہ لازمی ہے کہ قرآن کریم کی تفسیر ان قوی اور مشہور لغوی و اعرابی وجوہ پر کی جائے جو سیاق سے میل کھاتی ہوں اور ادلہ شرعیہ سے بھی موافقت رکھتی ہوں، نہ کہ ضعیف، غریب اور شاذ وجوہ پر۔¹

اسی طرح لغوی قواعد کی معرفت سے مراد صرف نحو و صرف نہیں ہے بلکہ اس سے جملہ علم لسان مراد ہے جس میں الفاظ و معانی کی تمام صورتیں شامل ہیں۔²

اس فصل میں قرآن کریم کی لغوی تفسیر کے حوالے سے دونوں مفسرین کے منہج کو جاننے کی کوشش کی جائے گی اور آخر میں دونوں کے منہج کا تقابل کیا جائے گا۔

(1) دیکھیے: حسین بن علی بن حسین الحرلی، قواعد الترتیج عند المفسرین در اساتذہ نظریہ تطبیقیہ، دار القاسم، ریاض، طبع: اول، 1996 م، ص: 363، 369،

(2) دیکھیے: ابراہیم بن موسیٰ بن محمد اللغنی الغرناطی المشہور بالشاطبی (المتوفی: 790 ہجری)، الموافقات، للمحقق: أبو عبیدۃ مشہور بن حسن آل سلمان، دار ابن

بحث اول

لغوی تفسیر میں امام شعر اوی کا منہج

شعر اوی عربی زبان میں مہارت رکھتے تھے اور اسی سبب اپنی تفسیر میں ان کا زیادہ تر رجحان لغوی تفسیر ہی کی جانب رہا ہے۔ شاید ہی کوئی آیت ہو گی جہاں شعر اوی نے لغوی مباحث میں سے کسی کا ذکر نہ کیا ہو۔ آپ نے اعراب اور نحوی و صرفی مسائل پر بھی کلام کیا ہے لیکن مفردات کی شرح پر آپ نے خصوصی توجہ دی ہے۔ آپ ہمیشہ سب سے پہلے آیت کی لغوی تحلیل اور مفردات کی لغوی اور قرآنی تشریح کرتے جس کے بعد دیگر تفسیری نکات کو بیان کرتے۔ آپ کلمات قرآنی کے معانی جاننے کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

" فالقرآن الكريم له أسلوب مميز؛ لأن الذي يتكلم هو الله سبحانه وتعالى. ولذلك فإن كل لفظ من ألفاظ القرآن الكريم يأتي مطابقاً للمعنى تماماً. وفي اللغة، قبل أن تتكلم لا بد أن تكون عالماً بمعنى اللفظ. وأن يكون محدثك أيضاً عارفاً معناه حتى يستطيع أن يفهمك. فإذا قلت لإنسان مثلاً: أحضر لي كوباً من الماء لأشرب، فلا بد أن يكون عارفاً لمعنى الماء ومعنى الكوب، وإلا فإنه لن يفهم." ¹

(ترجمہ: قرآن کریم کا ایک الگ اسلوب ہے، کیونکہ کلام کرنے والا خود اللہ تعالیٰ ہے۔ لہذا، قرآن کریم کا ہر ایک لفظ ایک خاص معنی کی مطابقت سے استعمال ہوا ہے۔ اور کسی بھی زبان میں، بولنے سے پہلے، آپ کو لازماً اس لفظ کے معنی سے آگاہ ہونا چاہیے۔ اور یہ کہ آپ کے سامعین بھی اس کے معنی جانتے ہوں تاکہ وہ آپ کو سمجھ سکے۔ یعنی مثال کے طور پر اگر آپ کسی شخص سے کہتے ہیں: میرے پاس پینے کے لئے ایک پیالہ پانی لاؤ، تو اسے پانی کے معنی اور پیالے کا مفہوم معلوم ہونا چاہئے، ورنہ وہ بات نہیں سمجھ سکے گا)

ذیل میں شعر اوی کے اس منہج کو جو انہوں نے لغوی تفسیر کے حوالے سے اختیار کیا ہے چند مثالوں کی روشنی میں بیان کیا جا رہا ہے۔

1۔ مفردات قرآنی کے رائج معنی کو بیان کرنا

شعر اوی بعض مقامات پر مفردات کی شرح میں سابقہ مفسرین کے اقوال کو بیان کرنے کے بعد کسی رائے کو رائج قرار دیتے ہیں یا ان آراء میں تطبیق پیدا کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر قول باری تعالیٰ:

﴿وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيتًا﴾ ²

کی تفسیر کے دوران آپ "مُّقِيتًا" کی شرح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ بعض علماء کے نزدیک اس کلمہ کے معنی "گواہ" کے ہیں اور بعض کے نزدیک: "حسیب" جبکہ بعض نے کہا کہ (مُّقِيتًا) کے معنی (ماخ القوت) قوت عطا کرنے

(1) تفسیر الشعر اوی، ص: 5316/9

(2) النساء: 85

والا ہیں، چوتھے نے کہا کہ اس سے مراد "حفیظ" ہے، پانچویں نے کہا کہ اس سے مراد "رقیب" ہے۔ اگرچہ اس مسئلے میں اختلاف کا کوئی داعیہ نہیں ہے، ان سابقہ معانی میں سے ہر معنی درست ہے لیکن اس کا جامع ترین معنی خود لفظ (مُقِیتاً) کے اندر مضمر ہے۔ (مقیت) (قاتہ) سے ہے یعنی (أعطاہ القوت) (ترجمہ: اس نے اسے قوت عطا کی)، اور اللہ انسان کو قوت کیوں دیتا ہے، تاکہ وہ اپنی زندگی کی حفاظت کر سکیں تو اس اعتبار سے (مقیت) سے مراد وہ ذات ہے جو انہیں وہ چیز عطا کرتا ہے جو ان کی زندگی کی حفاظت کرتی ہے۔ لہذا ہم یہ نہیں کہتے کہ علماء نے اس کے معنی میں اختلاف کیا بلکہ ہم یوں کہتے ہیں کہ ہر عالم نے ایک خاص نقطہ ملحوظ خاطر رکھا۔¹

2۔ مثالوں سے مفرد کا معنی واضح کرنا

قول باری تعالیٰ:

﴿وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاِلٰی اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ﴾²

(ترجمہ: جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے اور سارے معاملات اسی کی طرف

لوٹائے جائیں گے)

کی تفسیر کے تحت شعر اوی "تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ" کی وضاحت میں یہ بیان کرتے ہیں کہ اسی طرح مومن اور کافر بھی اللہ کی جانب لوٹیں گے لیکن مومنین تو اپنی مرضی سے جائیں گے مگر کافر دھکیلے جائیں گے۔ آپ فرماتے ہیں:

"ولذلك نجد التعبير القرآني: {يَوْمَ يُدْعَوْنَ إِلَىٰ نَارٍ جَهَنَّمَ دَعًا}³ هناك من يدفعهم إلى النار دفعا. وفي حياتنا والله المثل الأعلى، نجد الشرطي يمسك بالمجرم من ملابسة ويدفعه إلى السجن. ذلك هو الدع. وهكذا يكون قول الحق: {وَالْيَهُ تُرْجَعُونَ} بضم التاء وفتح الجيم، أي أنه مدفوع بقوة قاهرة إلى النهاية. أما المؤمن الواثق فهو يهرول إلى آخرته مشتاقا لوجه ربه."⁴

(ترجمہ: اسی لئے ہم (کافروں کے لئے) یہ قرآنی تعبیر پاتے ہیں: (ترجمہ: جس دن وہ دوزخ کی آگ کی طرف بری طرح سے دھکیلے جائیں گے) یعنی وہاں ایسی شخصیت ہوگی جو انہیں آگ کی جانب دھکیلے گی اور ہم اپنی زندگی میں اس کی بہترین مثال دیکھتے ہیں کہ کیسے ایک پولیس والا مجرم کو اس کے کپڑوں سے پکڑ کر جیل میں دھکیل دیتا ہے اور یہی (الدع) ہے اور اسی طرح حق تعالیٰ کا قول ہے: (اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے) (ت) کے ضمہ اور (ج) کے فتح کے ساتھ یعنی وہ قوت سے اپنے انجام کی جانب دھکیلا جائے گا البتہ حقیقی مومن اپنے رب کے چہرے کا مشتاق بن کر تیزی سے آخرت کی جانب چل کر جائے گا۔)

(1) تفسیر اشعراوی، ص: 2494/4

(2) آل عمران: 109

(3) الطور: 13

(4) تفسیر اشعراوی، ص: 1674/3

یہاں شعر اوی نے ایک معاشرتی مثال سے لفظ (الدع) کے مفہوم کو واضح کیا ہے۔ جس سے اس آیت کی تعبیر کا ایک تصویری خاکہ بنتا ہے جو بلاشبہ مفہوم آیت میں معاون ہے۔

3۔ کسی مفرد کی شرح میں اس کے اصل لغوی مفہوم کا استعمال

قرآن کریم کی لغوی تفسیر اور مفردات کے معنی سمجھنے میں ان کے اصل مفہوم کی بہت اہمیت ہے اور اکثر مفسرین یہ بیان کرتے ہیں کہ فلاں لفظ لغت میں اصلاً فلاں معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ شعر اوی مفردات قرآنی کی اصل سے آگاہ تھے۔ مثال کے طور پر لفظ "وسوس" کی تفسیر میں آپ فرماتے ہیں:

و «وسوس» مأخوذة من الصوت المغربي، لأن الوسوسة هي صوت رنين الذهب والحلي، إذن فما قاله الشيطان لآدم وزوجه هو كلام مغربي ليلفتنهما عن أوامر رب حكيم.¹

(ترجمہ: (وسوس) کا لفظ لغت میں (الصوت المغربي) "دھوکہ دینے والی پرکشش آواز" سے ماخوذ ہے کیونکہ وسوسہ سونے اور زیورات کے کھنکنے سے پیدا ہونے والی آواز کو کہتے ہیں لہذا شیطان نے آدم اور انکی بیوی سے جو کہا وہ دھوکہ دینے والا کلام تھا جس کا مقصد ان دونوں کو رب حکیم کے اوامر سے پھیرنا تھا۔)

شعر اوی کے اس کلام سے لفظ "وسوس" کا مفہوم انتہائی خوبصورتی سے سامنے آتا ہے کہ یہ محض کوئی ایک خیال نہ تھا جو شیطان نے حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام کے دل میں ڈالا تھا بلکہ اس نے دل لبھانے والے پرکشش انداز میں ان دونوں کو دھوکہ دیتے ہوئے اس فعل کے لئے قائل کیا تھا۔

4۔ قریب المعنی / مترادف الفاظ کے معانی میں تفریق

شعر اوی اپنی تفسیر میں کئی مقامات پر مفردات کے معنی کو بہت زیادہ تفصیل سے بیان کرتے ہیں اور اس دوران قریب المعنی الفاظ میں موجود باریک فرق کو بھی واضح کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر قول باری تعالیٰ:

﴿كَيْفَ وَإِنْ يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوا فِيكُمْ إِلَّا وَلَا ذِمَّةً ---﴾²

(ترجمہ: ان کا عہد معتبر ہو بھی کیسے سکتا ہے جبکہ اگر وہ تم پر قابو پائیں تو تمہارے معاملہ میں نہ کسی رشتہ کا لحاظ رکھیں گے اور نہ عہد کا)

کی تفسیر کے تحت کلمہ "يَرْقُبُوا" کی شرح کرتے ہوئے شعر اوی کہتے ہیں:

"ونلاحظ أن كلمة «يرقبون» غير «ينظرون»، وغير «يبصرون»، وهي أيضا غير «يلمحون» وغير «يرمقون»، مع أنها كلها تؤدي معنى الرؤية بالعين، ولكن يرقب تعني يتأمل ويتفحص باهتمام حتى لا تفوته حركة، لذلك إذا قلنا: إن فلانا يراقب فلانا، أي لا تفوته حركة من حركاته وهو ينظر لكل

(1) تفسیر الشعر اوی، ص: 4082/7

(2) النوب: 8

حركة تصدر منه. أما كلمة «نظر» فتعني رأى بجميع عينيه، وكلمة «لمح» تعني رأى بمؤخر عينيه، «رمق» أي رأى من أعلى.¹

(ترجمہ: ہم یہ دیکھتے ہیں کہ کلمہ (یرقبون) کلمہ (ینظرون)، (یصرون)، (یلمحون) اور (یرمقون) سے مختلف ہے، اگرچہ یہ سب آنکھوں سے دیکھنے کے معنی کی جانب رہنمائی کرتے ہیں لیکن (یرقب) کا مطلب ہے غورو فکر کرنا اور دلچسپی کے ساتھ جانچنا تاکہ کسی قسم کی حرکت بھی پوشیدہ نہ رہے، لہذا اگر ہم کہتے ہیں کہ: إن فلانا یراقب فلاناً، یعنی، فلاں سے فلاں کی کوئی حرکت فوت نہیں ہوتی جبکہ وہ اس کی ہر حرکت کو دیکھتا ہے۔ جہاں تک (نظر) کا تعلق ہے تو اس کا مطلب اپنی پوری آنکھوں سے دیکھنا ہے، اور لفظ (لمح) کا مطلب ہے اپنی آنکھوں کے پچھلے حصے سے دیکھنا، جبکہ (رمق) کا مطلب ہے اوپر سے دیکھنا۔)

5۔ مفرد کے اشتقاقی معنی کا بیان

عربی زبان میں مصدر اور مشتقات کی بحث مفرد کے معنی سمجھنے کے لحاظ سے بہت اہم ہے اسی لئے شعر اوی نے اس جانب بھی خصوصی توجہ دی ہے مثلاً قول باری تعالیٰ:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ ---﴾²

(اے ایمان والو! اللہ کی خاطر قائم رہنے والے اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بنو)

کی تفسیر میں کلمہ "القسط" کی شرح میں شعر اوی فرماتے ہیں:

"وكلمة «القسط» تأتي منها اشتقاقاً كثيرة، وهي من الألفاظ التي قد تدل على العدل وقد تدل على الجور... «وقَسَطَ» معناها «عدل». والفعل المضارع لها هو يقسط. والمصدر «قسطاً»، ومرة يكون المصدر «قُسوطاً». والمصدر هو الذي قد يحول المعنى من العدل إلى الجور.... ولذلك نسمع قول الحق سبحانه وتعالى: {وَأَمَّا الْقَاسِطُونَ فَكَانُوا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا} ³ والقاسطون هنا هم الظالمون، فالقسط هنا من قسط يقسط قُسوطاً. وفي الآية التي نحن بصدد خواطرنها عنها يقول الحق: {شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ} أي شهداء بالعدل.⁴

(ترجمہ: کلمہ (القسط) سے بہت سے مشتقات بنتے ہیں اور یہ ان الفاظ میں سے ہے جو عدل کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں جب کہ یہ کبھی (الجور) یعنی ظلم کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے... (قَسَطَ) کے معنی ہے (عَدَلَ) اور اس سے مضارع (يقسط) بنے گا اور مصدر (قسطاً) ہوگا۔ کبھی اس کا مصدر (قُسوطاً) ہوتا ہے۔ اور مصدر ہی ہے جو اس کے معنی کو عدل سے جور کی جانب لے جاتا ہے۔ لہذا (القسط) بمعنی عدل اور (قسط يقسط) بمعنی جار و ظلم۔۔۔۔۔ اسی لئے قول باری تعالیٰ ہے: وَأَمَّا الْقَاسِطُونَ فَكَانُوا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا اور)

(1) تفسیر الشعر اوی، ص: 4901/8

(2) المائدة: 8

(3) الجن: 15

(4) تفسیر الشعر اوی، ص: 2972/5

القاسطون) سے مراد (الظالمون) ہیں سو (القسط) یہاں (قسط يقسط قسوطا) کے معنی میں ہے۔ اور جس آیت کا مطالعہ ہم ابھی کر رہے ہیں اس میں (شَهْدَاءٌ بِالْقِسْطِ) سے مراد ہے کہ (شهداء بالعدل) یہاں شعر اوی نے اس امر کی بہترین وضاحت کی ہے کہ کس طرح مصدر کے فرق کی وجہ سے بظاہر ملتے جلتے الفاظ کے معنی میں دوری پیدا ہو جاتی ہے۔

6۔ مفرد کی اصل کی تحقیق/قرآن کی زبان

قرآن کریم واضح عربی زبان میں نازل ہوا ہے البتہ کیا قرآن کریم میں تمام الفاظ عربی ہیں یا نہیں اس حوالے سے علمائے امت کے درمیان اختلاف موجود رہا ہے۔ بعض کے نزدیک کل قرآن عربی ہے اور بعض کے نزدیک اس میں بعض عجمی الفاظ بھی موجود ہیں لیکن وہ اپنی قلت کے سبب قرآن کریم کی عربیت پر اثر انداز نہیں ہوتے۔ جبکہ دیگر علماء، جن میں شعر اوی بھی شامل ہیں، نے دونوں اقوال میں یہ تطبیق پیدا کی ہے کہ قرآن کریم میں بعض ایسے بعض الفاظ وارد ہوئے ہیں جو اصلاً عجمی تھے لیکن عربوں نے ان کا استعمال کیا اور انہیں وقت کے ساتھ عربی بنا دیا، لہذا وہ اب دیگر الفاظ کی طرح عربی ہیں۔¹

سورۃ الفاتحہ کے اختتام میں کلمہ "آمین" کی تفسیر کے دوران شعر اوی اس دقیق مسئلے کے متعلق انتہائی خوبصورتی اور سادگی سے کلام فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"لفظ (آمین) کے بارے میں، علماء میں اختلاف ہے کہ یہ عربی ہے یا نہیں۔ لیکن یہاں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ ایک غیر عربی کلمہ قرآن میں کیسے داخل ہو سکتا ہے جبکہ اللہ نے اس کے متعلق حکم فرمایا کہ یہ قرآن عربی ہے؟ ہم کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں کسی ایسے کلمے کا وارد ہونا جو کہ اصلاً عربی نہیں ہے اس بات کی نفی نہیں کرتا کہ پورا قرآن عربی ہے۔... قرآن کے نازل ہونے سے پہلے ہی بعض الفاظ عربوں کی زبان میں داخل ہو گئے تھے لیکن یہ زبانوں پر اس طرح جاری ہو گئے کہ یہ عربی بن گئے اور کان ان الفاظ سے مانوس ہو گئے۔ عربی (قرآن) سے مراد اصلاً عربی نہیں ہے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن ایک ایسی زبان میں نازل ہوا جو عربوں کے لئے عام ہے۔ جب کوئی (غیر عربی) لفظ بولنے اور سننے میں عام ہو چکا ہو تو بعد میں جن نسلوں کو یہ موصول ہوتا ہے وہ اس کے اور عربی الاصل الفاظ کے درمیان فرق نہیں کرتے ہیں۔"²

قرآن کریم میں غیر عربی الفاظ کی موجودگی کے حوالے سے علماء کے درمیان اختلاف موجود ہے۔ اکثریت کا موقف یہ ہے کہ قرآن مجید میں غیر عربی الفاظ موجود نہیں ہیں۔ ان آئمہ میں امام شافعی، ابو عبیدہ، قاضی ابو بکر اور ابن فارس رحمۃ اللہ علیہم موجود ہیں۔ ان علماء نے ان آیات کریمہ سے استدلال کیا ہے جن میں قرآن مجید کو عربی کہا گیا ہے۔

(¹) دیکھیے: ابو محمد عبدالحق بن غالب بن عبد الرحمن بن تمام بن عطیہ، الأندلسی المحاربی (المتونی: 542 ہجری)، المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز (تفسیر ابن عطیہ)، المحقق: عبد السلام عبدالشانی محمد، دار الکتب العلمیہ، بیروت، طبع: اول، 1422ھ، ص: 51/1 اور تفسیر قرطبی، ص: 68/1

(²) تفسیر الشعر اوی، ص: 90/1

دوسری جانب بعض علماء کا یہ خیال ہے (سیوطی اور شوکانی وغیرہ) کہ قرآن کریم میں بعض غیر عربی الفاظ بھی موجود ہیں مگر وہ معدود چند ہیں جن کی وجہ سے قرآن کریم کے عربی ہونے پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ بعض علماء (ابو عبیدہ، نواب صدیق حسن خان قنوجی وغیرہ) نے دونوں اقوال میں تطبیق پیدا کرنے کی کوشش کی ہے اور یہ موقف اختیار کیا ہے کہ اگر قرآن کریم میں عجمی الفاظ موجود ہیں بھی تو یہ وہ الفاظ تھے جنہیں عربوں نے اپنے کلام میں استعمال کیا یہاں تک کہ وہ انہی کی طرف منسوب ہو گئے۔ خطیب شربینی نے اس جمع کو حسن کہا ہے¹۔ یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ شعر اوی نے بھی دونوں قسم کے اقوال کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔

7۔ ایک لفظ کا مختلف معانی میں استعمال

امام سیوطی کے نزدیک اہل زبان کے نزدیک جب ایک لفظ دو یا دو سے زائد مختلف معانی پر برابر دلالت کرے تو اس کو مشترک لفظی کہتے ہیں۔² یعنی مشترک لفظی میں ایک لفظ بیک وقت کم سے کم دو مختلف معنی پر دلالت کرتا ہے اور لفظ کی دلالت کے اعتبار سے ایک معنی دوسرے معنی پر ترجیح نہیں رکھتا۔ متقدمین کے نزدیک ایسے الفاظ کے لئے وجوہ و نظائر کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے جس کا معنی یہ ہے کہ ایک کلمہ قرآن کی مختلف جگہوں میں لفظ واحد کے طور پر ذکر کیا گیا ہو اور کی حرکات بھی ایک ہوں، لیکن ہر جگہ اس لفظ کا معنی دوسری جگہ سے مختلف ہو۔³ اس اعتبار سے قرآن کریم میں کئی الفاظ مختلف معنوں میں استعمال ہوئے ہیں۔

شعر اوی کے مطابق "مشترک لفظی" سے مراد یہ ہے کہ ایک ہی لفظ اپنے سیاق کے مطابق مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر آیت مبارکہ:

﴿يَبْدِئُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ﴾⁴

(ترجمہ: وہ آسمانوں اور زمین کا موجد ہے اور جب وہ کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے تو بس اتنا کہہ دیتا ہے

کہ "ہو جا" تو وہ ہو جاتی ہے)

(¹) دیکھیے: الاتقان فی علوم القرآن، ص: 320/1 اور البرہان فی علوم القرآن، ص: 287/1

(²) عبد الرحمن بن ابی بکر، جلال الدین السیوطی (المتوفی: 911 ہجری)، المزہر فی علوم اللغۃ و آثوارھا، المحقق: فواد علی منصور، دار الکتب العلمیہ، بیروت،

1998 م، ص: 292/1

(³) جمال الدین أبو الفرج عبد الرحمن بن علی بن محمد الجوزی (المتوفی: 597 ہجری)، نزہۃ الأعمین النواظر فی علم الوجوہ والنظار، المحقق: محمد عبد الکریم کاظم

الراضی، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، طبع: اول، 1984 م، ص: 83/1

(⁴) البقرة: 117

کی تفسیر میں شعر اوی نے بہت خوبصورتی کے ساتھ لفظ "قضى" کی مختلف وجوہ (معانی) بیان کرنے کا اہتمام کیا ہے۔ آپ کے بقول کلمہ (قضى) کے متعدد معنی ہیں اور ایک ایسا معنی بھی ہے جو اپنے اندر تمام معانی کو جمع کر لیتا ہے۔ وہ معانی درج ذیل ہیں:

(1) کبھی تو (قضى) سے مراد فارغ ہونے یا مکمل کرنے کی ہوتی ہے جیسا کہ ارشاد الہی ہے:

﴿فَإِذَا قَضَيْتُمْ مَنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ - - -﴾¹

(ترجمہ: پھر جب تم ارکان حج ادا کر چکو تو اللہ تعالیٰ کو ایسے یاد کرو۔۔۔)

یہاں مراد ہے کہ جب تم اپنے مناسک مکمل کر لو۔

(2) ﴿فَأَقْضِ مَا أَنْتَ قَاضٍ إِنَّمَا تَقْضِي هَذِهِ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا﴾²

(ترجمہ: لہذا جو کچھ تو کرنا چاہتا ہے کر لے تو تو بس اس دنیا کی زندگی کا ہی خاتمہ کر سکتا ہے)

اس آیت میں قضی سے مراد ہے کہ تم کر گزر جو تم چاہو۔

(3) ایک اور آیت میں فرمان الہی ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ﴾³

(ترجمہ: اور کسی مومن مرد اور مومن عورت کو لائق نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا

حکم دے تو انہیں اپنے کام میں اختیار باقی رہے)

یعنی جب اللہ تعالیٰ کچھ حکم فرمادیتے ہیں تو پھر مومنین کے لئے اس معاملے میں اختیار باقی نہیں چھوڑتے۔

(4) ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَنَادُوا يَا مَالِكُ لِيَقْضِيَ عَلَيْنَا رَبُّكَ﴾⁴

(ترجمہ: وہ پکاریں گے: "اے مالک! تمہارا پروردگار ہمارا کام ہی تمام کر دے (تو اچھا ہے))

آیت میں (لیقضی علینا) کا معنی یہ ہے کہ ہمیں مار دے۔

(5) اسی لفظ کا ایک اور معنی اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے:

﴿وَقَالَ الشَّيْطَانُ لَمَّا قُضِيَ الْأَمْرُ إِنَّ اللَّهَ وَعَدَكُمْ وَعَدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُكُمْ فَأَخْلَفْتُكُمْ﴾⁵

(1) البقرة: 200

(2) طہ: 72

(3) الاحزاب: 36

(4) الزخرف: 77

(5) ابراہیم: 22

(ترجمہ: اور جب (تمام امور کا) فیصلہ چکا دیا جائے گا تو شیطان کہے گا کہ "اللہ نے تم سے جو وعدہ کیا تھا وہ سچا تھا اور میں نے بھی تم سے ایک وعدہ کیا تھا جس کی میں نے تم سے خلاف ورزی کی) یعنی جب معاملہ تمام ہو گیا اور جزا واقع ہو گئی۔

(6) ایک اور موقع پر آیت ہے: ﴿فَلَمَّا قَضَىٰ مُوسَى الْأَجَلَ...﴾¹

(ترجمہ: پھر جب موسیٰ نے وہ مدت پوری کر لی) یعنی لفظ قضیٰ مدت پوری کرنے کے معنی میں آیا ہے۔

(7) اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے اس قول میں غور کریں: ﴿وَقُضِيَ بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ﴾²

(ترجمہ: ان کا فیصلہ پورے انصاف سے کیا جائے گا اور ان پر کچھ ظلم نہ ہوگا) یعنی حکم جاری فرما دیا اور ان کے درمیان فیصلہ فرما دیا۔

(8) اور اس آیت مبارکہ میں:

﴿وَقُضِيَٰنَا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَٰئِيلَ فِي الْكِتَابِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْأَرْضِ مَرَّتَيْنِ﴾³

(اس کتاب میں ہم نے بنی اسرائیل کو صاف صاف کہہ دیا تھا کہ تم زمین پر دوبارہ فساد عظیم پکڑو گے) یعنی ہم نے بنی اسرائیل کے علم میں یہ بات ڈال دی۔

ان تمام معانی کو ذکر کرنے کے بعد شعر اوی فرماتے ہیں کہ ان آیات کی روشنی میں یہ معلوم ہوا کہ کلمہ (قضیٰ) کے متعدد معنی ہیں جن کی تحدید سیاق سے ہوتی ہے لیکن اس کا ایک معنی ایسا بھی ہے جس میں تمام معانی سموئے جاسکتے ہیں اور وہ (فیصلہ کرنے) کے ہیں اور یہی اس کے اصل معنی ہیں۔⁴

8۔ کسی مفرد کے شرعی معنی کا بیان

عربی لغت میں نزول قرآن سے قبل بعض الفاظ کسی خاص لغوی معنی میں استعمال ہوتے تھے لیکن قرآن کریم نے ان کا خاص شرعی و اصطلاحی معنی مختص فرما دیا۔ جس طرح "ربا" لغت میں اضافے اور زیادتی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے لیکن شرعی اصطلاح میں ربا سے مراد سود ہے۔ ایک مفسر پر لازم ہے کہ وہ شرح کرتے ہوئے

(1) القصص: 29

(2) یونس: 54

(3) الاسراء: 4

(4) تفسیر الشعر اوی، ص: 551-553

مفردات کے لغوی و اصطلاحی دونوں معنی سے واقف ہو ورنہ اس کی جانب سے غلطی کا ارتکاب ہو سکتا ہے۔ اس ضمن میں قول باری تعالیٰ:

﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا...﴾¹

(ترجمہ: صدقات تو دراصل فقیروں مسکینوں اور ان کارندوں کے لئے ہیں جو ان (کی وصولی) پر مقرر ہیں)

کی تفسیر میں کلمہ "صدقات" کی وضاحت کرتے ہوئے شعر اوی فرماتے ہیں:

"وقول الحق سبحانه وتعالى: {إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ} معناها: أن الصدقات محصورة في هؤلاء ولا تتعداهم. فمن هم هؤلاء الذين حصر الحق سبحانه وتعالى فيهم الصدقة؟ وما المراد هنا بالصدقة؟ هل هي صدقة التطوع أو الزكاة؟ نقول: ما دام الحق سبحانه وتعالى قد حدد لها مصارف فهي الزكاة، ولسائل أن يسأل: لماذا لم يقل الحق سبحانه وتعالى الزكاة وقال الصدقة؟ ونقول: ألا ترى - في المجتمعات غير الإيمانية الملحدة - أن من الناس من يكفرون في إنشاء مؤسسات اجتماعية لرعاية الفقراء؟ إن عطف الإنسان على أخيه الإنسان هو أمر غريزي خلقه الله فينا جميعاً، ولذلك كان يجب أن نفهم أن الزكاة صدقة"²

(ترجمہ: اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتے ہیں: {إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ..}) یعنی صدقات صرف ان ہی لوگوں تک محصور ہیں گے۔ یہ کون لوگ ہیں جن کے لئے اللہ نے صدقہ کو خاص کر دیا ہے؟ اور یہاں صدقہ سے کیا مراد ہے؟ کیا یہ نفلی صدقہ ہے یا زکاة؟ ہم کہتے ہیں: جب اللہ تعالیٰ نے مصارف کی تحدید کر دی تو یہ زکاة ہے۔ ایک سائل یہ سوال کر سکتا ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے یہاں صدقہ کی جگہ زکاة کا لفظ کیوں نہیں استعمال کیا؟ ہم کہیں گے کہ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ کفریہ اور ملحدانہ معاشروں میں بھی لوگ فقراء کی بہبود و فلاح کے لئے ادارے بناتے ہیں؟ انسان کا اپنے انسان بھائی کے لئے ہمدردی رکھنا فطری چیز ہے جو اللہ نے ہم سب میں رکھی ہے۔ ہمیں یہ سمجھنا چاہئے کہ زکاة صدقہ ہی ہے)

یہاں شعر اوی نے سیاق و سباق سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ لفظ "صدقات" یہاں اپنے لغوی معنی کی جگہ اصطلاحی معنی میں استعمال ہوا ہے اور پھر آپ نے اس کی حکمت بھی بیان فرمائی۔

9۔ سیاق قرآنی سے مفرد کے معنی کا بیان / دو آیات میں تقابل سے مفرد کی شرح

شعر اوی کے نزدیک قرآن کریم میں جب ایک مفرد متعدد مقامات پر استعمال ہو رہا ہو تو اس کا کوئی ایک خاص معنی نہیں لیں جائے گا بلکہ ہر جگہ سیاق کے اعتبار سے معنی کا تعین کرنا ہوگا³۔

(¹) التوبہ: 60

(²) تفسیر الشعر اوی، ص: 5220/9

(³) ایضاً، ص: 2667/5

آپ نے اپنی تفسیر میں متعدد مقامات پر سیاق کی مدد سے مفردات اور جملوں کے معانی بیان کیے ہیں۔ مثال کے طور پر قول باری تعالیٰ:

﴿وَأَتَاكُمْ مِنْ كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تَحْصُوهَا إِنَّ الْإِنْسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ﴾¹

(ترجمہ: اور جو کچھ بھی تم نے اللہ سے مانگا وہ اس نے تمہیں دیا۔ اور اگر اللہ کی نعمتیں گننا چاہو تو کبھی

ان کا حساب نہ رکھ سکو گے۔ انسان تو ہے ہی بے انصاف اور ناشکرا)

کی تفسیر کرتے ہوئے شعر اوی قرآن میں اس آیت سے ملتی جلتی دوسری آیت ذکر کرتے ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا إِنَّ اللَّهَ لَعَفُورٌ رَحِيمٌ﴾²

اور اگر تم خدا کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو گن نہ سکو۔ بے شک خدا بخشنے والا مہربان ہے

ان آیات میں تقابل سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک جگہ تو نعمتوں کا بیان فرما کر کہا گیا کہ "انسان بڑا بے انصاف

اور ناشکرا ہے" جبکہ دوسری جگہ فرمایا کہ "بے شک خدا بخشنے والا مہربان ہے"۔ شعر اوی اس کی حکمت سیاق و سباق میں

تلاش کر کے بیان فرماتے ہیں کہ سورہ ابراہیم کی آیت میں جہاں نعمتوں کا بیان کفرانِ نعمت اور جحود کی مناسبت سے آیا

وہاں فرمایا: "انسان بڑا بے انصاف اور ناشکرا ہے" جیسا کہ اس آیت سے چند آیتیں قبل یہ فرمایا گیا تھا کہ: (کیا تم نے ان

لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے خدا کے احسان کو ناشکری سے بدل دیا۔ اور اپنی قوم کو تباہی کے گھر میں اتارا) اور سورۃ

النحل کی آیت میں نعمتوں کا بیان اس اعتبار سے آیا کہ اللہ کی رحمت نے ہمیں ڈھانپ رکھا ہے لہذا وہاں فرمایا:

"بے شک خدا بخشنے والا مہربان ہے۔"³

10۔ نحو اور اعراب کا تفسیر میں استعمال

شعر اوی نحو میں مہارت رکھتے تھے اور اس کا بہترین استعمال انہوں نے آیات اور مفردات قرآنی کی تشریح

میں کیا ہے۔ گویا آپ کی تفسیر ایک نحوی تفسیر کہلائی جاسکتی ہے کیونکہ آپ تفسیر شعر اوی میں ایسے متعدد مقامات سے

گزریں گے جہاں انہوں نے اسماء، افعال یا حروف کے حوالے سے نحوی مباحث میں سے کسی بحث کا تذکرہ کیا ہوا ہے

۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ بعض مقامات پر آپ پہلے ایک نحوی قاعدہ کو بیان کرتے ہیں اور پھر آیت پر اس کی تطبیق

بھی کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ قول باری تعالیٰ:

(¹) ابراہیم: 34

(²) النحل: 18

(³) تفسیر شعر اوی، ص: 7561/12

﴿وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾¹

(ترجمہ: مگر جو شخص راہ راست کے واضح ہو جانے کے بعد رسول کی مخالفت کرے اور مومنوں کی راہ چھوڑ کر کوئی اور راہ اختیار کرے تو ہم اسے ادھر ہی پھیر دیتے ہیں جدھر کا خود اس نے رخ کر لیا ہے، پھر ہم اسے جہنم میں جھونک دیں گے جو بہت بری بازگشت ہے)

کی تفسیر میں شعر اوی لفظ "مَنْ" کی وضاحت کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"وقد يأتي لفظ من المحتمل أن يكون أداة شرط ويحتمل أن يكون اسماً موصولاً مثل قولنا: مَنْ يذاكِرُ ينجح. بالضم فيهما، و «من» هنا هي اسم موصول؛ فالذي يذاكر هو مَنْ ينجح. وقد نقول: مَنْ يذاكِرُ ينجح. بالسكون وهنا «مَنْ» شرطية... مثال ذلك قوله الحق: {وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ} ونجد «يتبع» هنا عليها سكون الجزم، وهذا يدل على أن «مَنْ» شرطية.² (ترجمہ: لفظ "من" کبھی تو اسم موصولہ ہوتا ہے اور کبھی اداة الشرط ہوتا ہے مثلاً: اگر ہم کہیں "مَنْ يذاكِرُ ينجح" یعنی دونوں افعال پر پیش ہو تو ایسی صورت میں لفظ "مَنْ" اسم موصولہ ہوگا اور اگر ہم کہیں: "مَنْ يذاكِرُ ينجح" یعنی دونوں افعال پر جزم ہو تو ایسی صورت میں لفظ "مَنْ" اداة الشرط ہوگا... اور قول باری تعالیٰ: وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ میں لفظ "مَنْ" اداة الشرط میں سے ہے کیونکہ "يتبع" پر جزم ہے)

11- صرئی بحث

مثلاً قول باری تعالیٰ:

﴿وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ﴾³

(ترجمہ: اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو)

کی تفسیر کے دوران لفظ "التَّهْلُكَةِ" کی بناوٹ کے متعلق کلام کرتے ہوئے شعر اوی فرماتے ہیں:

"وهذه الآية جاءت بعد آيات القتال، ومعناها: أعدوا أنفسكم للقتال في سبيل الله. وقوله الحق: {وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ} تقتضي منا أن نعرف أن كلمة «تهلكة» على وزن تَفْعُلْه ولا نظير لها في اللغة العربية إلا هذا اللفظ، لا يوجد على وزن تَفْعُلْه في اللغة العربية سوى كلمة «تَهْلُكَة»، والتهلكة هي الهلاك، والهلاك هو خروج الشيء عن حال إصلاحه بحيث لا يُدرى أين يذهب، ومثال ذلك هلاك الإنسان يكون بخروج روحه. والحق يقول: {لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ

(¹) النساء: 115

(²) تفسیر الشعر اوی، ص: 2631/5

(³) البقرة: 195

حَيٍّ عَنْ بَيِّنَةٍ {¹ 2

(ترجمہ: یہ آیت در حقیقت آیات قتال کے بعد آئی ہے اور اس کے معنی ہیں کہ اے مسلمانوں اپنے آپ کو اللہ کی راہ میں قتال کے لئے تیار رکھو! اور حق تعالیٰ کا یہ قول: وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ ہم سے تقاضا کرتا ہے کہ ہم یہ جان لیں کہ لفظ "تھلکہ" اصلاً "تفعلة" کے وزن پر ہے اور عربی میں اس وزن پر لفظ "تھلکہ" کے سوا کوئی لفظ نہیں ہے اور یہ لفظ "تھلکہ" اصلاً "الہلاک" سے ہے اور "الہلاک" سے مراد کسی چیز کا اپنی درست حالت سے نکل جانا ہے کہ کچھ پتہ نہ ہو کہ وہ کہاں جائے گی۔ اور اس کی مثال کے طور پر ہم دیکھتے ہیں کہ انسان کی ہلاکت اس کی روح کے نکل جانے سے ہوتی ہے۔ اور حق تعالیٰ فرماتا ہے: (ترجمہ: تاکہ جو ہلاک ہو وہ اتمام حجت کے بعد ہلاک ہو اور جو زندہ رہے وہ اتمام حجت کے بعد زندہ رہے))

علم صرف ان علوم میں سے ہے جن کی معرفت ایک مفسر کی شرائط میں سے ہے۔ امام زرکشی فرماتے ہیں:

"وفائدة التصريف حصول المعاني المختلفة المتشعبة عَنْ مَعْنَى وَاحِدٍ فَالْعِلْمُ بِهِ أَهَمُّ مِنْ مَعْرِفَةِ النَّحْوِ فِي تَعْرِفِ اللَّغَةِ لِأَنَّ التَّصْرِيفَ نَظَرَ فِي ذَاتِ الْكَلِمَةِ وَالنَّحْوَ نَظَرَ فِي عَوَاضِلِهَا وَهُوَ مِنَ الْعُلُومِ الَّتِي يَحْتَاجُ إِلَيْهَا الْمُفَسِّرُ"³

(ترجمہ: تصریف کا فائدہ یہ ہے کہ (ایک مفرد کے) مختلف و متنوع معانی حاصل ہوں جو ایک معنی سے مختلف ہوں، اور اس کا علم زبان کی معرفت کے لئے علم نحو سے زیادہ اہم ہے۔ کیونکہ صرف ذات کلمہ کا مطالعہ ہے اور نحو اس کے عوارض پر غور کرنا ہے، اور یہ ان علوم میں سے ایک ہے جس کی ایک مفسر کو ضرورت ہے۔)

علم صرف کی اسی اہمیت کے پیش نظر شعر اوی نے اپنی تفسیر میں صر فی مباحث ذکر کرنے کا بھی اہتمام کیا ہے۔

12- قرآنی الفاظ کے معنی بیان کرنے میں جاہلیت کے اشعار سے استدلال

قول باری تعالیٰ:

﴿يَقْدُمُ قَوْمَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأَوْرَدَهُمُ النَّارَ وَبِئْسَ الْوَرْدُ الْمَوْزُودُ﴾⁴

(ترجمہ: وہ قیامت کے دن اپنی قوم کے آگے آگے چلے گا اور انھیں جہنم کے کنارے لاکھڑا کرے گا۔ کتنی بری ہے وارد ہونے کی جگہ جہاں وہ وارد ہوں گے)

کی تفسیر کے دوران "الْوَرْدُ الْمَوْزُودُ" کے حقیقی معنی بیان کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

"جاہلیت کے دور کا شاعر زہیر بن ابی سلمیٰ کہتا ہے:

(1) الانفال: 32

(2) تفسیر الشعر اوی، ص: 830/2

(3) الزرکشی، البرہان فی علوم القرآن، ص: 297/1

(4) ہود: 98

13- بلاغت

قرآن کریم ابدی معجزہ، بہترین کلام، فصاحت کی اعلیٰ ترین مثال اور بلاغت کے اعلیٰ رتبہ پر فائز کلام ہے۔ اسی سبب ہم دیکھتے ہیں کہ شعرِ اووی کی تفسیر میں قرآن کریم میں موجود دیگر لغوی مباحث کے ساتھ بلاغت اور اس سے متعلقہ علوم کے حوالے سے بھی کافی مواد موجود ہے۔ مثلاً قول باری تعالیٰ:

﴿مَثَلُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْلِيَاءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوتِ اتَّخَذَتْ بَيْتًا ۖ ۖ﴾ 2

(ترجمہ: جن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اوروں کو سرپرست بنا رکھا ہے ان کی مثال مکڑی جیسی ہے جس نے اپنا گھر بنایا ہو)

کی تفسیر میں تشبیہ کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے شعرِ اووی فرماتے ہیں:

"كَلِمَةُ (مَثَلٌ) وَرَدَتْ بِمَشْتَقَاتِهَا فِي الْقُرْآنِ الْكَرِيمِ مَرَاتٍ عِدَّةً، وَمَادَّةُ الْمِيمِ وَالْثَاءِ وَاللَّامِ جَاءَتْ لِتَعْبِيرٍ عَنْ مَعْنَى يَجِبُ أَنْ نَعْرِفَهُ، فَإِذَا قِيلَ (مَثَلٌ) بِسُكُونِ الثَّاءِ، فَمَعْنَاهَا التَّشْبِيهُ، لَكِنْ تَشْبِيهُ مُفْرَدٍ بِمُفْرَدٍ. كَمَا فِي قَوْلِهِ تَعَالَى: {لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ} ... 3 {وَقَوْلُهُ تَعَالَى: {وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِثْلُهَا ...} 4. أَمَّا (مَثَلٌ) بِالْفَتْحِ، فَتَعْنِي تَشْبِيهُ قِصَّةٍ أَوْ مُتَعَدِّدٍ بِمُتَعَدِّدٍ، كَمَا فِي قَوْلِهِ تَعَالَى: {وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلًا الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَا أَتْرَكْنَاهُ مِنَ السَّمَاءِ ...} 5 .

(ترجمہ: لفظ (مَثَلٌ) کا تذکرہ متعدد بار قرآن کریم میں اس کے مشتق الفاظ کے ساتھ کیا گیا ہے، اور مادہ میم، تا اور لام جس معنی کا اظہار کرنے آیا تھا اس کا ہمیں پتہ ہونا چاہئے۔ کہا جاتا ہے کہ جب کلمہ (مَثَلٌ) حرفِ ثا پر جزم کے ساتھ آتا ہے تو اس سے مراد مفرد کی مفرد سے تشبیہ ہوتی ہے۔ جیسا کہ قول باری تعالیٰ {لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ} ... اور قول تعالیٰ: {وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِثْلُهَا} ... میں مذکور ہے۔ جبکہ کلمہ (مَثَلٌ) ثا پر زبر کے ساتھ ہو تو اس کا مقصود ایک قصہ کو یا کثرت کو کثرت سے تشبیہ دینا ہوتا ہے، جیسا کہ خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے: {وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلًا الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَا أَتْرَكْنَاهُ مِنَ السَّمَاءِ ...} 6

قرآن کی فصاحت و بلاغت اس کے معجزے کا ایک پہلو ہے، اس کی اعلیٰ فصاحت، اور اس کی عمدہ بلاغت کے

سبب ہی ولید بن مغیرہ نے رسول اللہ ﷺ کی زبانِ اطہر سے قرآن سننے ہی کہا تھا:

(1) تفسیر الشعراوی، ص: 6662/11

(2) العنکبوت: 41

(3) الشوری: 11

(4) الشوری: 40

(5) الکہف: 45

(6) تفسیر الشعراوی، ص: 11174/18

((وَاللّٰهُ اِنَّ لِقَوْلِهِ الَّذِي يَقُولُ حَلَاوَةً، وَاِنَّ عَلَيْهِ لَطَلَاوَةً))¹ (اللہ کی قسم بے شک جو کلام وہ (نبی

ﷺ) پڑھتے ہیں اس میں مٹھاس ہے اور اس (کے ظاہر) میں جمال ہے)

اسی طرح شعراوی نے اپنی تفسیر میں علم البیان میں تشبیہ، استعارہ، کنایہ اور ان کی مختلف اقسام جبکہ علم المعانی میں اسلوب قصر، ایجاز و اطناب اور تقدیم و تاخیر وغیرہ اور علم البدیع میں طباق و جناس اور دیگر بلاغی موضوعات کے حوالے سے مثالیں دے کر کلام کیا ہے۔ اسی طرح آپ نے قرآن کریم کے بیانی اعجاز کو مبرہن کرنے کی بھی کوشش کی ہے۔ گویا آپ کی تفسیر ایسی عمیق اور مفصل لغوی مباحث پر مشتمل ہے جن پر الگ مقالہ جات لکھے جا چکے ہیں۔ موضوع کی حدود میں رہتے ہوئے صرف چند مذکورہ مباحث بمعہ امثلہ پر ہی اکتفا کیا جائے گا۔

اس بحث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تفسیر الشعراوی میں لغوی مباحث کا بہت زیادہ اہتمام کیا گیا ہے مگر اس میں اسلوب انتہائی سادہ اور عام فہم رکھا گیا ہے جس سے ایک عام قاری بھی مستفید ہو سکتا ہے اور اس پر قرآن کریم کا اعجاز ظاہر ہو سکتا ہے۔

(۱) أحمد بن الحسين، أبو بكر البیهقي، دلائل النبوة و معرفة أحوال أصحاب الشريعة، دار الكتب العلمية، بيروت، طبع: اول، 1405ھ، ص: 198/2

مبحث دوم

لغوی تفسیر میں ڈاکٹر اسرار احمد کا منہج

ڈاکٹر اسرار احمد کے اصل مخاطب برصغیر ہندوپاک کے وہ عام لوگ ہیں جو صرف اردو زبان سے آگاہی رکھتے ہیں۔ اسی سبب جہاں آپ نے اپنی تفسیر میں اپنے مخاطبین کو خاطر میں لاتے ہوئے جہاں دیگر دقیق مباحث سے اجتناب کیا ہے وہاں آپ نے ایسی لغوی مباحث سے بھی اجتناب کیا ہے جو عام آدمی کے فہم سے بالاتر ہوں اگرچہ آپ اس موقف کے بھی قائل تھے کہ اہل عرب پر سب سے زیادہ مرعوبیت قرآن حکیم کی فصاحت، بلاغت اور عذوبت ہی سے طاری ہوئی۔¹ آپ کی تفسیر میں لغوی مباحث نہ ہونے کے برابر ہیں البتہ بعض مقامات پر آپ نے حسب ضرورت مفردات کی لغوی شرح بھی کی ہے مگر اس دوران بھی آپ نے سامعین کی عمومی صلاحیتوں کے پیش نظر آسان اسلوب میں کلام کیا ہے۔ ذیل میں لغوی تفسیر کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب کے منہج کو آپ کی تفسیر کی چند مثالوں کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کی جائے گی۔

1۔ قرآن مجید کی زبان

ڈاکٹر صاحب کے بقول قرآن مجید نے بہت تکرار و اعادہ کے ساتھ یہ بیان کیا ہے کہ یہ قرآن واضح عربی میں نازل ہوا ہے،² یعنی شستہ، صاف، سلیس، کھلی اور واضح عربی میں نازل ہوا ہے۔ دیگر زبانوں کی طرح عربی زبان ایک ہے مگر اس کے dialects اور اس کی بولیاں بے شمار ہیں۔ خود جزیرہ نمائے عرب میں متعدد بولیاں تھیں، تلفظ اور لہجے مختلف تھے۔ بعض الفاظ کسی خاص علاقے میں مستعمل تھے اور دوسرے علاقے کے لوگ ان الفاظ کو جانتے ہی نہیں تھے۔ جس طرح آج بھی کہنے کو تو مصر، لیبیا، الجزائر، موریتانیہ اور حجاز کی زبان عربی ہے، لیکن ان تمام ممالک کے لہجوں میں فرق ہے البتہ ان کے ہاں جو فصیح عربی کہلاتی ہے وہ تو ایک ہی ہے۔ یہ درحقیقت ایک اس لیے ہے کہ قرآن مجید نے اسے دوام عطا کیا ہے۔ یہ قرآن مجید کا عربی زبان پر عظیم احسان ہے۔ اس لیے کہ دنیا میں دوسری کوئی زبان بھی ایسی نہیں ہے جو چودہ سو برس سے ایک ہی شان اور ایک ہی کیفیت کے ساتھ باقی ہو۔³

2۔ قرآن میں غیر عربی الفاظ

ڈاکٹر صاحب کے نزدیک قرآن مجید کے تمام الفاظ عربی ہیں البتہ کچھ غیر عربی الفاظ بھی قرآن مجید میں آئے ہیں جو معرب بن گئے ہیں۔ مثال کے طور پر ابراہیم، اسماعیل، اسرائیل، اسحاق، وغیرہ یہ تمام نام درحقیقت عبرانی زبان

(¹) دیکھیے: بیان القرآن، ص: 78/1 اور 82/1

(²) مثال کے طور پر دیکھیے: (سورہ یوسف: 2/12) اور (سورہ زخرف: 3/42)

(³) بیان القرآن، ص: 28-29

کے الفاظ ہیں۔ لفظ ”ایل“ عبرانی زبان میں اللہ کے لیے آتا ہے اور یہ لفظ ہمارے ہاں قرآن مجید کے ذریعے آیا ہے۔ اسی طریقے سے ”سجیل“ کا لفظ فارسی سے آیا ہے۔¹ لفظ ”سجیل“ کے حوالے سے آپ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

”فارسی میں یہ ”سنگ گل“ تھا جو عربی میں آکر ”سجیل“ کا تلفظ اختیار کر گیا۔ سنگ کے معنی پتھر اور گل کے معنی مٹی کے ہیں۔ یعنی مٹی کے پتھر جو گیلی مٹی کے دھوپ میں گرم ہو کر پختہ ہو جانے کے بعد بنتے ہیں، جیسے اینٹوں کو بھٹے میں پکایا جاتا ہے۔“²

3۔ فہم قرآن کے لئے عربی لغت کی معرفت کی شرط

ڈاکٹر اسرار صاحب کے نزدیک ایک عام قاری کو جو قرآن سے تذکیر و ہدایت حاصل کرنا چاہے، اس کے لئے تو شاید بنیادی عربی کا علم بھی کافی ہو گا البتہ اگر کوئی شخص تحقیق و تدبر قرآن کا حق ادا کرنا چاہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ الفاظ کی اصل پوری طرح معلوم کرے اور اس کے بال کی کھال اتارے۔ اسے اشعار جاہلیت کی زبان کو سمجھنا ہو گا جس طرح آئمہ لغت نے گہرائیوں میں اتر کر ہر لفظ کی تحقیق کر کے جاہلی شاعری کو کھنگال کر قرآن میں مستعمل الفاظ کے مادوں کے مفہوم معین کر دیئے ہیں۔³

4۔ مفردات کی لغوی شرح

آپ مقدمہ تفسیر میں لفظ ”قرآن“ کے متعلق یہ موقف اختیار کرتے ہیں کہ قرآن مجید کے ناموں میں سب سے اہم نام ”القرآن“ ہے اور القرآن کے لفظ کا اطلاق کتب سماوی میں سے کسی اور کتاب پر نہیں ہوتا۔ اسی لیے ایک رائے یہ ہے کہ یہ اسم جامد اور اسم علم ہے، اس کا کوئی اور مادہ نہیں ہے، جبکہ دوسری رائے یہ ہے کہ یہ اسم مشتق ہے۔ لیکن پھر اس کے مادے کی تعیین میں اختلاف ہے۔ آپ اس اختلاف کو بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

”ایک رائے کے مطابق اس کا مادہ ”قرن“ ہے، یعنی قرآن میں جو ”ن“ ہے وہ بھی حرف اصلی ہے۔ دوسری رائے کے مطابق اس کا مادہ ”ق رء“ ہے۔ یہ گویا مہموز ہے۔ پھر جن لوگوں نے اس کا مادہ ”قرن“ مانا ہے، ان کی بھی دو آراء ہیں۔ ایک رائے یہ ہے کہ جیسے عرب کہتے ہیں ”قَرَنَ الشَّيْءُ بِالشَّيْءِ“ (ترجمہ: کوئی شے کسی دوسرے کے ساتھ شامل کر دی گئی) تو اس سے قرآن بنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی آیات، اللہ تعالیٰ کا کلام جو وقتاً فوقتاً نازل ہوا، اس کو جب جمع کر دیا گیا تو وہ ”قرآن“ بن گیا۔ امام اشعری بھی اس رائے کے قائل ہیں۔ جبکہ ایک رائے امام فراء کی ہے، جو لغت کے بہت بڑے امام ہیں، کہ یہ قرینہ اور قرائن سے بنا ہے۔ قرائن کچھ چیزوں کے آثار ہوتے ہیں۔ قرآن مجید کی آیات چونکہ ایک دوسرے سے مشابہ ہیں، جیسا کہ سورۃ الزمر میں قرآن مجید کی یہ

(¹) بیان القرآن، ص: 29/1

(²) ایضاً، ص: 85/4

(³) ایضاً، ص: 30/1

صفت وارد ہوئی ہے "كِتَابًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانًى"۔ اس اعتبار سے آپس میں یہ آیات قرناء ہیں۔ چنانچہ قرینہ سے قرآن بن گیا ہے۔¹

دوسرا موقف پیش کرتے ہوئے آپ رقم طراز ہیں:

جو لوگ کہتے ہیں کہ اس کا مادہ قراء ہے وہ قرآن کو مصدر مانتے ہیں۔ قَرَأَ، يَفْرَأُ، قَرَأَ ، وَفَرَاةً وَفُرَاتًا۔ یہ اگرچہ مصدر کا معروف وزن نہیں ہے لیکن اس کی مثالیں عربی میں موجود ہیں۔ جیسے رَجَحَ سے رُجْحَان اور عَفَرَ سے غُفْرَان۔ ان کے مادہ میں "ن" شامل نہیں ہے۔ تو جیسے غفران اور رجحان مصدر ہیں، ایسے ہی قرأ سے مصدر قرآن ہے، یعنی پڑھنا۔ اور مصدر بسا اوقات مفعول کا مفہوم دیتا ہے۔ تو قرآن کا مفہوم ہو گا پڑھی جانے والی شے، پڑھی گئی شے۔²

اس کے بعد آپ اس کا تیسرا مفہوم بیان کرتے ہیں:

"قَرَأَ" میں جمع کرنے کا مفہوم بھی ہے۔ عرب کہتے ہیں: قَرَأْتُ الْمَاءَ فِي الْخَوْضِ (ترجمہ: میں نے حوض کے اندر پانی جمع کر لیا) اسی سے قریہ بنا ہے، یعنی ایسی جگہ جہاں لوگ جمع ہو جائیں۔ گویا قرآن کا مطلب ہے اللہ کا کلام جہاں جمع کر دیا گیا۔ تمام آیات جب جمع کر لی گئیں تو یہ قرآن بن گیا۔ جیسے قریہ وہ جگہ ہے جہاں لوگ آباد ہو جائیں، مل جل کر رہ رہے ہوں۔ تو جمع کرنے کا مفہوم قَرِئَ میں بھی ہے اور "قرن" میں بھی ہے۔ یہ دونوں مادے ایک دوسرے سے بہت قریب ہیں۔ بہر حال یہ اس لفظ کی لغوی بحث ہے۔³

ڈاکٹر صاحب نے اپنی تفسیر میں جا بجا مفردات کی لغوی شرح بیان کی ہے اگرچہ اس میں آپ نے عام طور پر انتہائی اختصار سے کام لیا ہے لیکن بعض مقامات پر آپ نے تفصیل بھی بیان کی ہے۔ مذکورہ بالا مقام پر بھی آپ نے قد تفصیل سے کلام کیا ہے اور لفظ "قرآن" کے متعلق مختلف لغوی آراء ذکر کی ہیں مگر ان میں سے راجح کا تعین نہیں کیا ہے۔

5۔ ملتے جلتے مفردات کا تقابل

عربی زبان میں بعض ایسے ملتے جلتے الفاظ ہیں جن کے درمیان ظاہری طور پر یا معنوی طور پر انتہائی باریک فرق ہوتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنی تفسیر میں ایسے بعض الفاظ کا معنی تقابلی انداز میں بھی پیش کیا ہے۔ مثال کے طور پر آپ قول باری تعالیٰ:

﴿اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ﴾⁴

(1) بیان القرآن، ص: 32/1

(2) ایضاً

(3) ایضاً

(4) البقرة: 15

(ترجمہ: اللہ تعالیٰ ان کا مذاق اڑا رہا ہے اور انہیں ان کی سرکشی میں ڈھیل دیئے جا رہا ہے جس میں وہ

اندھوں کی طرح بھٹکے چلے جا رہے ہیں)

کی تفسیر کے تحت آپ رقم طراز ہیں:

"لفظ "يَعْمَهُونَ" عقل کے اندھے پن کے لیے آیا ہے۔ اس کا مادہ 'ع م ه' ہے۔ آگے آیت 18 میں لفظ

"غَمِي" آ رہا ہے جو 'ع م ی' سے ہے۔ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ "عَمِيَ يَعْمَهُ" بصیرت سے محرومی کے

لیے آتا ہے اور "عَمِيَ يَعْمَى" بصارت سے محرومی کے لیے۔"¹

6۔ مفردات کے لغوی واصطلاحی معنی میں مناسبت

جیسا کہ پہلے بیان ہوا کہ بعض الفاظ کو دین اسلام نے ایک خاص شرعی واصطلاحی مفہوم عطا کیا ہے لیکن اس شرعی مفہوم کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے اس لفظ کا لغوی مفہوم جاننا بھی ضروری ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر صاحب نے بعض مقامات پر کلام کیا ہے۔ مثال کے طور پر لفظ صوم کی حقیقت کو واضح کرتے ہوئے آپ نے یہ بیان کیا ہے کہ عربوں کے ہاں صوم سے مراد وہ عمل تھا جس میں وہ گھوڑوں میں برداشت بڑھانے کے لئے ان سے مشقت کراتے تھے کہ ان کو بھوکا پیاسا رکھتے تھے اور ان کے منہ پر ایک "تو بڑا" چڑھا دیتے تھے۔ مزید یہ کہ عرب اس طور پر گھوڑوں کو بھوکا پیاسا رکھ کر موسم گرما اور لو کی حالت میں انہیں لے کر میدان میں جا کھڑے ہوتے تھے۔ وہ اپنا بچاؤ اختیار کر کے ان گھوڑوں کا منہ سیدھا لو اور باد صرصر کے تھپیڑوں کی طرف رکھتے تھے، تاکہ ان کے اندر بھوک پیاس کے ساتھ ساتھ لو کے ان تھپیڑوں کو برداشت کرنے کی عادت بھی پڑ جائے۔ یہ عمل اس لئے ہوتا تھا کہ گھوڑے کسی جنگ، ڈاکے یا مہم کے دوران کمزوری نہ دکھائیں۔ ایسے گھوڑے کو عرب صائم کہتے تھے۔² ڈاکٹر صاحب رقم طراز ہیں:

"وہ جنگ کے لیے گھوڑے کو تیار کرواتے تھے، تمہیں (مسلمانوں) تقویٰ کے لیے اپنے آپ کو تیار کرنا ہے

۔ روزے کی مشق تم سے اس لیے کرائی جا رہی ہے تاکہ تم بھوک کو قابو میں رکھ سکو، شہوت کو قابو میں رکھ سکو،

پیاس کو برداشت کر سکو۔ تمہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں جنگ کے لیے نکلنا ہوگا، اس میں بھوک بھی آئے گی، پیاس

بھی آئے گی۔ اپنے آپ کو جہاد و قتال کے لیے تیار کرو۔"³

یہاں ڈاکٹر صاحب نے بہت خوبصورتی کے ساتھ لفظ صوم کے لغوی مفہوم کو روزے کی مقصدیت کے

ساتھ جوڑا ہے۔ اگرچہ یہ روزے کا واحد مقصد نہیں ہے کیونکہ تقویٰ کا حصول جو روزے کا اصل مقصد ہے ایک وسیع

اصطلاح ہے۔ جس سے مراد تمام ظاہری و باطنی امور میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنا ہے۔

(¹) بیان القرآن، ص: 132/1 اور ص: 68/3

(²) ایضاً، ص: 257/1

(³) ایضاً، ص: 259/1

7- عربی اور اردو میں ایک لفظ کے مختلف معنی

عربی زبان کے بے شمار الفاظ اردو میں بھی مستعمل ہیں اور بلاشبہ کسی قرآنی مفرد کی شرح میں ایسے الفاظ کا اردو مفہوم نفع بخش ہوتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب بعض مقامات پر اپنے سامعین کی توجہ اس جانب مبذول کرواتے ہیں جیسے قول باری تعالیٰ:

﴿وَالْجَنَّةُ خَالِقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَارِ السَّمُومِ﴾¹

(ترجمہ: اور جنات کو ہم نے پیدا کیا تھا اس سے پہلے آگ کی لپٹ سے)

کی تفسیر کے دوران لفظ "سموم" کے حوالے سے آپ بیان فرماتے ہیں:

"یہ لفظ (سموم) اردو میں بھی معروف ہے۔ موسم گرما میں صحرائیں چلنے والی تیز گرم ہوا کو بادِ سموم کہتے ہیں۔

آگ کے شعلے کا وہ حصہ جو بظاہر نظر آتا ہے اس کے گرد ہالے کی شکل میں اس کا وہ حصہ ہوتا ہے جو عام طور پر نظر

نہیں آتا۔ شعلے کے اس نظر نہ آنے والے حصے کا درجہ حرارت نسبتاً زیادہ ہوتا ہے۔ یہاں "نار سموم" سے مراد

آگ کی وہی لپٹ یا لو مراد ہے جو شدید گرم ہوتی ہے اور اسی سے جنات کو پیدا کیا گیا ہے۔"²

ڈاکٹر صاحب نے یہاں سموم کا اردو مفہوم بیان کر کے اردو قارئین و سامعین کے لئے آیت کا مفہوم سمجھنا

آسان کیا البتہ جو نا طعین اردو عربی لغت سے معرفت نہیں رکھتے ان پر بعض عربی الفاظ کی اردو میں موجودگی کی وجہ

سے لفظ کا درست مفہوم سمجھنا مشکل ہوتا ہے۔ ایسے مشترک الفاظ ہمیشہ ایک جیسا معنی نہیں رکھتے لہذا ایک مفسر پر

لازم ہے کہ وہ ایسے الفاظ کے عربی و اردو معنی میں تفریق کرتے ہوئے غلط فہمیوں کا ازالہ و سد باب کرے۔ ڈاکٹر

صاحب نے بعض مقامات پر اس کا بھی اہتمام کیا ہے۔ مثلاً قول باری تعالیٰ:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ﴾³

(ترجمہ: اے اہل ایمان، اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور اس کی جناب میں اس کا قرب تلاش کرو)

کی تفسیر کے دوران آپ لفظ وسیلہ کے اردو اور عربی زبان میں مختلف استعمال کی وضاحت کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"یہاں لفظ 'وسیلہ' قابل غور ہے.... لفظ 'وسیلہ' اردو میں تو 'ذریعہ' کے معنی میں آتا ہے، یعنی کسی تک پہنچنے کا

کوئی ذریعہ بنالینا، سفارش کے لیے کسی کو وسیلہ بنالینا۔ لیکن عربی زبان میں 'وسیلہ' کے معنی ہیں 'قرب'۔ بعض

الفاظ ایسے ہیں جن کا عربی میں مفہوم کچھ اور ہے جبکہ اردو میں کچھ اور ہے۔ جیسے لفظ 'ذلیل' ہے، عربی میں اس

کے معنی کمزور، جبکہ اردو میں 'کمینے' کے ہیں۔ جیسا کہ ہم پڑھ آئے ہیں: {وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ}

(آل عمران: ۱۲۳) یعنی اے مسلمانو! یاد کرو اللہ نے تمہاری مدد کی تھی بدر میں جب کہ تم بہت کمزور تھے۔ اب

(۱) الحج: 27

(۲) بیان القرآن، ص: 208/4

(۳) المائدہ: 35

اگر یہاں ذلیل کا ترجمہ اردو والا کر دیا جائے تو ہمارے ایمان کے لالے پڑ جائیں گے۔۔۔۔۔ اسی طرح کا معاملہ لفظ 'وسیلہ' کا ہے۔ اس کا اصل مفہوم 'قرب' ہے اور یہاں بھی مراد لیا جائے گا۔"¹

یہاں آپ نے لفظ "وسیلہ" کے اردو اور عربی زبان کے مختلف استعمال کو بیان کر کے عقیدے میں داخل ہونے والی ایک خرابی کا سد باب کرنے کی کوشش کی ہے اور ایسے تمام لوگوں کا رد کیا ہے جو اس آیت سے غلط مفہوم لینے کی کوشش کرتے ہیں۔

8۔ سائنس کی روشنی میں کسی مفرد کے لغوی معنی کا تعین

ڈاکٹر صاحب بعض آیات کی تشریح کے دوران لغوی اور سائنسی توجیہات کے مابین مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مثلاً قول باری تعالیٰ:

﴿ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً﴾²

(ترجمہ: پھر نطفہ کو ہم نے علقہ بنایا، پھر علقہ کو ایک گوشت کا ٹکڑا سا کر دیا)

کی تفسیر میں آپ رقم طراز ہیں:

"عَلَقَہ کا ترجمہ عام طور پر 'جما ہوا خون' ہوتا آیا ہے جو کہ غلط ہے۔ لغوی اعتبار سے عربی مادہ علق (ع ل ق) سے معلق، تعلق، متعلق، علاقہ وغیرہ الفاظ تو مشتق ہیں لیکن اس لفظ کا جسے ہوئے خون کے مفہوم و معانی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ دراصل جس زمانے میں یہ تراجم ہوئے ہیں اس میں نہ تو dissection کا کوئی تصور تھا اور نہ ہی ابھی مائیکروسکوپ ایجاد ہوئی تھی، لہذا علم الجنین کے بارے میں تمام تر معلومات کی بنیاد ظاہری مشاہدے پر تھی۔ اور چونکہ ابتدائی ایام کا حمل گرنے کی صورت میں رحم سے بظاہر خون کے لو تھڑے ہی برآمد ہوتے تھے، اس لیے اس سے یہی سمجھا گیا کہ رحم مادر میں انسانی تخلیق کی ابتدائی شکل جسے ہوئے خون کے لو تھڑے کی سی ہوتی ہے۔ آج جب ہم جنینیات (Embryology) کے بارے میں جدید سائنسی معلومات کی روشنی میں لفظ عَلَقَہ پر غور کرتے ہیں تو اس کا مفہوم بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ جدید سائنسی معلومات کے مطابق fertilized ovum ابتدائی مرحلے میں رحم کی دیوار کے اندر جما ہوا (embedded) ہوتا ہے، جبکہ اگلے مرحلے میں وہ اس سے ابھر کر bulge out کر کے دیوار کے ساتھ جونک کی طرح لٹکنے لگ جاتا ہے۔ اور یہی دراصل 'علقہ' ہے۔"³

قرآن کریم کا اعجاز تا قیامت قائم رہنا ہے بلکہ وقت کے ساتھ اس کے اعجاز کے دیگر پہلو بھی ظاہر ہو رہے ہیں۔ علمی اعجاز بھی ایسا ہی ایک پہلو ہے جو جدید سائنس کی ترقی کے ساتھ ساتھ مبرہن ہو رہا ہے۔ نزول قرآن کے

(¹) بیان القرآن، ص: 269/2

(²) المؤمنون: 14

(³) بیان القرآن، ص: 169/5

وقت مخاطبین کی مناسبت سے اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں وہ اسلوب اپنایا جو ان لوگوں کے لئے قابل فہم تھے البتہ یہ صرف قرآن کا اعجاز ہے کہ اس سادہ کلام میں آنے والے دور میں ظاہر ہونے والے حقائق سے بھی موافقت پائی جاتی ہے۔ یہاں ڈاکٹر صاحب نے لفظ علقہ کے متعلق ایک ڈاکٹر ہونے کے ناطے بہترین انداز سے رہنمائی فرمائی ہے۔

9۔ علم نحو و صرف

ڈاکٹر صاحب نے اپنی تفسیر میں اپنے ان مخاطبین کی مناسبت سے، جو عربی لغت سے نا آشنا تھے، دقیق نحوی و صرفی مباحث سے کلی طور پر اجتناب کیا ہے البتہ چند ایک مقامات پر آپ نے کچھ نحوی و صرفی مباحث پر انتہائی سادہ اسلوب میں کلام کیا ہے جو بحر حال اس حوالے سے آپ کی معرفت کی دلیل ہے۔ مثال کے طور پر قول باری تعالیٰ:

﴿إِلَّا إِبْلِيسَ أَبَىٰ وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ﴾¹

(ترجمہ: تو سوائے ابلیس کے سب فرشتوں نے اسے سجدہ کیا ابلیس نے اس حکم الہی کو تسلیم نہ کیا

اور گھمنڈ میں آگیا اور کافروں میں شامل ہو گیا)

کی تفسیر میں آپ لفظ "کان" کے متعلق گفتگو فرماتے ہیں:

"كَانَ عربی زبان میں دو طرح کا ہوتا ہے: "تامہ" اور "ناقصہ"۔ کان ناقصہ کے اعتبار سے یہ معنی ہو سکتے ہیں

کہ اپنے اس استکبار اور انکار کی وجہ سے وہ کافروں میں سے ہو گیا۔ جبکہ کان تامہ کے اعتبار سے یہ معنی ہوں گے کہ

وہ تھائی کافروں میں سے۔ یعنی اس کے اندر سرکشی چھپی ہوئی تھی، اب ظاہر ہو گئی۔"²

بیان القرآن میں نحوی مباحث کی طرح صرفی مباحث بھی آسان اور سادہ اسلوب میں صرف چند ایک

مقامات پر ہی دیکھنے کو ملتی ہیں۔ مثلاً سورۃ الفاتحہ کے آغاز میں وارد اسماء باری تعالیٰ "الرحمن" اور "الرحیم" کے حوالے

سے آپ فرماتے ہیں۔

"رحمت کے مادہ سے یہ اللہ کے دو اسماء ہیں.. "رَحْمَن" فَعْلَان کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ ہے... یعنی انتہائی رحم

کرنے والا۔ اس لیے کہ عرب جو اس وزن پر کوئی لفظ لاتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس میں نہایت شدت

ہے۔ مثلاً غَضَبَان 'غصہ میں لال بھجھو کا شخص،.... تو رحمن وہ ہستی ہے جس کی رحمت ٹھاٹھیں مارتے ہوئے

سمندر کی مانند ہے۔ اور "رَحِيم" فَعِيل کے وزن پر صفت مشبہ ہے۔ جب کوئی صفت کسی کی ذات میں مستقل

اور دائم ہو جائے تو وہ فَعِيل کے وزن پر آتی ہے۔ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ دونوں صفات اکٹھی ہونے کا معنی یہ ہے کہ اس کی

(1) البقرة: 34

(2) بیان القرآن، ص: 150/1

رحمت ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کے مانند بھی ہے اور اس کی رحمت میں دوام بھی ہے، وہ ایک دریا کی طرح مستقل رواں دواں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی یہ دونوں شانیں بیک وقت موجود ہیں۔¹

ڈاکٹر صاحب نے یہاں دونوں اسماء کے صیغے بیان فرماتے ہوئے انتہائی خوبصورت معنوی ربط قائم کیا ہے۔ جس سے مخاطب پر رحمت الہی کا تصور عیاں ہوتا ہے۔ البتہ یہاں بھی آپ کا مقصود کسی صرفی بحث کو ذکر کرنا نہیں ہے بلکہ مفہوم واضح کرنا ہے۔

اس بحث میں لغوی تفسیر کے حوالے سے ڈاکٹر اسرار صاحب کے منہج کو مختلف مثالوں کی روشنی میں تفصیلی طور پر بیان کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنی تفسیر میں اپنے ان مخاطبین کی مناسبت سے، جو عربی لغت سے نا آشنا تھے، دقیق لغوی، نحوی و صرفی اور بلاغی مباحث سے کلی طور پر اجتناب کیا ہے البتہ چند ایک مقامات پر آپ نے کچھ نسبتاً آسان اور عام فہم مباحث پر انتہائی سادہ اسلوب میں کلام کیا ہے جو بحر حال اس حوالے سے آپ کی معرفت کی دلیل ہے۔ اب اگلی بحث میں اس ضمن میں دونوں مفسرین کے منہج کا تقابلی مطالعہ کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

(¹) بیان القرآن، ص: 110/1

لغوی تفسیر میں دونوں مفسرین کے منہج کا تقابلی جائزہ

گزشتہ دو مباحث کی روشنی میں دونوں مفسرین کے لغوی منہج کا عمومی تقابل کرنے سے درج ذیل نکات سامنے آتے ہیں۔

(1) شیخ شعراوی اور ڈاکٹر صاحب کے نزدیک عربی لغت کی معرفت فہم قرآن کی شرائط میں سے ہے۔ جس کے بغیر کوئی شخص قرآن فہمی کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ اور یہی حقیقت بھی ہے جیسا کہ ابتدا میں اس حوالے سے کلام کیا جا چکا ہے۔

(2) دونوں مفسرین نے اپنی تفسیر میں لغوی تفسیر کا اہتمام کیا ہے۔ اگرچہ دونوں نے اپنے مخاطبین کی رعایت کرتے ہوئے ان کی علمی و شعوری سطح کی مناسبت سے کلام کیا ہے۔ یعنی ڈاکٹر صاحب تمام دقیق مباحث حتیٰ کہ قرآن کریم کے بیانی اعجاز کا تذکرہ بھی نہیں کرتے ہیں کیونکہ آپ کے مخاطبین اردو ناظرین ہیں، جبکہ شعراوی صاحب مصر اور دیگر عرب ممالک کی عوام سے مخاطب ہونے کے سبب عربی لغت کی باریکیوں کو بھی دلچسپ انداز میں بیان کرتے ہیں۔

(3) لغوی تفسیر کرتے ہوئے دونوں مفسرین کے پیش نظر مفہوم آیت کا ابلاغ نظر آتا ہے جیسا کہ دونوں نے ان مباحث میں انتہائی آسان اور سادہ اسلوب اختیار کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے تو عمومی طور پر صرف مفردات کی شرح پر اکتفا کیا ہے اور اس دور ان بھی آپ نے قواعد کے مشکل اسلوب کی بجائے آسان ترین اسلوب میں مفہوم واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ شعراوی اگرچہ لغوی تفصیل بیان کرتے ہیں لیکن اس حوالے سے آپ کا اسلوب بھی سابقہ مفسرین کے برعکس سادہ اور عام فہم ہوتا ہے۔ گویا آپ رازی اور زمخشری کی بیان کردہ دقیق لغوی مباحث کو عصر حاضر کے مخاطبین کی مناسبت سے انتہائی آسان اسلوب میں بیان کرتے ہیں۔ ان دونوں مفسرین کی عوام میں مقبولیت کا ایک بڑا سبب بھی قرآن کریم کو عام فہم بنا کر پیش کرنا ہے۔ لہذا جو شخص بھی قرآن کریم کی دعوت دینا چاہتا ہو اس کے پیش نظر علمی مباحث و تفصیل کے بیان کے ساتھ ابلاغ مفہوم بھی رہنا چاہئے ورنہ اس کی عظمت تو شاید ظاہر ہو جائے لیکن لوگ قرآن سے محرم رہ جائیں گے۔

(4) جہاں دونوں مفسرین نے لغوی تفسیر میں اپنے مخاطبین کا لحاظ رکھتے ہوئے اختصار یا تفصیل سے کلام کیا ہے وہاں یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ شعراوی صاحب عربی زبان پر مہارت رکھتے تھے جیسا کہ عربی آپ کی مادری زبان تھی اور ساری زندگی آپ اسی مضمون کی درس و تدریس بھی کرتے رہے تھے۔ جب کہ مادری

زبان عربی نہ ہونے کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر صاحب نے باقاعدہ طور پر عربی زبان کی زیادہ تعلیم بھی حاصل نہیں کی تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے اس بات کا اعتراف بھی کیا ہے۔ آپ قرآن کریم کے بیانی اعجاز کے حوالے سے کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"جن لوگوں کی مادری زبان عربی ہے وہ آج بھی قرآن کے اس اعجاز کو محسوس کر سکتے ہیں۔ غیر عرب لوگوں کے لیے اس کو محسوس کرنا ممکن نہیں ہے۔ اگر کوئی اپنی محنت سے عربی ادب کے اندر مولانا علی میاں (مولانا سید ابوالحسن علی ندوی) کی سی مہارت حاصل کر لے تو وہ واقعی اس کو محسوس کر سکے گا اور اس کی تحسین کر سکے گا کہ فصاحت و بلاغت میں قرآن کا کیا مقام ہے۔ ہم جیسے لوگوں کے لیے یہ ممکن نہیں ہے، البتہ اس کا صوتی آہنگ ہم محسوس کر سکتے ہیں۔"¹

(5) مفردات کی شرح کا اہتمام دونوں مفسرین نے کیا ہے البتہ ڈاکٹر صاحب نے عام طور پر مفردات کی شرح میں اختصار سے کام لیا ہے جب کہ شعر اوی صاحب تفصیل میں گئے ہیں۔ مثلاً سورہ آل عمران کی آخری آیت میں "وَصَابِرُونَ" کی شرح میں ڈاکٹر صاحب مختصر یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ باب مفاعلہ سے ہے جس میں مقابلہ کا مفہوم پایا جاتا ہے لہذا حکم ہے کہ اے مسلمانو! تم صبر و استقامت اور قربانی میں دشمن سے بڑھ جاؤ۔² جبکہ شعر اوی صاحب اس کی شرح میں دیگر قرآنی آیات (سورۃ العصر اور سورۃ المطففین)، احادیث اور مختلف مثالوں کے ذریعے بہت زیادہ تفصیلی وضاحت بیان کرتے ہیں۔³

(6) دونوں مفسرین مفردات کی شرح میں مثالیں دیتے ہیں اس ضمن میں جہاں ممکن ہو وہاں، ڈاکٹر صاحب اپنے سامعین کو ان مفردات کے اردو میں استعمال کا حوالہ بھی دیتے ہیں۔ اسی طرح جہاں کسی عربی لفظ کی اردو لفظ سے ظاہری مشابہت ہو اور معنوی اختلاف ہو تو وہاں بھی آپ نے غلط فہمی کا ازالہ کرتے ہوئے وضاحت فرمائی ہے۔

(7) مفردات کے لغوی و اصطلاحی مفہوم کو ایک دوسرے سے الگ رکھتے ہوئے آیت کے سیاق کے مطابق اسے سمجھنے کی جانب دونوں مفسرین نے توجہ دلائی ہے۔

(8) مفردات کے مختلف استعمالات (الوجہ والنظار) کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب نے کچھ خاص کلام نہیں کیا جبکہ شعر اوی صاحب نے اس حوالے سے اصطلاحات کو واضح کرنے کے ساتھ ان کی تطبیق بھی کی ہے۔

(¹) بیان القرآن، ص: 83/1

(²) ایضاً، ص: 114/2

(³) تفسیر الشعر اوی، ص: 1974/4

(9) نحوی و صرفی مباحث کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب نے صرف چند مقامات پر مختصر اور سادہ کلام کیا ہے جب کہ شعر اوی صاحب اس حوالے سے تفصیل بیان کرتے ہیں۔

(10) علوم بلاغت اور قرآن کریم کے بیانی اعجاز کے حوالے سے تفسیر الشعر اوی میں کافی مواد موجود ہے جب کہ بیان القرآن میں ڈاکٹر صاحب نے اعجاز بیانی کو تسلیم تو کیا ہے مگر اس حوالے سے کلام نہیں کیا ہے۔

(11) دونوں مفسرین نے مفردات کے جدید سائنس کی روشنی میں ہونے والے معنوی ارتقا کا لحاظ رکھا ہے۔

جیسا کہ لفظ "علقہ" کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب کا موقف بیان کیا جا چکا ہے۔ شعر اوی صاحب کے نزدیک

بھی "علقہ" اسے اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ بچہ دانی کی دیوار سے لٹکا ہوتا ہے۔¹

(12) دونوں مفسرین نے لغوی تفسیر کرتے ہوئے عام طور پر قوامیس یا دیگر کتب لغت کا حوالہ دینے کا اہتمام نہیں کیا ہے۔

(13) دونوں مفسرین کے منہج کا تقابل کرنے کے لئے درج ذیل آیت کی لغوی تفسیر کا انتخاب کیا گیا ہے۔

تقابلی مثال:

قول باری تعالیٰ:

﴿إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِينَ﴾²

(ترجمہ: بے شک اس (قصے) میں اہل فراست کے لیے نشانی ہے)

میں "متوسمین" سے کیا مراد ہے؟ ڈاکٹر صاحب رقم طراز ہیں:

"متوسمین سے مراد وہ لوگ ہیں جو آیات آفاقیہ، آیات تاریخیہ، آیات انفسیہ یا آیات قرآنیہ کے ذریعے سے حقیقت کو جاننا اور پہچانا چاہیں۔ اسم (اصل مادہ "س م و" ہے، الف اس کے حروف اصلیہ میں سے نہیں ہے) کے معنی علامت کے ہیں۔ اردو میں لفظ "اسم" کو نام کے مترادف کے طور پر جانا جاتا ہے، اس لیے کہ کسی چیز یا شخص کا نام بھی ایک علامت کا کام دیتا ہے، جس سے اس کی پہچان ہوتی ہے۔ لہذا جو اصحاب بصیرت علامتوں سے متوسم (باب تفعل) ہوتے ہیں، ان کے لیے ایسے واقعات میں سامانِ عبرت موجود ہے۔"³

یہاں ڈاکٹر صاحب نے پہلے متوسمین کی تعریف بیان کی اور پھر اس لفظ کے اصل مادے اور اس کے مفہوم کا تذکرہ کیا۔ اس کے بعد آپ نے اس لفظ کے اردو میں استعمال اور عربی سے اس کی مناسبت کو بیان کیا۔ آخر میں آپ نے صرف کے اس باب کا تذکرہ کیا جس سے لفظ متوسم بنا ہے اور اس ساری بحث کے خلاصہ کی شکل میں لفظ متوسمین کی

(¹) دیکھیے: تفسیر الشعر اوی، ص: 13/7812 اور 16/9706 اور 16/9979

(²) الحجر: 75

(³) بیان القرآن، ص: 4/215

وضاحت فرمادی کہ یہ وہ لوگ ہیں جو علامات یعنی تمام قسم کی آیات سے عبرت پکڑتے ہوئے حقائق تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

شعراوی "متوسمین" کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قوم لوط پر جو عذاب حق تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے، اس میں ان لوگوں کے لیے ایک واضح نشانی تھی جو متوسمین تھے۔ آپ متوسم کی تعریف کرتے ہیں کہ یہ وہ شخص ہے جو ظاہر کے ذریعے چھپی ہوئی حقیقتوں کو جانتا ہے۔ اس کے بعد آپ اس لفظ کے لغوی استعمال سے استشہاد کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:

"والمُتَوَسِّمُ هو الذي يُدرك حقائق المستور بمكشوف المظهر. ويُقال «توسَّمتُ في فلان كذا»¹ أي: أخذ من الظاهر حقيقة الباطن."²

(ترجمہ: متوسم وہ شخص ہے جو مکشوف و مظهر سے پس پردہ حقائق کا ادراک حاصل کرتا ہے۔) (اہل لغت کے ہاں) یہ کہا جاتا ہے: میں نے اس میں فلاں علامت جانی، یعنی: اس نے ظاہر سے باطن کی حقیقت حاصل کی۔) اس کے بعد شعراوی اس لفظ کے قرآنی استعمال کا تذکرہ کرتے ہیں:

"ولذلك يقول الحق سبحانه: {سَيَمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ}³. أي: ساعة تراهم ترى أن الملامح تُوضِّح ما في الأعماق من إيمان."⁴

(ترجمہ: اسی لئے اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتے ہیں: ترجمہ: سجود کے اثرات ان کے چہروں پر موجود ہیں جن سے وہ الگ پہچانے جاتے ہیں۔ یعنی آپ جس گھڑی انہیں دیکھتے ہیں تو ان کی ظاہری خصوصیات واضح کرتی ہیں کہ وہ ایمان کی کس گہرائی میں ہیں۔)

آخر میں آپ لفظ متوسم کے مختلف معانی کو جمع کرتے ہوئے یک جامع تعریف بیان کرتے ہیں اور ایک حدیث سے بھی لغوی استشہاد کرتے ہیں۔ آپ رقم طراز ہیں:

"وهكذا نعرف أن المتوسِّم هو صاحب الفراسة التي تكشف مكنون الأعماق. وها هو صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يقول: «اتقوا فراسة المؤمن فإنه ينظر بنور الله»⁵ "6

(1) ابراہیم بن السری بن سہل، ابواسحاق الزجاج (المتوفی: 311 ہجری)، معانی القرآن و اعرابه، المحقق: عبد الجلیل عبدہ شلبی، عالم الکتب، بیروت، طبع:

اول، 1988 م، ص: 184/3

(2) تفسیر الشعراوی، ص: 13 / 7745

(3) الفتح: 29

(4) تفسیر الشعراوی، ص: 13 / 7746

(5) سنن ترمذی، کتاب تفسیر القرآن عن رسول اللہ ﷺ، باب و من سورۃ الحجر، حدیث #3127، حکم: ضعیف (البانی)

(6) دیکھیے: حوالہ بالا اور تفسیر رازی، ص: 156/19

(ترجمہ: اس طرح ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ متوسم وہ صاحب فراست شخص ہے جو گہرائیوں میں چھپے رازوں اور خزانوں کو ظاہر کرتا ہے۔ اسی لئے نبی ﷺ نے فرمایا: مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے)

اس کے بعد شعر اوی مزید شرح کرتے ہوئے ایک عربی حکایت نقل کرتے ہیں کہ ایک بدوی کا اونٹ کھو گیا، اس لیے وہ اس جگہ کے گورنر کے پاس گیا، اور اس سے کہا: میرا اونٹ کھو گیا ہے، اور مجھے ڈر ہے کہ کسی نے چوری کر لیا ہے۔ اسی دوران ایک شخص آیا اور کہنے لگا: کیا تمہارا اونٹ ایک آنکھ سے اندھا ہے؟ اونٹ کے مالک نے جواب دیا: ہاں! اس نے کہا: کیا اس کی دم بھی کٹی ہے؟ مالک نے کہا: ہاں! اس نے پوچھا: کیا وہ ایک ٹانگ سے لنگڑا ہے؟ مالک نے جواب دیا: ہاں! اللہ کی قسم وہی میرا اونٹ ہے۔ اس پر گورنر نے اس (خبر دینے والے) شخص سے پوچھا: تمہیں ان سب علامات کے بارے میں کیسے پتہ چلا؟ اس نے جواب دیا: میں نے اسے راستے میں دیکھا تو مجھے پتہ چل گیا کہ وہ کاٹا ہے کیونکہ اس نے ایک طرف خشک گھاس کھائی، اور دوسری طرف ہری گھاس کو نہیں دیکھا، اور اگر وہ دونوں آنکھوں سے دیکھتا تو سبز گھاس دیکھ لیتا، اور میں جان گیا کہ اس کی دم کاٹ دی گئی تھی کیونکہ اس کی لید دوسرے دم والے اونٹوں کی طرح بکھری ہوئی نہیں تھی۔ میں جان گیا کہ وہ بائیں پیر سے لنگڑا تھا کیونکہ زمین پر اس کی دائیں ٹانگ کا نشان اس کی بائیں ٹانگ کے نشان سے زیادہ گہرا تھا۔ اس طرح یہ عربی حکایت لفظ «التوسم» کی شرح کرتی ہے۔¹

گویا اس حکایت سے آپ نے یہ ثابت کیا کہ جس طرح اس شخص نے محض ظاہری علامات سے اونٹ کے خصائص جان لئے اسی طرح متوسم وہ شخص ہے جو ظاہری علامات سے پوشیدہ حقائق دریافت کر لیتا ہے۔

اب اگر اس آیت کی لغوی تفسیر میں دونوں مفسرین کا تقابل کیا جائے تو درج ذیل نکات سامنے آتے ہیں:

(1) اس مثال میں اگرچہ دونوں مفسرین کے نزدیک متوسمین کا مفہوم ایک ہی ہے لیکن اس کی لغوی شرح میں دونوں کا منہج مختلف ہے۔ ایک نے اختصار اور دوسرے نے تفصیل سے شرح کی ہے۔

(2) ڈاکٹر صاحب نے مختصر انداز میں شرح کرتے ہوئے لفظ کے اصل مادے اور صرفی باب کا تذکرہ کرنے کے ساتھ اردو میں اس کے استعمال کو بیان کر کے مفہوم کو واضح کیا ہے جو عام لوگوں کے لئے بہر حال کفایت کر جاتا ہے۔ جبکہ شعر اوی صاحب نے اگرچہ لفظ کے مادے اور باب کو (شاید غیر ضروری سمجھ کر) نظر انداز کیا ہے لیکن آپ نے تفصیل سے اس کے لغوی اور قرآنی استعمال کو بیان کر کے مفہوم کو واضح کیا ہے اور ایک حدیث اور حکایت کا ذکر کر کے گویا اس لفظ کے مفہوم کو ذہنوں میں نقش کر دیا ہے۔

(۱) تفسیر الشعر اوی، ص: 13/ 7747

(3) ڈاکٹر صاحب نے متوسمین کے خاص معنی بیان کیے ہیں جن کا تعلق دینی معرفت سے ہے جیسا کہ آپ نے اس سے مراد وہ لوگ لئے ہیں جو آیات میں غور و فکر کر کے عبرت پکڑیں اور معرفت حق حاصل کریں جب کہ شعر اوی نے اس کا عام مفہوم بیان کیا ہے۔ یعنی جو لوگ کسی بھی ظاہری علامت سے پوشیدہ حقائق جانیں۔

(4) شعر اوی کی شرح میں یہ بات نمایاں طور پر واضح ہے کہ شرح کرتے ہوئے امام رازی، امام زمخشری اور دیگر مفسرین کی آراء بھی آپ کے پیش نظر تھیں۔¹ البتہ آپ نے ان میں ترجیحی اور جامع معنی کا اختیار کیا اور شرح میں مزید اضافہ بھی کیا جیسا کہ جو حکایت آپ نے ذکر کی ہے وہ کسی اور مفسر کے ہاں نہیں ملی۔

(5) ڈاکٹر صاحب اگرچہ لفظ کی تفصیلی لغوی بحث، معنی اور استعمالات کی جانب نہیں گئے لیکن بہر حال آپ نے اس کے اصل کا ذکر کر کے اردو میں اس کے استعمال کو بیان کرنے کے بعد اپنے مخاطبین کے لئے اس لفظ کا معنی سمجھنا ضرور آسان کر دیا ہے۔ گویا دونوں مفسرین نے اپنے سامعین کی مناسبت سے شرح کی ہے۔

(6) دونوں ہی مفسرین نے اپنے لغوی مصادر کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔

اس فصل کی روشنی میں ایک داعی قرآن کے لیے لغوی تفسیر کی اہمیت واضح ہوتی ہے اور اس اعتبار سے ان دونوں مفسرین کے منہج میں رہنمائی بھی موجود ہے کہ شفوی تفسیر کے باوجود انہوں نے قرآن کریم کی لغوی تفسیر کا بھی اہتمام کیا اور سامعین کی دلچسپی برقرار رہی۔

(¹) دیکھیے: معانی القرآن و اعرابہ، 3/184 اور، تفسیر زمخشری، 2/586 اور تفسیر رازی، ص: 156/19

فصل دوم

قرآن کریم کی علمی/سائنسی تفسیر میں دونوں مفسرین کے منہج کا تقابلی مطالعہ

مقدمہ فصل: علمی تفسیر کا تعارف

مبحث اول: علمی تفسیر میں امام شعرابی کا منہج

مبحث دوم: علمی تفسیر میں ڈاکٹر اسرار احمد کا منہج

مبحث سوم: علمی تفسیر میں دونوں مفسرین کے منہج کا تقابلی جائزہ

مقدمہ فصل:

علمی تفسیر کا تعارف

عصر حاضر میں ایسی تفسیر کو عام مقبولیت حاصل نہیں ہوتی جو جدید علوم سے آراستہ نہیں ہوتی ہے۔ اس کا بڑا سبب عصر حاضر میں سائنسی علوم کا غیر معمولی ارتقا ہے جس سے موجودہ دور میں تقریباً سارا ہی تعلیم یافتہ طبقہ واقف ہے، لہذا قرآن کریم کی وہ آیتیں جو کسی نوعیت کے سائنسی علم سے تعلق رکھتی ہیں وہ ضرور سامعین کی دلچسپی کا باعث ہوتی ہیں۔ دوسری جانب سائنسی علوم کے ارتقا نے تمام ادیان عالم پر بھی ایک یلغار کی ہے جس کے سبب اسلام کے سوا تمام مذاہب سائنس کے آگے ڈھیر ہو گئے ہیں۔ اس حوالے سے آئے دن اسلام پر بھی اعتراضات اٹھائے جاتے ہیں لیکن اسلام اپنی حقانیت کے سبب ایسے تمام اعتراضات کو دفع کر دیتا ہے۔

عصر حاضر میں جہاں سائنسی علوم کو ترقی ملی وہاں ان جدید سائنسی علوم اور قرآن کریم کے تعلق کے حوالے سے بھی بہت سی مباحث سامنے آتی رہی ہیں۔ مفسرین جدید سائنسی حقائق اور قرآنی آیات میں مطابقت تلاش کر کے قرآن کریم کے علمی اعجاز کو مبرہن کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ یہاں تک کہ علمی تفسیر قرآنی تفسیر کی ایک قسم شمار ہونے لگی ہے اور بہت سے محققین اس حوالے سے مستقل مباحث لکھنے لگے۔ البتہ اس حوالے سے لوگ افراط و تفریط کا شکار ہیں۔ اس فصل میں علمی تفسیر کا مختصر تعارف ذکر کرنے کے بعد اس حوالے سے دونوں مفسرین کے مناہج کا تقابلی مطالعہ کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

الف۔ علمی تفسیر کی تعریف

اس علم کے جدید ہونے کے سبب اس کی تعریف اور حکم کے حوالے سے علماء کے درمیان اختلاف موجود ہے۔ اس کی دو معروف تعریفیں درج ذیل ہیں۔

پہلی تعریف:

"وہ تفسیر جو قرآن مجید کی عبارتوں میں سائنسی اصطلاحات پر بحث کرتی ہے، اور ان سے مختلف علوم اور فلسفیانہ آراء نکالنے کی کوشش کرتی ہے۔"¹

دوسری تعریف:

"وہ تفسیر جس میں ایک مفسر قرآن مجید کی آیات کو نہیہ اور جدید سائنسی علوم کی دریافتوں کے مابین تعلق و ربط کو اس طرح ظاہر کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ قرآن کریم کا اعجاز نمایاں ہو سکے اور اس

(۱) ڈاکٹر طاہر محمود، اسباب الخطائی التفسیر، دراسۃ تاحصیلیہ، دار ابن الجوزی، الطبع: اول، 1445ھ، ص: 850

کے مصدر کی جانب رہنمائی مل سکے۔ اور قرآن کی صداقت ہر وقت اور مقام میں ثابت ہو جائے۔¹

مذکورہ دونوں تعریفوں میں اختلاف نہیں، عبارت مختلف ہے مدعی ایک ہی ہے، اگرچہ دوسری تعریف زیادہ فصیح اور اقرب للمقصود ہے۔

ب۔ علمی تفسیر کا حکم

علمی تفسیر کے حکم کے حوالے سے بھی علماء کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے۔ لہذا بعض علماء علمی تفسیر کے مطلق جواز کے قائل ہیں اور اسے بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں جبکہ بعض علماء اس کے عدم جواز کا موقف رکھتے ہیں اور ان مفسرین کا بھی رد کرتے ہیں جنہوں نے اس علم کا اہتمام کیا ہے۔ دونوں فریقین اپنے اپنے دلائل رکھتے ہیں۔ یہاں اس موضوع کی تفصیل بیان کرنے کا موقع نہیں ہے البتہ اس بحث کا نتیجہ یہ ہے کہ بلاشبہ علمی تفسیر عصر حاضر کے تقاضوں میں سے ہے اور قرآن کا علمی اعجاز اس کتاب اور اس کے نازل کرنے والے کی عظمت کو ظاہر کرتا ہے اور عصر حاضر کے مخالفین اسلام کو زیر کرنے میں معاونت کرتا ہے۔ اگرچہ قرآن کریم اپنی عظمت کے بیان کے لئے علمی تفسیر کا محتاج نہیں ہے اور اس غرض سے تکلف کرنے کی بھی کوئی حاجت نہیں ہے کہ قرآن کریم کی وہ تفسیر کی جائے جو اس کے ظاہری معنی سے مطابقت ہی نہ رکھتی ہو۔ مزید یہ کہ سائنس جامد نہیں ہے بلکہ متحرک ہے لہذا صرف ان ہی سائنسی حقائق اور قرآن کریم کی آیات میں علمی تفسیر سے ربط تلاش کرنا چاہیے جو جدید سائنس میں ثابت شدہ ہوں محض مفروضہ جات نہ ہوں۔ خلاصہ یہ کہ علمی تفسیر بعض شروط کے ساتھ ہی جائز ہے۔²

(1) فہد بن عبد الرحمن بن سلیمان الرومی، اتجاهات التفسیر فی القرن الرابع عشر، مؤسسة الرسالة، بیروت، طبع: سوم، 1997 م، ص: 549/2

(2) دیکھیے: ڈاکٹر طاہر محمود، اسباب الخطائی التفسیر، ص: 851-896

مبحث اول

علمی تفسیر میں امام شعر اوی کا منہج

شعر اوی کی خصوصیت تو عربی لغت میں مہارت تھی لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ دیگر علوم بشمول فلکیات، ریاضی، طبیعیات، علم النفس (سائیکالوجی)، تاریخ، جغرافیہ وغیرہ کے متعلق بھی ٹھوس علم رکھتے تھے جس کا اظہار انہوں نے اپنی تفسیر میں متعدد مقامات پر کیا ہے۔ تفسیر کے دوران جہاں بھی ممکن ہوا آپ نے ان علوم کی روشنی میں قرآن اور دین اسلام کی حقانیت کو ثابت کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ علمی تفسیر کے حوالے سے آپ کا کلام سامعین کے لئے خصوصی توجہ کا باعث بنتا تھا۔

الف۔ علمی تفسیر کی اہمیت

شعر اوی کے نزدیک علمی تفسیر اس اعتبار سے بہت مناسب ہے کہ اس کے ذریعے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی جائے اور یہ ثابت کیا جائے کہ قرآن وحی ہے جس کا نزول خالق و مالک اللہ کی جانب سے ہوا ہے۔ آپ کے مطابق قرآن کریم کی ایک جانب ایسی ہے جو تمام اقوام کے لئے معجزہ رہے گی اور اس پر زبانوں اور امتوں کے فرق کا کوئی اثر نہ ہوگا۔ یعنی وہ عقلی معجزات جن کی خبر نبی ﷺ نے اپنی اس امت کو دی تھی جو جدید علوم سے ناواقف تھے البتہ وقت گزرنے کے ساتھ جب انسانیت نے جدید علوم حاصل کیے تو ان خبروں کی صداقت لوگوں پر عیاں ہوتی چلی گئی اور اسلام پر ایمان نہ لانے والوں کو پاس بھی اس بات کا اعتراف کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا کہ یہ قرآن اللہ کی جانب سے آیا ہے۔¹

ب۔ قرآن کا علمی اعجاز

شعر اوی کے نزدیک قرآن کریم کسی خاص زمانے کے لئے معجزہ نہیں ہے بلکہ یہ اپنا اعجاز ہر دور کے لوگوں پر ظاہر کرتا ہے آپ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کا اعجاز محدود زمانے کے لئے نہیں ہے بلکہ وہ قیامت تک کے لئے ایک معجزہ ہے۔ قرآن اللہ کا کلام ہے اور کائنات اللہ کی مخلوق ہے۔ اسی لئے قرآن ہر دور کے لوگوں کو ان کی مناسبت سے اعجاز عطا کرتا ہے۔ اب جب کہ بیسویں صدی میں جدید سائنسی علوم کی وساطت سے ہم پر بعض علمی حقائق آشکارا ہوئے ہیں تو ہم نے یہ پایا کہ قرآن کریم میں ان حقائق کی جانب معجزانہ انداز میں اشارہ کیا گیا ہے کہ الفاظ نہ تو نزول قرآن کے زمانے کی عقل سے متصادم ہوں اور نہ ہی علمی ارتقاء کے بعد مستقبل کی عقل سے ٹکرائیں۔²

(1) تفسیر الشعر اوی، ص: 2884/5

(2) ایضاً، ص: 13/1

ج۔ نبی کریم ﷺ نے آیات کو نبیہ کی تفسیر کیوں نہیں فرمائی؟

کسی شخص کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے آیات کو نبیہ کی تفسیر کیوں نہیں فرمائی؟
شعر اوی کے مطابق نبی کریم ﷺ نے دو اسباب کی بنیاد پر قرآن کریم کی آیات کو نبیہ کی تفسیر سے اجتناب کیا ہے۔

(1) نزول قرآن کے زمانے کی عقل ان علمی تاویلات کو سمجھنے سے عاجز تھیں۔

(2) تاکہ قرآن جامد نہ ہو جائے کیونکہ اگر آپ ﷺ ان آیات کی تفسیر فرمادیتے تو بعد میں کوئی ان کی تفسیر نہ کر

پاتا۔¹

آپ کے نزدیک آیات قرآنی میں جب کسی کائناتی حقیقت کا ذکر ہوتا ہے، تو یہ ایک ایسا معاملہ ہے جو قابل اختلاف ہے، لہذا علماء میں سے ہر ایک اسے اپنی ثقافت اور علم کے بقدر سمجھتا ہے۔ قدیم عرب کائناتی مظاہر کے بارے میں زیادہ نہیں جانتے تھے، وہ کشش ثقل نہیں جانتے تھے، نہ ہی وہ زمین کی کریت یا اس کی حرکت کو جانتے تھے۔ اگر قرآن میں ان کو ایسے معاملات سے روشناس کروایا جاتا جو ان کی سمجھ اور ثقافت سے مناسبت نہ رکھتے تھے تو شاید وہ اسے سمجھ نہیں سکتے تھے۔ آپ تصور کر سکتے ہیں کہ، مثال کے طور پر، اگر آپ ان سے کہتے کہ زمین گول ہے جو ہمارے ارد گرد اپنے سمندروں، پہاڑوں وغیرہ کے ساتھ گھومتی ہے۔ قرآن کریم کا بنیادی منہج یہ ہے کہ "یہ کرو اور" یہ نہ کرو" لہذا اس منہج کے حوالے سے قرآن کریم میں کوئی ابہام نہیں ہے لیکن کائناتی امور جن کا تعلق انسانی ثقافت اور دنیاوی ارتقا سے ہے وہ مجمل بیان ہوئی ہیں کہ سوچنے والے ذہن ایک کے بعد ایک ان امور کو منکشف کرتے ہیں، گویا حق تعالیٰ ہمیں محض ایک اشارہ دیتا ہے، اور اب سوچنے والے ذہنوں پر ہے کہ وہ اس تحقیق کو مکمل کرنا چاہیے۔²

ت۔ شعر اوی کے نزدیک علمی تفسیر کی شرائط

شعر اوی کے نزدیک علمی تفسیر کی اس اہمیت کے باوجود آپ نے اس کی تائید کو درج ذیل ضوابط کے ساتھ مشروط رکھا ہے۔

(1) سائنسی علوم قرآن کریم کے اساسی موضوعات میں سے نہیں ہے اور نہ ہی قرآن ہمیں یہ علوم سکھانے آیا

ہے اگرچہ وہ ان علوم کو سیکھنے کی رغبت ضرور دلاتا ہے۔³

(2) علمی تفسیر کرتے ہوئے یہ ضروری ہے کہ صرف اور صرف ثابت شدہ علمی حقائق کے حوالے سے ہی کلام کیا

جائے اور مفروضوں سے اجتناب کیا جائے ورنہ مستقبل میں مفروضوں کے کسی علمی حقیقت سے منسوخ

(1) تفسیر الشعر اوی، ص: 14/1

(2) ایضاً، ص: 15/9519

(3) دیکھیے: تفسیر الشعر اوی، ص: 1/9 اور 1381/3

ہونے کی صورت میں آیت کی علمی تفسیر بھی غلط ثابت ہو جائے گی۔ شعر اوی نے اپنی تفسیر کے دوران کسی بھی آیت کی علمی تفسیر کرتے ہوئے اس بات کو یقینی بنایا ہے کہ وہ صرف ثابت شدہ علمی حقائق کو ہی قرآنی آیت سے جوڑیں۔

(3) شعر اوی کے نزدیک حق اور باطل کا معیار قرآن مجید ہے نہ کہ جدید سائنسی علوم لہذا جو بھی سائنسی نظریہ

قرآن کریم سے متصادم ہو گا تو اس صورت میں قرآن حق ٹھہرے گا اور وہ نظریہ باطل قرار پائے گا۔¹

مذکورہ شرائط پر مبنی منہج پر عمل کرتے ہوئے قول باری تعالیٰ:

﴿إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ﴾²

(ترجمہ: یقیناً تمہارا پروردگار وہ اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا پھر اپنے

عرش پر قرار پکڑا)

کی تفسیر میں شعر اوی فرماتے ہیں:

" وخلق الإنسان وخلق السموات والأرض مسألان ينشغل بهما العلم الحديث، فمن العلماء من قال: إن الأرض انفصلت عن الشمس، ومنهم من افترض نظرياً أن الإنسان أصله قرد، وهؤلاء نقول: هذا حكم منكم لا يقبل؛ لأنكم لم تشهدوا الخلق، ولذلك فعليكم أن تسمعوا ممن خلق الخلق ليقول لكم كيف خلق الخلق. " ³

(ترجمہ: بنی نوع انسان کی تخلیق اور آسمان و زمین کی تخلیق دو ایسے معاملات ہیں جنہیں جدید سائنس نے سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ کچھ سائنسدانوں کا کہنا تھا کہ زمین سورج سے الگ ہو کر وجود میں آئی ہے، اور کچھ نظریاتی طور پر یہ خیال کرتے ہیں کہ انسان کی اصل ایک بندر ہے۔ ہم ان کو کہتے ہیں: یہ آپ کا فیصلہ ہے جو ہمیں قبول نہیں ہے۔ کیوں کہ آپ نے تخلیق کا مشاہدہ نہیں کیا ہے، اور اسی وجہ سے آپ کو اس کی بات سننا ہوگی جس نے مخلوق کو پیدا کیا ہے یہ بتانے کے لئے کہ مخلوق کی تخلیق کیسے ہوئی ہے۔)

ث۔ جدید سائنسی علوم سے دین کی حقانیت ثابت کرنا

عصر حاضر کے بعض مفسرین نے یہ کوشش کی ہے کہ جہاں ممکن ہو وہاں جدید سائنسی علوم کی روشنی میں دین اسلام کی حقانیت کو ثابت کریں اور اسلام کے مخالف باطل عقائد کا رد کریں۔ جو لوگ فرشتوں، جنات اور دیگر غیبی امور کا انکار کرتے ہیں شعر اوی نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

"وقد يقف بعض الناس كما وقف كثير من سطحيي المفكرين قائلين: ما الجن والملائكة والعالم الخفيّ الذين تحدثونا به؟ نقول: ألا تؤمن إلا بالْحُسْنِ بالنسبة لك؟ فما رأيك في الميكروبات التي ظهرت

(¹) تفسیر الشعر اوی، ص: 25/1

(²) الاعراف: 54

(³) تفسیر الشعر اوی، ص: 4162/7

الآن بعدما اختُرع المجهر؟ لقد كانت موجودة، أكنت تعرفها؟ لقد كانت غيباً عنك، فلماذا لا تأخذ من أن شيئاً لم يكن موجوداً تحت حَسَك وغير مُدركٍ بإدراكك، كان موجوداً وكنت لا تملك آلة إدراكه" ¹

کچھ سطحی مفکرین کھڑے ہو کے کہتے ہیں: جن، فرشتے اور پوشیدہ دنیا کیا ہے جس کے بارے میں آپ ہم سے بات کرتے ہیں؟ ہم کہتے ہیں: کیا آپ صرف محسوسات پر یقین نہیں رکھتے؟ تو پھر آپ ان مائکروبز (جرثوموں) کے بارے میں کیا کہیں گے جو خوردبین ایجاد ہونے کے بعد ظاہر ہوئے ہیں۔ وہ موجود تو تھے لیکن، کیا تم انہیں جانتے تھے؟ یقیناً وہ آپ سے غائب تھے۔ تو آپ یہ کیوں نہیں یقین کرتے ہیں کہ کوئی چیز آپ کے حواس کے دائرے میں موجود نہ ہو اور آپ اس کا ادراک بھی نہ کر سکیں لیکن اصلاً وہ چیز موجود ہو مگر آپ کے پاس سمجھنے والی مشین نہیں ہے۔)

ج۔ تاویلات بعیدہ

اگرچہ شعر اوی نے عام طور پر علمی تفسیر کرتے ہوئے درست منہج اختیار کیا ہے لیکن بعض مقامات پر آپ نے تاویلات بعیدہ بھی کی ہیں۔ مثال کے طور پر آپ ایک مقام پر رقم طراز ہیں:

"ولقد أثبت العلم أن كل مجرة من المجرات فيها مليون مجموعة شمسية، وكل مجموعة شمسية فيها أرض، إذن فهناك أراضٍ عديدة، ونلاحظ أن الحق سبحانه حين يتكلم عن الأرض فكل مخاطب بالأرض التي هو فيها، ولذلك قال بعض العلماء: إن في هذا العالم العالي توجد أراضٍ، وكل أرض أرسل لهم الحق رسولاً." ²

(ترجمہ: سائنس نے یہ ثابت کیا ہے کہ ہر کہکشاں میں لاکھوں سولر سسٹم ہوتے ہیں اور ہر سولر سسٹم کی ایک زمین ہے، تو گویا بہت ساری زمینیں ہیں، اور ہم نے دیکھا کہ حق تعالیٰ، شان و شوکت والی اسی کی ذات ہے، جب زمین کے بارے میں کلام کرتا ہے تو ہر زمین کی طرف سولر سسٹم کی مناسبت سے مخاطب ہوتا ہے جہاں وہ ہے، اور اسی وجہ سے بعض علمائے کرام نے کہا: اس اونچی دنیا میں اور زمینیں بھی ہیں، اور ہر زمین والوں کے لئے حق تعالیٰ نے رسول بھیجے ہیں۔)

د۔ تفسیر الشعر اوی میں علمی تفسیر کی مثالیں

1) یاجوج اور ماجوج کی دیوار کی تفسیر کے دوران "سد" اور "ردم" کے متعلق کلام کرتے ہوئے آپ رقم طراز ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہاں ایک سائنسی حقیقت کی طرف راغب کیا ہے جو ہم صرف جدید دور میں جان پائے ہیں۔ کوئی (سد) دیوار یا بند اگر مکمل طور پر ٹھوس مادے سے بنی ہو تو ایسے زلزلے کی صورت میں اس کے گرنے کا اندیشہ ہوتا ہے جو اسے تمام جوانب سے متاثر کرے۔ لیکن اگر کناروں پر ٹھوس عمارت کا کچھ

(¹) تفسیر الشعر اوی، ص: 2172/4

(²) ایضاً: ص: 4164/7

حصہ ہوا اور وسط میں چھوٹے چھوٹے چار حصے ہوں جن کے درمیان (ردم) مٹی کی بھرائی ہو تو مٹی میں سانس لینے کی گنجائش پیدا ہوتی ہے جس سے وہ جھٹکے کو برداشت کر پاتی ہے۔¹

(2) قول باری تعالیٰ:

﴿لَا تَعْلَمُونَ شَيْئًا وَجَعَلْ لَكُمْ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ وَاللَّهُ أَخْرَجَكُمْ مِّنْ بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾²

(ترجمہ: اللہ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹ سے (اس حال میں) نکالا کہ تم کچھ نہ جانتے تھے اور اسی نے تمہارے کان، آنکھیں اور دل بنائے تاکہ تم اس کا شکریہ ادا کرو) میں سماعت کی بصارت پر تقدیم کی حکمت بیان کرتے ہوئے شعر اووی فرماتے ہیں:

"ولذلك عندما جاء علم وظائف الأعضاء لبحث ذلك وجدوها طبق الأصل كما قال الله عنها. فالوليد الصغير حين يولد إن جاء إصبع إنسان عند عينيه فلا يهتز له رمش؛ لأن عينه لم تؤد مهمتها بعد، ولكن إن تصرخ بجانب أذنه فإنه ينفعل. وعرفنا أن أول أداة تؤدي مهمتها بالنسبة للإنسان الوليد هي أذنه، إن العين تغمض في النوم فلا ترى، لكن الأذن مستعدة طوال الوقت..."³

(ترجمہ: اسی سبب فیزیالوجی (علم افعال اعضا) کی جدید تحقیق اللہ تعالیٰ کے اس کلام سے مطابقت رکھتی ہے۔ لہذا بچے کی پیدائش کے فوراً بعد اگر کوئی شخص اس کی آنکھ کے سامنے انگلی لے کر جائے تو اس کی پلکوں میں حرکت نہیں ہوتی جب کہ اگر آپ اس کے کان کے قریب چیخیں تو بچہ رد عمل ظاہر کرتا ہے۔ اس سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ سماعت کی حس پہلے کام شروع کرتی ہے۔ اسی طرح سوتے میں انسان کی آنکھ بند ہو جاتی ہے جب کہ کان کافی دیر تک مستعد رہتے ہیں۔)

(3) قول باری تعالیٰ:

﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَهْلِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ--﴾⁴

(ترجمہ: لوگ آپ سے نئے چاندوں (اشکال قمر) کے متعلق پوچھتے ہیں۔ آپ ان سے کہئے کہ یہ لوگوں کے لیے اوقات اور حج کی تعیین کے لیے ہیں)

(1) تفسیر الشعراوی، ص: 4871/8

(2) النحل: 78

(3) تفسیر الشعراوی، ص: 1202/2

(4) البقرة: 189

کی تفسیر میں شعر اوی فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ یہاں ہمیں ایک اہم اصول کی طرف راغب کرنا چاہتا تھا، وہ ہمیں یہ سکھانا ہے کہ چاند جیسی کائناتی علامات سے کیسے فائدہ اٹھائیں۔ اس کا ظہور اور گمشدگی، اور اس کا حجم بدلنا کافی نہیں ہے، کیونکہ یہ عقل میں بیٹھتا نہیں، بلکہ ہم تو اسے وقت کے طور پر استعمال کرتے ہیں اور ہم اسے وقت کی پیمائش کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ اگر ہم بیسویں صدی میں رہ رہے ہیں، اور ہمارے سائنسدانوں کو چاند کے مظاہر کی کوئی وجہ معلوم نہیں تھی، تو چودہ صدیوں پہلے اس کے بارے میں پوچھنے والوں کی صورت حال کیسی ہوگی؟

آپ فرماتے ہیں کہ عصر حاضر کے سائنسدانوں نے اپنی تشریحات میں کہا ہے، کہ مثال کے طور پر، سورج زمین کے حجم سے دس لاکھ چودہ ملین مرتبہ بڑا ہے، اور چاند زمین سے چھوٹا ہے۔ اور سورج کے بہت بڑے حجم کے باوجود جب زمین سورج اور چاند کے درمیان آجاتی ہے اور یہ زمین چاند کے کچھ حصوں کو محبوب کر دیتی ہے۔ یہ حصہ زمین کے خفیہ مدار میں گردش کی مناسبت سے محبوب ہوتا جاتا ہے اور چاند کا یہ حصہ تاریک ہو جاتا ہے۔ چاند ایک مستقل وجود رکھتا ہے، لیکن زمین، جب چاند اور سورج کے مابین آجاتی ہے، تو وہ سورج کی روشنی کو چاند سے روکتی ہے، اور جب زمین اس سے ہٹ جاتی ہے تو اس کا روشن حصہ بڑھ جاتا ہے۔ اور جب زمین اس سے مکمل طور پر دور ہو جاتی ہے، آسمان میں ایک پورا چاند نظر آ جاتا ہے۔ پھر زمین اس سے سورج کے ایک حصے کو روکنے کے لئے واپس آ جاتی ہے، اور یہ دن بہ دن گھٹتا جاتا ہے، لہذا اس پر سورج کی روشنی اسی کے مطابق کم ہوتی جاتی ہے، اور جب تک زمین اس کے اور سورج کے درمیان آ جاتی ہے تب اس کا کچھ بھی ظاہر نہیں ہوتا ہے۔

جب عرب کائنات کی طرف متوجہ ہوئے، تو انہوں نے پوچھا: کیا وجہ ہے کہ یہ چاند پہلے ہلال ہوتا ہے اور پھر بدر بن جاتا ہے (چھوٹے سے بڑا ہوتا ہے)؟ تو اللہ عز و جل نے جواب دیا (يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْاَهْلَةِ) یعنی یہ لوگ چاند اور اس کے دور کے متعلق سوال کرتے ہیں، جس پر اللہ تعالیٰ نے ان کے سوال کے جواب میں نتیجہ اور خلاصہ بیان کیا کہ: (قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ) یہ ایسی بات تھی جسے عقل اس وقت تسلیم کر سکتی ہے، البتہ اس کے پیچھے کیا حقیقت چھپی ہے، اس کا انتظار کریں یہاں تک کہ وقت اس کا انکشاف کر دے، اور اس سے لاعلمی تمہارے نفع کو کم نہیں کرتی ہے۔¹

(4) قول باری تعالیٰ:

﴿فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلَقَ آيَةً وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ آيَاتِنَا لَغَافِلُونَ﴾²

(1) تفسیر الشعر اوی، ص: 808/2

(2) پونس: 92

(ترجمہ: آج تو ہم تیری لاش کو بچالیں گے تاکہ تو بعد میں آنے والوں کے لئے نشانِ عبرت بنے،

اگرچہ اکثر لوگ ہماری آیتوں سے غفلت ہی برتتے ہیں)

کی تفسیر میں شعر اوی فرماتے ہیں کہ حق سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے:

{وَكَايْنِ مِّنْ آيَةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يَمُرُّونَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ} ¹

(ترجمہ: آسمانوں اور زمین میں کتنی ہی نشانیاں ہیں جن پر یہ لوگ گزرتے رہتے ہیں اور ان کی

طرف توجہ ہی نہیں کرتے)

لہذا جب ہم کششِ ثقل کے قانون کے دریافت کرنے والے "نیوٹن" کو دیکھتے ہیں جس نے محض ایک سیب کو اس کے درخت سے گرتے دیکھا تھا۔ تو ہمیں معلوم ہوا کہ اس سے پہلے ہزاروں یا لاکھوں لوگ موجود تھے جنہوں نے ایک درخت سے پھل گرنے کا منظر دیکھا، لیکن نیوٹن اکیلا تھا جس نے سوچا اور اس کے سامنے جو ہوا اس پر غور و تدبر کیا یہاں تک کہ اسے کششِ ثقل کے قانون کی دریافت تک رہنمائی مل گئی۔ نیوٹن کے بعد وہ لوگ آئے جنہوں نے اسی قانون سے استفادہ کرتے ہوئے بحری جہاز بنائے۔

ہم نے یہ دیکھا کہ جن لوگوں نے آبدوزوں اور بڑے جہازوں کو ڈیزائن کیا جو تیرتے ہوئے شہروں سے ملتے جلتے ہیں ان لوگوں کا انحصار ان قوانین پر تھا جو "بونیسنسی" اور "آرشی میڈیز" نے دریافت کیے تھے۔ جنہوں نے دیکھا کہ جب بھی کوئی چیز پانی میں ڈوبتی ہے، پانی اسی ڈوبی ہوئی چیز کے حجم کے ساتھ بلند ہوتا ہے۔ ان سب نے کائنات میں موجود درازوں کو دریافت کیا، تخلیق نہیں کیا، اور وہ کائنات کی طرف توجہ کرنے میں ممتاز تھے۔

اسی طرح وہ سائنسدان جس نے "پینسلین" دریافت کی اس نے محسوس کیا کہ نامیاتی مادے کے ایک برتن میں سے تعفن زدہ پانی کے قطرے گر رہے ہیں، اور اس نے اس پانی کے قریب آنے والے کیڑوں کو مرتے ہوئے دیکھا، چنانچہ اس نے اس سانچے کا نمونہ لیا اور اس پر لیبارٹری میں تجربات کیے گئے یہاں تک کہ اس نے "پینسلین" دریافت کی۔

لہذا قولِ تعالیٰ: {وَكَايْنِ مِّنْ آيَةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يَمُرُّونَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ} کی روشنی میں یہی بات ان قصص پر بھی لاگو ہوتی ہے جو قرآن میں آتے ہیں، وہ لوگوں کے غور کرنے اور عبرت حاصل کرنے کے لیے آئے ہیں۔ جب اللہ اپنی طرف سے ایک ایسے معجزے کی تائید کے ساتھ ایک رسول بھیجتا ہے جس کی کوئی انسان صلاحیت نہیں رکھتا تو لوگوں کو فرمانبرداری اختیار کرتے ہوئے "آمنّا" کہنا چاہیے۔ نہ کہ پچھلے تجربات کی تکرار کا سلسلہ جاری رہے۔

(¹) یوسف: 105

مادی چیزوں میں انسان کے اوپر چڑھنے کا سلسلہ جاری ہے کیونکہ سائنسدانوں کی ہر نسل سائنس کے وہ تمام علمی نتائج لیتی ہے جو ان سے پہلے والوں تک پہنچتے ہیں، تو یہ معاملہ عقائد میں کیوں نہیں ہوتا؟ یہاں تک کہ اگر لوگ وہاں سے شروع کریں جہاں دوسروں نے ختم کیا تو ہم میں سے ہر ایک خود کو اللہ تعالیٰ پر یقین رکھتے ہوئے پائے گا۔ لیکن انسانوں پر آفت یہ ہے کہ انسان خود کو آزمانا چاہتا ہے۔ ہمیں یہ رویہ نقصان دہ معاملات میں بھی اپناتے ہیں مثلاً: شراب، ہم اسے ہر اس شخص کے لیے نقصان دہ سمجھتے ہیں جو اس کے قریب آتا ہے، لیکن اگر مذہب اس سے منع کرتا ہے، تو ہم لوگوں کو حیرت میں پاتے ہیں: یہ کیوں حرام ہے؟ اسی طرح تمباکو نوشی کے حوالے سے ہم ان لوگوں کو دیکھتے ہیں جو اس کو آزما رہے ہیں حالانکہ پچھلے تجربات نے اس کے شدید نقصان کو ثابت کیا ہے۔¹

اس بحث میں علمی تفسیر کے حوالے سے شیخ شعر اوی کا منہج و موقف بیان ہوا ہے جس کے مطابق شعر اوی کے نزدیک قرآن کریم کا اصل موضوع اگرچہ انسان کی ہدایت ہے نہ کہ سائنس لیکن ہدایت ہی کے ضمن میں بعض قرآنی آیات میں کچھ سائنسی اشارات بھی ملتے ہیں جنہیں شرائط کی پاسداری کرتے ہوئے تفسیر میں بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ قرآن کا ایک علمی اعجاز بھی ہے جو عصر حاضر میں سائنسی انکشافات کے ذریعے نمایاں ہو رہا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب بھی ہر گز نہیں کہ ہر آیت کی علمی تفسیر کرنے کی کوشش میں تکلف شروع کر دیا جائے۔ امام شعر اوی قرآن مجید کی آیات کو نیہ پر گہری نظر رکھتے تھے اور جدید سائنس اور اس کی دریافتوں سے بھی واقفیت رکھتے تھے جس کا اظہار آپ نے اپنی تفسیر میں کیا ہے۔

(۱) تفسیر الشعر اوی، ص: 6187-6189

مبحث دوم

علمی تفسیر میں ڈاکٹر اسرار احمد کا منہج

الف۔ قرآن مجید کا موضوع

ڈاکٹر صاحب کے نزدیک قرآن کا موضوع فلسفہ، سائنس، جیالوجی یا فنر کس نہیں ہے بلکہ اس کا موضوع انسان اور اس کی ہدایت ہے۔ اور اس حوالے سے قرآن کریم میں واضح ارشادات موجود ہیں۔ کبھی تو اسے ﴿هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ﴾¹ کہا گیا اور کبھی اسے ﴿هُدًى لِّلنَّاسِ﴾² کہا گیا۔ اسی طرح کبھی اسے ﴿هُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾³ کہا گیا اور کبھی ﴿هُدًى وَرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِينَ﴾⁴ کہا گیا۔ ان آیات اور ان جیسی دیگر آیات سے معلوم ہوا کہ "هُدًى" کا لفظ قرآن حکیم کے لیے کثرت کے ساتھ آیا ہے۔ پھر یہ صرف نکرہ نہیں "ال" کے ساتھ معرفہ بن کر بھی کئی جگہ آیا ہے جیسے ﴿هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى﴾⁵ اور ﴿وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنْ رَبِّهِمُ الْهُدَى﴾⁶ یعنی قرآن کریم ہی کامل اور ابدی ہدایت ہے۔ تو گویا قرآن کا موضوع انسان کی فکری و عملی ہدایت ہے۔ البتہ اس میں سائنسی علوم کی طرف اشارے موجود ہیں اور ان کے حوالے موجود ہیں۔⁷

آپ کا یہ موقف بالکل درست ہے کیونکہ قرآن حکیم لوگوں کی ہدایت کے لئے نازل ہوا ہے نہ کہ انہیں سائنسی علوم سکھانے اگرچہ بعض مقامات پر اللہ تعالیٰ نے خالق کائنات ہونے کے ناطے اپنی مخلوقات کے متعلق بعض حقائق ضرور بیان کیے ہیں جو سائنس کی ترقی کے ساتھ حق ثابت ہو رہے ہیں۔ لیکن ایسے حقائق کا تعلق بھی اصلاً انسان کی ہدایت سے ہی ہے۔

ب۔ سائنسی علوم کی حقیقت

ڈاکٹر اسرار احمد کے بقول علم انسانی کے دو بڑے گوشے ہیں یعنی علم ہدایت یعنی الہامی علم (divine or revealed Knowledge) اور علم اسماء یعنی اکتسابی علم (acquired Knowledge)۔ علم اسماء وہ علم ہے جس کا ذکر سورۃ البقرۃ میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے زمین میں ایک خلیفہ بنانے کا ذکر کیا تو فرشتوں نے

(1) البقرۃ: 2

(2) البقرۃ: 185

(3) الاعراف: 52

(4) لقمان: 3

(5) التوبۃ: 33

(6) النجم: 23

(7) بیان القرآن، ص: 52/1 اور ص: 55/1

درخواست کی کہ: کیا آپ اس کو زمین میں خلیفہ بنائیں گے جو اس میں فساد پھیلانے کا اور خون ریزیاں کرے گا؟ فرشتوں کا یہ اشکال دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے نام سکھا دیئے جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا﴾¹

(ترجمہ: اور اس نے آدم کو سب (چیزوں کے) نام سکھائے)

یہی علم اسماء جو آدم علیہ السلام کو دیا گیا، حکومت ارضی کی بنیاد ہے۔ جو قوم بھی اس علم کے اندر ترقی کرے گی وہی اقتدار ارضی کی حق دار ٹھہرے گی۔ البتہ اس رکوع کے آخر میں علم ہدایت کا ذکر ہے جہاں فرمایا گیا کہ جب حضرت آدم علیہ السلام سے خطا ہو گئی تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کرنے کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿فَتَلَقَّى آدَمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ﴾²

(ترجمہ: پھر آدم نے اپنے پروردگار سے کچھ کلمات سیکھے (اور معافی مانگی) تو اس نے ان کا قصور معاف کر دیا)

ڈاکٹر صاحب علم اسماء کے ارتقا کے متعلق فرماتے ہیں:

"اب یہ علم اسماء گویا آم کی گٹھلی میں آم کا پورا درخت ہوتا ہے۔ ہم ایک گٹھلی کو زمین میں دباتے ہیں۔ پھر اگر وہاں پانی پڑتا ہے اور زمین میں روئیدگی کی صلاحیت بھی ہے تو وہ گٹھلی پھٹے گی۔ اس میں سے جو دوپتے نکلیں گے وہ پھلیں پھولیں گے، پروان چڑھیں گے تو درخت بنے گا۔ وہ پورا درخت آم کی گٹھلی میں بالقوۃ (potentially) موجود تھا، البتہ اسے بالفعل پورا درخت بننے میں تین چار سال لگیں گے۔ تو جس طرح پورا درخت آم کی گٹھلی میں بالقوۃ موجود تھا لیکن وہ آم کا درخت کئی سال کے اندر بالفعل وجود میں آیا، بعینہ یہ معاملہ کل مادی حقائق کا ہے کہ اس ضمن میں کل علم حضرت آدم علیہ السلام کے وجود میں بالقوۃ (potentially) ودیعت کر دیا گیا! اب اس کی exfoliation ہو رہی ہے، وہ بڑھتا جا رہا ہے، برگ و بار لا رہا ہے۔"³

آپ کا یہ موقف درست معلوم ہوتا ہے۔ انسانی ایجادات و اختراعات اس کا ذاتی کسب نہیں ہے بلکہ یہ وہ علم ہے جو اللہ کی جانب سے اس میں ودیعت کر دیا گیا ہے اور اس کے مظاہر اللہ تعالیٰ کی مرضی کے عین مطابق اپنے مناسب وقت پر ہوتے رہتے ہیں۔ اللہ ہی ہے جو ہمارا اور ان اختراعات کا خالق ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(¹) البقرة: 31

(²) البقرة: 37

(³) بیان القرآن، ص: 52/1-53

﴿وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ﴾¹

(حالانکہ تم کو اور جو تم بناتے ہو اس کو خدا ہی نے پیدا کیا ہے)

ت۔ علم اسماء اور علم ہدایت کا تعلق

ڈاکٹر صاحب کے نزدیک یہ علم اسماء حقیقی نفع تبھی دے سکتا ہے جب وہ علم ہدایت کے سائے میں پروان چڑھے، البتہ اس علم کے ارتقا کا آسمانی ہدایت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اب یہ خود رو پودا ہے جو بڑھتا چلا جا رہا ہے، اور معلوم نہیں کہاں تک پہنچے گا۔ انسان چاند پر قدم رکھ کر آگیا ہے، جنیٹک انجینئرنگ اپنے کمالات دکھا رہی ہے، کلو ننگ کے طریقے سے حیوانات پیدا کیے جا رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کی تخلیق کو بدلنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ لیکن اس انسانی علم کے ساتھ اگر علم وحی یعنی علم ہدایت نہ ہو تو یہ علم بجائے خیر کے شر کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ چنانچہ آج یہ علم واقعتاً شیطانی قوت بن چکا ہے، ہلاکت کا سامان بن چکا ہے، تباہی کا ذریعہ بن چکا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کے بقول یہ علم اسی طرح ترقی کرتا رہے گا یہاں تک کہ دجال وہ شخص ہو گا جو ان تمام قواعد طبعی (Physical Laws) کے اوپر قابو پالے گا۔ جب چاہے گا، جہاں چاہے گا بارش برسائے گا۔ وہ رزق کے تمام خزانے اپنے ہاتھ میں لے کر اعلان کر دے گا کہ جو اس پر ایمان لائے گا اسی کو رزق ملے گا، کسی اور کو نہیں ملے گا۔ اس کی آواز پوری دنیا میں سنائی دے گی اور وہ چند دنوں کے اندر پوری دنیا کا چکر لگا لے گا۔ جس طرح یہ ساری باتیں حدیث میں دجال کے بارے میں آئی ہیں۔²

آپ کا موقف بجا طور پر درست ہے کیونکہ قرآن و حدیث کی روشنی میں درحقیقت دنیا کی کوئی نعمت بھی اس وقت تک کامل نعمت نہیں بنتی جب تک اس کے ساتھ نعمت ہدایت شامل نہ ہو۔ موجودہ دور میں سائنسی ترقی کے باوجود زمین میں ہونے والا فساد اس بات کی بڑی دلیل ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے موقف کی روشنی میں یہ تو دراصل امت مسلمہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ الہامی علم سے نور ایمان اخذ کر کے اکتسابی علم کو حاصل کریں تاکہ خلافت ارضی کا منصب سنبھال سکیں جس کے نتیجے میں زمین کا فساد ختم ہو اور انسانیت درست سمت پر گامزن ہو کر دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کر سکے۔

ث۔ تدبر قرآن کے لئے جدید علوم کی معرفت کی شرط

ڈاکٹر صاحب کے بقول قرآن حکیم وہ کتاب ہے جو ہر دور کے افق پر خورشید تازہ کی مانند طلوع ہوگی۔ آج سے سو برس پہلے کے قرآن اور آج کے قرآن میں اس حوالے سے فرق ہوگا۔ متن اور الفاظ وہی ہیں، لیکن آج علم انسانی کی

(1) الصافات: 96

(2) دیکھیے: بیان القرآن، ص: 53-54 اور ص: 147/1

جو سطح ہے اس پر اس قرآن کے فہم اور اس کے علم کو جس طریقے سے جلوہ گر ہونا چاہیے اگر آپ اس کا حق ادا نہیں کر رہے تو آپ سو برس پہلے کا قرآن پڑھا رہے ہیں، آج کا قرآن نہیں پڑھا رہے۔ لہذا عصر حاضر میں تدبر قرآن کا ایک اہم تقاضا یہ بھی ہے کہ علم انسانی آج جس درجے تک پہنچ گیا ہے، مادی سائنسز کے مختلف علوم، اقتصادیات، معاشرت، معیشت اور نفسیات انسانی وغیرہ کے ضمن میں جو کچھ معلومات انسان کو حاصل ہو چکی ہیں اور وہ خیالات و نظریات جن کو آج دنیا میں مانا جا رہا ہے ان سے آگاہی حاصل کی جائے۔ اگر ان کا اجمالی علم نہیں ہے تو اس دور کے تدبر قرآن کا حق ادا نہیں کیا جاسکتا۔

ڈاکٹر صاحب نے نہ صرف عقائد اور اعجاز قرآن کے ضمن میں جدید علوم کی جانب توجہ کرنے کی ترغیب دلائی ہے بلکہ آپ کے بقول قرآن کریم کی عملی ہدایت کی تطبیق کی غرض سے اسے جدید دور سے ہم آہنگ بنانے کے لئے بھی جدید علوم سے آراستہ ہونا پڑے گا۔ جدید علوم کی وسعت کے پیش نظر عصر حاضر میں تدبر قرآن کسی ایک انسان کے بس کا روگ ہی نہیں رہا، اس کے لیے تو ایک جماعت درکار ہے۔ ایسی یونیورسٹیز قائم ہونی چاہیں جن کا اصل مرکزی شعبہ تدبر قرآن کا ہو۔ جہاں طلبہ عربی زبان سیکھیں اور قرآن پڑھیں۔ لیکن اس مرکزی شعبے کے گرد تمام علوم عقلی، جیسے منطق، مابعد الطبیعیات، اخلاقیات، نفسیات اور الہیات، علوم عمرانی جیسے معاشیات، سیاسیات اور قانون، اور علوم طبعی، جیسے ریاضی، کیمیا، طبیعیات، ارضیات اور فلکیات وغیرہ کے شعبوں کا ایک حصار قائم ہو، اور ہر ایک طالب علم وہاں تدبر قرآن کی لازمی اور ایک یا اس سے زائد دوسرے علوم کی اپنے ذوق کے مطابق تحصیل کرے تاکہ اس طرح ان شعبہ ہائے علوم میں قرآن کے علم و ہدایت کو تحقیقی طور پر اخذ کر کے مؤثر انداز میں پیش کر سکے۔ اسی صورت معلوم ہو سکے گا کہ اس شعبے میں انسان آج کہاں کھڑا ہے اور قرآن کیا کہہ رہا ہے۔¹

ج۔ قرآن اور سائنس کا باہمی تعلق

ڈاکٹر اسرار احمد نے قرآن اور جدید سائنسی کائناتی حقائق کے حوالے سے ڈاکٹر رفیع الدین کے قول کی تائید کی ہے کہ یہ کائنات اللہ کا فعل ہے۔ اس کی تخلیق اور اس کی تدبیر ہے، جبکہ قرآن اللہ کا قول ہے، اور اللہ تعالیٰ کے قول و عمل میں تضاد ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ اگر کسی انسان کے قول و عمل میں تضاد ہو تو وہ انسانیت کی سطح سے نیچے اتر جاتا ہے، لہذا اللہ تعالیٰ کے قول اور عمل میں تضاد کیسے ہو سکتا ہے؟ البتہ یہ ممکن ہے کہ کسی دور میں انسانی معلومات کا دائرہ محدود ہونے کے سبب بعض قرآنی آیات کو نیچے بھی لوگوں کو سمجھ نہ آئیں لیکن وقت گزرنے کے ساتھ جب مزید حقائق منکشف ہوں گے تب یہ بات واضح سے واضح تر ہوتی چلی جائے گی کہ جو کچھ قرآن نے فرمایا ہے وہی برحق ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(¹) بیان القرآن، ص: 68-69

﴿سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ﴾¹

(ترجمہ: ہم انہیں دکھاتے چلے جائیں گے اپنی نشانیاں آفاق میں بھی اور خود ان کی جانوں میں بھی،

یہاں تک کہ یہ بات پوری طرح نکھر کر ان کے سامنے واضح ہو جائے گی کہ یہ قرآن ہی حق ہے)

مزید یہ کہ اپنے اس قول کی تائید میں آپ نے ڈاکٹر مورس بوکائل کا حوالہ بھی دیا ہے جو ایک فرانسیسی سرجن تھے۔ وہ قرآن اور بائبل دونوں کا تقابلی مطالعہ کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ پورے قرآن میں کوئی ایک لفظ بھی ایسا نہیں ہے جسے ہمارے سائنسی انکشافات میں سے کسی نے غلط ثابت کیا ہو، جب کہ تورات میں بے شمار چیزیں ایسی ہیں کہ سائنس انہیں غلط ثابت کر چکی ہے۔² تورات میں تحریف ہونے کی وجہ سے اس میں ایسی چیزیں در آئیں جو سائنس کی رو سے غلط ثابت ہوئیں۔ البتہ قرآن میں ایسی کوئی تاویل نہیں ہوئی اور اس کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ نے خود ذمہ لیا ہے۔³

ح۔ قرآن کا علمی اعجاز

آپ کے مطابق اعجاز قرآن کے مختلف پہلو ہیں، نزول قرآن کے وقت اعجاز قرآن کے جس پہلو نے اہل عرب کو سب سے زیادہ متاثر بلکہ مسحور کیا تھا وہ اس کی فصاحت، بلاغت اور ادبیت تھی۔ اسی لئے قرآن نے اہل عرب شعراء، خطباء اور فصحاء کو ان ہی کے میدان میں چیلنج کیا، جس کے شہسوار ہونے پر انہیں خود اپنے اوپر ناز تھا، کہ اگر تمہارے بقول یہ اللہ کا کلام نہیں ہے تو تم اس جیسی ایک سورت بنا کر دکھا دو۔ لیکن اس کے باوجود وہ اس چیلنج کا جواب نہ دے سکے۔ اس وقت عربوں کے ہاں چونکہ شاعری اور سخن وری و سخن فہمی کا بہت چرچا تھا اس لیے اس دور میں قرآن نے اپنے اسی اعجازی پہلو کو نمایاں کیا تھا۔

آج جبکہ سائنس کا دور ہے تو آج اعجاز قرآن کے سائنسی پہلو کو اجاگر کرنے کی ضرورت ہے۔ خصوصی محنت اور کوشش سے یہ حقیقت دنیا کے سامنے لانے کی ضرورت ہے کہ جن حقائق تک سائنس آج پہنچ پارہی ہے قرآن نے بنی نوع انسان کو چودہ صدیاں پہلے ان سے متعارف کرادیا تھا۔ قرآن کی بعض آیات تو اگرچہ آج بھی سائنسی حوالے سے تحقیق طلب ہیں، لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اب تک ہونے والی سائنسی تحقیق کے نتیجے میں جو بھی حقائق سامنے آئے ہیں وہ سب کے سب قرآن کی حقانیت پر گواہ بنتے چلے جا رہے ہیں۔ جس کی ایک مثال علم جنین

(1) فصلت: 53

(2) Dr Maurice Bucaille, The Bible, The Quran, And the Science, Translated by: Alaistar D Pannell, Kazi Publications, Lahore, Page: 251

(3) بیان القرآن، ص: 56/1

(Embryology) کے حوالے سے قرآنی تعلیمات ہیں۔ قرآن کریم میں مختلف مقامات پر انسانی تخلیق کے جو مراحل بیان کیے گئے ہیں اس کے متعلق ڈاکٹر کیتھ ایل مور کا کہنا ہے کہ:

"واقعہ یہ ہے کہ انسانی تخلیق کے مراحل کی اس سے زیادہ صحیح تعبیر ممکن نہیں ہے۔۔۔" ¹

علم و تحقیق کا یہ قافلہ وقت کی شاہراہ پر اپنا سفر قیامت تک جاری رکھے گا۔ ہمارا ایمان ہے کہ اس سفر کے دوران ایجاد و دریافت کے میدان میں انسان کو جو کامیابیاں بھی نصیب ہوں گی اور انفس و آفاق کی دنیا کے جو راز بھی منکشف ہوں گے وہ سب کے سب بالآخر قرآن حکیم کی حقانیت پر مہر تصدیق ثبت کرتے چلے جائیں گے۔ لیکن مقام افسوس ہے کہ ابھی تک کسی مسلمان اسکالر کو قرآن اور سائنسی معلومات کا تقابلی مطالعہ کر کے یہ ثابت کرنے کی توفیق نہیں ہوئی کہ اب تک کے تمام سائنسی انکشافات قرآن کی فراہم کردہ معلومات کے عین مطابق ہیں۔ ²

خ۔ علمی تفسیر کی شرائط

علمی تفسیر کی شرائط کے حوالے سے سابقہ گفتگو کی روشنی میں ڈاکٹر صاحب کے موقف کا جائزہ لینے کی کوشش کرنے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے موجودہ دور میں تدبر قرآن کے لیے سائنسی علوم کی اہمیت بیان کی ہے اور مسلمانوں کو قرآن اور سائنس کے حوالے سے خصوصی اہتمام کے ساتھ تحقیق و تدقیق کرنے کی ضرورت کی جانب توجہ دلائی ہے، اس حوالے سے جن سائنسی حقائق کی اب تک قرآن کے ساتھ مطابقت ثابت ہو چکی ہے انہیں عام کر کے قرآن کی حقانیت کے سائنسی ثبوت کے طور پر لوگوں تک پہنچانے کی کوشش کرنی چاہیے۔

اس حوالے سے نہ تو محض سائنسی مفروضوں کو بنیاد بنا کر قرآن کریم کی ان سے مطابقت پیدا کرنے کی ضرورت ہے اور نہ ہی ایسی کسی تحقیق کے دوران خواہ مخواہ تکلف کرنے اور زبردستی کھینچ تان کر کے قرآن کے دوران کار مفاہم نکالنے کی کوشش کرنے کی کوئی حاجت ہے۔ ³

اسی طرح آپ کے نزدیک کائنات کے حوالے سے ابھی انسانی علم بہت محدود ہے۔ وائرس اور بیکٹیریا کے بارے میں کچھ ہی عرصہ پہلے ہمیں معلوم ہوا ہے کہ یہ بھی کوئی مخلوق ہے۔ اس وسیع و عریض کائنات میں یقیناً بہت سے ایسے حقائق ہوں گے جن کے بارے میں اب بھی انسان کچھ نہیں جانتا۔ لہذا جہاں پر عقلی اور سائنسی طور پر قرآن کریم کی کوئی بات سمجھ میں نہ آئے وہاں تسلیم کر لینا چاہیے کہ ابھی بات واضح نہیں ہے اور ایک وقت ضرور آئے گا کہ جو بات آج واضح نہیں ہے وہ واضح ہو جائے گی، اور خارج کی دنیا میں اس حوالے سے جو حقائق بھی منکشف ہوں گے ان شاء اللہ! وہ قرآن کے الفاظ کے عین مطابق ہوں گے۔

(¹) بیان القرآن، ص: 57/1

(²) دیکھیے: بیان القرآن، ص: 301-298/6 اور 57-56/1 اور 86-78/1

(³) ایضاً، ص: 56/1 اور 71/1 اور 298/6

آپ کے بقول ہمیں یہ کامل یقین رکھنا چاہیے کہ پورا قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جیسا کہ سورہ آل عمران میں اللہ تعالیٰ نے علمی رسوخ رکھنے والوں کا قول ذکر کیا ہے کہ وہ قرآن کے متعلق کہتے ہیں:

﴿أَمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا﴾¹

(ترجمہ: ہم ان پر ایمان لائے یہ سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہیں)²

د۔ عملی ہدایات اور مظاہر طبعی کے بارے میں متضاد طرز عمل

ڈاکٹر اسرار کے مطابق قرآن حکیم میں سائنسی علوم کے جو حوالہ جات آتے ہیں اور اس میں جو عملی ہدایات ملتی ہیں، ان کے ضمن میں یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ ایک اعتبار سے ہمیں آگے سے آگے بڑھنا ہے اور دوسرے اعتبار سے ہمیں پیچھے سے پیچھے جانا ہے۔ قرآن کریم کی سائنسی تعبیر کرتے ہوئے ہمیں امام رازی یا دیگر مفسرین کو دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اس حوالے سے ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ آج انسان کو کیا معلومات حاصل ہو چکی ہیں، کون سے حقائق پایہ ثبوت کو پہنچ چکے ہیں۔ تجرباتی علوم کے مطابق جو ہمیں علم حاصل ہے اس پر عمل کرنا ہوگا۔ لیکن دین کے عملی پہلو میں ہمیں پیچھے سے پیچھے جانا ہوگا۔ یہاں جدید دور کے تقاضوں کی بجائے یہ دیکھنا ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کیا طریقہ اختیار کیا ہے، ہمارے اسلاف کا فہم کیا تھا، کن چیزوں پر ہماری چودہ سو برس کی تاریخ میں امت کا اجماع رہا ہے۔³

آپ نے اس حوالے سے اعتدال پر مبنی موقف اپنایا ہے۔ جیسا کہ اس حوالے سے امت افراط و تفریط کا شکار ہے، ہمارے عام علماء نے عربی علوم وغیرہ تو پڑھے ہیں، مگر انہوں نے سائنس نہیں پڑھی، وہ جدید علوم سے واقف نہیں، وہ نہیں جانتے کہ آج کائنات کا تصور کیا ہے۔ اسی سبب بعض سائنسی حقائق جب متقدمین کی کسی رائے سے ٹکراتے ہیں تو یہ طبقہ ایسی آراء رکھنے والوں کی تکفیر بھی کرنے سے نہیں رکتا۔ جب کہ دوسری جانب ہمارا وہ طبقہ جو سائنسی علوم سے آگاہی رکھتا ہے وہ سائنس سے مرعوب ہو کر پورے دین کو اپنے تصورات کا رنگ دینا چاہتا ہے۔ وہ شریعت کے حلال و حرام کو بھی جدید دور کے تقاضوں کے مطابق ڈھالنا چاہتے ہیں۔

ف۔ تاویلات بعیدہ

ڈاکٹر صاحب کا تعلق میڈیکل کے شعبہ سے تھا لیکن آپ نے اپنی تفسیر میں علمی تفسیر کرتے ہوئے بہت احتیاط سے کام لیا ہے اور مذکورہ شرائط کا خیال رکھا ہے۔ تاہم اکادک مقامات پر آپ نے ایسی رائے بھی پیش کی ہے جو ایک قاری کو تعجب میں ڈال دیتی ہے کیونکہ اس کی ٹھوس دلیل موجود نہیں ہے۔ مثال کے طور پر قول باری تعالیٰ:

(¹) آل عمران: 7

(²) بیان القرآن، ص: 56/1 اور ص: 203/4

(³) ایضاً، ص: 70/1

﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا﴾¹

(ترجمہ: اور ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور ان کو جنگل اور دریا میں سواری دی اور پاکیزہ روزی عطا کی اور اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی)

کی تفسیر کرتے ہوئے آپ رقم طراز ہیں:

"یہ آیت بہت واضح انداز میں اس حقیقت کا اظہار کر رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق کی معراج (climax) انسان ہے.... اس تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کائنات کا نقطہ آغاز اللہ تعالیٰ کا امر کن ہے۔ حرف کن سے خنک نور کا ظہور ہوا، اس نور سے ملائکہ اور انسانی ارواح کی تخلیق ہوئی، پھر Big Bang کے نتیجے میں حرارت کا گولا وجود میں آیا، جس کے متحرک ذرات سے کہکشائیں، ستارے اور سیارے بنے۔ اسی دور میں اس حرارت سے جنات کی تخلیق ہوئی۔ دوسرے بے شمار ستاروں اور سیاروں کی طرح ہماری زمین بھی ابتدا میں بہت گرم تھی۔ یہ آہستہ آہستہ ٹھنڈی ہوئی۔ پھر اس پر ہزاروں برس مسلسل بارش برستی رہی، جس سے زمین پر ہر طرف پانی پھیل گیا۔ اس کے بعد زمین پر نباتاتی اور حیوانی حیات کا آغاز ہوا۔ اس کے بعد پھر تمام مخلوق کے بادشاہ "انسان" کی تخلیق عمل میں آئی۔"²

اللہ تعالیٰ نے بلاشبہ انسان کو بہت سی مخلوقات پر فضیلت بخشی ہے لیکن یہاں ڈاکٹر صاحب کا انسان کو اللہ کی تخلیق کا معراج کہنا درست نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات اور جہانوں کا ادراک انسان کے بس کی بات نہیں ہے کیونکہ اسے تو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ انسان سے بہتر مخلوق بنانے پر بھی قدرت رکھتا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَا تَعْلَمُونَ﴾³

(ترجمہ: ہم نے تم میں مرنا ٹھہرا دیا ہے اور ہم اس (بات) سے عاجز نہیں کہ تمہاری طرح کے اور

لوگ تمہاری جگہ لے آئیں اور تم کو ایسے جہان میں جس کو تم نہیں جانتے پیدا کر دیں)

مزید یہ کہ ڈاکٹر صاحب نے فرشتوں، جنات اور انسانوں کی تخلیق کی جو ترتیب "بگ بینگ" کی مناسبت سے

بیان کی ہے اس کی کوئی دلیل نہیں پیش کی اور نہ ایسی کوئی دلیل موجود ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

(¹) الاسراء: 70

(²) بیان القرآن، ص: 320/4

(³) الواقعة: 60-61

(1) ڈاکٹر صاحب قول باری تعالیٰ:

﴿وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ﴾

(ترجمہ: اور سب اپنے اپنے دائرے میں تیر رہے ہیں)¹

کے متعلق فرماتے ہیں:

"بعض کائناتی حقائق وہ ہیں جن کا تعلق فلکیات (Astronomy) سے ہے۔ فرمایا: { وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ } یعنی یہ تمام اجرام سماویہ اپنے اپنے مدار میں تیر رہے ہیں۔ معلوم ہوا ہر شے حرکت میں ہے۔ انسان پر ایک دور ایسا گزرا ہے جب وہ یہ سمجھتا تھا کہ زمین ساکن ہے اور سورج اس کے گرد حرکت کر رہا ہے۔ پھر ایک دور آیا جس میں کہا گیا کہ نہیں، سورج ساکن ہے، زمین حرکت کرتی ہے، زمین سورج کے گرد چکر لگاتی ہے، اور آج ہمیں معلوم ہوا کہ ہر شے حرکت میں ہے۔ سورج کا بھی اپنا ایک مدار ہے، اس میں وہ اپنے پورے کنبے سمیت حرکت کر رہا ہے۔ یہ نظام شمسی اس کا کنبہ ہے، اس پورے کنبے کو لے کر وہ بھی ایک مدار میں حرکت کر رہا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ الفاظ قرآنی: { وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ } میں 'كُلٌّ' کا لفظ جس طرح منحرف اور مبرہن ہو کر، جس شان کے ساتھ آج ہویدا ہوا ہے، آج سے پہلے انسان کو معلوم نہیں تھا۔ قرآن مجید میں کائناتی مظاہر کے بارے میں جو بات کہی گئی ہے وہ کبھی غلط نہیں ہو سکتی۔ یہ وہ حقیقت ہے جو اس دور میں آکر پوری طرح واضح ہوئی ہے۔"²

(2) قول باری تعالیٰ:

﴿فَلَا أُفْسِئُ مَوَاقِعَ النُّجُومِ﴾³

(ترجمہ: ہمیں تاروں کی منزلوں کی قسم)

کی تفسیر میں ڈاکٹر صاحب نے ان مفسرین سے اختلاف کیا ہے جن کے نزدیک (مَوَاقِعَ النُّجُومِ) سے شہاب ثاقب مراد ہے جو کہ بالکل مختلف چیز ہے اور قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اسے شیطین کو عالم بالا سے مار بھگانے کا ذریعہ بتایا گیا ہے۔ آپ کے مطابق عصر حاضر میں سائنسی معلومات کی مدد سے اس آیت کو نسبتاً بہتر طور پر سمجھا جاسکتا ہے۔ اب سائنسدانوں نے خلا میں ایسے بے شمار اندھے غاروں کا کھوج لگایا ہے جو اپنے پاس سے گزرنے والی ہر چیز کو نگل جاتے ہیں۔ سائنسدانوں نے ان "غاروں" کو Black Holes کا نام دیا ہے۔ یہ بلیک ہول اتنے بڑے ہیں کہ اس کے اندر ہمارے سورج سے کروڑوں گنا بڑے ستارے پلک جھپکنے میں غائب ہو جاتے ہیں، بلکہ ایسے کروڑوں

(¹) ایں: 40

(²) بیان القرآن، ص: 55/1

(³) الواقعة: 75

ستاروں پر مشتمل کہکشائیں بھی ایسے بلیک ہولز کے اندر گم ہو کر معدوم ہو جاتی ہیں۔ مزید یہ کہ سائنسی تحقیقات سے یہ بھی پتا چلا ہے کہ کائنات کے اندر مسلسل نئے نئے ستارے اور نئی نئی کہکشائیں وجود میں آرہی ہیں، اور اسی دوران بے شمار کہکشائیں اپنے ان گنت ستاروں کے ساتھ مسلسل بلیک ہولز کی نذر ہو کر معدوم ہو رہی ہیں۔

ڈاکٹر صاحب نے اس حوالے سے یہ بھی اعتراف کیا ہے کہ ہا بھی بھی ان غاروں کا مفہوم پوری طرح واضح نہیں ہوا اور کائنات کے اسرار و رموز سے متعلق آج بھی انسان کی معلومات بہت محدود ہیں لیکن پھر بھی بلیک ہولز کے متعلق اب تک حاصل ہونے والی یہ معلومات بہت ہو شر باہیں۔

اس کے بعد اس وسیع کائناتی تصور کو انسانی ہدایت سے جوڑتے ہوئے آپ انسانوں کو دعوت فکری دیتے ہیں کہ اب اگر ہم اپنی زمین کی جسامت اور وسعت کا نقشہ ذہن میں رکھیں، پھر اس کے مقابلے میں سورج کی جسامت کا اندازہ کریں، پھر یہ تصور کریں کہ کائنات میں ہمارے سورج سے کروڑوں گنا بڑے اربوں کھربوں ستارے بھی موجود ہیں اور ان ستاروں کے درمیان اربوں نوری سالوں کے فاصلے ہیں، پھر یہ تصور کریں کہ ایسے ان گنت ستاروں پر مشتمل ان گنت کہکشائیں ہیں، اور ان کہکشاؤں کے درمیانی فاصلے بھی اسی تناسب سے ہیں۔ کہکشاؤں اور ستاروں سے متعلق یہ تمام معلومات ذہن میں رکھ کر اگر ہم کائنات کے طول و عرض میں موجود لا تعداد بلیک ہولز کا تصور کریں اور پھر یہ نقشہ ذہن میں لائیں کہ ان میں سے ایک ایک بلیک ہول اتنا بڑا ہے کہ وہ اپنے پاس سے گزرنے والی کسی بڑی سے بڑی کہکشاں کو آن واحد میں ایسے نکل جاتا ہے کہ اس کا نام و نشان تک باقی نہیں رہتا اور پھر ان بلیک ہولز کا اطلاق موقع النجوم پر کریں تو شاید ہمیں کچھ کچھ اندازہ ہو جائے کہ اس آیت میں جس قسم کا ذکر ہوا ہے وہ کتنی بڑی قسم ہے۔¹

سابقہ دونوں مثالوں میں ڈاکٹر صاحب نے نہایت خوبصورتی سے عصر حاضر کی سائنسی توجیہات اور قرآنی آیات میں مطابقت پیدا کر کے آیت کے درست مفہوم کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ سائنسی علوم کی محدودیت اور اللہ تعالیٰ اور اس کے کلام کی عظمت کو بھی مبرہن کیا ہے۔ بلاشبہ قرآنی آیات کی روشنی میں اخذ کیا گیا کائنات کی وسعت کا یہ تصور قلوب میں ایمان کی آبیاری کا ذریعہ ہے۔

(3) قول باری تعالیٰ:

﴿وَأَرْسَلْنَا الرِّيَّاحَ لَوَاقِحَ﴾²

(ترجمہ: اور ہم بھیجتے ہیں ہوائیں جو بوجھل ہوتی ہیں) (یا بوجھل کرنے والی ہوتی ہیں)

(1) بیان القرآن، ص: 110/7-111

(2) الحجر: 22

کی تفسیر کرتے ہوئے آپ نے پہلے "لَوَاقِحَ" (بوجھل) کے عام مفہوم کا ذکر کیا ہے کہ ہواؤں کا بوجھل ہونا اس اعتبار سے سمجھا جاتا رہا کہ یہ ہوائیں بادلوں کو اٹھا کر لاتی ہیں اور بارش کا سبب بنتی ہیں، لیکن اب جدید سائنسی تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ polen grains بھی ہواؤں کے ذریعے منتقل ہوتے ہیں جن سے پھولوں کی فرٹیلائزیشن ہوتی ہے، جس کے نتیجے میں فصلیں اور پھل پیدا ہوتے ہیں۔ گویا ہوائیں صرف بادلوں کے بوجھ کو نہیں اٹھا کر لاتی بلکہ یہ سارا نباتاتی نظام بھی ہواؤں کی وجہ سے چل رہا ہے¹

(4) قول باری تعالیٰ:

﴿أَوْ كَظُلُمَاتٍ فِي بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَغْشَاهُ مَوْجٌ مِنْ فَوْقِهِ مَوْجٌ مِنْ فَوْقِهِ سَحَابٌ ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ إِذَا أَخْرَجَ يَدَهُ لَمْ يَكُنْ يَرَاهَا وَمَنْ لَمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِنْ نُّورٍ﴾²

(ترجمہ: یا) (ان کے اعمال کی مثال ایسی ہے) جیسے دریائے عمیق میں اندھیرے جس پر لہر چڑھی چلی آتی ہو اور اس کے اوپر اور لہر (آ رہی ہو) اور اس کے اوپر بادل ہو، غرض اندھیرے ہی اندھیرے ہوں، ایک پر ایک (چھایا ہوا) جب اپنا ہاتھ نکالے تو کچھ نہ دیکھ سکے۔ اور جس کو خدا روشنی نہ دے اس کو (کہیں بھی) روشنی نہیں (مل سکتی))

کی تفسیر کرتے ہوئے آپ سمندر کی گہرائی میں اندھیروں کے تصور کو واضح کرتے ہیں کہ وہاں گویا اندھیری رات کی مانند اس قدر اندھیرا ہے کہ روشنی کی کسی ایک کرن کا بھی کہیں کوئی وجود نہیں ہے۔ مطلق تاریکی کی اس کیفیت کو اردو محاورے میں یوں بیان کیا جاتا ہے کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا۔

اس کے بعد آپ آیت میں موجود اعجاز کو واضح کرتے ہوئے ایک فریجائیڈ مرل کا تذکرہ کرتے ہیں جو اس آیت کو پڑھ کر مسلمان ہو گیا تھا۔ اس کی ساری عمر سمندروں میں گزری تھی اور پانی کے نیچے اس مطلق تاریکی کی کیفیت اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھی تھی۔ یہ آیت پڑھ کر اسے تجسس ہوا کہ کیا رسول اللہ ﷺ نے بحری سفر بھی کیے تھے؟ اور جب اسے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے کبھی بھی کوئی بحری سفر نہیں کیا تو اس نے اعتراف کر لیا کہ یہ ضرور اللہ کا کلام ہے نہ کہ محمد ﷺ کا، کیونکہ ایسی تشبیہ تو صرف وہی شخص دے سکتا ہے جو سمندر میں غوطہ خوری کرتا رہا ہو اور سمندر کی گہرائی میں اندھیروں کی کیفیت کا مشاہدہ اپنی آنکھوں سے کر چکا ہو۔ اور آپ ﷺ کے لئے اس وقت ایسا کرنا ناممکن تھا کیونکہ اتنی گہرائی میں جانا اس وقت ممکن ہی نہ تھا۔³

(¹) بیان القرآن، ص: 205/4

(²) النور: 40

(³) بیان القرآن، ص: 219/5

مبحث سوم

علمی تفسیر میں دونوں مفسرین کے منہج کا تقابلی جائز

علمی تفسیر میں بیان القرآن اور تفسیر الشعر اوی کے منہج کا تقابل کرنے سے درج ذیل نکات سامنے آتے ہیں:

(1) حقیقت یہ ہے کہ دونوں مفسرین علمی تفسیر اور اس سے متعلقہ آیات سے واقف تھے۔ اس حوالے سے جہاں دونوں کی نظر عمیق قرآن مجید کی آیات کو نیہ پر تھی وہاں دوسری جانب جدید سائنس اور اس کی دریافتوں پر بھی آپ دونوں نگاہ رکھتے تھے جس کا اظہار انہوں نے اپنی تفسیر میں کیا ہے۔ اس حوالے سے سامعین آپ کے کلام کے منتظر رہتے۔ اگر آپ دونوں اس حوالے سے صرف نظر کرتے تو بلاشبہ عصر حاضر میں ایسی تفسیر کو اس قدر مقبولیت حاصل نہیں ہوتی جو جدید علوم سے آراستہ نہیں ہوتی۔

(2) دونوں مفسرین کے نزدیک قرآن کریم کا اصل موضوع انسان کی ہدایت ہے نہ کہ سائنس البتہ ہدایت ہی کے ضمن میں بعض قرآنی آیات میں کچھ سائنسی اشارات بھی ملتے ہیں۔

(3) اس بات پر دونوں مفسرین متفق ہیں کہ قرآن اور سائنس کے باہمی تعلق کے حوالے سے قرآن کریم کو مبین (گاہبان) کی حیثیت حاصل ہے۔ ہم قرآن کے لئے سائنس کو تو وقتی طور پر نظر انداز کر سکتے ہیں لیکن کسی سائنسی تحقیق کی بنیاد پر قرآن کریم کی کسی آیت کا رد نہیں کیا جائے گا، بلکہ انتظار کیا جائے گا یہاں تک کہ سائنس قرآن کے موافق تحقیق تک پہنچ جائے۔ کیونکہ قرآنی آیات اور درست سائنسی تحقیق میں تضاد ممکن نہیں ہے۔

(4) ڈاکٹر صاحب اور شعر اوی کے نزدیک قرآن کریم کے اعجاز کے مختلف پہلوؤں میں سے ایک علمی اعجاز بھی ہے جو عصر حاضر میں سائنسی انکشافات کے ذریعے نمایاں ہو رہا ہے۔ ایک مفسر اور محقق کی ذمہ داری ہے کہ وہ علمی اعجاز کو واضح کرتے ہوئے دین اسلام کی حقانیت کو مبرہن کرے۔ لہذا دونوں نے اپنی تفاسیر میں اس کا اہتمام کیا ہے۔

(5) دونوں مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قرآن کریم کی علمی تفسیر کرتے ہوئے ایک مفسر پر لازم ہے کہ وہ علمی تفسیر کی شرائط کو بھی ملحوظ خاطر رکھے۔ عام طور پر دونوں نے ہی ان شرائط کو سامنے رکھا ہے۔

(6) ڈاکٹر صاحب نے علمی تفسیر کا اہتمام شعر اوی صاحب کی نسبت کم کیا ہے اور آپ نے اختصار سے کام لیا ہے۔ جب کہ شعر اوی صاحب اس ضمن میں تفصیل میں گئے ہیں۔

(7) عام طور پر دونوں مفسرین نے علمی تفسیر کی شرائط کا پاس رکھا ہے البتہ چند مقامات پر ان سے انحراف کرتے ہوئے ایسی تاویلات بھی کی ہیں جو بہت دور کی ہیں۔

8) علمی تفسیر کے حوالے سے دونوں مفسرین کے منہج کے تقابل کی غرض سے قرآن کریم کے دو مقامات کا انتخاب کیا گیا ہے۔

پہلی تقابلی مثال:

قول باری تعالیٰ:

﴿أَوَلَمْ يَرِ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ﴾¹

(ترجمہ: کیا کافروں نے نہیں دیکھا کہ آسمان اور زمین دونوں ملے ہوئے تھے تو ہم نے جدا جدا

کر دیا۔ اور تمام جاندار چیزیں ہم نے پانی سے بنائیں۔ پھر یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے؟)

کی تفسیر میں شعر اوی نے پہلے لغوی شرح کرتے ہوئے یہ واضح کیا کہ الرق سے مراد جڑی ہوئی مربوط چیز ہے لہذا {فَفَتَقْنَاهُمَا} کا معنی ہے کہ: ہم نے ہم نے انہیں الگ کر دیا اور اس ربط و جوڑ کو ہٹا دیا۔ اس کے بعد آپ نے آیات کونیہ کو سمجھنے کے حوالے سے علماء کے مختلف نظریات کو بیان کیا ہے۔ آپ کے بقول آیات کونیہ کو علماء میں سے ہر ایک اپنی ثقافت اور علم کے بقدر سمجھتا رہا ہے۔ ماضی میں لوگ ایسے کائناتی مظاہر کے بارے میں زیادہ نہیں جانتے تھے جن کا انکشاف اب ہوا ہے۔ لہذا انہیں الجھن سے بچانے کے لئے قرآن کریم میں ایسی آیات اجمالاً بیان ہوئی ہیں۔

آپ کہتے ہیں کہ جدید سائنس کی روشنی میں ان مجمل آیات کی تشریح کے حوالے سے علماء اسلام کے دو موقف ہیں اور یہ دونوں موقف اللہ کے دین اور اس کی کتاب سے محبت، اور قرآن کی لائی ہوئی ان کائناتی آیات کی سچائی کو ثابت کرنے کی مخلصانہ خواہش پر مبنی ہیں جن کی حقیقت نزول قرآن کے چودہ سو سال بعد ظاہر ہو رہی ہے۔ پہلا موقف: اس کے قائل یہ کوشش کرتے ہیں کہ ہر جدید دریافت کے حوالے سے قرآنی شہادت لا کر یہ دعویٰ کریں کہ اس حوالے سے قرآن سبقت لے جا چکا اور محمد ﷺ اللہ کی طرف سے اس کے ابلاغ میں سچے ہیں۔

دوسرا موقف: جہاں تک دوسرے موقف کے قائلین کا تعلق ہے، وہ اس مسئلے سے خوفزدہ ہیں، اس ڈر سے کہ کہیں وہ کسی غیر ثابت نظریے کے لیے کتاب اللہ سے دلیل ڈھونڈ لیں م اور پھر وہ نظریہ باطل ہو جائے جب کہ انہوں نے اسے قرآن سے جوڑ دیا ہو۔

اس کے بعد آپ درست موقف کا تعین کرتے ہیں کہ کسی سائنسی نظریے اور سائنسی حقیقت میں فرق ہوتا ہے۔ نظریہ جب تک ثابت نہیں ہوتا وہ موضوع تحقیق ہوتا ہے۔ جب کہ سائنسی حقیقت ایک ایسا معاملہ ہے جو تجربے کے تحت رہا ہے، اور اس کی حقیقت عملی طور پر ثابت ہو چکی ہے، اور ہمیں یقین ہے کہ یہ تبدیل نہیں ہوگا۔ لہذا ہمیں

(۱) الانبیاء: 30

چاہیے کہ ہم قرآن کریم کو کسی ایسے نظریہ سے نہ جوڑیں جس کے درست یا غلط ہونے کا احتمال ہو ورنہ لوگ فہم قرآن میں تذبذب کا شکار ہو جائیں گے۔ لیکن ثابت شدہ سائنسی حقیقت کو قرآن سے مربوط کرنے میں کوئی مانع نہیں ہے۔

آپ اس کی ایک مثال کے طور پر زمین کی کرویت کا مسئلہ بیان کرتے ہیں کہ جب سائنسدانوں نے یہ کہا کہ زمین گول ہے، تو بہت سے لوگوں نے اعتراض کیا اور اس پر ہنگامہ کیا اور اس پر کتابیں لکھیں، اور ان میں وہ لوگ بھی شامل تھے جنہوں نے اس قول کے قائلین کے کفر کا فتویٰ دیا؛ کیونکہ اس مسئلہ پر قرآنی نص نہیں ہے۔ پھر جب سائنس نے ترقی کی اور اس نظریے کے اثبات میں کافی دلائل اکٹھے ہو گئے، انہیں دوسرے سیارے سورج اور چاند کی طرح گھومتے ہوئے ملے، تو سوال اٹھا کہ زمین ان جیسی کیوں نہیں ہے؟ آپ زمین کی کرویت کے مزید دلائل دیتے ہیں کہ اگر آپ سمندر کے کنارے کھڑے ہو جاتے ہیں، اور آپ دور سے آنے والی کشتی کو دیکھتے ہیں، جہاں سے آپ کو اس کی پال کی صرف نوک نظر آتی ہے، اور آپ کو باقی کشتی نظر نہیں آتی جب تک کہ وہ قریب نہ آجائے۔ تو یہ کیا اشارہ کرتا ہے؟ یہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ زمین کی سطح ہموار نہیں ہے، بلکہ اس میں گھماؤ ہے جو اس کے کروی ہونے کی نشاندہی کرتی ہے۔ پھر جب خلائی دور آیا، اور سائنس دان بیرونی خلا پر چڑھ گئے، اور وہ زمین کی تصاویر کے ساتھ آئے، تو یہ ثابت ہوا کہ زمین دراصل کروی ہے، اور اس طرح یہ نظریہ ایک سائنسی حقیقت میں بدل گیا جسے آگے نہیں بڑھایا جاسکتا، اور اس کے ارد گرد کوئی تنازعہ نہیں ہے، اور جس نے اس کی مخالفت کی جب یہ نظریہ تھا اب وہ بھی صرف اسے قبول ہی کر سکتا ہے۔

اس کے بعد آپ زمین کی کرویت کی مزید وضاحت کرتے ہیں کہ اس سے یہ بھی مراد ہے کہ وہ چکر لگا رہی ہے۔ بھلا ماضی میں کون اس بات کی تصدیق کرتا کہ زمین اپنے پانی اور تعمیرات وغیرہ کے ساتھ سورج کے گرد چکر لگا رہی ہے؟ آپ اگر پانی سے بھرا ہوا ایک گلاس لیں اور اسے تیزی سے اوپر نیچے گھمائیں، آپ دیکھیں گے کہ گلاس کا منہ نیچے کی جانب ہونے کے باوجود اس میں سے پانی نہیں گرے گا۔ مگر کیوں؟ کیونکہ گردش کی رفتار زمین کی کشش ثقل سے تجاوز کر جاتی ہے، جو اس کی طرف پانی کو کھینچتی ہے، جیسا کہ اس حقیقت کا ثبوت ہے کہ اگر آپ گلاس کی گردش کو کم کرتے ہیں تو پانی اس کے منہ سے گر جائے گا، اور کشش ثقل کا اثر ضرور ہوگا، اور یہ زمین کی کشش ثقل وہ ہے جو پانی کو اس کی گردش کے دوران روکے رکھتی ہے۔

آپ ایسے علماء کا رد کرتے ہیں جو تحقیق اور مطالعہ کی راہ میں کسی نئے نظریے کو قرآن سے جوڑتے ہوئے خوش ہوتے ہیں، جیسا کہ سائنسی نشاۃ ثانیہ اور جدید دور کے آغاز میں ہوا۔ جب سائنسدانوں نے نظام شمسی کو دریافت کیا، تو ان کی معلومات میں اس کے صرف سات سیارے تھے، جو مرکز میں موجود سورج سے ان کی قربت کے مطابق ترتیب دیئے گئے ہیں: یعنی مرکری، ونس، زمین، مریخ، مشتری، زحل اور یورینس۔ اس وقت، کچھ بڑے علماء، جن

میں سے شیخ المرانغی بھی ہیں، نے جلدی سے کہا کہ یہ سات آسمان ہیں، اور انہوں نے اس پر تحقیق لکھی کہ اس سے پہلے قرآن میں ان کا ذکر ہے۔ دن گزرتے گئے، اور سائنسدانوں نے آٹھویں سیارے (نیپچون) اور پھر نویں کو بھی دریافت کیا۔ لہذا، ایک نظریہ جو کہ ابھی تک سائنسی طور پر تصدیق شدہ نہیں ہے اسے قرآن سے جوڑنا ایک بہت بڑی غلطی ہے۔ کیونکہ یہ ممکن ہے کہ اگر ان کے پاس نئے آلات اور بڑے خوردبین ہوں۔ جیسا کہ کچھ خلائی سائنسدان کہتے ہیں - وہ بہت سے دوسرے سیارے دریافت کریں گے، کیونکہ ہمارا نظام شمسی کہکشاں کے سولہ گروہوں میں سے ایک ہے جسے ہم (ملکی وے) کہتے ہیں۔ یہ ستارے جو ہم دیکھتے ہیں بہت بڑے اور عظیم ہیں، اس حد تک کہ وہ لوگوں کے تصورات سے تجاوز کر جاتے ہیں۔ سورج جو ہم دیکھتے ہیں وہ زمین سے سوا کروڑ گنا بڑا ہے۔ ایسے ستارے بھی ہیں جو اپنے پیٹ میں دس لاکھ سورجوں کو نگل سکتے ہیں۔ ہمارے اور سورج کے درمیان فاصلہ آٹھ لاکھ منٹ ہے۔ ایک لاکھ منٹ کا حساب ساٹھ سیکنڈ میں ضرب لگا کر کیا جاتا ہے، اور ایک سیکنڈ کی رفتار 186,000 میل ہے، جس کا مطلب ہے: تین لاکھ کلومیٹر۔ جہاں تک زمین اور اینڈرومیڈا (کہکشاں) کے درمیان فاصلے کا تعلق ہے، انہوں نے اسے منٹوں میں نہیں بلکہ نوری سالوں میں شمار کیا اور اسے ایک سو نوری سال پایا۔ اور الشعری جس کا ذکر قول باری تعالیٰ: {وَأَنَّهُ هُوَ رَبُّ الشَّعْرَىٰ} میں آیا ہے وہ اس سے بھی دور ہے۔ اور یہ سارے ستارے اور افلاک آسمان دنیا میں ہیں اور ان کا سات آسمانوں میں کوئی دخل نہیں۔ لہذا، ان علماء کے بہت سے چاہنے والوں نے اس مسئلے کو اپنی کتابوں سے مٹانے کی کوشش کی، تاکہ یہ ان کے خلاف توہین اور ان کے علمی راستے میں پھسلن نہ ہو۔

اسی کی ایک اور مثال سائنسدانوں کا یہ قول تھا کہ نظام شمسی بشمول زمین، سورج کی گردش کے نتیجے میں تشکیل پایا تھا، اور یہ ایک جلتا ہوا مادہ تھا، لہذا کچھ ٹکڑے اس سے الگ ہو گئے جو وقت گزرنے کے ساتھ ٹھنڈے ہوئے، اور اسی طرح (ایک ٹکڑا) زمین بن گئی۔ اور جب زمین ٹھنڈی ہوئی، یہ پودوں، پھر جانوروں، پھر انسانوں کی زندگی کے لیے موزوں ہو گئی، اس بات کے ثبوت کے ساتھ کہ زمین کا اندرونی حصہ اب تک جل رہا ہے۔ لہذا آتش فشاں اس سے پھوٹتے ہیں، جیسے ویسویوس (اطلی کا ایک آتش فشاں پہاڑ)۔

یہاں آپ بعض علماء کا موقف پیش کرتے ہیں جنہوں نے کہا کہ عقلی قیاس ہم سے اس قول کا تقاضا کرتا ہے کہ: اگر زمین سورج کا ایک ٹکڑا تھا اور اس سے الگ ہوا ہے اور یہ قدرتی بات ہے کہ یہ وقت گزرنے کے ساتھ ٹھنڈا ہو گیا ہے اور اس کا درجہ حرارت کم ہوتے ہوتے یہاں تک کہ thermal penetration کے ساتھ ختم ہو گیا ہے۔ اس نظریہ کا رد کرتے ہوئے آپ کہتے ہیں کہ یہ ایک بے بنیاد نظریہ ہے، اور اس کے بارے میں آپ کے بیان کا

مطلب ہے کہ آپ آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے بارے میں کچھ جانتے ہیں جو اللہ نے آپ کو بتایا ہے۔ جب کہ اللہ فرماتا ہے:

{مَا أَشْهَدُهُمْ خَلْقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّينَ عَصُدًا¹}

(ترجمہ: میں نے ان کو نہ تو آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے کے وقت بلایا تھا اور نہ خود ان کے پیدا

کرنے کے وقت اور میں ایسا نہ تھا کہ گمراہ کرنے والوں کو مددگار بناتا)

پھر اللہ اس جامع آیت میں فرماتا ہے کہ وہ گمراہ کرنے والوں کو مددگار نہیں بناتا اور گمراہ کرنے والا وہ ہے جو آپ کا ہاتھ پکڑ کر سچ سے جھوٹ کی طرف لے جاتا ہے، گویا حق سبحانہ و تعالیٰ، ہمیں اس بات کا اشارہ دیتے ہیں کہ اس مسئلے پر کیا گمراہ کن بیانات ہوں گے، جیسے تم کہتے ہوئے: تخلیق ایسے اور ایسے ہوئی۔

آپ مزید فرماتے ہیں کہ ہم پر لازم ہے کہ ہم یہ تفصیل خالق سے لیں اور اسی پر توقف کریں کیونکہ کسی چیز کی کیفیت کی معرفت آپ کے اس سے نفع اٹھانے کے لئے شرط نہیں ہے۔ آپ اللہ کی مخلوقات سے فائدہ اٹھاتے ہیں بغیر یہ سمجھے کہ وہ کیسے تخلیق ہوئی ہیں۔ ہم نے زمین، سورج اور چاند کی کریت سے فائدہ اٹھایا اس کے بارے میں کچھ بھی جانے بغیر۔ علماء نے چاند گرہن، سورج گرہن کے اوقات کا حساب زمین کی کریت دریافت ہونے سے پہلے لگایا تھا۔ ایک ان پڑھ آدمی ٹیلی ویژن کی بناوٹ کو سمجھے بغیر اس سے فائدہ اٹھاتا ہے لہذا آپ بھی کائنات کی تخلیق و بناوٹ کی کیفیت جانے بغیر اس کے جمال سے فائدہ اٹھائیں۔ گویا آپ کو ایک لذیذ بعام پیش کیا جائے تو کیا آپ کھانے سے پہلے تحقیق کریں گے: یہ کھانا کیسے پکا گیا۔

اس بحث کے بعد آپ آیت زیر مطالعہ کے حوالے سے علماء کی مختلف آراء پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بعض علماء نے تورات کے مطابق رائے دی ہے کہ کائنات ایک جوہر تھی اور اللہ نے اس پر میت کی نظر ڈالی اور ایسا ایسا ہوا یہاں تک کہ آسمان و زمین بن گئے۔ بعض نے کہا کہ یہ معنی زمین اور آسمان میں سے ہر ایک کے لیے مخصوص ہیں، اور یہ کہ وہ کبھی اکٹھے نہیں ہوئے، انہوں نے کچھ اور آیات پر انحصار کیا۔ جیسے:

{فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ إِلَى طَعَامِهِ أَأَنَّا صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا فَأَنبَتْنَا فِيهَا حَبًّا
وَعِنَبًا وَقَضْبًا²}

(ترجمہ: تو انسان کو چاہیے کہ اپنے کھانے کی طرف نظر کرے، بے شک ہم ہی نے پانی برسایا، پھر ہم ہی نے زمین کو چیرا پھاڑا، پھر ہم ہی نے اس میں انانج اگا یا اور انکور اور ترکاری)

(1) الکہف: 51

(2) عبس: 24-28

اور دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

{فَفَتَحْنَا أَبْوَابَ السَّمَاءِ بِمَاءٍ مُنْهَمِرٍ وَفَجَّرْنَا الْأَرْضَ عُيُونًا فَالْتَقَى الْمَاءُ عَلَى أَمْرٍ قَدْ قُدِرَ} ¹

(ترجمہ: پس ہم نے زور کے مینہ سے آسمان کے دہانے کھول دیئے، اور زمین میں چشمے جاری

کر دیئے تو پانی ایک کام کے لئے جو مقدر ہو چکا تھا جمع ہو گیا)"

آپ مزید فرماتے ہیں کہ اس آیت سے مراد ہے کہ زمین اکیلی "رتق" (جڑی ہوئی یا بند) تھی اور وہ نباتات کے ساتھ پھٹ گئی اور آسمان "رتق" تھا اور وہ بارش کے ساتھ پھٹ گیا۔ پس اللہ نے آسمان کو بارش سے جدا کیا اور زمین کو نباتات سے جدا کیا جو اسے پھاڑتے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے:

{وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الرَّجْعِ وَالْأَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ} ²

(ترجمہ: آسمان کی قسم جو مینہ برساتا ہے، اور زمین کی قسم جو پھٹ جاتی ہے)

اور آسمان کے بارے میں فرمایا:

{وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَاءُ بِالْغَمَامِ ...} ³

(ترجمہ: اور جس دن آسمان ابر کے ساتھ پھٹ جائے گا)

اس بنیاد پر کہ آسمان وہ ہے جو آپ کے اوپر ہے اور آپ کو سایہ دیتا ہے، لہذا بادل آسمان میں سے ہیں۔ اس رائے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ "الفتق" (جدا کرنا) سے مراد آسمان و زمین کا ایک دوسرے سے جدا ہونا نہیں ہے بلکہ ان میں سے ہر ایک اپنی ذات میں الگ ہوا۔ بہر حال، یہ ایک ایسی تفہیم ہے جو کوئی نیا حکم نہیں دیتی... کہ دونوں اقوال ایک دوسرے کو نہیں روکتے۔

آخر میں آیت کے دوسرے حصے میں مذکور قول باری تعالیٰ: {وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ...} کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس کے متعلق دوسرے موقف کے حاملین کہتے ہیں کہ یہاں پانی کے ذکر کا ضرور "الرتق" اور "الفتق" سے تعلق ہو گا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ انہوں نے آیت میں "الحي" سے مراد انسانی زندگی لی ہے۔ انہیں اندازہ نہ تھا کہ پانی ہر چیز کی تکوین میں شامل ہے۔ جانور اور نباتات پانی پر زندہ ہیں اور اگر پانی مفقود ہو جائے تو وہ مر کر ختم ہو جائیں۔ اسی طرح، ادنیٰ ترین جانوروں اور پودوں وغیرہ میں بھی پانی ہے، لہذا ہر وہ چیز جس میں چمک، یا نرمی ہے پانی پر مشتمل ہے۔ لہذا (كُلُّ شَيْءٍ حَيٍّ) سے مراد ہر مذکور موجود چیز ہے۔ سائنسی تحقیق یہ ہے کہ ہر چیز کی ایک زندگی ہوتی

(¹) القمر: 11-12

(²) الطارق: 11-12

(³) [الفرقان: 25]

ہے جو اس کے مطابق ہوتی ہے، اور ہر چیز میں پانی ہوتا ہے۔ جو چیز مادے سے تعلق رکھتی ہے، اور زندگی اس میں بہتی ہے اسے روح کہا جاتا ہے۔ اگر ہم اس سے نیچے اترتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ جانوروں کی زندگی ہے اور نباتات کی زندگی ہے، لہذا جانور مر جاتا ہے اور پودے، اگر آپ ان سے پانی روکتے ہیں تو وہ سوکھ جاتے ہیں، مر جھا جاتے ہیں اور ختم ہو جاتے ہیں۔ جمادات کی بھی زندگی ہوتی ہے۔ جس کی دلیل قول باری تعالیٰ ہے:

{كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ...} (ترجمہ: اس کی ذات (پاک) کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے)

اللہ نے ہر چیز کے متعلق فرمایا کہ وہ فنا ہونے والا ہے، اور فنا ہونا زندگی کے بعد ہی ممکن ہو گا لہذا مخلوقات میں سے ہر چیز یہاں تک کہ جمادات میں بھی زندگی ہے اور ہر چیز کی تکوین میں پانی موجود ہے۔²
ڈاکٹر اسرار احمد اس آیت کی تفسیر میں رقم طراز ہیں:

"یعنی شدید گرمی اور جس کی صورت حال جس میں لوگوں کی جان پر بنی ہوئی ہوتی ہے۔ اس کیفیت میں بظاہر یوں محسوس ہوتا ہے کہ آسمان کے دروازے بھی بند ہیں، زمین کے سوتے بھی خشک ہیں، بارش کا دور دورہ تک کوئی امکان نہیں، ہر طرف خشک سالی کا راج ہے اور پھر یکایک اللہ کی رحمت سے یہ صورت حال تبدیل ہو جاتی ہے۔ آسمان کے دہانے کھل جاتے ہیں اور بارش کے پانی سے زمین پر نباتاتی اور حیواناتی زندگی کی چہل پہل شروع ہو جاتی ہے۔"

یہاں آپ نے پہلے اس آیت کی عام فہم تفسیر بیان کی ہے جو متقدمین کے ہاں بھی معروف ہے۔ اس کے بعد آپ اس آیت کی علمی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اس کے علاوہ اس آیت میں یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ Big Bang کے بعد مادے کا جو ایک بہت بڑا گولا وجود میں آیا تو وہ ایک یکجا وجود (Homogenous mass) کی صورت میں تھا۔ پھر مادے کے اس گولے میں تقسیم ہوئی، مختلف ستاروں اور سیاروں کے گچھے بنے، کہکشائیں (Galaxies) وجود میں آئیں، سورج اور اس کے سیاروں کی تخلیق ہوئی، اور یوں ہماری زمین بھی پیدا ہوئی۔ گویا اس سارے تخلیقی عمل کا اظہار اس ایک فقرے میں ہو گیا کہ آسمان اور زمین بند تھے، یعنی باہم ملے ہوئے تھے اور ہم نے انہیں کھول دیا، جدا کر دیا۔"

آخر میں قول باری تعالیٰ: {وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ...} کے متعلق آپ فرماتے ہیں:
"یہاں پر خَلَقْنَا کے بجائے جَعَلْنَا فرمایا۔ زمین کے اوپر زندگی جس کسی شکل میں بھی ہے، چاہے وہ نباتاتی حیات ہو یا حیوانی، ہر جاندار چیز کا مادہ تخلیق مٹی اور مبداء حیات پانی ہے۔ مٹی (تُراب) اور پانی مل کر گارا (طین) بنا۔ پھر یہ طین لَازِب میں تبدیل ہوا۔ پھر اس نے جما مسنون کی شکل اختیار کی۔ اس کے بعد صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَءٍ مَّسْنُونٍ کا

(1) انقص: 88

(2) تفسیر اشعر اوی، ص: 9515/15-9527

مرحلہ آیا۔ پھر صلصال کا الفخار بنا۔ گویا مٹی سے ہر جاندار چیز کی تخلیق ہوئی اور ان سب کی زندگی کا دار و مدار پانی پر رکھا گیا۔ چنانچہ ہر جاندار کے لیے مبداء حیات پانی ہے۔¹

یہاں ڈاکٹر صاحب نے ایک اشکال کو بھی غیر محسوس انداز میں رفع کیا ہے کہ قرآن کریم میں مٹی کو انسان کی تخلیق کے اصل مادے کی حیثیت حاصل ہے۔ لہذا ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسی قرآنی آیات، جن میں انسان کی تخلیق کا آغاز مٹی سے ہونے کا ذکر ہے، اور آیت زیر مطالعہ میں کیا مطابقت ہوگی؟ اس کا جواب آپ نے یہ دیا کہ بلاشبہ ہر جاندار چیز کی تخلیق تو مٹی سے ہوئی ہے لیکن ان سب کی زندگی کا دار و مدار پانی پر رکھا گیا ہے۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہر جاندار کے لیے مبداء حیات پانی ہی ہے۔

دوسری تقابلی مثال:

قول باری تعالیٰ:

﴿هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسُ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا --- يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ﴾²

(ترجمہ: وہی تو ہے جس نے سورج کو ضیاء اور چاند کو نور بنایا۔۔۔ وہ اپنی نشانیاں ان لوگوں کے لئے تفصیل سے بیان کرتا ہے جو علم رکھتے ہیں)

کی تفسیر میں شعر اوی فرماتے ہیں کہ سورج ان سیاروں کا مرکز ہے جو اس کے گرد گھومتے ہیں۔ سورج کے گرد زمین کا چکر ایک سال میں مکمل ہوتا ہے، اور زمین کا اپنے گرد چکر ایک دن میں پورا ہوتا ہے۔ اللہ رب العزت یہاں فرماتا ہے: (هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسُ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا) اگر آپ سورج اور چاند کے سطحی معنی کو دیکھیں تو آپ کہیں گے کہ سورج بھی روشنی دیتا ہے اور چاند بھی روشنی دیتا ہے۔ لیکن ایک گہری نظر آپ سے دونوں کے درمیان فرق کرنے کا مطالبہ کرتی ہے سورج (ضیاء) دیتا ہے، اور چاند (نور) دیتا ہے۔ اور (ضیاء) اور (نور) میں فرق یہ ہے کہ ضیاء کے ساتھ گرمی اور حرارت ہوتی ہے، اور نور نرم روشنی ہے، اور اس لیے چاندنی کو نرم روشنی کہا جاتا ہے۔ آپ کو اس کی گرمی سے سایہ لینے کی ضرورت نہیں ہے، لیکن سورج کی گرمی سے بچانے کے لیے آپ کو سائے کی ضرورت ہے۔ لہذا نور وہ روشنی ہے جس میں حرارت نہیں ہے اور حرارت نہیں پیدا ہو سکتی جب تک روشنی ذاتی نہ ہو لہذا سورج کی روشنی ذاتی ہے جب کہ چاند کی روشنی ذاتی نہیں ہے بلکہ یہ اپنی روشنی سورج کی شعاعوں سے حاصل کرتا ہے جب وہ اس پر جھلکتا ہے، یہ آئینے کی طرح ہوتا ہے جب وہ اس پر کچھ روشنی ڈالتا ہے، وہ اس کی عکاسی کرتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (جَعَلَ الشَّمْسُ ضِيَاءً...) ایک دوسری آیت میں حق سبحانہ فرماتے ہیں:

(¹) بیان القرآن، ص: 84/5

(²) یونس: 5

{تَبَارَكَ الَّذِي جَعَلَ فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَجَعَلَ فِيهَا سِرَاجًا وَقَمَرًا مُنِيرًا} ¹

(ترجمہ: اور (خدا) بڑی برکت والا ہے جس نے آسمانوں میں برج بنائے اور ان میں (آفتاب کا نہایت روشن) چراغ اور چمکتا ہوا چاند بھی بنایا)

یہاں سورج کو سراج (چراغ) کہا گیا جو اس کے لئے موزوں ہے۔ ²

اس آیت کی تفسیر میں ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:

"یہاں یہ نکتہ قابل غور ہے کہ سورج کے اندر جاری احتراق یعنی جلنے (combustion) کے عمل کی وجہ سے جو روشنی پیدا (generate) ہو رہی ہے اس کے لیے "ضیاء" جبکہ منعکس (reflect) ہو کر آنے والی روشنی کے لیے "نور" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ سورج اور چاند کی روشنی کے لیے قرآن حکیم نے دو مختلف الفاظ استعمال کیے ہیں، اس لیے کہ سورج کی اپنی چمک ہے اور چاند کی روشنی ایک انعکاس ہے۔" ³

سابقہ دونوں مثالوں میں علمی تفسیر کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب اور شیخ شعر اوی کے منہج کا تقابلی مطالعہ کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ دونوں مفسرین آیات کی سابقہ تفسیر کے ساتھ ساتھ جدید سائنسی علوم اور دریافتوں سے واقف تھے اور سابقہ موقف کو بیان کرنے کے علاوہ ایسی آیات جہاں بھی ثابت شدہ جدید سائنسی حقائق کی روشنی میں قرآن کریم کی حقانیت ثابت ہو سکتی ہے وہاں آپ دونوں نے اس امر کا اہتمام کیا ہے۔
دونوں مفسرین نے علمی تفسیر کے منہج کی درستی اور اس کی شرائط کی پاسداری پر خصوصی توجہ دی ہے۔ اس کے علاوہ اس ضمن میں آنے والے اشکالات کو بھی دور کرنے کا اہتمام کیا ہے۔

شعر اوی صاحب ڈاکٹر صاحب کے مقابلے میں بہت زیادہ تفصیل میں جاتے ہیں البتہ یہ حیران کن ہے کہ پہلی آیت کی تفسیر میں شعر اوی صاحب نے قرآن اور سائنس کے ربط کے حوالے سے زمین کی کرویت اور نظام شمسی وغیرہ کا تذکرہ تو کیا ہے لیکن اس آیت سے متعلقہ بڑی سائنسی تحقیق یعنی "بگ بینک" کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔

یہاں یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ لغوی اور علمی تفسیر کا آپس میں گہرا ربط ہے اور اس اعتبار سے شیخ شعر اوی کو ڈاکٹر صاحب پر فوقیت حاصل ہے البتہ علمی تفسیر میں سائنسی بیک گراؤنڈ ہونے کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب کو شعر اوی پر برتری حاصل ہے۔ لہذا ایک قاری اگر دونوں تفاسیر کا مطالعہ کرے گا تو علمی تفسیر کے حوالے سے بہترین تعبیر تک رسائی حاصل کر پائے گا۔

(¹) الفرقان: 61

(²) تفسیر الشعر اوی، ص: 5737/9

(³) بیان القرآن، ص: 11/4

فصل سوم

آیات احکام کی فقہی تفسیر میں دونوں مفسرین کے منہج کا تقابلی مطالعہ

مبحث اول: آیات احکام کی تفسیر میں امام شعرابی کا منہج

مبحث دوم: آیات احکام کی تفسیر میں ڈاکٹر اسرار احمد کا منہج

مبحث سوم: آیات احکام کی تفسیر میں دونوں مفسرین کے منہج کا تقابلی جائزہ

مبحث اول

آیات احکام کی تفسیر میں امام شعرای کا منہج

قرآن حکیم منبع رشد و ہدایت ہے جو انسان کو پہلے خود پر اور اپنے نازل کرنے والے پر ایمان کی دعوت دیتا ہے اور اس کے بعد اہل ایمان کو ان کی عملی زندگی میں احکامات کی صورت میں رہنمائی عطا کرتا ہے۔ یہ عملی ہدایت انسانوں کی انفرادی و اجتماعی زندگی کے تمام شعبوں کا احاطہ کرتی ہے۔ ان احکامات کا استنباط کرنے کے لئے فقہاء ہمیشہ سب سے پہلے قرآن ہی کی جانب رجوع کرتے رہے ہیں۔ احکامات کا تعلق عبادات سے ہو یا معاملات سے، ریاست کے دستور سے ہو یا قانون سے، معیشت سے ہو یا معاشرت سے، غرض یہ کہ انفرادی و اجتماعی زندگی کے تمام احکام اور قواعد و کلیات کا ماخذ قرآن کریم ہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مفسرین نے احکامات سے متعلقہ آیات کی تفسیر کرتے ہوئے استنباط احکام کا جو اسلوب اختیار کیا ہے وہ ہمیشہ سے موضوع نظر رہا ہے۔ اس فصل میں پہلے یہ جاننے کی کوشش کی جائے گی کہ آیات احکام کی تفسیر میں شعرای اور ڈاکٹر اسرار احمد نے اپنی تفاسیر میں کیا منہج اختیار کیا ہے اور آخر میں دونوں منہج کا تقابل بھی کیا جائے گا۔

شعرای نے اپنی تفسیر میں متعدد مقامات پر فقہی مسائل کا ذکر کیا ہے لیکن آپ نے اس میں تفصیلی، اختلافی اور اصول فقہ کی دقیق مباحث سے اجتناب کرتے ہوئے اجمالی اسلوب اختیار کیا ہے۔ اسی طرح بہت کم مقامات پر ہی آپ نے آئمہ اربعہ اور دیگر اسلاف کی فقہی آراء بیان کی ہیں۔ ذیل میں آیات احکام کی تفسیر کے حوالے سے آپ کے منہج کو مثالوں کی روشنی میں بیان کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

1۔ فقہ العبادات

قول باری تعالیٰ:

﴿وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ

تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوْهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُورًا﴾¹

(ترجمہ: اور اگر بیمار ہو یا حالت سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی شخص رفع حاجت کر کے آئے یا تم نے

اپنی بیویوں کو چھوا ہو، پھر تمہیں پانی نہ ملے تو تم اپنے چہروں اور ہاتھوں کا مسح کر لو) (اور نماز ادا

کر لو) یقیناً اللہ نرمی سے کام لینے والا اور بخشنے والا ہے۔)

(۱) النساء: 43

کی تفسیر کے دوران آپ پہلے امت محمد ﷺ پر اللہ کی رحمت اور لطف کا تذکرہ کرتے ہیں کہ اللہ نے انہیں ایسی شریعت دی ہے جسے انسان آسانی سے قبول کر لیتا ہے۔ اور ایسا ہی ایک احسان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو تیمم جیسی نعمت عطا فرمائی ہے۔ اس ضمن میں آپ نے ایک حدیث بھی نقل کی ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

((أُعْطِيتُ خَمْسًا لَمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌ قَبْلِي نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيرَةَ شَهْرٍ وَجُعِلَتْ لِي الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُورًا فَأَيُّمَا رَجُلٍ مِنْ أُمَّتِي أَدْرَكْتَهُ الصَّلَاةَ فَلْيُصَلِّ وَأُحِلَّتْ لِي الْمَعَانِمُ وَلَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ قَبْلِي وَأُعْطِيتُ الشَّفَاعَةَ وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلَى قَوْمِهِ خَاصَّةً وَبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ عَامَّةً))¹

(ترجمہ: مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئی تھیں۔ ایک مہینہ کی مسافت سے رعب کے ذریعہ میری مدد کی گئی ہے اور تمام زمین میرے لیے سجدہ گاہ اور پاکی کے لائق بنائی گئی۔ پس میری امت کا جو انسان نماز کے وقت کو (جہاں بھی) پالے اسے وہاں ہی نماز ادا کر لینی چاہیے۔ اور میرے لیے غنیمت کا مال حلال کیا گیا ہے۔ مجھ سے پہلے یہ کسی کے لیے بھی حلال نہ تھا۔ اور مجھے شفاعت عطا کی گئی۔ اور تمام انبیاء اپنی اپنی قوم کے لیے مبعوث ہوتے تھے لیکن میں تمام انسانوں کے لیے عام طور پر نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔)

اس کے بعد آپ اس امر کی وضاحت کرتے ہیں کہ تیمم وضو کا خلف یا متبادل نہیں ہے، کیونکہ وضو میں آپ کلی کرتے ہیں، اور ناک صاف کرتے ہیں، اور میں منہ دھوتے ہیں، اور ہاتھ دھوتے ہیں، اور سر اور کان کا مسح کرتے ہیں۔ جبکہ تیمم کا مقصد یہ یقینی بنانا کہ انسان ناپاک نہیں ہے۔ لہذا کوئی شخص یہ نہ کہے کہ میں ذاتی نظافت حاصل کرنے کے لیے وضو کر رہا ہوں کیونکہ جب پانی میسر نہیں ہوتا تو آپ محض مٹی کو اپنے ہاتھوں اور چہرے پر لگا کر تیمم کر سکتے ہیں۔

آپ مزید وضاحت کرتے ہیں کہ اصل اہمیت حکم الہی کی اطاعت کو حاصل ہے چاہے وہ حکم انسان کو سمجھ آئے یا نہ آئے۔ لہذا اللہ نے بندوں کو حکم دیا کہ پانی سے وضو کرو، اور اگر تمہیں پانی نہ ملے تو تیمم کر لو۔

آخر میں آپ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں، حق تعالیٰ نے اس بات کو واضح کیا ہے کہ جہاں تک یہ معاملہ طیب مٹی اور دھول کا ہے، یہ حقیقت ہے کہ چاہے حدث اصغر ہو یا جنابت ہو، چہرے اور ہاتھوں کا مسح کرنا کافی ہے۔ کچھ علماء نے کہا: ایک ضرب، اور بعض نے کہا: دو ضربیں، اور یہ سب سہولت ہے۔ اس تخفیف کے ساتھ لفظ "عفو" موزوں ہے، لہذا حق تعالیٰ یہ فرماتے ہیں کہ: إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُورًا²

(1) صحیح بخاری، کتاب التیمم، قول اللہ تعالیٰ {فلم تجدوا ماء فتيمموا صعيدا طيبا فامسحوا بوجوهكم وأيديكم منه}، حدیث #328

(2) تفسیر الشعراوی، ص: 2261/4

تیم، جو کہ فقہ العبادات میں ایک اہم مسئلہ ہے اور اس حوالے سے کتب فقہ میں بہت تفصیل مذکور ہیں، کے حوالے سے کلام کرتے ہوئے شعر اوی نے اس حکم الہی کی آسانی اور حکمت کے حوالے سے تو بہر حال کچھ کلام کیا ہے لیکن اس کے گرد فقہی مباحث اور اختلاف فقہاء سے مکمل طور پر اجتناب کرتے ہوئے صرف اتنا بتانے پر اکتفا کیا ہے کہ تیمم حدیث اصغر اور حدیث اکبر دونوں حالتوں میں جائز ہے اور بعض علماء کے نزدیک زمین پر ایک بار ہاتھ مارنا کافی ہے اور بعض کے نزدیک دوبار ہاتھ مارا جائے گا۔

2۔ فقہ المعاملات

مثال کے طور پر قول باری تعالیٰ:

﴿إِلَّا أَنْ يَخَافَا أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾¹

(ترجمہ: الا یہ کہ دونوں میاں بیوی اس بات سے ڈرتے ہوں کہ وہ اللہ کی حدود کی پابندی نہ کر سکیں گے۔ ہاں اگر وہ اس بات سے ڈرتے ہوں کہ اللہ کی حدود کی پابندی نہ کر سکیں گے تو پھر عورت اگر کچھ دے دلا کر اپنی گلو خلاصی کرالے تو ان دونوں پر کچھ گناہ نہیں)

کی تفسیر کے دوران خلع جیسے اہم معاشرتی مسئلے کے متعلق شعر اوی نے صرف یہ فرمایا کہ:

"وما دام قد خافا ألا يقيما حدود الله، فقد أذن لها أن افتدي نفسها بأيتها المرأة بشيء من مال، ويكره أن يزيد على المهر"²

(ترجمہ: جب ان دونوں کو خوف ہو کہ وہ اللہ کی حدود کو قائم نہیں رکھ سکیں گے تو عورت کو یہ اجازت دی گئی ہے کہ وہ اپنے آپ کو مال کے کچھ حصے کے بدلے آزاد کرالے، اور اس مال کا مہر سے تجاوز کرنا پسندیدہ ہے۔)

جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ شعر اوی نے بعض مقامات پر آیات احکام کی تفسیر کرتے ہوئے اس قدر اختصار سے کام لیا ہے کہ اس آیت کا مفہوم اور مقصود حاصل نہیں ہو پاتا۔ اسی طرح شعر اوی نے قول باری تعالیٰ: (شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ۔) اور ارشاد باری: (وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ۔)⁴ میں روزے اور حج سے متعلق احکام سے بھی کافی حد تک اغماض کیا ہے۔⁵

(1) البقرة: 229

(2) تفسیر شعر اوی، ص: 991/2

(3) البقرة: 185

(4) البقرة: 196

(5) دیکھیے: تفسیر شعر اوی، ص: 836/2 اور ص: 768/2

3۔ حکمت احکام

قرآن کریم انسانوں اور کائنات کے خالق کی جانب سے نازل شدہ ہے اور یہ انسانوں کے لئے ایک Product Manual (ہدایت نامہ) کی حیثیت رکھتا ہے جس پر عمل پیرا ہو کر ہی انسانیت دنیا و آخرت میں فلاح حاصل کر سکتی ہے۔ کیونکہ خالق سے بڑھ کر کوئی اور مخلوق کو نہیں جان سکتا۔ اسی لئے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے جو بھی احکامات دیئے ہیں وہ بنی بر حکمت ہیں۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ تمام احکامات کی حکمت بھی ہم پر ظاہر ہو اور نہ ہی احکام پر عمل کے لئے علت کی معرفت کی شرط لگائی جاسکتی۔ شعر اوی کا بھی یہی موقف ہے کہ ہمیں احکامات الہی کی تفسیر بلا تردد کرنی چاہئے اور ہمارے لئے بس یہ جاننا کافی ہے کہ یہ حکم اللہ کی جانب سے نازل ہوا ہے اگرچہ کسی حکم کی علت کا ظاہر ہو جانا عقل کے لئے موجب اطمینان ضرور ہوتا ہے۔¹ شعر اوی نے بعض مقامات پر ایسی حکمتوں کو بیان بھی کیا ہے۔ مثال کے طور پر قول باری تعالیٰ:

﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ
وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۖ----﴾²

(ترجمہ: صدقات تو دراصل فقیروں مسکینوں اور ان کارندوں کے لئے ہیں جو ان کی وصولی) پر مقرر ہیں۔ نیز تالیف قلب غلام آزاد کرانے قرضداروں کے قرض اتارنے، اللہ کی راہ میں اور مسافروں پر خرچ کرنے کے لئے ہیں) کی تفسیر میں مصارف زکاۃ کے متعلق آپ نے تفصیلی گفتگو کی ہے اور یہ واضح کیا ہے کہ زکاۃ کس طرح سے اجتماعی مسائل کے حل کرنے میں معاونت کرتی ہے۔ اسی دوران " وَالْغَارِمِينَ " یعنی قرض داروں پر زکاۃ صرف کرنے کے فوائد بیان کرتے ہوئے آپ رقم طراز ہیں:

"ويقول الحق سبحانه وتعالى عن لون آخر من مستحقي الزكاة: {والغارمين} والغارم: هو من استدان في غير معصية، ثم عجز عن الوفاء بدينه. ولم يمهله صاحب الدين كما أمر الله في قوله تعالى: {فَتَنْظِرُهُ إِلَى مَيْسَرَةٍ...} ³ ولم يسامحه ولم يتنازل عن دينه، وفي هذه الحالة يقوم بيت المال بسداد هذا الدين. لكن لماذا هذا التشريع؟ لقد شاء الحق إعطاء الغارم الذي لا يجد ما يسد به دينه حتى لا يجعل الناس ينقلبون عن الكرم وعن أقراض الذي يمر بعسر، وبذلك يبقى اليسر" ⁴

(1) دیکھیے: تفسیر الشعراوی، ص: 715/2 اور ص: 1479/3

(2) التوبہ: 60

(3) البقرة: 280

(4) تفسیر الشعراوی، ص: 5226/9

(ترجمہ: حق تعالیٰ نے مستحقین زکاة میں ایک اور اضافہ "وَالْغَارِمِينَ" کا کیا ہے اور الغارم یعنی مقروض ایک ایسا شخص ہے جس نے بغیر کسی گناہ کا ارتکاب کیے پیسے ادھار لئے، پھر وہ اپنا قرض ادا کرنے میں ناکام رہا۔ اور قرض دینے والے نے اسے مہلت نہ دی جیسا کہ خدا تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: اسے کشائش (کے حاصل ہونے) تک مہلت (دو) یعنی اس نے مقروض سے نرمی نہیں کی اور نہ ہی اس نے اپنا قرض معاف کیا، تو اس معاملے میں بیت المال اس قرض کو ادا کرتا ہے۔ لیکن یہ قانون سازی کیوں ہے؟ کیونکہ اس طرح معاشرے میں آسانی قائم رہتی ہے، اور لوگ مشکل کی گھڑی میں دوسرے لوگوں کی مدد کو حاضر رہتے ہیں، لہذا کوئی بھی شخص دوسرے شخص کو مشکل میں دینے سے رکتا نہیں ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اگر مقروض ادائیگی نہیں کر پایا تو بیت المال یہ ادائیگی زکاة میں سے کر دے گا۔۔۔ نتیجتاً لوگوں کے مابین تنازعات حل ہو سکیں گے اور لوگوں میں باہمی محبت پیدا ہو گی)

اسی طرح آپ نے اپنی تفسیر میں اسرار تشریع اور مقاصد احکامات کے متعلق متعدد مقامات پر تفصیلی کلام کیا ہے۔ مثلاً آپ نے عقائد کے باب سے حرمت عبادت اصنام کی حکمت بیان کی ہے۔ اسی طرح عبادات میں آپ نے زکاة کے بعض اسرار سے پردہ اٹھایا ہے۔ مردار، شراب اور جوئے جیسی بعض اشیاء کی حرمت کی حکمت بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ معاملات میں تعدد ازواج، طلاق اور عدت وغیرہ کی حکمت تشریع کے متعلق گفتگو کی ہے۔ یہاں تک کہ ایسا لگتا ہے کہ آپ نے تقریباً ہر حکم کی کسی درجے میں حکمت اور مصلحت بیان فرمائی ہے۔ اور جن کی حکمت نہیں بتائی ان کے متعلق بھی یہ فرمادیا کہ کیونکہ یہ حکم اللہ تعالیٰ کی جانب سے صادر ہوا ہے لہذا اس میں ضرور کوئی حکمت پوشیدہ ہوگی۔ جب اللہ کسی چیز کو حلال قرار دیتے ہیں تو وہ ضرور طیب ہوگی اور جب کسی چیز کو حرام قرار دیتے ہیں تو وہ لازماً خبیث ہوگی، البتہ یہ ضرور نہیں کہ ہر حکم کی حکمت انسانوں پر ظاہر ہو جائے۔¹

4۔ حرمت سود اور باطل تاویلات کا رد

شعراوی نہ صرف سود کی حرمت کے قائل تھے بلکہ آپ نے اپنی تفسیر میں مختلف زاویوں سے اس کی شدید مذمت و مخالفت کی ہے یہاں تک کہ قول باری تعالیٰ:

﴿الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ﴾²
 (ترجمہ: (ان لوگوں کے برعکس) جو لوگ سود کھاتے ہیں۔ وہ یوں کھڑے ہوں گے۔ جیسے شیطان نے کسی شخص کو چھو کر اسے مجنوں الحواس بنا دیا ہو)

(1) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: تفسیر الشعراوی، 6/3662، 2/1184، 6/714، 2/3369، 210/9811 وغیرہ

(2) البقرة: 275

کی تفسیر میں آپ نے یہ موقف اختیار کیا کہ آخرت میں تو بلاشبہ ایسے لوگ اپنے مخطوط الحواس ہونے کی وجہ سے پہچانے جائیں گے لیکن دنیا میں بھی ایسے لوگوں کی زندگی غیر مرتب ہوتی ہے اور ان کی کیفیت ہسٹیریا کے مریض کی سی ہوتی ہے۔¹

اسی طرح آپ نے ان لوگوں کا بھی رد کیا ہے جو صرف اس صورت میں سود کی حرمت کے قائل ہیں کہ جب مدت بڑھا کر دگنا چوگنا سود لیا جائے جبکہ فریقین کے مابین باہمی رضامندی سے ہونے والے سودی معاملے کی حرمت کے وہ قائل نہیں ہیں۔ شعر او ای نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ سود چاہے تھوڑا ہو یا زیادہ وہ حرام ہی رہے گا اور اگر باہمی رضامندی ہی حلت و حرمت کا معیار ہو تو پھر زنا بھی حلال ہو گا اگر باہمی رضامندی سے ہو۔²

آپ نے ان لوگوں کا بھی رد کیا ہے جو بینک کے ساتھ معاملات کرنے کا یہ جواز پیش کرتے ہیں کہ وہ لوگ اضطراری حالت کا شکار ہیں یعنی کسی نے اگر ایک لاکھ سے کاروبار کرنا ہے اور اس کے پاس صرف دس ہزار روپے ہیں تو اب وہ مجبور ہے کہ بینک سے قرض لے۔ آپ کہتے ہیں کہ ایسے شخص کو چاہئے کہ وہ دس ہزار سے ہی کاروبار شروع کرے کیونکہ اضطراری حالت کا اطلاق تو صرف ایسے شخص پر ہو گا جو بھوک سے مر جا رہا ہو۔³

5- میراث کے احکام / تفصیل اور اختلاف بیان کیے بغیر آسان اسلوب میں ظاہری حکم واضح کرنا

میراث کے متعلق احکام قرآن کریم میں بہت وضاحت کے ساتھ بیان ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ہر ذوق کا حق مختص کر دیا ہے اور پھر احادیث رسول ﷺ میں بیان وضاحت اور تفصیل کے ساتھ علم الفرائض کے حوالے سے دین اسلام کی تعلیمات کی خوبصورت عمارت مکمل ہوتی ہے جس کا موازنہ دنیا میں رائج کسی وضعی قانون سے نہیں کیا جا سکتا۔ شعر او ای اپنی تفسیر کے دوران قول باری تعالیٰ:

﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ إِنَّ أَمْرُؤَ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ...﴾⁴

(ترجمہ: لوگ آپ سے کلالہ کے متعلق فتویٰ پوچھتے ہیں۔ آپ ان سے کہئے کہ: "اللہ تمہیں اس

بارے میں یہ فتویٰ دیتا ہے کہ اگر کوئی شخص لا ولد مر جائے

کی تفسیر میں میراث کلالہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ کلالہ کا مطلب ہے کہ کوئی مر جاتا ہے اور ورثا میں صرف اس کے والد سے بہن یا سگی بہن ہوتی ہے، تو اسے آدھا حصہ مل جاتا ہے۔ اگر فوت ہونے والی بہن ہو تو بھائی کو سارا ورثہ میں ملتا ہے، خواہ وہ بھائی سگا ہو یا باپ کی طرف سے بھائی ہو۔ اور اگر کوئی مرد دوا یا اس سے زیادہ بہنیں چھوڑتا

(1) تفسیر الشعر او ای، ص: 1187/2

(2) ایضاً، ص: 1190/2

(3) تفسیر الشعر او ای، ص: 2926/5

(4) النساء: 176

ہے تو بھائی نے جو چھوڑا ہے اس کا دو تہائی حصہ تمام بہنوں میں تقسیم ہوتا ہے۔ اور اگر اس کے بھائی اور بہنیں یعنی مرد، عورتیں دونوں ہی ہیں، تو یہاں حق تعالیٰ کا قول ہے:

{وَإِنْ كَانُوا إِخْوَةً رِّجَالًا وَنِسَاءً فَلِلَّذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِيَيْنِ}

یعنی اگر بھائی اور بہن یعنی مرد اور عورتیں ملے جلے وارث ہوں تو مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے۔¹

یہاں آپ نے انتہائی اختصار کے ساتھ مسئلہ کلالہ کی چند ممکنہ صورتوں کو بیان فرمایا ہے۔ اگرچہ اس مسئلے میں کافی تفصیل موجود ہے۔ مثال کے طور پر اگر کوئی شخص فوت ہو جائے اور اس کے والدین، اولاد اور بہن بھائیوں میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو تو اس کی میراث ذوی الارحام کے درمیان تقسیم ہوگی۔

6۔ حدود و قصاص کا بیان

شعراوی کے نزدیک حدود و قصاص کے حوالے سے اسلام کی سخت سزائیں محض اس لئے نہیں ہے کہ مجرم پر انہیں نافذ کیا جائے اور اسے سزا دی جائے بلکہ ان کا مقصد لوگوں کو جرائم سے روکنا ہے یعنی اگر ہم کسی قاتل کو قتل کے جرم میں قتل کریں گے یا کسی چور کا ہاتھ کاٹیں گے تو دیگر مجرم اس سے عبرت پکڑتے ہوئے ان جرائم سے کوسوں دور رہیں گے اور معاشرے کی بہترین تربیت ہو سکے گی۔ گویا مجرم کو سزا دینے کا مقصد مجرم اور معاشرے دونوں کی فلاح و بہبود ہوتی ہے نہ کہ محض مجرم سے انتقام۔²

شعراوی نے اپنی تفسیر میں حدود و قصاص سے متعلقہ آیات کی شرح کرتے ہوئے بھی اختصار سے کام لیتے ہوئے، اختلافات اور تفصیلی مباحث سے صرف نظر کیا ہے۔ مثال کے طور پر قول باری تعالیٰ:

﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جِزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾³

(ترجمہ: اور جو چور خواہ مرد ہو یا عورت، دونوں کے ہاتھ کاٹ دو۔ یہ ان کے کیے کا بدلہ ہے اور اللہ

کی طرف سے عبرت ناک سزا ہے اور اللہ غالب بھی ہے اور حکمت والا بھی)

کی تفسیر میں آپ نے سب سے پہلے چوری کی تعریف بیان کی ہے کہ یہ کسی کا قیمتی سامان پوشیدگی سے لینا ہے۔ اگر مال لینے کو پوشیدہ نہیں رکھا گیا ہے، تو یہ غصب ہوتا ہے، یا پھر یہ کبھی تو خطف (چھین لینا) ہوتا ہے یا پھر یہ غبن ہوتا ہے۔ اس کے بعد آپ چوری کی حد کے حوالے سے نصاب کا تذکرہ کرتے ہیں کہ شریعت نے دینار کی ایک چوتھائی قیمت پر چوری کی حد نافذ کی ہے۔

(¹) تفسیر الشعراوی، ص: 2880/5

(²) دیکھیے: تفسیر الشعراوی، ص: 752/2 اور ص: 3123/5

(³) المائدہ: 38

آخر میں آپ چوری کی حد کے نفاذ کے حوالے سے عصر حاضر کے نصاب کے تعین میں اجتہاد کا مشورہ دیتے ہیں کیونکہ ابتدا میں دینار کا ایک چوتھائی حصہ ایک شخص اور اس کے کنبے کے کھانے کے لئے کافی تھا، بلکہ اس وقت کنبہ کے قیام کے لئے ایک درہم ہی کافی تھا۔ لیکن ہم اپنے زمانے میں دینار کا ایک چوتھائی حصہ روزی کے لئے کافی نہیں ہے، لہذا آپ کو نصاب کو بلند کرنا چاہئے کیونکہ پہلے دینار سونے کا تھا۔ اور اس حساب سے ایک چوتھائی دینار کی قیمت میں اضافہ ہو رہا ہے۔¹

7۔ فقہی اختلاف کو اصحاب رائے اور ان کے دلائل کے بغیر ذکر کرنا

شعراوی عام طور پر فقہی اختلاف کو محض یہ کہ کر بیان کرتے ہیں کہ: "علماء نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے۔" آپ نہ ہی اصحاب اختلاف کا ذکر کرتے ہیں اور نہ ہی ان کے دلائل بیان کرتے ہیں اور نہ ہی رائج اور مختار قول کو بیان کرتے ہیں۔ اس کی بڑی وجہ شاید طوالت سے بچنا اور کسی قسم کے فقہی تعصب سے اعراض کرنا تھا تا کہ سامعین قرآن کریم کی عمومی ہدایت سے استفادہ کر سکیں اور شعراوی کی تفسیر کے ذریعے قرآن سے اپنا تعلق قائم کر لیں اور دقیق اختلافی مباحث اور فقہی تعصب کی وجہ سے آپ کی تفسیر سے دور نہ ہو جائیں۔ مثال کے طور پر ہم جانتے ہیں کہ رمضان المبارک کے آخری عشرے کا اعتکاف بہت بڑے اجر والی عظیم سنت ہے۔ علماء نے اس کے حوالے سے بہ تفصیلی کلام کیا ہے۔ قول باری تعالیٰ:

﴿وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ﴾²

(ترجمہ: اور اگر تم مسجدوں میں اعتکاف بیٹھے ہو تو پھر بیویوں سے مباشرت نہ کرو)

کی تفسیر کے دوران آپ رقم طراز ہیں:

"واختلف العلماء في الاعتكاف، بعضهم اشتراط أن يكون المرء صائماً حين يعتكف، واشتراطوا أيضاً أن يكون الاعتكاف لمدة معينة، وأن يكون بالمسجد، وقالوا: إن أردت الاعتكاف، فاحصر حركتك في مكان هو بيت الله. وكثير من العلماء يقولون: إنك إذا دخلت المسجد تأخذ ثواب الاعتكاف مادامت قد نويت سنة الاعتكاف؛ بشرط ألا تتكلم في أي أمر من أمور الدنيا"³

(ترجمہ: اعتکاف کے بارے میں علمائے کرام میں اختلاف ہے، ان میں سے بعض نے یہ شرط لگائی کہ جب کوئی شخص اعتکاف کرے تو اسے روزہ رکھنا چاہئے، اور انہوں نے یہ بھی شرط رکھی کہ اعتکاف ایک خاص مدت کے لئے ہوگا، اور یہ مسجد میں ہی ممکن ہے، اور انہوں نے کہا: اگر آپ اعتکاف چاہتے ہو تو اپنی نقل و حرکت کو کسی ایسی جگہ تک محدود رکھیں جو خدا کا گھر ہے۔ اور بہت سارے علماء کہتے ہیں: اگر آپ مسجد میں داخل ہو جائیں گے

(¹) تفسیر الشعراوی، ص: 3119/5

(²) البقرة: 187

(³) تفسیر الشعراوی، ص: 793/2

تب تک اعتکاف کا اجر آپ کو ملے گا جب تک کہ آپ نے سنت اعتکاف کا ارادہ کر لیا ہو۔ بشرطیکہ آپ دنیاوی معاملات میں سے کسی کے بارے میں بات نہ کریں۔

8۔ فقہی آراء کو نسبت قائلین اور ترجیح کے ساتھ بیان کرنا

شعراوی اپنی تفسیر میں بعض اوقات کسی فقہی مسئلے میں صرف آئمہ کرام کی آراء بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں یعنی ان کے دلائل نہیں نقل کرتے ہیں۔ مثلاً قول باری تعالیٰ:

﴿فَكُلُوا مِمَّا ذُكِّرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ بِآيَاتِهِ مُؤْمِنِينَ﴾¹

(ترجمہ: (اے ایمان والو!) اگر تم اللہ کی آیات پر ایمان رکھتے ہو تو جس چیز پر اللہ کا نام لیا گیا ہو اسے (بلا تکلف) کھاؤ)

کی تفسیر کرتے ہوئے آپ رقم طراز ہیں:

"(الذکر) سے کیا مراد ہے؟ علمائے کرام کا ذکر کے مطلوبہ معنی کی وضاحت نہ کرنا ہی ان کے مابین ایک بڑا اختلاف پیدا ہونے کی وجہ بنی ہے۔ لہذا سیدنا امام مالک کا ماننا ہے کہ اگر آپ نے ذبح کیا اور خدا کا نام نہیں لیا، خواہ آپ بھولے ہو یا جان بوجھ کر، تو آپ کے لئے قربانی سے کھانا مناسب نہیں ہے۔ امام ابو حنیفہ نے کہا: اگر آپ نے غلطی سے اللہ کا نام نہیں لیا تو پھر آپ نے جو ذبح کیا گیا تھا وہ کھالیں، لیکن اگر آپ جان بوجھ کر نام نہ لیا ہو تو نہ کھائیں۔ اور امام الشافعی رحمہ اللہ علیہ کہتے ہیں: جب تک آپ مومن ہیں اور ذبح کرتے وقت آپ مومن ہیں، تب اس میں سے کھالیں، جس پر آپ نے بھولے سے اللہ کا نام نہیں لیا یا جان بوجھ کر نہیں لیا کیونکہ آپ کا ایمان اللہ کا ذکر ہے۔"

اس کے بعد آپ رائج موقف کا تعین کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اور ہم کہتے ہیں: ذکر کیا ہے؟ کیا ذکر زبان سے ہی کیا جاسکتا ہے؟ یا جو کچھ دماغ سے گزرتا ہے وہ بھی ذکر ہے؟ اگر آپ کہتے ہیں کہ ذکر زبان ہی سے ممکن ہے تو آئیے ہم حدیث قدسی کا جائزہ لیں جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ (أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي، وَأَنَا مَعَهُ إِذَا ذَكَرَنِي، فَإِنْ ذَكَرَنِي فِي نَفْسِهِ ذَكَرْتُهُ فِي نَفْسِي، وَإِنْ ذَكَرَنِي فِي مَلَأٍ ذَكَرْتُهُ فِي مَلَأٍ خَيْرٍ مِنْهُمْ...) ² (ترجمہ: میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں اور جب وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں اور جب وہ مجھے مجلس میں یاد کرتا ہے تو اسے اس سے بہتر فرشتوں کی مجلس میں اسے یاد کرتا ہوں) لہذا، ہمارے رب نے نفس کے اندر آنے والے خیالات کو ذکر کا نام دیا ہے اور اس طرح امام شافعی کو اپنی بات کہنے کا حق ہے۔"³

(¹) الانعام: 118

(²) صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ {وَمَنْ ذَكَرَ لَمْ يَلْقَ نَفْسَهُ}، حدیث #6970

(³) تفسیر الشعراوی، ص: 3901/7

9۔ اختلافی مسئلہ میں لغوی معنی کی بنیاد پر رائج قول کا تعین

بعض مقامات پر شعر اوی نے فقہی آراء بیان کرنے کے بعد کسی ایک موقف کو رائج قرار دیا ہے لیکن اس ترجیح کا سبب دلیل کو بنایا نہ کہ فقہی تعصب کو۔ مثال کے طور پر قول باری تعالیٰ:

﴿وَالْمُطَلَّاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ ---﴾¹

(ترجمہ: اور طلاق دی ہوئی عورتیں تین قروء تک اپنے آپ کو روکے رکھیں)

میں علماء و مفسرین نے قول "ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ" کے حوالے سے اختلاف کیا ہے کہ اس سے مراد تین حیض ہیں یا تین طہر ہیں؟ شعر اوی اس آیت کی تفسیر میں اس حوالے سے رقم طراز ہیں:

" (قُرُوءٍ) (قرء) کی جمع ہے، جو یا تو (حیض) ماہواری حیض ہے یا وہ پاکیزگی (طہر) ہے جو دونوں حیضوں کے درمیان ہوتی ہے۔ اور حق تعالیٰ کے قول (ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ) سے کیا مراد ہے؟ کیا اس سے مراد ماہواری حیض ہے یا طہر ہے؟ یقیناً اس سے مراد (طہر) ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے (ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ) کہا ہے یعنی (قُرُوءٍ) سے پہلے لفظ (ثَلَاثَةَ) تاء مربوطہ کے ساتھ آیا ہے اور ہم جانتے ہیں کہ (گنتی میں) یہ تاء (تائید) مذکر سے پہلے آتا ہے نہ کہ مونث کے ساتھ اور ہم جانتے ہیں کہ (حیض) مونث ہے اور (طہر) مذکر ہے۔ لہذا (ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ) سے مراد پے درپے تین طہر ہیں۔"²

اسی طرح قول باری تعالیٰ:

﴿كُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ﴾³

جب یہ چیزیں پھلیں تو ان کے پھل کھاؤ اور جس دن (پھل توڑو اور کھیتی) کا ٹو تو خدا کا حق بھی اس میں سے ادا کرو اور بے جا نہ اڑاؤ کہ خدا بے جا اڑانے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

کی تفسیر میں آپ نے ان علماء کی رائے کو مرجوح قرار دیا ہے جن کے نزدیک حصاد کا لفظ عرفی معنی میں صرف کٹ جانے والی فصلوں پر لاگو ہوتا ہے اور دیگر چیزوں یعنی پھل وغیرہ پر نہیں ہوتا۔ اس مسئلہ میں آپ نے امام ابو حنیفہ کی رائے کو رائج قرار دیا ہے جنہوں نے حصاد کے لغوی معنی لئے ہیں اور ان کے نزدیک یہ آیت زمین پر اگنے والی ہر چیز پر لاگو ہوتی ہے۔ کیونکہ لغوی طور پر حصاد کا لفظ کٹنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور جب پھل درخت سے جدا ہوتا ہے تو یہ بھی حصاد ہی ہے۔⁴

(1) البقرة: 228

(2) تفسیر الشعر اوی، ص: 984/2

(3) الانعام: 141

(4) تفسیر الشعر اوی، ص: 3967/7

10۔ احکام میں تدریج

شعراوی اس بات کے قائل تھے کہ شریعت اسلامیہ میں مکلفین کی عادات کا خیال رکھتے ہوئے شراب، جوئے اور سود وغیرہ جیسے احکامات میں تدریج اختیار کی گئی ہے۔ قول باری تعالیٰ:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِنَ الْهُدَى وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾¹

(ترجمہ: رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو تمام لوگوں کے لیے ہدایت ہے اور اس میں ہدایت اور حق و باطل میں امتیاز کرنے والے واضح دلائل موجود ہیں۔ لہذا تم میں سے جو شخص اس مہینہ کو پالے اس پر لازم ہے کہ پورا مہینہ روزے رکھے)

کی تفسیر میں آپ نے یہ بیان کیا ہے کہ روزہ ایک ایسی عبادت ہے جس کا مقصد انسانوں کی تربیت ہے اور اسلام میں اس کی فرضیت بتدریج ہوئی ہے۔ روزہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے قبل بھی موجود تھا اور جب آپ ﷺ مبعوث ہوئے تو ابتدا میں روزے کو اختیاری درجہ دیا گیا پھر کچھ مخصوص ایام کے روزے مشروع کیے گئے اور پھر ماہ رمضان کے روزے فرض قرار دیئے گئے۔

11۔ جمہور کے موقف سے اعراض

بعض مقامات پر شعراوی نے جمہور علماء کی مخالفت کی ہے جیسا کہ قول باری تعالیٰ:

﴿وَالَّذِينَ يَتَّبِعُونَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا وَصِيَّةً لِأَزْوَاجِهِمْ مَتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ﴾²

(ترجمہ: تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور ان کی بیویاں موجود ہوں تو وہ اپنی بیویوں (بیواؤں)

کے حق میں وصیت کر جائیں کہ سال بھر انہیں نان و نفقہ دیا جائے اور گھر سے نکالنا نہ جائے۔)

کے حوالے سے جمہور فقہاء کا موقف یہ ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے³ اور اس کی دلیل صحیح بخاری کی وہ حدیث ہے جس میں عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے اس آیت کے حوالے سے استفسار پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ آیت دوسری آیت سے منسوخ ہو گئی ہے۔⁴

شعراوی فرماتے ہیں:

(1) البقرة: 185

(2) البقرة: 240

(3) دیکھیے: احمد بن علی بن حجر أبو الفضل العسقلانی الشافعی، فتح الباری شرح صحیح البخاری، دار المعرفہ - بیروت، 1379 ہجری، ص: 194/8

(4) صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب۔۔ (وَالَّذِينَ يَتَّبِعُونَ مِنْكُمْ)۔۔ حدیث #4256

" إِنْ فَلَمْ تَوْفِ عَنْهَا زَوْجَهَا بَيْنَ حَكَمَيْنِ: حَكْمٌ لَّازِمٌ وَهُوَ فَرَضٌ عَلَيْهَا أَنْ تَظِلَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا، وَحَكْمٌ بَأْنِ يَوْصِي الزَّوْجَ بَأْنِ تَظِلَّ حَوْلًا كَامِلًا لَا تُهَاجِرُ إِلَّا أَنْ تَخْرُجَ مِنْ نَفْسِهَا. " ¹

(ترجمہ: لہذا، بیوہ عورت دو احکامات کے مابین ہے: ایک لازمی حکم یعنی چار مہینے اور دس دن کی عدت اس پر فرض ہے، اور دوسرا حکم یہ ہے کہ شوہر ایک سال تک کی وصیت کرتا ہے کہ جب تک وہ خود سے باہر نہ نکلے اس وقت تک وہ پریشان نہ کی جائے۔)

12۔ کمزور فقہی موقف کا بیان

قول باری تعالیٰ:

﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُمُ الْأَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشْرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعَمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ذَلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ....﴾ ²

(ترجمہ: اللہ تمہاری مہمل قسموں پر تو گرفت نہیں کرے گا لیکن جو قسمیں تم سچے دل سے کھاتے ہو ان پر ضرور مواخذہ کرے گا) (اگر تم ایسی قسم توڑ دو تو) اس کا کفارہ دس مسکینوں کا اوسط درجے کا کھانا ہے جو تم اپنے اہل و عیال کو کھلاتے ہو یا ان کی پوشاک ہے یا ایک غلام کو آزاد کرنا ہے اور جسے میسر نہ ہوں وہ تین دن کے روزے رکھے یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم اٹھا کر توڑ دو)

کی تفسیر میں شعر اوی نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ قسم توڑنے والے کی مناسبت سے کفارہ بمابین مختلف ہوگا۔ اس کی دلیل میں انہوں نے اندلس کے ایک خلیفہ کا واقعہ ذکر کیا جب قاضی نے بادشاہ کو اس وجہ سے بطور کفارہ تین روزے رکھنے کا فتویٰ دیا کہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانے اور غلام آزاد کرنے میں بادشاہ کے لئے کوز جرو مشقت نہ تھی۔ ³

شعر اوی کا یہ موقف درست نہیں ہے کیونکہ اس آیت میں صراحت کے ساتھ یہ بیان ہوا ہے کہ قسم توڑنے کے کفارہ کی ادائیگی میں حانت کو یہ اختیار ہے کہ چاہے تو دس مسکینوں کو کھانا کھلا دے یا ایک غلام آزاد کر دے یا پھر تین روزے رکھ لے اور یہی جمہور کا موقف بھی ہے۔ یہ قصہ اگر درست بھی ہو تو شرعی حکم کے لئے دلیل نہیں بن سکتا۔

13۔ ذاتی فقہی مذہب کا تفسیر میں اثر

امام شعر اوی حنفی مذہب سے تعلق رکھتے تھے ⁴ لیکن اس کے باوجود آپ کی تفسیر میں فقہی مباحث کے

(1) تفسیر الشعر اوی، ص: 1028/2

(2) المائدہ: 89

(3) تفسیر الشعر اوی، ص: 3365/6

(4) انٹرویو: من الألف الى الياء، ص: 43

دوران اس کا اثر نہ ہونے کے برابر ہے اگرچہ اکاد کا مقامات پر آپ نے امام ابو حنیفہ کی رائے کو بغیر دلیل کے بیان کیا ہے۔

مثال کے طور پر قول باری تعالیٰ:

﴿وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفِي النَّهَارِ وَزُلْفًا مِّنَ اللَّيْلِ...﴾¹

(ترجمہ: نیز آپ دن کے دونوں طرفوں کے اوقات میں اور کچھ رات گئے نماز قائم کیجیے)

کی تفسیر کرتے ہوئے آپ رقم طراز ہیں:

"كلمة {زُلْفًا} هي جمع... ونحن نعلم أن لنا في الليل صلاة المغرب، وصلاة العشاء، ولذلك نجد

الإمام أبا حنيفة يعتبر الوتر واجباً"²

کلمہ (زُلْفًا) جمع ہے.. (جمع میں کم از کم تین ہوتے ہیں) اور ہم جانتے ہیں کہ رات کی نماز میں ہمارے لئے

مغرب اور عشاء کی نمازیں (فرض) ہیں اسی سبب امام ابو حنیفہ نے وتر کی نماز کو واجب قرار دیا ہے۔

14۔ فقہی اختلاف میں وسعت نظر

فقہی مباحث کے ضمن میں شعر اوی کی تفسیر کو یہ امتیازی حیثیت حاصل ہے کہ آپ فروعات میں اختلافی مسائل کے حوالے سے بہت وسعت کے قائل تھے۔ آپ کا یہ موقف تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو وہ نصوص کے فہم کو متعدد وجوہ دینے کی بجائے ایک ہی فہم مختص کر دیتا اور اللہ اس بات سے عاجز نہ تھا لیکن اس نے ارادی طور پر بعض مسائل کو قطعی تحدید کے بغیر چھوڑ دیا۔ لہذا تمام اطراف کو چاہیے کہ وہ اجتہادی مسائل میں دوسروں کا انکار نہ کریں بلکہ وہ یہ کہیں کہ اللہ کے فلاں حکم کے متعلق میرا فہم یہ ہے۔ اپنے اس موقف کی دلیل میں آپ نے بنو قریظہ والی حدیث نقل کی ہے³، جس میں رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو یہ حکم دیا تھا کہ ان میں سے کوئی بھی نماز عصر بنو قریظہ پہنچنے سے پہلے ادا نہ کرے۔ توجہ دوران سفر نماز عصر کا وقت داخل ہو گیا تو بعض صحابہ نے ظاہری حکم پر عمل کرتے ہوئے نماز ادا نہ کی اور بعض نے اجتہاد کرتے ہوئے نماز ادا کر لی۔ جب معاملہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تو آپ نے دونوں میں سے کسی کی مذمت نہیں کی۔⁴

اس بحث میں شعر اوی کا آیات احکام کی تفسیر کا منہج بیان کیا گیا ہے۔ آپ کے منہج کا تجزیہ اگلی بحث کے آخر میں ڈاکٹر صاحب کے منہج سے تقابل کی صورت میں پیش کیا جا رہا ہے۔

(1) ہود، 114

(2) تفسیر الشعر اوی، 11/6718

(3) صحیح بخاری، کتاب صلاة الخوف، باب صلاة الطالب والمطلوب راكبا وإيماء، حدیث #904

(4) تفسیر الشعر اوی، ص: 2954/5

مبحث دوم

آیات احکام کی تفسیر میں ڈاکٹر اسرار احمد کا منہج

ڈاکٹر اسرار احمد نے آیات احکام کی تفسیر میں تفصیل سے مکمل اجتناب کرتے ہوئے نہایت اجمال کے ساتھ بعض فقہی مسائل بیان کیے ہیں۔ عام طور پر مفسرین کی جانب سے آیات احکام کی تفسیر کرتے ہوئے مسلکی عصبیت کا اظہار کسی درجہ میں ضرور ہوتا ہے۔ خاص طور پر وہ تفاسیر جن کا اصل موضوع فقہ ہے ان میں ایک مذہب کی تعبیرات اور دلائل و ترجیحات نمایاں ہوتے ہیں۔ لیکن ڈاکٹر صاحب نے اپنی تفسیر میں جن مقامات پر فقہی مسائل کا ذکر کیا ہے آپ نے اس میں یا تو محض مختلف آراء کو بیان کرنے پر اکتفا کیا ہے یا غیر جانبداری اور اعتدال کے ساتھ دلائل کی بنیاد پر ہی کسی رائے کو ترجیح دی ہے۔ ذیل میں آیات احکام کی تفسیر کے حوالے سے آپ کے منہج کو چند مثالوں کی روشنی میں بیان کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

1- فقہ العبادات

آیات احکام کی تفسیر میں ڈاکٹر صاحب کے منہج کو بیان کرنے کی غرض سے یہاں آپ کی تفسیر سے چند مثالیں ذکر کی جا رہی ہیں۔ فقہ العبادات میں حج کے حوالے سے قول باری تعالیٰ:

﴿فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ﴾¹

(ترجمہ: اور اگر اللہ (کی خوشنودی) کے لیے حج اور عمرہ (کی نیت کرو تو اسے) پورا کرو۔ اور اگر کہیں

گھر جاؤ تو جو قربانی تمہیں میسر آ سکے وہی کر دو)

کی تفسیر کرتے ہوئے آپ رقم طراز ہیں:

"رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے اہل عرب کے ہاں ایک سفر میں حج اور عمرہ دونوں کر ناگناہ سمجھا جاتا تھا۔ ان کے نزدیک یہ کعبہ کی توہین تھی۔ ان کے ہاں حج کے لیے تین مہینے شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ تھے، جبکہ رجب کا مہینہ عمرے کے لیے مخصوص تھا۔ وہ عمرے کے لیے علیحدہ سفر کرتے اور حج کے لیے علیحدہ۔ یہ بات حدود حرم میں رہنے والوں کے لیے تو آسان تھی، لیکن اس امت کو تو پوری دنیا میں پھیلنا تھا اور دور دراز سے سفر کر کے آنے والوں کے لیے اس میں مشقت تھی۔ لہذا شریعت محمدی ﷺ میں لوگوں کے لیے جہاں اور آسانیاں پیدا کی گئیں وہاں حج و عمرہ کے ضمن میں یہ آسانی بھی پیدا کی گئی کہ ایک ہی سفر میں حج اور عمرہ دونوں کو جمع کر لیا جائے۔"

اس کے بعد آپ حج اور عمرہ جمع کرنے کی ممکنہ صورتیں بیان کرتے ہیں:

(۱) البقرة: 196

اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ پہلے عمرہ کر کے احرام کھول دیا جائے اور پھر آٹھویں ذوالحجہ کو حج کا احرام باندھ لیا جائے۔ یہ ”حج تمتع“ کہلاتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ حج کے لیے احرام باندھا تھا، جاتے ہی عمرہ بھی کر لیا، لیکن احرام کھولا نہیں اور اسی احرام میں حج بھی کر لیا۔ یہ ”حج قرآن“ کہلاتا ہے۔ لیکن اگر شروع ہی سے صرف حج کا احرام باندھا جائے اور عمرہ نہ کیا جائے تو یہ ”حج افراد“ کہلاتا ہے۔ قرآن یا تمتع کرنے والے پر قربانی ضروری ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اسے دم شکر کہتے ہیں اور قربانی کرنے والے کو اس میں سے کھانے کی اجازت دیتے ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ دم جبر ہے اور قربانی کرنے والے کو اس میں سے کھانے کی اجازت نہیں ہے۔¹

2۔ فقہی احکامات کا نہایت مختصر بیان

آپ نے اکثر مقامات پر آیات احکام کی تفسیر میں نہایت اختصار سے کام لیا ہے۔ یہاں تک کہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس حوالے سے بیان القرآن ایک قاری کی رہنمائی کے لئے ناکافی ہے۔ مثال کے طور پر قول باری تعالیٰ:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ حَتَّىٰ تَغْتَسِلُوا وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ يَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوْهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ...﴾²

(ترجمہ: اے ایمان والو! نشے کی حالت میں نماز کے قریب تک نہ جاؤ تا آنکہ تمہیں یہ معلوم ہو سکے کہ تم نماز میں کہہ کیا رہے ہو۔ اور نہ ہی جنبی نہائے بغیر نماز کے قریب جائے الا یہ کہ وہ راہ طے کر رہا ہو۔ اور اگر بیمار ہو یا حالت سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی شخص رفع حاجت کر کے آئے یا تم نے اپنی بیویوں کو چھوا ہو، پھر تمہیں پانی نہ ملے تو تم اپنے چہروں اور ہاتھوں کا مسح کر لو) اور نماز ادا کر لو (یقیناً اللہ نرمی سے کام لینے والا اور بخشنے والا ہے۔)

کی تفسیر میں آپ پہلے فرماتے ہیں کہ اگر تم نے اپنی بیویوں سے مباشرت کی ہو یا احتلام وغیرہ کی شکل ہو گئی ہو تب بھی تم نماز کے قریب مت جاؤ جب تک کہ غسل نہ کر لو۔ اس کے بعد ”إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ“ کی شرح میں آپ رقم طراز ہیں:

”(إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ) کے بارے میں بہت سے اقوال ہیں۔ بعض فقہاء اور مفسرین نے اس کا یہ مفہوم سمجھا ہے کہ حالت جنابت میں مسجد میں نہ جانا چاہیے، الا یہ کہ کسی کام کے لیے مسجد میں سے گزرنا ہو، جبکہ بعض نے اس سے مراد سفر لیا ہے۔“³

(¹) بیان القرآن، ص: 271/1

(²) النساء: 43

(³) بیان القرآن، ص: 153/4

اس کے بعد تیمم کے حوالے سے آپ فرماتے ہیں کہ اگر آدمی کو تیز بخار ہے یا کوئی اور تکلیف ہے جس میں غسل کرنا مضر ثابت ہو سکتا ہے تو تیمم کی اجازت ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص سفر میں ہے اور اسے پانی دستیاب نہیں ہے تو وہ تیمم کر لے۔ یعنی وہ تمام صورتیں جن میں غسل یا وضو واجب ہے، ان میں اگر بیماری غسل سے مانع ہو، حالت سفر میں نہانا ممکن نہ ہو، قضائے حاجت یا عورتوں سے مباشرت کے بعد پانی دستیاب نہ ہو تو پاک مٹی سے تیمم کر لیا جائے۔¹

3۔ حکمت احکام

ڈاکٹر صاحب نے اصول فقہ، فقہی اختلاف اور دیگر فقہی مباحث کے حوالے سے تو صرف نظر کیا ہے البتہ آپ نے احکام کی حکمت بیان کرنے کا اہتمام متعدد مقامات پر کیا ہے۔ گویا آپ کے پیش نظر لوگوں کو فقہی مسائل میں رہنمائی کرنا تو نہیں تھا البتہ دین اسلام کی حقانیت ثابت کرنے کے ہر پہلو کو آپ نے اجاگر کیا ہے۔ مثال کے طور پر قول باری تعالیٰ:

﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾²

(ترجمہ: اور اے اہل عقل (حکم) قصاص میں (تمہاری) زندگانی ہے کہ تم (قتل و خونریزی سے) بچو)

کی تفسیر کے دوران حکم قصاص کی حکمت کے متعلق آپ فرماتے ہیں کہ بلاشبہ معاشرتی زندگی میں عفو و درگزر اگرچہ ایک اچھی قدر ہے اور اسلام اس کی تعلیم دیتا ہے لیکن قتل کے مقدمات میں سہل انگاری اور چشم پوشی کو قصاص کی راہ میں حائل نہیں ہونے دینا چاہیے، بلکہ شدت کے ساتھ پیروی ہونی چاہیے، تاکہ اس سے آگے قتل کا سلسلہ بند ہو۔³

اسی طرح سورۃ النور کے آغاز میں حکم الہی ہے کہ بدکاری کرنے والی عورت اور بدکاری کرنے والا مرد کو ان کی بدکاری ثابت ہونے کی صورت میں سو درے مارو۔ اور اگر تم خدا اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو شرع خدا (کے حکم) میں تمہیں ان پر ہر گز ترس نہ آئے۔ اور چاہیے کہ ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت بھی موجود ہو۔ اس حد کے عام پبلک میں کھلے عام جاری کرنے کے حکم کی حکمت کے متعلق آپ فرماتے ہیں کہ اسلامی شریعت دراصل تعزیرات اور حدود کو دوسروں کے لیے لائق عبرت بنانا چاہتی ہے۔ اگر کسی مجرم کو جرم ثابت ہونے کے بعد چپکے سے پھانسی دے دی جائے اور لوگ اسے ایک خبر کے طور پر سنیں تو ان کے ذہنوں میں اس کا وہ تاثر قائم نہیں ہوگا جو اس سزا کے عمل کو براہ راست دیکھنے سے ہوگا۔ اگر کسی مجرم کو سرعام تختہ دار پر لٹکایا جائے تو اس سے کتنے ہی لوگوں کے ہوش ٹھکانے آجائیں گے۔ چنانچہ اسلامی شریعت سزاؤں کے تصور کو معاشرے میں ایک مستقل سدرہ

(¹) بیان القرآن، ص: 153/4

(²) البقرہ: 179

(³) بیان القرآن، ص: 256/1

(deterrent) کے طور پر مؤثر دیکھنا چاہتی ہے۔ اس میں بنیادی فلسفہ یہی ہے کہ ایک کو سزا دی جائے تو لاکھوں کے لیے باعث عبرت ہو۔¹

ایک اور مقام پر قول باری تعالیٰ:

﴿إِنَّ الْمُبْذَرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ﴾²

(ترجمہ: کہ فضول خرچی کرنے والے تو شیطان کے بھائی ہیں۔)

میں مبذرین کو شیاطین کے بھائی قرار دیئے جانے کی حکمت بیان کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں کہ سورۃ المائدہ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقَعَ بَيْنَكُمْ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ...﴾³

(ترجمہ: شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ تمہارے درمیان دشمنی اور بغض پیدا کرے شراب اور جوئے

کے ذریعے سے...)

جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ شیطان انسانوں کے درمیان بغض و عداوت کی آگ کو بھڑکا کر اپنے ایجنڈے کی تکمیل چاہتا ہے اور اس میں شراب اور جو اشیطان کے ہتھیار ہیں۔ چنانچہ ’مبذرین‘ اس مکروہ ایجنڈے کی تکمیل کے لیے شیطان کے ساتھی ہیں۔ اس تلخ حقیقت کی ایک مثال یہ ہے کہ جب کوئی امیر شخص اپنی کسی تقریب میں محض نمود و نمائش کے لیے مال و دولت کو بے دریغ لٹاتا ہے تو دوسری طرف غریب ملازمین جب یہ سب کچھ دیکھتے ہیں تو لازمی طور پر ان کے دل میں نفرت، بغض اور دشمنی کا لاوا جوش مارے گا اور یہ آتش فشاں موقع ملنے پر پوری شدت سے پھٹے گا اور وہ غریب ملازم اپنے مالک کا پیٹ پھاڑ کر اس کی دولت حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔ اسی طرح شیطان کے ایجنڈے کی تکمیل ہوتی ہے۔ اسی شیطانی ایجنڈے کی تکمیل کے لیے معاونین کا کردار ادا کرنے کے باعث مبذرین کو یہاں (إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ) قرار دیا گیا ہے۔⁴

اسی طرح حرمت سود کی حکمت میں آپ نے بیان کیا ہے کہ تین چیزیں سود کے ساتھ ساتھ بڑھتی چلی جاتی ہیں۔ جتنا سود بڑھے گا اسی قدر بے روزگاری بڑھے گی، افراط زر (inflation) میں اضافہ ہوگا اور اس کے نتیجے میں شرح سود (interest rate) بڑھے گا۔ شرح سود کے بڑھنے سے بے روزگاری مزید بڑھے گی اور افراط زر میں اور زیادہ اضافہ ہوگا۔ یہ ایک دائرہ خبیثہ (vicious circle) ہے اور اس کے نتیجے میں کسی ملک کی معیشت بالکل تباہ

(¹) بیان القرآن، ص: 197/5

(²) الاسراء: 27

(³) المائدہ: 91

(⁴) بیان القرآن، ص: 300/4

ہو جاتی ہے۔ یہ تباہی ایک وقت تک پوشیدہ رہتی ہے، لیکن پھر یک دم اس کا ظہور بڑے بڑے بینکوں کے دیوالیہ ہونے کی صورت میں ہوتا ہے۔ سودی معیشت کا معاملہ تو گویا شیش محل کی طرح ہے، اس میں تو ایک پتھر آکر لگے گا اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔¹

4۔ احکامات کی مقصدیت

ڈاکٹر صاحب نے اگرچہ احکامات کے ظاہری پہلو پر تو کم توجہ دی ہے البتہ حکمت احکام کی طرح آپ نے احکام کے باطنی پہلو اور ان کی مقصدیت پر خصوصی توجہ دی ہے۔ آپ کے نزدیک نیکی کا جو ظاہر ہے وہ بھی نیکی ہے، لیکن اصل شے اس کا باطن ہے۔ کوئی عمل نیکی اسی صورت میں شمار ہو گا جب اس کا باطن صحیح ہے۔ اسی طرح ہمیں ہر نیکی کے ظاہری پہلو کے ساتھ ساتھ اس کی مقصدیت کو بھی ملحوظ خاطر رکھنا چاہئے۔²

سورۃ الجمعہ کی تفسیر کے دوران اجتماع جمعہ کی مقصدیت کے حوالے سے آپ فرماتے ہیں کہ نماز جمعہ دراصل بنیادی نظریے اور نصب العین کا شعور ہر لحظہ مستحضر رکھنے کی غرض سے قائم ہونے والا حزب اللہ (اللہ کی جماعت) کا ہفتہ وار تعلیمی و تربیتی اجتماع ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ ہر سات دن کے بعد باقاعدگی کے ساتھ دور و نزدیک سے سب اہل ایمان اکٹھے ہوں اور اللہ کا کوئی بندہ نائب رسول کی حیثیت سے ان کے لیے تعلیم و تربیت اور تزکیہ نفس کے مسنون عمل کا اہتمام کرے۔ اور یہ عمل اس قدر اہم ہے کہ اس کے لیے ظہر کی نماز مختصر کر دی گئی۔

اس کے بعد آپ عصر حاضر میں اجتماع جمعہ کی مقصدیت کے فقدان کا تذکرہ کرتے ہیں کہ اس پروگرام کی اہمیت پچھلے زمانے میں اور بھی زیادہ تھی، جب دیگر مصروفیات کم تھیں۔ جمعہ کے دن شہر کی جامع مسجد میں دور دراز دیہات سے لوگ صبح سات آٹھ بجے ہی پہنچنا شروع ہو جاتے تھے۔ اس دور میں جمعہ صرف شہروں میں ادا کیا جاتا تھا۔ لیکن جب ہر چھوٹی بڑی بستی میں جمعہ پڑھنا شروع کر دیا گیا تو مجموعی طور پر اجتماع جمعہ کی اہمیت کم ہونا شروع ہو گئی۔ جمعہ کے اجتماعات تو آج بھی منعقد ہوتے ہیں، لوگ جوق در جوق ان میں شرکت بھی کرتے ہیں، خطبے بھی پڑھے اور سنے جاتے ہیں، لیکن یہ سب کچھ ایک ”رسم عبادت“ کے طور پر ہو رہا ہے، جبکہ اس اجتماع کا بنیادی فلسفہ اور اصل مقصد مجموعی طور پر ہماری نظروں سے اوجھل ہو چکا ہے۔ آج کل اجتماع جمعہ کے حوالے سے جو ظاہری اہتمام دیکھنے میں آتا ہے اس کی حیثیت اس عمارت کے کھنڈرات کی سی ہے جو عرصہ دراز سے زمین بوس ہو چکی ہے، لیکن ان کھنڈرات کو دیکھ کر اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ عمارت بہت عظیم الشان تھی۔³

(¹) بیان القرآن، ص: 346/1

(²) ایضاً، ص: 251/1

(³) ایضاً، ص: 241/7

5۔ حدود و قصاص کا نفاذ اسلامی نظام کے نافذ ہونے کے بعد ہی سود مند ہے

سورة المائدة میں آیت محاربہ:

﴿إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ﴾¹

(ترجمہ: جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرنے اور زمین میں فساد پھیلانے کے لیے دوڑ دھوپ کرتے ہیں ان کی سزا تو یہی ہو سکتی ہے کہ انہیں اذیت کے ساتھ قتل کیا جائے یا سولی پر لٹکایا جائے یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ دیئے جائیں یا انہیں جلا وطن کر دیا جائے....)

کی تفسیر میں آپ محاربہ کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس سے مراد اسلامی ریاست میں کسی گروہ کا فتنہ و فساد مچانا، دہشت گردی کرنا، خونریزی اور قتل و غارت کرنا، راہزنی اور ڈاکہ زنی کرنا، یا گینگ ریپ وغیرہ کرنا ہے اور اس آیت میں ایسے لوگوں کی سزا بیان ہوئی ہے۔

اس کے بعد آپ وضاحت فرماتے ہیں کہ یہاں ایسی اسلامی ریاست کی بات ہو رہی ہے، جہاں اسلامی قانون نافذ ہو، جہاں اسلام کا پورا نظام قائم ہو۔ ورنہ اگر نظام ایسا ہو کہ جھوٹی گواہیاں دینے والے کھلے عام سودے کر رہے ہوں، ایمان فروش گواہ موجود ہوں، ججوں کو خریداجا سکتا ہو اور ایسے نظام کے تحت شرعی قوانین کا نفاذ کر دیا جائے تو پھر اس سے جو نتائج نکلیں گے ان سے شریعت الٹا بدنام ہوگی۔ لہذا ریاست میں حکومتی نظام اور مروجہ قوانین دونوں کا درست ہونا لازمی ہے۔ اگر ایسا ہو گا تو یہ دونوں ایک دوسرے کو مضبوط و مستحکم کریں گے اور اسی صورت میں مطلوبہ نتائج کی توقع کی جاسکتی ہے۔²

6۔ احکامات میں تدریج

ڈاکٹر صاحب اس امر کو تسلیم کرتے ہیں کہ بعض احکامات بتدریج نازل ہوئے۔ اور شریعت محمدی ﷺ میں بھی زمانی اعتبار سے ارتقا ہوا ہے۔ اس حوالے سے قول باری تعالیٰ:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرُبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ﴾³

(ترجمہ: اے اہل ایمان، نماز کے قریب نہ جاؤ اس حال میں کہ تم نشے کی حالت میں ہو)

کی تفسیر کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں کہ شراب اور جوئے کے حوالے سے سب سے پہلے قرآن کریم کی سورۃ البقرۃ

(¹) المائدة: 33

(²) بیان القرآن، ص: 271/2

(³) النساء: 43

(آیت ۲۱۹) میں محض اظہار ناراضگی فرمایا گیا تھا کہ {وَأَمَّا هُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا} (ترجمہ: ان کا گناہ کا پہلو نفع کے پہلو سے بڑا ہے)۔ اس کے بعد اگلے قدم کے طور پر شراب کے اندر جو خباثت، باہمی دشمنی اور برائی کا پہلو ہے اسے ایک مرتبہ پھر اجاگر کیا گیا کہ نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جایا کرو۔ جب تک نشہ اتر نہ جائے اور تمہیں معلوم نہ ہو کہ تم کیا کہہ رہے ہو اس وقت تک نماز نہ پڑھا کرو۔¹

ایک اور مقام پر آپ فرماتے ہیں شراب کے نشے میں نماز کے قریب نہ جانے کے حکم کے بعد سورۃ المائدہ میں آخری حکم آگیا اور اسے گنداشیطانی کام قرار دے کر فرمایا گیا: {فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُوْنَ} (ترجمہ: تو کیا اب بھی باز آتے ہو یا نہیں؟) اس طرح تدریجاً احکام آئے اور آخری حکم میں شراب حرام کر دی گئی۔²

آپ کے مطابق شراب اور جوئے کی طرح سود کی حرمت کے احکام بھی تدریجاً نازل ہوئے ہیں۔ سب سے پہلے سورۃ الروم (مکی سورت) میں انفاق فی سبیل اللہ اور سود کو ایک دوسرے کے مقابل رکھ کر سود کی قباحت کو واضح کر دیا گیا۔ اس کے بعد سورۃ البقرہ: آیت 230 میں دوسرے قدم کے طور پر مہاجنی سود (usury) سے روک دیا گیا۔ پھر سود کے بارے میں آخری اور حتمی حکم ۹ھ میں نازل ہوا، لیکن ترتیب مصحف میں وہ حکم سورۃ البقرہ کے رکوع 38 میں ہے۔ وہاں پر سود کو دو ٹوک انداز میں حرام قرار دے دیا گیا اور سود خوری سے باز نہ آنے پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے جنگ کا اعلان کر دیا گیا۔³

7۔ فقہ المعاملات (عصر حاضر میں کسی حکم کو موقوف کرنا)

قول باری تعالیٰ:

﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أَجُورَهُنَّ﴾⁴

(ترجمہ: اور پاک دامن اہل کتاب عورتیں بھی (حلال ہیں) جبکہ ان کا مہر دے دو)

کی تفسیر کے دوران اہل کتاب عورتوں کے نکاح کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے آپ نے یہ موقف اپنایا ہے کہ شریعت جناب محمد رسول اللہ ﷺ پر مکمل ہو چکی ہے، اب اس میں تغیر و تبدل ممکن نہیں، اس لحاظ سے یہ حکم اپنی جگہ قائم ہے اور قائم رہے گا۔ البتہ ایک خالص اسلامی ریاست کے تحت حالات کی سنگینی کے پیش نظر کچھ عرصے کے لیے کسی ایسی اجازت یا حکم کو موقوف کیا جاسکتا ہے۔ اس بات کی دلیل کے طور پر آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عمل ذکر

(۱) بیان القرآن، ص: 153/4

(۲) ایضاً، ص: 206/1 اور 307/2

(۳) ایضاً، ص: 79/2

(۴) المائدہ: 5

کرتے ہیں جب انہوں نے اپنے زمانے میں قحط کے سبب قطعید (ہاتھ کاٹنے) کی سزا کو موقوف کر دیا تھا۔¹ اس کے بعد آپ کتابیات سے نکاح کی اجازت کے پس منظر میں موجود فلسفہ اور حکمت کی اصل روح کی جانب توجہ مبذول کرواتے ہیں کہ یہ اجازت صرف مسلمان مردوں کو دی گئی ہے کہ وہ عیسائی یا یہودی عورتوں سے شادی کر سکتے ہیں، مسلمان عورت عیسائی یا یہودی مرد سے شادی نہیں کر سکتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عام طور پر مرد عورت پر غالب ہوتا ہے، لہذا امکان غالب ہے کہ وہ اپنی بیوی کو اسلام کی طرف راغب کر لے گا۔ دوسرے یہ کہ اس زمانے میں یہ بات مسلمہ تھی کہ اولاد مرد کی ہے، اور مرد کے غالب اور فعال ہونے کا مطلب یہ تھا کہ ایسے میاں بیوی کی اولاد عیسائی یا یہودی نہیں بلکہ مسلمان ہوگی۔ اس وقت ویسے بھی مسلمانوں کا غلبہ تھا اور یہودی اور عیسائی ان کے تابع ہو چکے تھے۔

آخر میں عصر حاضر میں اس مسئلے کے حوالے سے حکمی تبدیلی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں کہ آج کل حالات یکسر تبدیل ہو چکے ہیں۔ آج عیسائی اور یہودی غالب ہیں، جبکہ مسلمان انتہائی مغلوب۔ دوسری طرف بین الاقوامی سیاست میں عورتوں کا غلبہ ہے۔ موجودہ حالات میں مصلحت کا تقاضا یہی ہے کہ ایسی شادیاں نہ ہوں، البتہ آپ کے نزدیک بہر حال ایسے نکاح کو حرام نہیں کہا جاسکتا، کیونکہ اس کے جواز کا واضح حکم موجود ہے۔ البتہ اگر کوئی اسلامی ریاست کہیں قائم ہو جائے تو وہ عارضی طور پر (جب تک حالات میں کوئی تبدیلی نہ آجائے) اس اجازت کو منسوخ کر سکتی ہے۔²

8۔ فقہی اختلافات میں وسعت نظر

ڈاکٹر صاحب نے اپنی تفسیر میں جاہجامت کے اتفاق و اتحاد پر زور دیا ہے اور کسی بھی قسم کے تعصب اور فرقہ واریت کی مذمت کی ہے۔ فقہی مسائل کے ضمن میں فروعی اختلاف کے تو آپ قائل تھے البتہ آپ نے اس میں بھی شدت کی مخالفت کی ہے۔ مثال کے طور پر قول باری تعالیٰ:

﴿أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ﴾³ (ترجمہ: قائم کرو اس دین کو اور اس میں متفرق نہ ہو جاؤ)

کی تفسیر میں آپ فرماتے ہیں:

"یعنی تم لوگ اپنے دین کو پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے نہ کر دو۔ ایسا نہ ہو کہ کسی ایک معاملے میں تو تم اللہ کا حکم مانو اور کسی دوسرے معاملے میں کسی اور کی خوشنودی کے طالب بن جاؤ۔ اسی رویے اور طریقے کو تفرقہ کہا جاتا ہے

(¹) مکتبہ یعسوب کی مصنف ابن ابی شیبہ، ص: 526/6 اور مصنف عبدالرزاق، ص: 242/10 میں مروی ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لا یقطع فی

عذق ولا فی عام سنة (ترجمہ: عذق (کھجور کا گچھا) اور قحط سالی میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا)

(²) بیان القرآن، ص: 252-251/2

(³) الشوری: 13

جس سے یہاں منع کیا جا رہا ہے۔ سورۃ الانعام: ۱۵۹ کے الفاظ {إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ...} میں بھی ایسے ہی تفرقہ کی طرف اشارہ ہے۔"

اس کے بعد فروعی مسائل میں اختلاف کے متعلق آپ رقم طراز ہیں:

"البتہ فروعی مسائل میں ایک دوسرے کی رائے سے اختلاف کیا جاسکتا ہے، یہ تفرقہ نہیں ہے۔ مثلاً میں اگر رفع یدین کرتا ہوں اور میرے کئی ساتھی امام ابو حنیفہؒ کے موقف کو زیادہ صحیح سمجھتے ہوئے رفع یدین کے بغیر نماز پڑھتے ہیں تو ایسے اختلاف میں کوئی حرج نہیں، جبکہ بنیادی طور پر دین میں تفریق یا تفرقہ کا طرز عمل نہ اپنایا جائے اور اس حقیقت کو تسلیم کیا جائے کہ حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی اور سلفی سب کے سب ایک ہی دین یعنی اسلام کے ماننے والے ہیں۔ اسی طرح مختلف پیغمبروں کی شریعتوں میں بھی اختلاف ہو سکتا ہے، مثلاً اب شریعت محمدیؐ کا زمانہ ہے، اس سے پہلے شریعت موسویؑ کا دور تھا اور اس سے پہلے کوئی اور شریعت تھی۔ لیکن یہ نکتہ بہر حال واضح رہنا چاہیے کہ تمام انبیاء و رسل علیہ السلام کا دین ایک ہی تھا یعنی اسلام۔"¹

اسی طرح مسلکی تعصب اور شدت کی مذمت کرتے ہوئے قول باری تعالیٰ:

﴿أَمْ تَقُولُونَ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطَ كَانُوا هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ قُلْ أَأَنْتُمْ أَعْلَمُ أَمِ اللَّهُ﴾²

(ترجمہ: یا پھر کیا تمہارا کہنا یہ ہے کہ ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ اور اولاد یعقوبؑ سب کے سب یہودی تھے یا نصرانی تھے؟ کہو: "تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ؟")

کی تفسیر کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

"یہی بات آج مسلمانوں کو سوچنا چاہیے کہ محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب دیوبندی تھے، بریلوی تھے، اہل حدیث تھے یا شیعہ تھے؟ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اخلاص کا تقاضا یہ ہے کہ ان تقسیموں سے بالاتر رہا جائے۔ ٹھیک ہے ایک شخص کسی فقہی مسلک کی پیروی کر رہا ہے، لیکن اس مسلک کو اپنی شناخت بنا لینا، اسے دین پر مقدم رکھنا، اس مسلک ہی کے لیے ساری محنت و مشقت اور بھاگ دوڑ کرنا، اور اسی کی دعوت و تبلیغ کرنا، دین کی اصل حقیقت اور روح کے یکسر خلاف ہے۔"³

ایک اور مقام پر آپ فرماتے ہیں کہ ہمارے فقہی ائمہ کرام نے کتاب و سنت سے استدلال کیا لیکن اس کے

باوجود ان کی آراء میں اختلاف واقع ہوا ہے البتہ یہ اختلاف کبھی بھی سبب نزاع یا تفریق کا باعث نہیں بنا۔⁴

(¹) بیان القرآن، ص: 312/6

(²) البقرہ: 140

(³) بیان القرآن، ص: 227/1

(⁴) ایضاً: ص: 98/4

سورۃ البقرۃ میں قول باری تعالیٰ:

﴿وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ إِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ أَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوبُوا إِلَىٰ بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ﴾¹

(ترجمہ: اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ بھائیو، تم نے بچھڑے کو (معبود) ٹھہرانے میں (بڑا) ظلم کیا ہے، تو اپنے پیدا کرنے والے کے آگے توبہ کرو اور اپنے تئیں ہلاک کر ڈالو)

کی تفسیر میں آپ فرماتے ہیں کہ قرآن حکیم کے اس مقام سے قتل مرتد کی سزا ثابت ہوتی ہے، جبکہ قتل مرتد کا واضح حکم حدیث نبویؐ میں موجود ہے۔ اس کے بعد آپ ان بعض جدید دانشوروں کا رد کرتے ہیں جو اسلام میں قتل مرتد کی حد کو تسلیم نہیں کرتے۔ آپ کے نزدیک یہ شریعت موسویؑ کا تسلسل ہے۔ شریعت موسویؑ کے جن احکام کے بارے میں صراحت سے یہ معلوم نہیں کہ انہیں تبدیل کر دیا گیا ہے وہ شریعت محمدی ﷺ کا جزو بن گئے ہیں۔ شادی شدہ زانی پر حد رجم کا معاملہ بھی یہی ہے۔ قرآن مجید میں حد رجم کی کوئی صریح آیت موجود نہیں ہے، لیکن احادیث میں یہ سزا موجود ہے۔ اسی طرح قرآن مجید میں مرتد کے قتل کی کوئی صریح آیت موجود نہیں ہے، لیکن یہ حدیث اور سنت سے ثابت ہے۔ البتہ ان دونوں سزائوں کا منبع اور ماخذ دراصل تورات ہے۔ اس اعتبار سے قرآن حکیم کا یہ مقام بہت اہم ہے، لیکن اکثر لوگ یہاں سے بہت سرسری طور پر گزر جاتے ہیں۔²

اسی طرح سورۃ النور میں زانی مرد اور زانی عورت کی سو کوڑوں کی سزا کے متعلق آپ فرماتے ہیں کہ یہ غیر شادی شدہ زانی اور زانیہ کے لیے حد ہے جو نص قرآنی سے ثابت ہے۔ البتہ شادی شدہ زانی اور زانیہ کی سزا رجم ہے جو سنت رسول ﷺ سے ثابت ہے اور قرآن کے ساتھ ساتھ سنت رسولؐ بھی شریعت اسلامی کا ایک مستقل بالذات ماخذ ہے۔ رجم کی سزا کا قاعدہ اور اصول یہ ہے کہ شریعت موسویؑ میں یہ سزا موجود تھی اور حضور ﷺ نے سابقہ شریعت کے ایسے احکام جن کی قرآن میں نفی نہیں کی گئی اپنی امت میں جوں کے توں جاری فرمائے ہیں۔ ان میں رجم اور قتل مرتد کے احکام خاص طور پر اہم ہیں۔ شادی شدہ زانی اور زانیہ کے لیے رجم کی سزا متعدد احادیث، رسول اللہ ﷺ کی سنت، خلفائے راشدین کے تعامل اور اجماع امت سے ثابت ہے۔³

(¹) البقرۃ: 54

(²) بیان القرآن، ص: 167/1

(³) ایضاً، ص: 196/5

10- فقہی آراء کو بغیر دلائل اور ترجیح کے بیان کرنا

ڈاکٹر صاحب نے بہت کم مقامات پر فقہی آراء کا ذکر کیا ہے۔ اور جہاں کیا بھی ہے وہاں پر عام طور پر صرف آراء بیان کرنے پر اکتفا کیا ہے۔ نہ ہی آپ نے دلائل بیان کیے ہیں، نہ دلائل کا موازنہ کیا ہے اور نہ ہی کسی رائے کو رائج قرار دیا ہے۔ مثال کے طور پر سورۃ الفاتحہ کے آغاز میں اس مسئلے کو لے کر کہ کیا بسم اللہ قرآن کریم کی ایک مستقل آیت ہے یا نہیں؟ آپ فرماتے ہیں کہ سورۃ الفاتحہ کی سات آیات متفق علیہ ہیں البتہ اہل علم کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیت بسم اللہ بھی سورۃ الفاتحہ کا جز ہے یا نہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر کے نزدیک آیت بسم اللہ بھی سورۃ الفاتحہ کا جز ہے۔ لیکن دوسری طرف امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر کی رائے یہ ہے کہ آیت بسم اللہ سورۃ الفاتحہ یا قرآن مجید کی کسی بھی سورۃ کا جز نہیں ہے، سوائے سورۃ النمل کے جہاں وہ متن میں آئی ہے۔ یعنی ﴿إِنَّهُ مِنْ سُلَيْمَانَ وَإِنَّهُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ﴾¹ اور سورتوں کے آغاز میں یہ علامت کے طور پر لکھی گئی ہے کہ یہاں سے نئی سورۃ شروع ہو رہی ہے۔

آخر میں آپ فرماتے ہیں کہ جن حضرات کے نزدیک آیت بسم اللہ سورۃ الفاتحہ کا جز ہے وہ نماز میں جہری قراءت کرتے ہوئے ﴿بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ﴾ بھی بالجسر پڑھتے ہیں، اور جن حضرات کے نزدیک یہ سورۃ الفاتحہ کا جز نہیں ہے وہ جہری قراءت کرتے ہوئے بھی بسم اللہ خاموشی سے پڑھتے ہیں اور ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ سے قراءت شروع کرتے ہیں۔²

اسی طرح ایک اور مقام پر قول باری تعالیٰ:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾³

(ترجمہ: مومنو! رکوع کرتے اور سجدے کرتے اور اپنے پروردگار کی عبادت کرتے رہو اور نیک

کام کرو تاکہ فلاح پاؤ)

پر سجدہ تلاوت کے حکم کے متعلق آپ فرماتے ہیں کہ امام شافعی کی رائے ہے کہ سورۃ الحج کی اس آیت کی تلاوت پر سجدہ تلاوت کرنا چاہیے، جبکہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ آیت سجدہ نہیں ہے۔ اس ضمن میں یہ بھی واضح رہے کہ آیات سجدہ پر سجدہ تلاوت کرنا امام ابو حنیفہ کے نزدیک واجب جبکہ امام شافعی کے نزدیک مستحب ہے۔⁴

ایک اور مقام پر روزے سے متعلق قول باری تعالیٰ:

(1) النمل: 30

(2) بیان القرآن، ص: 102/1

(3) الحج: 77

(4) بیان القرآن، ص: 157/5

﴿وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ أَتُمُوا الصَّيَّامَ إِلَى اللَّيْلِ﴾¹

(ترجمہ: اور کھاؤ پیو یہاں تک کہ صبح کی سفید دھاری (رات کی) سیاہ دھاری سے الگ نظر آنے لگے۔ پھر روزہ (رکھ کر) رات تک پورا کرو)

کی تفسیر میں آپ فرماتے ہیں کہ یہاں (إِلَى اللَّيْلِ) (رات تک) سے اکثر فقہاء کے نزدیک غروب آفتاب مراد ہے۔ اہل تشیع اس سے ذرا آگے جاتے ہیں کہ غروب آفتاب پر چند منٹ مزید گزر جائیں۔²

11- فقہی آراء کو دلائل کے ساتھ ذکر کر کے رائج موقف کا تعین کرنا

ڈاکٹر صاحب نے اپنی تفسیر میں آیات احکام کے ضمن میں صرف ایک مقام پر فاتحہ خلف الامام کے مسئلے کے حوالے سے کسی قدر تفصیل سے کلام کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کی اس سورت کو نماز کا جزو لازم قرار دیا گیا ہے، بلکہ سورۃ الفاتحہ ہی کو حدیث میں "الصَّلَاةُ" کہا گیا ہے³، یعنی اصل نماز سورۃ الفاتحہ ہے۔ تسبیحات، رکوع و سجود اضافی چیزیں ہیں۔

اس کے بعد آپ ایک حدیث نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی متفق علیہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ))⁴

یعنی جو شخص (نماز میں) سورۃ الفاتحہ نہیں پڑھتا اس کی کوئی نماز نہیں ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی احادیث میں یہ مضمون آیا ہے۔

حدیث کے بعد آپ اس حدیث پر مبنی فقہی اختلاف کا تذکرہ کرتے ہیں کہ بعض حضرات نے اس حدیث کو اتنا اہم سمجھا ہے کہ ان کے نزدیک اگر کوئی شخص باجماعت نماز پڑھ رہا ہے تب بھی وہ امام کے پیچھے ضرور سورۃ الفاتحہ پڑھے گا خواہ اپنے دل میں پڑھے۔ چنانچہ امام کو چاہئے کہ ہر آیت کے بعد وقفہ دے۔ یہ موقف ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا کہ سری اور جہری دونوں طرح کی نمازوں میں امام اپنی سورۃ الفاتحہ پڑھے گا اور مقتدی اپنی پڑھیں گے اور لازمی طور پڑھیں گے۔

(1) البقرة: 187

(2) بیان القرآن، ص: 264/1

(3) آپ کا اشارہ شاید اس حدیث کی طرف ہے: (قسمت الصلاة بين وبين عبدی نصفین) صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب وجوب قراءة الفاتحة في كل ركعة وإنه إذا لم يحسن الفاتحة ولا أمّنه علمها قرأها تيمم له من غيرها، حدیث #395

(4) صحیح بخاری، کتاب صفة الصلاة، باب وجوب القراءة لإمام والمأموم في الصلوات لكها في الحضر والسفر وما يحجر فيها وما يخاف، حدیث #723

اس رائے کے مخالفین کا تذکرہ کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا موقف اس کے بالکل برعکس ہے کہ امام جب سورۃ الفاتحہ پڑھے گا تو ہم پیچھے بالکل نہیں پڑھیں گے، بلکہ امام کی قراءت ہی مقتدیوں کی قراءت ہے۔ اس کے بعد آپ اس موقف کے قائلین کے دلائل نقل کرتے ہیں کہ ان کا استدلال آیت قرآنی:

﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾¹

(ترجمہ: اور جب قرآن پڑھا جائے تو توجہ سے سنا کرو اور خاموش رہا کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے)

اور حدیث نبوی میں بیان ہوا ہے:

((مَنْ كَانَ لَهُ إِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الْإِمَامِ لَهُ قِرَاءَةٌ))²

(ترجمہ: جس کے لیے امام ہو تو امام کی قراءت اس کی قراءت ہے)

آپ فرماتے ہیں کہ اس گروہ کی عقلی دلیل یہ ہے کہ نماز باجماعت میں امام کی حیثیت سب کے نمائندے کی ہوتی ہے۔ اگر کوئی وفد کہیں جاتا ہے اور اس وفد کا کوئی سربراہ ہوتا ہے تو وہاں جا کر گفتگو وفد کا سربراہ کرتا ہے، باقی سب لوگ خاموش رہتے ہیں۔ آپ اس کے بعد فرماتے ہیں

"ان دو انتہاؤں کے علاوہ ایک درمیانی مسلک بھی ہے اور وہ امام مالک اور امام ابن تیمیہ وغیرہ کا ہے۔ اس حوالے سے ان کا موقف یہ ہے کہ جہری رکعت میں مقتدی سورۃ الفاتحہ مت پڑھے، بلکہ امام کی قراءت خاموشی سے سنے، جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ: (وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ) اور اسی طرح حدیث نبوی ہے کہ: ((وَإِذَا قَرَأَ الْإِمَامُ فَأَنْصِتُوا))³ (ترجمہ: جب امام قراءت کرے تو تم خاموش رہو)..... چنانچہ جب امام بالجسر قراءت کر رہا ہے تو آپ سنیے اور خود خاموش رہیے، لیکن جو سری نماز ہے اس میں امام اپنے طور پر سورۃ الفاتحہ پڑھے اور آپ اپنے طور پر خاموشی سے پڑھیں۔ یہ درمیانی موقف ہے، اور میں نے بہر حال اسی کو اختیار کیا ہوا ہے۔"⁴

12- ذاتی اجتہادی رائے بیان کرنے سے گریز

ڈاکٹر صاحب نے اپنی تفسیر میں کسی قسم کی فقہی رائے بیان کرنے سے گریز کیا ہے یہاں تک کہ اس حوالے سے آپ کو اپنی رائے کے موافق کسی بڑے عالم کا قول نہیں ملا۔ مثال کے طور پر قول باری تعالیٰ:

﴿وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ﴾⁵

(¹) الاعراف: 204

(²) سنن ابن ماجہ، کتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب إذا قرأ الإمام فأنصتوا، حدیث #850، حکم: حسن (البانی)

(³) مسند احمد، اَوَّلُ مُسْنَدِ الْكُوفِيِّينَ، حَدِيثُ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، حَدِيثُ #19723

(⁴) بیان القرآن، ص: 103/1-104

(⁵) البقرة: 183

(ترجمہ: اور جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھیں) (لیکن رکھیں نہیں) وہ روزے کے بدلے محتاج کو کھانا کھلا دیں)

کی تفسیر میں آپ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو شروع میں آپ نے مسلمانوں کو ان کی سہولت کے لئے رمضان کے تیس روزوں سے قبل عاشورہ اور ہر مہینے ایام بیض کے تین روزے رکھنے کا حکم دیا۔ اس رکوع کی ابتدائی دو آیات میں غالباً اسی کی توثیق ہے۔ پھر کچھ عرصے کے بعد رمضان کے روزے فرض کیے گئے۔ ہر مہینے میں تین دن کے روزوں کا جو ابتدائی حکم تھا اس میں علی الاطلاق یہ اجازت تھی کہ جو شخص یہ روزہ نہ رکھے وہ اس کا فدیہ دے، اگرچہ وہ بیمار یا مسافر نہ ہو اور روزہ رکھنے کی طاقت بھی رکھتا ہو۔ جب رمضان کے روزوں کی فرضیت کا حکم آگیا تو اب یہ رخصت ختم کر دی گئی۔ البتہ رسول اللہ ﷺ نے فدیہ کی اس رخصت کو ایسے شخص کے لیے باقی رکھا جو بہت بوڑھا ہے، یا کسی ایسی سخت بیماری میں مبتلا ہے کہ روزہ رکھنے سے اس کے لیے جان کی ہلاکت کا اندیشہ ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد آپ فرماتے ہیں:

"یہ ہے ان آیات کی تاویل جس پر میں بہت عرصہ پہلے پہنچ گیا تھا، لیکن چونکہ اکثر مفسرین نے یہ بات نہیں لکھی اس لیے میں اسے بیان کرنے سے جھجکتا رہا۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ مولانا انور شاہ کاشمیری کی رائے یہی ہے تو مجھے اپنی رائے پر اعتماد ہو گیا۔ پھر مجھے اس کا ذکر تفسیر کبیر میں امام رازی کے ہاں بھی مل گیا کہ متقدمین کے ہاں یہ رائے موجود ہے کہ روزے سے متعلق پہلی دو آیتیں رمضان کے روزے سے متعلق نہیں ہیں، بلکہ وہ ایام بیض کے روزوں سے متعلق ہیں۔¹

ڈاکٹر صاحب نے تفسیر بیان القرآن میں فقہی تفسیر کے حوالے سے جو عمومی اصول اپنایا ہے وہ یہ ہے کہ جو احکامات براہ راست قرآنی آیات سے اخذ ہوتے ہیں انہیں اجمالاً بیان فرمایا ہے اور اس حکم کی دیگر تفصیل اور ایسے مسائل جن کا ماخذ قرآن نہیں ہے انہیں اپنی تفسیر میں جمع نہیں فرمایا ہے۔ اس کی ایک بڑی وجہ آپ کے سامعین کا مختلف فقہی مذاہب سے تعلق بھی تھا اور مزید یہ کہ آپ خود کو فتویٰ دینے کا اہل بھی نہیں سمجھتے تھے۔ لہذا فقہی مسائل کے حوالے سے آپ ہمیشہ سامعین کو اپنے متعلقہ مسلک کے مفتیان کرام کی جانب رجوع کرنے کا مشورہ دیتے تھے۔

(¹) بیان القرآن، ص: 258/1

آیات احکام کی تفسیر میں دونوں مفسرین کے منہج کا تقابلی جائز

ڈاکٹر اسرار احمد اور امام شعر اوی نے آیات احکام کی تفسیر میں جو منہج اختیار کیا ہے وہ سابقہ دو مباحث میں بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ان مباحث کا اگر تقابلی مطالعہ کیا جائے تو دونوں کے منہج میں کافی یکسانیت نظر آتی ہے۔ ذیل میں آیات احکام کے حوالے سے دونوں مفسرین کے منہج کے تقابل کی غرض سے قرآن کریم کے دو مقامات کا انتخاب کیا گیا ہے۔

پہلی تقابلی مثال:

قول باری تعالیٰ:

﴿وَالْمُطَلَّاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَنْ يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللَّهُ فِي أَرْحَامِهِنَّ إِنْ كُنَّ يُؤْمِنَنَّ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ...﴾¹

(ترجمہ: اور جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہو وہ تین حیض کی مدت اپنے آپ کو روکے رکھیں۔ اور

اگر وہ اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہیں تو انہیں یہ جائز نہیں کہ اللہ نے جو کچھ ان کے رحم

میں پیدا کیا ہو، اسے چھپائیں۔۔۔)

کی تفسیر میں شعر اوی فرماتے ہیں کہ {يَتَرَبَّصْنَ} سے مراد ہے کہ مطلقہ عورت اب اپنی عدت ختم ہونے کا انتظار کرے گی یہاں تک کہ وہ کسی دوسرے مرد سے نکاح کرنے کی اہل نہ ہو جائے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا کہ {يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ} (ترجمہ: اپنی تئیں روکے رہیں) یعنی روکنے اور انتظار کرنے والی خود مطلقہ ہوگی۔ اور یہ وقت {ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ} یعنی تین قروء ہوگا۔ قروء دراصل قرء کی جمع ہے جو یا تو ماہواری ایام ہیں ہے یا وہ طہارت ہے جو دو حیض کے درمیان ہوتی ہے۔ اس کے بعد شعر اوی اپنا موقف پیش کرتے ہیں کہ اس سے مقصود طہر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کلمہ {ثَلَاثَةَ} استعمال کیا ہے اور ہم جانتے ہیں کہ تائے مربوطہ (عدد میں) مذکر کے ساتھ آتی ہے مونث کے ساتھ نہیں آتی اور {الحیضۃ} مونث ہے جب کہ {الطهر} مذکر ہے لہذا {ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ} سے مراد تین پے درپے طہر ہیں۔ اور اس کی علت استبراء رحم، اور میاں بیوی کو اپنا جائزہ لینے کے لیے مہلت دینا ہے، شاید پہلی یا دوسری طہارت کے بعد ان دونوں میں ایک دوسرے کی رغبت پیدا ہو جائے اور حالات پہلے کی طرح لوٹ آئیں۔ لیکن اگر تین طہر گزر گئے ہوں تو رجوع کی کوئی امید نہیں ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے فرمان: (وَلَا يَحِلُّ لَهَا أَنْ يَكْتُمَنَّ مَا خَلَقَ اللَّهُ فِي أَرْحَامِهَا إِنْ كُنَّ يُؤْمِنَنَّ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ) کی تفسیر میں آپ فرماتے ہیں:

"وما معنى الخلق؟ الخلق هو إيجاد شيء كان معدوماً، وهذا الشيء الذي كان معدوماً إما أن يكون حاملاً وإما أن يكون حيضاً، وللحامل عدة جاءت في قوله الحق. {وَأُولَئِ الْأَحْمَالُ أَجْلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ} ¹ أما المرأة الحائِل وهي التي بدون حمل، فعدتها أن تحيض وتطهر ثلاث مرات وهناك حالة ثالثة هي: {وَاللَّائِي يَكْتُمَنَّ مِنَ الْخِيضِ مَنْ نَسَأْتِكُمْ إِنْ ارْتَبَتْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ وَاللَّائِي لَمْ يَضَعْنَ} ² أي أن المرأة التي انقطعت عنها الدورة الشهرية فعدتها «ثلاثة أشهر» الحكم نفسه للصغيرة التي لم تحض بعد، أي عدتها ثلاثة أشهر. إذن فنظام العدة له حالات: إن كانت غير حامل فعدتها ثلاثة قروء أي ثلاثة أطهار إن كانت ممن يحضن إن كانت حاملاً فعدتها أن تضع حملها. وإن لم تكن حاملاً وقد بلغت سن اليأس ولم تعد تحيض، أو كانت صغيرة لم تصل لسن الحيض، هذه وتلك عدتها ثلاثة أشهر.

یہاں خلق سے مراد کسی معدوم چیز کی تخلیق ہے جو کہ حمل بھی ہو سکتا ہے اور حیض بھی۔ حاملہ عورت کی عدت کا ذکر اس قول باری تعالیٰ میں آیا ہے: (اور حمل والی عورتوں کی عدت وضع حمل (یعنی بچہ جننے) تک ہے۔) جب کہ غیر حاملہ کی عدت یہ ہے کہ وہ تین بار حائضہ ہو اور پھر تین بار طہارت حاصل کر لے۔ اس کے علاوہ ایک تیسری صورت یہ ہے کہ: (اور تمہاری (مطلقہ) عورتیں جو حیض سے ناامید ہو چکی ہوں اگر تم کو (ان کی عدت کے بارے میں) شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے اور جن کو ابھی حیض نہیں آنے لگا (ان کی عدت بھی یہی ہے)) یعنی عدت کے مختلف حالات ہیں: اگر وہ حاملہ نہیں ہے، تو اس کی عدت تین قروء، یعنی تین طہر ہے۔ اگر وہ حاملہ ہے تو اس کی عدت وضع حمل ہے۔ اور اگر وہ حاملہ نہیں ہے اور بڑی عمر کو پہنچ چکی ہے اور اب اسے حیض نہیں آتا ہے، یا وہ ابھی چھوٹی ہے اور ابھی تک حیض کی عمر کو نہیں پہنچی ہے، تو ان دونوں کی عدت تین ماہ ہے۔"

آپ مزید فرماتے ہیں کہ قول باری تعالیٰ: (وَلَا يَحِلُّ لَهَا أَنْ يَكْتُمَنَّ مَا خَلَقَ اللَّهُ فِي أَرْحَامِهَا إِنْ كُنَّ يُؤْمِنَنَّ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ) سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مطلقہ عورت اپنے معاملے میں خود گواہی دے گی اور اس پر لازم ہے کہ وہ اسے نہ چھپائے۔

اس کے بعد آپ ایک اور مسئلے کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ ممکن ہے کہ عورت اپنے حمل کو چھپا کر دوسرا نکاح کر لے اور بچے کی نسبت غلط ہو جائے کیونکہ عام طور پر تو حمل نو ماہ کا ہوتا ہے لیکن کبھی چھ یا سات ماہ کا بھی ہو سکتا ہے۔ ایک طلاق یافتہ عورت تین ماہ بعد شادی کر سکتی ہے اور دعویٰ کر سکتی ہے کہ وہ نئے شوہر سے حاملہ تھی اور اس کا

(¹) الطلاق: 4

(²) البطل

حمل صرف سات یا چھ ماہ تک جاری رہا۔ اپنے اس موقف کی دلیل کے طور پر آپ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا وہ واقعہ¹ ذکر کرتے ہیں جب آپ نے ایک عورت پر اس وجہ حد جاری کرنے کا ارادہ کیا تھا کہ اس نے نکاح کے چھ ماہ بعد بچہ جنا تھا۔ اس پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے آپ کی توجہ ان دو اقوال باری تعالیٰ کی طرف مبذول کروائی:

1. {وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ} ²

(ترجمہ: جو باپ (باہمی جدائی کے بعد) یہ چاہتا ہو کہ اس کا بچہ پوری مدت دودھ پیئے تو مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں)

2. {حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا وَحَمْلُهُ وَفَصَالُہُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا} ³

(ترجمہ: اس کی ماں نے مشقت اٹھا کر اسے پیٹ میں رکھا اور مشقت اٹھا کر ہی جنا۔ اس کے حمل اور دودھ چھڑانے میں تیس ماہ لگ گئے)

پہلی آیت میں مدت رضاعت دو سال بیان ہوئی جب کہ دوسری آیت میں حمل اور مدت رضاعت دونوں کی مدت تیس ماہ بنی۔ اگر تیس میں سے چوبیس ماہ نکالے جائیں تو چھ ماہ بچتے ہیں لہذا حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ ہے۔ اور اس سے ہمیں اللہ تعالیٰ کے ارشاد: (وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَنْ يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللَّهُ فِي أَرْحَامِهِنَّ) کی حکمت سمجھ آتی ہے۔ تاکہ عورت یہ دعویٰ نہ کرے کہ وہ حاملہ نہیں ہے اور دوسرے مرد سے شادی کر کے اس کی جانب ایک ایسا بیٹا منسوب نہ کرے جو اس کے نسب سے نہیں ہے، اور اس میں میراث، نسبت اور دیگر شرعی حقوق و فرائض سے متعلق متعدد اشکالات جنم لینے کا امکان ہے۔

آخر میں آپ فرماتے ہیں کہ حمل کی طرح مطلقہ عورت کے لئے یہ بھی جائز نہیں کہ وہ مدت طویل کرنے کے لئے حیض کو چھپائے کیونکہ یہ ایک خفیف معاملہ ہے اس لئے آخر میں اللہ تعالیٰ نے اس شرعی حکم کو ایمان سے جوڑتے ہوئے فرمایا ہے کہ عورتیں ایسا نہ کرے {إِنْ كُنَّ يُؤْمِنَنَّ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ} اگر وہ اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتی ہیں۔⁴

اس آیت کے پہلے حصے: (وَالْمُطَلَّقاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ) کی تفسیر میں ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:

(1) دیکھیے: مؤطا امام مالک، باب ما جاء في الرجم، حدیث #1507

(2) البقرة: 233

(3) الأحقاف: 15

(4) تفسیر الشعراوی، 2/982-986

"طلاق کے بعد عورت کے لیے تین ماہ کی عدت ہے۔ اس عدت میں شوہر چاہے تور جوع کر سکتا ہے، اگر اس نے ایک یا دو طلاقیں دی ہوں۔ البتہ تیسری طلاق کے بعد رجوع کا حق نہیں ہے۔ طلاق رجعی کے بعد ابھی اگر عدت ختم ہو جائے تو اب شوہر کار جوع کا حق ختم ہو جائے گا اور عورت آزاد ہوگی۔ لیکن اس مدت کے اندر وہ دوسری شادی نہیں کر سکتی۔"

اس کے بعد آیت کے آخری حصے: (وَلَا يَحِلُّ لَهَا أَنْ يَكْتُمَنَّ مَا خَلَقَ اللَّهُ فِي أَرْحَامِهِنَّ إِنْ كُنَّ يُؤْمِنَنَّ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ) کے متعلق آپ فرماتے ہیں:

"اور ان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ اللہ نے ان کے ارحام میں جو کچھ پیدا کر دیا ہو وہ اسے چھپائیں اگر وہ فی الواقع اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہیں۔ تین حیض کی مدت اسی لیے مقرر کی گئی ہے کہ معلوم ہو جائے کہ عورت حاملہ ہے یا نہیں۔ اگر عورت حاملہ ہو لیکن وہ اپنا حمل چھپا رہی ہو تاکہ اس کے پیٹ میں پلنے والا اس کا بچہ اس کے پاس ہی رہے، تو یہ اس کے لیے جائز نہیں ہے۔"¹

دوسری تقابلی مثال:

دوسری مثال کے طور پر سورۃ النساء میں مذکور کلالہ کی میراث کے مسئلے کے حوالے سے دونوں مفسرین کی تفسیر کا تقابل کیا جائے گا۔ قول باری تعالیٰ:

﴿وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورِثُ كَالْأَلَةِ أَوْ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتُ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ---﴾²

(ترجمہ: اگر میت کلالہ ہو خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو اور اس کا ایک بھائی اور ایک بہن ہو تو ان میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہے اور اگر بہن بھائی زیادہ ہوں تو وہ سب تہائی حصہ میں شریک ہوں گے۔۔۔)

کے متعلق شعر اوای فرماتے ہیں کہ کلالہ "اکلیل" یعنی تاج سے ماخوذ ہے جو سر کا احاطہ کر لیتا ہے لہذا کلالہ سے مراد وہ قربت دار ہیں جو انسان کا احاطہ تو کرتے ہیں مگر اس کی اصل یا فصل میں سے نہیں ہوتے۔³ جب مرنے والا کلالہ شخص کے وارثین میں اس کے بھائی یا بہن ہوں تو ہر ایک کے لئے چھٹا حصہ ہے اور اگر وہ دو یا زیادہ ہوں تو وہ سب ایک تہائی میں شریک ہوں گے۔ اس کے بعد شعر اوای سورۃ النساء کی آخری آیت ذکر کرتے ہیں:

﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ إِنَّ امْرَأَتَكَ لَأُمْرَأَةٌ هَلَكَةٌ لَّكَ وَلَئِنْ كُنْتُمْ لَا تَدْرُونَ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِثُهَا إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهَا وَلَدٌ فَإِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَكَ وَإِنْ كَانَا

(¹) بیان القرآن، ص: 295-296/1

(²) النساء: 12

(³) تفسیر الشعر اوای، ص: 2028/4

إِحْوَةٌ رِّجَالًا وَنِسَاءً فَلِلَّذَكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيْنِ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ أَن تَصْلَوْا وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ¹

(ترجمہ: لوگ آپ سے کلالہ کے متعلق فتویٰ پوچھتے ہیں۔ آپ ان سے کہئے کہ: "اللہ تمہیں اس بارے میں یہ فتویٰ دیتا ہے کہ اگر کوئی شخص لاولد مر جائے اور اس کی ایک بہن ہی ہو تو اسے ترکہ کا نصف ملے گا۔ اور اگر کلالہ عورت ہو (یعنی لاولد ہو) تو اس کا بھائی اس کا وارث ہوگا۔ اور اگر بہنیں دو ہوں تو ان کو ترکہ کا دو تہائی ملے گا۔ اور کئی بہن بھائی یعنی مرد اور عورتیں (ملے جلے ہوں) تو مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ ملے گا)

آپ فرماتے ہیں کہ پہلی آیت میں جو ایک بھائی یا بہن کا منفرد ہونے کی صورت میں چھٹا حصہ اور زیادہ ہونے کی صورت میں تیسرا حصہ بتایا گیا ہے وہ ماں کی جانب سے بھائیوں کا ہے جب کہ دوسری آیت میں سگے بہن بھائیوں کا ذکر ہے۔ اسی دوران آپ مستشرقین کا رد کرتے ہیں جنہوں نے قرآن پر طعن کرتے ہوئے اعتراض اٹھایا کہ قرآن میں کلالہ کے بھائیوں کی میراث ایک مقام پر کچھ بیان ہوئی ہے اور دوسرے مقام پر کچھ بیان ہوئی ہے۔ شعر اوی فرماتے ہیں کہ اگر وہ دونوں آیتوں کو ملا کر سمجھ لیتے تو یہ اعتراض نہ کرتے کیونکہ دونوں مقامات پر کلالہ میں تو کوئی فرق نہیں ہے البتہ ایک جگہ ماں جائے بھائیوں اور دوسری جگہ سگے بھائیوں کا ذکر ہے۔ اس کے بعد آپ کلالہ کے بہن بھائیوں کے حصوں کو مختصر بیان کرتے ہیں۔²

ڈاکٹر صاحب کلالہ کی آیات کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ کلالہ وہ مرد یا عورت ہے جس کے نہ تو والدین زندہ ہوں اور نہ اس کی کوئی اولاد ہو۔ پہلی آیت میں کلالہ کی میراث کے متعلق آپ فرماتے ہیں:

"مفسرین کا اجماع ہے کہ یہاں کلالہ کی میراث کے حکم میں بھائی اور بہنوں سے مراد آخیانی (ماں شریک) بھائی اور بہن ہیں۔ رہے عینی اور علاقائی بھائی بہن تو ان کا حکم اسی سورت کے آخر میں ارشاد ہوا ہے۔ عربوں میں دراصل تین قسم کے بہن بھائی ہوتے ہیں۔ ایک 'عینی' جن کا باپ بھی مشترک ہو اور ماں بھی، جنہیں ہمارے ہاں 'حقیقی' کہتے ہیں۔ دوسرے 'علاقائی' بہن بھائی، جن کا باپ ایک اور ماںیں جدا ہوں۔ اہل عرب کے ہاں یہ بھی حقیقی بہن بھائی ہوتے ہیں اور ان کا حکم وہی ہے جو 'عینی' بہن بھائیوں کا ہے۔ وہ انہیں 'سوتیلیا' نہیں سمجھتے۔ ان کے ہاں سوتیلیا وہ کہلاتا ہے جو ایک ماں سے ہو لیکن اس کا باپ دوسرا ہو۔ یہ 'آخیانی' بہن بھائی کہلاتے ہیں۔ ایک شخص کی اولاد تھی، وہ فوت ہو گیا۔ اس کے بعد اس کی بیوی نے دوسری شادی کر لی۔ تو اب اس دوسرے خاوند سے جو اولاد ہے وہ پہلے خاوند کی اولاد کے آخیانی بہن بھائی ہیں۔ تو کلالہ کی میراث کے حکم میں یہاں آخیانی بھائی بہن مراد ہیں۔"

(¹) النساء: 176

(²) تفسیر الشعر اوی، ص: 2030/4 اور 2879/5

کلامہ کے متعلق دوسری آیت کی تفسیر میں آپ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص فوت ہو گیا اور اس کی کوئی اولاد نہیں (اور نہ ماں باپ ہیں) اور اس کی صرف ایک بہن ہے تو اس کے لیے اس کے ترکے میں سے نصف ہے۔ ایسی صورت میں اس کی بہن ایسے ہی ہے جیسے ایک بیٹی ہو تو اسے ترکے میں سے آدھا حصہ ملے گا۔ اور اگر کلامہ عورت تھی جس کی کوئی اولاد نہیں، کوئی والدین نہیں تو اس کا وارث اس کا بھائی بن جائے گا، اس کی پوری وراثت اس کے بھائی کو چلی جائے گی۔ اگر دو (یا دو سے زیادہ) بہنیں ہوں تو وہ ترکے میں سے دو تہائی کی حق دار ہوں گی اور اگر کئی بہن بھائی ہوں تو ایک مرد کے لیے دو عورتوں کے برابر حصہ ہوگا۔ یعنی بھائی کو بہن سے دو گنا ملے گا۔ آخر میں ڈاکٹر صاحب اس مسئلے کا پس منظر بیان کرتے ہیں کہ اس زمانے کے عرب معاشرے میں تعددِ ازواج کے عام رواج کی وجہ سے ایسے مسائل معمولات کا حصہ تھے۔ باقی عینی یا علانی بہن بھائیوں کا وہی عام قانون ہو گا جو بیٹے اور بیٹی کا ہے۔ جس نسبت سے بیٹے اور بیٹی میں وراثت تقسیم ہوتی ہے ایسے ہی ان بہن بھائیوں میں تقسیم ہوگی۔¹

سابقہ دو مباحث اور تقابلی مثالوں کی روشنی میں یہ واضح ہوتا ہے کہ دونوں مفسرین نے تفصیل سے اجتناب کرتے ہوئے فقہی مسائل کو اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ آپ دونوں حضرات سامعین کو فقہی اختلافات کے الجھاؤ سے دور رکھتے ہوئے قرآن کریم کی عمومی دعوت دینا چاہتے تھے کیونکہ اس وقت اکثر مقامات پر امت میں فقہی اختلاف شدت اختیار کر چکا ہے۔ اس کے علاوہ دونوں حضرات امت کے اتحاد کے داعی تھے اور شاید اس لئے بھی آپ نے تفصیل سے اجتناب کیا کہ وہ کسی کی مخالفت نہ کریں۔ ڈاکٹر صاحب تو خود کو فقہی رائے دینے کا اہل بھی نہیں سمجھتے تھے اور آپ نے اس وجہ سے بھی تفصیل بیان نہیں کی۔ بلاشبہ عصر حاضر میں جو شخص بھی دعوت رجوع الی القرآن کا کام کرنا چاہتا ہے تو اس کے لئے یہی اسلوب بہترین ہے کہ وہ اختلافی مسائل سے گریز کرنے کی کوشش کرے تاکہ اس کا اثر قرآن کریم کی دعوت پر نہ پڑے۔ ذیل میں فقہی تفسیر کے ضمن میں دونوں کے منہج کے تقابلی مطالعہ کو نکات کی صورت میں پیش کیا جا رہا ہے۔

(1) دونوں مفسرین نے فقہی تفسیر کا اہتمام کم کیا ہے۔ ان تفاسیر کا موازنہ اگر امام قرطبی وغیرہ کی تفاسیر سے کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ جن آیات سے امام قرطبی نے بیسیوں مسائل اخذ کیے ہیں ایسی بہت سی آیتوں کی تفسیر میں دونوں مفسرین نے محض ظاہری معنی بیان کرنے پر اکتفا کیا ہے۔² اس حوالے سے ڈاکٹر صاحب نے تو شعر ادبی صاحب سے بھی کم اہتمام کیا ہے۔ غرض یہ کہ فقہی مسائل کی رہنمائی کے لئے سامعین و قارئین میں تشنگی رہ جاتی ہے۔

(1) بیان القرآن، ص: 238/2

(2) پہلی تقابلی مثال کے حوالے سے ملاحظہ ہو! القرطبی، الجامع لأحكام القرآن، 3/160-173

(2) دونوں مفسرین نے آئمہ اربعہ اور دیگر کی فقہی آراء کو بھی بہت کم مواقع پر بیان کیا ہے۔ اس دوران بھی کبھی تو آپ دونوں اصحاب رائے کا ذکر بھی نہیں کرتے۔ اسی طرح دونوں نے ماسوائے چند ایک مقامات کے (ڈاکٹر صاحب نے صرف ایک مقام پر) فقہی اختلاف، سبب اختلاف، مناقشہ ادلہ، اور رائج موقف کے تعین کا اہتمام بھی نہیں کیا ہے۔

(3) بیان القرآن اور تفسیر الشعراوی دونوں میں اصول فقہ سے متعلق کلام نہ ہونے کے برابر ہے۔ خاص طور پر بیان القرآن تو ان مباحث سے بالکل خالی ہے۔ دونوں نے دقیق مباحث سے اجتناب کرتے ہوئے آیات احکام کو بھی آسان ترین اسلوب میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔

(4) ظاہری حکم کی تفصیل کے حوالے سے اپنائے گئے منہج کے برعکس دونوں مفسرین نے حکم کے باطنی پہلو پر خصوصی توجہ دی ہے۔ اس ضمن میں حکم کے پس منظر، حکم کی علت و حکمت اور مقصدیت، کے حوالے سے دونوں نے تفصیلی کلام کیا ہے۔ اسی طرح شرعی حکم کے معاشرتی ثمرات، اور اس کی مخالفت کے مضرات کو بھی آپ دونوں حضرات بیان کرتے ہیں۔

(5) شریعت اسلامی کے دفاع اور برتری ثابت کرنے کا بھی دونوں مفسرین نے اہتمام کیا ہے۔ خاص طور پر شعراوی صاحب نے اس ضمن میں دیگر قوانین سے تقابل کرتے ہوئے اسلامی شریعت کی حقانیت کو ثابت کیا ہے۔ اسی طرح آپ نے شرعی احکامات کے حوالے سے مستشرقین کے اٹھائے گئے اعتراضات کا بھی جواب دیا ہے۔

(6) دونوں مفسرین فقہی مسائل کے حوالے سے منہج سلف پر قائم تھے اور متفق علیہ مصادر شریعت کا ذکر بھی دونوں نے کیا ہے۔ اس حوالے سے آپ دونوں حضرات نے عصر حاضر کی باطل تاویلات کا رد بھی کیا ہے۔

(7) دونوں مفسرین نے فقہی اختلافات میں وسعت قلب و نظر سے کام لیا ہے اور اسی چیز کی اپنے مخاطبین کو بھی دعوت دی ہے۔ دونوں حضرات فقہی مسائل میں شدت اختیار کرنے کے مخالف تھے۔ خاص طور پر ڈاکٹر صاحب نے پاکستان کے ماحول کے مطابق اس حوالے سے خصوصی تلقین فرمائی ہے۔

(8) دونوں حضرات کے پیش نظر دعوت قرآنی اور اصلاح امت تھی اور اسی سبب دونوں حضرات کے فقہی بیک گراؤنڈ کا تفسیر میں کوئی عمل دخل نہیں ہے۔

(9) امت کے موجودہ حالات کے مطابق بعض مسائل کے حوالے سے اجتہاد کی ضرورت کی جانب دونوں مفسرین نے توجہ مبذول کروائی ہے۔

10) شعر اوی صاحب کی لغوی مہارت کا اثر فقہی تفسیر میں بھی نمایاں ہے اور لغت کی بنیاد پر آپ نے بعض مسائل میں رائج موقف اختیار کیا ہے۔ جب کہ ڈاکٹر صاحب نے اس حوالے سے کسی بھی مسئلے میں اپنی ذاتی رائے دینے سے اجتناب کرتے ہوئے محض سابقہ آراء کو بیان کرنے پر اکتفا کیا ہے۔

خلاصہ باب:

قرآن کریم وہ عظیم کتاب ہے جو انسان کو دعوت غور و فکر دیتی ہے۔ اس کے عجائب و نوادرات کبھی ختم نہیں ہونگے۔ کلام اللہ ہونے کے ناطے یہ اس کا اعجاز ہے اور قیامت تک رہے گا کہ یہ ہر دور کے انسان کو اس کے حالات و واقعات کے مطابق رہنمائی کرتا رہے گا۔ ایک مفسر پر لازم ہے کہ وہ فہم قرآن کے لوازمات اور تفسیر بالرائے کی شرائط کو پورا کرتے ہوئے قرآن کریم کی روشنی میں امت کی رہنمائی فرمائے۔ ایسی تفسیر جو ان لوازمات و شرائط پر پورا نہیں اترے گی وہ تفسیر مذموم ٹھہرے گی۔

تفسیر الشعر اوی اور بیان القرآن وہ تفاسیر ہیں جن میں رائے کا غلبہ ہے لیکن اس کے ساتھ ہی دونوں مفسرین نے تفسیر بالرائے کی شرائط کو بھی پورا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس اعتبار سے دونوں تفاسیر کو تفسیر بالرائے محمود کی فہرست میں شامل کیا جائے گا۔

قرآن کریم واضح عربی زبان میں نازل ہوا ہے اور لغوی تفسیر کی اہمیت کے پیش نظر دونوں مفسرین نے اس کا اہتمام کیا ہے۔ البتہ اس دوران دونوں کے پیش نظر مفہوم آیت کا ابلاغ نظر آتا ہے کیونکہ دونوں نے اپنے مخاطبین کی رعایت کرتے ہوئے ان کی علمی و شعوری سطح کی مناسبت سے کلام کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب تمام دقیق مباحث حتیٰ کہ قرآن کریم کے بیانی اعجاز کا تذکرہ بھی نہیں کرتے ہیں کیونکہ آپ کے مخاطبین اردو ناظرین ہیں، جبکہ شعر اوی صاحب مصر اور دیگر عرب ممالک کی عوام سے مخاطب ہونے کے سبب عربی لغت کی باریکیوں کو بھی دلچسپ انداز میں بیان کرتے ہیں۔

قرآن کریم کے اعجاز کے متعدد پہلوؤں میں سے ایک پہلو علمی اعجاز بھی ہے جو عصر حاضر میں نکھر کر سامنے آیا ہے۔ شعر اوی صاحب اور ڈاکٹر اسرار احمد علمی تفسیر اور اس سے متعلقہ آیات سے واقف تھے۔ اس حوالے سے جہاں دونوں کی نظر عمیق قرآن مجید کی آیات کو نہ پر تھے وہاں دوسری جانب جدید سائنس اور اس کی دریافتوں پر بھی آپ دونوں نگاہ رکھتے تھے جس کا اظہار انہوں نے اپنی تفسیر میں کیا ہے۔ شعر اوی صاحب لغت میں اور ڈاکٹر صاحب سائنس میں مہارت رکھتے تھے لیکن شعر اوی صاحب نے علمی تفسیر میں بھی ڈاکٹر صاحب پر سبقت حاصل کی ہے البتہ ڈاکٹر صاحب نے لغوی تفسیر میں صرف سطحی کلام کیا ہے۔

دونوں مفسرین نے فقہی تفسیر کا اہتمام دیگر تفاسیر کی مناسبت سے بہت ہی کم کیا ہے۔ جن آیات احکام کی تفسیر میں اکثر مفسرین نے متعدد مسائل ذکر کیے ہیں ایسی بہت سی آیتوں کی تفسیر میں دونوں مفسرین نے محض ظاہری معنی بیان کرنے پر اکتفا کیا ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر صاحب نے تو شعر اوی صاحب سے بھی کم اہتمام کیا ہے۔ غرض یہ کہ فقہی مسائل کی رہنمائی کے لئے سامعین و قارئین کو اور تفاسیر کی جانب رجوع کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔

تفسیر بالرائے کے ضمن میں دونوں مفسرین کے مناہج اور ان کے تقابلی مطالعہ سے ایک مدرس اور داعی قرآن کے لئے یہ نصیحت حاصل ہوتی ہے وہ دقیق اور مشکل مباحث سے اجتناب کرے کیونکہ آج کل عام قارئین تک ابلاغ کے لئے یہ اسلوب غیر مؤثر ہے۔ ہماری پرانی تفاسیر ایسی مباحث سے بھری پڑی ہیں۔ لہذا اگر کوئی شخص گہرائی میں جا کر مطالعہ کرنا چاہتا ہو تو وہ ان کتب کی جانب رجوع کر سکتا ہے لیکن عام مسلمان تک قرآنی ہدایت پہنچانے کے لئے ایسی مباحث سے اجتناب ضروری ہے۔ جیسا کہ دونوں مفسرین کی اس رعایت کے سبب ان کی تفاسیر کو شرف قبولیت عامہ حاصل ہوا ہے۔

علمی تفسیر کے ضمن میں یہ ضروری ہے کہ اس کی شرائط کا پاس رکھا جائے یعنی آیات کے واضح ظاہری مفہوم کی توثیق میں صرف ثابت شدہ سائنسی حقیقت کو بیان کیا جائے اور تکلفات سے بچتے ہوئے مفروضوں اور زیر تحقیق مباحث سے استدلال کرنے سے گریز کیا جائے۔ یہ عصر حاضر کا ایک فتنہ بھی بن چکا ہے کیونکہ اکثر لوگ کچھ نیا پیش کرنے کی جستجو میں فحش غلطیاں کر بیٹھتے ہیں۔

فقہی تفسیر کے ضمن میں دونوں مفسرین نے اختلافی مسائل سے حتی الامکان بچنے کی کوشش کی ہے۔ قرآنی دعوت کے فروغ کے لئے یہ امر بھی نہایت اہمیت کا حامل ہے کیونکہ ایک عرصہ دراز سے فقہی اختلافات اور مناظرانہ اسلوب نے قرآن کریم کی دعوت ہدایت پر گہرے نقوش چھوڑے ہیں۔ اب رجوع الی القرآن اور عمومی اصلاحی دعوت کے لئے ناگزیر ہے کہ ایک داعی ایسے مسائل سے دور رہے جن میں اختلاف ہو۔ باقی ہر شخص ذاتی سطح پر اس حوالے سے تحقیق کر سکتا ہے۔

باب چہارم

علوم قرآن میں شیخ شعر اوی اور ڈاکٹر اسرار کی آراء کا تقابلی جائزہ

فصل اول: ناسخ و منسوخ کے حوالے سے دونوں مفسرین کا منہج اور اس کا تقابلی جائزہ

فصل دوم: مکی و مدنی کے حوالے سے دونوں مفسرین کا منہج اور اس کا تقابلی جائزہ

فصل سوم: اسباب نزول کے حوالے سے دونوں مفسرین کا منہج اور اس کا تقابلی جائزہ

فصل چہارم: علم مناسبات کے حوالے سے دونوں مفسرین کا منہج اور اس کا تقابلی جائزہ

فصل اول

ناسخ و منسوخ کے حوالے سے دونوں مفسرین کا منہج اور اس کا تقابلی جائزہ

مقدمہ فصل: قرآن کریم میں ناسخ و منسوخ کی بحث

مبحث اول: قرآن میں ناسخ و منسوخ کے حوالے سے امام شعرابی کا موقف

مبحث دوم: قرآن میں ناسخ و منسوخ کے حوالے سے ڈاکٹر اسرار احمد کا موقف

مبحث سوم: قرآن میں ناسخ و منسوخ کے حوالے سے دونوں مفسرین کے منہج کا تقابلی جائزہ

مقدمہ فصل:

قرآن کریم میں نسخ و منسوخ کی بحث

نسخ و منسوخ کی معرفت کا شمار علوم قرآن کے سب سے اہم موضوعات میں سے ہوتا ہے اور ہر مفسر قرآن کو اس علم کی معرفت حاصل ہونی چاہیے، کیونکہ اسی کی بنیاد پر احکام تکلیفی اور احکام حلت و حرمت مرتب ہوتے ہیں۔ اسلاف کا یہ ماننا تھا کہ نسخ اور منسوخ کا علم مفسر کی اہلیت تفسیر اور محدث کی بیان حدیث کی اہلیت کی ایک شرط ہے۔ امام قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اعتنى السلف الصالح بهذا العلم وقالوا: لا يجوز لاحد أن يفسر كتاب الله تعالى، الا بعد أن يعرف منه النسخ والمنسوخ. وقالوا أيضا: ان كل من يتكلم في شيء من علم هذا الكتاب العزيز ولم يعلم النسخ والمنسوخ كان ناقصا"¹

(ترجمہ: سلف صالحین نے اس علم کا اہتمام کیا ہے اور فرمایا: کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ کتاب اللہ کی تفسیر کرے مگر نسخ و منسوخ کی معرفت کے بعد۔ اور فرمایا: ہر وہ شخص جو اس کتاب عزیز کے متعلق کلام کرتا ہے اور نسخ و منسوخ نہیں جانتا وہ ناقص ہے۔)

امام قرطبی فرماتے ہیں:

"مَعْرِفَةُ هَذَا الْبَابِ أَكِيدَةُ وَقَائِدُهُ عَظِيمَةٌ، لَا يَسْتَعْنِي عَنْ مَعْرِفَتِهِ الْعُلَمَاءُ، وَلَا يُنْكِرُهُ إِلَّا الْجَهْلَةُ الْأَعْيَاءُ"

(ترجمہ: اس باب کی معرفت بہت مؤکد اور اس کا فائدہ بہت عظیم ہے۔ علماء اس کی معرفت سے بے نیاز نہیں ہو سکتے اور اس کی اہمیت سے انکار صرف جاہل اغبیاء کر سکتے ہیں۔)

نسخ صرف امر و نہی میں واقع ہوتا ہے چاہے الفاظ خبر کی صورت میں ہوں۔ جہاں تک ایسی خبر کا تعلق ہے جس میں طلب نہ ہو تو اس میں نسخ داخل نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ نسخ تشریعی امور اور احکام میں ہی ہوتا کہ عقیدہ کے امور میں نسخ کا وہم نہ ہو۔ اسی طرح نسخ کی کچھ شرائط و طرق ہیں جن سے وہ پہچانا جاتا ہے۔² یہاں نسخ کی مختصر لغوی و اصطلاحی تعریف بیان کی جا رہی ہے۔

نسخ کی لغوی تعریف:

یہ "نَسَخَ يَنْسَخُ" کا مصدر ہے، اس کے دو معانی ہیں: 1- ازالہ و رفع۔ 2- نقل و تحویل³

(1) قتادہ بن دعامہ بن قتادہ بن عزیز، أبو الخطاب السدوسی البصری (المتوفی: 117ھ) النسخ والمنسوخ، المحقق: حاتم صالح الضامن، کلیۃ الآداب—جامعہ بغداد، مؤسسۃ الرسالۃ، ط: 2، 1998ء، ص: 8

(2) دیکھیے: السیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، ص: 68/3، اور مناع القطان مباحث فی علوم القرآن، ص: 237

(3) دیکھیے: ابن منظور، لسان العرب، ص: 61/3 اور ابن فارس، ص: 424/5

(1) ازالہ ورنح

نسخ کے باب میں ازالہ کی دو قسمیں ہیں:

1. کسی چیز کو ختم کر کے دوسری چیز کو اس کی جگہ لے آنا۔ جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا أَوْ مِثْلَهَا﴾

(ترجمہ: ہم جب بھی کسی آیت کو منسوخ کرتے یا اسے بھلا دیتے ہیں تو اس جیسی یا اس سے بہتر

آیت لاتے (بھی) ہیں۔)¹

نسخ کے معنی میں تبدیلی کا عنصر موجود ہے، اس فرمان الہی میں اسے بڑی صراحت سے بیان کیا گیا ہے:

﴿وَإِذَا بَدَّلْنَا آيَةً مَكَانَ آيَةٍ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُنْزِلُ﴾²

(ترجمہ: اور جب ہم ایک آیت کے بجائے دوسری آیت تبدیل کر کے نازل کرتے ہیں۔ اور اللہ

جو کچھ نازل فرماتا ہے اس (کی مصلحت) کو خوب جانتا ہے)

2. بغیر عوض کے کسی چیز کو منسوخ کر دینا۔ ارشاد باری ہے:

﴿فَيَنْسَخُ اللَّهُ مَا يُلْفِي الشَّيْطَانَ ثُمَّ يُحْكِمُ اللَّهُ آيَاتِهِ﴾³

(ترجمہ: پھر اللہ تعالیٰ شیطانی وسوسہ کی آمیزش کو تو دور کر دیتا اور اپنی آیات کو پختہ کر دیتا ہے)

علامہ قرطبی اس آیت کی وضاحت میں فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب ہے کہ شیطان جس چیز کا القا کرتا ہے اللہ

تعالیٰ اسے زائل کر دیتے ہیں لہذا اس کی تلاوت کی جاتی ہے اور نہ مصحف میں باقی رکھا جاتا ہے۔⁴

(2) نقل یا تحویل

کسی چیز کو ایک جگہ سے دوسری جگہ ایسے منتقل کرنا کہ منتقل شدہ چیز کا وجود بھی باقی رہے، جیسے کہا جاتا ہے:

نَسَخْتُ الْكِتَابَ (ترجمہ: میں نے کتاب نقل کی)

اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ﴾⁵

(ترجمہ: جو کچھ تم عمل کیا کرتے تھے۔ بلاشبہ ہم (ساتھ ساتھ انہیں) لکھواتے جاتے تھے)

(1) البقرة: 106

(2) النحل: 101

(3) الحج: 52

(4) القرطبی، الجامع لأحكام القرآن، ص: 86/12

(5) الجاثیہ: 29

نسخ کی اصطلاحی تعریف:

نسخ کے مفہوم میں متقدمین اور متاخرین میں اختلاف ہے۔ اس گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ متقدمین و متاخرین کے درمیان منسوخ آیات کی تعداد کے متعلق جو اختلاف ہے وہ نسخ کی اصطلاحی و مرادی اختلاف کی بنا پر ہے۔ قرآن حکیم کے کسی عام حکم کی تخصیص، مطلق کی تفسیر یا کسی حکم میں استثناء آجاتا تو متقدمین اس کے لیے نسخ کی اصطلاح استعمال کرتے تھے۔ شاہ ولی اللہ کے بقول صحابہ کرام اور تابعین کے کلام کے استقرا سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات نسخ کا لفظ اس کے لغوی معنی میں استعمال کرتے تھے نہ کہ علماء اصول کی اصطلاح کے مطابق۔ متقدمین کے نزدیک نسخ کا مفہوم بہت عام تھا، اسی لیے قدیم اسلامی ادبیات میں منسوخ آیات کی تعداد سینکڑوں تک بتائی گئی ہے۔ بعد کے ادوار میں علم اصول فقہ کی تدوین اور ہر موقع و محل کے لیے الگ الگ اصطلاحات مقرر ہونے کے بعد متاخرین نے نسخ کو اس کے متعین معنی میں استعمال کرنا شروع کیا۔ جسے مختصر الفاظ میں کلید تارفع حکم سے تعبیر کیا گیا۔

علامہ ابن حاجب¹ نسخ کی تعریف میں لکھتے ہیں:

"رَفْعُ الْحُكْمِ الشَّرْعِيِّ بِدَلِيلٍ شَرْعِيٍّ مُتَأَخِّرٍ"²

(ترجمہ: کسی شرعی حکم کا متاخر دلیل سے رفع ہو جانا)

نسخ کی اصطلاحی تعریف میں علماء کے مختلف اقوال موجود ہیں، لیکن ابن حاجب کی یہ تعریف جامع، مانع اور مختصر ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے قاضی ابن العربی مالکی کے حوالے سے اکیس آیات کو منسوخ بتایا ہے، بعد کے مفسرین اور محققین نے حالات کے تغیر، علم کی ترقی اور قرآن کے گہرے مطالعے کے نتیجے میں ان میں سے کئی آیات کے مفہوم اور محمل متعین کر دیے۔ شاہ ولی اللہ نے ان میں سے سولہ آیات کے محمل متعین کر کے صرف چھ آیات کو منسوخ قرار دیا ہے۔³

اس فصل میں یہ جاننے کی کوشش کی گئی ہے کہ نسخ و منسوخ کے حوالے سے امام شعرای اور ڈاکٹر اسرار احمد کا موقف کیا تھا اور انہوں نے اس کا اطلاق کس حد تک اپنی تفسیر میں کیا ہے۔ جس کے بعد آخر میں نسخ کے متعلق دونوں مفسرین کے منہج کا تقابل کیا گیا ہے۔

(1) عثمان بن عمر بن ابی بکر عمرو جمال الدین ابن حاجب (1174-1249ء)، اصولی، نحوی، قاری، محدث اور مالکی فقیہ تھے۔ (الاعلام

لزرکلی، ص: 211/4)

(2) عضد الدین عبدالرحمن الابجدی (المتوفی: 756 ہجری)، شرح مختصر المنتقى الأصولی للإمام ابی عمرو عثمان ابن الحاجب المالکی، المحقق: محمد حسن محمد حسن

إسماعیل، دارالکتب العلمیہ، بیروت-لبنان، طبع: اول، 2004ء، ص: 205/3

(3) دیکھیے: شاہ ولی اللہ، الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، ص: 183 اور اتقان فی علوم القرآن، ص: 76-67/3

مبحث اول

قرآن میں نسخ و منسوخ کے حوالے سے امام شعر اوی کا موقف

الف۔ شعر اوی کے نزدیک نسخ و منسوخ

امام شعر اوی کے نزدیک کتاب اللہ میں نسخ کا وقوع پذیر ہونا ثابت ہے جیسا کہ وہ نسخ کے متعلق آیت مبارکہ:

﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا أَوْ مِثْلَهَا﴾¹

(ترجمہ: ہم جب بھی کسی آیت کو منسوخ کرتے یا اسے بھلا دیتے ہیں تو اس جیسی یا اس سے بہتر

آیت لاتے (بھی) ہیں۔)

کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"كلمة نسخ معناها نزيل آية كانت موجودة ونأتي بآية أخرى بدلا منها. كما يقال نسخت الشمس الظل. أي أن الظل كان موجودا وجاءت الشمس فمحته وحلت هي مكانه. ويقال نسخت الكتاب أي نقلته إلى صور متعددة، ونسخ الشيب الشباب أي أصبح الشاب شيخا."²

(ترجمہ: کلمہ (نسخ) کا معنی ہے کہ ہم ایک موجودہ آیت کو زائل کر دیتے ہیں اور اس کی جگہ دوسری آیت بطور متبادل لے آتے ہیں جیسا کہ کہا جاتا ہے: (نسخت الشمس ظل) یعنی سایہ موجود تھا اور سورج آگیا اور اسے مٹا دیا اور اس کی جگہ لے لی۔ اور کہا جاتا ہے: (نسخت الكتاب) یعنی کتاب کو مختلف صورتوں میں نقل کیا گیا اور (نسخ الشيب) یعنی جوان بوڑھا ہو گیا۔)

یہاں شعر اوی نے نسخ کی تعریف بیان کی ہے جو نسخ کی مذکورہ بالا لغوی و اصطلاحی تعریف سے موافقت رکھتی ہے۔

ب۔ شعر اوی کی جانب سے نسخ کے مانعین کا رد

شعر اوی نے اپنی تفسیر میں ان لوگوں کا رد کیا ہے جو کہتے ہیں کہ قرآن میں کبھی نسخ نہیں ہو سکتا کیونکہ نسخ کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اللہ پہلے ایک حکم لائے اور پھر اس حکم کی تطبیق آئی یہاں تک کہ حکم مختلف زاویوں سے پختہ ہو کر مضبوط ہو گیا۔ اور ایسی چیز کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا درست نہیں ہے۔

شعر اوی ان کا رد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یقیناً نسخ کا ایسا معنی مردود ہے اور اللہ پر اس کا اطلاق ہونا محال ہے لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ نسخ کا یہ معنی نہیں ہے۔ وہ تو صرف ایک حکم کو زائل کرنا اور دوسرے حکم کو لانا ہے اور ہم یہ کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے پہلی بار حکم جاری فرمایا تو وہ یہ جانتا تھا کہ اس حکم کا ایک محدود وقت ہے جس کے بعد وہ ختم ہو

(1) البقرة: 106

(2) تفسیر الشعر اوی، ص: 508/1

جائے گا اور اس کی جگہ ایک نیا حکم آجائے گا لیکن ظرف اور معالجہ اس بات کے متقاضی ہیں کہ یہ کام تدریج کے ساتھ ہو۔ اور اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ایک حکم لے کر آئے پھر ایک ایسا واقعہ رونما ہوا جس نے اس قاصر حکم کو پختہ کر دیا اور اللہ نے اس حکم کو بدل دیا۔ یہ بات درست نہیں ہے۔ اس لئے کہ جس گھڑی اللہ نے پہلی بار حکم جاری فرمایا وہ جانتا تھا کہ اس حکم کا ایک خاص زمانہ ہے یا اس کی تطبیق ایک مدت تک ہے پھر اس کے بعد اللہ اسے منسوخ کر دیتا ہے یا اسے دوسرے حکم سے بدل دیتا ہے۔ لہذا شارع جس نے اس حکم کو وضع کیا اس نے اس اساس پر وضع کیا کہ یہ ختم ہو جائے گا اور اس کی جگہ دوسرا حکم لے لے گا۔

شعراوی نے اس بات کی دلیل میں تحویل قبلہ کا واقعہ ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

"فإذا قال الله اتجه إلى بيت المقدس إتجهنا. فإذا قال اتجه إلى الكعبة إتجهنا. ولا قدسية لشيء في ذاته. ولكن القدسية لأمر الله فيه." ¹

(ترجمہ: جب اللہ نے حکم دیا کہ بیت المقدس کی جانب رخ کرو ہم نے اس جانب رخ کر لیا اور جب اس نے کعبہ کی جانب رخ کرنے کا حکم دیا ہم نے اس جانب رخ کر لیا۔ کسی بھی چیز کی فی ذاتہ تقدیس نہیں ہے لیکن تقدیس تو اللہ تعالیٰ کے حکم کی ہے)

شعراوی نے ایک اور مثال آیت مبارکہ:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُوا إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ﴾ ²

(ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ایسے ڈرو جیسے اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تمہیں موت نہیں

آنی چاہیے مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو)

کی دی کہ اس آیت کو درج ذیل آیت مبارکہ:

﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَأَسْمِعُوا وَأَطِيعُوا وَأَنْفِقُوا خَيْرًا لِّأَنْفُسِكُمْ...﴾ ³

(لہذا جہاں تک ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو اور سنو اور اطاعت کرو اور (اپنے مال) خرچ کرو)

نے منسوخ کر دیا ہے اور ناسخ آیت منسوخ سے بہتر ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے:

﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا﴾ ⁴

(¹) تفسیر الشعراوی، ص: 510/1

(²) آل عمران: 102

(³) التغابن: 16

(⁴) البقرة: 106

(ترجمہ: ہم جب بھی کسی آیت کو منسوخ کرتے یا اسے بھلا دیتے ہیں تو اس جیسی یا اس سے بہتر آیت لاتے) (بھی) ہیں

اس کے بعد شعر اوی اس آیت کے زیادہ بہتر ہونے پر بھی دلائل کے ساتھ کلام کرتے ہیں۔¹

ت۔ کن امور میں نسخ واقع نہیں ہوتا؟

امام شعر اوی کے نزدیک دو چیزوں میں کبھی بھی نسخ واقع نہیں ہوتا۔

1۔ امور عقائد میں

عقیدہ کے معاملہ میں ایک آیت دوسری آیت کو کبھی منسوخ نہیں کرتی پس عقائد ثابت ہیں اور وہ آدم علیہ اسلام سے لے کر قیامت تک کبھی متغیر نہ ہونگے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ واحد اور احد ہے اس میں کوئی تغیر و تبدیلی نہیں ہے اور غیب قائم ہے آخرت آنے والی ہے اور فرشتے اپنے اپنے کاموں میں لگے ہوئے ہیں اور اس کے علاوہ بھی جتنے عقیدہ کے امور ہیں وہ کبھی بھی منسوخ نہیں ہوتے۔

2۔ اللہ کی طرف سے آنے والی خبریں

جب بھی اللہ تعالیٰ ہمیں کسی آیت میں کوئی خبر دیتے ہیں تو وہ نہیں آیت سے منسوخ نہیں ہو سکتی کیونکہ اخبار تو کسی واقع ہونے والی چیز کے متعلق پیغام دینے کا نام ہے اور ہمارے لئے جو حادثہ ہو چکا اس کے متعلق حق سبحانہ و تعالیٰ کی اخبار منسوخ نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ اللہ کی طرف سے ہم تک پہنچنے والی سب سے سچی بات ہے.... لہذا عقائد و اخبار میں نسخ نہیں ہو سکتا لیکن احکام تکلیفی میں نسخ ہو سکتا ہے۔

شعر اوی اس حوالے سے مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اصول عبادات و اخلاقیات میں بھی نسخ

نہیں ہو سکتا مثلاً نماز، روزہ اور زکوٰۃ تمام شرائع میں موجود رہی ہیں لیکن کیفیت میں اختلاف موجود ہے۔²

ث۔ نسخ کے حوالے سے شعر اوی کا منہج

نسخ کے حوالے سے شعر اوی کے موقف کو سمجھنے کے بعد یہ جاننے کی کوشش کی جائے گی کہ آپ نے اپنی تفسیر میں نسخ و منسوخ کے حوالے سے کیا تطبیقی منہج اپنایا ہے۔ کیا آپ نسخ کے باب میں توسع کے قائل تھے؟ یا آپ نسخ کے وقوع کے تو قائل تھے لیکن اس کی تطبیق کرنے کو ناپسند کرتے تھے؟

تفسیر الشعر اوی کا مطالعہ کرنے والا شخص یہ محسوس کرتا ہے کہ شعر اوی نے آیات قرآنی کو قابل عمل بنانے

کو اس بات پر ترجیح دی ہے کہ انہیں منسوخ مانا جائے۔ آپ کے نزدیک قرآن مجید کی تقریباً تمام آیات محکم ہیں اور ان

(1) تفسیر الشعر اوی، ص: 511/1

(2) ایضاً، ص: 513/1

کا حکم بھی اہل ایمان کے حق میں باقی ہے۔ آپ نے صرف چند آیات کے منسوخ ہونے کا بیان کیا ہے اور یہ بھی اسی صورت میں جب کہ نسخ کی قوی دلیل موجود ہو۔ اور ایسا کرنے میں بعض مقامات پر آپ نے جمہور مفسرین کی آراء سے اختلاف بھی کیا ہے۔ مثلاً آیت مبارکہ:

﴿لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَإِنْ تُبْذَوْا مِمَّا فِيْ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفَوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهٖ اللّٰهُ فَيَغْفِرْ لِمَنْ يَّشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌۭ﴾¹

(ترجمہ: جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے۔ اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے خواہ تم اسے چھپاؤ یا ظاہر کرو، اللہ تم سے اس کا حساب لے گا۔ پھر جسے چاہے گا بخش دے گا اور جسے چاہے گا سزا دے گا اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے)

کی تفسیر میں شعر اوی فرماتے ہیں:

"وقد وجدنا كثيرا من العلماء قد وقفوا عند هذا القول وتساءل بعض من العلماء: هل الآية التي جاءت بعد ذلك والتي يقول فيها: {لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا}² هل هي نسخ للآية السابقة عليها؟ ولكن نحن نعرف أن الآية هي خبر، والأخبار لا تنسخ إنما الأحكام هي التي يتم نسخها، وعلى ذلك يكون القصد والعزم على تنفيذ الأمر هو المعنى بقوله الحق: {وَإِنْ تُبْذَوْا مِمَّا فِيْ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفَوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهٖ اللّٰهُ} فهذا هو الذي يحاسبنا الله عليه."³

(ترجمہ: بہت سے علماء نے اس آیت پر وقوف کیا ہے اور یہ سوال اٹھایا ہے کہ کیا اس آیت کے بعد والی آیت یعنی: (ترجمہ: اللہ کسی کو اس کی طاقت کے سوا تکلیف نہیں دیتا) نے اسے منسوخ کر دیا ہے؟ لیکن ہم جانتے ہیں کہ اس آیت میں ایک خبر ہے اور اخبار منسوخ نہیں ہوتی بلکہ صرف احکام ہی منسوخ ہوتے ہیں لہذا اس آیت کا حکم قصد اور عزم پر ہو گا اور یہی اس آیت کا معنی ہے: {وَإِنْ تُبْذَوْا مِمَّا فِيْ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفَوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهٖ اللّٰهُ} یہ (قصد و عزم) وہ چیز ہے جس پر اللہ ہمارا محاسبہ کرے گا۔)

اگر یہاں شعر اوی کے قول کا مناقشہ کیا جائے تو آپ کا یہ قول: "اس آیت میں ایک خبر ہے اور اخبار منسوخ نہیں ہوتی" درست نہیں ہے کیونکہ آیت میں اگرچہ خبر ہے لیکن یہ خبر طلب کے اسلوب میں ہے اور اس کا خبر کی شکل میں آنابلاغت کا اسلوب ہے اور یہ معلوم ہے کہ حساب کے نتائج میں ثواب و عقاب شامل ہیں۔ ثواب اطاعت اور عقاب عدم اطاعت کی وجہ سے لازم آتا ہے اور اگر یہ آیت طلب پر دلالت نہیں کرتی تو پھر حساب کیسا؟

(¹) البقرة: 284

(²) البقرة: 285

(³) تفسیر الشعر اوی، ص: 1235/2

مزید یہ کہ شعر اوی کا یہ کہنا کہ اس آیت سے مراد محض قصد و عزم ہے نہ کہ دل کے دیگر خیالات، درست نہیں کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو صحابہ رضی اللہ عنہم پر اشکال فہم نہ ہوتا اور وہ اس آیت کی وجہ سے جو مطلوب تھا اس میں اپنے نفس پر حرج اور مشقت محسوس نہ کرتے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے تو اس آیت سے یہ مفہوم لیا کہ اللہ تعالیٰ اعمال قلوب پر بھی ان کا محاسبہ کرے گا چاہے ان میں عزم و قصد ہو گا یا نہیں جس وجہ سے انہیں مشقت محسوس ہوئی۔ اس کے علاوہ ابن کثیر نے صحابہ و تابعین کی ایک جماعت کا یہ موقف بیان کیا ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے جن میں ابن عباس، علی بن ابی طالب، ابن مسعود، محمد بن کعب القرظی، عکرمہ، سعید بن جبیر اور قتادہ شامل ہیں۔¹

اس بحث کے بعد اس بات کو تسلیم کرنے میں تردد نہیں ہونا چاہیے کہ یہ آیت منسوخ ہے اور بلاشبہ قرآن کریم میں نسخ موجود ہے اور یہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا احسان عظیم ہے کہ اس نے بندوں پر ان کی طاقت کے مطابق احکام اتارے اور اگر کوئی حکم منسوخ کیا تو اس جیسا یا اس سے بہتر حکم اتار دیا۔

ج۔ تفسیر الشعر اوی میں مذکور نسخ کی چند مثالیں

شعر اوی نے جو نسخ کی مثالیں ذکر کی ہیں ان میں سے چند ایک ذیل میں بیان کی جا رہی ہیں:

(1) تحویل قبلہ

قول باری تعالیٰ:

﴿سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّاهُمْ عَن قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا قُلْ لِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾²

(ترجمہ: جلد ہی نادان لوگ ضرور کہیں گے کہ مسلمانوں کو ان کے پہلے قبلہ سے کس چیز نے پھیر دیا۔ آپ ان سے کہیے کہ "مشرق و مغرب تو اللہ ہی کے لیے ہیں، وہ جسے چاہتا ہے، سیدھی راہ دکھا دیتا ہے۔")

کی تفسیر میں شعر اوی فرماتے ہیں کہ یہ آیت قرآن مجید میں یہ پہلا نسخ ہے جو محمد ﷺ اور مومنین کو بیت المقدس سے کعبہ کی جانب رخ کرنے کے حکم کو بیان کرنے کے لئے نازل ہوئی ہے۔ یہ ان تمام لوگوں کے ذریعہ شدید شکوک و شبہات اور تنازعات کا باعث ہو سکتا تھا جو اسلام سے دشمنی رکھتے ہیں۔ لہذا اللہ تعالیٰ اس مسئلے کی مناسب دیکھ بھال کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ ان شکوک و شبہات کے پیدا ہونے سے پہلے ہی اس مسئلے کی وضاحت فرمادی۔³

(1) تفسیر ابن کثیر، ص: 567/1

(2) البقرة: 142

(3) تفسیر الشعر اوی، ص: 623/1

(2) میدان جنگ میں کفار سے مقابلے کا حکم

شعراوی کے نزدیک قول باری تعالیٰ:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا مِائَتِينَ وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ يَغْلِبُوا أَلْفًا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ﴾¹

(ترجمہ: اے نبی! مسلمانوں کو جہاد پر ابھاریے اگر تم میں سے بیس صابر ہوں تو وہ دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر ایک سو ہوں تو کافروں کے ایک ہزار آدمیوں پر غالب آئیں گے۔ کیونکہ کافر لوگ کچھ سمجھ نہیں رکھتے)

میں پہلے مسلمانوں کے ہر فرد سے مطالبہ تھا کہ وہ دس کفار کا مقابلہ کرے لیکن اس حکم کو اگلی آیت:

﴿الآنَ خَفَّفَ اللَّهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفًا فَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوا مِائَتِينَ وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ أَلْفٌ يَغْلِبُوا أَلْفَيْنِ بِإِذْنِ اللَّهِ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾²

(ترجمہ: اب اللہ نے تم سے تخفیف کر دی اور اسے معلوم ہوا کہ (اب) تم میں ضعف ہے لہذا اگر تم میں سے سو صبر کرنے والے ہوں تو وہ دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر ہزار ہوں تو اللہ کے حکم سے دو ہزار پر غالب آئیں گے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے)

نے منسوخ کر دیا ہے۔ اور اب ہر مسلمان فرد سے دو کفار کے مقابلے کا مطالبہ کیا گیا۔³

(3) زنا کی سزا کا ابتدائی حکم

قول باری تعالیٰ:

﴿وَاللَّاتِي يَأْتِينَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِسَائِكُمْ فاسْتَشْهَدُوا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةٌ مِنْكُمْ فَإِنْ شَهِدُوا فَأَمْسِكُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ حَتَّى يَتَوَفَّاهُنَّ الْمَوْتُ أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا﴾⁴

(ترجمہ: تمہاری عورتوں میں سے جو بدکاری کی مرتکب ہوں ان پر اپنے میں سے چار آدمیوں کی گواہی لو اور اگر وہ گواہی دے دیں تو انہیں گھروں میں بند رکھو تا آنکہ انہیں موت آجائے یا اللہ ان کے لیے کوئی اور راہ پیدا کر دے (کوئی دوسری سزا تجویز کرے))

(1) الانفال: 65

(2) النساء: 66

(3) دیکھیے: تفسیر الشعراوی، ص: 514/1، ص: 4799/8

(4) النساء: 15

کے متعلق شعر اوی فرماتے ہیں کہ پہلے جب عورت زنا کرتی، اور اس پر چار لوگ گواہی دے دیتے، تو وہ اسے گھر میں روک لیتے یہاں تک کہ وہ مر جائے پھر شادی شدہ کے لئے رجم کا حکم نازل ہوا اور کنواری کے لئے کوڑوں کا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿الرَّانِيَةُ وَالرَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِائَةً جَلْدَةٍ وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلْيَشْهَدْ عَذَابُهُمَا طَائِفَةٌ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾¹

(ترجمہ: زانی عورت ہو یا مرد، ان میں سے ہر ایک کو سو درے لگاؤ، اور اگر تم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو تو اللہ کے دین کے معاملہ تمہیں ان دونوں (میں سے کسی) پر بھی ترس نہ آنا چاہئے۔ اور مسلمانوں میں سے ایک گروہ ان کی سزا وقت موجود ہونا چاہئے۔)²

(4) والدین کے لئے وصیت کا حکم

شعر اوی کبھی تو صراحت سے یہ بیان کرتے ہیں کہ فلاں آیت منسوخ ہے اور اس کی نسخ فلاں آیت ہے اور کبھی وہ صراحت سے بیان تو نہیں کرتے لیکن سیاق سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ آپ کے نزدیک یہ آیت منسوخ ہے جیسا کہ قول باری تعالیٰ:

﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدُكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةَ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ﴾³

(ترجمہ: تم پر فرض کر دیا گیا ہے کہ اگر تم میں سے کسی کو موت آجائے اور وہ کچھ مال و دولت چھوڑے جارہا ہو تو مناسب طور پر اپنے والدین اور رشتہ داروں کے حق میں وصیت کر جائے۔ (ایسی وصیت کرنا) پرہیزگاروں کے ذمہ حق ہے)

کے متعلق شعر اوی کی رائے ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے اور آیت مبارکہ:

﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِيَيْنِ - - -﴾⁴

(ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمہاری اولاد کے بارے میں تاکیداً حکم دیتا ہے کہ مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہو گا۔)

اور دیگر احکامات میراث کے بعد یہ آیت منسوخ ہو گئی ہے۔

(1) النور: 2

(2) تفسیر الشعر اوی، ص: 514/1

(3) البقرة: 180

(4) النساء: 11

مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں شعر اوی فرماتے ہیں:

"وقد جاء هذا الحكم قبل تشريع الميراث كانوا يعطون كل ما يملكون لأولادهم، فأراد الله أن يخرجهم من إعطاء أولادهم كل شيء وحرمان الوالدين والأقربين. وقد حدد الله من بعد ذلك نصيب الوالدين في الميراث، أما الأقربون فقد ترك الحق لعباده تقرير أمرهم في الوصية."¹

(ترجمہ: یہ حکم تشریع میراث سے پہلے کا ہے پس لوگ میراث کے شرعی حکم کے نزول سے پہلے جس چیز کی بھی ملکیت رکھتے اسے اپنی اولاد کو دے دیتے جس پر اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ کیا کہ انہیں حرمان والدين اور حرمان اقربین سے روک دیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے والدين کے لئے تو میراث میں حق مقرر کر دیا اور اقربین کے لئے بندوں کو اختیار وصیت دے دیا۔)

5) روزے کی استطاعت کے باوجود فدیہ دینے کا حکم

قول باری تعالیٰ:

﴿أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينَ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾²

(ترجمہ: (یہ روزے) چند گنتی کے دن ہیں۔ پھر اگر تم میں سے کوئی بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں سے گنتی پوری کر لے اور جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت تو رکھتے ہوں (مگر رکھیں نہیں) تو اس کا فدیہ ایک مسکین کا کھانا ہے۔ اور جو شخص اپنی خوشی سے زیادہ بھلائی کرے۔ (یعنی فدیہ زیادہ دے دے) تو یہ اس کے حق میں بہتر ہے۔ اور اگر تم روزے ہی رکھ لو تو اگر تم سمجھو تو یہی بات تمہارے لیے بہتر ہے)

کی تفسیر میں شعر اوی فرماتے ہیں کہ یہاں کوئی شخص سوال کر سکتا ہے کہ کسی شخص کو روزے کی طاقت کے باوجود کیونکر یہ اجازت مل سکتی ہے کہ وہ مسکین کو کھانا کھلا کر روزہ افطار کر لے؟ آپ اس سوال کا جواب دیتے ہیں کہ یہ آیات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ روزہ کے احکامات تدریج کے ساتھ آئے ہیں جیسا کہ دیگر کئی شرعی احکامات کا معاملہ ہے جن کا تعلق مکلفین کی عادات کو چھڑوانا ہے مثلاً شراب، جو اور میراث وغیرہ یہ وہ امور ہیں جن میں اللہ نے تدریج سے کام لیا ہے۔ احکام میراث میں پہلے وصیت کا حکم دیا گیا پھر اسے میراث کے احکامات کی طرف منتقل کر دیا،

(1) تفسیر الشعر اوی، ص: 757/2

(2) البقرة: 184

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ کیا کہ امت محمد ﷺ کو اس کیفیت سے کہ وہ روزہ نہ رکھتے تھے اس طرف لے کر جائے کہ وہ اپنے اختیار سے روزہ رکھ لیں۔ لہذا اس کے بعد یہ حکم آیا کہ اب بغیر اختیار کے بس روزہ رکھو۔
آپ فرماتے ہیں کہ روزہ کا حکم ابتدا میں اختیاری تھا اور پھر جب مسلمان اس کے عادی ہو گئے اور انہیں روزہ سے الفت ہو گئی پھر یہ حکم ارتقائی شکل اختیار کرتے ہوئے ایک مدت یعنی رمضان کے تیس دنوں میں فرض ٹھہرا۔
جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول آیا:

(شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِنَ الْهُدَى وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ)¹

(ترجمہ: ہدایت ہے اور اس میں ہدایت اور حق و باطل میں امتیاز کرنے والے واضح دلائل موجود ہیں۔ لہذا تم میں سے جو شخص اس مہینہ کو پالے اس پر لازم ہے کہ پورا مہینہ روزے رکھے)
اس آیت میں حق تعالیٰ نے اس فدیہ یا کسی اور چیز کا ذکر نہیں کیا۔ اس طرح سے اس شخص کے لئے فدیہ کا اختیار ختم ہو گیا جو روزہ کی صلاحیت رکھتا ہے البتہ جو شخص اصلاً روزہ کی طاقت نہیں رکھتا کہ وہ مریض ہے یا بوڑھا ہے اور اگر مسلمان طبیب اسے یہ کہہ دیں کہ اس کی شفا کی کوئی امید نہیں تو ہم اس سے کہیں گے کہ تم روزے ہر گز نہ رکھو تمہارے لئے یہ حکم ہے کہ فدیہ دو۔²
یہاں قرآن کریم میں نسخ کے حوالہ سے شعر اوای کا موقف بیان کیا گیا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ شعر اوای قرآن کریم میں نسخ کو تسلیم کرتے ہیں البتہ وہ اس میں توسع کے قائل نہیں ہیں اور بعض اوقات تو اپنے اجتہاد کی بنیاد پر بعض آیات کے منسوخ ہونے کی نفی کرتے ہیں۔

(1) سورۃ البقرہ: 185

(2) تفسیر الشعر اوای، ص: 770/2

مبحث دوم

قرآن میں نسخ و منسوخ کے حوالے سے ڈاکٹر اسرار احمد کا موقف

الف۔ نسخ کا مفہوم اور اس کی اقسام

ڈاکٹر صاحب نے اپنی تفسیر میں نسخ کی لغوی و اصلاحی تعریف کے حوالے سے تو کلام نہیں کیا ہے البتہ اس کے پس منظر اور سبب و حکمت کے متعلق گفتگو فرمائی ہے۔ قول باری تعالیٰ:

﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا أَوْ مِثْلَهَا أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾¹

(ترجمہ: ہم جب بھی کسی آیت کو منسوخ کرتے یا اسے بھلا دیتے ہیں تو اس جیسی یا اس سے بہتر آیت

لاتے (بھی) ہیں)

کی تفسیر کے دوران (مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا) سے مراد واضح کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں کہ ایک تو ہے نسخ یعنی کسی آیت کو منسوخ کر دینا اور ایک ہے حافظے سے ہی کسی شے کو محو کر دینا۔ یہودی یہ اعتراض کر رہے تھے کہ اگر یہ دین وہی ہے جو موسیٰ علیہ السلام کا تھا تو پھر شریعت پوری وہی ہونی چاہیے۔ یہاں اس اعتراض کا جواب دیا جا رہا ہے۔² ڈاکٹر صاحب کے نزدیک نسخ کی دو صورتیں ہیں۔

(1) ایک شریعت کا سابقہ شریعت کو منسوخ کرنا

(2) شریعت محمدی میں نسخ

ب۔ نسخ کا سبب و حکمت

ڈاکٹر صاحب کے نزدیک نسخ کی مذکورہ بالا صورتوں کے بنیادی اسباب درج ذیل ہیں:

(1) ایک شریعت کا سابقہ شریعت کو منسوخ کرنا

آپ کے نزدیک نوع انسانی مختلف اعتبارات سے ارتقا کے مراحل طے کرتی رہی ہے کیونکہ ذہنی پختگی، شعور کی پختگی اور پھر تمدنی ارتقا کا سفر مسلسل جاری تھا۔ دوسری جانب ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ اللہ کا دین آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک ایک ہی ہے۔ نوح علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام اور محمد رسول اللہ ﷺ کا دین ایک ہی ہے۔ لہذا اس ارتقا کے جس جس مرحلے میں رسول آئے اسی کی مناسبت سے ان کو تعلیمات دے دی گئیں۔ ان تعلیمات کے کچھ حصے ایسے تھے جو ابدی ہیں، وہ ہمیشہ رہیں گے، جبکہ کچھ حصے زمانے کی مناسبت سے تھے۔ چنانچہ جب اگلا رسول آتا تو ان میں سے کچھ چیزوں میں تغیر و تبدل ہو جاتا، کچھ چیزیں نئی آ جاتیں اور کچھ پرانی ساقط ہو جاتیں۔ یہ

(1) البقرة: 106

(2) بیان القرآن، ص: 205/1

معاملہ نسخ کہلاتا ہے۔ یا تو اللہ تعالیٰ تعین کے ساتھ کسی حکم کو منسوخ فرما دیتے ہیں اور اس کی جگہ نیا حکم بھیج دیتے ہیں، یا کسی شے کو سرے سے لوگوں کے ذہنوں سے خارج کر دیتے ہیں۔

(2) شریعت محمدی میں نسخ

آپ فرماتے ہیں کہ یہ نسخ و منسوخ کا مسئلہ صرف سابقہ شریعتوں اور شریعت محمدی کے مابین ہی نہیں ہے، بلکہ خود شریعت محمدی میں بھی زمانی اعتبار سے ارتقا ہوا ہے۔ یعنی نسخ و منسوخ کا مسئلہ قرآن میں بھی ہے۔ قرآن میں بھی تدریج کے ساتھ شریعت کی تکمیل ہوئی ہے۔ شریعت کا ابتدائی خاکہ سورۃ البقرۃ میں مل جاتا ہے، لیکن شریعت کی تکمیل تقریباً پانچ چھ سال بعد سورۃ المائدہ میں ہوئی ہے۔ اس دوران پہلے کچھ احکام دیئے گئے، پھر ان میں رد و بدل کر کے نئے احکام دیئے گئے اور پھر آخر میں یہ ارشاد فرمایا گیا:

﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾¹

(ترجمہ: آج کے دن میں نے تمہارا دین تمہارے لیے مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور

تمہارے لیے بحیثیت دین، اسلام کو پسند کیا ہے)

اس کی مثال دیتے ہوئے آپ فرماتے ہیں کہ پہلے شراب کے بارے میں حکم دیا گیا کہ اس میں گناہ کا پہلو زیادہ ہے، اگرچہ کچھ فائدے بھی ہیں۔ اس کے بعد حکم آیا کہ اگر شراب کے نشے میں ہو تو نماز کے قریب مت جاؤ۔ پھر سورۃ المائدہ میں آخری حکم آگیا اور اسے گنداشیطانی کام قرار دے کر فرمایا گیا: {فَهَلْ أُنْتَهُونَ} (ترجمہ: تو کیا اب بھی باز آتے ہو یا نہیں؟) اس طرح تدریجاً احکام آئے اور آخری حکم میں شراب حرام کر دی گئی۔ اللہ تعالیٰ اگر کسی حکم کو منسوخ کرتے ہیں یا اسے بھلا دیتے ہیں تو اس سے بہتر لے آتے ہیں یا کم از کم اس جیسا دوسرا حکم لے آتے ہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے، اس کا اختیار کامل ہے، وہ مالک الملک ہے، دین اس کا ہے، اس میں وہ جس طرح چاہے تبدیلی کر سکتا ہے۔³

ج۔ بیان القرآن میں نسخ کی مثالیں

شعراوی صاحب کی طرح ڈاکٹر صاحب بھی نسخ میں توسع کے قائل نہیں تھے۔ آپ کے نزدیک بھی قرآن کریم کی محض چند آیتوں کے احکام منسوخ ہوئے ہیں۔ ایسی چند مثالیں آگے بیان جا رہی ہیں۔

(1) حکم وصیت

قول باری تعالیٰ:

(¹) المائدہ: 3

(²) ایضاً: 91

(³) بیان القرآن، ص: 206/1

﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدُكُمْ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ﴾¹

(ترجمہ: تم پر فرض کر دیا گیا ہے کہ اگر تم میں سے کسی کو موت آجائے اور وہ کچھ مال و دولت

چھوڑے جارہا ہو تو مناسب طور پر اپنے والدین اور رشتہ داروں کے حق میں وصیت کر جائے)

کے متعلق ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ قانون وراثت کے نزول سے قبل یہ ابتدائی قدم اٹھایا گیا تھا۔ دور جاہلیت میں وراثت کی تقسیم ہندوؤں کی طرح ہوتی تھی یعنی مرنے والے کی ساری جائیداد کا مالک بڑا بیٹا بن جاتا تھا اور باقی رشتہ دار وراثت سے محروم رہتے تھے۔ چنانچہ یہاں وراثت کے بارے میں پہلا حکم دیا گیا کہ مرنے والا والدین اور اقربا کے بارے میں وصیت کر جائے تاکہ ان کے حقوق کا تحفظ ہو سکے۔

پھر جب سورۃ النساء میں پورا قانون وراثت آگیا تو اب یہ آیت منسوخ شمار ہوتی ہے۔ البتہ اس کے ایک جزو کو رسول اللہ ﷺ نے باقی رکھا ہے کہ مرنے والا اپنے ایک تہائی مال کے بارے میں وصیت کر سکتا ہے، اس سے زیادہ نہیں، اور یہ وصیت غیر وارث کے لیے ہوگی نہ کہ جس شخص کا وراثت میں حق مقرر ہو چکا ہے۔²

(2) بیویوں کے لئے ایک سال قیام کی وصیت

قول باری تعالیٰ:

﴿وَالَّذِينَ يَتُوفُونَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا وَصِيَّةً لِأَزْوَاجِهِمْ مَتَاعًا إِلَى الْخَوْلِ غَيْرِ إِخْرَاجٍ﴾³

(ترجمہ: تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور ان کی بیویاں موجود ہوں تو وہ اپنی بیویوں (بیواؤں)

کے حق میں وصیت کر جائیں کہ سال بھر انہیں نان و نفقہ دیا جائے اور گھر سے نکالنا نہ جائے۔)

کی وضاحت مثال دے کر کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص فوت ہوا ہے اور اس کی چار بیویاں ہیں، جن میں سے ایک کے ہاں اولاد ہے، جبکہ باقی تین اس اولاد کی سوتیلی مائیں ہیں۔ اب یہ اولاد سگی ماں کو تو اپنی ماں سمجھ کر اس کی خدمت کرے گی اور باقی تین کو خواہ مخواہ کی ذمہ داری سمجھے گی۔ لہذا ابتدا میں یہ حکم اس لئے دیا گیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان بیواؤں کو فوراً گھر سے نکال دیا جائے۔ البتہ بعد میں جب قانون وراثت آگیا اور وفات کی صورت میں بیوی کے حق کا اور بیوی کی وفات کی صورت میں شوہر کے حق کا بھی تعین کر دیا گیا تو بیواؤں کے حق میں وصیت کی یہ ہدایات منسوخ ہو گئیں۔⁴

(1) البقرہ: 180

(2) بیان القرآن، ص: 256/1

(3) البقرہ: 240

(4) بیان القرآن، ص: 311/1

(3) بدکاری کی سزا کے لئے ابتدائی حکم

قول باری تعالیٰ:

﴿وَاللَّاتِي يَأْتِينَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِسَائِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِنْكُمْ فَإِنْ شَهِدُوا فَأَمْسِكُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ حَتَّى يَتَوَفَّاهُنَّ الْمَوْتُ أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا﴾¹

(ترجمہ: تمہاری عورتوں میں سے جو بدکاری کی مرتکب ہوں ان پر اپنے میں سے چار آدمیوں کی گواہی لو اور اگر وہ گواہی دے دیں تو انہیں گھروں میں بند رکھو تا آنکہ انہیں موت آجائے یا اللہ ان کے لیے کوئی اور راہ پیدا کر دے (کوئی دوسری سزا تجویز کرے))

کی تفسیر میں ڈاکٹر صاحب رقم طراز ہیں:

"بدکاری کے متعلق یہ ابتدائی حکم تھا۔ بعد میں سورۃ النور میں حکم آگیا کہ بدکاری کرنے والے مرد و عورت دونوں کو سو کوڑے لگائے جائیں...."²

(4) اللہ کا تقویٰ جیسا کہ اس کا حق ہے

ڈاکٹر صاحب نے بعض مقامات پر نسخ کا اشارہ تو دیا ہے لیکن صراحت نہیں فرمائی۔ مثلاً قول باری تعالیٰ:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ﴾³

(ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ایسے ڈرو جیسے اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تمہیں موت نہیں آنی چاہیے مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو)

کی تفسیر میں آپ فرماتے ہیں:

"قرآن مجید میں تقویٰ کی تلقین کے لئے یہ سب سے گہری آیت ہے۔ اس پر صحابہ رضی اللہ عنہ گہرا گئے کہ یا رسول اللہ ﷺ! اللہ کے تقویٰ کا حق کون ادا کر سکتا ہے؟ پھر جب سورۃ التغابن کی یہ آیت اتری: (فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ)⁴ (ترجمہ: اپنی امکانی حد تک اللہ کا تقویٰ اختیار کرو) تب ان کی جان میں جان آئی۔"⁵

ان دو مباحث میں نسخ کے حوالے سے امام شعر اوی اور ڈاکٹر اسرار احمد کے منہج کو بیان کرنے کے بعد اب اگلی بحث میں دونوں مفسرین کے اس منہج کا تقابل کرنے کی کوشش کی گئی ہے جہاں اس حوالے سے تجزیہ بھی کیا گیا ہے۔

(1) النساء: 15

(2) بیان القرآن، ص: 134/2

(3) آل عمران: 102

(4) التغابن: 16

(5) بیان القرآن، ص: 62/2

مبحث سوم

قرآن میں ناسخ و منسوخ کے حوالے سے دونوں مفسرین کے منہج کا تقابلی جائزہ

سابقہ دو مباحث سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ دونوں مفسرین قرآن کریم میں نسخ کی موجودگی کے قائل تھے اور اسی طرح نسخ کی حکمت اور اسباب کو بھی آپ دونوں نے بیان کیا ہے جس کے ذریعے ان لوگوں کا رد ہوتا ہے جو قرآن کریم میں یا تو نسخ کی موجودگی کے قائل نہیں یا اس کی موجودگی پر اعتراضات اٹھاتے ہیں۔ دونوں مفسرین نسخ نے مختلف پہلوؤں پر کلام کیا ہے اور دونوں کے کلام کو جمع کرنے سے نسخ کی تعریف، اقسام اور اطلاق کے حوالے سے ایک جامع تصور سامنے آتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ دونوں مفسرین کے نزدیک قرآن کریم کی محض چند آیات حکمی اعتبار سے منسوخ ہیں۔ نسخ کو بیان کرنے کے حوالے سے بھی دونوں مفسرین کے منہج میں یکسانیت پائی جاتی ہے کہ بعض آیات میں تو وہ صراحت کے ساتھ آیت منسوخہ اور آیت ناسخہ کا ذکر کرتے ہیں اور کبھی نسخ کی جانب اشارہ کر دیتے ہیں۔ ذیل میں اس حوالے سے ایک تقابلی مثال بیان کی جا رہی ہے۔

تقابلی مثال:

امام جلال الدین سیوطی کے نزدیک قرآن کریم میں بیس آیتیں منسوخ ہیں¹ جبکہ امام شاہ ولی اللہ نے الفوز الکبیر میں سیوطی کی مذکورہ آیات پر کلام کر کے ان میں سے اکثر کو غیر منسوخ قرار دیا ہے اور آپ کے نزدیک قرآن کریم کی محض پانچ آیتیں منسوخ ہیں²۔ تقابلی مثال کے طور پر شاہ صاحب کی بتائی گئی پانچ منسوخ آیتوں میں سے ایک آیت لی جا رہی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نجوی (سرگوشی) کرنے سے قبل صدقہ پیش کرنے کا حکم

ارشاد باری تعالیٰ:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ فَقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَةٌ ذَلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَأَطْهَرُ فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾³

(ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے سرگوشی کرنا چاہو تو اپنی سرگوشی سے پہلے (مساکین کو) صدقہ کیا کرو۔ یہ تمہارے لئے بہتر اور پاکیزہ تر بات ہے۔ ہاں اگر تم صدقہ دینے کے لئے کچھ نہ پاؤ تو بلاشبہ اللہ بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے)

(¹) دیکھیے: السیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، ص: 73/3-76

(²) دیکھیے: شاہ ولی اللہ، الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، ص: 85-93

(³) المجادلہ: 12

میں اہل ایمان کو رسول اللہ ﷺ سے نجوی (سرگوشی) کرنے سے قبل صدقہ پیش کرنے کا حکم دیا گیا۔

ڈاکٹر صاحب اس حکم کا پس منظر بیان فرماتے ہیں کہ حالات کی مجبوری کے سبب عبد اللہ بن ابی اور دیگر منافقین میں سے اکثر لوگ حضور ﷺ سے اپنی قربت جتانے اور اپنی خصوصی حیثیت و اہمیت اجاگر کرنے کے لیے یہ ڈرامہ رچایا کرتے کہ بعض اوقات بلا وجہ حضور ﷺ سے تخلیہ میں بات کرنے کا تقاضا کرتے۔ حضور ﷺ مروت کے باعث ہر کسی کی بات مان تو لیتے، لیکن منافقین کا یہ طرز عمل آپ ﷺ کے لیے زحمت کا باعث تھا۔

منافقین کے اس طرز عمل کی حوصلہ شکنی کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس حکم کے ذریعے حضور ﷺ سے علیحدگی میں بات کرنے پر ایک طرح کا ٹیکس عائد کر دیا کہ اگر تمہارا حضور ﷺ سے علیحدگی میں بات کرنا ایسا ہی ضروری ہے تو پہلے اپنے مال میں سے کچھ صدقہ دو اور پھر آکر اس مقصد کے لیے حضور ﷺ سے وقت مانگو۔ منافقین چونکہ انفاق سے گھبراتے ہیں اس لیے اس حکم کے بعد ان میں سے کسی ایک شخص نے بھی صدقہ دے کر حضور ﷺ سے علیحدگی میں بات کرنے کی درخواست نہ کی۔

آپ فرماتے ہیں کہ یہ حکم البتہ بہت تھوڑی دیر نافذ رہا اور جلد ہی اسے اگلی آیت کے ذریعے منسوخ کر دیا گیا۔

ارشاد ہوا:

﴿أَشْفَقْتُمْ أَنْ تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَاتٍ فَإِذْ لَمْ تَفْعَلُوا وَتَابَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ﴾¹

(ترجمہ: کیا تم اس بات سے ڈر گئے کہ اپنی سرگوشی سے پہلے صدقے ادا کرو۔ پھر جب تم نے ایسا

نہیں کیا اور اللہ نے بھی تمہیں (اس سے) معاف کر دیا)

ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں واحد شخص تھا جس نے اس حکم پر عمل کیا اور صدقہ دے کر حضور ﷺ سے علیحدگی میں بات کرنے کی درخواست کی²۔ اس آیت کے ذریعے اس حکم کو جلد ہی منسوخ بھی کر دیا گیا، لیکن اس حکم سے ان لوگوں کی قلعی کھل گئی جو محض ریاکاری کے لیے حضور ﷺ سے علیحدگی میں بات کرنے کے شوقین تھے۔ بار بار حضور ﷺ کے پاس سرگوشی کے لئے آنے والے لوگوں کو میں سے کسی کو بھی اب صدقہ کے حکم کے بعد علیحدگی میں بات کرنے کی حاجت محسوس نہ ہوئی۔ اس حکم کی منسوخی کے بعد اپنا پرانا طرز عمل دہراتے ہوئے وہ شرم تو محسوس کرتے ہوں گے اور یہی دراصل اس وقتی اور عارضی حکم کا اصل مقصد تھا۔³

(¹) المجادلہ: 13

(²) مستدرک حاکم، کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ المجادلہ، حدیث #3794 (قال الذہبی: «هذا حديث صحيح على شرط الشيخين ولم يخرجاه»)

(³) بیان القرآن، ص: 171/7

پہلی آیت کی تفسیر میں امام شعر اوی فرماتے ہیں کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو رسول اللہ ﷺ سے نجوی کرنے سے قبل صدقہ پیش کرنے کا حکم اس لئے دیا کہ بعض لوگ باقی لوگوں سے ہٹ کر رسول اللہ ﷺ کے قریب ہو کر سرگوشی کرتے تاکہ ان کا شرف بڑھ جائے اس اعتبار سے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے رازدار ہیں اور آپ ﷺ عام لوگوں سے ہٹ کر ان سے کلام کرتے ہیں۔ اس وجہ سے آپ ﷺ کا وقت بھی ضائع ہوتا اور سینہ بھی تنگ ہوتا۔ لہذا حق سبحانہ و تعالیٰ نے اس رجحان کی حد بندی کرنے کے لئے رسول اللہ ﷺ سے سرگوشی کرنے سے قبل صدقہ پیش کرنا فرض کر دیا جو آپ ﷺ اپنے ارد گرد فقراء میں تقسیم کر دیتے۔

اس آیت کے نزول کی بعد آپ سے سرگوشی کرنے کے لئے آگے بڑھنے والے باز آگئے کیونکہ مال ان کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے قریبی کہلائے جانے سے زیادہ محبوب تھا۔ گویا اس حکم کا مقصد اس رش کو ختم کرنا تھا جو آپ کے گرد لگا رہتا تھا۔ شعر اوی اس کی مثال دیتے ہیں کہ جیسے ایک مشہور ڈاکٹر مریضوں کی تعداد کم کرنے کے لئے اپنی فیس بڑھا دیتا ہے۔

اس کے بعد شعر اوی نے دوسری آیت (أَشْفَقْتُمْ أَنْ تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَاتٍ) ذکر کی اور اس کے متعلق فرمایا کہ جب سرگوشی کرنے والوں نے صدقہ نہ پیش کیا اور باز آگئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی۔ ماسوائے امام علی رضی اللہ عنہ کے جنہوں نے ایک دینار دے کر دو درہم لے لئے اور آپ ﷺ کو نجوی سے قبل صدقہ کے طور پر پیش کیے¹⁻²

آیت نجوی کے منسوخ ہونے کے حوالے سے دونوں مفسرین کے موقف میں یکسانیت پائی جاتی ہے۔ دونوں کے نزدیک یہ آیت ایک خاص حکمت اور مقصد کے تحت نازل کی گئی اور مطلوبہ ہدف کے حصول کے بعد اس آیت کو اگلی آیت سے منسوخ کر دیا گیا۔

(1) اس حدیث کی تخریج گزشتہ صفحہ پر گزر چکی ہے۔

(2) دیکھیے: تفسیر الشعر اوی، ص: 15014/24

فصل دوم

مکی ومدنی قرآن کے حوالے سے دونوں مفسرین کا منہج اور اس کا تقابلی جائزہ

مقدمہ فصل: معرفت مکی ومدنی

مبحث اول: مکی ومدنی قرآن کے حوالے سے امام شعرابی کا منہج

مبحث دوم: مکی ومدنی قرآن کے حوالے سے ڈاکٹر اسرار احمد کا منہج

مبحث سوم: مکی ومدنی قرآن کے حوالے سے دونوں مفسرین کے منہج کا تقابلی جائزہ

مقدمہ فصل: معرفت مکی و مدنی

1۔ مکی اور مدنی کا تعارف

قرآن کریم کی مکی اور مدنی تقسیم کا علم قرآن مجید کی معرفت کے لوازمات میں سے ہے اور علوم القرآن کی اہم ترین مباحث میں شامل ہے۔ علماء نے قرآن کریم کو مکی اور مدنی حصوں میں تین اعتبارات سے تقسیم کیا ہے :

1. مخاطبین کے اعتبار سے یعنی جس سورت میں خطاب اہل مکہ سے ہے وہ مکی ہے اور جس میں خطاب اہل مدینہ سے ہے وہ مدنی ہے۔

2. مکان کے اعتبار سے یعنی جو سورت مکہ میں نازل ہوئی وہ مکی ہے اور جو مدینہ میں نازل ہوئی وہ مدنی ہے

3. زمانہ کے اعتبار سے یعنی جو ہجرت سے قبل نازل ہوئی وہ مکی ہے اور جو ہجرت کے بعد نازل ہوئی وہ مدنی ہے اور یہی سب سے مشہور اور رائج تقسیم بھی ہے۔

2۔ مکی سورتوں کی معرفت کے بعض ضوابط

1. ہر وہ سورۃ جس میں لفظ (کَلَّا) ہو
2. ہر وہ سورۃ جس میں حروف مقطعات ہوں
3. ہر وہ سورۃ جس میں سجدہ تلاوت ہو
4. ہر وہ سورۃ جس میں قصص انبیاء یا سابقہ امتوں کا ذکر ہو سوائے سورۃ البقرۃ کے
5. ہر وہ سورۃ جس میں "یا ایہا الناس" کا صیغہ خطاب ہو اور صیغہ "یا ایہا الذین آمنوا" نہ ہو ماسوا سورۃ الحج کے جس کے آخر میں "یا ایہا الذین آمنوا" کا صیغہ ہے لیکن اکثر علماء کے نزدیک وہ مکی سورۃ ہے۔
6. ہر وہ سورۃ جس میں آدم و ابلیس کا قصہ ہو ماسوا سورۃ البقرۃ کے

3۔ مدنی سورتوں کی معرفت کے بعض ضوابط

1. ہر وہ سورت جس میں حدود و فرائض کا ذکر ہو
 2. ہر وہ سورت جس میں جہاد اور اس کے احکامات کا بیان ہو
 3. ہر وہ سورت جس میں منافقین کا ذکر ہو ماسوا سورۃ العنکبوت کے
 4. ہر وہ سورت جس میں اہل کتاب سے مجادلہ ہو¹
- اس فصل میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مکی اور مدنی قرآن کے حوالے سے ڈاکٹر اسرار احمد اور شیخ محمد متولی الشبراوی کا موقف و منہج کیا ہے اور دونوں منہج کا تقابل کرنے سے کیا نتائج سامنے آتے ہیں۔

(۱) دیکھیے: السیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، ص: 37/1، مناع القطان، مباحث فی علوم القرآن، ص: 49

مبحث اول

مکی ومدنی کے حوالے سے شعر اوی کا موقف

امام شعر اوی نے اپنی تفسیر میں مکی اور مدنی کے بارے میں بہت کم مقامات پر کلام کیا ہے جن میں سب سے اہم ترین مقام سورۃ البقرۃ کی تفسیر کا آغاز ہے جہاں انہوں نے مکی و مدنی کے متعلق کلام کیا ہے اور اس حوالے سے وہ اسلوب بیان کیا ہے جسے وہ تفسیر میں وہ اپنائیں گے۔

1۔ شعر اوی کے نزدیک مکی اور مدنی کا مفہوم

امام شعر اوی سورۃ البقرۃ کی تفسیر کے آغاز میں فرماتے ہیں کہ جہاں تک قرآن کریم کی ابتدا میں مکی کی بجائے مدنی سورت ہونے کا معاملہ ہے، ہم یہ کہتے ہیں: سب سے پہلے ہمیں یہ جاننا ضروری ہے کہ مکی کیا ہے اور مدنی کیا ہے؟ اس کے بعد آپ مکی اور مدنی تقسیم کا پس منظر بیان کرتے ہیں کہ مکہ اور مدینہ دو مقدس مقامات ہیں، پہلے مقام نے نبوت اور نزول قرآن کی ابتدا کا مشاہدہ کیا اور دوسرا رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کا مقام ہے۔

اس کے بعد آپ ان اہم نکات کا تذکرہ کرتے ہیں جن کا لحاظ رکھنا قرآن کریم کی مدنی اور مکی تقسیم کو سمجھنے کے لئے ناگزیر ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ جب ہم قرآن کریم میں مکی اور مدنی کی بات کرتے ہیں تو ہمیں بہت سے باتوں کا لحاظ رکھنا ہوتا ہے:

1. وہ واقعہ جس کی وجہ سے یہ آیت نازل ہوئی

2. واقعہ کا مقام

3. وہ زمانہ جس میں نزول ہوا

آپ وضاحت فرماتے ہیں کہ ہر کام کے وقوع کا ایک خاص زمانہ اور جگہ ہوتی ہے اسی طرح واقعہ کا ایک فاعل اور مفعول یعنی جس پر فعل واقع ہوتا ہے، اسی طرح واقعہ کے رونما ہونے کا کوئی خاص سبب ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ واقعہ رونما ہوتا ہے۔ قرآن کریم کی نسبت سے فاعل اللہ تعالیٰ ہے اور جس پر قرآن نازل ہوا وہ محمد رسول اللہ ﷺ ہیں اور مکان مکہ یا مدینہ ہے۔ پس قرآن کے نزول کے لئے مکان و زمان اور سبب نزول موجود ہیں۔¹

ممکن ہے کہ ان کے کلام سے یہ مراد ہو کہ انہوں نے نزول قرآن کریم کے مکان و زمان کے لحاظ سے مکی اور مدنی ہونے کے متعلق علماء کے بعض اعتبارات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس کی تفصیل انہوں نے آگے یوں بیان کی:

"تحقیق علماء کا بعض آیات کے متعلق اختلاف ہے کہ وہ مکی ہیں یا مدنی؟ پس جنہوں نے زمانے کو معیار بنایا ہے

انہوں نے کہا: ہر وہ سورت جو رسول اللہ ﷺ پر ہجرت کے بعد نازل ہوئی وہ مدنی ہے چاہے وہ مکہ ہی میں نازل

(۱) تفسیر الشعر اوی، ص: 97/1

ہوئی ہو۔ اور جنہوں نے مکان نزول کو معیار بنایا انہوں نے کہا: ہر سورت جو مکہ میں نازل ہوئی وہ مکی ہے اور جو مدینہ میں نازل ہوئی وہ مدنی ہے اس بات سے قطع نظر کہ وہ سورت ہجرت سے پہلے نازل ہوئی یا بعد میں کیونکہ رسول اللہ ﷺ پر ہجرت کے بعد بھی قرآن کا کچھ حصہ مکہ میں نازل ہوا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ علماء میں ایسا کوئی اختلاف نہیں جیسا بعض لوگوں نے ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے بلکہ ہر ایک فریق نے اس موضوع کو ایک معینہ زاویہ سے لیا ہے بعض نے مکانی زاویہ اور بعض نے زمانی زاویہ کو بنیاد بنایا ہے لیکن علماء نے قرآن کریم کی سورتوں اور آیات میں فی ذاتہ کوئی اختلاف نہیں کیا۔¹

شعراوی کے نزدیک قرآن کریم کی بعض آیات مدینہ میں، بعض مکہ میں، بعض دونوں کے درمیان اور بعض آسمان وزمین کے درمیان نازل ہوئی ہیں۔ لیکن جو آیتیں ہجرت سے قبل نازل ہوئی وہ مکی ہیں اور جو آیات ہجرت کے بعد نازل ہوئی وہ مدنی ہیں اگرچہ وہ مکہ میں ہی کیوں نہ نازل ہوئی ہوں۔²

2- شعراوی کے نزدیک مکی اور مدنی کے ضوابط

شعراوی نے مکی اور مدنی قرآن کے ضوابط کے متعلق عمومی کلام کیا ہے۔ آپ کے بقول تمام احکام قضیہ دین کی عمارت کو بناتے ہیں، الوہیت کا عقدی قضیہ، رسالت کے ذریعے پیغام الوہیت کے ابلاغ کا قضیہ، اور وہ احکامات جو معاہدوں، امانتوں، شادیوں وغیرہ کے ذریعے معاشرے کی نقل و حرکت کو منظم کرتے ہیں، یہ تمام احکامات دین کا عمومی ڈھانچہ بناتے ہیں۔ اور دین کا یہ عمومی ڈھانچہ دو مراحل سے گزر کر بنا ہے: مکی دور کا مرحلہ، جس کا ہدف عقیدہ اور اللہ کی وحدانیت پر ایمان، اللہ کی جانب سے بشارتوں اور انذار کا ابلاغ تھا۔ اور اس کے بعد، مدنی مرحلے میں، سورت النساء اور سورت المائدہ ہم سے احکام کے بارے میں بات کرنے آئیں۔³

اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے سورۃ البقرۃ کے متعلق آپ فرماتے ہیں کہ سورۃ البقرۃ مدینہ میں نازل ہونے والی ابتدائی سورتوں میں سے ہے اور اس میں کچھ رنگ مکی ہے اور کچھ مدنی، جب ترکیز کلام عقیدہ پر ہوتا ہے تب ہمیں مکی رنگ نظر آتا ہے کیونکہ مکی آیات اور سورتیں اس حال میں نازل ہوئیں کہ آپ ﷺ کا رخ خطاب بتوں کے پیجاریوں کی طرف تھا اور ان کفار کی طرف تھا جو ان اہل کتاب کے دین پر ایمان نہ لاتے تھے جن کا آسمانی تعلق بہت کمزور ہو چکا تھا کیونکہ انہوں رسولوں کی تعلیم میں تحریف کردی تھی اور رسولوں کی حقیقی تعلیم کو فراموش کر دیا تھا۔ ضروری تھا کہ قرآن ان سب سے کلام کرتا اور یہ واضح کرتا کہ وہ باطل پر ہیں اور وہ ایسے معبودوں کی پوجا کرتے ہیں جو

(¹) تفسیر الشعراوی، ص: 97/1

(²) ایضاً: ص: 3485/6

(³) ایضاً، ص: 2923/5

نہ ہی نفع دیتے ہیں نہ نقصان بلکہ وہ مصنوعی معبود ہیں جن کو زمین کی ادنیٰ جنس یعنی پتھروں سے بنایا جاتا ہے جبکہ اللہ نے انسان کو اس کائنات میں خلیفہ کی امتیازی حیثیت کے ساتھ پیدا کیا ہے۔

اسی طرح آپ کے بقول مکی دور میں یہ بھی ضروری تھا کہ قرآن لوگوں کو اس بات کی خبر دیتا کہ موت کے بعد دوبارہ اٹھایا جائے گا اور وہاں پر جنت اور آگ ہوگی اور حقیقی زندگی دنیا نہیں ہے بلکہ آخرت ہے لہذا ضروری ہے کہ انہیں اللہ کے عذاب سے ڈرایا جائے اور ایسے دن سے ڈرائے جس میں وہ اللہ سے ملنے والے ہیں اور ان میں سے کوئی بھی اس عظیم دن سے فرار نہ ہو سکے گا، اور یہ بھی ضروری تھا کہ ان کی نظر کائنات میں موجود اللہ تعالیٰ کی ان آیات کی طرف کرایا جائے جو اس کائنات کے خالق و موجد کے ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔

اسی طرح مکی دور کا ایک اور تقاضا یہ تھا کہ ان سوالات کا جواب دیا جائے جو احبار یہود ظاہری طور پر تو استفہام کی غرض سے اور حقیقتاً اسلام میں طعن کی غرض سے پوچھتے تھے اور یہ گمان کرتے تھے کہ شاید محمد ﷺ اپنے پاس سے کوئی چیز لائیں گے اور اس میں خطا کر جائیں گے، پس قرآن تمام انسانوں میں مساوات کا تصور لے کر آیا جس کے مطابق اخروی اجر کے اعتبار سے کسی غنی کے مال یا کسی فقیر کی قلت کی کوئی فضیلت نہیں بلکہ اللہ کے سامنے تمام انسان برابر ہیں جیسے کنگھی کے دندانے۔

مکی دور میں دعوت کی اساس مذکورہ مضامین پر قائم تھی، یعنی اس چیز کا ایمان کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اور مکی دور میں مومنین کے قدم جمائے گئے یعنی ایسا دور جس میں وہ قلیل اور کمزور تھے اور یہ قدم اسی بات سے جمائے جاسکتے تھے کہ انہیں بتایا جائے کہ اللہ تمہارے ساتھ ہے اور اگر وہ شہید کی حیثیت سے فوت ہو گئے تو بغیر حساب کے جنت میں داخل ہو گئے اور جو کوئی بھی ان میں سے کفر پر ڈٹا رہے گا وہ آگ میں عذاب دیا جائے گا، اور اللہ کی راہ میں آنے والی ہر ایک مشکل پر آخرت میں اجر ملے گا جب تک وہ مشقت اور ایذا کو صبر کے ساتھ برداشت کرتے رہیں گے۔

اس کے بعد شعر اوی مدینہ کے معاشرے کی طرف رخ پھیرتے ہیں کہ وہاں ایک اور ہی صورت نظر آتی ہے، وہاں اسلام کا مقابلہ کفار، بتوں کے پجاریوں، تورات کا بوجھ اٹھانے والے یہود اور ایک نئے دشمن، منافقین کے ساتھ ہے۔ مکہ میں تو عداوت جاہلیت کا سامنا تھا لیکن مدینہ میں اسلام کو ایک عالمی عداوت کا سامنا تھا اور وہ منافقین کی عداوت تھی۔ مکہ میں نفاق کا مسئلہ نہ تھا کیونکہ کمزور و مظلوم بھی منافقت نہ کرتے تھے، کون ہو جو کافر ہونے کے باوجود مکہ میں یہ دعویٰ کرے کہ وہ مومن ہے کہ اسے اس بات پر عذاب اور ظلم کا سامنا کرنا پڑے۔ لیکن مدینہ میں جب اسلام قوی ہو گیا اور اسے ایک شان و شوکت مل گئی تو اب نفاق معاشرے میں نفاق کا ظہور ہوا، اس بات کی دلیل میں آپ حق سبحانہ و تعالیٰ کے اس قول کو پیش کرتے ہیں:

﴿وَمَنْ حَوْلَكُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُّوا عَلَى النَّفَاقِ...﴾¹

(ترجمہ: اور تمہارے ارد گرد بسنے والے دیہاتیوں میں کچھ منافق موجود ہیں اور کچھ خود مدینہ میں

بھی موجود ہیں جو اپنے نفاق پر اڑے ہوئے ہیں...)

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں ایک نئے رنگ کی نئی عداوت کا سامنا کیا تاکہ وہ یہود اور منافقین کے خلاف جہاد کریں۔ یہود اور منافقین کے علاوہ مدینہ میں خطاب مسلم معاشرے کے ساتھ تھا جس کی تربیت کا چیلنج درپیش تھا اور ایک ریاست وجود میں آچکی تھی، اور وہاں غزوات تھیں، اور وہاں احکامات تھے کہ یہ کرو اور یہ نہ کرو۔² شعر اوی کے کلام سے یہ سمجھ آتا ہے کہ خطاب واسلوب میں مکی قرآن کا ایک خاص رنگ ہے جیسا کہ مدنی قرآن اپنے اسلوب میں ایک امتیازی رنگ رکھتا ہے۔ ایک اور مقام پر یعنی سورۃ المائدہ کے اختتام پر آپ فرماتے ہیں:

"وبهذه الآية ختمت سورة المائدة. وهي سورة مدنية، وهي من آخر ما نزل من القرآن الكريم، وفيها التشريع. وفيها التكليف. وفيها الأحكام. وفيها ما يتعلق بكل السور المدنية من بيان اعوجاج أهل الكتاب. ومن بعد ذلك جاءت سورة الأنعام، وهي مكية."³

(ترجمہ: اس آیت کے ساتھ اس سورت کا اختتام ہوا اور یہ سورت مدنی ہے اور یہ قرآن کے اس حصے سے ہے

جس کا نزول آخر میں ہوا اور اس میں تشریع وتکلیف ہے اور احکامات ہیں۔ اس میں اہل کتاب کی خرابیوں کا ذکر

ہے، اور اس کے بعد سورۃ الانعام آتی ہے جو کہ مکی سورت ہے۔)

3- مکی اور مدنی کے بیان میں شعر اوی کا منہج

گزشتہ کلام سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ شعر اوی کا مکی اور مدنی قرآن کا تصور بہت واضح تھا۔ اسی طرح دیگر مقامات پر بھی شعر اوی نے قرآن کریم کی ترتیب مصحفی اور ترتیب نزولی کے مختلف ہونے کے حوالے سے کلام کیا ہے اور اس بات پر زور دیا ہے کہ قاری یہ ذہن میں رکھے کہ نزولی ترتیب کے اعتبار سے قرآن کا وہ حصہ جو مکہ میں پہلے نازل ہوا وہ مصحفی ترتیب میں آخر میں درج ہے اور یہ ترتیب اللہ تعالیٰ کی منشا و مرضی کے مطابق ہے۔ اور دونوں ترتیبوں کا مختلف ہونا قرآن کا اعجاز ثابت کرنے کے لئے ہے⁴۔ البتہ جب آپ کی تفسیر کا مطالعہ کیا جائے تو ہم دیکھتے ہیں کہ آپ نے سورتوں اور آیات کے مکی یا مدنی ہونے کے حوالے سے کچھ بھی کلام نہیں کیا ہے۔ یہاں تک کہ کسی سورت کے آغاز میں بھی آپ یہ بیان نہیں کرتے کہ یہ سورت مکی ہے یا مدنی اور اس کا زمانہ نزول کیا ہے؟ اسی سبب ڈاکٹر احمد عمر ہاشم نے حواشی میں سورہ یونس سے سورۃ الجمعہ تک کی سورتوں کے مکی یا مدنی ہونے کے متعلق کلام کیا ہے۔

(1) التوبة: 101

(2) تفسیر الشعر اوی، ص: 99/1

(3) ایضاً، ص: 3484/6

(4) تفسیر الشعر اوی، ص: 3485/6، 3487/6، 2883/5

مبحث دوم

مکی ومدنی کے حوالے سے ڈاکٹر اسرار احمد کا منہج

ڈاکٹر اسرار احمد نے مکی ومدنی قرآن کے حوالے سے اپنی تفسیر میں تفصیلی کلام کیا ہے۔ آپ کے نزدیک مکی اور مدنی تقسیم قرآن فہمی کی اساسی ضروریات میں سے ہے اور آپ نے اپنی تفسیر میں اس سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔ ذیل میں ہم اس حوالے سے آپ کے منہج کو نکات کی صورت میں بیان کرنے کی کوشش کریں گے۔

الف۔ قرآن کریم کا زمانہ نزول اور ارض نزول

ڈاکٹر صاحب قرآن کریم کے زمانہ نزول کے متعلق فرماتے ہیں کہ سن عیسوی کے اعتبار سے قرآن حکیم کا زمانہ نزول 610ء سے 632ء تک 22 برس اور قمری حساب سے یہ 23 برس پر مشتمل ہے۔ یعنی اگر ہم 40 عام الفیل سے شروع کریں تو 12 سال قبل ہجرت اور 11 ہجری سال مل کر 23 سال قمری بنیں گے، جن کے دوران یہ قرآن آہستہ آہستہ تنجیم کی صورت میں نازل ہوا۔

اس کے بعد قرآن کریم کی ارض نزول کے متعلق آپ کا موقف یہ ہے کہ تقریباً پورے کا پورا قرآن "حجاز" میں نازل ہوا۔ اس لیے کہ وحی کے آغاز سے قبل آپ ﷺ نے بشمول شام اور یمن متعدد سفر کیے ہیں۔ لیکن وحی کے آغاز کے بعد حضور اکرم ﷺ کا کوئی سفر حجاز سے باہر ثابت نہیں ہے۔ حضور ﷺ کا آغاز وحی کے بعد دس سال تک تو مکہ مکرمہ میں رہے، اس کے بعد طائف کا سفر کیا ہے۔ پھر آس پاس "عکاظ" کا میلہ لگتا تھا اور منڈیاں لگتی تھیں، ان میں آپ نے سفر کیے ہیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی ہے۔ اس کے بعد سب جنگیں حجاز کے علاقے ہی میں ہوئیں، سوائے غزوہ تبوک کے۔ لیکن تبوک بھی اصل میں حجاز ہی کا شمالی سرا ہے۔ اس اعتبار سے حجاز ہی کا علاقہ ہے جس میں قرآن کریم نازل ہوا تھا۔

آپ کے بقول دو آیتیں اس اعتبار سے مستثنیٰ قرار دی جاسکتی ہیں کہ وہ زمین پر نہیں بلکہ آسمان پر نازل ہوئیں۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے صحیح مسلم میں روایت موجود ہے کہ شب معراج میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو جو تین تحفے عطا کیے، ان میں نماز کی فرضیت اور دو آیات قرآنی شامل ہیں۔ یہ سورۃ البقرہ کی آخری دو آیات ہیں جو عرش کے دو خزانے ہیں جو محمد رسول اللہ ﷺ کو شب معراج میں عطا ہوئے¹۔ یہ زمین پر نازل نہیں ہوئیں بلکہ آپ ﷺ کو دی گئیں جب خود آپ ﷺ ساتویں آسمان پر تھے، جبکہ باقی پورا قرآن آسمان سے زمین پر نازل ہوا ہے۔ جغرافیائی اعتبار سے حجاز کا علاقہ ہی وحی کا مضبوط ہے۔²

(1) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب فی ذکر سدرۃ المنتہی، حدیث #279

(2) بیان القرآن، ص: 24/1

ب۔ مکی اور مدنی جنت

ڈاکٹر صاحب نے مکی اور مدنی قرآن کو دو مختلف جنتوں کے نام سے موسوم کر رکھا تھا۔ آپ فرماتے ہیں کہ حجم کے اعتبار سے قرآن مجید کا دو تہائی حصہ مکی ہے، جبکہ لگ بھگ ایک تہائی حصہ مدنی سورتوں پر مشتمل ہے۔ یہ مکی اور مدنی سورتیں اپنے ماحول اور پس منظر کے اعتبار سے مضامین و موضوعات کے دو مختلف گلدستے پیش کرتی ہیں۔ قرآن مجید کی ایک مکی جنت ہے اور دوسری مدنی جنت۔ سورۃ البقرۃ سے سورۃ المائدہ (چار مدنی سورتوں کے بعد) سورۃ الانعام پڑھتے ہوئے آپ بالکل ایک نیا ماحول محسوس کریں گے۔

اس فرق کی مزید وضاحت کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں کہ مکی اور مدنی سورتوں کے مضامین میں بنیادی فرق یہ ہے کہ مکی سورتوں میں خطاب اور دعوت کا رخ زیادہ تر مشرکین عرب کی طرف ہے، لہذا ان سورتوں کا اصل مضمون توحید ہے، یعنی اثبات توحید، نفی شرک اور ایمانیات کا تذکرہ ہے۔ ان سورتوں میں اہل ایمان سے براہ راست خطاب نہ ہونے کے برابر ہے۔ اسی طرح مکی دور میں نفاق کا مرض موجود نہ ہونے کے سبب ان سورتوں میں نفاق کا ذکر شاید ہی کہیں ملے۔ اس کے علاوہ مکی سورتوں میں انسانی اخلاقیات پر بڑا زور دیا گیا ہے، مثلاً سچ بولنے کی تاکید، جھوٹ کی حوصلہ شکنی، بخل کی مذمت، سخاوت کی تعریف، مساکین کو کھانا کھلانے پر زور اور ان لوگوں پر تنقید جو دولت مند ہونے کے باوجود کھٹور دل ہیں۔ مکی سورتوں کا ایک خاص اور اہم مضمون سابقہ قوموں اور رسولوں کے حالات و واقعات پر مشتمل ہے۔ جس کا مقصد یہ بیان کرنا ہوتا ہے کہ رسول کا انکار کرنے والی قوم کو ہمیشہ عذاب استیصال سے دوچار ہونا پڑتا رہا ہے۔

آپ مدنی سورتوں کے متعلق فرماتے ہیں کہ ان میں زیادہ تر خطاب یا تو مسلمانوں سے بحیثیت امت مسلمہ ہے یا پھر اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) سے بحیثیت سابقہ امت مسلمہ، دعوت کے انداز میں بھی اور ملامت کے طور پر بھی، ترغیب سے بھی اور ترہیب سے بھی۔ ان سورتوں میں نفاق اور منافقین کا ذکر کثرت سے ہے۔ جیسا کہ حالات کے سبب مدینہ میں منافقین کا باقاعدہ ایک گروہ پیدا ہو گیا تھا۔ یہاں تک کہ منافقین اور منافقت کا ذکر مدنی سورتوں میں ایک مستقل مضمون کے طور پر آیا ہے۔ دوسری جانب مدنی سورتوں کا اہم ترین مضمون احکام شریعت یعنی جائز و ناجائز، فرائض، واجبات، اوامر و نواہی وغیرہ کی تفصیل پر مبنی ہے۔¹

ت۔ ابتدائی دور کی سورتوں کا اسلوب اور اواخر سورتوں کا اسلوب

ڈاکٹر صاحب کے بقول مکی اور مدنی سورتوں کے مضامین کے علاوہ ان کے اسلوب میں بھی فرق ہے یہاں تک کہ مکی دور کی ابتدائی سورتوں اور آخری سورتوں میں بھی اسلوب کا فرق نمایاں ہے۔ سورۃ الحجر کے آغاز میں آپ

(۱) ایضاً، ص: 7/3

فرماتے ہیں کہ سورتوں کے اسلوب کے بارے میں ایک بنیادی نکتہ بہت اہم ہے کہ بالکل ابتدائی دور میں نازل ہونے والی سورتوں کی آیات چھوٹی اور ردھم بہت تیز ہے۔ ان میں صوتی آہنگ اور غنائیت بھی بہت واضح ہے۔ جبکہ بعد میں نازل ہونے والی سورتوں کے مزاج اور اسلوب میں اس لحاظ سے ہمیں بتدریج تبدیلی نظر آتی ہے اور یہ تبدیلی مدنی دور میں جا کر اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہے جہاں آیات نسبتاً طویل ہیں اور ردھم بہت دھیمہ۔ چنانچہ مدنی دور میں آیت دین، آیت الکرسی جیسی غیر معمولی طوالت کی حامل آیات بھی ہیں جو ابتدائی دور کی بعض سورتوں سے بھی زیادہ طویل ہیں۔

آپ اس فرق کو ایک خوبصورت مثال سے سمجھاتے ہیں کہ اس اسلوب کی مثال ایک ایسے دریا کی سی ہے جو پہاڑوں سے نکلتا ہے اور بتدریج سفر کرتے ہوئے میدانی علاقے میں پہنچتا ہے۔ پہاڑی علاقے میں اس کا بہاؤ بہت تیز اور پاٹ مختصر ہوتا ہے، لیکن میدانی علاقے میں آکر اس کے بہاؤ میں ٹھہراؤ اور پاٹ میں وسعت آ جاتی ہے۔ جیسے دریائے سندھ، جو پہاڑی علاقوں سے گزرتے ہوئے ایک ندی کا منظر پیش کرتا ہے، میدانی علاقوں میں دریا خان وغیرہ کے قریب اس کا پانی میلوں میں پھیلا نظر آتا ہے۔ اس مثال کے مطابق ابتدائی دور کی سورتوں کا ردھم تیز اور آیات محکم ہیں، ان کے مضامین میں جامعیت اور گہرائی زیادہ ہے، جبکہ بعد میں نازل ہونے والی سورتوں میں یہ مضامین بتدریج پھیلتے گئے ہیں اور پھر اس نسبت سے عبارت کا ردھم بھی مدہم ہوتا گیا ہے۔ اس تدریجی تبدیلی کے حوالے سے دیکھیں تو کئی دور کی آخری سورتوں میں بھی ہمیں وہ ردھم نمایاں محسوس نہیں ہوتا جو ابتدائی زمانے کی سورتوں، مثلاً سورۃ ق، سورۃ النجم، سورۃ الرحمن، سورۃ الواقعة اور سورۃ الملک میں نظر آتا ہے۔¹

ث۔ مکی و مدنی سورتوں کے گروپس

ڈاکٹر اسرار احمد کے نزدیک تلاوت کے لئے سات منزلوں کے علاوہ قرآن حکیم میں مکی اور مدنی سورتوں کی معنوی گروپنگ کے اعتبار سے بھی سورتوں کے سات گروپس ہیں۔ ہر گروپ میں ایک یا ایک سے زیادہ مکی سورتیں اور اس کے بعد ایک یا ایک سے زیادہ مدنی سورتیں ہیں۔ اسی طرح ہر گروپ کا مرکزی مضمون اور عمود ہے۔ جس کا ایک رخ مکی سورتوں میں اور دوسرا رخ مدنی سورتوں میں آ جاتا ہے۔²

ج۔ مکی دور کی تقسیم

مکی اور مدنی سورتوں کی مذکورہ بالا تقسیم کے تحت ڈاکٹر صاحب کے مطابق رسول اللہ ﷺ کے قیام مکہ کے بارہ سال کے عرصے کو اگر چار چار سال کے تین حصوں میں تقسیم کیا جائے تو پہلے چار سال میں یعنی سورہ ق سے لے کر سورۃ الناس تک جو سورتیں نازل ہوئیں وہ قرآن مجید کے آخری دو گروپوں میں شامل ہیں۔ درمیانی چار سال کے دوران

(1) بیان القرآن، ص: 197/4

(2) ایضاً، ص: 44/1، ص: 102/1، ص: 7/4 وغیرہ (اس کی تفصیل اسی باب کی علم مناسبات سے متعلقہ فصل میں موجود ہے)

نازل ہونے والی سورتیں درمیانی گروپوں میں شامل ہیں اور آخری چار سال میں جو سورتیں نازل ہوئی ہیں وہ شروع کے دو گروپوں میں شامل ہیں۔¹ (اس کی تفصیل بھی علم مناسبات کی فصل میں آئے گی)

د۔ ترتیب نزولی اور ترتیب مصحفی کا فرق

ڈاکٹر صاحب کے بقول قرآن مجید پر غور کرنے والے ہر طالب علم کو ترتیب نزولی سے دلچسپی ہوتی ہے۔ کیونکہ ترتیب نزولی کے حوالے سے قرآن حکیم کے معانی اور مفہیم کا ایک نیا پہلو سامنے آتا ہے۔ سورتیں ایک خاص پس منظر کے ساتھ سورتیں جڑتی چلی جاتی ہیں۔ ابتدا میں کیا حالات تھے جن میں یہ سورتیں نازل ہوئیں، پھر حالات نے کیا پلٹا کھایا تو اگلی سورتیں نازل ہوئیں۔ چنانچہ ترتیب نزولی کے حوالے سے قرآن حکیم کو مرتب کیا جائے تو ایک اعتبار سے وہ سیرت النبی ﷺ کی کتاب بن جائے گی۔ اس لیے کہ آغاز وحی کے بعد سے لے کر آپ ﷺ کے وصال تک وہ زمانہ ہے جس میں قرآن نازل ہوا۔ دوسرے یہ کہ اس پورے زمانے کے ساتھ قرآن مجید کی آیات اور سورتوں کا جو مجموعی ربط ہے ترتیب نزولی کی مدد سے اسے سمجھنے اور غور و فکر کرنے میں مدد ملتی ہے۔

آپ نے اس طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ علمی اور تحقیقی اعتبار سے قرآن حکیم پر غور و فکر کرنے کے لیے قرآن مجید کے بعض انگریزی تراجم میں بھی ترتیب نزولی کے اعتبار سے سورتوں کو مرتب کر کے ترجمہ کیا گیا ہے۔ اسی طرح آپ نے محمد عزت دروزہ² کی تفسیر "التفسیر الحديث"³ کی جانب توجہ دلائی ہے جس میں سورتوں کو نزولی اعتبار سے ترتیب دیا گیا ہے۔ آپ کے بقول علمی اعتبار سے اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن اصل حجیت ترتیب مصحف کی ہے جو کہ توقیفی ترتیب ہے اور محمد رسول اللہ ﷺ کی دی ہوئی ترتیب ہے اور یہی ترتیب لوح محفوظ میں ہے۔ اصل قرآن تو وہی ہے۔ اور اگر تمام انسان اور جن مل کر کوشش کر لیں تب بھی ترتیب نزولی پر قرآن کو مرتب نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے کہ اس کے بارے میں ہمارے پاس مکمل معلومات نہیں ہیں۔⁴

ذ۔ مکی اور مدنی کے بیان میں بیان القرآن کا منہج

ذیل میں ہم چند نکات کی صورت میں مکی اور مدنی قرآن کے بیان میں ڈاکٹر صاحب کا منہج بیان کیا جا رہا ہے۔

(¹) بیان القرآن، ص: 57/4، 60/6، 244/5

(²) محمد عزت بن عبد الحمادی دَرُوزَة (1887ء-1984ء) ایک عرب مفکر، مصنف، اور قوم پرست جنگجو، مورخ، صحافی، مترجم اور قرآن کے مفسر تھے، نابلس میں پیدا ہوئے اور دمشق میں فوت ہوئے۔ ان کا تعارف ان کی مذکورہ کتاب "التفسیر الحديث" میں بھی موجود ہے۔ اور ملاحظہ ہو

(https://en.wikipedia.org/wiki/Izzat_Darwaza)

(³) دس جلدوں پر مشتمل یہ کتاب دار احیاء الکتب العربیہ، القاہرہ نے 1383 ہجری میں شائع کی ہے۔

(⁴) بیان القرآن، ص: 42/1

- (1) بیان القرآن میں قرآن کریم کی مکی اور مدنی تقسیم کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ جیسا کہ گزشتہ کلام سے ثابت ہوتا ہے، ڈاکٹر صاحب کے نزدیک قرآن کریم کی مکی اور مدنی تقسیم فہم قرآن میں بہت معاونت کرتی ہے۔ اسی طرح قرآن کریم کی ترتیب نزولی اور ترتیب مصحفی کا فرق بھی مدبر قرآن کے پیش نظر رہنا چاہئے۔ اسی سبب آپ نے اپنی تفسیر میں جابجا سورتوں اور آیات کے مکی یا مدنی ہونے کے متعلق کلام کیا ہے۔
- (2) آپ نے اپنی تفسیر کے دوران مکی اور مدنی مضامین اور موضوعات کی خصوصی رعایت کی ہے۔
- (3) آپ عام طور پر ہر سورت کے آغاز میں اس کا ایک تعارف پیش کرتے ہیں۔ اس دوران آپ ضرور یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ سورت مکی ہے یا مدنی۔ کبھی آپ صراحت سے یہ بیان فرماتے ہیں جیسے سورۃ الانفال کے متعلق آپ فرماتے ہیں:

"سورۃ الانفال مدنی سورت ہے اور اس کا سورۃ التوبہ (مدنی) کے ساتھ جوڑے کا تعلق ہے۔"¹

اور کبھی غیر صریح انداز میں آپ بیان فرماتے ہیں کہ یہ سورت مکی ہے یا مدنی۔ مثال کے طور پر سورۃ الفاتحہ کے آغاز میں آپ رقم طراز ہیں:

"یہ سورہ مبارکہ پہلی مکمل سورت ہے جو رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی ہے۔ اس سے پہلے متفرق آیات نازل ہوئیں۔ سب سے پہلے سورۃ العلق کی پانچ آیتیں، پھر سورہ ن یا سورۃ القلم کی سات آیتیں، پھر سورۃ المزمل کی نو آیتیں، پھر سورۃ المدثر کی سات آیتیں اور پھر سورۃ الفاتحہ کی سات آیتیں نازل ہوئیں۔² لیکن یہ پہلی مکمل سورت ہے جو نازل ہوئی ہے رسول اللہ ﷺ پر"³

- (4) متعدد سورتوں کے متعلق آپ نے یہ بھی کلام کیا ہے کہ وہ مکی یا مدنی دور کے کون سے حصے میں نازل ہوئی ہیں۔ مثال کے طور پر آپ کے مطابق سورہ مریم ہجرت حبشہ سے قبل نازل ہوئی۔ کیونکہ اس کے دوسرے رکوع میں حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کا تعارف بیان فرمایا گیا ہے۔ لہذا یہ آیات مسلمان مہاجرین کو سفر حبشہ کے زادراہ کے طور پر عطا ہوئی تھیں۔ عنقریب انہیں شاہ حبشہ (نجاشی) کے دربار میں پیش آنے والی مشکل صورت حال میں ان آیات کی مدد درکار تھی۔⁴

(1) بیان القرآن، ص: 207/3

(2) اس حوالے سے علماء کا اختلاف موجود ہے ملاحظہ ہو: السیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، ص: 94/1 اور الزرکشی، البرہان فی علوم القرآن، ص: 206/1

(3) بیان القرآن، ص: 101/1

(4) ایضاً، ص: 7/5

(5) مکمل سورت کے مکی اور مدنی دور کے تعین کے ساتھ ساتھ آپ نے سورتوں کے مختلف حصوں کے زمانہ نزول کے متعلق بھی کلام کیا ہے۔ اور سورتوں کے علاوہ آیات کی تفسیر کرتے ہوئے بھی آپ نے مکی اور مدنی ادوار کو پیش نظر رکھا ہے۔ مثال کے طور پر سورہ آل عمران کے ابتدائی حصے کے متعلق آپ فرماتے ہیں:

"اس سورہ مبارکہ کا اکثر و بیشتر حصہ 3 ہجری میں غزوہ احد کے بعد نازل ہوا ہے، لیکن 31 آیات پر مشتمل یہ (ابتدائی) حصہ 9 ہجری میں وفد نجران کی آمد کے موقع پر نازل ہوا"¹

(6) سورتوں کی عمومی مدنی اور مکی تقسیم کے علاوہ آپ کے نزدیک قرآن کریم کی سورتیں مکی اور مدنی ہونے کے اعتبار سے سات گروپس میں تقسیم ہوتی ہیں۔ اس حوالے سے بھی آپ نے اپنی تفسیر میں متعدد مقامات پر بہت تفصیل سے کلام کیا ہے۔ اس کی تفصیل ہم علم مناسبات کی فصل میں ذکر کریں گے۔

(7) ڈاکٹر صاحب نے اپنی تفسیر کے دوران بعض مقامات پر کسی خاص دور اور حالات میں نازل ہونے والی سورتوں کا خصوصی حوالہ مستقبل میں ملتے جلتے دور و حالات کے متعلق بھی دیا ہے۔ مثال کے طور پر آپ کے نزدیک سورۃ الحدید سے لے کر سورۃ التحریم تک کی دس مدنی سورتیں عصر حاضر میں مسلمانوں کے لئے بہت اہمیت رکھتی ہیں۔ آپ پہلے ان سورتوں کے زمانہ نزول اور حالات کا حوالہ دیتے ہیں اور اس کا تعلق موجودہ مسلمانوں سے جوڑتے ہیں۔ آپ کے نزدیک کیونکہ آج ہماری غالب اکثریت بلاشبہ "کمزور مسلمانوں" پر مشتمل ہے، اس لیے آج ہماری ہدایت کے لیے قرآن کا یہ حصہ بہت اہم ہے۔

آپ کا دعویٰ ہے کہ آج کا مسلمان اگر ان دس سورتوں کو سمجھ لے تو اس کا یہ عمل ایسے ہوگا جیسے اس نے پورے قرآن کو سمجھ لیا۔ کیونکہ ان دس سورتوں میں پورے قرآن حکیم کا خلاصہ آگیا ہے۔ مثلاً منافقت اور منافقین کا تذکرہ بشمول خصوصاً سورۃ النساء، سورۃ التوبہ اور سورہ محمد اور قرآن حکیم کے متعدد مقامات پر آیا ہے۔ لیکن اس مجموعے میں شامل گیارہ آیات پر مشتمل ایک مختصر سی سورت یعنی سورۃ المنافقون میں اس پورے مضمون کا خلاصہ بیان کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح ایمانی مباحث سے پورا قرآن بھر اڑا ہے۔ اس قدر وسیع اور مفصل مضمون کو اس مجموعے کی سورۃ التغابن کی ۱۸ آیات میں سمودیا گیا ہے۔ آپ کے مطابق ان دس سورتوں میں پورے قرآن کے مضامین کا عطر کشید کر کے رکھ دیا گیا ہے۔²

(۱) بیان القرآن، ص: 8/3

(۲) ایضاً، ص: 118

مکی و مدنی کے حوالے سے دونوں مفسرین کے منہج کا تقابلی جائزہ

گزشتہ دونوں مباحث کی روشنی میں جب ہم مکی اور مدنی کے بیان کے حوالے سے دونوں مفسرین کے منہج کا تقابل کرتے ہیں تو درج ذیل نکات ہمارے سامنے آتے ہیں:

(1) مکی اور مدنی کے قواعد و ضوابط کے متعلق شعر اوی نے تفصیلی کلام کیا ہے۔ اس حوالے سے آپ نے علماء کے اختلاف، سبب اختلاف اور رائج موقف کا تعین بھی کیا ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر صاحب نے صریحاً تو کچھ نہیں کہا البتہ آپ کے دیگر اقوال سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آپ کے نزدیک بھی وہ سورتیں جو ہجرت سے قبل نازل ہوئی وہ مکی ہیں اور جو ہجرت کے بعد نازل ہوئی وہ مدنی ہیں۔¹

(2) دونوں مفسرین نے مکی اور مدنی سورتوں کے خصوصی مضامین کے حوالے سے تفصیلی کلام کیا ہے۔ دونوں کے نزدیک مخاطبین کی مناسبت سے مکی سورتیں عقائد و ایمانیات وغیرہ کی مباحث پر مشتمل ہیں اور مدنی سورتوں میں دیگر مباحث کے ساتھ اہل کتاب، منافقین اور احکام شریعت کا خصوصی تذکرہ موجود ہے۔

(3) قرآن کریم کی مکی اور مدنی تقسیم سے استفادہ اٹھانے کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب نے شعر اوی صاحب پر سبقت حاصل کی ہے اور اس حوالے سے تفصیلی کلام کیا ہے۔

(4) شعر اوی کا زیادہ تر رجحان ترتیب مصحفی پر ہی رہا جب کہ ڈاکٹر صاحب نے ترتیب نزولی کو بھی خصوصی اہمیت دی ہے۔ آپ کے بقول قرآن کریم کو اگر ترتیب نزولی کے مطابق سمجھنے کی کوشش کی جائے تو یہ سیرت کی کتاب بن جاتی ہے۔

(5) مکی اور مدنی کے بیان کے حوالے سے شعر اوی نے صرف نظر کیا ہے یہاں تک کہ آپ عام طور پر سورتوں کے متعلق یہ ذکر نہیں کرتے کہ وہ مکی ہیں یا مدنی۔ جب کہ ڈاکٹر صاحب نہ صرف سورتوں کے مکی یا مدنی ہونی کا تذکرہ کرتے ہیں بلکہ آپ یہ بھی وضاحت کرتے ہیں کہ وہ مکمل سورت یا سورت کا کوئی خاص حصہ مکی یا مدنی دور کے فلاں حصے میں نازل ہوا ہے۔

(6) ڈاکٹر صاحب نے قرآن کریم کی عمومی مکی اور مدنی تقسیم کے علاوہ ترتیب مصحفی میں بھی مکی اور مدنی سورتوں کے سات گروپس بنائے ہیں جو بلاشبہ فہم قرآن کے ساتھ ساتھ معرفت مکی اور مدنی میں بھی بہت معاونت کرتے ہیں اور یہ یاد کرنا آسان ہو جاتا ہے کہ کون سی سورتیں مکی ہیں اور کون سی مدنی ہیں۔

(¹) اسرار احمد، منتخب نصاب، ص: 75/2

فصل سوم

اسباب نزول کے حوالے سے دونوں مفسرین کا منہج اور اس کا تقابلی جائزہ

مقدمہ فصل: اسباب نزول کا تعارف

مبحث اول: اسباب نزول کے بیان میں امام شعر اوی کا منہج

مبحث دوم: اسباب نزول و سبب نزول کے بیان میں ڈاکٹر اسرار احمد کا منہج

مبحث سوم: اسباب نزول کے بیان میں دونوں مفسرین کے منہج کا تقابلی جائزہ

مقدمہ فصل:

اسباب نزول کا تعارف

بلاشبہ قرآن پاک حوائج کے مطابق تدریجاً نازل ہوا ہے۔ قرآن کا اکثر حصہ تو وہ ہے جو بغرض موعظت و عبرت یا اصول دین اور احکام تشریع کے بیان میں نازل ہوا ہے لیکن قرآن کا کچھ حصہ وہ بھی ہے جو کسی حادثہ یا سوال کے جواب میں اتر ہے۔ علماء نے ان حوادث / سوالات کو اسباب سے تعبیر کیا ہے۔ اسباب نزول کے علم سے چونکہ آیت کا پس منظر سمجھ آتا ہے اور آیت کے سبب سے جہالت بسا اوقات حیرت کا موجب بنتی ہے، اس لئے اسباب نزول کی معرفت کو علم تفسیر میں خاص اہمیت حاصل رہی ہے اور علماء نے علوم قرآن پر جو کتابیں لکھی ہیں ان میں اسباب نزول کے عنوان کو مستقل طور پر ذکر کیا ہے بلکہ خالصاً اسباب نزول پر بھی کتابیں مرتب کی ہیں۔

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"معرفة سبب النزول تعین علی فهم الآية فإن العلم بالسبب یورث العلم بالمسبب¹."

(ترجمہ: سبب نزول کی معرفت آیت کے سمجھنے میں معاون ہے کیونکہ سبب کی معرفت کے ذریعے مسبب تک رسائی ہو جاتی ہے)

(¹) السیوطی، الاقنآن فی علوم القرآن، ص: 108/1

مبحث اول

اسباب نزول کے بیان میں امام شعر اوی کا منہج

اس بحث میں اسباب نزول کے حوالے سے آپ کے منہج کو چند مثالوں کی روشنی میں بیان کیا جائے گا:

1۔ مسئلہ عموم لفظ اور خصوص سبب

اس مسئلہ کے حوالے سے شعر اوی نے جمہور اہل علم کی رائے کی تائید کی ہے ¹ کہ اعتبار لفظ کے عموم کا ہو گا نہ کہ سبب کے خصوص کا کیونکہ جب حق سبحانہ و تعالیٰ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں کفار کے ساتھ پیش آنے والے معاملے کو بیان کرتے ہیں تو صرف اس مسئلہ کا وقتی علاج نہیں کرتے بلکہ قیامت تک پیش آنے والے قضیہ عامہ کو نمٹا دیتے ہیں اور اس پیش آنے والے واقعہ کو محض سبب بنا دیتے ہیں کہ اس کی وجہ سے ہر زمانے اور ہر مکان کے لئے ایک عمومی حکم دیا جاسکے ورنہ معاملہ صرف ان لوگوں تک ہی محدود رہتا جو اللہ کے رسول ﷺ کے ہم عصر تھے۔ قرآن حکیم تمام لوگوں کی جانب آیا ہے، اور یہ ہر زمانے کے لئے ہے، لہذا کسی آیت کے سبب نزول میں پیش آنے والا معاملہ ضرور ہونا چاہئے یعنی کوئی بھی مسئلہ جو رسول خدا ﷺ کے سامنے، آپ کے ہم عصر لوگوں میں پیش آیا ہو، اس کی ایک خاص وجہ ہو سکتی ہے، لیکن اعتبار اس معاملے کی عمومی نوعیت کا ہوتا ہے نہ کہ سبب کے خصوص کا۔ ²

شعر اوی ایک اور مقام پر فرماتے ہیں قرآن کے ہر حکم کی ایک خاص وجہ ہوتی ہے جس کی وجہ سے اس حکم کو ظاہر کیا گیا تھا لیکن ہمارا یہ کہنا درست نہیں ہے کہ یہ حکم کسی خاص مسئلے پر صادر ہو گا اور دوسرے میں منتقل نہیں ہو گا۔ اگر یہ وجوہات اور حالات میں دوسرے مسئلے کے ساتھ شریک ہوتا ہے تو یہ دوسروں کے لئے بھی متعدی ہوتا ہے۔ کیونکہ اعتبار لفظ کے عموم کا ہو گا نہ کہ سبب کے خصوص کا۔ ³

شعر اوی نے اس مسئلے میں اصولی رائے اختیار کر کے ایسے لوگوں کا راستہ روکا ہے جو احکامات تکلفی سے جان چھڑانے کے لئے سبب نزول کا استعمال کرتے ہیں اور ہر حکم کو کسی شخص، قوم یا زمانے کے ساتھ مخصوص کر دیتے ہیں۔

2۔ اسباب نزول کا مختصر بیان

شعر اوی نے اپنی تفسیر میں جہاں اسباب نزول بیان کیے ہیں وہاں آپ پر اختصار کا غلبہ رہا ہے اور عام طور پر آپ صرف سبب نزول کی جانب اشارہ کر دیتے ہیں اور مکمل روایت بیان کرنے سے اجتناب کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر قول باری تعالیٰ:

(¹) ملاحظہ ہو: مناع القطان، مباحث فی علوم القرآن، ص: 83، السیوطی، الاقان فی علوم القرآن، ص: 110/1

(²) تفسیر الشعر اوی، ص: 5767/9

(³) ایضاً: ص: 2364/4

﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضَيِّعَ إِيمَانَكُمْ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَّءُوفٌ رَحِيمٌ﴾¹

(ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان کو ہر گز ضائع نہ کرے گا۔ وہ تو لوگوں کے حق میں بڑا مہربان

نہایت رحم کرنے والا ہے)

کی تفسیر میں شعر اوی آیت کی تفسیر کا اختتام کرتے ہوئے یہ اشارہ کرتے ہیں:

"ولقد مات أناس من المؤمنين وهم يصلون إلى بيت المقدس فقام المشككون وقالوا صلاتهم غير مقبولة. ورد الله سبحانه بقوله: {وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضَيِّعَ إِيمَانَكُمْ} لأن الذين ماتوا وهم يصلون إلى بيت المقدس كانوا مطيعين لله مؤمنين به فلا يضيع الله إيمانهم." ²

(ترجمہ: اہل ایمان میں سے بعض ایسے لوگ فوت ہو گئے جو بیت المقدس کی جانب رخ کر کے نماز پڑھتے تھے جس پر بعض تشکیک پیدا کرنے والے اٹھے اور کہنے لگے کہ ان کی نمازیں غیر مقبولہ ہیں جس پر اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضَيِّعَ إِيمَانَكُمْ﴾ کیوں کہ جو لوگ بیت المقدس کی جانب رخ کر کے نماز پڑھتے ہوئے فوت ہوئے وہ خدا کے فرمانبردار تھے، اس پر یقین رکھتے تھے، اور اللہ ان کا ایمان کھونے نہ دے گا)

یہاں شعر اوی کا اشارہ صحیح بخاری میں مذکور البراء بن عازب کی روایت کی جانب ہے جس کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے سولہ یا سترہ مہینے تک نماز پڑھی لیکن آپ چاہتے تھے کہ آپ کا قبلہ بیت اللہ (کعبہ) ہو جائے (آخر ایک دن اللہ کے حکم سے) آپ نے عصر کی نماز (بیت اللہ کی طرف رخ کر کے) پڑھی اور آپ کے ساتھ بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی پڑھی۔ جن صحابہ نے یہ نماز آپ کے ساتھ پڑھی تھی، ان میں سے ایک صحابی مدینہ کی ایک مسجد کے قریب سے گزرے۔ اس مسجد میں لوگ رکوع میں تھے، انہوں نے اس پر کہا کہ میں اللہ کا نام لے کر گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مکہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی ہے، تمام نمازی اسی حالت میں بیت اللہ کی طرف پھر گئے۔ اس کے بعد لوگوں نے کہا کہ جو لوگ کعبہ کے قبلہ ہونے سے پہلے انتقال کر گئے، ان کے متعلق ہم کیا کہیں۔ (ان کی نمازیں قبول ہوئیں یا نہیں؟) اس پر یہ آیت نازل ہوئی ﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضَيِّعَ إِيمَانَكُمْ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَّءُوفٌ رَحِيمٌ﴾ (اللہ ایسا نہیں کہ تمہاری عبادات کو ضائع کرے، بیشک اللہ اپنے بندوں پر بہت بڑا مہربان اور بڑا رحیم ہے۔)³

(¹) البقرة: 143

(²) تفسیر الشعر اوی، ص: 629/1

(³) صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ البقرة، حدیث #4216

3- سب نزول کا تفصیلی بیان

شعراوی نے اپنی تفسیر میں چند ایک مقامات پر سب نزول کو تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ مثال کے طور

پر آیت مبارکہ:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾¹

(ترجمہ: (اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!) تمہارے پروردگار کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے تنازعات میں آپ کو حکم (فیصلہ کرنے والا) تسلیم نہ کر لیں پھر آپ جو فیصلہ کریں اس کے متعلق اپنے دلوں میں گھٹن بھی محسوس نہ کریں اور اس فیصلہ پر پوری طرح سر تسلیم خم کر دیں)

کی تفسیر میں شعراوی فرماتے ہیں کہ اس آیت کے نزول کا سبب ایک واقعہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ایک پھوپھی زاد بھائی تھے جن کا نام زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ تھا اور وہ جنت کی خوش خبری پانے والے دس صحابہ میں سے ایک تھے۔ ایک اور صحابی جن کا نام حاطب بن ابی بلتعہ تھا، وہ اور زبیر دونوں مدینہ میں رہتے تھے۔ مدینہ میں ایک جگہ ہے جس کا نام الحرہ ہے اور اس کی زمین سیاہ پتھروں والی ہے گویا وہ جل چکی ہو، اس علاقہ میں کچھ باغات بھی ہیں۔ حاطب کی زرعی زمین زبیر کی زمین سے نیچے تھی سو جب سیلاب کا پانی آتا تو وہ زبیر کی زمین سے گزرتا ہوا حاطب کی زمین میں پہنچتا۔ لہذا جب ایک بار پانی آیا اور دونوں نے اپنے باغات کو پانی لگانے کا ارادہ کیا تو دونوں میں اختلاف ہو گیا کیونکہ زبیر کی زمین حاطب کی زمین سے بلند تھی اور حاطب یہ چاہتے تھے کہ پہلے پانی ان کی زمین کو ملے اور پھر زبیر اپنی زمین کو پانی لگائیں۔ جب یہ معاملہ رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا گیا تو آپ ﷺ نے زبیر کے حق میں فیصلہ کر دیا جو کہ عادلانہ فیصلہ تھا اور رسول اللہ ﷺ کے شایان شان نہ تھا کہ وہ محض قرابت داری کی بنیاد پر حق کو بدل دیتے۔

اس کے بعد آپ بخاری میں مذکور درج ذیل واقعہ پورا ذکر کرتے ہیں:

"حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنْ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّ الزُّبَيْرَ كَانَ يُحَدِّثُ أَنَّهُ خَاصَمَ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ قَدْ شَهِدَ بَدْرًا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي شَرَاحٍ مِنَ الْحَرَّةِ كَانَا يَسْقِيَانِ بِهِ كِلَاهُمَا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلزُّبَيْرِ اسْقِ يَا زُبَيْرُ ثُمَّ أَرْسَلَ إِلَى جَارِكَ فَغَضِبَ الْأَنْصَارِيُّ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَنْ كَانَ ابْنُ عَمَّتِكَ فَتَلَوْنَ وَجْهَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ اسْقِ ثُمَّ أَحْبَسَ حَتَّى يَبْلُغَ الْجَدْرَ فَاسْتَوْعَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيْثُ دَحَقَهُ لِلزُّبَيْرِ وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ ذَلِكَ أَشَارَ عَلَى الزُّبَيْرِ بِرَأْيِ سَعَةِ لَهُ وَلِلْأَنْصَارِيِّ فَلَمَّا أَحْفَظَ الْأَنْصَارِيُّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَوَعَى لِلزُّبَيْرِ حَقَّهُ فِي صَرْيَحِ الْحُكْمِ قَالَ عُرْوَةُ قَالَ الزُّبَيْرُ وَاللَّهِ مَا أَحْسِبُ هَذِهِ الْآيَةَ نَزَلَتْ إِلَّا فِي ذَلِكَ { فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ } الْآيَةُ" ¹

(ترجمہ: عروہ بن زبیر سے مروی ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے تھے کہ ان میں اور ایک انصاری صحابی میں جو بدر کی لڑائی میں بھی شریک تھے، مدینہ کی پتھرلی زمین کی نالی کے بارے میں جھگڑا ہوا۔ وہ اپنا مقدمہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے گئے۔ دونوں حضرات اس نالے سے (اپنے باغ) سیراب کیا کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے زبیر! تم پہلے سیراب کر لو، پھر اپنے پڑوسی کو بھی سیراب کرنے دو، اس پر انصاری کو غصہ آگیا اور کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا اس وجہ سے کہ یہ آپ ﷺ کی پھوپھی کے لڑکے ہیں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور آپ ﷺ نے فرمایا: اے زبیر! تم سیراب کرو اور پانی کو (اپنے باغ میں) اتنی دیر تک آنے دو کہ دیوار تک چڑھ جائے۔ اس مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو ان کا پورا حق عطا فرمایا، اس سے پہلے آپ ﷺ نے ایسا فیصلہ کیا تھا، جس میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور انصاری صحابی دونوں کی رعایت تھی۔ لیکن جب انصاری نے رسول اللہ ﷺ کو غصہ دلایا تو آپ ﷺ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو قانون کے مطابق پورا حق عطا فرمایا۔ عروہ نے بیان کیا کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا، قسم اللہ کی! میرا خیال ہے کہ یہ آیت اسی واقعہ پر نازل ہوئی تھی۔ "پس ہر گز نہیں! تیرے رب کی قسم، یہ لوگ اس وقت تک مومن نہ ہوں گے جب تک اپنے اختلافات میں آپ کے فیصلے کو دل و جان سے تسلیم نہ کر لیں۔" ²

یہاں شعر اوی نے پہلے سبب نزول کا مفہوم معنًا ذکر کیا اور پھر پوری سند کے ساتھ سبب نزول کو امام بخاری کی مکمل سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔ البتہ شعر اوی نے اپنی تفسیر میں یہ انداز بہت ہی کم اپنایا ہے۔

(¹) صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب { فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینہم }، حدیث #4309

(²) تفسیر الشعر اوی، ص: 2380/4-2382

4۔ سبب نزول میں صحیح ترین روایت پر بھروسہ کرنا

اسباب نزول کے حوالے سے ایک بنیادی قاعدہ یہ بھی ہے کہ اگر کسی آیت کے متعلق دو یا اس سے زائد اسباب نزول مروی ہوں اور دونوں صحیح ہوں تو ایسی صورت میں صحیح ترین سبب کو لیا جائے گا۔¹

شعراوی کی جانب سے اس حوالے سے بعض مقامات پر غفلت کا ارتکاب ہوا ہے کہ کبھی تو آپ نے ایک ہی روایت کو بیان کرنے پر ہی اکتفا کیا اور صحیح ترین روایت کو چھوڑ دیا اور کبھی تو آپ نے اس قاعدہ سے ہی صرف نظر کرتے ہوئے دیگر اعتبارات سے دونوں روایتوں میں موافقت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔

مثال کی طور پر قول باری تعالیٰ:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَتَبَيَّنُوا وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَى إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللَّهِ مَغَانِمُ كَثِيرَةٌ كَذَلِكَ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلُ فَمَنْ أَلَّاهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوا إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا﴾²

(ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم اللہ کی راہ میں سفر کرو (جہاد پر نکلو) تو اگر کوئی شخص تمہیں سلام کہے تو اسے یہ نہ کہا کرو کہ تم تو مومن نہیں بلکہ اس کی تحقیق کر لیا کرو۔ اگر تم دنیا کی زندگی کا سامان چاہتے ہو تو اللہ کے ہاں بہت سے اموال غنیمت ہیں۔ اس سے پہلے تمہاری اپنی بھی یہی صورت حال تھی۔ پھر اللہ نے تم پر احسان کیا، لہذا تحقیق ضرور کر لیا کرو۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو یقیناً اللہ اس سے خبردار ہے)

کی تفسیر میں شعراوی نے محلم بن جثامہ کا واقعہ بیان کیا ہے کہ اس کے اور ایک شخص عامر بن الاضبط کے مابین کچھ بغض و عداوت موجود تھی چنانچہ ایک سر یہ میں محلم اور عامر بن الاضبط کی ملاقات ہو گئی، عامر نے باقاعدہ اسلامی طریقہ سے ان لوگوں کو سلام کیا یعنی اپنا مسلمان ہونا ظاہر کیا، لیکن محلم نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے عامر کو قتل کر دیا اور یہ گمان کیا کہ شاید عامر نے ایسا جان بچانے کے لئے کیا ہے۔ لیکن جب محلم رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تو آپ نے کہا کہ تم نے تحقیق کیوں نہ کی؟ کیا اس نے تمہیں سلام نہ کیا تھا؟⁴³

یہاں شعراوی نے یہ قصہ بتانے پر اکتفا کیا حالانکہ اس آیت کے شان نزول کی حوالے سے بخاری میں ایک روایت موجود ہے جس کے مطابق ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آیت «وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَى إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ

(1) السیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، ص: 118/1

(2) سورة النساء: 94

(3) مسند احمد، حدیث عبد اللہ بن ابی حذرد رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حدیث #23881، حکم: إسناده محتمل للتحمين (الأرنؤوط)

(4) تفسیر الشعراوی، ص: 2556/4

مؤمننا» (ترجمہ: اور جو تمہیں سلام کرتا ہوا سے یہ مت کہہ دیا کرو کہ تو تو مومن ہی نہیں ہے) کے بارے میں فرمایا کہ ایک صاحب (مرد اس نامی) اپنی بکریاں چرا رہے تھے، ایک مہم پر جاتے ہوئے کچھ مسلمان انہیں ملے تو انہوں نے کہا "السلام علیکم" لیکن مسلمانوں نے بہانہ خور جان کر انہیں قتل کر دیا اور ان کی بکریوں پر قبضہ کر لیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی تھی آخر آیت «عرض الحیاء الدنیا» اس سے اشارہ انہیں بکریوں کی طرف تھا۔¹

5۔ اسباب نزول سے صرف نظر

شعراوی نے اپنی تفسیر میں اسباب نزول بیان کرنے کا اہتمام کم ہی کیا ہے بلکہ آپ کی تفسیر پر یہ گرفت بھی ہوتی ہے کہ آپ نے بعض مقامات پر اسباب نزول سے متعلق ایسی صحیح اور معتبر روایات سے صرف نظر کیا ہے جو آیت کے مفہوم کو بیان کرنے میں بہت اہمیت کی حامل ہیں اور اسلاف مفسرین نے بھی انہیں بیان کیا ہے۔ مثال کے طور پر قول باری تعالیٰ:

﴿وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَىٰ وَأَتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾²

(ترجمہ: نیز یہ کوئی نیکی کی بات نہیں کہ تم اپنے گھروں میں پیچھے کی طرف سے آؤ بلکہ نیکی یہ ہے کہ انسان تقویٰ اختیار کرے۔ لہذا تم گھروں میں ان کے دروازوں سے ہی آیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو اس طرح شاید تم فلاح پاسکو)

کی تفسیر کے حوالے سے صحیح بخاری میں سیدنا البراء بن عازب سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ:

((نزلت هذه الآية فينا كانت الأنصار إذا حجوا فجاؤوا لم يدخلوا من قبل أبواب بيوتهم ولكن من ظهورها فجاء رجل من الأنصار فدخل من قبل باب فكَأَنَّهُ عَيرَ بِذَلِكَ فَنَزَلَتْ { وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَىٰ وَأَتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا })) (ترجمہ: یہ آیت ہمارے بارے میں نازل ہوئی۔ انصار جب حج کے لیے آتے تو (احرام کے بعد) گھروں میں دروازوں سے نہیں جاتے بلکہ دیواروں سے کود کر (گھر کے اندر) داخل ہوا کرتے تھے پھر (اسلام لانے کے بعد) ایک انصاری شخص آیا اور دروازے سے گھر میں داخل ہو گیا اس پر لوگوں نے لعنت ملامت کی تو یہ وحی نازل ہوئی کہ ”یہ کوئی نیکی نہیں ہے کہ گھروں میں پیچھے سے

(1) صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب ولا تقولوا لمن ألقى إليكم السلام لست مؤمناً، حدیث #4315

(2) البقرة: 189

(دیواروں پر چڑھ کر) آؤ بلکہ نیک وہ شخص ہے جو تقویٰ اختیار کرے اور گھروں میں ان کے دروازوں سے آیا کرو۔¹

اب یہ قصہ اس آیت کے مفہوم کو جاننے کے لئے بہت ضروری ہے اس کے باوجود شعر اوی نے اس واقع کو بیان نہیں کیا ہے۔

اسی طرح قول باری تعالیٰ:

﴿لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا أَتَوْا وَيُجِبُونَ أَنَّ يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِنَ الْعَذَابِ وَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾²

(ترجمہ: جو لوگ اپنے کرتوتوں پر خوش ہوتے ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ ان کی ایسے کاموں پر تعریف کی جائے جو انہوں نے کیے بھی نہیں، ان کے متعلق یہ گمان نہ کیجئے کہ وہ عذاب سے نجات پا جائیں گے، ان کے لیے تو دردناک عذاب ہے)

کے حوالے سے بھی صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں چند منافقین ایسے تھے کہ جب نبی کریم ﷺ جہاد کے لیے تشریف لے جاتے تو یہ مدینہ میں پیچھے رہ جاتے اور پیچھے رہ جانے پر بہت خوش ہوا کرتے تھے لیکن جب نبی کریم ﷺ واپس آتے تو عذر بیان کرتے اور قسمیں کھا لیتے بلکہ ان کو ایسے کام پر تعریف ہونا پسند آتا جس کو انہوں نے نہ کیا ہوتا اور بعد میں چکنی چڑی باتوں سے اپنی بات بنانا چاہتے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی پر یہ آیت «لا يحسبن الذين يفرحون» آخر آیت تک اتاری۔³

اس آیت کے حوالے سے صحیح بخاری میں ہی ابن عباس سے ایک اور روایت میں مروی ہے کہ جب ابورافع نے اس آیت کے متعلق ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جا کر پوچھا، تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا، تم مسلمانوں سے اس آیت کا کیا تعلق! یہ تو رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں کو بلایا تھا اور ان سے ایک دین کی بات پوچھی تھی۔ (جوان کی آسمانی کتاب میں موجود تھی) انہوں نے اصل بات کو تو چھپایا اور دوسری غلط بات بیان کر دی، پھر بھی اس بات کے خواہشمند رہے کہ نبی کریم ﷺ کے سوال کے جواب میں جو کچھ انہوں نے بتایا ہے اس پر ان کی تعریف کی جائے اور

(¹) صحیح بخاری، ابواب العرۃ، باب قول اللہ تعالیٰ {وَأَتُوا اللَّيْثَ مِنْ أَبَوَاهَا} حدیث #1709

(²) آل عمران: 188

(³) صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ آل عمران، حدیث #4291

ادھر اصل حقیقت کو چھپا کر بھی بڑے خوش تھے۔ جس پر یہ آیت «لا یحسبن الذین یفرحون» آخر آیت تک نازل ہوئی۔¹ شعر اوی نے اس آیت کی تفسیر کے دوران دونوں روایات میں سے کوئی بھی بیان نہیں کی ہے۔

اس بحث کے مطابق امام شعر اوی نے اپنی تفسیر میں اسباب نزول کے بیان کا اہتمام نسبتاً کم ہی کیا ہے یہاں تک کہ بعض ایسے اسباب نزول جو آیت کی معرفت میں کلیدی کردار ادا کرتے ہیں آپ ان سے صرف نظر کرتے ہوئے آیت کے ظاہری معنی بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ آپ کے نزدیک عبرت لفظ کے عموم سے ہوگی نہ کہ سبب کے خصوص سے۔ آپ اپنی تفسیر میں بعض آیات کے نزول کا سبب بننے والے واقعات و حوادث کا ذکر کرتے ہیں اور پھر ان اسباب کی روشنی میں آیت کے معنی کو بیان کرتے ہیں لیکن آپ اس سبب نزول کو عام طور پر لفظاً نہیں معنائاً بیان کرتے ہیں۔ اسی طرح کبھی آپ مکمل اور طویل واقعہ بیان کرتے ہیں اور کبھی مختصر قصہ بیان فرماتے ہیں۔ یہاں تک کہ کبھی تو صرف قصہ کی تلخیص بیان فرماتے ہیں، اسی طرح کبھی تو شعر اوی اس واقعہ کا حوالہ کسی مستند کتاب سے دیتے ہیں اور کبھی بغیر حوالے کے سبب بیان کرتے ہیں۔ کبھی ایک ہی آیت کے متعدد سبب نزول بیان فرماتے ہیں۔

(۱) صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ آل عمران، حدیث #4292

مبحث دوم

اسباب نزول کے بیان میں ڈاکٹر اسرار احمد کا منہج

اس بحث میں یہ جاننے کی کوشش کی گئی ہے کہ ڈاکٹر صاحب کا اسباب نزول کے حوالے سے کیا موقف ہے اور ان کو پیش کرنے میں آپ نے اپنی تفسیر میں کیا منہج اپنایا ہے۔ اس حوالے سے بحث کو نکاتی صورت میں پیش کیا جائے گا۔

1۔ تاویل عام اور تاویل خاص کا فرق

شعراوی صاحب کی طرح ڈاکٹر صاحب کا بھی یہی موقف ہے کہ اعتبار لفظ کے عموم کا ہو گا اگرچہ حکم کے نزول کا کوئی خاص سبب موجود بھی ہو۔ البتہ آپ نے سبب نزول کا وسیع تر مفہوم لیا ہے اور اس کا اطلاق کسی خاص آیت کے ساتھ ساتھ اس خاص زمان و مکان پر بھی کیا ہے جس میں قرآن کریم نازل ہوا ہے۔ اس حوالے سے آپ نے تاویل عام اور تاویل خاص کی اصطلاحوں کا استعمال کیا ہے۔ آپ کے بقول قرآن حکیم کی کسی ایک آیت یا چند آیات کے مجموعے یا کسی خاص مضمون جو چند آیات میں مکمل ہو رہا ہے، پر غور کرتے ہوئے تاویل عام اور تاویل خاص کے دونوں مرحلے پیش نظر رہنے چاہئیں۔ کیونکہ قرآن حکیم زمان و مکان کے ایک خاص تناظر اور پس منظر میں نازل ہوا ہے۔ قرآن میں ابلاغ کی غرض سے اور شبہات سے بچانے کے لئے اس زمانے کے حالات اور حجاز کے اس خاص علاقے کے لوگوں کے عقائد و نظریات اور ان کی ذہنی سطح کو ملحوظ نہ رکھا گیا ہے۔

تاویل خاص کی وضاحت کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کا ایک مجموعی شان نزول بھی ہے جس میں یہ نازل ہوا ہے۔ اس علاقے اور زمانے کے حالات و واقعات کیا تھے؟ ان حالات میں کیا تبدیلی واقع ہوئی؟ پھر کون لوگ قرآن کے مخاطب تھے؟ اہل مکہ کے عقائد و رسومات، ان کے نظریات و مسلمات، ان کی دلچسپیاں کیا تھیں؟ اسی طرح مدینہ میں مخاطبین کون تھے اور ان کے عقائد و نظریات اور رسومات وغیرہ کیا تھیں؟ نزول قرآن میں ان تمام چیزوں کا لحاظ رکھا گیا ہے اور جب ہم قرآن کو اس سیاق و سباق میں رکھ کر غور کریں گے اور یہ دیکھیں گے کہ جب یہ آیات نازل ہوئیں اس وقت لوگوں نے ان کا مفہوم کیا سمجھا، تو یہ تاویل خاص ہوگی۔

تاویل عام کے متعلق آپ فرماتے ہیں کہ آپ کے مطابق قرآن مجید اپنی موجودہ ترتیب کے لحاظ سے ہی اصل حجت ہے اور یہی اس کی اصل ترتیب ہے جو لوح محفوظ میں موجود ہے۔ مزید یہ کہ قرآن مجید تمام نوع انسانی کی ابدی ہدایت کے لیے نازل ہوا ہے، صرف خاص علاقے اور خاص زمانے کے لوگوں کے لیے تو نازل نہیں ہوا، لہذا اس میں ابدی ہدایت ہے، لہذا اس اعتبار سے تاویل خاص کے علاوہ تاویل عام بھی کرنا ہوگی۔ تاویل عام کے اعتبار سے الفاظ اور ان کے معانی و مفہیم اور پھر ان کی ترکیب پر غور کیا جائے گا۔ آیات کے سیاق و سباق اور باہمی ربط کو دیکھا جائے گا۔

سورتوں کے مضامین اور مناسبت پر غور ہوگا۔ اس پس منظر میں ایک سیاق و سباق متن کا ہوگا، جس سے ہمیں تاویل عام معلوم ہوگی اور ایک سیاق و سباق واقعات کا ہوگا، جس سے ہمیں ان آیات کی تاویل خاص معلوم ہوگی۔¹

2۔ سبب نزول کا مختصر بیان

ڈاکٹر صاحب نے اکثر مقامات پر آیت کے پس منظر کو واضح کرتے ہوئے سبب نزول بننے والے واقعہ کو اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے۔ مثال کے طور پر قول باری تعالیٰ:

﴿يَخْلِفُونَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوا وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوا بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ وَهُمْ بِمَا لَمْ يَنْتَالُوا---﴾²

(ترجمہ: وہ اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ "انہوں نے یہ بات نہیں کہی" حالانکہ انہوں نے کفر کا کلمہ بکا تھا اور اسلام لانے کے بعد کافر ہوئے ہیں۔ نیز انہوں نے ایسی بات کا ارادہ کر رکھا تھا جسے وہ کرنے سکے)

کی تفسیر میں ڈاکٹر صاحب رقم طراز ہیں:

"تبوک سے واپسی کے سفر کے دوران عبداللہ بن ابی کے منہ سے کسی نوجوان مسلمان نے غلط بات سنی تو اس نے آکر رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کر دیا۔ آپ ﷺ نے طلب فرما کر باز پرس کی تو وہ صاف مکر گیا کہ اس نوجوان نے خواہ مخواہ فتنہ اٹھانے کی کوشش کی ہے۔ عبداللہ بن ابی کے مکر جانے پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس نوجوان کو سچا قرار دیا اور اس منافق کے جھوٹ کا پردہ چاک کر دیا۔"³

3۔ مکمل واقعہ بغیر سند و حوالہ کے ذکر کرنا

ڈاکٹر صاحب اپنی تفسیر میں بعض مقامات پر سبب نزول کو تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں مگر اس دوران بھی آپ مکمل عربی متن، سند اور حوالہ کتاب بیان نہیں فرماتے اور واقعہ کو اپنے الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر قول باری تعالیٰ:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَتَبَيَّنُوا وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَى إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتُ مُؤْمِنًا---﴾⁴

(ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم اللہ کی راہ میں سفر کرو (جہاد پر نکلو) تو اگر کوئی شخص تمہیں سلام کہے تو اسے یہ نہ کہا کرو کہ تم تو مومن نہیں۔۔)

(¹) بیان القرآن، ص: 65/1

(²) التوبة: 74

(³) بیان القرآن، ص: 302/3

(⁴) النساء: 94

کی تفسیر میں آپ فرماتے ہیں:

" اس آیت کے پس منظر کے طور پر روایات میں ایک واقعے کا ذکر ملتا ہے جو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آیا تھا۔ کسی سریہ میں حضرت اسامہؓ کا ایک کافر سے دوبرہ مقابلہ ہوا۔ جب وہ کافر بالکل زیر ہو گیا اور اس کو یقین ہو گیا کہ اس کے بچنے کا کوئی راستہ نہیں تو اس نے کلمہ پڑھ دیا: اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللهِ، اب ایسی صورت حال میں جو کوئی بھی ہوتا یہی سمجھتا کہ اس نے جان بچانے کے لیے بہانہ کیا ہے۔ حضرت اسامہؓ نے بھی یہی سمجھتے ہوئے اُس پر نیزے کا وار کیا اور اسے قتل کر دیا۔ لیکن دل میں ایک خلش رہی۔ بعد میں انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپؐ نے فرمایا: ((اَقَالَ لَا اِلَهَ اِلَّا اللهُ وَ قَتَلْتَهُ؟)) "کیا اُس نے لا الہ الا اللہ کہہ دیا اور تم نے پھر بھی اُسے قتل کر دیا؟" حضرت اسامہؓ نے جواب دیا: "یا رسول اللہ! اُس نے تو ہتھیار کے خوف سے کلمہ پڑھا تھا۔" آپؐ نے فرمایا: ((اَقَالَ شَقِیْتُ عَنْ قَلْبِهِ حَتَّى نَعْلَمَ اَقَالَ اَمْ لَا؟)) "تو تم نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ جان لیا کہ اُس نے کلمہ دل سے پڑھا تھا یا نہیں؟" حضرت اسامہؓ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے یہ بات مجھ سے بار بار فرمائی، یہاں تک کہ میں خواہش کرنے لگا کہ کاش میں آج ہی مسلمان ہوا ہوتا! بعض روایات میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے اسامہ، اُس دن کیا جواب دو گے جب وہ کلمہ شہادت تمہارے خلاف مدعی ہو کر آئے گا؟^{3 2}

یہاں ڈاکٹر صاحب نے آیت مبارکہ کے سبب نزول بننے والے واقعے کو براہ راست بیان فرمایا ہے اور نہ ہی کتاب کا حوالہ دیا اور نہ ہی راوی و سند کا ذکر کیا ہے۔

4- آیت کے پس منظر کو مفہوم بیان کرنا

ڈاکٹر صاحب اپنی تفسیر میں سبب نزول ذکر کرتے ہوئے اکثر اوقات اپنے الفاظ میں منظر کشی کرتے ہیں اور سبب نزول کو علیحدہ ذکر کرنے کی بجائے آیت کی تفسیر کے ساتھ بیان کرتے ہیں جس سے بیک وقت سبب نزول اور آیت کا مفہوم ذہن نشین ہو جاتا ہے البتہ ایک محقق کے لئے اس واقعہ کو تلاش کرنا ضرور مشکل ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر اللہ تبارک و تعالیٰ کے فرمان:

﴿لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعُمُوا إِذَا مَا اتَّقَوْا وَآمَنُوا...﴾⁴

(ترجمہ: جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے انہیں اس بات پر کچھ گناہ نہ ہو گا جو وہ

(تحریم شراب سے) پہلے پی چکے۔ جبکہ آئندہ پرہیز کریں اور ایمان لائیں...)

(1) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب تحریم قتل الکافر بعد اَنْ قال لا اله الا الله، حدیث #158

(2) سنن ابوداؤد، کتاب الجہاد، باب علی ما یقاتل المشرکون؟، حدیث #2643، حکم: صحیح (البانی)

(3) بیان القرآن، ص: 190/2

(4) المائدہ: 93

کی تفسیر کرتے ہوئے آپ رقم طراز ہیں:

"اس کا پس منظر یہ ہے کہ جب شراب کے بارے میں اتنا سخت انداز آیا کہ شراب اور جو اگندے شیطانی کام ہیں، ان سے باز آتے ہو یا نہیں؟ تو بہت سے مسلمانوں کو تشویش لاحق ہو گئی کہ ہم جو اتنے عرصے تک شراب پیتے رہے تو یہ گندگی تو ہماری ہڈیوں میں بیٹھ گئی ہوگی۔ آج سائنس کی زبان میں جیسے کوئی شخص کہے کہ میرے جسم کا تو کوئی ایک خلیہ (cell) بھی ایسا نہیں ہوگا جس میں شراب کے اثرات نہ پہنچے ہوں۔ تو اب ہم کیسے پاک ہوں گے؟ اب کس طریقے سے یہ گندگی ہمارے جسموں سے دھلے گی؟ ان کی یہ تشویش بجا تھی۔ جیسے تحویل قبلہ کے وقت تشویش پیدا ہو گئی تھی کہ اگر اصل قبلہ بیت اللہ تھا اور ہم بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نمازیں پڑھتے رہے تو وہ نمازیں تو ضائع ہو گئیں، اور نماز ہی تو ایمان ہے۔ تو اس پر مومنین کی تسلی کے لیے فرمایا گیا تھا:

{وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضَيِّعَ إِيمَانَكُمْ} "اللہ تمہارے ایمان کو ضائع کرنے والا نہیں ہے۔" ¹

یہاں واضح ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے سبب نزول کو اپنے الفاظ و مفہوم میں بیان فرمایا اور آیت کی تفسیر بھی ساتھ ہی بیان فرمادی۔

5۔ سبب نزول سے اعراض

ڈاکٹر صاحب نے متعدد آیات کے سبب نزول کو اپنے اسلوب میں بیان کیا ہے۔ اس کے باوجود بہت سی ایسی آیات ہیں جن کے سبب نزول کے متعلق صحیح روایات موجود ہیں لیکن آپ نے ان سے اعراض کیا ہے۔ آپ نے ایسا شاید طوالت سے بچنے کے لئے یا اپنے مخصوص تفسیر رجحان کی وجہ سے کیا ہے جس میں آپ کے پیش نظر دعوت و اصلاح اور دین کی نشاۃ ثانیہ کا کام تھا۔

مثال کے طور پر ہم دیکھتے ہیں کہ ارشاد باری تعالیٰ:

﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوْ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ﴾ ²

(ترجمہ: صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ لہذا جو شخص کعبہ کا حج کرے یا عمرہ کرے تو اس پر کچھ گناہ نہیں کہ وہ ان دونوں کا طواف کرے اور جو شخص برضا و رغبت نیکی کا کوئی کام کرے تو بے شک اللہ بڑا قادر دان ہے اور ہر بات کو جاننے والا ہے)

کا سبب نزول آپ نے بیان نہیں فرمایا ہے جبکہ صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ یہ آیت انصار کے بارے میں نازل ہوئی تھی (اسلام سے پہلے) انصار منات بت کے نام سے احرام باندھتے تھے، یہ بت مقام

(¹) بیان القرآن، ص: 307/2

(²) البقرة: 158

قدید میں رکھا ہوا تھا اور انصار صفا اور مروہ کی سعی کو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ جب اسلام آیا تو انہوں نے سعی کے متعلق آپ سے پوچھا: اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔¹

اسی طرح انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے جب صفا اور مروہ کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے بتایا کہ اسے ہم جاہلیت کے کاموں میں سے سمجھتے تھے۔ جب اسلام آیا تو ہم ان کی سعی سے رک گئے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔²

ڈاکٹر صاحب کے نزدیک سیرت قرآن فہمی کے اہم ترین مصادر میں سے ہے۔ آپ اپنی تفسیر کے دوران کسی آیت یا آیات کے مجموعے، اور اسی طرح واحد سورت یا سورتوں کے جوڑے یا متعدد سورتوں کے مضامین کے فہم کو سیرت کی روشنی میں بیان کرنے کا اہتمام کرتے ہیں۔ آپ اس بات پر خصوصی توجہ دیتے ہیں کہ قرآن کریم کا نزول حالات و واقعات کے کس پس منظر میں ہوا ہے۔ لہذا اکثر مقامات پر جب آپ کسی آیت کی تفسیر کرتے ہیں تو اس کا پس منظر سیرت کے اسلوب میں بیان کرتے ہیں۔ اگر دیکھا جائے تو دیگر مفسرین اسی واقعہ کو سبب نزول کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ جب کہ ڈاکٹر صاحب کبھی تو اسے آیت کے پس منظر کے طور پر اور کبھی محض تفسیری الفاظ کے طور پر بیان کرتے ہیں۔ اگرچہ چند ایک مقامات پر آپ نے شان نزول کے الفاظ بھی استعمال کیے ہیں۔

آپ عام طور پر آیت کا سبب بننے والے واقعہ کو بغیر حوالہ کے ذکر کرتے ہیں۔ اسی طرح آپ پوری روایت کو سند سے ذکر کرنے کی بجائے صرف آیت سے متعلقہ واقعہ کو اسلوب سیرت میں، منظر کشی کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں۔ اس طرح بیک وقت آیت کا سبب نزول اور مفہوم دونوں بیان ہو جاتے ہیں۔ آپ کبھی تو آیت کے پس منظر میں کسی واقعہ کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں اور کبھی اختصار کا دامن تھامتے ہیں۔ بعض اوقات تو آپ صرف اس واقعہ کی جانب اشارہ کر دیتے ہیں۔ اس ضمن میں آپ نے عام طور پر صحیح ترین روایت پر ہی بھروسہ کیا ہے اور متعدد اور ضعیف اسباب نزول جمع کرنے سے گریز کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی تفسیر کے مطالعہ سے محسوس ہوتا ہے کہ وہ اسباب نزول جو خاص طور پر سیرت سے تعلق رکھتے ہیں ان کا اہتمام آپ نے کتب حدیث میں مذکور عمومی اسباب نزول سے زیادہ کیا ہے۔ بلکہ بعض ایسی احادیث جو بخاری اور مسلم کی کتب تفسیر میں بیان ہوئی ہیں، آپ نے ان سے اعراض کیا ہے۔ اس کی وجہ شاید آپ کا تفسیری رجحان بھی ہے جیسا کہ عمومی طور پر آپ نے اپنی تفسیر میں دعوتی و اصلاحی اسلوب اختیار کرتے ہوئے تفسیر کے دیگر پہلوؤں پر مختصر کلام کیا ہے۔

(1) صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب قوله {إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِن شَعَائِرِ اللَّهِ}۔۔۔ حدیث #4225

(2) ایضاً، حدیث #4226

اسباب نزول کے بیان میں دونوں مفسرین کے منہج کا تقابلی جائزہ

اسباب نزول کے بیان کے حوالے سے اگر دونوں مفسرین کے منہج کا تقابل کیا جائے تو درج ذیل نکات ہمارے سامنے آتے ہیں:

(1) دونوں مفسرین نے اسباب نزول کو اہمیت دی ہے اور اس کا اہتمام کیا ہے۔ اگرچہ یہ اہتمام تفسیر بالمآثور پر مشتمل دیگر تفاسیر کے مقابلے میں بہت کم ہے۔

(2) دونوں مفسرین کے نزدیک لفظ کے عمومی معنی کا اعتبار ہو گا نہ کہ سبب کے خصوص کا، اگرچہ آیت کے معانی سمجھنے کے لئے دونوں کے نزدیک سبب نزول کی معرفت لازم ہے۔ آیات کسی خاص سبب کی وجہ سے نازل ہوتی ہیں لیکن ان کا حکم تمام لوگوں کے لئے قیامت تک قائم رہے گا۔ اس حوالے سے ڈاکٹر صاحب نے تاویل خاص اور تاویل عام کی اصطلاح استعمال کی ہے، تاویل خاص کے ضمن میں آپ منفرد آیات کے علاوہ آیات کے مجموعے، ایک یا زائد سورتوں حتیٰ کے پورے قرآن کریم کے زمانی و مکانی پس منظر کی روشنی میں قرآن کریم سمجھنے کے قائل ہیں جب کہ تاویل عام کے اعتبار سے ہر دور میں قرآن کریم کی آیات کو الفاظ و جمل کے معانی، ترکیب اور سیاق و سباق کی روشنی میں سمجھا جائے گا۔ تاویل خاص اور تاویل عام مل کر آیت کا مفہوم واضح کریں گی۔

(3) دونوں مفسرین نے اسباب نزول کے حوالے سے عام طور پر صحیح ترین روایات پر ہی بھروسہ کیا ہے۔ البتہ چند ایک مقامات پر ضعیف روایات بھی بیان کی ہیں۔ اس حوالے سے ڈاکٹر صاحب کا منہج شعر اوی صاحب کی نسبت احتیاط پر مبنی ہے۔

(4) دونوں مفسرین نے عام طور پر سبب نزول کو بالمعنی بیان کیا ہے خاص طور پر ڈاکٹر صاحب نے اس حوالے سے حدیث کے الفاظ بیان کرنے کا کوئی خاص اہتمام نہیں کیا۔ اسی طرح ڈاکٹر صاحب اور شعر اوی صاحب نے سبب نزول بیان کرتے ہوئے سند و حوالہ بیان کرنے کا بھی اہتمام کم ہی کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب تو اکثر اس حوالے سے اسی عمومی بات بیان کر دیتے ہیں جو مختلف روایات کا خلاصہ ہوتی ہے۔ جب کہ شعر اوی صاحب نے اس حوالے سے ڈاکٹر صاحب کے مقابلے میں بہتر منہج اپنایا ہے۔

(5) ڈاکٹر صاحب اور شعر اوی صاحب نے بعض مقامات پر سبب نزول سے اعراض کیا ہے یہاں تک کہ بعض ایسی آیات جن کا درست مفہوم سمجھنے کے لئے اسباب نزول بہت معاون ہے ان آیات کا سبب نزول بھی بیان کرنے سے گریز کیا ہے۔

(6) دونوں مفسرین نے عام طور پر متعدد سبب نزول بیان کرنے سے اجتناب کیا ہے اور صرف اسی سبب کو بیان کیا ہے جو ان کی نظر میں درست تھا۔

(7) ڈاکٹر صاحب نے سبب نزول بیان کرتے ہوئے روایت کے بجائے سیرت کی طرز پر واقعاتی انداز اپنایا ہے اور اس دوران صرف ضرورت پڑنے پر ہی آپ تفصیل میں گئے ہیں۔ جب کہ شعر اوی صاحب اس حوالے سے تفصیل میں جاتے ہیں اور روایت میں موجود آیت سے غیر متعلقہ حصے کو بھی بیان کرتے ہیں۔

(8) ذیل میں اسباب نزول کے ضمن میں دونوں تفسیروں کے ایک مقام کا تقابل کیا جا رہا ہے۔

تقابلی مثال:

مثال کے طور پر قول باری تعالیٰ:

﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا رَضُوا وَإِنْ لَمْ يُعْطُوا مِنْهَا إِذَا هُمْ يَسْتَحْطُونَ﴾¹

(ترجمہ: اور ان میں کوئی ایسا ہے جو صدقات (کی تقسیم) میں آپ پر الزام لگاتا ہے۔ اگر انہیں کچھ مل جائے تو خوش ہو جاتے ہیں اور اگر نہ ملے تو فوراً ناراض ہو جاتے ہیں)

کی تفسیر میں ڈاکٹر صاحب رقم طراز ہیں:

" زکوٰۃ و صدقات کا مال رسول اللہ ﷺ خود تقسیم فرماتے تھے۔ ایک دفعہ یوں ہوا کہ مال کی تقسیم کے دوران ایک منافق نے آپ ﷺ کو ٹوک دیا: یا مُحَمَّدُ اَعْدِلْ "اے محمد انصاف (کے ساتھ تقسیم) کیجیے!" اس کی مراد یہ تھی کہ آپ نا انصافی کر رہے ہیں۔ اس پر حضور ﷺ کو غصہ آیا اور آپ ﷺ نے فرمایا: ((وَيْلَكَ وَمَنْ يَعْدِلُ إِذَا لَمْ أَكُنْ اَعْدِلُ...)) "تم برباد ہو جاؤ، اگر میں عدل نہیں کروں گا تو اور کون کرے گا؟" 312

اس آیت کی تفسیر میں شعر اوی پہلے ظاہری معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ کچھ منافقین صدقہ کی تشریع پر طعنہ زنی کرتے تھے، اور انہوں نے الزام لگایا تھا کہ امیر مال کما تے تھک جاتے ہیں اور مال حاصل کرنے میں دشواری کا سامنا کرتے ہیں، پھر غریب بغیر تھکے ہوئے مال لے لیتے ہیں۔ اب کیا وہ خود تشریع صدقہ میں طعنہ زنی کرتے تھے؟ یا وہ ان پر لاگو صدقات کی مقدار پر اعتراض کرتے تھے اور اسے بہت زیادہ دیکھتے ہیں؟ یا وہ اللہ کے لوگوں کو صدقہ دینے کی تلقین پر اعتراض کرتے تھے؟ یا مصارف زکوٰۃ اور ان کو ادائیگی کے طریقے میں نقص نکالتے تھے کہ

(1) التوبہ: 58

(2) صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب ذِکْرِ الْخَوَارِجِ وَصَفَاتِهِمْ، حدیث #1064، صحیح بخاری، کتاب استنباط المرتدین والمعاندین وقتالہم، باب مَنْ تَرَكَ قِتَالَ

الْخَوَارِجِ لِلتَّكْلِيفِ، وَأَنَّ لِّلْخَوَارِجِ النَّاسَ عِنْدَهُ، حدیث #3414

(3) بیان القرآن، ص: 294/3

بعض کو کم اور بعض کو زیادہ کیوں دیا جاتا ہے؟ یا ان سب امور میں یا ان میں سے بعض میں طعنہ زنی کرتے تھے؟ لہذا، طعنہ زنی یا تو تشریع میں ہے، یا یہ صدقہ کی رقم یا ادائیگی کے طریقہ کار میں ہے۔

اس کے بعد آپ اس آیت کے سبب نزول کا ذکر کرتے ہیں کہ اس کا تعلق مصارف صدقہ سے ہے۔
 حر قوس بن زہیر، جو کہ خارجیوں کا سربراہ تھا، اور وہ ذوالخویرہ کا بیٹا تھا، کھڑا ہوا اور کہنے لگا: یا رسول اللہ! انصاف کیجیے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا افسوس اگر میں انصاف نہیں کروں گا تو اور کون کرے گا۔ اور تو تو بڑا بد نصیب اور بڑا نقصان والا ہو گیا اگر میں عدل نہ کروں۔ اس پر حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھے اجازت دیجیے کہ میں اس کی گردن مار دوں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ نہیں اس کے کچھ ایسے ساتھی ہوں گے کہ ان کی نماز اور روزے کے سامنے تم اپنی نماز اور روزے کو حقیر سمجھو گے لیکن وہ دین سے اس طرح باہر ہو جائیں گے جس طرح تیر جانور میں سے باہر نکل جاتا ہے۔ تیر کے پر کو دیکھا جائے لیکن اس پر کوئی نشان نہیں پھر اس پر پیکان کو دیکھا جائے اور وہاں بھی کوئی نشان نہیں پھر اس کے پاؤں کو دیکھا جائے اور یہاں بھی کوئی نشان نہیں پھر اس کی لکڑی کو دیکھا جائے اور وہاں بھی کوئی نشان نہیں کیونکہ وہ (جانور کے جسم سے تیر چلا یا گیا تھا) لید گو برا اور خون سب سے آگے (بے داغ) نکل گیا (اسی طرح وہ لوگ اسلام سے صاف نکل جائیں گے) ان کی نشانی ایک مرد ہو گا جس کا ایک ہاتھ عورت کی چھاتی کی طرح یا یوں فرمایا کہ گوشت کے تھل تھل کرتے تو تھڑے کی طرح ہو گا۔ یہ لوگ مسلمانوں میں پھوٹ کے زمانہ میں پیدا ہوں گے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے یہ حدیث نبی کریم ﷺ سے سنی ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نہروان میں ان سے جنگ کی تھی اور میں اس جنگ میں ان کے ساتھ تھا اور ان کے پاس ان لوگوں کے ایک شخص کو قیدی بنا کر لایا گیا تو اس میں وہی تمام چیزیں تھیں جو نبی کریم ﷺ نے بیان فرمائی تھیں۔ اللہ تعالیٰ انہی لوگوں کے متعلق فرما رہے ہیں: (وَمِنْهُمْ مَنْ يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ)¹
 اس آیت کے سبب نزول کے حوالے سے دونوں مفسرین نے ایک ہی واقعہ ذکر کیا ہے جو صحیح ترین روایت پر مبنی ہے۔ اگرچہ اس آیت کے شان نزول میں مفسرین نے مختلف واقعات درج کر رکھے ہیں۔ بعض کے نزدیک یہ آیت ثعلبہ بن حاطب کے متعلق نازل ہوئی ہے کیونکہ وہ کہتا تھا کہ محمد جسے چاہے دے دیں، تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اسی طرح بعض نے کہا کہ یہ آیت ابوالجواظ منافق کے بارے میں نازل ہوئی اور بعض نے کہا کہ یہ آیت مولفہ القلوب کے

(۱) تفسیر الشعراوی، ص: 5211/9

حوالے سے نازل ہوئی۔¹ لیکن ان سب روایات میں سے صحیح ترین روایت، جو متفق علیہ ہے، کے مطابق یہ آیت ذو الخویصرہ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے یہاں انتہائی مختصر انداز میں حدیث کے صرف آیت سے متعلقہ حصے کو بیان کیا ہے۔ یہاں تک کہ آپ نے ذوالخویصرہ کا ذکر بھی نہیں کیا ہے۔ جب کہ شعر اوی صاحب نے تفصیل کے ساتھ پوری روایت بیان کی ہے بلکہ آپ کا یہ فرمانا کہ یہ آیت ذوالخویصرہ کے بیٹے حر قوس کے متعلق نازل ہوئی ہے، بخاری و مسلم کی روایت میں موجود نہیں ہے۔

اس فصل میں اسباب نزول کے بیان کے حوالے سے محمد متولی الشعر اوی اور ڈاکٹر اسرار احمد کے منہج کو بیان کرنے کے بعد دونوں مفسرین کے اس ضمن میں منہج کا تقابل کیا گیا ہے۔ اگلی بحث میں علم مناسبات کے حوالے سے شعر اوی اور ڈاکٹر اسرار احمد کے منہج کو بیان کرنے کے بعد اس ضمن میں دونوں مفسرین کے میں منہج کا تقابل کیا جائے گا۔

(¹) ملاحظہ ہو: أبو حیان محمد بن یوسف بن علی بن یوسف بن حیان اثیر الدین الأندلسی (البتونی: 745 ہجری)، البحر المحیط فی التفسیر، المحقق: صدق محمد جمیل، دار الفکر۔ بیروت، 1420ھ، ص: 438/5، أبو الحسن علی بن أحمد بن محمد بن علی الواحدی، النیبابوری، الشافعی (البتونی: 468 ہجری)، اسباب نزول القرآن، المحقق: کمال بیونی زغلول، دار الکتب العلمیہ۔ بیروت، طبع: اول، 1411ھ، ص: 253

فصل چہارم

علم مناسبات کے حوالے سے دونوں مفسرین کا منہج اور اس کا تقابلی جائزہ

مقدمہ فصل: علم مناسبات کا تعارف

مبحث اول: علم مناسبات میں امام شعر اوی کا منہج

مبحث دوم: علم مناسبات میں ڈاکٹر اسرار احمد کا منہج

مبحث سوم: علم مناسبات میں دونوں مفسرین کے منہج کا تقابلی جائزہ

مقدمہ فصل:

علم مناسبات کا تعارف

قرآن کریم میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے، اپنی شان و عظمت کے مطابق، قضیہ بیان کرنے کا منفرد اسلوب اپنایا ہے جو ہر دور کے دیگر اسالیب سے بالکل مختلف ہے۔ فصول و ابواب کی ترتیب کے برعکس یہاں کبھی ایک مضمون کو ایک ہی بار مکمل بیان کر دیا جاتا ہے یا کبھی اس کے ایک رخ کو بیان کر کے چھوڑ دیا جاتا ہے اور بعد میں اس کی تکمیل ہوتی ہے یعنی ایسا اسلوب جو بوریت اور بوجھل پن سے خالی ہے لیکن اس کے باوجود مضمون کے تسلسل کا بھی مکمل خیال رکھا جاتا ہے ایک آیت اپنی ذات میں مستقل بھی ہوتی ہے اور سابقہ و لاحقہ آیات سے متصل بھی ہوتی ہے۔ یہی معاملہ قرآن حکیم کی سورتوں کا بھی ہے۔ یہ ربط، آیات اور سورتوں کو اجنبی بھی نہیں بننے دیتا اور نہ ہی ان کی انفرادی حیثیت کو زائل کرتا ہے بالکل ایک بار کی طرح جس میں مختلف موتی جڑے ہوتے ہیں۔ قرآن حکیم کی آیات اور سورتوں کا یہ تسلسل اور ربط قرآن کے اعجاز کا ایک پہلو ہے اور علم مناسبات وہ علم ہے جس سے اس ربط کی معرفت حاصل کی جاتی ہے۔ اگرچہ قدیم و جدید مفسرین کی قلیل تعداد نے اس جانب توجہ کی ہے۔

اس بحث کا پہلا ہدف قرآن کریم کی آیات اور سورتوں کے مابین مناسبات کی اہمیت کو اجاگر کرنا ہے کہ یہ قرآن کریم کا اعجاز ہے کہ اس کی سورتوں اور آیات کے مابین ایک خوبصورت نظم و تناسب پایا جاتا ہے جس کی نظیر کسی اور کلام میں نہیں ملتی۔ اور یہ مناسبات قرآنی بھی ایک سبب تھا جس کی وجہ سے عرب کے بڑے فصحاء اور شاعر قرآن کریم کی معارضت نہ کر سکے اگرچہ انہیں اس بات کا بارہا چیلنج دیا گیا۔ مناسبات قرآنی کا اعجاز اس وقت مزید منکشف ہوتا ہے جب ہمیں یہ معلوم ہو کہ قرآن کریم یک بارگی نہ نازل ہوا بلکہ اس کا نزول رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کے حالات و واقعات کے مطابق بائیس سال سے زائد عرصہ پر محیط ہے اور اس کے نزول کے امکان بھی مختلف ہیں پھر یہاں تک بس نہیں، ہر دور کا قاری قرآن حکیم میں اپنے دور کی مناسبت سے رہنمائی پاتا ہے اور اسے کبھی یہ محسوس نہیں ہوتا کہ اس کتاب کا مخاطب اس کے سوا کوئی اور ہے۔

اس بحث کا دوسرا ہدف یہ ہے کہ عصر حاضر کے دو عظیم مفسرین یعنی شیخ محمد متولی الشعر اوی اور ڈاکٹر اسرار احمد نے اپنی تفاسیر میں مناسبات قرآنی کے حوالے سے جو اسلوب اپنایا ہے اسے بیان کیا جائے اور بہترین نتائج اور رہنمائی کے لئے دونوں اسالیب کا تقابلی جائزہ بھی کیا جائے تاکہ مناسبات کی اہمیت کے ساتھ ساتھ اس کو سمجھنے کے مختلف طریقے بھی ہمارے سامنے عیاں ہو سکیں۔

اس موضوع کی اہمیت اور دونوں مفسرین کے اس حوالے سے اہتمام کے پیش نظر اس موضوع کو تفصیل سے بیان کیا جائے گا۔ اس دوران اس بحث میں یہ جاننے کی کوشش کی جائے گی کہ علم مناسبات کیا ہے؟ اس کی کتنی اقسام

ہیں؟ اس کے فوائد کیا ہیں؟ علماء کا اس بارے میں کیا موقف ہے؟ ڈاکٹر اسرار احمد نے اپنی تفسیر میں علم مناسبات کے حوالے سے کیا موقف اپنایا ہے؟ شیخ متولی الشعر اوی نے اپنی تفسیر میں علم مناسبات کے حوالے سے کیا موقف اپنایا ہے؟ دونوں مفسرین کے موقف میں کیا یکسانیت اور تفریق پائی جاتی ہے؟

الف۔ مناسبات کی تعریف

لغوی تعریف

ابن فارس کہتے ہیں:

"النون ، والسین ، والباء ، كلمة واحدة ، قياسها اتصال شئ بشئ ، منه النسب ، سمي لاتصاله ، وللاتصال به . والنسب : الطريق المستقيم ، لاتصال بعضه من بعض" ¹

(ترجمہ: ن، س اور ب، ایک کلمہ ہیں جس سے مراد کسی چیز کا دوسری سے متصل ہونا ہے اور اسی سے لفظ "نسب" ہے جو اپنے متصل ہونے کے سبب یہ نام دیا گیا ہے اور "نسب" سے مراد سیدھا راستہ بھی ہوتا ہے کیونکہ اس کا بعض بعض سے ملا ہوا ہوتا ہے۔)

لسان العرب میں ہے:

"وتقول : ليس بينهما مناسبة ، أي : مشكلة" ²

(ترجمہ: جیسے آپ کہتے ہیں کہ ان دو کے مابین مناسبت نہیں ہے یعنی مماثلت نہیں ہے)

ان دونوں تعریفات سے یہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ مناسبت کے لغوی معنی اتصال، مقاربت اور مماثلت کے ہیں جیسا کہ جب آپ کہتے ہیں کہ فلاں شخص فلاں کا نسب ہے تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ اس شخص سے کسی قسم کی قرابت کے سبب متصل ہے۔

اصطلاحی تعریف

مناسبت کی ایک عام تعریف ہے اور ایک علوم قرآن سے متعلق ہے۔ علوم قرآن کے اعتبار سے علم مناسبات کی تعریف کرتے ہوئے امام بقاعی ³ فرماتے ہیں:

"فالمناسبة علم تعرف منه علل الترتيب بين أجزاء القرآن" ⁴

(¹) ابن فارس، معجم مقایی اللغة، ص: 423/5

(²) ابن منظور، لسان العرب، ص: 756/1

(³) إبراہیم بن عمر بن حسن بن الرباط بن علی بن ابی بکر، برہان الدین البقاعی (809-885ھ)، نوویں صدی ہجری کے مشہور عالم دین، مفسر، مورخ،

فقہ اور مصنف تھے۔ (الاعلام للزکلی، ص: 56/1)

(⁴) البقاعی، برہان الدین، نظم الدرر فی تناسب الآیات والسور، دارالکتب العلمیہ، 1993م، ص: 5/1

(مناسبت وہ علم ہے جس سے قرآن کریم کے اجزاء کے مابین ترتیب کی علت معلوم کی جاتی ہے)
 شیخ مناع خلیل القطان فرماتے ہیں:

" والمراد بالمناسبة هنا: وجه الارتباط بين الجملة والجملة في الآية الواحدة أو بين الآية والآية في الآيات المتعددة، أوبين السورة والسورة"¹

(ترجمہ: مناسبت سے یہاں مراد قرآن کریم کی ایک ہی آیت کے دو جملوں یا دو مختلف آیتوں یا مختلف سورتوں کے درمیان ربط کا بیان کرنا ہے)

گویا علم مناسبات وہ علم ہے جس سے ہم یہ معلوم کرتے ہیں کہ قرآن حکیم کی ایک آیت کا ماقبل اور مابعد آیات کے ساتھ کیا ربط ہے اور اسی طرح ایک سورت کا ماقبل اور مابعد سورتوں کے ساتھ کیا ربط ہے۔ جس طرح قرابت داروں کو ان کا نسب آپس میں ملاتا ہے ایسے ہی آیات اور سورتوں کی مناسبت انہیں آپس میں ملاتی ہے۔

ب۔ علم مناسبات کی اہمیت

علم مناسبات کی اہمیت اس بات سے عیاں ہو جاتی ہے کہ امت کے بڑے علماء نے اس کا اہتمام کیا ہے۔ بعض مفسرین نے آیات اور سورتوں کے درمیان مناسبت کی مختلف وجوہ بیان کیں ہیں اور ان مفسرین میں امام فخر الدین الرازی اور امام البقاعی شامل ہیں جو اس بات کا ثبوت ہے کہ علم مناسبات ایک بڑی اہمیت کا حامل علم ہے۔ اسباب نزول کی طرح آیات اور سورتوں کی مناسبت کا علم بھی آیت کے فہم و تفسیر میں معاونت کرتا ہے جس سے ہم آیات اور سورتوں میں ربط تلاش کر کے معانی و افکار میں ربط پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے انسانی ہدایت کے لئے عقائد، احکام، اخلاقیات، وعظ اور قصص سمیت متعدد علوم بیان کیے ہیں جن سب کا مقصد انسانیت کو اللہ کی جانب دعوت دینا ہے۔ ان تمام مضامین کے لئے قرآن کریم میں الگ الگ ابواب و فصول نہیں ہیں لہذا آیات اور سورتوں کے مابین ربط کبھی تو واضح ہوتا ہے اور کبھی مخفی ہوتا ہے جس کی معرفت صرف دقت نظر سے ممکن ہوتی ہے۔ علم مناسبات کی مدد سے اس اخفا کو زائل کر کے کبھی شکوک و شبہات کو مٹایا جاتا ہے تو کبھی آیات کے ان اسرار و رموز کو بیان کیا جاتا ہے جو قرآن حکیم کے اعجاز کو واضح کرتے ہیں۔

امام فخر الدین الرازی فرماتے ہیں:

" أكثر لطائف القرآن مودعة في الترتيبات والروابط "²

(ترجمہ: قرآن کریم کے بہت سے لطائف اس کی ترتیب اور ربط میں پوشیدہ ہیں)

(¹) مناع القطان، مباحث فی علوم القرآن، ص: 96

(²) الرازی، مفتاح الغیب (تفسیر الرازی)، ص: 110/10

امام زرکشی¹ فرماتے ہیں:

"المناسبة أمر معقول ، إذا عرض على العقول تلقته بالقبول"²

(ترجمہ: مناسبت ایک معقول چیز ہے جسے انسانی عقل قبول کر لیتی ہے)

امام زرکشی مزید فرماتے ہیں:

"واعلم أن المناسبة علم شريف تحزر به العقول، ويعرف به قدر القائل فيما يقول --- وفائده: جعل أجزاء الكلام بعضها آخذ بأعناق بعض ، فيقوى بذلك الارتباط ، ويصير التأليف حاله حال البناء المحكم ، المتلائم الأجزاء"³

(ترجمہ: جان لو کہ مناسبت ایک اعلیٰ علم ہے جس سے عقلوں کو جانچا جاتا ہے اور کہنے والے کے کلام کے ذریعے سے اس کی قدر و منزلت کا ادراک ہوتا ہے.... اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے کلام کے مختلف اجزاء کو آپس میں ملا کر مربوط بنادیا جاتا ہے جس سے تالیف ایک ایسی عمارت کی شکل اختیار کر لیتی ہے جس کے تمام اجزاء آپس میں موافقت رکھتے ہوں۔)

قاضی ابوبکر بن العربی⁴ فرماتے ہیں:

"ارتباط آي القرآن بعضها ببعض ، حتى تكون الكلمة الواحدة ، متسقة المعاني، منتظمة المباني ، علم عظيم"⁵

(ترجمہ: ایسا علم جس سے آیات قرآنی میں اس طرح ربط پیدا کرنا کہ وہ کلمہ واحد کی صورت اختیار کر لے جس کے معانی و مبانی منتظم ہوں، ایک عظیم علم ہے۔)

امام سیوطی فرماتے ہیں:

"علم المناسبة علم شريف قل اعتناء المفسرين به لدقته"⁶

(ترجمہ: مناسبت ایک اعلیٰ علم ہے اگرچہ اس کی دقت کے سبب مفسرین نے اہتمام کم ہی کیا ہے)

(¹) بدر الدین محمد بن بھادر بن عبداللہ زرکشی، (745-794ھ) مصر کے معروف مفسر، اصولی، فقیہ، محدث اور ادیب تھے۔ (الاعلام للزرکلی، 6/60)

(²) زرکشی، البرہان فی علوم القرآن، ص: 35/1

(³) ایضاً

(⁴) محمد بن عبداللہ بن محمد المعافری، ابوبکر ابن العربی الاشبیلی المالکی، (1076ء-1148ء) جو قاضی ابوبکر بن العربی کے نام سے مشہور ہیں، ایک اندلسی عالم، حافظ حدیث، اور مرجع خلائق تھے۔ (الاعلام للزرکلی، ص: 230/6)

(⁵) ایضاً، ص: 36

(⁶) السیوطی، عبدالرحمن بن ابی بکر، جلال الدین معترک الأقران فی إعجاز القرآن، دار الکتب العلمیہ، 1988ء، ص: 43/1

ج۔ علم مناسبات کا حکم

جیسا کہ علم مناسبات ایک اجتہادی امر ہے اسی لئے مناسبات کے جواز اور عدم جواز کے حوالے سے علماء کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض کے نزدیک قرآن مجید کی آیات اور سورتوں کے مابین مناسبت موجود ہے اور اسے تلاش کرنا چاہیے۔ یہ قول جمہور علماء کا ہے جن میں ابن قتیبہ¹، زمخشری، رازی، بغوی²، ابن تیمیہ اور ابن کثیر شامل ہیں یہاں تک کہ امام زرکشی نے فرمایا:

"قال بعضهم : إنها متفق عليها في مجاري كلام الله" ³

بعض (علماء) نے کہا: اللہ تعالیٰ کے کلام میں اس (مناسبت) کے جاری ہونے پر (علماء کا) اتفاق ہے جبکہ دیگر علماء مناسبات کے عدم جواز کے قائل ہیں اور ان میں عبدالعزیز بن عبدالسلام⁴ اور امام شوکانی⁵ شامل ہیں۔ ان میں بعض علماء نے مناسبات کی تلاش کو وقت کا ضیاع قرار دیا جبکہ بعض نے قرآن مجید میں اس کے وجود کا ہی انکار کیا جبکہ بعض نے مناسبات کی کسی صورت کو درست اور باقی کو غلط قرار دیا۔ یہاں اگرچہ دونوں فریقین کے دلائل کو بیان کرنے اور ان کا مناقشہ کرنے کا موقع نہیں ہے لیکن اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ بلاشبہ قرآن کریم کی آیات اور سورتوں میں مناسبت پائی جاتی ہے اور کئی مقامات پر تو یہ بالکل واضح ہوتی ہے البتہ ایک مفسر پر لازم ہے کہ وہ مناسبات بیان کرتے ہوئے بعض قواعد تفسیر اور شرائط کو مد نظر رکھے اور تکلف سے اجتناب کرے۔⁶

یعنی مناسبت ایسی ہو جو سیاق و سباق، عربی زبان کے قواعد اور آیت کی عام تفسیر کے موافق ہو اور شریعت کے متضاد نہ ہو اور مفسر اس مناسبت کو اپنی رائے کے طور پر بیان کرے نہ کہ اللہ کی مراد بنا کر، اور یہ بھی ضروری نہیں کہ قرآن کریم کی ہر آیت اور ہر سورت کے درمیان زبردستی مناسبت بنانے کی کوشش کرے اور اس میں تکلف کرنے لگے کیونکہ اگر مناسبت موجود بھی ہو تو ضروری نہیں کہ وہ ہر ایک پر ہر موضع پر ظاہر ہو جائے۔ گویا تفسیر بالرائے کی تمام شروط کو مناسبات بیان کرتے ہوئے ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے۔

(1) أبو محمد عبد اللہ بن عبد المجید بن مسلم بن قتیبہ دینوری (213-276ھ)، مشہور فقیہ، محدث، ادیب اور عالم دین تھے۔ (الاعلام للزرکلی، 4/137)

(2) بغوی، ابو محمد حسین بن مسعود (433ھ/436ھ-516ھ) مشہور شافعی، ایرانی مسلمان مفسر، محدث تھے۔ (الاعلام للزرکلی، ص: 2/259)

(3) الزرکشی، البحر المحیط فی اصول الفقہ، دار الکتبی، 1994م، ص: 8/54

(4) عزالدین عبدالعزیز بن عبدالسلام الشافعی (577-660ھ)، الملقب بسلطان العلماء، عالم دین فقیہ اور قاضی تھے (الاعلام للزرکلی،

ص: 21/4)

(5) ابو علی محمد بن علی ملقب بہ بدر الدین شوکانی (1173-1250ھ) یمن کے معروف عالم، فقیہ، مفسر، اور محدث تھے (الاعلام للزرکلی، ص: 6/298)

(6) تفصیل کے لئے دیکھیے: ڈاکٹر مصطفیٰ مسلم محمد (1921-1940م)، مباحث فی التفسیر الموضوعی، دار القلم، دمشق، 2005م، ص: 58 سے آگے

د۔ مناسبات قرآنی کی اقسام

مناسبات قرآنی کی تین بڑی اقسام ہیں۔

1. سورت کی داخلی مناسبت

2. دو مختلف سورتوں کے مابین مناسبت

3. مناسبات عامہ

1۔ سورت کی داخلی مناسبت

قرآن حکیم کی ایک ہی سورت میں مختلف نوعیت سے مناسبت ہو سکتی ہے جسے ذیل میں مثالوں کے ساتھ بیان کیا جائے گا۔

سورت کے نام اور اس کے مضمون میں مناسبت

سورۃ الکہف میں دین، صحبت، مال، علم، طاقت و بادشاہی کے فتنوں اور ان کے مخرج کا بیان ہے گویا یہ سورت ایک غار کی مانند ہے کہ جس نے اس میں پناہ لے لی وہ فتنوں سے بچ گیا اور شاید اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

﴿مَنْ حَفِظَ عَشْرَ آيَاتٍ مِنْ أَوَّلِ سُورَةِ الْكَهْفِ عُصِمَ مِنَ الدَّجَالِ﴾¹ .

(ترجمہ: جو یاد کرے سورۃ الکہف کی اول کی دس آیتیں وہ دجال کے فتنہ سے بچے گا۔)

سورت کے آغاز اور اختتام میں مناسبت

مثال کے طور پر سورۃ المؤمنون کا آغاز مومنین کی فلاح کے بیان سے ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ﴾² (ترجمہ: بے شک ایمان والے کامیاب ہو گئے)

اور اس کا خاتمہ کفار کے عدم فلاح سے ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهُ بِهِ فَإِنَّمَا حِسَابُهُ عِنْدَ رَبِّهِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ﴾³

(ترجمہ: اور جو شخص اللہ کے ساتھ کسی اور الہ کو پکارتا ہے جس کی اس کے پاس کوئی دلیل نہیں، تو

اس کا حساب اس کے پروردگار کے سپرد ہے۔ ایسے کافر کبھی کامیاب نہ ہوں گے۔)

ایک آیت کی اگلی یا پچھلی آیت سے مناسبت

اس کی مثال یہ ہے کہ سورۃ الزلزال میں پہلے نیکی کے متعلق بیان ہوا:

﴿فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ﴾ (ترجمہ: چنانچہ جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا)

(1) صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین و قصرھا، باب فضل سورۃ الکہف و آیتہ لکری، حدیث #257

(2) المؤمنون: 1

(3) المؤمنون: 117

یعنی نیک اعمال کے حساب کا ذکر ہوا تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ برے اعمال کا کیا بنے گا لہذا اگلی آیت میں فرمایا:

﴿وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ﴾¹ (اور جس نے ذرہ بھر بدی کی ہوگی وہ (بھی) اسے دیکھ لے گا)

ایک آیت کے مختلف اجزاء کے مابین مناسبت

جیسے سورۃ المائدہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جِزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾²

(ترجمہ: اور جو چور خواہ مرد ہو یا عورت، دونوں کے ہاتھ کاٹ دو۔ یہ ان کے کیے کا بدلہ ہے اور اللہ

کی طرف سے عبرت ناک سزا ہے اور اللہ غالب بھی ہے اور حکمت والا بھی)

اس آیت کے متعلق امام اصمعی کا ایک واقعہ مذکور ہے۔ اصمعی کہتے ہیں کہ میں ایک اعرابی کی موجودگی میں سورۃ المائدہ کی تلاوت کر رہا تھا اور آیت (وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ) پڑھتے ہوئے میں نے غلطی سے آخر میں (وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ) کے بجائے (واللہ غفور رحیم) پڑھ دیا تو اعرابی نے کہا یہ کس کا کلام ہے؟ میں نے کہا کہ یہ کلام اللہ ہے۔ تو اس نے کہا اسے دہراؤ! میں نے پھر (واللہ غفور رحیم) پڑھا تو مجھے غلطی کا احساس ہوا جس پر میں نے (وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ) پڑھا تو اعرابی نے کہا: اب آپ نے ٹھیک پڑھا ہے۔ میں نے سوال کیا کہ تمہیں کیسے معلوم ہوا؟ تو اس نے کہا: اللہ نے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا، اگر وہ بخش دیتا اور رحم کرتا تو یہ حکم کیوں دیتا؟⁴

2۔ دو مختلف سورتوں کے مابین مناسبت

قرآن حکیم کی ایک سورت کی دوسری سورت سے مناسبت کی بھی مختلف صورتیں ہیں۔

ایک سورت کے آغاز اور سابقہ سورت کے اختتام میں مناسبت

جیسے سورۃ الاسراء کے آخر میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ وِیٌّ مِّنَ الدُّلِّ وَكَبِّرَ تَكْبِيرًا﴾⁵

(¹) الزلزال: 7-8

(²) المائدہ: 38

(³) ابو سعید عبد الملک بن قریب بابلی اصمعی (112-216 ہجری) ایک نامور ادیب اور عربی لغت، اشعار اور بلدان کے امام تھے۔ بصرہ کے علمائے استفادہ کے علاوہ قبائل عرب کے ساتھ رہ کر ان سے لغات، اشعار اور اخبار کا ذخیرہ جمع کیا اور اسے رسائل کی صورت میں مدون کیا۔ (الأعلام للزركلي، 4/162)

(⁴) رازی، تفسیر رازی (مفتاح الغیب)، ص: 357/11

(⁵) الاسراء: 111

(ترجمہ: اور کہہ دیجیے کہ ہر طرح کی تعریف اس اللہ کو سزاوار ہے جس نے نہ کسی کو بیٹا بنایا، نہ بادشاہی میں اس کا کوئی شریک ہے اور نہ ہی ناتوانی کی وجہ سے اس کا کوئی مددگار ہے۔ اور اسی کی خوب خوب بڑائی بیان کیجئے۔)

جس کے بعد سورۃ الکہف کے آغاز میں ارشاد ہوا:

﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَى عَبْدِهِ الْكِتَابَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَهُ عِوَجًا﴾¹

(ترجمہ: سب تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے اپنے بندے پر یہ کتاب (قرآن) نازل کی اور اس میں کوئی کجی نہیں رکھی۔)

یعنی سورۃ الاسراء کا خاتمہ اور سورۃ الکہف کا آغاز دونوں اللہ تعالیٰ کی حمد پر ہوئے ہیں۔

سورت کے مضامین اور سابقہ سورت کے مضامین میں مناسبت

جس طرح سورۃ الضحیٰ میں اللہ کی جانب سے رسول اللہ ﷺ کو عطا کردہ حسی نعمتوں کا تذکرہ ہے جبکہ سورۃ الشرح میں معنوی نعمتوں کا بیان ہے۔ اسی طرح سورۃ الفلق میں انسان کو خارجی شر سے اللہ کی پناہ مانگنے کا طریقہ بتلایا گیا ہے جبکہ سورۃ الناس میں داخلی شر سے اللہ کی پناہ مانگنے کا طریقہ بتلایا گیا ہے۔

ایک سورت کے آغاز اور سابقہ سورت کے آغاز میں مناسبت

جس طرح سورۃ الصف اور سورۃ الجمعہ کے آغاز میں مناسبت موجود ہے کہ دونوں سورتوں کا آغاز اللہ تعالیٰ کی تسبیح سے ہوتا ہے۔

3۔ مناسبات عامہ

قرآن کریم کی تفسیر میں ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں جہاں مفسرین نے قرآن حکیم کی مختلف مقامات پر وارد آیات اور سورتوں میں مناسبت کا ذکر کیا ہے جیسے سورۃ البقرہ اور سورہ لقمان کی ابتدائی آیات میں گہری مماثلت و مناسبت پائی جاتی ہے۔ اسی طرح سورہ النساء اور سورہ الحج میں اس اعتبار سے مناسبت پائی جاتی ہے کہ دونوں سورتوں کا آغاز ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ﴾ کے صیغے سے ہوتا ہے۔ اسی طرح سبع الطوال، حوامیم اور مسبجات میں بھی مناسبت موجود ہے۔

بیان القرآن اور تفسیر الشعر اوی میں آیات اور سورتوں کے درمیان مناسبت کی مختلف صورتوں کو بیان کیا گیا ہے۔ اگلی مباحث میں ایسی چند صورتوں کے حوالے سے دونوں مفسرین کے منہج کو مثالوں کی روشنی میں تقابلی انداز میں پیش کیا جائے گا۔

(¹) الکہف: 1

مبحث اول

علم مناسبات میں ڈاکٹر اسرار احمد کا منہج

ڈاکٹر صاحب کے نزدیک قرآن فہمی کے لئے علم مناسبات کی اہمیت بہت زیادہ ہے اور یہ آپ کے اقوال اور تطبیق سے عیاں ہے۔ جیسا کہ گزشتہ فصل میں یہ بیان ہوا تھا کہ ڈاکٹر صاحب کے نزدیک قرآن کریم کی ایک تاویل خاص ہوگی اور ایک تاویل عام ہوگی اور تاویل عام کے اعتبار سے الفاظ اور ان کے معانی و مفہام اور پھر ان کی ترکیب پر غور کیا جائے گا۔ آیات کے سیاق و سباق اور باہمی ربط کو دیکھا جائے گا۔ سورتوں کے مضامین اور مناسبت پر غور ہوگا۔ اس پس منظر میں ایک سیاق و سباق متن کا ہوگا، جس سے ہمیں تاویل عام معلوم ہوگی اور ایک سیاق و سباق واقعات کا ہوگا، جس سے ہمیں ان آیات کی تاویل خاص معلوم ہوگی۔¹

اسی طرح ایک اور مقام پر آپ رقم طراز ہیں:

"بہر حال سورتوں کا جوڑا ہونا سورتوں کا گروپ کی شکل میں ہونا ان گروپس کا اپنا ایک عمود اور ایک مرکزی مضمون ہونا، پھر اس کے دورخ بن جانا جو اس کی کمیات اور مدنیات میں آتے ہیں۔ قرآن مجید کی علم و حکمت کے خزانے کے وہ دروازے ہیں جو اب کھلے ہیں۔ اس طرح کے دروازے ہر دور میں کھلتے رہے ہیں اور آئندہ بھی کھلتے رہیں گے۔ چنانچہ قرآن مجید پر تندر اور تدر تسلسل کے ساتھ جاری رہنا چاہیے۔"²

ذیل میں علم مناسبات کے بیان کے حوالے سے آپ کے منہج کو مثالوں کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کی جائے گی۔

الف۔ قرآن کریم کی سورتوں کے مابین عمومی مناسبت

مناسبات کی معروف صورتوں سے ہٹ کر ڈاکٹر صاحب نے بیان القرآن میں قرآن کریم کی سورتوں کی گروپنگ کا تصور پیش کیا ہے لیکن اگر غور کیا جائے تو یہ بھی قرآن کریم کی عمومی مناسبت ہی کی ایک صورت ہے جس میں قرآن کریم کی سورتوں کے مابین مرکزی مضمون کی نسبت سے ربط بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس مناسبت کا اہتمام بیان القرآن میں بہت نمایاں ہے البتہ اس حوالے سے شعر اوی صاحب بالکل خاموش ہیں۔ قرآن حکیم کی سورتوں کی یہ گروپنگ مولانا حمید الدین فراہی کے تصور "نظم قرآن" کی ایک شاخ ہے جسے مولانا امین احسن اصلاحی نے شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا اور پھر ڈاکٹر صاحب نے اسے بیان القرآن کی زینت بنایا ہے۔ اس تصور کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک سورت یا زائد سورتوں کے کسی مرکزی مضمون کا تعین کیا جائے جس سے وہ ایک سورت یا متعدد سورتیں کسی

(¹) بیان القرآن، ص: 65/1

(²) ایضاً، 46/1

مرکزی مضمون کی مناسبت کی بنا پر ایک وحدت بن جائیں اور کلام کا مفہوم مربوط اور ایک ہی مرکزی مضمون کا حامل نظر آئے۔¹

سورتوں کے گروپس:

ڈاکٹر اسرار احمد کے نزدیک تلاوت کے لئے سات منزلوں کے علاوہ قرآن حکیم میں سورتوں کی ایک معنوی گروپنگ بھی ہے اور اس اعتبار سے بھی سورتوں کے سات گروپس ہیں۔ ہر گروپ کی سورت سے شروع ہوتا ہے اور اگلی کی سورت سے قبل ختم ہو جاتا ہے جیسے سورۃ الفاتحہ کی سورت ہے جہاں سے پہلا گروپ شروع ہوتا ہے اور سورۃ المائدہ کے اختتام پر یہ گروپ ختم ہوتا ہے کیونکہ آگے سورۃ الانعام ہے جو مکی ہے لہذا وہاں سے نیا گروپ شروع ہوتا ہے۔ اسی طرح ہر گروپ میں ایک یا ایک سے زیادہ مکی سورتیں اور اس کے بعد ایک یا ایک سے زیادہ مدنی سورتیں ہیں۔ ہر گروپ کا مرکزی مضمون اور عمود ہے۔ جس کا ایک رخ مکی سورتوں میں اور دوسرا رخ مدنی سورتوں میں آ جاتا ہے۔² محترم ڈاکٹر صاحب کے نزدیک قرآن حکیم میں سورتوں کی معنوی گروپنگ کچھ اس طرح سے ہے:

پہلا گروپ: (سورۃ الفاتحہ تا سورۃ المائدہ)

اس گروپ میں ایک مکی سورت یعنی سورۃ الفاتحہ ہے جبکہ چار مدنی سورتیں ہیں یعنی سورۃ البقرہ، سورۃ آل عمران، سورۃ النساء اور سورۃ المائدہ۔ سورۃ الفاتحہ منفرد سورت ہے جو حجم کے اعتبار سے سب سے چھوٹی لیکن اپنے مقام و مرتبے اور فضیلت کے لحاظ سے بہت بڑی ہے۔ سورۃ الفاتحہ کا کوئی جوڑا نہیں ہے البتہ اس کے بعد جو چار سورتیں ہیں یہ جوڑوں کی شکل میں ہیں۔ سورۃ البقرہ اور سورۃ آل عمران ایک جوڑا ہے۔ جبکہ سورۃ النساء اور سورۃ المائدہ دوسرا جوڑا ہے۔³

اس گروپ کی سورتوں کے مابین مضامین کا ربط اس طرح ہے کہ سورۃ الفاتحہ اپنے اسلوب کے لحاظ سے دعائیہ اسلوب کی حامل ہے۔ جس میں انسان عاجزانہ طور پر اللہ سبحان و تعالیٰ کے حضور سیدھے راستے کی دعا کرتا ہے۔ اس دعا کا جواب پورے قرآن مجید کی شکل میں عطا فرمایا گیا ہے۔⁴ مدنی سورتوں میں دو مضامین متوازی چلتے ہیں یعنی اہل کتاب سے خطاب اور احکام شریعت۔ سورۃ البقرہ میں یہود اور سورۃ آل عمران میں نصاریٰ سے خطاب ہے جبکہ احکام شریعت

(1) حافظ انس نضر، حمید الدین فراہی اور جمہور کے اصول تفسیر: تحقیقی اور تقابلی مطالعہ، مقالہ برائے پی ایچ ڈی، علوم اسلامیہ، شیخ زاہد اسلامک سینٹر، پنجاب

یونیورسٹی، لاہور، سیشن: 2003ء، ص: 195

(2) بیان القرآن، ص: 44/1

(3) ایضاً، ص: 119/1

(4) بیان القرآن، ص: 102/1

کے ضمن میں شریعت کا بلیو پرنٹ سورۃ البقرۃ میں ہے۔ سورہ آل عمران اور سورۃ النساء میں اس کے اندر مزید اضافہ ہوتا ہے یہاں تک کہ سورۃ المائدۃ میں شریعت کے تکمیلی احکام آتے ہیں۔¹

دوسرا گروپ: (سورۃ الانعام تا سورۃ التوبہ)

اس گروپ میں دو سورتیں سورۃ الانعام اور سورۃ الاعراف مکی جبکہ سورۃ الانفال اور سورۃ التوبہ مدنی ہیں۔ اس گروپ کا مرکزی مضمون ایمان بالرسالت ہے۔ مکی سورتوں میں مشرکین عرب پر رسول اللہ ﷺ کی مسلسل دعوت کے ذریعے اتمام حجت کا بیان ہے اور مدنی سورتوں میں اس اتمام حجت کے نتیجے میں ان لوگوں پر عذاب کا تذکرہ ہے۔²

تیسرا گروپ: (سورۃ یونس تا سورۃ النور)

تیسرے گروپ میں سورۃ یونس سے سورۃ المؤمنون تک چودہ مکی سورتیں ہیں۔ اس کے بعد سورۃ النور کی شکل میں ایک سورت مدنی ہے۔ اس گروپ کا مرکزی مضمون بھی ایمان بالرسالت ہے۔ اس گروپ کی مکی سورتوں میں سے اکثر و بیشتر پہلی دو سورتیں جوڑے کی شکل میں جبکہ تیسری سورت مضمون کے اعتبار سے منفرد ہوتی ہے۔ جیسے سورہ یونس اور سورہ ہود کے بعد سورہ یوسف اپنے مزاج کے اعتبار سے منفرد ہے جس میں قصص النبیین کے باب سے حضرت یوسف علیہ السلام کا مکمل واقعہ بیان ہوا ہے۔ جبکہ مدنی سورۃ النور میں معاشرتی احکامات خصوصاً ستر و حجاب اور حدود کا بیان ہے۔³

چوتھا گروپ: (سورۃ الفرقان تا سورۃ الاحزاب)

چوتھے گروپ میں سورۃ الفرقان سے سورۃ السجدۃ تک مکیات ہیں۔ پھر احکامات پر مبنی ایک مدنی سورت سورۃ الاحزاب ہے جو معنوی اعتبار سے سورۃ النور کا جوڑا ہے۔ چوتھے گروپ کا مرکزی مضمون توحید ہے۔⁴

پانچواں گروپ: (سورۃ سبأ تا سورۃ الحجرات)

پانچویں گروپ میں سورۃ سبأ تا سورۃ الاحقاف مکیات ہیں، پھر تین سورتیں یعنی سورۃ محمد، سورۃ فتح اور سورۃ الحجرات مدنی ہیں۔ اس گروپ کا مرکزی مضمون ایمان باللہ یعنی توحید ہے۔ ان سورتوں میں توحید عملی کے تقاضوں کو ایک فرد سے تدریجاً اجتماعیت کی طرف بڑھایا گیا ہے۔ سورۃ الزمر میں توحید عملی کے ظاہری پہلو یعنی عبادت اور سورۃ

(¹) بیان القرآن، ص 120/1

(²) دیکھیے، ایضاً، 9/3 اور 207/3

(³) ایضاً، 4 ص: 10/

(⁴) ایضاً، 5 ص: 241/

المؤمن میں دعا کے بارے میں تاکید آئی ہے۔¹ پھر سورۃ حم السجدۃ میں دعوت توحید کا ذکر ہے۔ سورۃ الشوریٰ میں معاشرے کے اندر اجتماعی طور پر نظام توحید کے قیام یعنی اقامت دین کا حوالہ آتا ہے جبکہ اس گروپ کی مدنیات میں سورہ محمد میں نبی اکرم ﷺ کے مرحلہ اقدام کے آغاز کا ذکر ہے اور سورۃ الفتح میں اس کی تکمیل کا، جبکہ سورۃ الحجرات میں قائم ہونے والی اسلامی ریاست کا ڈھانچہ و اصول دیئے گئے ہیں۔²

چھٹا گروپ: (سورہ ق تا سورۃ التحریم)

چھٹے گروپ میں سورۃ ق تا سورۃ الواقعة سات کی سورتیں ہیں۔ جن کے بعد سورۃ الحديد تا سورۃ التحریم دس مدنی سورتیں ہیں۔ آخری دو گروپس کا مرکزی مضمون آخرت پر ایمان ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے بقول اس گروپ کی مدنی سورتیں موجودہ امت مسلمہ سے خطاب کے ضمن میں اہم ترین مقام ہیں۔ گویا موجودہ امت مسلمہ کے لئے ان دس سورتوں میں پورے قرآن کا عطر کشید کر کے رکھ دیا گیا ہے۔³

ساتواں گروپ: (سورۃ الملک تا سورۃ الناس)

ساتویں اور آخری گروپ میں پہلی 46 سورتیں مکی اور آخری دو سورتیں مدنی ہیں اور اس گروپ میں اکثر و بیشتر سورتیں وہ ہیں جو مکی دور کے پہلے چار سالوں میں نازل ہوئیں۔ اور ان کا مرکزی مضمون "انذار آخرت" ہے۔⁴ قرآن حکیم کی سورتوں کی یہ گروپنگ بیان القرآن کی امتیازی خصوصیت ہے۔ اگرچہ اس گروپنگ میں کچھ تکلف بھی معلوم ہوتا ہے جیسا کہ سورۃ النصر جمہور مفسرین کے نزدیک مدنی سورت ہے لیکن ڈاکٹر صاحب اسے مکی شمار کرتے ہیں۔ اسی طرح آپ نے ہر گروپ کا جو مرکزی مضمون متعین کیا ہے وہ بھی غور طلب ہے۔ بہر حال آپ کی اس کاوش سے تفسیر کا ایک نیا باب ضرور کھلا ہے جس میں مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔

ب۔ سورت کی داخلی مناسبت

بیان القرآن میں سورتوں کی داخلی مناسبت کے حوالے سے درج ذیل صورتیں ملتی ہیں:

1۔ مکمل سورت کی داخلی مناسبت

ڈاکٹر اسرار احمد کے نزدیک قرآن حکیم کی ہر سورت کا ایک مرکزی مضمون یا عمود ہے جس کے ساتھ اس کی

(1) اسی لئے سورہ زمزمی ﴿فَاعْبُدِ اللَّهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ﴾ کے الفاظ کی تکرار ہے جبکہ سورہ مومن میں ﴿فَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ﴾ کے الفاظ بار بار دہرائے گئے ہیں۔

(2) دیکھیے، بیان القرآن، 6/238 اور 6/386 اور 6/419

(3) ایضاً، ص: 118/7

(4) ایضاً، 10/7

تمام آیات مربوط ہیں اور سورت ایک وحدت میں ڈھل گئی ہے۔، جیسے ایک ہار کی ڈوری ہے اور اس میں موتی پروئے ہوئے ہیں۔ اسی سبب بیان القرآن میں عام طور پر سورت کے آغاز میں مرکزی مضمون کا تعین کیا جاتا ہے اور اسی کی نسبت سے دیگر مضامین کا حوالہ بھی دیا جاتا ہے۔ اسی طرح اس سورت کا اپنے متعلقہ گروپ میں مقام بھی واضح کیا گیا ہے۔ البتہ تمام سورتوں کے حوالے سے یکساں منہج نہیں اپنایا گیا، بعض جگہ تفصیل اور بعض جگہ بہت اختصار سے کام لیا گیا ہے۔ اس ضمن میں بیان القرآن سے ایک مثال درج ذیل ہے:

مثال: سورۃ البقرۃ کی داخلی مناسبت

ڈاکٹر صاحب کے نزدیک سورۃ البقرۃ قرآن حکیم کی سورتوں کے جس گروپ میں موجود ہے اس کا مرکزی مضمون "احکام شریعت" ہے۔ سورۃ البقرہ کی آیات میں باہمی مناسبت اس اعتبار سے ہے کہ یہ سورت "سورۃ الامتین" یعنی دو امتوں والی سورت ہے اور اس کے نصف اول یعنی اٹھارہ رکوعات میں سابقہ امت مسلمہ یعنی بنی اسرائیل سے خطاب ہے، جن میں سے پہلے چار رکوع تمہیدی ہیں جبکہ اگلے دس رکوع میں براہ راست بنی اسرائیل سے خطاب ہے جس میں ایک چارج شیٹ تیار کی گئی ہے کہ اللہ نے تم پر فلاں فلاں احسان کیا اور تم اس کے باوجود یہ یہ جرم کرتے رہے۔ پھر اگلے چار رکوع تحویلی ہیں جن میں بنی اسرائیل کو ان کے جرائم کی پاداش میں منصب سے معزول کیا جا رہا ہے اور امت مسلمہ کی تاج پوشی (تحویل قبلہ کی صورت میں) کی جارہی ہے۔ اس سورت کا نصف ثانی جو بائیس رکوع پر مشتمل ہے اور اس میں براہ راست خطاب نئی امت یعنی امت مسلمہ سے ہے اور اس حصے میں چار مضامین یعنی عبادات، احکام شریعت یعنی حلال و حرام اور عائلی قوانین، اتفاق فی سبیل اللہ اور قتال فی سبیل اللہ کی لڑیاں چل رہی ہیں۔ یہ چاروں لڑیاں تانے بانے کی طرح بنی ہوئی ہیں۔ لیکن اسی بُنتی میں بہت بڑے بڑے پھول موجود ہیں۔ یہ پھول قرآن مجید کی عظیم ترین اور طویل آیات ہیں، جن کی نمایاں ترین مثال آیت الکرسی کی ہے۔¹

2۔ رکوع کی داخلی مناسبت

تفسیر الشعر اوی کے برخلاف بیان القرآن میں عام طور پر مکمل رکوع کی تفسیر بیان کی گئی ہے اسی طرح متعدد مقامات پر ڈاکٹر صاحب نے رکوعات کے مضامین اور ان کے باہمی ربط کو بیان کرنے کا اہتمام بھی کیا گیا ہے۔

مثال: سورۃ الحج کے آخری رکوع کی مناسبت

مثال کے طور پر سورۃ الحج کے آخری رکوع کے باہمی ربط کو ڈاکٹر صاحب نے بہت خوبصورتی سے بیان فرمایا ہے کہ اس میں قرآنی دعوت کو دو حصوں یعنی دعوت عمومی اور دعوت خصوصی میں تقسیم کر کے بیان فرمایا گیا ہے۔ قرآن کی دعوت عمومی میں ”يَا أَيُّهَا النَّاسُ“ کے صیغہ خطاب سے تمام انسانوں کو دراصل ایمان کی دعوت دی گئی ہے

(¹) بیان القرآن، ص: 242/1

اور اس میں دعوت عمل کا ذکر نہیں ہے۔ کیونکہ جو انسان اللہ، رسول اور قرآن کو نہیں مانتا اس کے لیے نماز اور روزہ کی کیا اہمیت ہو سکتی ہے! اس کے بعد خصوصی دعوت کا درجہ ہے اور اس کے مخاطب وہ لوگ ہیں جو پہلی دعوت یعنی دعوت ایمان پر لبیک کہتے ہیں۔ لہذا آخری دو آیات میں ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا“ کے صیغہ خطاب کے ساتھ اہل ایمان کو دعوت عمل دی گئی ہے۔¹

بلاشبہ ڈاکٹر صاحب نے سورۃ البقرہ کی داخلی مناسبت اور سورۃ الحج کے آخری رکوع کا باہمی ربط نہایت منطقی انداز میں بیان فرمایا ہے جس سے ایک قاری کو فہم اور حفظ مضامین میں بہت سہولت رہتی ہے البتہ یہ تفسیر بالرائے کی قبیل سے ایک اجتہادی کوشش ہے لہذا یہاں تفسیر بالرائے محمود کی تمام شرائط کو ملحوظ خاطر رکھنا ہوگا اور اسے ترجیحات میں تو شمار کیا جاسکتا ہے لیکن اس بنیاد پر حتمی رائے نہیں قائم کی جاسکتی کیونکہ قرآن کریم علم و حکمت کا خزانہ ہے اور عمومی طور پر ہر مفسر کی ذاتی ترجیحات اس کی تفسیر پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ اور کسی سورت کے مرکزی مضمون کے تعین میں فکری پس منظر اور ترجیحات کا غلبہ بسا اوقات مفسر کو تکلف کے درجے تک پہنچا دیتا ہے۔ اگرچہ یہ بات بھی قابل تسلیم ہے کہ مذکورہ مثالوں میں ڈاکٹر صاحب نے جو وضاحت فرمائی ہے وہ درست معلوم ہوتی ہے اور یہ حسرت بھی ہوتی ہے کہ کاش ڈاکٹر صاحب اسی طرح کی کاوش قرآن کریم کی تمام سورتوں اور تمام رکوعات کے لئے فرما جاتے۔ رحمہ اللہ

3۔ دو متصل آیات کے مابین مناسبت

بیان القرآن میں دو متصل آیات کے مابین مناسبت کا ذکر نہ ہونے کے برابر ہے اور ہر آیت کی تفسیر اکثر براہ راست شروع ہوتی ہے۔ البتہ بعض مقامات پر عدم صراحت کے ساتھ آیات کا باہمی ربط بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً قول باری تعالیٰ:

﴿ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ﴾ ﴿وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا وَادْعُوهُ خَوْفًا وَطَمَعًا إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ﴾²

(ترجمہ: اپنے پروردگار کو گرگڑاتے ہوئے اور چپکے چپکے پکارو۔ یقیناً وہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا، اور زمین میں (حالات کی) درستی کے بعد ان میں بگاڑ پیدا نہ کرو۔ اور اللہ کو خوف اور امید سے پکارو۔ یقیناً اللہ کی رحمت نیک کردار لوگوں سے قریب ہے)

(¹) بیان القرآن، ص: 152/5

(²) الاعراف، 55-56

ڈاکٹر صاحب کے نزدیک ان دونوں آیات کے مابین ربط اس طرح ہے کہ پہلے اللہ کو پکارنے، دعا کرنے کی دو حدیں بیان کی گئی ہیں اور پھر بندے اور اللہ کے تعلق کے ضمن میں مزید فرمایا گیا کہ اللہ کے ساتھ تمہارا معاملہ خوف اور امید کے درمیان رہنا چاہیے۔ لہذا فرمایا کہ اللہ سے دعا کرتے ہوئے تمہاری دلی اور روحانی کیفیت ان دونوں کے بین ہونی چاہیے۔¹

ایک قاری کے لئے یہ بات حیران کن ہے کہ ایک جانب تو ڈاکٹر صاحب نے سورتوں کی گروپنگ، عمود و مرکزی مضمون حتیٰ کہ رکوعات کے مضامین و باہمی ربط کو بھی بیان کیا ہے جبکہ دوسری جانب بیان القرآن میں بہت کم مقامات پر ہی آیات کا ماقبل اور مابعد آیات کے ساتھ ربط بیان کیا گیا ہے اور جہاں ایسا کیا بھی ہے وہاں صراحت نہیں فرمائی گئی۔ اس کا سبب شاید ڈاکٹر صاحب کی جانب سے علم مناسبات کے ضمن میں صرف فراہی صاحب اور اصلاحی صاحب کی فکر پر انحصار کرنا ہے۔

ج۔ دو مختلف سورتوں کے مابین مناسبت کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب کا منہج

بیان القرآن اور تفسیر الشعر اوی میں متعدد مقامات پر دو سورتوں کے مابین مناسبت کو بیان کیا گیا ہے۔ البتہ دو مختلف سورتوں کے مابین مناسبت کو ڈاکٹر صاحب نے صرف ان سورتوں کے حوالے سے بیان کیا جن میں مناسبت بہت نمایاں ہے جبکہ شعر اوی صاحب نے اکثر و بیشتر سورتوں کے مابین مناسبت اور اس کی مختلف جہتوں کو بیان کیا ہے۔ (اس کی تفصیل اگلی بحث میں آئے گی)

ڈاکٹر اسرار صاحب نے سورتوں کے مابین مناسبت کو نسبت زوجیت کا نام دیا ہے۔ آپ کے نزدیک قرآن حکیم کی متعدد سورتیں جوڑے کی صورت میں نازل ہوئی ہیں اور ان کے مابین نسبت زوجیت بہت نمایاں ہے۔ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ بعض پہلوؤں سے آپس میں باہم متشابہ ہونے کے علاوہ وہ تکمیلی خصوصیت کی بھی حامل ہیں۔ یعنی دونوں مل کر کسی خاص مقصد کی تکمیل کرتی ہیں۔² اس حوالے سے ایک مثال ذیل میں بیان کی جا رہی ہے:

مثال: سورۃ البقرۃ اور سورۃ آل عمران میں نسبت زوجیت

ڈاکٹر صاحب نے سورۃ البقرۃ اور سورۃ آل عمران میں موجود نسبت زوجیت کو مختلف زاویوں سے بیان فرمایا ہے۔ ذیل میں اس کا ذکر کیا جا رہا ہے:

(1) دونوں سورتوں کے نام میں مناسبت

آپ کے نزدیک سورۃ البقرۃ اور سورۃ آل عمران کا جوڑا ہے اور ان کے نام میں یہ مناسبت ہے کہ دونوں کو

(1) بیان القرآن، ص: 129/3

(2) ایضاً، ص: 46/1 اور 7/2

رسول اللہ ﷺ نے "الزہراوین" کا نام عطا فرمایا ہے یعنی یہ دو انتہائی تابناک اور روشن سورتیں ہیں۔¹

(2) دونوں سورتوں کے آغاز و اختتام میں مناسبت

ڈاکٹر صاحب کے مطابق سورۃ البقرۃ اور سورہ آل عمران کے آغاز و اختتام میں مناسبت کے بہت سے نمایاں پہلو ہیں، مثلاً دونوں سورتیں حروف مقطعات یعنی "الم" سے شروع ہوتی ہیں اور دونوں کے آغاز میں قرآن مجید کی عظمت کا بیان ہے۔ پھر ان دونوں سورتوں کے اختتام پر بڑی عظیم آیات آئی ہیں۔ سورۃ البقرۃ کی آخری آیت ﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا --- ﴿ کو قرآن حکیم کی عظیم ترین دعاؤں میں سے شمار کیا جاسکتا ہے۔ سورہ آل عمران کے آخری رکوع میں بھی ایک نہایت جامع دعا ﴿رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا -- ﴿ آئی ہے جو تین چار آیتوں میں پھیلی ہوئی ہے۔²

(3) دونوں سورتوں کے مضامین میں مناسبت

سورۃ البقرۃ اور سورہ آل عمران کے مضامین میں مناسبت بہت نمایاں ہے جس کا بیان اکثر و بیشتر مفسرین نے کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب اس جانب توجہ مبذول کرواتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"سورۃ البقرۃ" سُورَةُ الْأَمْتَيْنِ "ہے، یعنی اس میں دو امتوں سے خطاب ہے تو یہی معاملہ سورۃ آل عمران کا بھی ہے۔ فرق یہ ہے کہ سورۃ البقرۃ میں زیادہ گفتگو یہود کے بارے میں ہے جبکہ سورہ آل عمران میں زیادہ زور نصاریٰ سے خطاب پر ہے۔ اس طرح اہل کتاب سے گفتگو سے متعلق جس مضمون کا آغاز سورۃ البقرۃ میں ہوا تھا سورہ آل عمران میں آکر اس کی تکمیل ہو گئی ہے۔"³

(4) تقسیم و ترتیب میں مشابہت

ڈاکٹر صاحب کے مطابق سورۃ البقرۃ کے تقریباً مساوی دو حصے ہیں۔ پہلا نصف اٹھارہ رکوع یعنی 152 آیات پر مشتمل ہے جس میں یہود سے خطاب ہے جبکہ نصف ثانی 22 رکوع لیکن 134 آیات پر مشتمل ہے جس میں امت مسلمہ سے خطاب ہے۔ یہی صورت حال سورہ آل عمران کی بھی ہے۔ سورہ آل عمران کے بھی دو مساوی حصے ہیں۔ اس کے کل بیس رکوع ہیں۔ نصف اول میں دس رکوع یعنی 101 آیات ہیں جن میں خطاب نصاریٰ سے ہے اور نصف ثانی میں دس رکوع یعنی 99 آیات ہیں جن کی مخاطب امت مسلمہ ہے۔⁴

(1) بیان القرآن، ص: 120/1

(2) ایضاً، ص: 7/2

(3) ایضاً

(4) ایضاً

سورتوں کے گروپس کی طرح ڈاکٹر صاحب کی یہ رائے بھی مضامین سورت کا خاکہ ذہن نشین کرنے میں ضرور معاون ہے لیکن حتمی نہیں ہو سکتی کیونکہ اس میں بہت سے استثناءات کی ضرورت پیش آتی ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ سورۃ البقرۃ یا سورہ آل عمران کے نصف اول میں مکمل خطاب یہود یا نصاریٰ سے ہی ہے اور نصف ثانی میں مکمل خطاب امت مسلمہ سے ہے۔

(5) الفاظ و جملوں کی مشابہت

ڈاکٹر صاحب نے سورۃ البقرۃ اور سورہ آل عمران میں نسبت زوجیت کے حوالے سے اس طرف بھی رہنمائی فرمائی ہے کہ دونوں سورتوں کے الفاظ اور جملوں میں بھی مشابہت پائی جاتی ہے یہاں تک کہ بعض مقامات پر تو الفاظ بھی وہی آرہے ہیں، وہی انداز ہے۔ مثال کے طور پر سورۃ البقرۃ کی آیت 136 میں فرمایا گیا ہے: (اے مسلمانوں!) تم کہو ہم ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور جو کچھ ہم پر نازل کیا گیا اور جو کچھ ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب پر اور اولاد یعقوب پر نازل کیا گیا۔ بالکل یہی مضمون سورہ آل عمران کی آیت 84 میں آیا ہے۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر بھی دونوں سورتوں میں ملتا ہے۔¹

دونوں سورتوں کے مابین مناسبت کے دیگر پہلوؤں کو بھی ڈاکٹر صاحب نے بیان فرمایا ہے۔ غرضیکہ ماننا پڑے گا کہ ڈاکٹر صاحب نے سورۃ البقرۃ اور سورہ آل عمران کی باہمی مناسبت کو بہت خوبصورتی اور تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ البتہ ایسی تفصیل آپ نے اور سورتوں کے حوالے سے بیان نہیں فرمائی۔ البتہ کسی قدر نسبت زوجیت ان کے علاوہ بھی چند ایک سورتوں کی مناسبت کے حوالے سے بیان فرمائی ہے۔ جس کی ایک مثال سورۃ الاسراء اور سورۃ الکہف ہیں۔²

¹ ایضاً، ص: 8/2

² ایضاً، ص: 4/281، 4/341

مبحث دوم

علم مناسبات میں امام شعر اوی کا منہج

امام شعر اوی نے اپنی تفسیر میں علم مناسبات کو خصوصی اہمیت دی ہے۔ آپ علم المناسبات کے متعلق فرماتے ہیں:

"وعندما نمنع النظر في آيات القرآن نجد أن هناك آية قد تتقدم وآية قد تتأخر، وآية قد تأتي في الوسط، ونجد أن الآية الوسطى، مرتبطة بتداعي المعاني بالآية التي قبلها، ومرتبطة بتداعي المعاني بالآية التي بعدها، ولذلك لترتوي وتتغذى كل ملكات الإنسان"¹

(ترجمہ: جب ہم قرآن کریم پر نظر ڈالتے ہیں تو یہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ ایک آیت کی تقدیم ہوئی اور دوسری آیت پیچھے رکھی گئی۔ اور ان دونوں کے بیچ ایک اور آیت ہے جو معنی کے اعتبار سے سابقہ آیت اور بعد والی آیت سے بھی مربوط ہے اور یہ اس لئے کہ انسانی سرشت کے تمام حواس اپنی پیاس بجھائیں اور کسی نفس کو کمی نہ رہ جائے۔)

اسی لئے جب شعر اوی کی تفسیر کا مطالعہ کیا جائے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ وہ مناسبات قرآنی کے بیان کا بھرپور اہتمام کرتے ہیں اور اس کا تذکرہ ایک متوسط اور معتدل انداز میں کرتے ہیں جس میں نہ ہی مبالغہ آرائی ہے اور نہ ہی اعراض ہے۔ ذیل میں چند مثالوں کی روشنی میں شعر اوی کے اس منہج کو بیان کیا جا رہا ہے جو انہوں نے آیات اور سورتوں کی مناسبت کے بیان میں اپنایا ہے۔

الف۔ سورتوں کی داخلی مناسبت کے حوالے سے تفسیر الشعر اوی کا منہج

شعر اوی صاحب نے ڈاکٹر صاحب کے برعکس علم مناسبات میں عام مفسرین کا اسلوب اپناتے ہوئے مناسبات بین السور والآیات کی معروف صورتوں کو بیان کیا ہے۔

(1) دو متصل آیات کے مابین مناسبت

بیان القرآن کے برعکس تفسیر الشعر اوی میں عمومی طور پر آیات ماقبل اور آیت مابعد کے درمیان مناسبت کو

بیان کرنے کا پورا اہتمام کیا گیا ہے، مثال کے طور پر قول باری تعالیٰ:

﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ﴾²

(1) تفسیر الشعر اوی، ص: 1612/3

(2) البقرة: 179

(ترجمہ: اور اے اہل دانش! تمہارے لیے قصاص ہی میں زندگی ہے۔ (اور یہ قانون اس لیے فرض کیا گیا ہے) کہ تم ایسے کاموں سے پرہیز کرو۔ تم پر فرض کر دیا گیا ہے کہ اگر تم میں سے کسی کو موت آجائے اور وہ کچھ مال و دولت چھوڑے جا رہا ہو تو مناسب طور پر اپنے والدین اور رشتہ داروں کے حق میں وصیت کر جائے۔ (ایسی وصیت کرنا) پرہیزگاروں کے ذمہ حق ہے)

کی تفسیر کے دوران شعر اوی نے دونوں آیتوں کے مابین مناسبت کو بہت حکیمانہ انداز سے بیان فرمایا ہے کہ دونوں آیات میں اللہ تعالیٰ نے دو الگ معاشرتی مسئلوں کو نمٹایا ہے۔ پہلی آیت میں جرائم سے واقع ہونے والی موت کا مسئلہ بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ ہمیں طبعی موت کے متعلق ہدایت فرماتے ہیں۔ گویا پہلی آیت میں معاشرے میں عقابی و جنائی توازن قائم کیا گیا اور دوسری آیت میں معاشرے میں اقتصادی توازن قائم رکھنے کے حوالے سے رہنمائی کی گئی ہے۔¹

اسی طرح قول باری تعالیٰ:

﴿وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا﴾²

(ترجمہ: اور جو شخص کسی مومن کو دیدہ دانستہ قتل کرے تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہے اور اللہ نے اس کے لیے بہت بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے)

اور اس سے اگلی آیت:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَتَبَيَّنُوا وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَى إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللَّهِ مَغَانِمُ كَثِيرَةٌ كَذَلِكَ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوا إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا﴾³

(ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم اللہ کی راہ میں سفر کرو (جہاد پر نکلو) تو اگر کوئی شخص تمہیں سلام کہے تو اسے یہ نہ کہا کرو کہ تم تو مومن نہیں بلکہ اس کی تحقیق کر لیا کرو۔ اگر تم دنیا کی زندگی کا سامان چاہتے ہو تو اللہ کے ہاں بہت سے اموال غنیمت ہیں۔ اس سے پہلے تمہاری اپنی بھی یہی

(¹) تفسیر الشعر اوی: 754/2

(²) النساء: 93

(³) النساء: 94

صورت حال تھی۔ پھر اللہ نے تم پر احسان کیا، لہذا تحقیق ضرور کر لیا کرو۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو یقیناً اللہ اس سے خبردار ہے)

کے ربط کے متعلق شعر اوی فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے پہلے ہم پر قتل کی تمام صورتیں اور رنگ واضح کر دیئے، چاہے وہ ایک مباح قتل ہو جیسا کہ مسلمانوں کا میدان جنگ میں کفار کو قتل کرنا یا قتل عمد ہو یا قتل خطا ہو یا قتل شبہ عمد ہو، اور ہمیں متنبہ کر دیا کہ اب تم پر واجب ہے کہ تم اس مسئلے میں احتیاط برتو! یہاں تک کہ اگلی آیت میں یہ حکم دیا کہ اس چیز کی چھان بین کر لو کہ تمہاری تلواریں تمہارے مسلمان بھائیوں کی گردنوں پر تو نہیں پڑ رہی ہیں۔¹

مذکورہ آیات کی طرح شعر اوی نے اکثر و بیشتر آیات کی باہمی مناسبت کو بیان کیا گیا ہے۔

(2) دو آیتوں میں تقابل سے مناسبت کا بیان

قرآن کریم میں بعض مقامات پر دو متضاد معاملات کو بغرض تقابل اکٹھا بیان کیا جاتا ہے، جیسے اہل ایمان اور کفار کے ساتھ پیش آنے والا دنیاوی یا اخروی معاملہ ہو یا جنت اور جہنم کا ذکر ہو وغیرہ۔ تفسیر الشعر اوی میں ایسے بعض مقامات پر آیات کے درمیان مناسبت کو تقابل کی شکل میں بیان کیا گیا ہے جیسا کہ قول باری تعالیٰ:

﴿الْمُنَافِقُونَ وَالْمُنَافِقَاتُ بَعْضُهُمْ مِنْ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوفِ وَيَقْبِضُونَ أَيْدِيَهُمْ نَسُوا اللَّهَ فَنَسِيَهُمْ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾²

(ترجمہ: منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک دوسرے کے ہم رنگ ہیں برائی کا حکم دیتے ہیں اور بھلائی سے روکتے ہیں اور اپنے ہاتھ خیر سے روکے رکھتے ہیں یہ اللہ کو بھول گئے تو اللہ نے بھی انہیں بھلا دیا یقیناً یہ منافق ہی فاسق ہیں)

کی تفسیر میں شعر اوی نے اس جانب اشارہ کیا ہے کہ ان دونوں آیتوں میں مناسبت اس اعتبار سے ہے کہ جب پہلی آیت میں منافقین کی صفات بیان کی گئیں تو یہ مناسب تھا کہ منافقین کی صفات کا تقابل مومنین کی صفات سے کیا جائے اور مناسبت کی یہ صورت ایک ضد کا دوسری ضد سے تقابل کرنا ہے کیونکہ ایک ضد کا دوسری ضد سے تقابل دونوں کو ظاہر کر دیتا ہے۔ لہذا اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا:

﴿وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾³

(¹) تفسیر الشعر اوی، ص: 2553/4

(²) التوبہ: 67

(³) النساء، آیت 71

(ترجمہ: مومن مرد اور مومن عورتیں، یہ سب ایک دوسرے کے رفیق ہیں، بھلائی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی رحمت نازل ہو کر رہے گی، یقیناً اللہ سب پر غالب اور حکیم و دانہ ہے)¹

(3) آیت کے فواصل کے درمیان مناسبت

تفسیر الشعراوی میں آیات کے فواصل کے درمیان بھی مناسبت بیان کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر قول باری تعالیٰ:

﴿وَمَنْ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ﴾²

(ترجمہ: اور لوگوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو اللہ کی رضا جوئی کے لیے اپنی جان تک (کھپا دیتا) ہے۔ اور (ایسے) بندوں پر اللہ بڑا مہربان ہے)

کی تفسیر میں شعراوی فرماتے ہیں:

"ويقول الحق: {والله رءوفٌ بالعباد} وما العلاقة بين ما سبق وبين رءوف بالعباد؟ مادام الله رءوفاً بالعباد فلم يشأ الله أن يجعل ذلك أمراً كلياً في كل مسلم، وإنما جعلها فلتات لتثبت صدق القضية الإيمانية، لأنه لا يريد أن يضحى كل المسلمين بأنفسهم، وإنما يريد أن يستبقي منا أناساً يحملون الدعوة."³

(ترجمہ: حق تعالیٰ نے فرمایا: {والله رءوفٌ بالعباد} لیکن جو پہلے گزرا اور (رءوفٌ بالعباد) میں کیا تعلق ہے؟ جب تک اللہ تعالیٰ تمام بندوں پر مہربان ہے اور اللہ نے یہ نہیں چاہا کہ اسے ہر مسلم کے حق میں امر کلی بنا دے بلکہ اس نے اس مہربانی کو ایک غیر متوقع چیز رکھنا کہ قضیہ ایمانی مضبوط ہو کیونکہ وہ یہ نہیں چاہتا کہ مسلمان اسے خود تک روک لیں بلکہ وہ یہ چاہتا ہے کہ لوگ دعوت کا کام جاری رکھیں۔)

(4) سورت کے افتتاح اور خاتمہ میں مناسبت

سورة البقرة کی تفسیر کرتے ہوئے شعراوی جب آخری آیت کے ان الفاظ پر پہنچے:

﴿أَنْتَ مُؤَلَّنَا فَاَنْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ﴾⁴

(ترجمہ: تو ہی ہمارا مولیٰ ہے لہذا کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما)

(1) تفسیر الشعراوی، ص: 5286/9

(2) البقرة: 207

(3) تفسیر الشعراوی، ص: 877/2

(4) البقرة: 286

تو فرمایا کہ سورت کے آغاز میں اللہ تعالیٰ نے کفار اور منافقین کی مثال بیان کی اور اس کے خاتمہ پر اہل ایمان کی زبان سے کہلوا یا: ﴿اَنْتَ مَوْلَانَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ﴾ اور یہ قول معرکہ کفر و ایمان کے دوام پر دلالت کرتا ہے۔¹

(5) سورت کے نام اور سورت کے درمیان مناسبت

قرآن کریم کی ہر سورت کا نام اس سورت میں مذکور ہی کسی ایک یا زائد الفاظ پر مبنی ہوتا ہے لہذا اس سورت سے اس کی نسبت فطری ہے البتہ ہر سورت کے نام کو اس کا مرکزی مضمون نہیں قرار دیا جاسکتا۔ سورتوں اور ان کے ناموں کے مابین مناسبت کے ضمن میں شعر اوی سورۃ الاعراف اور سورۃ الانفال کے ناموں کے متعلق فرماتے ہیں:

"وبذلك تختتم سورة الاعراف، والتسمية للسورة في ذاتها متناسبة؛ لأن «الاعراف» هو المكان العالي البارز الذي يجلس عليه القوم من تساوت حسناتهم وسيئاتهم لينظروا إلى أهل الجنة وينظروا إلى أهل النار، وهكذا تكون الاعراف مكاناً يزيد في الارتفاع، وهي مأخوذة من «عرف الفرس»، وعرف الفرس أعلى شيء فيه، والأنفال أيضاً هي الزيادة؛ ولذلك فإن التسمية متناسبة سواء بالنسبة لسورة الاعراف أو الأنفال"²

(ترجمہ: اور اس کے ساتھ یہاں پر سورۃ الاعراف ختم ہوئی اور اس سورت کا نام بھی اپنی ذات میں متناسب ہے کیونکہ (اعراف) وہ ظاہر و بلند مقام ہے جہاں پر وہ لوگ بیٹھیں گے جن کے گناہ اور نیکیاں برابر ہونگے تاکہ وہ اہل جنت اور اہل جہنم کی طرف دیکھ سکیں اور اس اعتبار سے اعراف وہ جگہ ہوگی جو مرتفع ہوگی اور یہ (عرف فرس) سے ماخوذ ہے اور عرف الفرس (گھوڑے کی گردن کے بال) اس کی سب سے بلند جگہ ہوتی ہے اور اسی طرح انفال کا معنی زیادہ کا ہوتا ہے لہذا اسی مناسبت سے سورۃ الاعراف اور سورۃ الانفال کے نام رکھے گئے ہیں۔)

مذکورہ مثالوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ شعر اوی نے اپنی تفسیر میں سورتوں کی داخلی مناسبت کی تقریباً تمام معروف سورتوں کو بیان کیا ہے اور اس میں اضافہ بھی کیا ہے البتہ سورتوں کے مرکزی مضمون یا پورے رکوع کے مرکزی مضمون اور ربط کو بیان نہیں فرمایا ہے۔ جبکہ اس اعتبار سے ڈاکٹر صاحب نے بعض سورتوں کے مرکزی مضمون اور اس کی عمومی تقسیم و ترتیب اور رکوعات کی داخلی مناسبت پر زیادہ توجہ دی ہے جبکہ ہر آیت کی اگلی یا پچھلی آیت سے کیا مناسبت ہے؟ اس کا اہتمام بہت کم کیا ہے۔ لہذا دونوں تفاسیر مل کر سورتوں کی داخلی مناسبت کا بہترین تصور فراہم کرتی ہیں۔

(1) تفسیر الشعر اوی، ص: 1249/2

(2) ایضاً، ص: 4051/7

ب۔ دو مختلف سورتوں کے مابین مناسبت

امام شعر اوی نے اکثر و بیشتر سورتوں کے مابین مناسبت بیان کرنے کا اہتمام کیا ہے۔ اور اس میں مناسبت کی مختلف جہتوں کو بھی بیان کیا ہے، خاص طور پر آپ اکثر سورتوں کے اختتام پر اگلی سورت سے مناسبت بیان کرتے ہیں اور اس سورت کی آخری آیت اور اگلی سورت کی پہلی آیت میں مناسبت کو بھی عیاں کرتے ہیں۔ مناسبت کی اس قسم کی ذیلی اقسام کو مثالوں کے ساتھ بیان کیا جا رہا ہے۔

(1) سورتوں کے فواتح اور اختتام میں مناسبت

قرآن کریم میں بعض سورتوں کے اختتام اور اگلی سورت کے آغاز کے درمیان مناسبت بہت واضح ہوتی ہے، شعر اوی نے ایسی سورتوں کے فواتح اور اختتام میں موجود مناسبت کو عام طور پر بیان کیا ہے۔ مثلاً شعر اوی نے سورۃ النساء اور سورۃ المائدہ کی ابتدائی آیت میں موجود ایفاءئے عہد کے حکم:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ--﴾¹

(ترجمہ: اے ایمان والو! اپنے معاہدات کو پورا کرو۔)

کے حوالے سے یہ وضاحت کی ہے کہ سورۃ النساء میں متعدد عقود کا بیان آیا ہے جس میں نکاح و صداق، وصیت، قرض و میراث وغیرہ شامل ہیں، یہاں تک کہ آخری آیت میں کلامہ کے احکام ہیں۔ لہذا حق سبحانہ و تعالیٰ سورۃ النساء کے بعد ہم سے فرماتے ہیں کہ تحقیق تم جان چکے ان عقود کو جو سورۃ النساء میں بیان ہوئے ہیں سوا ب ان کی حفاظت کرو اور انہیں پورا کرو۔²

اس کے علاوہ شعر اوی نے ان سورتوں کے مابین بھی مناسبت تلاش کرنے کی کوشش کی ہے جن میں مناسبت مخفی ہوتی ہے۔ جیسے سورۃ الاعراف کے اختتام اور سورۃ الانفال کے آغاز میں مناسبت ہے۔ سورۃ الاعراف کے اختتام میں ارشاد ہوا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيُسَبِّحُونَهُ وَلَهُ يَسْجُدُونَ﴾³

(ترجمہ: اور جو لوگ (فرشتے) آپ کے پروردگار کے ہاں موجود ہیں وہ کبھی اس کی بندگی سے

اگڑتے، وہ اس کی تسبیح کرتے اور اس کے آگے سجدہ کرتے رہتے ہیں)

اور سورۃ الانفال کے آغاز میں قول باری تعالیٰ ہے:

(¹) المائدہ: 1

(²) تفسیر الشعر اوی، ص: 2887/5

(³) الاعراف: 206

﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَنْفَالِ قُلِ الْأَنْفَالُ لِلَّهِ وَالرَّسُولِ فَأَتَقُوا اللَّهَ وَأَصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ وَأَطِيعُوا
اللَّهَ وَرَسُولَهُ إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾¹

(ترجمہ: لوگ آپ سے انفال (اموال زائدہ) کے متعلق پوچھتے ہیں۔ آپ ان سے کہئے کہ یہ اموال
زائدہ اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہیں۔ پس تم لوگ اللہ سے ڈرتے رہو اور اپنے باہمی تعلقات
درست رکھو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اگر تم مومن ہو)

ظاہری طور پر سورۃ الاعراف کے اختتام اور سورۃ الانفال کے آغاز میں مناسبت نہیں معلوم ہوتی البتہ
شعراوی نے یہاں معنوی مناسبت کا ذکر کیا ہے کہ شیطان کی اہم ترین مہمات میں سے یہ ہے کہ وہ وساوس کے ذریعے
مومنین میں تفریق ڈالے، لہذا جب مومنین اللہ اور اس چیز کو یاد کرتے ہیں جو اللہ نے اہل ایمان کے لئے تیار کر رکھی
ہے تو وہ اصلی حقیقت کو دیکھنے لگتے ہیں جو ہر چیز سے اعلیٰ ہے اور وہ اللہ پر ایمان ہے جو ہر اس چیز سے تصفیہ قلوب کا
مطالبہ کرتا ہے جو دلوں کو پراگندہ کرتی ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے لئے خالص اور صاف ہو جائیں۔²

(2) دو متصل سورتوں کے مضمون میں مناسبت

شعراوی نے ایسی سورتوں کے مابین مناسبت کو تو بیان کیا ہی ہے جن کے مضامین کے درمیان مناسبت بڑی
واضح ہوتی ہے جیسے سورۃ البقرۃ اور سورۃ آل عمران کے مضمون میں شعراوی کے نزدیک ایک مناسبت یہ پائی جاتی ہے
کہ سورۃ البقرۃ کے آغاز میں آدم علیہ السلام کی تخلیق و خلافت ارضی کا تذکرہ ہے اور سورۃ آل عمران میں تخلیق کی
ایک نئی قسم کا تذکرہ ہے، جو اگرچہ پہلی قسم سے ہی ہے، یعنی عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا ذکر ہے۔ جیسا کہ آدم کی
تخلیق بغیر ماں باپ کے ہوئی اب منطقی بات یہ تھی کہ ایک اور خلق کے متعلق بیان کیا جائے جو بغیر باپ کے وجود میں
آئی۔³

اس کے علاوہ سورتوں کے فوآخ اور اختتام کی طرح، بیان القرآن سے ایک قدم آگے بڑھتے ہوئے شعراوی
نے بعض ایسی سورتوں کے مضامین میں بھی مناسبت تلاش کرنے کی کوشش کی ہے جہاں مناسبت مخفی ہوتی ہے، مثلاً
سورۃ الفیل اور سورۃ القریش کی مناسبت کے متعلق شعراوی فرماتے ہیں:

"قرآن کریم میں سورۃ قریش سورۃ الفیل کے بعد درج ہے اور اس کا آغاز ﴿لَا يَلَافُ قُرَيْشٌ﴾ سے ہو رہا ہے یہ
لام اور ایلف کس کے لئے ہے؟ یہ لازم ہے کہ جار و مجرور سے شروع ہونے والے کلام (ایلاف) کے ساتھ

(1) الانفال: 1

(2) تفسیر الشعراوی، ص: 455/8

(3) ایضاً، ص: 1255/2

کوئی متعلق فعل ہو اور جب ہم سورۃ الفیل کی جانب دیکھتے ہیں ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اصحاب فیل کے ساتھ جو کرنا تھا وہ کیا اور انہیں ﴿كَعَصْفٍ مَّأْكُولٍ﴾ یعنی کھایا ہوا بھس بنا دیا، لیکن کیوں؟ اس لئے:

"﴿لَا يَلَافُ قُرَيْشٌ ، إِلَّا فِيهِمْ رَحْلَةَ الشَّتَاءِ وَالصَّيْفِ ، فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَذَا الْبَيْتِ ﴾¹ (ترجمہ: اس لیے کہ قریش کو مانوس کر دیا، ان کو جاڑے اور گرمی کے سفر سے مانوس کرنے کے باعث، ان کو اس گھر کے مالک کی عبادت کرنی چاہیے) کیونکہ اگر حق تعالیٰ ابرہہ کو اپنا گھر منہدم کرنے کی اجازت دے دیتا تو جزیرہ عرب میں قریش کی ہیبت ختم ہو جاتی کیونکہ بیت اللہ نے ان کی ہیبت بنا رکھی تھی۔"²

یہاں شعر اوی کی لغوی مہارت بھی عیاں ہے جس کی بنیاد پر آپ نے دونوں سورتوں میں ایک حسین ربط پیدا کیا ہے۔ گویا آپ کے نزدیک سورۃ الفیل سورۃ القریش کے لئے تمہید کی حیثیت رکھتی ہے۔ گزشتہ دو مباحث میں علم مناسبات کے حوالے سے شعر اوی صاحب اور ڈاکٹر صاحب کے منہج کو بیان کیا گیا ہے اب اگلی بحث میں اس حوالے سے دونوں کے موقف و منہج کا تقابل کیا جائے گا۔

(¹) القریش: 1-3

(²) تفسیر الشعر اوی، ص: 3735/5

مبحث سوم

علم مناسبات میں دونوں مفسرین کے منہج کا تقابلی جائزہ

گزشتہ دو مباحث میں مختلف مثالوں کی روشنی میں علم مناسبات کے حوالے سے دونوں مفسرین کے منہج کو بیان کرنے اور ساتھ ساتھ ان کا مقابل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ آخر میں مزید وضاحت کے لئے ہم اس دونوں کے منہج کے مقابل کو کچھ نکات کی صورت میں ذکر کر دیتے ہیں تاکہ مدعا مزید واضح ہو سکے۔

1. علم مناسبات ایک اہم علم ہے جس کی مختلف صورتوں کے ذریعے آیات اور سورتوں کے باہمی ربط کو مبراہن کیا جاتا ہے۔ امت کے بڑے بڑے علماء نے اس کا اہتمام کیا ہے البتہ اس کی شرائط کو بھی ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے۔

2. ڈاکٹر اسرار احمد اور امام شعر اوی نے اپنی تفاسیر میں علم مناسبات کا خوب اہتمام کیا ہے۔

3. قرآن کریم کی عمومی مناسبت کا اہتمام ڈاکٹر اسرار احمد کی تفسیر میں زیادہ نمایاں ہے خاص طور پر قرآن حکیم کی سورتوں کی گروپنگ اور مرکزی مضمون بیان القرآن کی امتیازی خصوصیت ہے اور تفسیر الشعر اوی میں یہ رنگ دیکھنے کو نہیں ملتا۔ اگرچہ اس گروپنگ اور مرکزی مضمون کے تعین میں کچھ تشویش بھی ہے البتہ ڈاکٹر صاحب کی اس کاوش سے تفسیر کا ایک نیا باب ضرور کھلا ہے جس میں مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔

4. سورتوں کی داخلی مناسبت کے اعتبار سے ڈاکٹر صاحب نے بعض سورتوں کے مرکزی مضمون اور اس کی عمومی تقسیم و ترتیب اور رکوعات کی داخلی مناسبت پر زیادہ توجہ دی ہے جبکہ ہر آیت کی اگلی یا پچھلی آیت سے مناسبت بیان کرنے کا اہتمام بہت کم کیا ہے۔ اس کے برعکس شعر اوی صاحب سورت کے مرکزی مضمون اور رکوعات کی مناسبت کی بجائے آیت کے جملوں کے مابین اور سابقہ و لاحقہ آیات کے درمیان پائی جانے والی مناسبت پر خصوصی توجہ دیتے ہیں۔

5. سورتوں کی داخلی مناسبت کے اعتبار سے جہاں تک سورت کے نام اور اس کے مضمون میں مناسبت کا تعلق ہے یا ایک سورت کے افتتاح اور اختتام میں ربط کی بات ہے تو اس مناسبت کو بیان کرنے کا اہتمام دونوں مفسرین کے ہاں ملتا ہے۔

6. دو مختلف سورتوں میں مناسبت کو ڈاکٹر صاحب نے صرف ان سورتوں کے حوالے سے بیان کیا جن میں مناسبت (ڈاکٹر صاحب کے بقول نسبت زوجیت) نمایاں ہے البتہ شعر اوی صاحب نے اکثر و بیشتر سورتوں کے مابین مناسبت بیان کی ہے اور اس میں مناسبت کی مختلف جہتوں کو بھی بیان کیا ہے۔

7. جیسا کہ دونوں تفاسیر اصلاً شفوئی تفاسیر ہیں لہذا ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شعر اووی اپنے سامعین کے سامنے قرآن کریم کی آیات کو آپس میں جوڑتے ہوئے ایک مکمل مربوط کلام کی صورت میں پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور وہ اس ربط کو ٹوٹنے نہیں دیتے، چاہے وہ ایک ہی آیت کے فواصل کے درمیان ربط ہو، یا ایک سورت کی آیات کا باہمی ربط ہو، یا پھر ایک سورت کا دوسری سورت کے ساتھ ربط ہو۔ جبکہ ڈاکٹر صاحب کسی رکوع یا سورت سے قبل ایک مرکزی مضمون سامع کے ذہن نشین کر دیتے ہیں اور اسی کی مناسبت سے آگے تفسیر بیان کرتے جاتے ہیں۔ اسی طرح آپ سورتوں کی باہمی مناسبت کو بھی داخلی مضامین کے تناظر میں بیان کرتے ہیں۔

8. دونوں مفسرین نے قرآنی آیات اور سورتوں کے مابین اپنے علم اور فکری پس منظر کے اعتبار سے مناسبت بیان کی ہے جو بعض مقامات پر کسی حد تک یکساں ہوتی ہے البتہ زیادہ تر مقامات پر مختلف ہوتی ہے اور دونوں مفسرین نے علم مناسبات کی متعدد مختلف وجوہ کو بیان کیا ہے۔ بعض مقامات پر پہلے کو دوسرے پر برتری حاصل ہوتی ہے اور بعض مقامات پر دوسرے کو پہلے پر برتری حاصل ہوتی ہے۔ بلاشبہ ایک متلاشی علم کے لئے ان تفاسیر میں اس اعتبار سے وافر ذخیرہ موجود ہے۔

9. علم مناسبات کی اہمیت و ضرورت کے پیش نظر ان دونوں مفسرین کی کاوشوں سے استفادہ کرتے ہوئے یا انہیں بنیاد بنا کر اس حوالے سے مزید تحقیق کرنے کی اشد ضرورت ہے تاکہ قرآن فہمی میں سہولت کے ساتھ ساتھ قرآن حکیم کا اعجاز بھی ظاہر ہو سکے۔

خلاصہ باب:

علوم قرآن کے حوالے سے شعر اوی صاحب اور ڈاکٹر اسرار احمد کے منہج کا تقابلی جائزہ لینے کے لئے چار موضوعات کا انتخاب کیا گیا ہے یعنی:- نسخ منسوخ، معرفت مکی ومدنی، سبب نزول اور علم مناسبات۔ قرآن کریم کی معرفت اور استنباط احکامات کے لئے ان میں سے ہر ایک علم اپنی جگہ پر نہایت اہم ہے۔

دونوں مفسرین قرآن کریم میں نسخ کی موجودگی کے قائل ہیں اور دونوں نے نسخ فی القرآن کا دفاع کرتے ہوئے اس کی حکمت اور اسباب کو بھی بیان کیا ہے۔ تفسیر الشعر اوی اور بیان القرآن کے مطالعے سے ایک قاری پر نسخ کی تعریف، اقسام اور اطلاق کے حوالے سے ایک جامع تصور سامنے آتا ہے۔ البتہ دونوں مفسرین نسخ کے حوالے سے توسع کے قائل نہیں تھے بلکہ ان کے نزدیک قرآن کریم کی محض چند آیات ہی حکمی اعتبار سے منسوخ ہیں۔ نسخ کو بیان کرنے کے حوالے سے بھی دونوں مفسرین کے منہج میں یکسانیت پائی جاتی ہے، بعض آیات میں تو وہ صراحت کے ساتھ آیت منسوخہ اور آیت ناسخہ کا ذکر کرتے ہیں اور کبھی نسخ کی جانب صرف اشارہ کر دیتے ہیں۔

مکی اور مدنی قرآن کے حوالے سے شعر اوی نے مکی اور مدنی قرآن کی تعریف تو بیان کی ہے اور اس کے خصائص بھی بیان کیے ہیں لیکن عمومی طور پر سورتوں اور آیات کے مکی یا مدنی ہونے کا ذکر کرنے سے صرف نظر کیا ہے۔ جب کہ ڈاکٹر صاحب مکی اور مدنی قرآن کے خصائص بیان کرنے کے ساتھ نہ صرف سورتوں کے مکی یا مدنی ہونی کا تذکرہ کرتے ہیں بلکہ یہ بھی وضاحت کرتے ہیں کہ وہ مکمل سورت یا سورت کا کوئی خاص حصہ مکی یا مدنی دور کے فلاں حصے میں نازل ہوا ہے۔

دونوں مفسرین اسباب نزول کی اہمیت کے قائل تھے اگرچہ کئی آیات کا مشہور سبب نزول بھی بعض دفع ذکر نہیں کرتے۔ دونوں کے نزدیک آیت کا اطلاق عمومی ہو گا اور اسے سبب نزول کے ساتھ خاص نہ کیا جائے گا۔ دونوں مفسرین نے اسباب نزول کے حوالے سے چند ایک مقامات پر ضعیف روایات کے علاوہ صحیح ترین روایات پر ہی بھروسہ کیا ہے۔ لیکن سبب نزول کو بیان کرتے ہوئے کسی نے بھی کوئی ایک خاص منہج نہیں اپنایا ہے۔

علم مناسبات کے حوالے سے دونوں تفاسیر امتیازی حیثیت رکھتی ہیں۔ دونوں مفسرین نے اس ضمن میں مختلف جہتوں سے کلام کیا ہے لیکن علم مناسبات کی مختلف صورتوں کے مابین ترجیحات کے لحاظ سے دونوں مفسرین کا منہج مختلف ہے۔ مثال کے طور پر آیات کی باہمی مناسبت کا اہتمام شعر اوی صاحب اور سورتوں کی باہمی مناسبت کا اہتمام ڈاکٹر صاحب نے زیادہ کیا ہے۔

باب پنجم

تفسیر الشعراوی اور بیان القرآن میں منہج دعوت اور باطل نظریات

اور منحرف فرقوں کا رد

فصل اول: تفسیر الشعراوی اور بیان القرآن میں منہج دعوت و اصلاح کا تقابلی جائزہ

فصل دوم: تفسیر الشعراوی اور بیان القرآن میں نظریات باطلہ اور منحرف فرقوں کے

رد کا اسلوب

فصل اول

تفسیر الشعر اوی اور بیان القرآن میں منہج دعوت و اصلاح کا تقابلی جائزہ

مبحث اول: امام شعر اوی کا منہج دعوت و اصلاح

مبحث دوم: ڈاکٹر اسرار احمد کا منہج دعوت و اصلاح

مبحث سوم: دونوں مفسرین کے منہج دعوت و اصلاح کا تقابلی جائزہ

مقدمہ فصل:

زمین پر منجہ الہی کے تحت انسانی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی صورت میں ایک عظیم الشان تحفہ عطا فرمایا ہے، جو اللہ کا کلام ہے اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ تمام نعمتوں میں سب سے بڑی اور لازوال، ابدی و آفاقی نعمت ہے۔ یہ ہر دور کے انسان کی جملہ روحانی و مادی ضروریات کو پورا کرتا ہے۔ نزول قرآن کے بعد کے ہر دور میں اللہ تعالیٰ کی ذات سے وابستگی اور معرفت الہیہ کے حصول کا واحد ذریعہ صرف قرآن کریم ہی ہے۔ آج بھی کوئی شخص جب قرآن کریم کی تلاوت اور اس میں تدبر کرتا ہے تو اسے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے یہ کلام آج ہی اس کے موجودہ مسائل کے حل کے لیے اتر رہا ہے۔

انسانیت کو اس کے انفرادی و اجتماعی مسائل میں آج جو رہنمائی درکار ہے وہ صرف قرآن کریم میں موجود ہے۔ انسانیت نے اپنے تلخ ترین تجربات کی بنیاد پر سیاست، معیشت، معاشرت اور سماجیات وغیرہ میں ارتقائی عمل کے بعد جن مسلمات کو اپنے لئے نفع بخش گردانا ہے، قرآن کریم ان کی توثیق پہلے سے کر چکا ہے۔ اسی طرح تاریخ کے تلخ ترین تجربات اور تباہ کاریاں دیکھنے کے بعد انسانیت نے جن چیزوں کو اپنے لئے برا جانا ہے، قرآن کریم ان کی مذمت پہلے سے کر چکا ہے۔ اس وقت بھی انسانیت جن مسائل کا شکار ہے اس کا سبب صرف اور صرف قرآن کریم کی تعلیمات کے خلاف چلنا ہے۔ آج دنیا سرمایہ داریت اور سودی معیشت سے تنگ آچکی ہے، جبکہ قرآن نے آج سے چودہ سو سال پہلے سودی معیشت کو انسانیت کے لیے زہر قاتل قرار دیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن ہر دور کی طرح دور حاضر کی بھی سب سے بڑی حقیقت ہے۔ جتنی جلد انسانیت اس حقیقت کو پالے گی، امن و سکون بھی حاصل کر سکے گی۔

اس اعتبار سے عصر حاضر میں مفسرین پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ موجودہ دور کے تقاضوں کے مطابق انسانیت کو قرآنی آیات کی روشنی میں رہنمائی فراہم کریں۔ قرآن کا چراغ لے کر عمومی طور پر کل انسانیت اور خصوصی طور پر امت مسلمہ کے مسائل اور ان کے اسباب تلاش کریں، پھر قرآن کریم کے اکسیری نسخے سے ان مسائل کا علاج پیش کریں۔ اس حوالے سے قرآن و سنت کے گہرے مطالعے، جدید علوم کی معرفت اور بہترین تجزیاتی صلاحیتوں کے ساتھ حالات کے اتار چڑھاؤ سے بھی آگاہی کی ضرورت ہے۔

قرآن کریم کی روشنی میں اصلاح معاشرہ کے تصور کے حوالے سے امام شعر او ای اور ڈاکٹر اسرار احمد نے اپنی تفاسیر میں اس بات پر خاص توجہ دی ہے کہ وہ انسانیت کے مسائل کا ادراک کرتے ہوئے ان کے اسباب کو بیان کریں۔ پھر آپ دونوں نے اپنے فہم کے مطابق انسانیت کی عمومی اصلاح اور معاشرت، معیشت اور سیاست وغیرہ سے جڑے متعدد مسائل کے متعلق قرآن کریم کی روشنی میں رہنمائی فرمائی ہے۔ اس فصل میں یہ جاننے کی کوشش کی جائے گی کہ دونوں مفسرین کے نزدیک انسانیت کے بڑے مسائل کیا ہیں اور ان کا تدارک کیسے ممکن ہے۔

مبحث اول

امام شعر اوی کا منہج دعوت و اصلاح

شعر اوی کی تفسیر کا پہلا اور آخری ہدف یہی تھا کہ وہ قرآن کریم کو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے بالکل اسی طرح انسانی زندگی کی تمام گوشوں کو منور کرنے کا ذریعہ بناسکیں۔ انہوں نے ہمیشہ اپنی تفسیر میں ان پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی جن سے قرآن، کتاب حیات و کتاب ہدایت بن کر نمایاں ہو سکے۔ جیسا کہ قرآن کریم انسانی زندگی کے انفرادی و اجتماعی گوشوں کا احاطہ کرتا ہے۔ لہذا شعر اوی عام طور پر ہر آیت کے سامنے توقف کرتے، اس کی شرح کرتے، اور یہ شرح زندگی کے تمام شعبہ جات کا احاطہ کرتی۔

شعر اوی قرآن کریم کی روشنی میں لوگوں کی اجتماعی، سیاسی، اخلاقی و اقتصادی رہنمائی فرماتے، گویا قرآن کریم لوگوں کے لئے ایک دستور کی صورت میں ظاہر ہوتا جس کی شرح شعر اوی کرتے جاتے اور اس تفسیر سے قرآن ناطق بن جاتا۔ اور یہ عصر حاضر کے اہم ترین تقاضوں میں سے تھا کیونکہ عرصہ دراز سے قرآن کریم محض دقیق علمی مباحث کا محور و مرکز رہا ہے اور اس کی اصل غرض و غایت یعنی ہدایت انسانی اور خصوصاً اس کے عملی پہلوؤں کی جانب نسبتاً کم توجہ دی گئی ہے۔ ایک عام مسلمان اس حوالے سے اضطراب کی کیفیت میں چلا جاتا ہے کہ آخر اس کتاب عظیم میں اس کی ذات کے لئے کیا رہنمائی موجود ہے اور اس کے لئے کس طرح یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی مکمل زندگی قرآن کریم کے سائے میں گزار سکے۔

شعر اوی نے عام آدمی اور قرآن کے مابین اس حجاب کو رفع کرنے کی کوشش کی ہے۔ مزید یہ کہ آپ دینی علوم کے ساتھ ساتھ جدید علوم پر بھی گہری نظر رکھتے تھے جس کا بھرپور اثر آپ کی تفسیر میں نظر آتا ہے اور آپ مختلف مقامات پر امت مسلمہ کو سیاسی، معاشرتی، معاشی اور اخلاقی میدانوں میں عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق رہنمائی کرتے نظر آتے ہیں۔ اس بحث میں اس حوالے سے چند مثالوں کی روشنی میں آپ کے منہج کو بیان کیا گیا ہے۔

الف۔ شعر اوی کا نظریہ اصلاح (تشخیص)

شعر اوی کا نظریہ اصلاح سب سے پہلے اس بات کا متقاضی ہے کہ ہم اپنے مسائل کی جڑ تک پہنچیں کیونکہ جب تک مرض کی تشخیص درست نہ ہوگی علاج ممکن نہ ہو سکے گا۔ آپ کے نزدیک سب سے ضروری امر یہ ہے کہ ہم اس بات کی حقیقت جانیں کہ ہماری موجودہ فکری، معاشی، سیاسی، معاشرتی و اخلاقی زبوں حال صورت حال کا اصل سبب کیا ہے۔

شعراوی نے بذات خود بھی اس حوالے سے بہت جدوجہد کی کہ وہ امت کے انحراف کے اسباب کو جان کر ان کی تحدید کر سکیں۔ اور اس کوشش میں ان کو ان اجتماعی حالات و واقعات سے بھی معاونت ملی جن میں انہوں نے زندگی گزاری اور امت کے مسائل کو بہت قریب سے محسوس کیا کہ ان مصلحین کی طرح جو خود گوشہ نشینی میں رہتے ہوئے امت کی رہنمائی کرنا چاہتے ہیں۔ جیسا کہ تعارف میں بیان کیا جا چکا ہے کہ آپ نے دعوت و تدریس اور سیاست کے مختلف مناصب بخوبی نبھائے اور آپ کو عالمی صورتحال سے بھی واقفیت حاصل تھی۔

(1) انسانیت کی موجودہ صورتحال کا اصل سبب منہج الہی سے انحراف

شعراوی کی فکری مساعی کا نتیجہ یہ تھا کہ امت مسلمہ کی موجودہ صورتحال کا اصل سبب منہج خداوندی سے انحراف ہے، امت اپنے خالق و مالک اور اپنے ہادی جناب محمد ﷺ کی اتباع سے تحلف اختیار کر رہی ہے، ان کے احکامات کی تفہیم میں غفلت برت رہی ہے بلکہ آسمانی شریعت میں رد و بدل کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ اس منہج الہی سے انحراف کا ہی نتیجہ ہے کہ امت کے افراد اور مجتمع اثر و فتن کی لپیٹ میں آگئے ہیں۔ انسان اپنی زندگی میں جس حد تک خدا پر یقین کے ذریعہ رہنمائی حاصل کیے بغیر زندگی گزارتا ہے اسی قدر فساد پیدا ہوتا ہے۔ تمام مخلوق حتیٰ کہ حیوانات جیسی مخلوق بھی کسی نہ کسی منہج کی پیروی کر رہی ہے۔ لہذا وہ انسان جس کے پاس اختیار ہے اس کے لیے ایک منہج ضرور ہونا چاہیے جو اس کی رہنمائی کرے کہ تمہیں یہ کام کرنے ہیں اور یہ نہیں کرنے اور اس منہج کی پیروی دنیا و آخرت کی سعادت اور خلاف ورزی دونوں جہاں میں ناکامی کا سبب ہو۔¹

شعراوی کے مطابق منہج الہی پر استقامت نہ اختیار کرنے اور غفلت برتنے کے نتیجے میں جب انسانی زندگی فساد سے گھرنے لگتی تھی تو اللہ تعالیٰ رسولوں کو بھیج دیتا کہ وہ انسانوں کو تنبیہ کریں کہ وہ دوبارہ منہج الہی اختیار کرتے ہوئے زمین پر اصلاح قائم کریں۔ لیکن ہر رسول کے جانے کے بعد انسانیت پھر غفلت کا شکار ہو جاتی اور یہ سلسلہ اسی طرح سے چلتا رہا ہے۔²

(2) منہج الہی سے انحراف کے مراحل اور مظاہر

شعراوی نے اپنی تفسیر کے دوران ان مراحل کا ذکر بھی کیا ہے جن سے گزرتے ہوئے انسانیت کی جانب سے منہج الہی کی تفہیم میں غفلت برتی جاتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ شروع میں تو صرف منہج کی جزئیات سے غفلت برتی جاتی ہے اور ایسا کرتے ہوئے انسان ملامت زدہ ہوتا ہے گویا غفلت ہو تو جاتی ہے لیکن ساتھ ہی احساس اور بیداری بھی پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ ایمان دل میں موجود ہوتا ہے۔ لیکن ایک اور مرحلہ وہ بھی آتا ہے کہ انسان منہج الہی کی اعلانیہ

(1) تفسیر الشعراوی، ص: 867/2

(2) ایضاً، ص: 1075/2

مخالفت کرتا ہے، برائیوں کا ارتکاب کرتا ہے اور اس کا ضمیر بھی اس کو ملامت نہیں کرتا۔ ایسا شخص نفس امارہ کی کیفیت میں ہوتا ہے اور اسے خیر کی جانب موڑنے کے لئے خارجی داعیہ کی ضرورت پیش آتی ہے۔¹ آپ کے مطابق زمین میں فساد اسی قدر ظاہر ہوتا ہے جس قدر منہج الہی کو منہج انسانی سے بدلا جاتا ہے۔

شعراوی نے اپنی تفسیر میں ایسے بہت سے مظاہر فسادات کا ذکر بھی کیا۔ مثال کے طور پر معاملات کا نااہل لوگوں کے سپرد ہو جانا شعراوی کے نزدیک ایک ایسا مسئلہ ہے جس کا سبب معاشرے کا ایمان و اخلاص کی بجائے نفاق و فساد پر پروان چڑھنا ہے۔ اہل نفاق اور ظاہر پرست دھوکہ دہی سے اعلیٰ مراتب پر فائز ہو جاتے ہیں اور اہل علم و عمل ہاتھ ملتے رہ جاتے ہیں۔ نتیجتاً اجتماعی معاملات جاہل منافقین کے ہاتھ آ جاتے ہیں اور ان کی نااہلی کے سبب فساد پیدا ہوتا ہے۔ معاشرے کے کسی بھی نظام میں فساد ایک گروہ کے جانب سے دوسرے گروہ پر ظلم کی وجہ سے آتا ہے اور پہلے ایک گروہ ظلم کرتا ہے جس کے بعد مظلوم گروہ بدلہ لیتے ہوئے ظلم کرتا ہے اور اس طرح ظلم ہمیشہ قائم رہتا ہے۔² اسی طرح باپ دادا کی اندھی تقلید بھی شعراوی کی نزدیک منہج الہی سے انحراف کی ایک صورت ہے۔ آپ کے نزدیک اللہ تعالیٰ نے جہاں لوگوں کو اپنے رسولوں کی پیروی کا حکم دیا وہاں پر اپنے آباء و اجداد کی اندھی تقلید سے منع بھی فرمایا کیونکہ انسانیت پر وقت کے ساتھ غفلت کا پردہ طاری ہوتا رہا اور وہ منہج الہی کو فراموش کر بیٹھے۔³

شعراوی نے انسانی مسائل کی بہترین تشخیص کی ہے۔ بلاشبہ انسانیت کے عمومی اور امت مسلمہ کے خصوصی مسائل کا سبب صرف اور صرف منہج الہی سے اعراض اور خواہشات کی پیروی ہے اور یہ غفلت کی بیماری ہے جس نے انسانیت کو موجودہ صورتحال میں لاکھڑا کیا ہے۔

ب۔ معاشرتی اصلاح کی حوالے سے شعراوی کا منہج دعوت

ذیل میں شعراوی کے دعوتی منہج کو بیان کیا جائے گا جو انہوں نے اپنی تفسیر میں اپنایا ہے۔

1) انسانیت کو منہج سماوی اختیار کرنے کی دعوت

شعراوی نے اپنی تفسیر میں متعدد مقامات پر یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ انسانیت کی فلاح صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ وہ اپنی خواہشات کو ترک کر کے خالق کے منہج کو اختیار کر لے اور خالق کے حلال و حرام کا لحاظ رکھے، اپنی زندگی کے تمام گوشوں میں اپنے معبود حقیقی کی غلامی اختیار کر لے۔ یعنی بالفعل ہر فرد اللہ کے اس قول کی

(1) تفسیر الشعراوی، ص: 1567/3

(2) ایضاً، ص: 220/1 اور ص: 1204/2

(3) ایضاً، ص: 702/2

تصدیق کرے کہ: ﴿قُلْ إِنْ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ﴾¹

لہذا شعر اوی کی تفسیر میں قول باری تعالیٰ:

﴿وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَلَكِن كَذَّبُوا فَأَخَذْنَاهُم بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾²

(ترجمہ: اور اگر یہ بستیوں والے ایمان لاتے اور اللہ کی نافرمانی سے بچتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکات (کے دروازے) کھول دیتے۔ لیکن انہوں نے تو جھٹلایا۔ پھر ہم نے انہیں ان کی کرتوتوں کی پاداش میں دھر لیا)

کی تفسیر کے مطالعہ کے دوران یہ سامنے آتا ہے کہ آپ انسانیت کو منہج الہی اختیار کرنے کی دعوت دے رہے ہیں کہ اگر وہ بلند و برتر اللہ پر ایمان لائیں گے اور اس کی اتباع کریں گے تو سلامتی حاصل کر لیں گے کیونکہ انسانوں میں سے کوئی انسان بھی جب کسی چیز کو ایجاد کرتا ہے تو اس کے حدود و اعمال اور مقصد کا تعین کرتا ہے گویا اس کا ایک خاص مینوئل بھی بناتا ہے کہ اس پروڈکٹ کو درست طریقے سے استعمال کر کے اس کے اصل فوائد حاصل کیے جاسکیں۔ تو انسان کے خالق کے متعلق بھی ہمارا ایسا ہی گمان ہونا چاہیے کہ اس نے انسان کو بنا کر زمین میں بھیجنے کے ساتھ ہدایت کا ایک آسمانی پیکیج بھی دیا کہ جس کے تحت زندگی گزار کر وہ فلاح حاصل کر سکے۔³

اس مضمون کو اپنی تفسیر کے مقدمہ میں ایک اور انداز سے بیان کرتے ہوئے آپ رقم طراز ہیں کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور باطل اس کے قریب بھی نہیں آسکتا اور اس قرآن میں انسانیت کی لئے وہ منہج الہی موجود ہے جسے اس نے اپنے اختیاری دائرہ کار میں خود سے نافذ کرنا ہے۔ ایسا کرنے سے انسان کو کائنات میں جمال حاصل ہو سکے گا ورنہ انسان مشقت میں پڑ جائے گا اور انسانی معاشرے میں امراض و فسادات پیدا ہو جائیں گے۔⁴

منہج الہی رد و بدل، انحراف اور تغیر اور کمی بیشی سے پاک ہے کیونکہ وہ بذات خود اللہ تعالیٰ کی جانب سے آیا ہے اور اس نے خود اس کی حفاظت کا ذمہ بھی لے رکھا ہے۔ مزید یہ کہ خالق کا دیا ہوا یہ منہج انسانی زندگی کے تمام تر گوشوں کا احاطہ کرتا ہے اور انسانی زندگی کا کوئی شعبہ بھی اس کی رہنمائی سے محروم نہیں ہے۔ اس منہج کی ایک بڑی خصوصیت یہ

(¹) الانعام: 162-163

(²) الاعراف: 96

(³) تفسیر الشعر اوی، ص: 4256/7

(⁴) البصاء، ص: 62/1

بھی ہے کہ یہ منہج الہی مادی کائنات یا توانین فطرت سے مطابقت رکھتا ہے۔ کیونکہ کائنات کا خالق بھی وہی اللہ ہے جس نے انسانوں کی ہدایت کے لئے آسمانی منہج بھیجا ہے۔¹

دین اسلام صرف انسانیت کو اخروی نجات دلانے کے لئے نہیں آیا بلکہ وہ انسانیت کو دنیا و آخرت دونوں کی سعادت بخشنے آیا ہے۔ اور رسول بھیجے کا مقصد بھی درحقیقت یہی ہے کہ انسانیت گمراہی و مشقت سے بچ کر ہدایت و سعادت حاصل کر سکے۔ لہذا اگر انسانیت واقعی دنیا و آخرت کی کامیابی چاہتی ہے تو اسے فوری طور پر اسلام یعنی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تابعداری کی طرف لوٹنا ہوگا۔

(2) قرآن میں ہی معاشرتی امراض کی شفا ہے

حق تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ وَلَا يَزِيدُ الظَّالِمِينَ إِلَّا خَسَارًا﴾²

(ترجمہ: اور ہم قرآن میں جو کچھ نازل کرتے ہیں وہ مومنوں کے لئے تو شفا اور رحمت ہے مگر

ظالموں کے خسارہ میں ہی اضافہ کرتا ہے)

شعراوی کے نزدیک یہاں اللہ تعالیٰ نے شفا کو رحمت سے پہلے اس لئے بیان کیا ہے کہ رحمت تو مستقبل میں آنے والے شر سے بچاتی ہے لہذا اس سے پہلے شفا ضروری ہے۔ جب قرآن نازل ہوا تو معاشرہ امراض سے بھڑا ہوا تھا یعنی ظلم تھا، لوگوں کے حقوق سلب کیے جا رہے تھے اور انسان ہی انسانوں پر سرکشی کر رہے تھے کہ ایسے میں اسلام آیا، تاکہ انسانیت کو اپنے پیروی کروا کر ان بیماریوں سے نجات دے سکے اور پھر اس کے بعد رحمت آئی کے آئندہ یہ بیماریاں نہ لوٹ سکیں۔ لیکن جب انسانیت نے پھر سے غفلت برتی وہ بیماریاں واپس آ گئیں لہذا اب پھر سے نسخہ قرآنی کے ذریعے سے دوا حاصل کی جائے گی تاکہ شفا حاصل ہو سکے۔³

(3) خاص و عام کو دعوت اصلاح

شعراوی نے اپنی تفسیر میں دعوت اصلاح دیتے ہوئے صرف افراد کو یا معاشرے کے کسی خاص طبقے کو خطاب نہیں کیا بلکہ آپ نے اپنی تفسیر میں ہر طبقے کو اس کی مناسبت سے دعوت دی ہے۔ اس دعوت میں افراد و محکوم بھی شامل ہیں اور حاکم بھی شامل ہیں، کبھی تو آپ انفرادی اصلاح کی دعوت دیتے ہیں تو کبھی اجتماعی اصلاح کی۔ اسی طرح آپ نے اپنی تفسیر میں حکام کو بھی دعوت اصلاح دی ہے۔ آپ انہیں یہ نصیحت کرتے دکھائی دیتے ہیں کہ وہ اپنی

(1) دیکھیے: تفسیر الشعراوی، ص: 947/2، 1865/3، 3590/6، 3660/6، 1856/3، 1703/3، 210/1، 211 وغیرہ

(2) الاسراء: 82

(3) تفسیر الشعراوی، ص: 62/1

ذمہ داریوں کو نبھانے کی کوشش کریں۔ گویا آپ نے معاشرے کے ہر طبقے کو اصلاحی اعتبار سے باہمی تعاون کرنے اور منہج الہی کے اعتبار سے اپنی اپنی ذمہ داریوں کو احسن طریق سے سرانجام دینے کی دعوت دی ہے۔¹

(4) دعوت ایمانی

شعراوی نے اپنی تفسیر میں حتی الامکان یہ کوشش کی ہے کہ وہ دلوں میں حقیقی ایمان کو راسخ کر سکیں جس کے نتیجے میں لوگوں کے اندر جذبہ متحرکہ پیدا ہو اور ان کے چار سو بدل جائیں۔ آپ اپنی تفسیر میں جابجا ایمانیات کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔ ایمان باللہ کے ضمن میں آپ بھرپور انداز میں اللہ تعالیٰ کی عظمت کو بیان کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی صفات کا زوردار انداز میں تعارف کرواتے ہیں، اس کے اختیار و قدرت اور اس کے پر حکمت فیصلوں کو کھول کر بیان کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت کو اجاگر کرنے کے ساتھ ایمان بالرسالت کے ضمن میں آپ انسانوں پر اتباع رسول ﷺ کی اہمیت کو واضح کرتے ہیں۔ آپ کے نزدیک انسانیت کی فلاح و بہبود کا دنیا و آخرت میں دار و مدار صرف اور صرف جناب محمد ﷺ کی غیر مشروط اتباع میں ہے۔ اسی طرح ایمان بالآخرت کے ضمن میں آپ اس بات کو وضاحت سے بیان کرتے ہیں کہ انسان اس دنیا میں آزاد نہیں ہے اور روز آخرت اسے اپنے ہر عمل کا حساب دینا ہو گا۔ اس حوالے سے آپ نے اپنی تفسیر میں علامات قیامت کے حوالے سے بھی کلام کیا ہے۔

اسی طرح بعض دیگر ایمانی مباحث کے حوالے سے بھی آپ نے حسب موقع کلام کیا ہے۔ مثلاً آپ کے مطابق انسان کو اس زمین میں ایک محدود اختیار حاصل ہے جو اس کے لئے امتحانی اعتبار سے دنیا میں زندگی گزارنے کے لیے کافی ہے۔ اس ایمانی دعوت کی اساس پر آپ نے انسانیت کو یہ دعوت دی کہ وہ اپنے خالق کی کامل فرمانبرداری اختیار کر لیں اور اگر کسی بشری کمزوری کے سبب ان سے خطائیں ہو بھی جائیں تو وہ اس پر اصرار نہ کریں اور نہ ہی کسی حکم خداوندی کا انکار کریں۔ یعنی اگر نماز نہیں پڑھتے یا زکوٰۃ نہیں دیتے تو اس حکم کا انکار نہ کریں، اس حکم کے متعلق زبان درازی نہ کریں، یہ نہ کہیں کہ شریعت کا فلاں حکم عصر حاضر کے مطابق نہیں ہے کیونکہ ایسا کرنے سے آپ اللہ کا کفر کر بیٹھیں گے۔ شعراوی اپنی تفسیر میں جہاں بھی دلوں کو نرم کرنے کا موقع دیکھتے وہاں انتہائی بلیغ و عظیم بیان فرماتے۔²

شعراوی نے ایمان کی صورت میں انسانوں کو عملی تبدیلی کے لیے جذبہ محرکہ فراہم کرنے کی کوشش کی ہے اور یقیناً ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت سے بڑھ کے انسانوں کو درست منہج پر قائم رکھنی والی کوئی چیز نہیں ہے۔ اس مقصد کے لئے شعراوی نے وعظ و نصیحت کا بہترین اسلوب اختیار کیا ہے اور سامعین آپ کے دروس میں بیٹھ کر اپنے دلوں کو ایمان سے منور کرتے اور اصلاح کا بہترین لائحہ عمل اپنایا جاتا۔

(1) دیکھیے: تفسیر الشعراوی، ص: 2907/5، 910/2، 3590/6

(2) دیکھیے: تفسیر الشعراوی، ص: 927/2، 763/2، 3229/5، 2049/4، 3946/7، 5672/9، 3551/6، 221/1

(5) گھریلو زندگی کی اصلاح معاشرتی اصلاح کی اساس ہے

شعراوی نے اپنی تفسیر میں امت کو نبوی اخلاق اپنانے کی دعوت دی ہے اور اس سلسلے میں عائلی زندگی پر آپ نے خصوصی توجہ دہی ہے۔ کیونکہ آپ کے نزدیک خاندان کسی بھی معاشرے کی بنیادی اکائی ہوتا ہے اور اس کی اصلاح پورے معاشرے کی اصلاح کا ذریعہ بنتی ہے اور اس کا فساد پورے معاشرے کے فاسد ہونے کا ذریعہ بنتا ہے۔ شعراوی زوجین کو یہ دعوت دیتے ہیں کہ وہ دونوں اپنے حقوق و فرائض کے معاملے میں آسمانی ہدایت کے تحت زندگی گزاریں تا کہ ایک محبت و مودت پر مبنی عائلی زندگی پروان چڑھ سکے اور اگر کہیں محبت کا فقدان بھی ہو تو ایک دوسرے سے معروف طریقے پر معاملہ کیا جائے کیونکہ ممکن ہے کہ میاں بیوی میں ایک اعتبار سے تو ایک دوسرے کی چاہت نہ ہو لیکن کوئی اور بات ہو جو دونوں کی محبت کا سبب بن جائے۔¹

اسی طرح قول باری تعالیٰ:

﴿لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ يَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ إِنْ شَاءَ إِنَّهَا وَيَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ الدُّكُورَ أَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَإِنَاثًا وَيَجْعَلُ مَنْ يَشَاءُ عَقِيمًا إِنَّهُ عَلِيمٌ قَدِيرٌ﴾²

(ترجمہ: آسمانوں کی اور زمین کی سلطنت اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے جس کو چاہتا ہے بیٹیاں دیتا ہے جسے چاہے بیٹے دیتا ہے یا انہیں جمع کر دیتا ہے بیٹے بھی اور بیٹیاں بھی اور جسے چاہے بانجھ کر دیتا ہے وہ بڑے علم والا اور کامل قدرت والا ہے)

کی تفسیر کے دوران شعراوی میاں بیوی کو اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر راضی رہنے کی تلقین کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تو بے اولاد لوگوں کے لئے بھی ایسے اشخاص فراہم کر دیتا ہے جو ان کی خدمت کرتے ہیں لہذا ہمارے لئے بہترین رویہ یہی ہے کہ ہم اللہ کی تقدیر پر راضی رہیں اور اس کی رضا کی فکر کریں۔³

(6) قرآنی اساس پر تربیت و تزکیہ کی اہمیت

شعراوی نے اپنے اصلاحی منہج میں تربیت کو خاص اہمیت دی ہے۔ آپ کے نزدیک قرآنی تربیت کی اساس پر شخصیت کی تعمیر کر کے ہی انسان اس قابل ہو سکتا ہے کہ وہ زمین پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے سونپی گئی امانت کا بوجھ اٹھا سکے اور خلافت ارضی کی ذمہ داریاں نبھا سکے۔ اسلامی شریعت نفوس کی تربیت پر گراں قدر توجہ کرتی ہے۔ آپ کے نزدیک یہ چیز اسلامی شریعت کے اہداف میں سے ہے کہ نفوس کا تزکیہ ہو اور تزکیہ کا یہ سلسلہ افراد سے مجتمع کی جانب بڑھے اور پورا معاشرہ ایمان باللہ اور استحضار ذات باری تعالیٰ کی صفات سے متصف ہو جائے جس کا نتیجہ عملی اصلاح کی

(1) دیکھیے: تفسیر الشعراوی، ص: 2/794، 4/2083

(2) شوری: 49-50

(3) تفسیر الشعراوی، ص: 5/2697

صورت میں نمودار ہو۔ شعر اوی اپنی تفسیر میں قرآن کریم کی اس تاثیر عظیم کا استعمال کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ خاص طور پر نوجوانوں کے حوالے سے آپ کا یہ موقف تھا کہ انسانی نفس پر جس قدر بیرونی اثرات بڑھتے جاتے ہیں اسی قدر تربیت و تزکیہ کا امکان معدوم ہوتا جاتا ہے لہذا ہمیں نوجوانوں کی منہج الہی کے مطابق تربیت پر بچپن سے ہی خصوصی توجہ دینی چاہیے۔¹

شعر اوی کی تفسیر کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس بات سے بخوبی آگاہ تھے کہ قرآن کریم ہی وہ تربیتی نسخہ ہے جو نفوس کو بدل سکتا ہے کیونکہ اسی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے عرب کو ہدایت بخشی، اور انہیں امامت کے منصب تک پہنچادیا، یہاں تک کہ وہ اس وقت کی بڑی بڑی سپر پاور زکوزیر کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اور یہ سب کچھ بہت لمبے عرصے میں نہیں ہوا بلکہ صرف تیس سال کے دور خلافت راشدہ میں افراد بھی تیار ہوئے، جماعت بھی وجود میں آئی، نظم و ضبط کی تربیت بھی حاصل کی اور باطل سے ٹکرا بھی گئے۔

(7) اولاد کی تربیت

شعر اوی نے اپنی تفسیر میں اس بات پر بے انتہا زور دیا ہے کہ تربیت ایمانی خصائص پر ہونی چاہیے اور یہی اسلامی تربیت کا خاصہ بھی ہے۔ ہم پر لازم ہے کہ ہم اپنی اولادوں کو یہ تربیت دیں کہ وہ ہر فعل کی نسبت اللہ کی جانب کریں چاہے وہ فعل کائناتی امر سے تعلق رکھتا ہو یا خود ہماری ذات سے۔ ہمیں یہ بات اپنی اولاد کو سکھانی ہے کہ کسی چیز میں فی ذاتہ کوئی طاقت نہیں ہے یعنی اس کائنات میں حقیقی مؤثر صرف اور صرف ذات باری تعالیٰ ہے۔ اسی طرح شعر اوی نے تربیت اولاد کے ضمن میں اس بات پر بھی خصوصی توجہ دی ہے کہ ہم اپنی اولادوں کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت کو اجاگر کرنے کی کوشش کریں اور انہیں یہ سمجھائیں کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم سب کو مجبور و مقہور کر کے اپنے آگے لاکھڑا کرتا اور ہمارے پاس اس کی اطاعت کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا، لیکن اللہ ایسا نہیں چاہتا۔ وہ تو یہ چاہتا ہے کہ ہم اس سے محبت کریں اور اس کی محبت میں، اس کی رغبت رکھتے ہوئے اپنی مرضی سے اس کے ہر حکم کو مانیں اور اس کی ہر نافرمانی سے رک جائیں۔²

شعر اوی کی تفسیر کا مطالعہ کرنے سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے نزدیک تربیتی عمل کی تین لازمی

اس ہیں۔

پہلی اساس: دین اور اس کے احکامات

یعنی شریعت کی جانب سے دیئے گئے احکامات کہ یہ کرو اور یہ نہ کرو۔ شعر اوی کے نزدیک نفس کی تربیت کا

(1) دیکھیے: تفسیر اشعر اوی، ص: 2184/4، 927/2، ص: 860/2

(2) دیکھیے، ایضاً، ص: 2184/4 اور 3463/6

بہترین طریقہ یہ ہے کہ اسے احکامات شریعت کی بھٹی سے گزارہ جائے۔ اولاد کی تربیت میں بھی یہ امر انتہائی اہمیت کا حامل ہے کہ ہم اپنی اولاد کو دین سکھائیں اور انہیں ان کی زندگی کے تمام گوشوں کے حوالے سے دینی رہنمائی فراہم کریں۔¹

دوسری اساس: خاندان

شعراوی کے نزدیک ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے جس کے بعد اس کے والدین کی تربیت اس پر اثر ڈالتی ہے اور اس کے نظریات تبدیل ہو جاتے ہیں۔ شعراوی کے نزدیک اولاد کی تربیت کی ذمہ داری والدین کی ہے اور اگر بچے منحرف ہوتے ہیں تو ہمیں انہیں موجب الزام نہیں ٹھہرانا چاہیے بلکہ والدین کو کوسنا چاہیے جن کی غفلت کے سبب اولاد کی تربیت میں فقدان رہ گیا۔²

تیسری اساس: قیادت

شعراوی کے مطابق تربیت کے حوالے سے قیادت مرکزی حیثیت رکھتی ہے اور یہاں قیادت سے مراد صرف حکمران نہیں ہیں بلکہ اگر دین کی بات کی جائے تو علماء، اگر خاندان کی بات کی جائے تو خاندان کے بڑے بزرگ اور اگر معاشرے اور ریاست کی بات کی جائے تو اصحاب منصب و اقتدار سب اس میں شامل ہیں۔ ایک بچہ ان سب اشخاص سے متاثر ہوتا ہے اور آپ کے الفاظ سے بڑھ کر آپ کا عمل اس کی تربیت میں کردار ادا کرتا ہے اور وہ غیر شعوری طور پر معاشرے کے رسوم و رواج کی پیروی شروع کر دیتا ہے۔ ہر ایک کی ذمہ داری ہے کہ وہ بچوں کے لئے بہترین نمونہ بنیں کیونکہ آپ کا بچہ آپ کی زبانی دعوت کی بجائے آپ کے عمل سے سیکھتا ہے۔³

(8) معاشرے میں پھیلے غلط تصورات کی اصلاح

شعراوی نے اپنے اصلاحی منہج میں اس بات کا بھی اہتمام کیا ہے کہ انہوں نے اسلامی معاشروں میں پھیلے غلط تصورات کی اصلاح کرنے کی کوشش کی ہے۔ کیونکہ عملی خرابیوں کی اصلاح غلط تصورات کی موجودگی میں ممکن نہیں ہے۔ لیکن اگر تصورات درست ہوں تو عملی اصلاح کرنا آسان ہوتا ہے۔ عصر حاضر میں امت کی صورت حال کے پیش نظر اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ غلط افکار و نظریات کا ازالہ کر کے امت کو درست افکار پر گامزن کیا جائے۔ یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ شعراوی نے اکثر مقامات پر غلط مفہیم کے رد میں نقلی دلائل کی جگہ عقلی دلائل استعمال کرنے پر اکتفا کیا ہے۔ ایسی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

(1) دیکھیے: تفسیر الشعراوی، ص: 3683/8، ص: 5117/8

(2) دیکھیے: تفسیر الشعراوی، ص: 1118/3، ص: 963/2، ص: 218/1، ص: 2173/4

(3) تفسیر الشعراوی، ص: 3162/5

محض زبانی اقرار سے اخروی نجات ممکن ہے

امت کے مسائل میں سب سے اہم مسئلہ بے عملی کا سبب بننے والے غلط افکار ہیں۔ شعر اووی نے اس بات کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے کہ ایمان محض نیت یا قول کا نام نہیں ہے بلکہ اس میں عمل بھی شامل ہے۔ آپ نے امت کو نجات کے اس غلط تصور سے نکالنے کی کوشش کی ہے کہ محض تصدیق و اقرار کرنے سے نجات ہو جائے گی چاہے امت اپنی عملی ذمہ داریوں سے پہلو تہی ہی کرتی رہے۔ اسی طرح امت کا یہ بہانہ بنانا کہ وہ شرعی احکامات کا باڑ اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتے بھی شعر اووی کے نزدیک غلط ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ انسانوں پر ان کی طاقت کے عین مطابق احکام تکلیفی عطا کرتا ہے۔ اسی طرح آپ نے ان لوگوں کو بھی تنبیہ کی جو عصر حاضر اور اس میں درپیش حالات کو حرام کے حلال کرنے کی دلیل بتاتے ہیں اور لوگوں کے مال ناحق کھاتے ہیں۔¹

دین میں جبر نہیں ہے

شعر اووی نے لوگوں کے اس غلط تصور کی بھی نفی کی ہے کہ دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے! شعر اووی فرماتے ہیں کہ جب کسی سے کہا جاتا ہے کہ تم نماز کیوں نہیں پڑھتے؟ تو وہ کہتا ہے کہ دین میں کوئی جبر نہیں ہے اور وہ اس قول باری تعالیٰ کو اپنی دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں کہ:

﴿لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ﴾²

(ترجمہ: دین میں کوئی زبردستی نہیں۔ ہدایت گمراہی کے مقابلہ میں بالکل واضح ہو چکی ہے)

کیونکہ جس لمحہ آپ نے ایمان کا اقرار کر لیا آپ ہمارے ساتھ مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہو گئے اور اب آپ یہ جان لیں کہ اگر آپ کسی حکم کو توڑیں گے تو ہم آپ سے اس کی ادائیگی کا مطالبہ کریں گے۔ آپ ایمان لانے سے قبل آزاد تھے کہ ایمان لائیں یا نہ لائیں لیکن ایمان لانے کے بعد آپ آزاد نہیں ہیں۔ حالت کفر میں آپ شراب پی سکتے ہیں لیکن ایمان کے بعد آپ کا شراب پینا اللہ کی حدود توڑنا شمار ہو گا اور اس پر آپ کا عقاب ہو گا۔ لہذا کسی مومن کے لئے جائز نہیں کہ وہ اللہ کے کسی حکم کو سن کر یہ کہے کہ {لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ}³

9) بعض معاشرتی برائیوں کا تذکرہ اور اصلاح کی دعوت

ایک مصلح کی اس موضوع پر گہری نظر ہوتی ہے کہ موجودہ دور میں وہ کون کون سی برائیاں ہیں جو معاشرے میں پھیل رہی ہیں تاکہ وہ ان کی نشاندہی کر کے دعوت اصلاح دے سکے۔ شعر اووی نے اپنی تفسیر میں ایسی بہت سی

(1) دیکھیے: تفسیر الشعر اووی، ص: 2208/4، ص: 800/2

(2) البقرة: 256

(3) تفسیر الشعر اووی، ص: 1113/2

برائیوں کا تذکرہ کیا ہے جو اس وقت اسلامی معاشروں میں عمومی اور مصری معاشرے میں خصوصی طور پر پھیل چکی ہیں۔ مثال کے طور پر قول باری تعالیٰ:

﴿وَلَا ضَلَّٰلَتُهُمْ وَلَا مَنِيْنُهُمْ وَلَا مُرْتَبَتْهُمْ فَلْيَبْتَكَرْ أَدَانَ الْأَنْعَامِ وَلَا مُرْتَبَتْهُمْ فَلْيَعْبِرْنَ خَلْقَ اللَّهِ﴾¹

(شیطان نے کہا) اور انہیں راہ سے بہرہ کاتار ہوں گا اور باطل امیدیں دلاتا رہوں گا اور انہیں سکھاؤں

گا کہ جانوروں کے کان چیر دیں اور ان سے کہوں گا کہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی صورت کو بگاڑ دیں)

کی تفسیر کے دوران شعر اوی نے (فَلْيَعْبِرْنَ خَلْقَ اللَّهِ) کے ضمن میں ان مردوں کا تذکرہ کیا ہے جو عورتوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں اور مخنث بن کر عورتوں کی طرح زیب و زینت اختیار کر کے ان جیسے تصرفات کرتے ہیں۔ آپ کے نزدیک یہ لوگ اللہ کی بنائی ہوئی خلق و صورت کو بدلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی طرح وہ عورتیں بھی اس حکم میں شامل ہیں جو مردوں کی صورت اختیار کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ اس حوالے سے آپ نے چند مثالیں بھی دی ہیں۔²

اسی طرح شعر اوی نے اپنی تفسیر کے دوران قول باری تعالیٰ:

﴿وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَعِبٌ وَلَهْوٌ وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ يَتَّقُونَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾³

(ترجمہ: یہ دنیا کی زندگی تو بس ایک کھیل اور تماشہ ہے اور اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے آخرت کا

گھر ہی بہتر ہے۔ کیا تم کچھ بھی نہیں سوچتے)

کی تفسیر کے دوران مسلمانوں کو تنبیہ کی ہے کہ وہ کھیل کود اور تماشوں میں اپنے وقت کو ضائع نہ کریں۔ اس ضمن میں آپ نے مصر کے اندر مشہور کھیل فٹبال کا خصوصی تذکرہ کیا کہ جو لوگ کھیل کو جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے وہ سب اس کے لئے دو دو گھنٹے پہلے گراؤنڈ پہنچ جاتے ہیں اور حکومت اس کے لئے اپنا بہت سا مال اور عسکری صلاحیتیں صرف کرتی ہے۔ اس کی وجہ سے زندگی کے بہت سے معاملات معطل ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ لوگ نماز بھی ترک کر دیتے ہیں۔ اس حوالے سے آپ نے ہر گھر کے سربراہ اور حکومتی سربراہ دونوں کو نصیحت کی ہے کہ وہ اس کے حوالے سے اقدامات اٹھائیں۔⁴

(10) مساوات مرد و زن (خواتین کا اسلامی معاشرے میں کردار)

عصر حاضر کے بڑے فتنوں میں سے ایک فتنہ عورت کی آزادی کا ہے جس کا اصل ہدف اسلامی خاندانی نظام کو تباہ کرنا ہے۔ اسلام مخالف طاقتیں یہ جانتی ہے کہ اسلامی معاشرے کی بنیادی اکائی خاندان ہے اور اس خاندان میں

(1) النساء: 119

(2) تفسیر الشعر اوی، ص: 2651/5

(3) الانعام: 32

(4) تفسیر الشعر اوی، ص: 3589/5

عورت کا مقام ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک جسم میں دل کا۔ لہذا اگر ہم دل کو اس کے مقام سے نکال پھینکیں گے تو باقی جسم بھی تباہ ہو جائے گا۔ دوسری جانب مشاہدے میں آیا ہے کہ دین اسلام کے پیروکار بھی عورتوں کو ان کے حقوق دینے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ اور یہ معاشرتی ظلم جہاں خواتین کو اپنے حقوق طلب کرنے کا جواز دیتا ہے وہاں اسلام دشمن عناصر کو بھی یہ موقع فراہم کرتا ہے کہ وہ عورت کی آزادی کے تصور کو لے کر اسلامی خاندانی نظام پر حملہ آور ہو جائیں۔

اسلام میں عورت کا مقام شعر اوی کی نظر میں

شعر اوی نے اپنی تفسیر میں خواتین کے حقوق کے مسئلے کو خصوصی اہمیت دی ہے اور اجتماعی اصلاح کے لئے اس مسئلے کے حل کو ناگزیر قرار دیا ہے۔ آپ نے اس جانب توجہ مبذول کرائی کہ اسلام سے قبل عورت کا مقام کیا تھا؟ اسے اس کے بنیادی حقوق سے ہی محروم رکھا گیا تھا اور مرد ہی تھا جس نے عورت کے حقوق کو غصب کر رکھا تھا۔ عورت کا معاشرتی مقام اس قدر پست تھا کہ عرب میں لوگ بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انسانیت کو اسلام کی نعمت سے بہرہ مند فرمایا اور عورت کو اسلامی خاندانی نظام میں اعلیٰ مقام عطا کیا گیا۔¹

آپ نے اپنی تفسیر میں عورت کے مقام کو کامل و اہل مخلوق کی حیثیت سے اجاگر کیا ہے کہ وہ جنسی اعتبار اور انسانی حقوق عامہ کے لحاظ سے مرد کے مساوی ہے اور اسی طرح وہ اپنی انفرادی حیثیت میں ایمان اور اعمال صالحہ کے متعلقہ شرعی احکامات کے اعتبار سے مرد ہی کی طرح مکلف و ذمہ دار ہے البتہ شریعت نے مرد اور عورت کے الگ الگ دائرہ کار مختص کیے ہیں۔ لہذا تفسیر قول باری تعالیٰ:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا ---﴾²

(ترجمہ: لوگو! اپنے اس پروردگار سے ڈرتے رہو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا پھر اسی سے

اس کا جوڑا بنایا پھر ان دونوں سے (دنیا میں) بہت سے مرد اور عورتیں پھیلادیں۔۔۔)

کے دور ان آپ نے وضاحت کی ہے کہ مرد اور عورت دونوں کے اپنے دائرہ کار ہیں اور یہ درست نہ ہو گا کہ ہم ایک کی ذمہ داریاں دوسرے پر ڈال دیں۔ اللہ تعالیٰ نے (وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا) میں عورت کے مستقل وجود کا بیان کیا ہے۔³

مرد اور عورت کے مشترکہ خصائص کا بیان

شعر اوی نے اپنی تفسیر میں مرد و زن کے اسلامی تصور مساوات کو بہت خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔ اس حوالے سے آپ ہمیشہ ان خصائص کو اجاگر کرتے نظر آتے ہیں جن میں مرد اور عورت مشترک ہیں۔

(¹) تفسیر الشعر اوی، ص: 1001/2

(²) النساء: 1

(³) تفسیر الشعر اوی، ص: 1985/4

مثال کے طور پر بحیثیت انسان دونوں مکلف ہیں اور اپنی بساط میں اللہ تعالیٰ کو جوابدہ ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ اُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰٓةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ

بِاَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾¹

(ترجمہ: جو شخص بھی نیک عمل کرے خواہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو تو ہم اسے پاکیزہ

زندگی بسر کرائیں گے اور ان کے بہترین اعمال کے مطابق انہیں ان کا اجر عطا کریں گے)

لہذا ایک عورت کو بھی آزادی حاصل ہے کہ وہ ایک مرد کی طرح سوچ سمجھ کر عقیدہ اپنائے اور کوئی مرد اپنا عقیدہ کسی عورت پر نہیں لاگو کر سکتا۔ اس حوالے سے قرآنی تعلیمات سے واضح ہوتا ہے کہ نوح علیہ السلام اور لوط علیہ السلام جیسے اولوالعزم رسول بھی اپنی بیویوں کو دین حق کی جانب ہدایت نہ دے سکے کیونکہ ان کی بیویوں نے اپنی مرضی سے کفر کو ایمان پر ترجیح دی۔ اسی طرح شعر اوی نے عورت کو حاصل فکری آزادی کی طرف بھی توجہ دی ہے۔ آپ کا ماننا ہے کہ دین اسلام نے عورت کو فکری آزادی دی ہے اور اس کی بہترین مثال حضرت سلیمان علیہ السلام اور ملکہ سبا (بلقیس) کے واقعے میں مذکور ہے۔ جہاں ایک عورت مشورے اور معاملہ فہمی کی بنیاد پر اجتماعی نوعیت کے فیصلے کرتی نظر آتی ہے۔ اسی طرح شعر اوی نے قول باری تعالیٰ:

﴿وَإِذْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ يَا مَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفَاكِ عَلَىٰ نِسَاءِ الْعَالَمِينَ﴾²

(ترجمہ: اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب فرشتوں نے مریم سے کہا: "اے مریم! اللہ نے تجھے

برگزیدہ کیا اور پاکیزگی عطا کی اور تجھے پورے جہان کی عورتوں پر (ترجیح دے کر) منتخب کر لیا ہے)

کی تفسیر کے دوران یہ موقف اختیار کیا ہے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بعض عورتوں کا بھی ایسے ہی انتخاب کر لیتا ہے جیسا کہ وہ بعض مردوں کا انتخاب کر لیتا ہے۔³ آپ کی مراد نبوت نہیں ہے بلکہ نیکی کا اعلیٰ مقام و مرتبہ ہے۔

مرد عورتوں پر قوام ہیں

عصر حاضر میں قول باری تعالیٰ:

﴿الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ﴾⁴

(ترجمہ: مرد عورتوں پر قوام ہیں)

(1) النحل: 97

(2) آل عمران: 42

(3) دیکھیے: تفسیر اشعر اوی، ص: 3281/5، ص: 1459/2

(4) النساء: 34

کو لے کر عورت کے حقوق اور مساوات کے ضمن میں اسلام دشمنوں کی جانب سے بہت سے شبہات اٹھائے جاتے ہیں۔ شعر اوی نے اپنی تفسیر میں ان شبہات کو رفع کرنے اور دین اسلام کے حقیقی اور سچے منہج کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ مثال کے طور پر وہ اپنی تفسیر کے دوران قول باری تعالیٰ:

﴿وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللَّهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ۚ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ

نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ۚ وَاسْأَلُوا اللَّهَ مِنْ فَضْلِهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا﴾¹

(ترجمہ: اگر اللہ نے تم میں سے کسی ایک کو دوسرے پر کچھ فضیلت دے رکھی ہے تو اسکی ہوس نہ کرو۔ جو کچھ مردوں نے کمایا ہے اس کے مطابق ان کا حصہ (ثواب) ہے اور جو عورتوں نے کمایا ہے اس کے مطابق ان کا بھی حصہ ہے۔ ہاں اللہ سے اس کے فضل کی دعا مانگتے رہا کرو یقیناً اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے)

کی تفسیر میں یہ وضاحت فرماتے ہیں کہ یہ آیت جنس انسانی کے افراد کے مابین توازن قائم کرتی ہے۔ اللہ یہ چاہتا ہے کہ جنس انسانی کی دونوں انواع یعنی مذکر و مونث کے درمیان توازن اور ایمانی مصلحت قائم رہے۔ ہم یہ جانتے ہیں کہ کوئی بھی جنس دو انواع میں منقسم نہیں ہوتی مگر اس صورت میں کہ ان کے درمیان کوئی قدر مشترک ہو جو انہیں ایک جنس بناتی ہوں اور کچھ متفرقات بھی ہوں جو دونوں کو الگ الگ نوع بناتے ہوں کیونکہ اگر کوئی متفرق چیز نہ ہوگی تو وہ دونوں الگ نوع نہیں شمار ہو سکتے۔ لہذا مرد و عورت جنس بشر کی دو انواع ہیں جو کہ مطلوبات جنس میں مشترک ہیں اور اس کے بعد نوع کے مطلوبات کے اعتبار سے منفرد ہیں۔ ہر ایک کی ذاتی صلاحیتیں ہوتی ہیں جو مختلف میدانوں میں مختلف ہوتی ہیں۔ اور اس طرح سے یہ افراد جنس انسانی کی تکمیل کرتے ہیں۔

اب لازم ہے کہ مردوں کی کچھ خصوصیات ہوں اور عورتوں کی کچھ (الگ) خصوصیات ہوں۔ ہمارے رب سبحانہ و تعالیٰ نے عام بناوٹ میں بھی دو جنسوں کو ایک جیسا نہیں بنایا اگرچہ عمومی بناوٹ ایک جیسی ہے یعنی سر، دھڑ اور پاؤں۔ اللہ تعالیٰ نے مردوں اور عورتوں کو ایسی بناوٹ دی جو انہیں ایک دوسرے سے ممتاز کرتی ہے۔ لہذا جو لوگ کہتے ہیں کہ ہم مرد کو عورت کے یا عورت کو مرد کے برابر سمجھتے ہیں ہم ان سے کہیں گے: عورت کی ایک خاص تکوین ہے اور مرد کی ایک خاص تکوین ہے، جب آپ عورت کو مرد کے مساوی قرار دیتے ہیں تو آپ اسے مردوں کے میدان میں لا کھڑا کرتے ہیں اور عورت کے اپنے میدان خالی رہ جاتے ہیں جہاں مرد کے لئے ممکن نہیں کہ وہ عورت کے ساتھ مشارکت کر سکے اور عورت پر وہ بوجھ ڈال دیا جاتا ہے جس کی وہ طاقت نہیں رکھتی۔²

(۱) ایضاً: 32

(۲) تفسیر الشعر اوی، ص: 2179/4

اس کے بعد شعر اوی اس امر کی وضاحت فرماتے ہیں کہ قول باری تعالیٰ: (الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ) میں اسلام دشمنوں نے قوام کے معنی غلط بیان کیے ہیں یعنی ان کے نزدیک گویا مرد ایک تلوار ہے جو عورت پر مسلط ہے اور اس کی تمام تر صلاحیتوں اور تمناؤں کو دبائے ہوئے ہے۔ قوام کے معنی مسلط ہونے کے نہیں ہیں بلکہ وہ تو مرد کے ذمہ دار بننے کا نام ہے۔ کیونکہ اسلام کی رو سے عورت بہت سی ذمہ داریاں نہیں اٹھا سکتی جبکہ مرد کو اللہ نے وہ ذمہ داریاں اٹھانے کی صلاحیت عطا کر رکھی ہے لہذا قوامیت اصل میں تکلیف ہے جو مرد پر عائد ہوتی ہے۔

اسی طرح قول باری تعالیٰ: (بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ) (ترجمہ: مرد عورتوں پر قوام ہیں اس لئے کہ خدا نے بعض کو بعض سے افضل بنایا ہے) کے متعلق آپ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ مرد کو عورت پر عمومی فضیلت حاصل ہے جیسا کہ بعض لوگوں کا گمان ہے۔ اگر یہ مقصود ہوتا تو اللہ فرماتا: (بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ الرِّجَالُ عَلَى النِّسَاءِ) جبکہ یہاں بعض کو بعض پر فضیلت کا بیان ہے اور اس سے مراد وہ فضیلت ہے جو دونوں انواع یعنی مرد اور عورت کو اپنی مہمات کے اعتبار سے اپنے متعلقہ میدانوں میں حاصل ہے۔ مثال کے طور پر مرد اگر محنت مزدوری کر کے رزق کماتا ہے تو یہ اس کی فضیلت ہوگی لیکن عورت اگر حمل اٹھاتی ہے اور بچہ جنتی ہے تو یہ اس کی فضیلت ہوگی۔ دونوں انواع ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کے ذریعے، اپنی متعلقہ ذمہ داریاں نبھاتے ہیں اور یوں ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں۔¹

عورت کی ملازمت اور دائرہ کار

شعر اوی نے اپنی تفسیر میں خواتین کی ملازمت کے متعلق بھی کلام کیا ہے اور بلاشبہ خواتین کے حوالے سے عصر حاضر کا اہم ترین مسئلہ ان کا ملازمت کے لئے گھروں سے باہر جانے کا ہے۔ دین دار طبقہ عورت کے بلا ضرورت گھر سے نکلنے کا مخالف ہے اور اسے معاشرے کے لئے فتنہ سمجھتا ہے جب کہ اسلام دشمن عناصر عورت کی آزادی اور معاشرے میں کردار کا نعرہ لگا کر عورت کو چادر اور چار دیواری کے تصور سے نکال کر زینت بازار بنانا چاہتے ہیں۔ شعر اوی عورت کے عملی زندگی میں بھرپور کردار کے قائل ہیں لیکن آپ اسے صرف اپنے دائرہ کار میں متحرک دیکھنا چاہتے ہیں یعنی آپ کے نزدیک عورت کا دائرہ کار اس کا گھر ہے جہاں وہ اپنی بہترین صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنی ذمہ داریاں سرانجام دے سکتی ہے۔ قول باری تعالیٰ:

﴿فَأَزَلَّهُمَا الشَّيْطَانُ عَنْهَا فَأَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِ...﴾²

(1) دیکھیے: تفسیر اشعر اوی، ص: 4/2193، 2170

(2) البقرة: 36

(ترجمہ: پھر شیطان نے دونوں کو وہاں سے پھسلادیا اور جس (عیش و نشاط) میں تھے، اس سے ان کو نکلوا دیا.....)

کی تفسیر کے دوران آپ رقم طراز ہیں کہ قول باری تعالیٰ:

"(فَقُلْنَا يَا آدَمُ إِنَّ هَذَا عَدُوٌّ لَكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكَمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقَى) ¹

(ترجمہ: ہم نے فرمایا کہ آدم یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے تو یہ کہیں تم دونوں کو بہشت سے نکلوانہ دے۔ پھر تم تکلیف میں پڑ جاؤ)

میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے (فتنہ) (تم دونوں مشقت میں پڑ جاؤ گے) کیوں نہیں کہا؟ اس لیے کہ یہاں حق سبحانہ و تعالیٰ ہمارا التفات زندگی میں مرد اور عورت کی الگ الگ مہمات کی جانب کر رہے ہیں، عورت کی مہم یہ ہے کہ وہ اپنے خاوند کے گھر میں رہے اور جب خاوند گھر لوٹے تو وہ اس کی تھکاوٹ و پریشانی کو رفع کرے، جب کہ مرد کی مہم یہ ہے کہ وہ کام کر کے اپنی بیوی اور اولاد کے کھانے اور مسکن کا بندوبست کرے۔ اب جب کہ یہی حقیقت ہے تو کوئی شخص کیوں اس نظام کو تبدیل کرنا چاہتا ہے؟ ہم کہیں گے کہ ایسا کرنے سے وہ خود بھی مصیبت میں پڑے گا اور باقی دنیا کو بھی مصیبت میں ڈالے گا۔ عورت کا ملازمت کرنا خود اس کے لئے مشقت ہے، اس کا دائرہ کار گھر ہے اور اس کے پاس کسی اور ذمہ داری کے لئے وقت ہی نہیں ہے، اس طرح پورا معاشرہ مشقت میں پڑ جائے گا، بچے ضائع ہو جائیں گے، مرد سکون کے لئے باہر کی عورت کے پاس جائے گا۔ ²

لہذا عورت کو چاہیے کہ وہ گھر میں رہ کر اپنے خاوند کی خدمت کرے اور اسے اپنی دینی و دنیاوی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لئے تیار کرے۔ اسی طرح عورت اپنی اولاد کی تربیت کر کے امت کو بہترین مرد اور مجاہد فراہم کرے۔ البتہ ضرورت کی وقت عورت کی ملازمت کے حوالے سے شعراوی بھی اجازت دیتے ہیں لیکن اس صورت میں آپ کچھ شرائط بھی عائد کرتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ عورت کی ملازمت ضرورت کے بقدر ہو، ملازمت کی نوعیت عورت کی ساخت کے مطابق ہو اور ترجیحاً وہ ملازمت گھر کے اندر ہو نہ کے باہر۔ البتہ ضرورت کے وقت عورت گھر کے باہر بھی نکل سکتی ہے جیسا کہ قول باری تعالیٰ میں مذکور ہے:

﴿وَلَمَّا وَزَدَ مَاءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةً مِنَ النَّاسِ يَسْتَأْذِنُونَ وَوَجَدَ مِنْ دُونِهِمُ امْرَأَتَيْنِ تَذُودَانِ

قَالَ مَا خَطْبُكُمَا قَالَتَا لَا نَسْقِي حَتَّى يُصْدِرَ الرِّعَاءُ وَأَبُونَا شَيْخٌ كَبِيرٌ﴾ ³

(¹) ط: 117

(²) تفسیر الشعراوی، ص: 267/1

(³) القصص: 23

(ترجمہ: پھر جب وہ مدین کے کنویں پر پہنچے تو دیکھا کہ بہت سے لوگ (اپنے جانوروں کو) پانی پلا رہے ہیں اور ان سے ہٹ کر ایک طرف دو عورتیں (اپنی بکریوں کو) روکے ہوئے کھڑی ہیں۔ موسیٰ نے ان سے پوچھا تمہارا کیا معاملہ ہے؟ وہ کہنے لگیں: "ہم اس وقت پانی پلا نہیں سکتیں جب

تک یہ چرواہے پانی پلا کر واپس نہ چلے جائیں اور ہمارا باپ بہت بوڑھا ہے")

کہ ان دونوں خواتین کو مردانہ ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لئے گھر سے باہر نکلنا پڑا کیونکہ ان کے والد بزرگ تھے۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ عورت گھر سے باہر نکل کر مخلوط ماحول میں جاگھسے اور بھول جائے کہ وہ عورت ہے۔¹

عورت کا حجاب

خواتین کے حوالے سے ایک حساس مسئلہ حجاب کا ہے۔ اگرچہ اس حوالے سے اسلامی ہدایات بہت واضح ہیں لیکن اسلام دشمن عناصر اور خواہشات کی پرستش کرنے والے اسلامی احکامات میں تبدیلی چاہتے ہیں۔ شرعاً ہی نے اپنی تفسیر میں حجاب کے موضوع پر مفصل کلام کیا ہے۔ آپ نے حجاب کو ایمانی رنگ دینے کی کوشش کی ہے کہ ایک مسلمان عورت پر لازم ہے کہ وہ حجاب کرے اگر وہ مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتی ہے۔ کیونکہ ایک مومنہ عورت کے لئے اپنے معاملے میں اختیار باقی نہیں رہتا بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پابند ہوتی ہے۔ آپ نے خواتین کو نصیحت کی ہے اگر آپ اس حکم حجاب کی تعمیل اپنی کسی کمزوری کے سبب نہیں کرتی ہیں تو اس حکم کا انکار کم از کم مت کریں کیونکہ ایسا کرنے سے آپ صرف گناہگار مومنہ کہلائی جائیں گی لیکن اگر آپ اللہ کے حکم کو رد کریں گی تو آپ کافر ہو جائیں گی اور ایک گناہگار مومن بحر حال کافر سے بہتر ہوتا ہے۔ ابلیس اور آدم کی معصیت میں بھی بنیادی فرق یہی تھا کہ ابلیس نے اللہ کے حکم کو رد کر دیا جب کہ آدم نے کہا کہ میں نے خود پر ظلم کر لیا۔ اور نہ ہی کسی مسلمان عورت کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اس بنیاد پر حجاب چھوڑ دے کہ اللہ کی عبادت کے لئے کسی خاص وضع کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی آپ کو یہ خاص وضع اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔

شرعاً ہی کے نزدیک خواتین کا حجاب اوڑھنا درحقیقت اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے۔ اور خواتین کا حجاب نہ کرنا اصل میں اللہ تعالیٰ کے عقاب سے غافل ہونے کا نتیجہ ہے۔ اگر عورت کے اندر اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑے ہونے اور جواب دہی کا احساس ہو تو وہ کبھی بھی اللہ تعالیٰ کے منہج کی مخالفت نہ کرے۔ شرعاً ہی نے مسلمان خواتین کو یہ نصیحت کی ہے کہ وہ مغرب کے نام نہاد آزادی کے نعروں سے دھوکہ نہ کھائیں کیونکہ ان کے مقاصد شیطانی ہیں۔ عورت کی زندگی میں امن و سکون درحقیقت حجاب سے مشروط ہے۔ لہذا عورت کو چاہیے کہ وہ اپنے پورے جسم کو چھپا کر رکھے یعنی شرعی حجاب اپنائے، مزین و معطر ہو کر گھر سے باہر نہ نکلے، غیر محرم سے بات کرتے ہوئے اپنی آواز میں نرمی نہ

(۱) دیکھیے: تفسیر اشعر اوی، ص: 267/1، ص: 5235/9، ص: 2179/4، ص: 3589/6، ص: 3229/5

رکھے، ایسا لباس نہ پہنے جو اس کے جسم کے اتار چڑھاؤ کو ظاہر کرے، نہ ہی وہ مردوں کی مشابہت اختیار کرے، اور نہ ہی اہل کفر کی مشابہت کرے۔¹

ج۔ سیاسی اصلاح کے حوالے سے شعر اووی کا منہج دعوت

جیسا کہ ہم نے شعر اووی کے سوانح حیات میں یہ جانا تھا کہ آپ نے مصر کے سیاسی نظام میں کچھ عرصہ بطور وزیر شمولیت رکھی البتہ اس تجربہ کو ناخوشگوار پایا۔ آپ نے نظام کے اندر اور باہر رہتے ہوئے سیاسی اصلاح کے حوالے سے مختلف زاویوں سے کلام کیا ہے۔ ذیل میں اس ضمن میں کچھ نکات پیش کیے جائیں گے۔

(1) شریعت اسلامیہ کی جگہ وضعی قوانین کا نفاذ

شعر اووی نے کتاب اللہ کو امام بنایا اور تمام تر قوانین پر اس کی فوقیت کو ثابت کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ آپ نے اپنی تفسیر میں متعدد مقامات پر بشری قوانین کی کمزوریوں کو بیان کیا اور انسانیت کی رہنمائی کے لئے آسمانی قوانین کو حتمی قرار دیا۔

(2) شرعی قوانین کی جگہ وضعی قوانین اپنا نامت کی تباہی کا موجب ہے

آپ کے مطابق قول باری تعالیٰ:

﴿وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ﴾²

(ترجمہ: در دوسری راہوں پر نہ چلو ورنہ وہ تمہیں اللہ کی راہ سے ہٹا کر جدا جدا کر دیں گی)

کی روشنی میں جب امت نے شریعت کو چھوڑ کر دیگر راستوں یعنی وضعی بشری راستوں کی پیروی شروع کر دی جو خواہشات پر مبنی تھے، تو امت سیدھی راہ سے بھٹک گئی۔³

لہذا شعر اووی کے نزدیک امت کا شرعی قوانین کو وضعی قوانین سے بدل دینا ایک خطرناک معاملہ ہے جو در حقیقت ماضی میں امت کو کبھی بھی درپیش نہیں آیا۔ اگرچہ امت پر بڑے کٹھن حالات بھی آتے رہے لیکن ایسا کبھی نہ ہوا کہ امت شرعی قوانین کو چھوڑ کر بشری قوانین اختیار کر بیٹھی ہو۔ وہ اپنے حالات کی خرابی کے اسباب ہمیشہ شریعت سے بعد میں تلاش کرتے رہے اور ہمیشہ منہج الہی کی جانب رجوع کرتے رہے۔ لیکن عصر حاضر میں امت اس عظیم فتنہ کا شکار ہو گئی۔ امت نے زوال کے بعد شرعی احکامات کو پس پشت ڈال دیا، دین کو سیاست سے جدا کر دیا، شریعت معصومہ کو چھوڑ کر وضعی قوانین کو اختیار کر لیا۔

(1) دیکھیے: تفسیر الشعر اووی، ص: 5010/8، ص: 3275/6، ص: 3946/7، ص: 2712/2

(2) الانعام: 153

(3) تفسیر الشعر اووی، ص: 777/2

ایسا لگتا ہے کہ شعر اوی نے اس مسئلے کے حوالے سے مکمل تحقیق کی ہے یہاں تک کہ آپ ان مراحل سے بھی باخبر تھے کہ جن سے گزر کر امت موجودہ سیاسی، معاشرتی و اقتصادی صورتحال تک پہنچی ہے۔ آپ نے اس سوال کا جواب تلاش کرنے کی بھی کوشش کی ہے کہ کیا امت کی مجودہ صورتحال کے ذمہ دار صرف حکمران ہیں یا یہ امت کی اپنی اجتماعی غفلت ہے جس سبب ہم یہاں تک آ پہنچے ہیں کہ امت کے تمام کڑے ایک ایک کر کے ٹوٹتے رہے یہاں تک کہ حکومت کا آخر کڑا بھی ٹوٹ گیا؟ شعر اوی کے مطابق اللہ تعالیٰ کی جناب میں تفریط کی ذمہ داری امت پر عائد ہوتی ہے کہ وہ گناہوں میں ملوث ہوئی، امت کے افراد نے گناہوں پر اصرار کیا، شریعت کی اہانت کی، یہاں تک کہ ان پر قول باری تعالیٰ صادق آگیا:

﴿وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾¹

(ترجمہ: اور اس مصیبت سے بچ جاؤ جو صرف انہی لوگوں کے لئے مخصوص نہ ہوگی جنہوں نے تم

میں سے ظلم کیا ہو۔ اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے)

اور اللہ تعالیٰ نے امت کو ظالم حکمرانوں کے ذریعے آزمائش میں مبتلا کر دیا۔ شعر اوی ہمیں یہ سمجھاتے ہیں کہ یہ گمان مت کرنا کہ کوئی شخص زور کی بنیاد پر اللہ سے بادشاہی حاصل کر سکتا ہے لیکن جب بندے ظلم و سرکشی کی راہ اختیار کرتے ہیں تو حق تعالیٰ ان پر ایسے لوگ مسلط کر دیتا ہے جو ان پر ظلم کرتے ہیں۔²

(3) نفاذ شریعت امت پر واجب ہے

آپ کے نزدیک شریعت کا نفاذ امت کے ذمہ صرف مستحب کام نہیں ہے بلکہ دین اسلام کے بنیادی تقاضوں میں سے ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا

مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾³

(ترجمہ: (اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)!) تمہارے پروردگار کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے تنازعات میں آپ کو حکم (فیصلہ کرنے والا) تسلیم نہ کر لیں پھر آپ جو فیصلہ کریں اس کے متعلق اپنے دلوں میں گھٹن بھی محسوس نہ کریں اور اس فیصلہ پر پوری طرح سر تسلیم خم کر دیں۔)

اسی طرح قول باری تعالیٰ:

(¹) الانفال: 25

(²) تفسیر الشعر اوی، ص: 3946/7

(³) النساء: 65

﴿وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ﴾¹

(ترجمہ: اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی کافر ہیں)

کی تفسیر کے دوران شعر اوی نے اس امر کی وضاحت کی ہے کہ جو شخص اللہ کے اتارے ہوئے کلام کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا بلکہ اس کا انکار کرتا ہے تو ایسا شخص کافر ہے اور جو شخص کسی معاملے میں اللہ کے نازل کردہ فیصلے کو چھوڑ کر دوسرے فیصلے لاگو کرتا ہے تو وہ ظالم ہے جبکہ جو شخص اللہ کے نازل کردہ کلام کو نافذ نہیں کرتا تو وہ فاسق ہے۔²

ایک اور مقام پر شعر اوی بیان کرتے ہیں کہ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اپنی ولایت میں اللہ تعالیٰ کی شریعت کو نافذ کرے اور اگر ہر شخص اپنی ولایت (دارہ کار) میں خود پر شریعت نافذ کرے گا تو غیر اسلامی حکم خود بخود ساقط ہو جائے گا۔ آپ کے بقول عوام یہ بہانہ بنا کر چھوٹ نہیں سکتے کہ حکمرانوں نے ایسے ویسے قوانین ہم پر ٹھونس دیئے تھے اور ہم مجبور تھے۔ کیونکہ حاکم کسی حرام چیز کو حلال کرنے کا اختیار نہیں رکھتا۔ عوام کو کس نے کہا کہ وہ اللہ کی بات کو چھوڑ کر حکم کی بات کو حتمی مانیں؟ آپ مثال دے کر سمجھاتے ہیں کہ بعض حکمرانوں نے سود کو جائز قرار دے رکھا ہے، جس پر بعض عوام سودی معاملات میں ملوث ہوتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ہم تو حکومتی فیصلے پر عمل کر رہے ہیں۔ ان کا یہ موقف غلط ہے! کیونکہ کوئی حکومت اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیز کو حلال نہیں کر سکتی اور اگر وہ ایسا کرے بھی تو مومن پر لازم ہے کہ وہ ذاتی طور پر احتیاط برتے۔

(4) حکمرانوں اور رعایا کی ذمہ داریاں

آپ کے مطابق یہ عام مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ حاکم کو اسلامی احکامات کی تنفیذ پر مجبور کریں۔ جمہوری حکومت کے اعتبار سے وہ مصری عوام پر یہ ذمہ داری عائد کرتے ہیں کہ وہ حکام کو شریعت کے مطابق حکومت کرنے پر مجبور کریں، کیونکہ یہ عوام ہی ہے جو حکمران کا انتخاب کرتی ہے لہذا انتخاب کے عہد میں نفاذ اسلام کا عہد شامل ہونا چاہیے۔

شعر اوی جہاں ایک طرف عوام پر حالات کی ذمہ داری ڈالتے ہیں اور اصلاح کے لئے اقدامات اٹھانے کی تلقین کرتے ہیں وہاں دوسری طرف حکمرانوں سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اپنی ذمہ داریاں ادا کریں اور شریعت کو نافذ کرنے میں اپنا کردار ادا کریں۔ لیکن اس مطالبہ میں بھی آپ ٹکراؤ سے بچتے ہیں اور حکمرانوں کے ساتھ اچھے تعلقات کو بحال رکھتے ہوئے وعظ و نصیحت تک ہی محدود رہتے ہیں۔ آپ عام طور پر عمومی نصیحت سے دعوت اصلاح دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر جب آپ سے یہ کہا گیا کہ بعض لوگ تو شریعت کی تطبیق کے حامی ہیں جب کہ بعض شریعت کو عصر

(1) المائدہ: 44

(2) تفسیر الشعر اوی، ص: 3167/5

حاضر کے موافق نہیں مانتے! تو شعراوی نے ایسے لوگوں کو تجدید ایمان کی دعوت دی جو شریعت کا انکار کرتے ہیں کیونکہ ایک ایسا شخص جو خود کو مومن یا مسلمان کہتا ہو اس کے لئے ایسا موقف رکھنا جائز نہیں ہے۔¹

(5) دین کی جزوی اطاعت ناقابل قبول ہے

شرعی احکام کی تفہیم کے حوالے سے شعراوی نے یہ موقف پیش کیا ہے کہ امت کو جزوی اطاعت کی پالیسی ترک کر کے مکمل طور پر دین اسلام میں داخل ہونا ہوگا۔ یہ ایک جرم ہے کہ آپ ایک ایسی عمارت بنائیں جس میں ایک اینٹ اسلام کی ہو اور دوسری کسی اور نظریہ کی۔ امت کی موجودہ صورت حال کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ امت شریعت کے جزوی نفاذ تک محدود ہو کر رہ گئی ہے بعض احکامات کو لے کر باقی ترک کر رہی ہے۔ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ﴾²

(ترجمہ: اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو کیونکہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے)

شعراوی ایک اور مقام پر ان حکمرانوں کو تنبیہ کرتے ہیں جو قول باری تعالیٰ:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾³

(ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور ان حاکموں کی بھی جو تم میں سے ہوں)

میں سے صرف (وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ) والا حصہ لے لیتے ہیں اور آیت کا پہلا حصہ چھوڑ دیتے ہیں۔ شعراوی نے یہاں یہ واضح کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولی الامر کی مستقل اطاعت کا حکم نہیں دیا ہے بلکہ کہا ہے کہ (أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ) یعنی حکمرانوں کی اطاعت باطن میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت ہوتی ہے، شعراوی حکمرانوں سے کہتے ہیں کہ: ہمیں اسلام میں تلفیق نہیں چاہیے، پورے اسلام کو لے لو کہ تم بھی راحت پاؤ اور تمہاری ساتھ ہم بھی راحت حاصل کریں۔⁴

د۔ معاشی اصلاح

شعراوی نے اپنی تفسیر میں پوری جدوجہد کی ہے کہ وہ یہ ثابت کر سکیں کہ قرآن کریم نے انسانیت کے لئے جو معاشی اصول فراہم کیے ہیں وہ سب سے بہترین ہیں اور صرف انہی اصولوں کو اپنا کر انسانیت اپنے معاشی مسائل سے

(1) دیکھیے: تفسیر الشعراوی، ص: 883/2، ص: 800/2، ص: 804/2

(2) البقرة: 208

(3) النساء: 59

(4) تفسیر الشعراوی، ص: 883/2

چھکارا حاصل کر سکتی ہے۔ اس ضمن میں آپ نے معاشی اصطلاحات و تصورات کی وضاحت قرآنی آیات کی روشنی میں کرنے کی کوشش کی ہے۔

(1) اقتصادی نظام کی تعریف

مثال کے طور پر آپ نے اقتصادی نظام کے حوالے سے قول باری تعالیٰ:

﴿إِنَّ لَكَ أَلَّا يَجُوعَ فِيهَا وَلَا تَعْرَىٰ، وَأَنَّكَ لَا تَظْمَأُ فِيهَا وَلَا تَصْحَىٰ﴾¹

(ترجمہ: یہاں تو تمہیں نہ بھوک ستاتی ہے نہ ننگے رہتے ہو، نہ پیاس لگتی ہے اور نہ دھوپ)

کی تفسیر میں فرمایا:

"اقتصادی نظام سے مراد ایک ایسا نظام ہے جو پہلے زندگی کی ضروریات پوری کرتا ہے پھر ترقی کر کے اس کے

کمالات کی تکمیل کرتا ہے۔ حق سبحانہ و تعالیٰ نے ایجاز کے ساتھ اس کا بیان اپنی کتاب عزیز میں فرمایا کہ: (إِنَّ

لَكَ أَلَّا يَجُوعَ فِيهَا وَلَا تَعْرَىٰ، وَأَنَّكَ لَا تَظْمَأُ فِيهَا وَلَا تَصْحَىٰ) یہ چیزیں زندگی کو قائم رکھنے والی ہیں یعنی

کھانا، پینا اور لباس۔"²

(2) حق ملکیت کا اسلامی تصور

قول باری تعالیٰ:

﴿خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ---﴾³

(ترجمہ: (اے نبی! آپ ان کے اموال سے صدقہ وصول کیجیے اور اس صدقہ کے ذریعہ ان کے)

اموال کو پاک کیجیے اور ان کے نفوس کا تزکیہ کیجیے، پھر ان کے لئے دعا بھی کیجیے...)

کی تفسیر میں شعر اوی نے اسلامی تصور ملکیت کی وضاحت کی ہے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ دنیاوی مال و متاع کا حقیقی مالک ہے،

اور وہی ان اسباب کے ذریعہ مال کو لے کر آتا ہے جو اس نے زندگی کی حرکت میں انسانوں کے لئے بنائے تھے لیکن اللہ

تعالیٰ انسانوں کے پسینے پر ان کے اجر کی حفاظت کرتا ہے، اور انہیں حق ملکیت عطا کرتا ہے تاکہ لوگ زندگی میں متحرک

رہیں اور اپنی حاجات کی ہی تکمیل تک محدود نہ رہیں بلکہ حاجات سے بڑھ کر محنت کریں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انسان

کی جبلت میں ملکیت کا شوق رکھ دیا ہے تاکہ کوئی بھی اس حرکت حیات کو ترک نہ کرے۔ اس آیت میں ہم نے نوٹ

کیا ہے کہ مال کی نسبت اس کے مالکان کی جانب کی گئی ہے، جب تک کہ وہ تصرف کرنے میں بے وقوفی یا عدم رشد کا

(¹) طہ: 118-119

(²) تفسیر الشعراوی، ص: 9429/15

(³) البقرہ: 103

مظاہر نہ کریں جیسے کہ رقم کا وارث ایک نابالغ ہو اور تصرف پر قدرت نہ رکھتا ہو۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ہم پر یہ واضح کر دیا کہ نا سمجھ اور نابالغ کے مال کو ان کا مال شمار نہ کرو۔¹

(3) اسلامی اقتصادی نظام کے عناصر

قول باری تعالیٰ:

﴿الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا ۚ﴾²

(ترجمہ: جو لوگ سود کھاتے ہیں۔ وہ یوں کھڑے ہوں گے۔ جیسے شیطان نے کسی شخص کو چھو کر اسے منجھوٹا لحواس بنا دیا ہو۔ اس کی وجہ ان کا یہ قول (نظریہ) ہے کہ تجارت بھی تو آخر سود ہی کی طرح ہے۔ حالانکہ اللہ نے تجارت کو حلال قرار دیا ہے اور سود کو حرام....)

کی تفسیر میں آپ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ چاہتا ہے کہ تین عناصر معیشت پر حاوی ہوں:

پہلا عنصر: مخلصانہ فراخ دلی اور سخاوت، اس سے فقراء اور غریبوں کو مالداروں سے حصہ مل جاتا ہے، جو زکوٰۃ کی صورت میں عام مختص قانونی حق کے ذریعہ نہیں، بلکہ صدقات و خیرات کے غیر مختص قانونی حق کے ذریعہ ہے، یہ مخلصانہ فراخ دلی اور سخاوت ہے۔
دوسرا عنصر: یہ فرض حق ہے، جو زکوٰۃ ہے۔
تیسرا عنصر: قرض کا حق ہے۔

لہذا، اسلامی معیشت پر تین چیزیں غالب رہتی ہیں: نفلی صدقات، فرض زکوٰۃ اور قرض حسنہ، اور یہی چیزیں ہیں جن کی اساس پر اسلام میں معاشی نظام قائم کیا جاسکتا ہے۔ آئیے، حق تعالیٰ کے قول کو دیکھیں جب اللہ تعالیٰ نے یہ مسئلہ پیش کیا کہ سود خوروں کی بد صورتی کیسی ہوگی، کہ وہ نہیں کھڑے ہونگے مگر اس شخص کی مانند جس کو شیطان نے چھو کر منجھوٹا لحواس کر دیا ہو۔³

(4) سود کی حقیقت

قول باری تعالیٰ:

﴿يَحْقُقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُزِيهِ الصَّدَقَاتِ﴾⁴

(1) تفسیر الشعراوی، ص: 5467/9

(2) البقرة: 275

(3) تفسیر الشعراوی، ص: 1193/2

(4) البقرة: 276

(ترجمہ: اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا اور صدقات کی پرور شکر تاتا ہے۔)

کی تفسیر میں شعر اوی نے ان لوگوں کا رد کیا ہے جو ظاہری طور پر سود کے بڑھنے اور زکاۃ کے گٹھنے کو معیار بنا کر فیصلے کرتے ہیں۔ آپ نے یہ وضاحت کی کہ خالق کے پیمانے میں سود گھٹتا ہے جب کے ان سطحی سوچ رکھنی والوں کے پیمانے میں سود بڑھتا ہے۔ یعنی حقیقت میں جو زکاۃ ان سطحی سوچ والے انسانوں کی نظر میں مال گھٹاتی ہے وہ اصلاً مال کو بڑھاتی ہے اور اسی طرح وہ سود جو ان سطحی سوچ والے انسانوں کی نظر میں مال بڑھاتا ہے وہ اصلاً مال کو گھٹاتا ہے۔¹

(5) حصول رزق کی شرائط

شعر اوی کے مطابق اسلامی اقتصادی نظام کائنات میں وجود حرکت پر مبنی ہے اور اس حرکت کے لئے دو شرطیں ہیں:

1. کہ یہ حرکت متحرکین کی توانائی کے مطابق ہو، نہ کہ ان کی ضروریات کے مطابق۔ یہاں تک کہ متحرک قادر کے پاس اضافی رقم ہو جو اس سے غیر قادر حاصل کر سکے۔ کیونکہ اگر لوگ صرف اپنی حاجات کے بقدر کام کریں گی تو وہ لوگ جو حرکت کی صلاحیت نہیں رکھتے جیسے مستحقین زکاۃ و صدقات وغیرہ، کیسے زندگی گزاریں گے؟ لہذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنی طاقت کے مطابق کام کرے نہ کہ صرف اپنی ضروریات کے بقدر۔

2. پاکیزہ حرکت: کیونکہ حلال حرکت کے لئے شرط ہے کہ وہ باطل میں نہ ہو، جیسا کہ کوئی شخص جب چوری کرتا ہے تو اس کی حرکت حرام ہوتی ہے اور حق تعالیٰ چاہتا ہے کہ ہماری حرکت شرف والی اور پاکیزہ ہو۔²

(6) مسئلہ زکاۃ

قول سبحانہ و تعالیٰ:

﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا ---﴾³

(ترجمہ: صدقات تو دراصل فقیروں مسکینوں اور ان کارندوں کے لئے ہیں جو ان (کی وصولی) پر مقرر ہیں۔۔۔)

کی تفسیر میں شعر اوی نے زکاۃ کے حوالے سے کلام کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زکاۃ کو اسلام کا ایک رکن بنایا، اور یہ رکن فقیروں کی مصلحت کے لئے بنایا، یعنی ایمانی اعتبار سے اس رکن میں فقیر آدمی کے مال میں امیر کے لئے حصہ نہیں ہے البتہ امیر کے مال میں فقیر کے لئے حصہ ہے۔ اور امیر آدمی جب اپنے مال سے وہ جز نکال دیتا ہے تو وہ اس جز سے مستغنی

(1) تفسیر الشعر اوی، ص: 5472/9

(2) دیکھیے: تفسیر الشعر اوی، ص: 5064/8، ص: 79119/2

(3) النبیۃ: 60

ہو جاتا ہے۔ حق سبحانہ و تعالیٰ کائنات اور اس میں موجود ہر چیز سے مستغنی ہے لہذا اس نے امیر آدمی کو اس کے اس عمل پر اپنی صفات کا حصہ عطا کیا۔

شعراوی کے نزدیک زکاۃ ضروریات زندگی میں سے ہے کیونکہ امیر آدمی بھی اسی صورت میں پر امن زندگی گزار سکتا ہے کہ وہ معاشرے کے باقی افراد کی کفالت کی فکر کرے تاکہ سب لوگ اپنی زندگی گزار سکیں ورنہ شر پھیلنے کا اندیشہ ہے۔ اسی طرح شعراوی نے ایک اور مقام پر مصر کے بنگلہ سیکٹر کے اعداد و شمار کو بیان کر کے وضاحت فرمائی کہ اس قدر دولت جو بتکوں میں سود کی غرض سے جمع ہے اگر اس کی باقاعدہ زکاۃ نکالی جائے تو مصر میں ایک شخص بھی محتاج نہ رہے۔ شعراوی کے نزدیک جہاں بھی مال میں سے اللہ کے حق یعنی زکاۃ کو روکا جاتا ہے وہاں سود پھیل جاتا ہے جیسا کہ اس وقت عالمی اقتصادی صورتحال ہے۔¹

(7) بعض باطل مالی معاملات

شعراوی نے اپنی تفسیر کے دوران قول باری تعالیٰ:

﴿الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ---﴾²

(سود خور نہ کھڑے ہونگے مگر اسی طرح جس طرح وہ کھڑا ہوتا ہے جسے شیطان چھو کر خطی بنا دے)

کی وضاحت کرتے ہوئے سود اور اس سے متعلقہ بعض باطل مالی معاملات کے حوالے سے کلام کیا ہے۔ آپ کا کہنا ہے کہ جب کوئی ایک شخص باطل طریقے سے مال حاصل کرتا ہے تو وہ دوسرے لوگوں کے لئے بھی اس راستے کو کھول دیتا ہے اور نتیجتاً پورے معاشرے میں فساد پھیل جاتا ہے۔ اور اسی طرح جب معاشی معاملات میں حق کا غلبہ ہو اور سب لوگ لین دین میں حق کے تابع ہوں تو اقتصادی نظام درست سمت میں چلتا ہے۔ بلکہ باطل کا اگر غلبہ ہو بھی جائے تو یہ عارضی اور غیر مستقل ہوتا ہے جبکہ حق ہمیشہ قائم رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ ہم اپنے خون پسینے کی حلال کمائی کھائیں اور ہر انسان اپنا جائز حق حاصل کرے بلکہ سستی کے سبب دوسروں کی محتاجی اختیار کرنے کی بجائے اپنے ہاتھ کی کمائی پر اکتفا بھی کرے۔ کیونکہ اگر لوگ مشقت ترک کر کے دوسروں پر بھروسہ کر کے بیٹھ جائیں گے تو یہ نظام نہیں چل سکے گا اور معاشرے میں بھوک و افلاس پھیلے گی۔³

اس بحث سے واضح ہوتا ہے کہ شعراوی نے کس قدر تفصیل سے اپنی اصلاحی فکر کو تفسیر کے دوران بیان کیا ہے۔ اب اگلی بحث میں ڈاکٹر اسرار صاحب کا منہج دعوت و اصلاح پیش کرنے کے بعد دونوں مفسرین کے منہج کا تقابل کیا گیا ہے۔

(1) دیکھیے: تفسیر الشعراوی، ص: 5234/9، 5241، ص: 901/2

(2) البقرة: 275

(3) تفسیر الشعراوی، ص: 799/2

مبحث دوم

ڈاکٹر اسرار احمد کا منہج دعوت و اصلاح

الف۔ ڈاکٹر صاحب کی نظر میں موجودہ حالات

پہلے باب کی تیسری فصل کی بحث میں یہ تفصیل سے یہ بیان ہوا کہ ڈاکٹر صاحب کی نظر میں امت مسلمہ عمومی سطح پر اور مسلمانان پاکستان خصوصی طور پر انتہائی تشویشناک صورتحال سے دوچار ہیں۔ اس وقت کرہ ارضی پر کوئی ایک بھی ملک ایسا نہیں ہے جہاں انسانوں کی انفرادی و اجتماعی زندگی کے تمام گوشوں میں دین اسلام نافذ ہو۔ ملک خداداد پاکستان، جو کہ اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا وہاں پر بھی اللہ تعالیٰ کے دین کی کھلی خلاف ورزی ہو رہی ہے۔

آپ کے بقول یہود اور ان کے آلہ کار ایک مذموم ایجنڈے کو بشمول اسلامی ممالک کے، تمام دنیا پر مسلط کرنے میں مصروف ہیں۔ دوسری جانب اسلامی ممالک کی قیادت اور تعلیم یافتہ طبقے کی اکثریت مغرب سے مرعوب اور اسلام سے بیزار ہے۔ سیکولرزم کے تحت مذہب کا تعلق انسان کی اجتماعی زندگی کے تمام گوشوں سے بالکل منقطع کر دیا گیا ہے اور روشن خیالی اور اعتدال پسندی کے دھوکے میں آکر عصر حاضر کا انسان شریعت اور اس کی پابندیوں سے دور، مادر پدر آزاد، اخلاقیات سے عاری، شرم و حیا کی قیود سے بے پروہ ہو کر زندگی گزار رہا ہے۔

ایک جانب پوری انسانیت نسلی، لسانی و علاقائی عصبیت کا شکار ہے اور اخلاقی سطح پر اس کا دیوالیہ نکل چکا ہے۔ سود پر مبنی بین الاقوامی معاشی نظام نے پوری انسانیت کو اپنی گرفت میں لے رکھا ہے جس کی وجہ سے وہ بے شمار معاشی مسائل میں گھری ہوئی ہے۔ تو دوسری جانب امت مسلمہ کتاب اللہ میں مذکور اپنے مقصد و فرائض سے غفلت برتنے کی وجہ سے ذلت و پستی کا شکار ہے۔

جب بیان القرآن کا مطالعہ کیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے ایک جانب امت کے موجودہ حالات کی تشخیص کرتے ہوئے ان حالات کے اسباب کا تدارک کرنے کی کوشش کی ہے تو دوسری جانب آپ نے امت کو انفرادی و اجتماعی اصلاح کا نسخہ بھی دیا ہے۔ اس حوالے سے تفصیلی گفتگو کی جائے گی۔

ب۔ ڈاکٹر صاحب کے نزدیک امت کے موجودہ حالات کے اسباب

ڈاکٹر صاحب کے نزدیک امت کے زوال کے اسباب درج ذیل ہیں۔

(1) کتاب اللہ کو چھوڑ دینا

ڈاکٹر صاحب کے نزدیک امت کے زوال اور موجودہ حالات کا سب سے بڑا سبب قرآن حکیم سے دوری

ہے۔ اس حوالے سے آپ نے اپنی تفسیر میں متعدد مقامات پر کلام کیا ہے۔ آپ ایک مقام پر علامہ اقبال کا شعر نقل

کرتے ہیں نہ

خوار از مہجوری قرآن شدی

شکوہ سنج گردشِ دوراں شدی!

"(اے مسلمان!) تیری ذلت اور رسوائی کا اصل سبب تو یہ ہے کہ تو قرآن سے دور اور بے تعلق ہو گیا ہے" ¹

ایک اور مقام پر سورہ بقرہ میں بنی اسرائیل کے متعلق قول باری تعالیٰ:

﴿وَضَرَبْتُ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةَ وَالْمَسْكَنَةَ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ---﴾ ²

(ترجمہ: اور) (انجام کار) ان پر ذلت اور بد حالی مسلط کر دی گئی اور وہ اللہ کے غضب میں آگئے۔۔۔)

کی تفسیر کرتے ہوئے آپ یہ فرماتے ہیں کہ بلاشبہ بنی اسرائیل وہ امت تھی جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا:

﴿وَأَيُّ فَضْلَتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ﴾ ³

(ترجمہ: اور میں نے تمہیں تمام جہانوں پر فضیلت دی)

لیکن اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کی کتاب کو پس پشت ڈالنے کی وجہ سے ان پر ذلت اور مسکنت مسلط کر دی گئی اور وہ اللہ

کے غضب کا شکار ہوئے۔ کیونکہ ان سے کہا گیا تھا کہ:

﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ مِنْ رَبِّهِمْ لَأَكْلُوا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ﴾ ⁴

(ترجمہ: اگر یہ لوگ تورات اور انجیل پر اور جو دوسری کتابیں ان پر انکے پروردگار کی طرف سے

نازل ہوئی تھیں، ان پر عمل پیرا رہتے تو انکے اوپر سے بھی کھانے کو رزق برستا، اور پاؤں کے نیچے

سے بھی ابلتا)

لیکن وہ ان انعامات کی بجائے عذاب میں مبتلا ہوئے کیونکہ انہوں نے کتاب کو چھوڑ کر اپنی خواہشات، اپنے نظریات،

اپنے خیالات، اپنی عقل اور اپنی مصلحتوں کو مقدم جانا، اور اپنے تہمید، سرکشی اور اپنی حاکمیت کو بالا کر لیا۔

اس تمہید سے آپ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ جو قوم دنیا میں اللہ کے قانون، اللہ کی ہدایت اور اللہ کی کتاب کی امین

ہوتی ہے وہ اللہ کی نمائندہ ہوتی ہے، اور اگر وہ اپنے عمل سے غلط نمائندگی کرے تو وہ اللہ کے نزدیک کافروں سے بڑھ

(¹) بیان القرآن، ص: 97/1

(²) البقرہ: 61

(³) البقرہ: 47

(⁴) المائدہ: 66

کر مغضوب اور مبغوض ہو جاتی ہے۔¹

آپ کا یہ نتیجہ حقیقت پر مبنی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کسی امت کی فضیلت صرف کتاب اللہ کی پیروی اور ایمان اور عمل صالح پر مبنی کارکردگی سے جڑی ہے ورنہ کسی اور نسبت کی اللہ کے نزدیک کوئی حیثیت نہیں، جیسا کہ اپنے زمانے میں فضیلتیں حاصل کرنے والے اہل کتاب کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَسْتُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ حَتَّىٰ تُقِيمُوا التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ...﴾²

(آپ ان سے کہئے: "اے اہل کتاب! جب تک تم تورات، انجیل اور جو کچھ تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے اس کی پابندی نہ کرو گے تو تم دین کی کسی اصل پر نہیں ہو)

اس وقت کتاب اللہ کی امین یہ امت مسلمہ ہے اور بنی اسرائیل کی سی روش اپنانے کے سبب آج یہ امت ان کے مقام پر کھڑی ہے اس لیے کہ کافروں کو دین پہنچانا تو اس مسلمان امت کے ذمہ تھا لیکن یہ خود ہی دین سے منحرف ہو گئے۔ جس کا نتیجہ ذلت و مسکنت کی صورت میں ملا یہاں تک کہ تعداد میں سوارب یا ڈیڑھ ارب ہونے کے باوجود ان کے حصے میں عزت نام کی کوئی شے نہیں ہے۔ ہمارے متعدد علاقوں پر کفار قابض ہیں، لیکن ہمارے اندر انہیں آزاد کروانے کی ہمت نہیں ہے۔ اور واقعی یہ صورتحال زائل نہ ہوگی جب تک ہم قرآن حکیم اور اس کی شرح یعنی سنت رسول ﷺ کو اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی میں نافذ نہیں کریں گی۔ لہذا اب امت کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اس ناصحانہ کلام کی روشنی میں اپنی اصلاح کرے تاکہ اللہ تعالیٰ ان سے کیے گئے اپنے وعدوں کو پورا کرے اور انہیں ایمان کی بدولت زمین پر غلبہ عطا فرمائے۔

(2) جزوی دین پر عمل

ڈاکٹر صاحب کے بقول امت کے مختلف طبقات نے اس وقت دین کے کسی خاص جز کو پکڑ رکھا ہے تو دوسرے جز کو نظر انداز کیا ہوا ہے۔ ہمارا طرز عمل بھی یہی ہے کہ ہم پورے دین پر چلنے کو تیار نہیں ہیں۔ ہم میں سے ہر گروہ نے کوئی ایک شے اپنے لیے حلال کر لی ہے۔ ملازمت پیشہ طبقے کی بڑی تعداد نے رشوت کو جائز سمجھ رکھا ہے جب کہ کاروباری طبقہ سود میں ملوث ہے۔ چنانچہ ہمارے ہاں ہر طبقے میں نیکی اور بدی کا ایک امتزاج ہے، جب کہ امت سے اللہ تعالیٰ کا مطالبہ تو یہ ہے کہ وہ پورے دین پر عمل پیرا ہو، جیسا کہ قول باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً﴾³

(¹) دیکھیے: بیان القرآن، ص: 173/1، ص: 295/2

(²) المائدہ: 68

(³) البقرہ: 208

(ترجمہ: اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک جزوی اطاعت قبول نہیں ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَفْتَوْهُمْ مَنْ بَعْضُ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَاءُ مَنْ يَفْعَلُ ذَلِكَ مِنْكُمْ إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يُرَدُّونَ إِلَى أَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللَّهُ بِعَافٍ لِمَا تَعْمَلُونَ﴾¹

(ترجمہ: کیا تم کتاب کے بعض احکام مانتے ہو اور بعض کا انکار کر دیتے ہو؟ بھلا جو لوگ ایسے کام

کریں ان کی سزا اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ دنیا میں ذلیل و خوار ہوں اور قیامت کے دن وہ

سخت عذاب کی طرف دھکیل دیئے جائیں؟ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے بے خبر نہیں)

آج امت مسلمہ عالمی سطح پر جس ذلت و رسوائی کا شکار ہے اس کی ایک وجہ یہی جزوی اطاعت ہے کہ دین کے

ایک حصے کو ماننا جاتا ہے اور ایک حصے کو پاؤں تلے روند دیا جاتا ہے۔²

ڈاکٹر صاحب نے یہاں ایک انتہائی اہم مسئلے کی جانب امت کی توجہ مبذول کروائی ہے کیونکہ قرآن حکیم میں

مسلمانوں سے کہا جا رہا ہے کہ اللہ کی اطاعت میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ نہ کہ تحفظات اور استثناءات لے کر۔

یہ طرز عمل قابل قبول نہیں ہے کہ اللہ کی بندگی صرف مخصوص معاملات میں کی جائے۔ اللہ کا ہر حکم ماننا ہو گا کیونکہ

اللہ کے احکام میں سے کسی ایک کی نفی سے کل کی نفی ہو جائے گی۔ دوسری جانب اس وقت امت میں نیکی کے ظواہر پر

تو بہر حال کچھ عمل ہوتا ہے لیکن اس کی اصل حقیقت سے غفلت برتی جا رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ جزوی اور غیر مخلصانہ

اطاعت قبول نہیں کرتا۔ اس حوالے سے امت کو اپنی صورت حال کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔

(3) عملی طور پر کمزور مسلمان

ڈاکٹر صاحب کے نزدیک امت کے افراد کی ایمانی کمزوری اور بے عملی نے بھی مسلم امت کو موجودہ حالات

تک پہنچانے میں مرکزی کردار ادا کیا ہے۔ آپ کے بقول اس وقت مسلمانوں کی اکثریت "نسلی مسلمان" ہیں۔ یعنی ان

میں سے اکثر اس لیے مسلمان ہیں کہ وہ مسلمان والدین کے گھر پیدا ہوئے ہیں۔ انہوں نے اسلام کو ایک موروثی

نظریے کے طور پر قبول کیا ہے اس میں ان کے ارادے، اختیار یا انتخاب کا قطعاً کوئی دخل نہیں ہے۔ اسی وجہ سے ہمارا

عام مسلمان اپنے حالات اور ماحول کے مطابق اللہ، رسول، آخرت، نماز روزہ وغیرہ جیسی دینی تعلیمات کا تعارف تو

بچپن میں ہی سیکھ لیتا ہے۔ لیکن حقیقی و قلبی ایمان اور عمل صالح کے اعتبار سے اس کا دامن خالی ہی رہتا ہے اور ہماری

اکثریت ایمان اور اسلام کے تقاضے پورے کرنے کی فکر سے بالکل ہی لا تعلق ہو چکی ہے۔

(1) البقرة: 85

(2) بیان القرآن، ص: 190/1، ص: 279/1، ص: 250/1

اس سخت موقف کے باوجود آپ ایسے لوگوں کو مسلمان ہی مانتے ہیں۔ آپ رقم طراز ہیں:

"یہ حقیقت بھی اپنی جگہ مسلم ہے کہ ایسے تمام لوگ حقیقی ایمان سے تہی دامن ہونے کے باوجود منافق نہیں اس لیے کہ وہ کسی کو دھوکہ دینے کے لیے اسلام نہیں لائے۔ چنانچہ ان سب لوگوں کے بارے میں یہ کہنا مناسب ہو گا کہ وہ "کمزور مسلمان" ہیں۔۔۔۔۔ آج ہماری غالب اکثریت بلاشبہ "کمزور مسلمانوں" پر مشتمل ہے۔"¹

(4) اللہ تعالیٰ سے بد عہدی

قول باری تعالیٰ:

﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ عَاهَدَ اللَّهَ لَئِنْ آتَانَا مِنْ فَضْلِهِ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُونَنَّ مِنَ الصَّالِحِينَ ، فَلَمَّا آتَاهُمْ مِنْ فَضْلِهِ بَخِلُوا بِهِ وَتَوَلَّوْا وَهُمْ مُّعْرِضُونَ ، فَأَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِي قُلُوبِهِمْ إِلَى يَوْمِ يَلْقَوْنَهُ بِمَا أَخْلَفُوا اللَّهَ مَا وَعَدُوهُ وَبِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ﴾²

(ترجمہ: اور ان میں سے کچھ ایسے ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر اللہ ہمیں اپنی مہربانی سے (مال و دولت) عطا کرے گا تو ہم ضرور صدقہ کریں گے اور نیک بندے بن جائیں گے، پھر جب اللہ نے اپنی مہربانی سے مال عطا کر دیا تو بخل کرنے لگے اور کمال بے اعتنائی سے (اپنے عہد سے) پھر گئے، جس کے نتیجہ میں اللہ نے ان کے دلوں میں اس دن تک کے لئے نفاق ڈال دیا جس دن وہ اس سے ملیں گے جس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ سے جو وعدہ کیا تھا اس کی خلاف ورزی کی اور اس لیے بھی کہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے)

سے ڈاکٹر صاحب نے یہ استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے عہد کر کے اس سے پھر جانے کی دنیا میں یہ نقد سزا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے دلوں میں نفاق پیدا فرمادیتے ہیں۔

اس کے بعد آپ اس آیت کا اطلاق مسلمانان پاکستان پر کرتے ہیں کہ مسلمانان برصغیر نے تحریک پاکستان کے دوران اللہ تعالیٰ سے ایک عہد کیا تھا کہ اگر وہ انہیں ایک ملک عطا کرے گا تو وہ اس میں دین اسلام کو نافذ کریں گے۔ لیکن پاکستانی قوم نے ایک طویل مدت گزر جانے کے باوجود اس وعدے کو پورا کرنے کی بجائے مخالف سمت میں چلتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اجتماعی بے وفائی اور بد عہدی کی بدترین مثال قائم کی ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ ہماری اس بد عہدی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے تین قسم کے نفاق اس قوم پر مسلط کر دیئے۔ ایک باہمی نفاق، جس کے باعث یہ قوم اب قوم نہیں رہی فرقوں میں بٹ چکی ہے اور اس میں مختلف عصبیتیں

(¹) ایضاً، ص: 120/7

(²) التوبہ: 75-77

پیدا ہو چکی ہیں۔ صوبائیت، مذہبی فرقہ واریت وغیرہ نے باہمی اتحاد ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے۔ نفاق کی دوسری صورت یہ ہے کہ ہمارے ہاں شخصی کردار اور پھر قومی کردار کا بیڑا غرق ہو گیا۔ یعنی حدیث رسول ﷺ:

((آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ وَإِذَا أُؤْتِيَ حَانَ))¹

(ترجمہ: منافق کی علامتیں تین ہیں۔ جب بات کرے جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے اس کے خلاف کرے اور جب اس کو امین بنایا جائے تو خیانت کرے)

میں مذکور منافق کی تینوں نشانیاں اس قوم کی اکثریت میں پیدا ہو چکی ہیں۔ آپ کے بقول اس وقت پاکستان میں جو جتنا بڑا ہے اتنا ہی بڑا جھوٹا ہے، اتنا ہی بڑا وعدہ خلاف ہے اور اتنا ہی بڑا خائن ہے (الامشاء اللہ!)²

ڈاکٹر صاحب کا یہ موقف قدرے سخت معلوم ہوتا ہے لیکن جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ وہ عام مسلمانوں کے لئے "کمزور مسلمان" کی اصطلاح استعمال کرنے کے قائل تھے نہ کہ منافق وغیرہ کی۔ بہر حال پاکستان کی موجودہ صورتحال واقعی پریشان کن ہے۔ آج کا پورا معاشرہ فتنہ بن چکا ہے۔ اسلام پر عمل کرنا مشکل ہے، بد معاشی اور حرام خوری کے راستے کھلے ہوئے ہیں۔ معیشت سود پر مبنی ہے اور ہر فرد آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کے قرضوں تلے دبا ہوا ہے۔ حلال کے لقمے کا حصول اس قدر مشکل بنا دیا گیا ہے کہ دانتوں پسینہ آئے تو شاید نصیب ہو۔ نکاح اور شادی کے جائز راستوں پر بڑی بڑی شرطیں اور قد غننیں عائد ہیں، جبکہ ناجائز مراسم اور زنا کے راستے کھلے ہیں۔ اور شاید یہ سب اسی بد عہدی کی سزا ہے۔

(5) مصلحین کی ناقدری

ڈاکٹر صاحب کے نزدیک جہاں امت اپنی کوتاہیوں کے سبب اس حال میں پہنچی ہے وہاں اس امت نے مصلحین کی قدر کرنے اور اصلاح کا راستہ اپنانے کی بجائے انہیں ظلم و ستم کا نشانہ بنایا ہے۔ آپ قول باری تعالیٰ:

﴿ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ--﴾³

(وجہ یہ تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے تھے اور انبیاء کو ناحق قتل کرنے لگے تھے)

کی تفسیر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

(1) متفق علیہ: صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب علامۃ المنافق، حدیث #33، صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان خصال المنافق، حدیث #107

(2) بیان القرآن، ص: 303/3

(3) البقرہ: 61

"ہمارے ہاں بھی مجددین امت کو، قتل بھی کیا گیا اور ان میں سے کتنے ہیں جو جیلوں میں ڈالے گئے۔ متعدد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور سینکڑوں تابعین مستبد حکمرانوں کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔

ائمہ دین کو ایسی ایسی مار پڑی ہے کہ کہا جاتا ہے کہ ہاتھی کو بھی ایسی مار پڑے تو وہ برداشت نہ کر سکے..."¹

آپ کا یہ اقتباس بھی تاریخی حقائق پر مبنی ہے اور واقعی مذکورہ علمائے دین کے علاوہ بھی امت میں ایسے متعدد علمائے حق گزرے ہیں جنہیں جلاوطنی، تشدد اور قید و بند جیسی صعوبتیں جھیلنی پڑی تھیں۔ ان میں امام ابو حنیفہ، امام احمد بن حنبل، امام بخاری اور امام ابن تیمیہ وغیرہ شامل ہیں۔

(6) فرقہ واریت

قرآن کریم اور احادیث رسول ﷺ کے مطابق فرقہ واریت اللہ تعالیٰ کا ایک عذاب ہے جیسا کہ قول باری

تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ أَوْ مِنْ تَحْتِ أَرْجُلِكُمْ أَوْ يَلْبَسَكُمْ شَيْعًا وَيُذِيقَ بَعْضَكُمْ بَأْسَ بَعْضٍ--﴾²

(ترجمہ: آپ ان سے کہئے: کہ اللہ اس بات پر قادر ہے کہ وہ تم پر تمہارے اوپر سے کوئی عذاب نازل کرے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے تم پر کوئی عذاب مسلط کر دے یا تمہیں فرقے فرقے بنا کر ایک فرقے کو دوسرے سے لڑائی (کامزاً) چکھادے۔)

ڈاکٹر اسرار احمد کے بقول یہ گروہ بندی اور اس کی بنیاد پر باہمی خون ریزی عذاب الہی کی بدترین شکل ہے، جو آج بد قسمتی سے مسلمانان پاکستان پر مسلط ہے۔ تقسیم ہند سے قبل جب ہندو سے مقابلہ تھا تو مسلمان ایک قوم تھے۔ پاکستان بنا تو اس کے تمام باسی پاکستانی تھے۔ اب یہی پاکستانی قوم چھوٹی چھوٹی قومیتوں اور عصبیتوں میں تحلیل ہو چکی ہے اور ہر گروہ دوسرے گروہ کے خلاف سرگرم عمل ہے³۔

(7) دینی ذمہ داریوں سے اعراض اور فضولیات میں مشغولیت

ڈاکٹر صاحب کے نزدیک قول باری تعالیٰ:

﴿وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا--﴾⁴

(¹) بیان القرآن، ص: 41/3

(²) الانعام: 65

(³) بیان القرآن، ص: 174/1

(⁴) البقرة: 143

(ترجمہ: اور اسی طرح (اے مسلمانو!) ہم نے تمہیں امت وسط بنایا ہے تاکہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ ہو اور رسول (ﷺ) تم پر گواہ ہو)

کی روشنی میں تحویل قبلہ اس بات کی علامت ہے کہ اب امت مسلمہ اس بڑے منصب پر فائز ہو رہی ہے جس پر کبھی بنی اسرائیل فائز رہے تھے اور یہ جتنا بڑا اعزاز ہے اتنی بڑی ذمہ داری بھی ہے۔ اب اس امت کا یہ فرض منصبی ہے کہ ہم پر جس دین کی گواہی رسول ﷺ نے اپنے قول و عمل سے دی ہے اسی دین کی گواہی اس امت کو اپنے قول اور عمل سے پوری نوع انسانی پر دینی ہے۔ اب یہ امت محمد رسول اللہ ﷺ اور نوع انسانی کے درمیان واسطہ (link) بن گئے ہیں۔ کیونکہ آپ ﷺ پر نبوت ختم ہو رہی ہے، لیکن نسل انسانی کا سلسلہ تو قیامت تک جاری رہنا ہے۔ لہذا اب آگے لوگوں کو دین کی زبانی و عملی دعوت دینا اور ان پر اتمام حجت کرنا اسی امت کی ذمہ داری ہوگی۔¹

لیکن افسوس ہے کہ امت اپنی اس ذمہ داری سے سبکدوش نہیں ہو رہی اور اس حوالے سے عظیم جرم کا ارتکاب کر رہی ہے۔ امت کی موجودہ صورت حال کا یہ ایک بڑا سبب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے وعدے برحق ہیں لہذا ان کی تکمیل نہ ہونا ضرور کسی مانع کی وجہ سے ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے فرمایا تھا کہ:

﴿وَأَوْفُوا بِعَهْدِي أُوفِ بِعَهْدِكُمْ﴾²

(ترجمہ: اور میرے عہد کو پورا کرو، میں تمہارے عہد کو پورا کروں گا)

ڈاکٹر صاحب نے اس طرف بھی توجہ دلائی ہے کہ بنی اسرائیل کی طرح جب کسی بھی امت میں دین کی اصل حقیقت اور اصل تعلیمات سے بعد پیدا ہوتا ہے تو لوگوں کا رجحان جادو ٹونوں، ٹوٹکوں، تعویذ گنڈوں اور عملیات وغیرہ کی طرف ہو جاتا ہے۔ کتاب اللہ جو ہدایت کا سرچشمہ ہے، اسے دنیوی خواہشات کی تکمیل کا ذریعہ بنالیا جاتا ہے۔ چنانچہ دشمن کو زیر کرنے اور محبوب کو قدموں میں گرانے کے لیے "عملیات قرآنی" کا سہارا لیا جاتا ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ یہ دھندے ہمارے ہاں بھی خوب چل رہے ہیں اور شاید سب سے زیادہ منفعت بخش کاروبار یہی ہے، جس میں نہ تو کوئی محنت کرنے کی ضرورت ہے اور نہ ہی کسی سرمایہ کاری کی۔ رسول اللہ ﷺ نے بہت خوبصورت انداز میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تربیت فرمائی تھی اور آپ ﷺ کی اسی تربیت کے باعث ان کی جماعتی زندگی انتہائی منظم تھی۔ جب کہ عصر حاضر کے مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ یہ دنیا کی انتہائی غیر منظم قوم بن کر رہ گئے ہیں۔³

(¹) بیان القرآن، ص: 230/1

(²) البقرة: 40

(³) بیان القرآن، ص: 202/1 اور ص: 263/3

ت۔ ڈاکٹر صاحب کا نظریہ اصلاح

اول۔ عمومی اصلاح

(1) قرآن سے تعلق (انسانی ہدایت کا واحد سرچشمہ قرآن ہے)

ڈاکٹر صاحب نے اپنی تفسیر میں جا بجا قرآن کریم کی عظمت و اہمیت کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے اس حوالے سے آپ نے بے شمار آیات اور احادیث کے ساتھ ساتھ اسلاف امت کے اقوال و واقعات سے بھی استدلال کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم "جل اللہ" یعنی اللہ کی وہ مضبوط رسی ہے جس کا ایک سر اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں اور دوسرا سر ابرہندوں کے ہاتھ میں ہے، لہذا اللہ اور بندوں کے تعلق کو بنانے کا موثر ترین ذریعہ قرآن حکیم ہی ہے۔ ایک انسان کے حق میں قرآن وعظ اور نصیحت ہے، تمام امراض قلب کے لیے شفا اور ہدایت ہے۔ قرآن کریم انسانوں کی فکری و عملی رہنمائی کے لئے آیا ہے۔ اس میں عقائد کی درستگی کے ساتھ انسان کو یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اسے کیا کرنا ہے اور کس چیز سے بچنا ہے۔ اسی طرح قرآن کریم میں انسانوں کی انفرادی ہدایت سے بڑھ کر اجتماعی ہدایت کا سامان بھی موجود ہے، اور درحقیقت انسان بے شمار ٹھوکریں کھانے کے بعد اس ہدایت کا سب سے زیادہ محتاج ہے۔¹

مسلمانوں پر قرآن حکیم کے حقوق

ڈاکٹر صاحب کے نزدیک ہر مسلمان پر حسب استعداد قرآن مجید کے پانچ حق عائد ہوتے ہیں، اور بحیثیت مسلمان اگر انہیں ہم ادا نہیں کر رہے تو اس کی جوابدہی کرنا پڑے گی۔ یہ حقوق درج ذیل ہیں:

1. (اسے مانے جیسا کہ ماننے کا حق ہے)۔ (ایمان و تعظیم)
2. (اسے پڑھے جیسا کہ پڑھنے کا حق ہے)۔ (تلاوت و ترتیل)
3. (اسے سمجھے جیسا کہ سمجھنے کا حق ہے)۔ (تذکر و تدبر)
4. اس پر عمل کرے جیسا کہ عمل کرنے کا حق ہے۔ (حکم و اقامت)
5. قرآن کو دوسروں تک پہنچانا، اسے پھیلانا اور عام کرنا۔ (تبلیغ و تنبیہ)²

قرآن کریم کے فہم کے دو درجے

ڈاکٹر صاحب کے بقول کوئی شخص بھی قرآن کریم سے مستغنی نہیں ہے۔ البتہ فہم قرآنی کے دو درجے ہیں یعنی تذکر بالقرآن اور تدبر قرآن۔ قرآن سے تذکیر حاصل کرنے کے لئے اولاً حسن نیت، طلب ہدایت، عدم تعصب، اور ثانیاً عربی متن کو براہ راست سمجھنے کی غرض سے عربی زبان کا بنیادی علم شرط ہے۔ البتہ تدبر کے لیے گہرائی میں اترنا

(¹) دیکھیے: بیان القرآن، ص: 60/1، بیان القرآن، ص: 91/1، ص: 30/4، 106/1

(²) ایضاً، ص: 376/5 اور 96/1

ہوگا جس کا حق ادا کرنے کے لیے صرف و نحو، بلاغت، شعر جاہلی، سبب نزول، نسخ منسوخ، احادیث، منطق وغیرہ جیسے علوم کو بھی جاننا ضروری ہے۔

آپ نے توجہ دلائی ہے کہ عصر حاضر میں تدبر قرآن کسی ایک انسان کے بس کی بات نہیں ہے بلکہ اس کے لیے تو ایک جماعت درکار ہے۔ اس مقصد کے لیے ایسی یونیورسٹیز قائم کرنی ہوں گی جن کا اصل مرکزی شعبہ "تدبر قرآن" کا ہو اور اس کے گرد تمام علوم عقلی، جیسے منطق، مابعد الطبیعیات، اخلاقیات، نفسیات اور الہیات، علوم عمرانی جیسے معاشیات، سیاسیات اور قانون، اور علوم طبعی، جیسے ریاضی، کیمیا، طبیعیات، ارضیات اور فلکیات وغیرہ کے شعبوں کا ایک حصار قائم ہو، اور ہر ایک طالب علم "تدبر قرآن" کی لازماً اور ایک یا اس سے زائد دوسرے علوم کی اپنے ذوق کے مطابق تحصیل کرے اور اس طرح ان شعبہ ہائے علوم میں قرآن کے علم و ہدایت کو تحقیقی طور پر اخذ کر کے موثر انداز میں پیش کر سکے۔ مختلف شعبے مل کر تدبر قرآن کی ضرورت کو پورا کر سکتے ہیں جو وقت کا اہم تقاضا ہے۔¹

ڈاکٹر صاحب نے یہاں بہت اچھی تجاویز دی ہیں اور اب یہ شعبہ تعلیم سے وابستہ افراد کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان تجاویز کی روشنی میں مستقبل کا لائحہ عمل بنائیں۔ قرآن کریم دعوت اور تحریک کی کتاب ہے نہ کہ محض نظریات اور خیالات پر مبنی ایسی کتاب جسے میدان عمل سے دور کسی مقام میں آرام سے کر سی پر بیٹھ کر سمجھا جاسکے۔ اس حوالے سے کم سے کم یہ تو ہو کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی اس جدوجہد کو علمی طور پر فہم کے لیے انسان سامنے رکھے ورنہ تو کسی درجے میں بھی فہم حاصل نہیں ہو سکے گا۔ جب کہ حقیقی فہم تو اسی وقت حاصل ہوگا جب آپ خود اس جدوجہد میں لگ جائیں گے اور اس کے نتیجے میں آپ کو بھی ملتے جلتے مسائل پیش آئیں گے۔ اس وقت آپ پر منکشف ہوگا کہ یہ وہ مقام اور مرحلہ تھا جس کے متعلق فلاں قرآنی آیت نازل ہوئی تھی۔

(2) فرقہ واریت کا خاتمہ

امت کو موجودہ مسائل سے نکالنے کے لئے اشد ضروری ہے کہ وہ اپنی ترجیحات کا صحیح تعین کرے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ امت اپنے باہمی اختلافات کو بھلا کر اجتماعی مفاد کو ترجیح دیتے ہوئے اسلام کی سربلندی کے لئے فیصلے کرے۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنی تفسیر میں مختلف مقامات پر فرقہ واریت کی مذمت فرمائی ہے اور امت کو باہمی اتحاد و یگانگت کی دعوت دی ہے۔ قول باری تعالیٰ:

﴿وَقَالُوا لَن يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا أَوْ نَصَارَى تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ﴾²

(¹) بیان القرآن، ص: 66/1

(²) البقرة: 111

(ترجمہ: اہل کتاب کہتے ہیں کہ جنت میں صرف وہی شخص داخل ہوگا جو یہودی ہو یا عیسائی ہو۔ یہ ان کی جھوٹی تمنائیں ہیں۔)

کی تفسیر کے تحت آپ فرماتے ہیں کہ اس طرح کی مذہبی جتنے بندیاں ہمارے ہاں بھی بن جاتی ہیں۔ مثلاً اہل حدیث کے مقابلے میں بریلوی اور دیوبندی جمع ہو جائیں گے، اگرچہ ان کا آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ میر اپنی جگہ ہے۔ جب ایک مشترکہ دشمن نظر آتا ہے تو پھر وہ لوگ جن کے اپنے اندر بڑے اختلافات ہوتے ہیں وہ بھی ایک متحدہ محاذ بنا لیتے ہیں۔¹ ہونا تو یہ چاہیے کہ امت اپنے حقیقی دشمن یعنی یہود و مشرکین اور دیگر کفار کے خلاف صف بستہ ہو جائے لیکن یہاں تو ایک دوسرے کے ہی خلاف زور آزمائی ہو رہی ہے۔

اسی طرح قول باری تعالیٰ:

﴿أَمْ تَقُولُونَ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطَ كَانُوا هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ قُلْ أَأَنْتُمْ أَعْلَمُ أَمِ اللَّهُ﴾²

(ترجمہ: (اے اہل کتاب) کیا تم لوگ یہ کہتے ہو کہ "ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کی اولاد

سب یہودی یا عیسائی تھے؟" بھلا تم یہ بات زیادہ جانتے ہو یا اللہ تعالیٰ؟)

کی تفسیر کرتے ہوئے آپ رقم طراز ہیں کہ یہی بات آج مسلمانوں کو سوچنا چاہیے کہ محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب دیوبندی تھے، بریلوی تھے، اہل حدیث تھے یا شیعہ تھے؟ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اخلاص کا تقاضا یہ ہے کہ ان تقسیموں سے بالاتر رہا جائے³۔

اس حوالے سے امت کو واقعی سوچنا ہوگا کہ آخر ہم اختلافی مسائل میں اس قدر شدت کیوں اختیار کر لیتے ہیں کہ ایک دوسرے سے راہیں بھی جدا کر لیتے ہیں۔ ہمارے تمام باہمی اختلافات دراصل رسول اللہ ﷺ کے بعد واقع ہوئے ہیں۔ لہذا ہمیں اس حوالے سے تحمل و برداشت کا مظاہرہ کرنا ہوگا اور ان اختلافات کو اگر ہم ختم نہیں کر سکتے تو کم سے کم انہیں پروان چڑھانے سے تو باز رہیں۔ ہمیں تو اہل کتاب کے حوالے سے بھی یہ حکم دیا گیا کہ:

﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا نَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ ---﴾⁴

(1) بیان القرآن، ص: 208/1

(2) البقرة: 140

(3) بیان القرآن، ص: 227/1

(4) آل عمران: 64

(ترجمہ: آپ ان سے کہئے: "اے اہل کتاب! ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں مسلم ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ "اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، نہ کسی کو اس کا شریک بنائیں اور نہ ہی ہم میں سے کوئی شخص اللہ کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو رب بنائے"۔۔۔)

لہذا امت مسلمہ تو اس بات کی زیادہ حقدار ہے کہ وہ ان امور کی طرف اکٹھے ہونے کی کوشش کریں جس پر امت میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

(3) دین کی بنیادی تعلیم کا فروغ

اسلام میں دینی علوم سیکھنے کی بڑی اہمیت ہے، فتنوں اور چیلنجز کے پیش نظر دور حاضر میں یہ اہمیت مزید تک بڑھ گئی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنی تفسیر میں پوری امت کو بالعموم اور نوجوانوں کو بالخصوص دین سیکھنے کی ترغیب دلائی ہے۔ آپ کے بقول جو لوگ خود دین نہیں سیکھیں گے وہ تو تحقیق کو پس پشت ڈال کر سارا اعتماد غیروں پر کریں گے، جس صورت میں وہ نادانانہ طور پر مسلکی تعصب کا شکار بھی ہو جاتے ہیں۔ ہمارے ہاں دنیاوی تعلیم کے لئے زندگی کے کتنے ہی سال کھپا کر بعض اگرچہ پی ایچ۔ ڈی ہوں گے لیکن انہیں قرآن کی ابتدائی تعلیم بھی حاصل نہیں ہے۔ وہ اپنی زندگی کے ماہ و سال میں سے قرآن مجید سیکھنے کے لیے کوئی وقت نہیں نکالتے اور اس کے لیے کوئی محنت نہیں کرتے۔ ان کا حال گویا یہ گواہی دے رہا ہے کہ ان کی زندگی میں قرآن مجید کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ لہذا ہمیں چاہیے کہ اگر رحمن نے اپنا کلام ہمارے پاس بھیجا ہے اور ہمیں بیان کرنے کی صلاحیت سے بھی نوازا ہے تو ہماری اس طاقت کا بہترین مصرف یہی ہے کہ ہم اس صلاحیت کو قرآن کے لیے وقف کر دیں۔¹

(4) امت کا اصل مقصد: دعوت و اصلاح

ڈاکٹر صاحب کے مطابق قول باری تعالیٰ:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾²

(ترجمہ: (مسلمانو! اس وقت) تم ہی بہترین امت ہو جنہیں لوگوں (کی اصلاح و ہدایت) کے لیے

لاکھڑا کیا گیا ہے: تم لوگوں کو بھلے کاموں کا حکم دیتے ہو اور برے کاموں سے روکتے ہو)

میں امت مسلمہ کی غرض تاسیس بیان کی گئی ہے۔ یعنی یہ پوری امت مسلمہ جو کہ بہترین امت ہے، اسے لوگوں کے لیے نکالا گیا ہے۔ دنیا کی دیگر اقوام تو صرف اپنے لیے اور اپنی ترقی، اپنی بہتری، اپنی بہبود اور دنیا میں اپنی عزت و عظمت کے لئے جیتی ہیں۔ لیکن امت مسلمہ وہ بہترین امت ہے جسے لوگوں کی رہنمائی کے لیے مبعوث کیا گیا ہے۔

(¹) دیکھیے: بیان القرآن، ص: 185/1، ص: 114/7

(²) آل عمران: 110

اس کے بعد آپ اس طرف توجہ دلاتے ہیں کہ بد قسمتی سے آج امت مسلمہ اپنا مقصد حیات بھول چکی ہے۔ اس صورت حال میں ضروری ہے کہ امت میں سے جو لوگ جاگ جائیں اور آیت میں مذکور احکامات کی تعمیل کرنے کی کوشش کریں۔ گویا ایک مسلمان کی زندگی کا مقصد زیادہ سے زیادہ لوگوں کو ہدایت کی طرف بلانے اور جہنم کی آگ سے بچانے کی کوشش کرنا ہے۔¹

(5) نظام عدل اجتماعی کا قیام

امت کی ذمہ داری صرف دعوت ہی نہیں بلکہ دین اسلام کے نظام عدل اجتماعی کو نافذ کرنا بھی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنی تفسیر میں اس طرف توجہ دلائی ہے کہ اگرچہ ہم اسلامی قوانین اور حدود و تعزیرات کے نفاذ کی اہمیت جانتے ہیں، لیکن اس حوالے سے غفلت کا شکار ہیں کہ معاشرے سے باطل نظام کی نا انصافیاں ختم کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کا بندوں سے یہ مطالبہ بھی ہے کہ وہ زمین پر اس کے دین کو غالب کر کے ایک نظام عدل اجتماعی قائم کریں تاکہ ظلم و زیادتی کا خاتمہ ہو سکے۔ سرمایہ دارانہ اور جاگیر دارانہ استحصال کا قلع قمع کر کے وہ نظام قائم کرنے کی ضرورت ہے جس میں عدل و انصاف ہو اور ہر شہری کی بنیادی ضروریات کی کفالت ہو سکے اور دولت کی تقسیم کا نظام درست ہو۔ پھر جب نظام درست ہو جائے تو حدود و تعزیرات کا نفاذ ہو۔²

آپ کا یہ موقف درست ہے کیونکہ آج پوری نوع انسانی انصاف کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ انصاف اور انسان پر انسان کی حاکمیت ختم کرنے کے لیے انسان نے بادشاہت سے خلاصی حاصل کی اور جمہوریت کو اپنایا، لیکن "آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا" کے مصداق جمہوریت ایک سراب ثابت ہوئی اور انسانیت بادشاہت سے نکل کر سرمایہ دارانہ نظام کی لعنت میں گرفتار ہو گئی ہے اب سرمایہ دار اس کے آقا اور ڈکٹیٹر بن بیٹھے ہیں۔ جمہوریت کی لعنت سے نجات کے لیے بعض نے کمیونزم کا سہارا لیا مگر یہاں بھی متعلقہ پارٹی کی آمریت اس کی منتظر تھی۔ ان حالات کا تقاضا ہے کہ ہم پوری قوت اور اپنے تمام تر وسائل کے ساتھ اللہ کے لیے کھڑے ہو جائیں، اور عدل و انصاف پر مبنی اللہ کے دین کو نافذ کریں اور انصاف کے راستے میں آنے والے کسی مانع عامل کی پرواہ نہ کریں، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ ۖ----﴾³

(ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کی خاطر انصاف پر قائم رہتے ہوئے گواہی دیا کرو خواہ وہ گواہی

تمہارے اپنے یا تمہارے والدین یا قریبی رشتہ داروں کے خلاف ہی پڑے)

(1) بیان القرآن، ص: 67/2

(2) بیان القرآن، ص: 214/2، ص: 255/2

(3) النساء: 135

(6) اصلاح کی ترتیب

ڈاکٹر صاحب نے اصلاح اور نظام عدل اجتماعی کے قیام کی ترتیب کو بھی نہایت جامعیت کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ آپ کے بقول دین کے نفاذ اور نظام کی تبدیلی کی ترتیب گھر سے شروع ہو کر ملک اور پھر پورے عالم کی جانب بڑھے گی۔ اور اس ترتیب کو بدلنے سے صرف نقصان ہو گا۔ لہذا ہمارا پہلا فرض یہ ہے کہ پہلے ہم اپنے گھر کو درست کریں، پہلے اپنے ملک کے اندر اسلام قائم کریں۔ اس کے بعد جہاد کے لیے ایک جمعیت قائم کرنا ہوگی۔ ہمیں اس سفر میں آگے بڑھنا ہوگا، صرف خوش فہمیوں، تمناؤں اور دعاؤں سے قوموں کی تقدیریں نہیں بدلا کرتی۔ لہذا قرآنی تعلیمات کے نسخہ اکسیر سے فکری و عملی رہنمائی لے کر، محنت کو اپنا شعار بنانے سے ہی ہمارے ظاہری حالات میں مثبت تبدیلی آئے گی۔ قوم چونکہ افراد کا مجموعہ ہوتی ہے، اس لیے تبدیلی کا آغاز افراد سے ہوتا ہے۔ لیکن افراد کی اصلاح صرف عبادات تک محدود نہیں ہے بلکہ ان کی سوچ، ان کے نظریات و خیالات، ان کے مقاصد اور دلچسپیاں اور ان کی امنگیں بھی تبدیل ہونی ضروری ہیں۔ پھر جب ایسے پاک باطن لوگوں کی تعداد بڑھے گی اور وہ لوگ ایک منظم طاقت اور قوت کے طور پر باطل کی راہ میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر کھڑے ہو جائیں گے تو طاغوتی طوفان اپنا رخ بدلنے پر مجبور ہو جائے گا۔ اس طرح اہل حق کی قربانیوں سے نظام بدلے گا، انقلاب کی سحر پر نور طلوع ہو جائے گی اور معاشرہ پھر سے راہ حق پر گامزن ہو جائے گا۔¹

(7) علماء کو دعوت

اصلاح امت میں علماء کا کردار مرکزی ہے اور اسی سبب ڈاکٹر صاحب نے بار بار علمائے امت کو اپنی ذمہ داریاں صحیح انداز میں ادا کرنے کی دعوت دی ہے۔ آپ کا یہ کہنا ہے کہ علماء اور واعظین کو زبانی دعوت کے ساتھ عملی دعوت بھی دینی ہوگی۔ یہ نہ ہو کہ وہ علمائے یہود کی طرح لوگوں کو تو دین کی دعوت دیں اور خود کو بھول جائیں۔ کیونکہ علماء کو عوام سے زیادہ تزکیہ کی ضرورت ہے ورنہ کوئی جتنا بڑا عالم ہو گا اگر اس کی نیت کج ہو گئی تو وہ اتنا ہی بڑا فتنہ اٹھا دے گا۔ اسی طرح علماء کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ لوگوں تک دین حق پہنچائیں اور کتمان حق، تحریف اور تلبیس حق بالباطل سے بچیں۔ خود کو قرآن کے رنگ میں ڈھالیں نہ کہ قرآن کی من مانی تاویلات کریں۔²

آپ فرماتے ہیں کہ بد اعمالیوں کے سبب پوری امت قساوت قلبی میں مبتلا نہیں ہوا کرتی، بلکہ اس کیفیت میں امت کے قائدین مبتلا ہو جاتے ہیں اور امت مسلمہ کے قائدین اس کے علماء ہوتے ہیں۔ چنانچہ سب سے زیادہ شدت

(1) دیکھیے: بیان القرآن، ص: 175/2، ص: 238/3، ص: 279/1، ص: 288/1

(2) دیکھیے: بیان القرآن، ص: 159/1، ص: 235/1

کے ساتھ یہ خرابی ان میں در آتی ہے۔ اس لیے کہ باقی لوگ تو پیر و کار ہیں، ان کے پیچھے چلتے ہیں، ان پر اعتماد کرتے ہیں کہ یہ اللہ کی کتاب کے پڑھنے والے اور اس کے جاننے والے ہیں¹

آپ نے علمائے حق کی ہمیشہ تعریف فرمائی ہے اور خود کو ہمیشہ ان سے وابستہ رکھنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن ایسے فرقہ پرست علمائے سو کی شدید مذمت کی ہے جن کا کام ہی فتنہ انگیزی، مخالفت اور جنگ و جدال ہوتا ہے، جو اپنے فرقے کے لوگوں کے جذبات کو بھڑکا کر مسلمانوں کے اندر اختلافات کو ہوا دیتے ہیں۔ آپ کے بقول آج علماء کی عظیم اکثریت اس کیفیت سے دوچار ہو چکی ہے۔ آپ اس کا سبب بیان فرماتے ہیں کہ عوام الناس کے دین نہ سیکھنے کی وجہ سے آج دین اور مذہب کو پیشہ بنا لیا گیا ہے جس کے نتیجے میں خیر کی بجائے پیشہ ورانہ چشمکیں اور رقابتیں وجود میں آئیں۔ لہذا عوام کی ذمہ داری ہے کہ وہ دین سیکھنے کی کوشش کریں کیونکہ اسلام میں کوئی پیشوائیت، پاپائیت یا برہمنیت نہیں ہے۔ ہم نے خود اسے پیشہ بنا دیا ہے اور عبادات کے معاملے میں ایک خاص طبقے کے محتاج ہو گئے ہیں۔²

ب۔ معاشرتی اصلاح

ڈاکٹر صاحب نے اپنی تفسیر میں معاشرتی اصلاح کے ضمن میں انسانی مساوات، معاملات میں درنگی، پردہ و حجاب، تعلیم و تربیت، ترک منکرات، محنت اور حصول رزق حلال، جیسے متعدد موضوعات پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔ آپ نے ہر متعلقہ گروہ کو قرآن کریم کی روشنی میں درست رویہ اختیار کرنے کی دعوت دی ہے۔ آپ کی اس کاوش سے بے شمار لوگوں کے تصورات و نظریات درست ہوئے اور ان کی زندگیاں تبدیل ہو کر اسلام کی جانب مڑ گئیں۔ ان تمام موضوعات میں سے بھی اسلام کے عائلی نظام کے متعلق آپ نے سیر حاصل کلام کیا ہے۔ اس حوالے سے آپ کی فکر کے خلاصہ کو ذیل میں بیان کیا جا رہا ہے۔

اسلام کا عائلی نظام اور مساوات مرد و زن

مساوات مرد و زن کا مسئلہ عصر حاضر میں زیر بحث آنے والے بڑے موضوعات میں شمار ہوتا ہے۔ اس کا اندازہ امریکہ کے افغانستان سے انخلا اور طالبان کے حکومت سنبھالنے کے بعد پیدا ہونے والی صورتحال سے با آسانی لگایا جاسکتا ہے۔ اس وقت ہر جانب یہی سوال گردش کر رہا ہے کہ کیا اب افغانستان میں خواتین کو برابری کے حقوق ملیں گے یا نہیں؟ اور اہل مغرب کا مطالبہ یہ نہیں ہے کہ انہیں اسلامی حقوق ملیں بلکہ ان کا مطالبہ تو یہ ہے کہ خواتین کو کرکٹ کھیلنے دی جائے وغیرہ! عجیب بات یہ ہے کہ دوائی جنسیں جن کے قالب ہی مختلف ہیں ان میں مساوات کیسے

(1) بیان القرآن، ص: 183/1

(2) ایضاً، ص: 211/1

ممکن ہے۔ ان سے یہ سوال کیا جائے کہ آپ عورت کو اگر مرد کے برابر کرنا چاہتے ہیں تو پھر مرد کو عورت کے برابر کرنے کا خیال آپ کے ذہن میں کیوں نہیں آتا؟

ڈاکٹر صاحب کے بقول جس طرح انسانی زندگی کی بقا کے لئے انسان میں بھوک رکھی گئی ہے اسی طرح انسانی تمدن اور نسل کو آگے بڑھانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت دو جنسیں بنادی ہیں اور ان دونوں کے مابین زوردار کشش رکھی ہے جس سے یہ ایک دوسرے سے تعلق قائم کرتے ہیں اور نسل انسانی آگے چلتی ہے۔ فساد سے بچنے کے لئے اس تعلق کو نکاح کے ذریعے منظم کیا گیا ہے اور آزادانہ شہوت رانی کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ نکاح کے ذریعے ازدواجی بندھن کا طریقہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو سکھایا اور اس طرح خاندانی ادارہ وجود میں آیا۔ یہ ادارہ انسانی تمدن کی اساس ہے، اسی سے معاشرہ وجود میں آتا ہے، اس کا استحکام پورے معاشرے کا استحکام ہے۔ اسی اہمیت کے پیش نظر قرآن حکیم میں سب سے پہلے اور سب سے زیادہ تفصیل کے ساتھ خاندانی نظام اور عائلی معاملات کے متعلق احکام وارد ہوئے ہیں، جنہیں عائلی قوانین کہا جاتا ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ شرف انسانیت اور حصول نیکی کے اعتبار سے مرد اور عورت بالکل برابر ہیں لیکن خاندانی ادارے میں انتظامات کو درست طریقے سے چلانے کے لئے مرد کو انچارج بنایا گیا ہے کیونکہ کسی بھی ادارے کے دو برابر کے سربراہ نہیں ہو سکتے، اور اگر ایسا ہو تو وہ ادارہ تباہ ہو جائے گا۔ نکاح میں عورت کی رضامندی ضروری ہے، اسے شادی سے انکار کرنے کا حق حاصل ہے، اس پر جبر نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن ایک مرتبہ جب وہ نکاح میں آگئی ہے تو اب شوہر کا پلڑا بھاری ہے، وہ اسے طلاق دے سکتا ہے اس ضمن میں مرد اور عورت کو برابر کا اختیار نہیں دیا گیا۔ اگر ظلم کے ساتھ دے گا تو اللہ کے ہاں جواب دہی کرنی پڑے گی اور پکڑ ہو جائے گی۔ عورت خود طلاق نہیں دے سکتی، البتہ خلع لے سکتی ہے۔ اسی طرح اگر ایک یا دو طلاقیں دینے کے بعد عدت سے قبل مرد کو رجوع کا حق حاصل ہے۔

اگرچہ مذکورہ بالا مثالوں سے خاوند کے حقوق یا اختیارات کا پلڑا عورت کے مقابلے میں بھاری نظر آتا ہے، لیکن اگر دوسری جانب دیکھا جائے تو اولاد پر ماں کا حق باپ کے حق کے مقابلے میں تین گنا زیادہ رکھا گیا ہے اور جتنے فضائل ماں کے بیان ہوئے ہیں اتنے باپ کے بیان نہیں ہوئے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ حقوق و فرائض کی ترازو کے ہر دو پلڑوں کو برابر رکھتے ہوئے اپنے قوانین و ضوابط کو متوازن بناتے ہیں۔ آپ ان لوگوں کا رد کرتے ہیں جنہوں نے درج ذیل آیت کی بہت غلط تعبیر کرنے کرتے ہوئے اس سے مساوات مرد و زن کا فلسفہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَ بِالْمَعْرُوفِ...﴾¹

(ترجمہ: اور عورتوں کے لیے اسی طرح حقوق ہیں جس طرح ان پر ذمہ داریاں ہیں دستور کے مطابق)

کی تفسیر میں آپ فرماتے ہیں کہ اس آیت سے یہ مراد ہے کہ خواتین کے لیے جو حقوق ہیں وہ ان کی ذمہ داریوں کی مناسبت سے ہیں۔ آپ کے نزدیک اس آیت کا یہ ترجمہ کہ (عورتوں کے حقوق بھی مردوں پر ویسے ہی ہیں جیسے مردوں کے ان پر حقوق ہیں) درست نہیں ہے، اس لیے کہ اسلامی شریعت میں عائلی زندگی میں مرد اور عورت یعنی شوہر اور بیوی کے درمیان مساوات نہیں ہے۔

آپ نے اس جانب بھی توجہ فرمائی ہے کہ اس معاملے کا ایک دوسرا رخ یہ بھی ہے کہ برصغیر کے مسلمانوں کی بڑی تعداد نے اپنے ہندوانہ پس منظر کی وجہ سے عورت کو اسلام کے عطا کردہ حقوق سے بھی محروم کر رکھا ہے۔ اس کے نتیجے میں مسلمان عورتیں آزادی نسواں، حقوق نسواں اور مساوات مرد و زن جیسے خوش نما عنوانات سے دھوکہ کھا کر اس مغربی یلغار کی جانب کھینچی جا رہی ہیں۔ لہذا اس امر کی ضرورت ہے کہ شریعت کے دائرے میں رہتے اور رکھتے ہوئے، عورتوں کے ساتھ حسن سلوک ہو، ان کی دل جوئی ہو، ان کے احساسات کا بھی لحاظ کیا جائے۔ اسی طرح آپ نے مردوں کو توجہ دلائی ہے کہ لوگوں کے تمام باہمی معاملات اور خاص طور پر خاندانی معاملات میں اللہ تعالیٰ نے بار بار تقویٰ کی تاکید فرمائی ہے۔ اس لیے کہ اگر تقویٰ نہیں ہوگا تو پھر خالی قانون موثر نہیں ہوگا۔

ایک اور مقام پر آپ خواتین کو تسلی دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آیت دین میں دو عورتوں کی گواہی کو ایک مرد کی گواہی کے برابر قرار دیا گیا ہے، اس کی حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جو بڑا باریک بین ہے اس نے مرد کے مقابلے میں عورت کے اندر نسیان کا مادہ زیادہ رکھا ہے۔ اور اس کا سبب شاید یہ ہے کہ مرد کے تابع رہتے ہوئے عورت کے احساسات کو کبھی ٹھیس پہنچ سکتی ہے، اس کے جذبات کے اوپر کبھی کوئی کدورت آتی ہے۔ اس اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر بھول جانے کا مادہ "سیفیٰ والو" کے طور پر رکھا ہوا ہے۔ گویا یہ نسیان بھی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، ورنہ تو کوئی صدمہ دل سے اترنے ہی نہ پائے، کوئی غصہ کبھی ختم ہی نہ ہو۔¹

ظلم کی صورت میں عورت کا حق خلع

ایسا بھی نہیں ہے کہ مرد کو کھلی چھوٹ مل گئی ہے کہ وہ عورت پر ظلم کرتا رہے اور وہ صرف برداشت ہی کرتی

رہے، اسے خلاصی کا کوئی راستہ نہ ملے۔ لہذا قول باری تعالیٰ:

﴿وَإِنْ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُورًا أَوْ إِعْرَاضًا ۖ-----﴾²

(¹) دیکھیے: بیان القرآن، ص: 296-300، ص: 146-149، ص: 208/7، ص: 124/2

(²) البقرة: 228

(ترجمہ: اور اگر کسی عورت کو اندیشہ ہو اپنے شوہر سے زیادتی یا بے رخی کا)

کی تفسیر میں ڈاکٹر صاحب رقم طراز ہیں کہ ہمارے معاشرے میں بہت سی خباثتیں موجود ہیں جیسے خاوند کا اپنے حق اختیار کو غلط طریقے سے استعمال کرتے ہوئے اپنی بیوی پر ظلم کرنا اور اس کے حقوق نہ ادا کر رہا ہو، بیوی کو ستانا ہو اور اس پر بے جا رعب جمانا ہو، یا اسے تنگ کر کے مہر معاف کر دانا ہو، یا مالدار بیوی کے والدین سے دولت ہتھینا ہو، یہ ساری خباثتیں ہمارے معاشرے میں موجود ہیں اور عورتیں بے چاری ظلم و ستم کی اس چکی میں پستی رہتی ہیں۔

آپ فرماتے ہیں کہ آیت زیر نظر میں اس مسئلے کی وضاحت کی گئی ہے کہ مذکورہ بالا صورتوں میں اگر کسی عورت کو اپنے خاوند کی جانب سے زیادتی کا اندیشہ ہو، یا اگر خاوند واقعی زیادتی کر رہا ہو اور وہ بیوی کے حقوق ادا نہ کر رہا ہو، یا دوسری شادی کر کے اسے مسلسل نظر انداز کر رہا ہو تو عورت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ خاوند سے ساتھ سارے معاملات باہم طے کر کے خلع حاصل کر لے۔¹

عورتوں کی ملازمت

ڈاکٹر صاحب کے نزدیک کوئی عورت ستر و حجاب کے آداب کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اپنی معاشی جدوجہد کے لئے اگر کوئی کام کرتی ہے یا کہیں ملازمت کرتی ہے تو اگر اس میں کوئی حرام پہلو نہیں ہے یعنی وہ ایک شریفانہ جاب کرتی ہے، تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اس صورت میں ظاہر ہے کہ جو بھی کمائی ہوگی وہ پوری اس کی ہوگی، اس میں مرد کوئی کا حصہ نہیں ہوگا۔²

ج۔ معاشی اصلاح

تمام ترمادی وسائل ہونے کے باوجود اس وقت ملک خداداد، پاکستان بدترین معاشی مسائل میں گھرا ہوا ہے۔ اور بلاشبہ اس کا اصل سبب ملک کو اللہ سے بغاوت پر مبنی مقامی و بین الاقوامی سودی معاشی نظام میں جکڑنا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے نزدیک ان مسائل کا حل صرف اور صرف یہی ہے کہ اسلامی معاشی نظام کو نافذ کیا جائے۔ آپ نے اپنی تفسیر میں اس حوالے سے مختلف مقامات پر کلام کیا ہے۔ ذیل میں ایسی چند مثالیں ہم ذکر کر دیتے ہیں۔

(1) اسلام میں تصور ملکیت

عصر حاضر میں انسانی ملکیت اور مالی خود مختاری کے تصور کو اس حد تک پھیلا یا گیا ہے کہ آج کا سادہ لوح مسلمان بھی اس فتنہ کا شکار ہو گیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب قول باری تعالیٰ:

(¹) بیان القرآن، ص: 209/2

(²) ایضاً: ص: 145/2

﴿قَالُوا يَا شُعَيْبُ أَصْلَاحُكَ تَأْمُرُكَ أَنْ نَتْرُكَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا أَوْ أَنْ نَفْعَلَ فِي أَمْوَالِنَا مَا نَشَاءُ...﴾¹

(وہ کہنے لگے: شعیب! کیا تمہاری نماز تمہیں یہی سکھاتی ہے کہ ہم ان معبودوں کو چھوڑ دیں جنہیں

ہمارے آباء و اجداد پوجتے آئے ہیں یا جیسے ہم چاہتے ہیں اپنے اموال میں تصرف کرنا چھوڑ دیں؟)

کی تفسیر میں جدید زمانے کے "مقدس حق ملکیت" (یعنی sacred right of ownership) کا رد کرتے ہوئے اسلامی تصور ملکیت کو پیش کرتے ہیں۔ آپ کے مطابق اسلام میں ملکیت کا تصور یہ کہ ہر چیز کا حقیقی مالک اللہ ہے اور دنیا کا یہ مال اور ساز و سامان انسانوں کے پاس اللہ کی امانت ہے، جس میں اللہ کی مرضی کے خلاف تصرف کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ لہذا اسلام ملکیت کے کسی "مقدس حق" کو تسلیم نہیں کرتا۔²

آپ کا یہ موقف صد فی صد درست ہے کیونکہ دین اسلام میں انسان نہ ہی مال کمانے میں آزاد ہے اور نہ ہی مال خرچ کرنے میں آزاد، جیسا کہ ایک حدیث رسول ﷺ میں وارد ہوا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَا تَزُولُ قَدَمَا عَبْدٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتَّى يُسْأَلَ عَنْ عُمُرِهِ فَيَمَّا أَفْنَاهُ وَعَنْ عِلْمِهِ فِيمَ فَعَلَ وَعَنْ مَالِهِ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ وَفِيمَ أَنْفَقَهُ وَعَنْ جِسْمِهِ فِيمَ أَبْلَاهُ))³

(قیامت کے دن کسی شخص کے قدم اس وقت تک جگہ سے نہ ہٹیں گے جب تک کہ اس سے پوچھ نہ لیا جائے: اس کی عمر کے بارے میں کہ اس نے اسے کن چیزوں میں ختم کیا؟ اس کے علم کے بارے میں کہ اس نے اسے کن چیزوں میں خرچ کیا؟ اس کے مال کے بارے میں کہ اس نے اسے کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا؟ اور اس کے جسم کے بارے میں کہ اسے کن چیزوں میں کھپایا؟)

(2) سود

سود کا شمار اکبر الکبائر میں ہوتا ہے، اس کی حرمت اور خباثت پر قرآن و سنت کے متعدد دلائل شاہد ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کے نزدیک موجودہ زمانے کے گناہوں اور بد اعمالیوں میں سب سے بڑا فتنہ اور فساد سود کی بنیاد پر ہے۔ اس وقت دنیا میں سب سے بڑی شیطنت جو یہودیوں کے ذریعے سے پورے کرہ ارضی کو اپنی گرفت میں لینے کے لیے بے تاب ہے، وہ یہی سود کا ہتھکنڈا ہے۔

سود اور انفاق کا تعلق

قرآن کریم کی سورۃ البقرۃ (آیت: 275) میں سود کی حرمت کے تفصیلی حکم سے قبل (آیت: 274 میں)

(¹) ہود: 87

(²) بیان القرآن، ص: 87/4

(³) سنن ترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ والرقائق والورع عن رسول اللہ ﷺ، باب فی القیامۃ، حدیث # 2417 (حکم: صحیح) (البانی)

جو انفاق فی سبیل اللہ کا مضمون آیا ہے۔ اسی طرح قول باری تعالیٰ:

﴿وَمَا آتَيْتُمْ مِنْ رَبًّا لِيَرْبُوَ فِي أَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُو عِنْدَ اللَّهِ وَمَا آتَيْتُمْ مِنْ زَكَاةٍ تُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُضْغَفُونَ...﴾¹

(ترجمہ: اور جو کچھ تم بطور سود دیتے ہو کہ لوگوں کے اموال سے تمہارا مال بڑھتا رہے تو ایسا مال اللہ کے ہاں نہیں بڑھتا، اور جو کچھ تم اللہ کی رضا چاہتے ہوئے بطور زکوٰۃ دیتے ہو۔ تو ایسے ہی لوگ اپنے مال کو دگنا چوگنا کر رہے ہیں)

میں بھی انفاق و صدقات اور سود کو ایک جگہ جمع کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے بقول اس جمع میں ایک مناسبت یہ بھی موجود ہے کہ سود کھانے والوں کا معاملہ انفاق فی سبیل اللہ کرنے والوں کے برعکس ہوتا ہے۔ جیسا کہ قول باری تعالیٰ:

﴿وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلِ الْغَفْوُ...﴾² (نیز آپ سے پوچھتے ہیں کہ اللہ کی راہ میں کیا کچھ خرچ کریں؟ ان سے کہیے کہ جو کچھ بھی ضرورت سے زائد ہو (وہ سب اللہ کی راہ میں خرچ کردو)

کی روشنی میں انسان کے اپنی حلال کمائی میں سے ضروریات پوری کرنے کے بعد زائد رقم (surplus value) کا سب سے بہترین مصرف انفاق فی سبیل اللہ ہے۔ یعنی اس مال کو یا محتاجوں کو دے دو یا اللہ کے دین کی نشر اشاعت اور سر بلندی میں لگا دو۔ لیکن سود خورانہ ذہنیت یہ ہے کہ اس بچت کو بھی مزید کمائی کا ذریعہ بناؤ۔ لہذا اصل میں سود خوری انفاق فی سبیل اللہ کی ضد ہے۔³

ڈاکٹر صاحب نے یہاں ایک نہایت اہم مسئلے کی جانب توجہ مبذول کروائی ہے کیونکہ حقیقت میں بندہ مومن اپنے اس بچت کے مال کو تو اللہ پر تکل کرتے ہوئے اس کی راہ میں خرچ کرے گا اور اس سے اپنی آخرت سنوارنے کی کوشش کرے گا جبکہ سود خور اسی مال کو سودی منافع حاصل کرنے کا ذریعہ بنائے گا۔ ہمارا آج کا سود پر مبنی بکننگ نظام سب سے زیادہ زور ہی (saving) یعنی بچت پر دیتا ہے اور اس کے لیے سیونگ اکاؤنٹ اور طرح طرح کی پروموشنز اور پرکشش منافع بخش سکیمیں متعارف کرائی جاتی ہیں۔ ان کی جانب سے لوگوں کو یہ ترغیب دی جاتی ہے کہ وہ مزید مال کمانے کی غرض سے، اپنی ضروریات کو محدود کر کے، بچت کریں اور بچت کا مال ان کے حوالے کریں تاکہ وہ اسے زیادہ شرح سود پر دوسروں کو دیں اور تھوڑی شرح سود انہیں واپس کر دیں۔ اس کے برعکس دین اسراف و تبذیر سے بچ کر اپنی ضروریات پوری کرنے کے بعد باقی مال کو غریبوں محتاجوں کے حوالے کرنے کا درس دیتا ہے۔ چنانچہ انفاق اور سود ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

(¹) الروم: 39

(²) البقرة: 219

(³) دیکھیے: بیان القرآن، ص: 290/1، ص: 343/1، ص: 89/2

سود کی معاشی تباہ کاریاں

ڈاکٹر صاحب نے نقلی دلائل کے ساتھ عقلی دلائل اور تجرباتی حقائق سے بھی سود کی مذمت کی ہے۔ قول باری تعالیٰ:

﴿يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُزِيلُ الصَّدَقَاتِ----﴾¹

(ترجمہ: اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا اور صدقات کی پرورش کرتا ہے۔ اور اللہ کسی ناشکرے بد عمل انسان کو پسند نہیں کرتا)

کی تفسیر کرتے ہوئے آپ سود کی معاشی تباہ کاریاں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جس قدر سود بڑھتا ہے اسی قدر بے روزگاری اور افراط زر میں اضافہ ہوگا جس کے نتیجے میں شرح سود بڑھے گا۔ شرح سود کے بڑھنے سے بے روزگاری مزید بڑھے گی اور افراط زر میں اور زیادہ اضافہ ہوگا۔ یہ ایک دائرہ خبیثہ (vicious circle) ہے اور اس کے نتیجے میں کسی ملک کی معیشت بالکل تباہ ہو جاتی ہے۔ یہ تباہی ایک وقت تک پوشیدہ رہتی ہے، لیکن پھر یک دم اس کا ظہور بڑے بڑے بینکوں کے دیوالیہ ہونے کی صورت میں ہوتا ہے۔ سودی معیشت کا معاملہ تو گویا شیش محل کی طرح ہے، اس میں تو ایک پتھر آکر لگے گا اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔²

(3) دولت کی غیر منصفانہ تقسیم

اسلام یہ چاہتا ہے کہ دولت معاشرے کے ہر طبقے میں گردش کرے نہ کہ صرف ایک طبقے میں۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنی تفسیر میں دولت کی تقسیم کے حوالے سے اسلامی تصور کو بہت خوبصورتی کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ قول باری تعالیٰ:

﴿كَئِی لَا یَكُونُ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ----﴾³

(ترجمہ: تاکہ وہ (مال) تمہارے دولت مندوں ہی کے درمیان گردش نہ کرتا رہے)

کی تفسیر میں آپ نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ اگرچہ اسلام کا نظام عدل و قسط میں تمام انسانوں کو معاشی طور پر برابر کر دینے کا تقاضا نہیں کرتا لیکن اس کا یہ مطالبہ ضرور ہے کہ معاشرے میں دولت کی تقسیم منصفانہ ہو اور اس کی گردش کے ثمرات معاشرے کے تمام طبقات تک پہنچیں۔ اسی مقصد کے لئے اللہ تعالیٰ نے مال فے زیادہ تر ناداروں اور محتاجوں کی محرومیوں کے ازالے کے لیے مختص فرمادیا۔ آپ کا یہ کہنا ہے کہ اسلامی نظام معیشت معاشرے سے معاشی ناہمواریوں کو ختم کرنے اور امیر و غریب کے درمیان فرق و تفاوت کو کم سے کم کرنے پر زور دیتا ہے۔ اس کے لیے

(¹) البقرة: 276

(²) دیکھیے: بیان القرآن، ص: 290/1، ص: 343/1، ص: 89/2

(³) الحشر: 7

اسلام ہر وہ دروازہ بند کر دینے کا حکم دیتا ہے جس کی وجہ سے چند ہاتھوں میں ارتکاز دولت کا خدشہ ہو اور ہر وہ راستہ کھولنے کی حوصلہ افزائی کرتا ہے جس سے گردش دولت کا رخ امراء سے غرباء کی طرف پھرنے اور معاشی محرومیوں کے ازالے کا امکان ہو۔

اس کے بعد دولت کی غیر منصفانہ تقسیم کے نقصانات بیان کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں کہ جس ملک یا معاشرے میں تقسیم دولت کا نظام غیر منصفانہ ہو گا وہاں چند لوگ دولت کے انبار جمع کر کے مسرفانہ عیاشیوں اور بد معاشیوں میں مبتلا ہو جائیں گے، جبکہ محروم طبقے کے لوگ بار برداری کے جانور بن کر رہ جائیں گے۔ یعنی امیر طبقہ اپنی موج مستی میں مگن ہو جائے گا اور غریب طبقہ اپنی محنت و مشقت میں مصروف ہو جائے گا جس کے نتیجے میں گویا مذکورہ دونوں طبقوں کے افراد مذہبی و انسانی اقدار سے بیگانہ و بے نیاز ہو کر عملی طور پر معاشرے کے لیے ناسور بن جائیں گے۔ اور پھر قول باری تعالیٰ:

﴿إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ﴾¹

(ترجمہ: شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ تمہارے درمیان دشمنی اور بغض ڈال دے)

کے مطابق اس صورت حال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے شیطان اپنے ایجنڈے کی تکمیل کے لیے آگے بڑھتا ہے اور محروم طبقے کے افراد کے دلوں میں ظالم استحصالی طبقے کے خلاف بغض و عداوت کی آگ سلگانا شروع کر دیتا ہے۔² آپ کا یہ کلام نہایت فکر انگیز ہے کیونکہ اگر ہم غور کریں تو اس وقت ہمارا غریب طبقہ امیروں اور اشرافیہ سے سخت بیزار ہے، اپنی بے بسی اور تباہ حالی کے سبب اس کے اندر بغض و عداوت کا لاوا ابل رہا ہے جسے امیروں کی بے جانمود و نمائش اور عیاشی مزید بھر کا رہی ہے۔ اگر صورتحال نہ بدلی گئی تو اس آتش فشاں کے پھٹنے کی صورت میں بہت بڑی تباہی آسکتی ہے۔

د۔ سیاسی اصلاح

ڈاکٹر صاحب کے نزدیک سیاست کی دو اقسام ہیں:-

1. نظری سیاست

2. عملی سیاست

(1) المائدہ: 91

(2) بیان القرآن، ص: 185/7

نظری سیاست سے آپ کی مراد یہ ہے عوام الناس کو سیاسی معاملات کے بارے میں تعلیم دی جائے، ان کے سیاسی افکار کو مضبوط کیا جائے۔ انہیں یہ پتہ ہو کہ ان کے ارد گرد کیا ہو رہا ہے، وہ کون سے عوامل ہیں جو سیاست میں مرکزی کردار ادا کرتے ہیں، ہماری فوراپالیسی کیسی ہونی چاہیے، ٹیکسیشن کس طرح سے کام کرتی ہے، وغیرہ۔ دوسری جانب عملی سیاست آتی ہے۔ آپ کے نزدیک عملی سیاست کی مزید دو قسمیں ہیں: پہلی انتخابی سیاست اور دوسری انقلابی سیاست۔ انتخابی سیاست کا مقصد کسی موجودہ نظام کو چلانا ہوتا ہے جبکہ انقلابی سیاست کا مقصد کسی ملک کے سیاسی، سماجی و معاشی نظاموں میں سے تمام یا کسی ایک کے اندر مکمل تبدیلی لائی جائے۔¹

ہم دیکھتے ہیں کہ آپ نے اپنی تفسیر میں دونوں حوالے سے کلام کیا ہے۔ اس بحث میں ہم نظری اور انتخابی سیاست کے حوالے سے آپ کے موقف کو چند مثالوں کی روشنی میں بیان کریں گے جب کہ انقلابی سیاست کے حوالے سے آپ کے تصور کو اگلی بحث میں بیان کیا جائے گا۔

(1) ریاستی ادارے

جدید ریاست کے تین ارکان ہوتے ہیں یعنی انتظامیہ، (Executive) عدلیہ (Judiciary) اور مقننہ (Legislature) ان تینوں اداروں کے حوالے سے بہت سی تفصیلات جدید سیاسیات میں پڑھنے کو ملتی ہیں۔ ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ درج ذیل قول باری تعالیٰ میں اسلام کا سارا سیاسی، قانونی اور دستوری نظام یعنی جدید ریاست کے تینوں ارکان کے حوالے سے رہنمائی موجود ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا ، يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ...﴾²

(ترجمہ: (مسلمانو!) اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ جو لوگ امانتوں کے حقدار ہیں انہیں یہ امانتیں ادا کر دو۔ اور جب لوگوں میں فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کرو۔ اللہ تعالیٰ یقیناً تمہیں اچھی نصیحت کرتا ہے اور وہ سب کچھ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔ اے ایمان والو! اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور ان حاکموں کی بھی جو تم میں سے ہوں۔ پھر اگر کسی بات پر تمہارے درمیان جھگڑا پیدا ہو جائے تو اگر تم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو تو اس معاملہ کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف پھیر دو...)۔

(¹) Shagufta Ahmad, Dr Israr Ahmad Political Thought and Activities, page: 59

(²) النساء: 58-59

انتظامیہ کے حوالے سے یہ فرمان ہے کہ یہ تمام انتظامی مناصب امانتیں ہیں اور آپ اپنی رائے دیکھ بھال کر دیں کہ کون اس کا اہل ہے، امیر المومنین یا سربراہ ریاست کا انتخاب اہلیت کی بنیاد پر ہوگا۔ اگر آپ نے ذات برادری، رشتہ داری وغیرہ کی بنا پر یا مفادات کے لالچ میں یا کسی کی دھونس کی وجہ سے کسی کے حق میں رائے دی تو یہ صریح خیانت ہے۔ آپ نے انتظامی مناصب پر اہل لوگوں کو تعینات کرنے کی ذمہ داری ہر اس شخص پر ڈالی ہے جو رائے دہی کا حق رکھتا ہے یعنی اس میں ووٹ بھی شامل ہوگا۔ عدلیہ کے متعلق آیت میں حکم ہے کہ جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کرو یعنی ہر ایک کو بلا امتیاز عدل وانصاف میسر آئے۔

اگلی آیت میں تیسری ہدایت متقنہ کے حوالے سے ہے کہ: (اے اہل ایمان! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی) یعنی اسلامی ریاست میں قانون ساز ادارہ کوئی بھی ہو، کانگریس ہو، پارلیمنٹ ہو یا مجلس ملی ہو وہ قانون سازی قرآن و سنت کے دائرے کے اندر رہ کر ہی کر سکے گا، کوئی قانون اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تعلیمات کے خلاف نہیں بنایا جاسکتا۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت غیر مشروط اور غیر محدود ہوگی لیکن اولوالامر کی اطاعت اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے تابع ہوگی۔ اسے کم از کم یہ ثابت کرنا ہوگا کہ یہ حکم کتاب و سنت کے خلاف نہیں ہے۔ ایک مسلمان ریاست میں قانون سازی اسی بنیاد پر ہو سکتی ہے۔

اگر کسی قانون سازی کے متعلق اولوالامر اور دیگر لوگوں میں اختلاف ہو جائے کہ یہ قانون اسلام کے خلاف ہے یا نہیں؟ جدید دور میں ان تنازعات کے حل کا ادارہ عدلیہ ہے۔ وہاں ہر شخص جائے اور اپنی دلیل پیش کرے۔ علماء جائیں، قانون دان جائیں اور سب جا کر دلائل دیں۔ وہاں سے فیصلہ ہو جائے گا کہ کون سی بات واقعاً قرآن و سنت سے متصادم ہے۔¹

ڈاکٹر صاحب نے انتہائی جامع انداز میں سیاسیات کی بہت بڑی مباحث کو مختصر ترین الفاظ میں پیش کیا ہے۔ ان ہدایات کی روشنی میں اگر ہم ملک پاکستان کے ریاستی نظام کا جائزہ لیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ دستوری اور نظریاتی سطح پر تو ان تمام ہدایات کا ذکر موجود ہے۔ ہمارے آئین میں یہ درج ہے کہ:

"تمام موجودہ قوانین کو قرآن پاک اور سنت میں موجود اسلامی احکام کے مطابق بنایا جائے گا۔۔۔ اور ایسا کوئی

قانون وضع نہیں کیا جائے گا، جو مذکورہ احکام کے منافی ہو"²

(1) بیان القرآن، ص: 164/2

(2) آئین پاکستان، 1973ء، آرٹیکل #227(1)

پھر آئین کے آرٹیکل 228 تا 231 میں اسلامی نظریاتی کونسل کی تشکیل، اس کے ارکان کی اہلیت اور تمام طریقہ کار کا ذکر ہے۔ اس کی رو سے حکومت پر لازم ہے کہ اسلامی نظریاتی کونسل کی حتمی سفارشات کو پارلیمنٹ میں بحث کے لئے پیش کرے اور پھر اس کے مطابق قانون سازی کی جائے، لیکن بد قسمتی سے عملی طور پر آج تک ایسا نہیں ہو سکا۔

(2) جمہوریت اور تصور حاکمیت

اسلامی نقطہ نگاہ سے حاکمیت اعلیٰ کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے اور اسی نظریے کی اساس پر ڈاکٹر اسرار احمد نے یہ موقف اپنایا ہے کہ غیر اللہ کی حاکمیت (sovereignty) کو تسلیم کرنا سب سے بڑی بغاوت، سرکشی، فسق اور نافرمانی ہے، چاہے وہ ملوکیت کی صورت میں ہو یا عوامی حاکمیت (popular sovereignty) کی صورت میں ہو۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی حدود کے دائرے رہتے ہوئے مباحات کے حوالے سے اکثریت کی رائے کے مطابق فیصلے کیے جاسکتے ہیں لیکن اختیار مطلق (Absolute Authority) اور اقتدار اعلیٰ (sovereignty) کسی صورت اکثریت کے پاس نہیں جاسکتا۔

مزید یہ کہ قول باری تعالیٰ:

﴿وَإِنْ تُطِيعُوا أَكْثَرَ مَنْ فِي الْأَرْضِ لِيُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ إِنَّ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ﴾¹

(ترجمہ: اے محمد ﷺ! اگر آپ زمین میں بسنے والوں کی اکثریت کے کہنے پر چلیں گے تو وہ آپ کو اللہ کی راہ سے بہکا دیں گے۔ وہ تو محض ظن کے پیچھے لگے ہوئے ہیں اور صرف قیاس آرائیاں کرتے ہیں)

کی روشنی میں آپ جدید جمہوری نظام کے فلسفے کی نفی کرتے ہوئے فرماتے ہیں

"(جدید جمہوری نظام) جس میں اصابت رائے کے بجائے تعداد کو دیکھا جاتا ہے۔ بقول اقبالؒ جمہوریت اک طرز حکومت ہے کہ جس میں بندوں کو گنا کرتے ہیں، تو لا نہیں کرتے! اس حوالے سے قرآن کا یہ حکم بہت واضح ہے کہ اگر تم زمین میں بسنے والوں کی اکثریت کی بات مانو گے تو وہ تمہیں لازماً گمراہ کر دیں گے۔"²

اس بحث میں یہ بات تفصیل سے سامنے آئی ہے کہ بالعموم تمام مسلمانوں اور بالخصوص اہل پاکستان کی موجودہ صورت حال تشویش ناک ہے اور اس کے تمام تر اسباب کا تانا بانا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے جڑتا ہے۔ اس صورتحال سے خلاصی کی واحد صورت انفرادی و اجتماعی زندگی کے ہر گوشے میں احکامات خداوندی کی پاسداری ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اس حوالے سے قابل قدر رہنمائی فرمائی ہے۔

(1) الانعام: 116

(2) دیکھیے: بیان القرآن، ص: 141/1 اور ص: 72/3

دونوں مفسرین کے منہج دعوت و اصلاح کا تقابلی جائز

سابقہ دو مباحث کی روشنی میں دونوں مفسرین کے منہج دعوت و اصلاح کا تقابلی مطالعہ کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ دونوں مفسرین کی امت کے حالات پر گہری نظر تھی اور دونوں نے امت کے موجودہ حالات کی تشخیص کرتے ہوئے ان اسباب کا تدارک کرنے کی بھی کوشش کی ہے جو موجودہ صورتحال کا سبب بنے۔ اسی طرح دونوں نے اپنی تفاسیر میں عمومی اصلاح اور معاشرتی، معاشی اور سیاسی اصلاح کا تصور بھی پیش کیا ہے۔ شعر اوی صاحب اور ڈاکٹر صاحب کے نزدیک پوری انسانیت کے بالعموم اور امت مسلمہ کے بالخصوص موجودہ حالات کی سب سے بڑی وجہ دین سے دوری اور منہج الہی سے انحراف ہے۔ اس صورتحال سے خلاصی حاصل کرنے کا واحد راستہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اتارے ہوئے طریقے اور قانون کے مطابق فیصلے کیے جائیں۔ اصلاح کی ذمہ داری افراد اور مجتمع، حاکم اور رعایا، امام اور مقتدی، مرد اور عورت سب پر آتی ہے۔ ہر ایک اپنے دائرے میں شریعت کی پیروی کرے، اللہ کی حرام کردہ چیزوں سے بچے تاکہ عمومی اصلاح بھی ہو سکے۔

تقابلی مثال:

دونوں مفسرین کے منہج دعوت و اصلاح کا تقابل کرنے کے لئے درج ذیل موضوع کا انتخاب کیا گیا ہے:

نظام کی اصلاح اور تبدیلی کا لائحہ عمل

جیسا کہ یہ بیان ہو چکا کہ دونوں مفسرین کے مطابق امت اس وقت زوال کا شکار ہے۔ اس صورتحال سے نکلنے کا عملی لائحہ عمل کیا ہونا چاہیے، اس حوالے سے دونوں مفسرین کے طریقہ کار میں واضح فرق ہے۔ اس حوالے سے دونوں کے موقف کو یہاں تقابلی انداز میں پیش کیا جائے گا۔ یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ ڈاکٹر صاحب نے تو اپنے اصلاحی لائحہ عمل کو تفصیل کے ساتھ بیان القرآن میں بیان کیا ہے البتہ نظام کی اصلاح کے حوالے سے شعر اوی صاحب کے موقف کو جاننے کے لئے ہمیں آپ کی دیگر کتب سے بھی استفادہ کرنا پڑا ہے۔

شعر اوی کا اصلاحی لائحہ عمل

جب تک انگریز مصر میں قابض رہے شعر اوی اپنے ملی جذبے اور انقلابی فکر کے ساتھ ان کے خلاف جدوجہد کرتے رہے لیکن انگریز کے جانے کے بعد دین کے نفاذ کے حوالے سے آپ نے کوئی عملی سیاسی کوشش نہیں کی۔ آپ کے مطابق کسی نئے نظام کو لانے کی یا موجودہ نظام کو کلی طور پر بدلنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اسی نظام کے اندر ہی رہتے ہوئے اصلاح کرنی ہوگی۔

اسی غرض سے آپ نے وزارت اوقاف و شہادات کا منصب بھی قبول کیا۔ لیکن وزارت کے تلخ تجربے کے بعد آپ نے سیاست سے مکمل کنارہ کشی اختیار کر لی۔ البتہ آپ مصر میں آنے والے اکثر و بیشتر حکمرانوں کو نصیحت کے ساتھ ان کی حمایت کرتے رہے۔ لیکن اس کے برعکس مصر کی تحریکی و انقلابی جماعت "انخوان المسلمون" سے آپ کا فکری اختلاف ہوا جو آخر تک برقرار رہا۔

حکومتی مناصب اور حکمرانوں کو نصیحت کے حوالے سے شعر اوی کی رائے

شعر اوی حکومتی مناصب کو شہوت حکومت سے تعبیر کرتے تھے۔ آپ کے مطابق حکومتی عہدے کا بوجھ اٹھانا ایسی ذمہ داری ہے جو انسان کی طاقت سے باہر ہے اور حاکمیت کی شہوت انسان پر غلبہ پالیتی ہے اور اس کا علاج یہی ہے کہ انسان اس سے دور ہی رہے۔ شعر اوی کے بقول شریعت اسلامیہ کی رو سے شاید اسی حکمت کے پیش نظر ہم اس شخص کو حکومتی عہدہ نہیں دیا جاتا جو اسے طلب کرے یا اس کی طمع رکھے۔ مگر جس شخص کو کوئی حکومتی ذمہ داری کسی اور کی طرف سے سونپی جائے یا وہ اچانک سے اس کی جھولی میں آگرے تو ایسے شخص کو چاہئے کہ وہ اللہ کی مدد و نصرت طلب کرے اور حاکم و محکوم دونوں پر لازم ہے کہ وہ منہج الہی کو ہمیشہ مد نظر رکھیں۔ اور اگر محکوم خود پر ایسے حاکم کو مسلط پائیں جو دین اسلام کے مطابق حکومت نہ کرے تو محکوم عوام پر لازم ہے کہ وہ حاکم کو نصیحت کرنے اور اس کی غلطیوں سے آگاہ کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں تاکہ اسلام کو تقویت حاصل ہو اور حاکم کی قوت اسلام کی فلاح و بہبود کے لئے استعمال ہو سکے۔¹

دین قائم کرنا صرف علماء کی ذمہ داری نہیں ہے

شعر اوی فرماتے ہیں کہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ علماء پر وہ بوجھ ڈالیں جو اللہ نے ان پر نہیں ڈالا۔ وہ چاہتے ہیں کہ صرف علماء ہی حاکم کو منہج الہی اختیار کرنے پر مجبور کریں جبکہ علماء کے ذمہ تو کلمہ حق کو بیان کرنا ہے لہذا جب وہ ایسا کرتے ہیں تو تمام لوگ اس کلمہ حق سے واقف ہو جاتے ہیں گویا اب سب لوگ اس معاملہ میں عالم شمار ہونگے۔ لہذا جو شخص بھی مطلوبہ احکامات میں سے کسی حکم کی معرفت حاصل کر لے وہ بھی علماء کی ہی مانند ہے اور اس پر لازم ہے کہ وہ علماء کے شانہ بشانہ کھڑا ہو۔ مگر صرف علماء کو حاکم کے سامنے لا کھڑا کرنا تو علماء پر وہ بوجھ ڈالنے کے مترادف ہے جو اللہ نے ان پر نہیں ڈالا۔ اگر علماء ابلاغ میں کوتاہی برتیں تو انکی سرزنش ہونی چاہیے لیکن اگر عوام کی طرف سے یہ تقاضا ہو کہ علماء اکیلے ہی حاکم کے سامنے کھڑے ہوں اور انہیں منہج الہی اختیار کرنے پر مجبور کریں تو یہ بھی غیر منصفانہ بات ہو گی۔²

(1) دیکھیے: سناء السعید، الشعر اوی بین السیاسة والدین، دار الفکر للاعلام العربی، القاہرہ، مصر، 1997ء، ص: 14-17

(2) دیکھیے: الشعر اوی، محمد متولی، اعداد: ابوالحسن عبدالرزاق، فی الحکم والسیاسة، دار الاسماء، الجیزۃ، مصر، طبع اول، 1990ء، ص: 69-79

شعراوی کی حکمرانوں کو نصیحت

شعراوی حکمرانوں کو اپنی بساط کے مطابق نصیحت کرتے رہے لیکن ایسا بھی ہوا کہ شعراوی کی زندگی میں مصر پر ایسے حکمران حکومت کرتے رہے کہ جو اسلام کے مطابق حکومت کرنا تو دور کی بات بلکہ اسلامی احکامات کی اعلانیہ خلاف ورزی کرتے رہے خاص طور پر الملک فاروق، جمال عبدالناصر، انور سادات اور حسنی مبارک۔ ان میں سے ایک نے بھی اسلامی اصولوں کے عین مطابق حکومت نہ کی بلکہ اکثر امور میں اسلام کی مخالفت بھی کرتے رہے۔ مزید یہ کہ دیگر اسلام پسند طبقات کے ساتھ عمومی طور پر اور الاخوان المسلمون کے ساتھ خصوصی طور پر ان کا رویہ منفی تھا۔ جمال عبدالناصر نے سید قطب رحمۃ اللہ علیہ کو تختہ دار پر لٹکوا دیا مگر شعراوی نے حاکم وقت کو اس کے اس ظلم پر کوئی تنبیہ نہ کی جبکہ شعراوی کے مطابق تو مسلمانوں کی عام طور پر اور علماء کی خاص طور پر یہ ذمہ داری ہے کہ وہ علماء کے دفاع میں حاکم وقت کے سامنے کلمہ حق بیان کریں اور ان علماء کو، جو جابر حکمران کے سامنے کلمہ حق بلند کریں، تنہا نہ چھوڑیں۔

اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ شعراوی حکمرانوں کو نصیحت ضرور کرتے تھے مگر پھر انہیں فیصلہ کرنے میں آزاد چھوڑ دیتے تھے جیسا کہ وہ خود فرماتے ہیں: "میں کلمہ حق کہتا ہوں پھر اگلے شخص کی مرضی ہے چاہے تو بات سننے یا نہ سننے" ¹ شعراوی نے حکمرانوں کو جو نصیحتیں کیں انہی میں سے ان کا وہ خطاب ہے جو انہوں نے حسنی مبارک پر ادیس ابابا میں ہونے والے قاتلانہ حملہ کے بعد جون 1995ء میں براہ راست حسنی مبارک سے کیا۔ شعراوی نے فرمایا:

"ممکن ہے کہ یہ حادثہ آپ کے لئے ایک زلزلہ ہو جو آپ کو آپ کی مطلق بشریت سے اللہ کی مطلق عبودیت کی طرف لے جائے اور جیسا کہ آپ کے لئے ممکن ہوا کہ آپ دنیا میں بشری قانون کے مطابق حکومت کر سکیں اسی طرح آپ دنیا میں خالق کے قانون کے مطابق حکومت کر سکیں" ²

بلاشبہ حکمرانوں کو نصیحت کرنے میں شعراوی نے بعض دوسرے علماء سے مختلف طریقہ اپنایا یعنی وہ صرف حاکم کو بلا تعصب نصیحت کرتے برخلاف ان علماء کے جو حکام سے تعصب رکھتے ہیں۔ علماء کا یہی تعصب انہیں حکمرانوں سے نہ صرف دور کر دیتا ہے بلکہ انکی قید و صعوبت کا سبب بھی بنتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ شعراوی کی منشا یہ تھی کہ حکومت اسلام کے مطابق ہوا گرچہ آپ نے عملی میدان میں وعظ و نصیحت پر اکتفا کیا اور نظام کو درست کرنے کی کوئی عملی کوشش نہ کی۔ اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ وہ خود کو حکومتی مناصب سے دور رکھنا چاہتے تھے۔

ڈاکٹر صاحب کا نظریہ انقلاب

شعراوی صاحب کے برعکس ڈاکٹر اسرار احمد تحریکی و انقلابی فکر رکھتے تھے اور اس حوالے سے قرآن کریم ہی سے رہنمائی لینے کے قائل تھے۔ آپ نے اپنی انقلابی فکر کو صرف نظریے تک محدود نہیں رکھا بلکہ اس فکر کی اساس پر

(1) سناء السعید، الشعراوی بین الیاسۃ والدین، ص: 42

(2) ایضاً، ص: 72

ایک جماعت بھی تشکیل دی اور اپنی پوری زندگی اس عملی انقلابی جدوجہد میں مگن رہے۔ آپ نے اپنی تفسیر کے دوران بے شمار مقامات پر اس حوالے سے مفصل کلام کیا ہے۔¹ ان تمام مقامات کی روشنی میں آپ کی انقلابی فکر کو اختصار کے ساتھ بیان کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا مقصد خصوصی

ڈاکٹر صاحب کا یہ موقف ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا بنیادی مقصد تو دیگر انبیاء و رسل کی طرح تبشیر، انذار، تذکیر، دعوت اور تبلیغ ہے۔ لیکن اس کے علاوہ آپ ﷺ کی بعثت کا ایک امتیازی اور خصوصی مقصد تکمیل رسالت، یعنی دین کو بالفعل قائم اور غالب کرنا بھی ہے۔ جیسا کہ سورۃ الصف: 8-9، سورۃ التوبہ: 33 اور سورۃ الفتح: 28 میں کچھ لفظی فرق کے ساتھ وارد ہوا ہے کہ:

﴿هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ﴾²

(ترجمہ: وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تاکہ اس دین کو سب

ادیان پر غالب کر دے۔ خواہ یہ بات مشرکوں کو کتنی ہی ناگوار ہو)

حضور ﷺ کی رحلت کے بعد آپ ﷺ کی بعثت کے اس خصوصی مقصد کی کلی تکمیل یعنی دنیا میں دین کو قائم اور غالب کرنے کی جدوجہد ہم سب پر حضور ﷺ کے امتی ہونے کی حیثیت سے فرض ہے۔

نظام عدل اجتماعی کی اہمیت

آپ فرماتے ہیں کہ اسی ہدف کو حاصل کرنے کا حکم ایک اور انداز سے سورۃ الشوریٰ کی تیرویں آیت میں (اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ) کے الفاظ میں ہوا کہ تم دین کو قائم کرو! یہ اللہ کی شان و عظمت اور واحدانیت کی دلیل ہے کہ اس نے انسانوں کو دین حق یعنی ایک مکمل ضابطہ حیات اور عادلانہ نظام زندگی دیا ہے۔ یعنی ایک ایسا نظام جس میں انسانیت کی فلاح و بہبود پوشیدہ ہے۔ انسانیت نے اس نظام الہی کو چھوڑ کر آج تک جو بھی راستہ اختیار کیا ہے، تاریخ شاہد ہے کہ وہ اس میں ہمیشہ ایک مصیبت سے نکل کر دوسری مصیبت میں پھنستے رہے ہیں۔ نادار و محروم عوام اگر کبھی استحصالی طبقے کے ظلم سے آزادی حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے بھی تو وہ پہلے سے بڑے ظالم کے پنجے میں جا پھنسے۔

نظام عدل اجتماعی کا مسئلہ کسی ایک طبقے کا مسئلہ نہیں بلکہ پوری دنیا کی ضرورت ہے جس کی تلاش میں نسل انسانی صدیوں سے در بدر ٹھوکریں کھا رہی ہے۔ دوسری طرف اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ مسئلہ اس قدر اہم ہے کہ اس نے

(¹) ملاحظہ ہو: بیان القرآن، ص: 37/2، ص: 62/2-65، ص: 283/2، ص: 207/3، ص: 229/3، ص: 290/4-291، ص: 228/5۔

230، ص: 235/5، ص: 40/6-452، ص: 461/6، ص: 274/6، ص: 330/6، ص: 213/7-218، ص: 225/7۔

(²) التوبہ: 33

دنیا میں جتنے بھی رسول بھیجے ان سب کا مشن یہی تھا کہ انسانیت کو عدل و قسط کے شفاف نظام کے ثمرات سے بہرہ ور کیا جائے۔ سورۃ الحدید کی آیت 25 میں فلسفہ انقلاب عربیاں ترین صورت میں موجود ہے:

﴿لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾¹

(ترجمہ: بلاشبہ ہم نے رسولوں کو واضح دلائل دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔۔۔)

اللہ تعالیٰ کی طرف سے مذکورہ مشن کے ساتھ انبیاء و رسل توپے درپے آتے رہے اور نسل انسانی تک اللہ تعالیٰ کا پیغام بھی پہنچاتے رہے بہر حال پوری انسانی تاریخ میں یہ اعزاز صرف اللہ کے آخری رسول حضرت محمد ﷺ کو حاصل ہوا کہ آپ ﷺ نے عرب معاشرے سے ظالمانہ نظام کا قلع قمع کر کے اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ نظام عدل و قسط عملی طور پر قائم کر دیا جس میں توسیع خلافت راشدہ اور بعد کے ادوار میں ہوئی۔

منہج انقلاب نبوی

ڈاکٹر صاحب نے قرآن کریم اور سیرت النبی ﷺ میں فلسفہ انقلاب کے نقطہ نظر سے گہرا مطالعہ کرنے کے بعد یہ نتیجہ نکالا کہ رسول اللہ ﷺ نے جزیرۃ العرب میں جو انقلاب برپا کیا تھا اس کے دو بنیادی مراحل ہیں، یعنی تیاری کا مرحلہ اور تصادم یا ٹکراؤ کا مرحلہ۔ پھر یہ دو مراحل درج ذیل چھ مراحل پر منقسم ہوتے ہیں۔

1. دعوت
2. تنظیم
3. تربیت
4. صبر محض
5. اقدام
6. مسلح تصادم

امت پر رسول اللہ ﷺ کی بعثت خصوصی کے مشن کی تکمیل کی ذمہ داری

حضور ﷺ کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد پوری دنیا کے حوالے سے نظام عدل و قسط کے قیام کا یہ مشن اب آپ کی امت کو منتقل ہو چکا ہے، جس کے لیے امت کو منظم اور مسلسل جدوجہد کرنی ہے جیسا کہ حکم ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ﴾²

(¹) الحدید: 25

(²) النساء: 135

(ترجمہ: اے اہل ایمان! کھڑے ہو جاؤ پوری قوت کے ساتھ عدل کو قائم کرنے کے لیے اللہ کے گواہ بن کر)

اب امت کا ہر وہ فرد جس کا سینہ نور توحید سے منور ہو گیا ہے اور اس نے خود کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پوری طرح جھکا لیا ہے، اگر تو ایسے معاشرے میں ہے جہاں اللہ کا دین غالب ہے اور وہاں اسلامی حکومت قائم ہے تو اس کے لیے اللہ کی بندگی کے تقاضوں کو پورا کرنا آسان ہوگا۔ لیکن اگر وہ ایسے معاشرے میں ہے جہاں باطل نظام غالب تو وہ اللہ کی بندگی صرف جزوی طور پر ہی کر سکتا ہے۔ ایسی صورت حال میں لازم ہے کہ وہ اس نظام کو ذہنی طور پر تسلیم نہ کرتے ہوئے احتجاج کی کیفیت میں زندگی بسر کرے۔ اپنی اور اہل و عیال کی ضروریات زندگی کو ناگزیر حد تک پوری کرنے کے بعد اپنی تمام تر صلاحیتیں، وقت اور اپنے وسائل باطل نظام کو بدلنے اور اللہ کے دین کو غالب کرنے میں لگا دے۔ اس کی یہ جدوجہد گویا باطل نظام کے تحت زندگی بسر کرنے کے جرم کا کفارہ بن جائے گی۔

عصر حاضر میں منہج انقلاب

ظاہر ہے "جمعیت" کے بغیر اقامت دین کے لیے مؤثر اور منظم جدوجہد ممکن نہیں ہے۔ لہذا اب کس طرح سے دوبارہ تحریک شروع کی جائے گی؟ ڈاکٹر صاحب نے اس کی رہنمائی سیرت رسول ﷺ اور سورہ صف سے لی ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل، جو کہ اپنے علماء کے زیر اثر تھے، کی جانب سے کفر کی شدت کو محسوس کیا کہ اب یہ ضد اور مخالفت پر تل گئے ہیں۔ تو آپ نے ممکنہ تصادم کے لئے حزب الشیطان کے مقابلے میں حزب اللہ کی تیاری کے لئے ایک پکار لگائی، ایک دعوت عام دی کہ: کون ہیں جو اللہ کی راہ میں میرے مددگار ہیں؟ جس پر حواریوں نے آپ کا ساتھ دینے کا اعلان کیا۔ ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ عصر حاضر میں بھی دین کا کام کرنے کے لیے اصل اساس یہی ہے۔ اسی بنیاد پر مطلوبہ اوصاف سے متصف کوئی داعی دینی کام کے لئے مدد کی پکار لگائے گا اور جو لوگ اس داعی پر اعتماد کرتے ہوں گے اور اس سے اتفاق کرتے ہوں گے، وہ غلبہ دین کے مقصد کے لئے نہ کے اس کی ذات اور سرداری کے لئے، سمع و طاعت کے اصول پر اس کے ساتھی بن جائیں گے۔

ایسے لوگ درحقیقت اللہ کی رضا اور جنت کے بدلے اپنے جان و مال کو اللہ اور اس کے دین پر نچھاور کرنے کے لئے اس داعی کے ہاتھ پر بیعت کریں گے جو صرف اور صرف اللہ کے نام پر کھڑا ہو اور لوگوں کو پورے خلوص کے ساتھ قرآن اور دین کے نام پر دعوت دے۔ وہ داعی ان کا امیر کہلائے گا اور جماعت کے باقی افراد اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے دائرے کے اندر رہ کر اس کی اطاعت کریں گے۔ آپ کے نزدیک آج جماعت سازی کے بہت سے طریقے رائج ہیں لیکن جماعت سازی کا منصوص، مسنون اور ماثور طریقہ بیعت کا طریقہ ہی ہے۔

منہج نبوی ﷺ پر عمل کرتے ہوئے قرآن کریم کے ذریعے جماعت کے افراد کی کردار سازی، یعنی تربیت و تزکیہ کا بندوبست کیا جائے گا، یعنی ان کے علم و عمل اور تقویٰ میں اضافہ کرنے کی کوشش کی جائے گی، تربیتی مراحل سے گزار کر انہیں نظم و ضبط کا خوگر بنایا جائے گا۔ اگر افراد کا تزکیہ اور تربیت صحیح نہ ہوگی، نظم و ضبط اس جماعت کے اندر نہیں ہوگا تو کسی کام یا مہم پر جاتے ہوئے ہر ایک اپنی من مانی کرتا پھرے گا۔ لہذا ان مردان کار کا تربیت کے ضروری مراحل سے گزرنا اور اپنے لیڈر کے ساتھ سمع و طاعت کے سخت ڈسپلن کے تحت مربوط ہونا بھی ضروری ہے۔ پھر جب مذکورہ صفات کے حامل افراد اچھی خاصی تعداد میں اکٹھے ہو جائیں اور تربیت و تنظیم کے ضروری مراحل بھی طے کر چکیں تب ان کے امیر یا لیڈر کو حالات و ماحول کے تقاضوں کو دیکھتے ہوئے اقدام کے مرحلے میں داخل ہونے کا فیصلہ کرنا ہوگا۔

مختلف تحریکیں

ڈاکٹر صاحب نے اپنا منہج واضح کرنے کے باوجود ان تنظیموں اور گروہوں کا تذکرہ خیر ہی کیا ہے جو اخلاص اور نیک نیتی سے اقامت دین کی جدوجہد میں مصروف ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ ان سب کی مثال دراصل منی سے میدان عرفات جانے والے حجاج کے قافلوں جیسی ہے جن کے راستے بے شک مختلف ہیں مگر منزل ایک ہی ہے۔ جیسے جیسے یہ قافلے اپنی منزل کی طرف بڑھتے جاتے ہیں ویسے ویسے ان کے مابین فاصلہ کم ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ میدان عرفات میں پہنچ کر وہ سب ایک ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح اقامت دین کی جدوجہد کرنے والی مختلف جماعتیں اور تنظیمیں اپنی منزل مقصود پر پہنچ کر یہ سب اکٹھے ہو جائیں گے۔ اور اگر بالفرض وہ دنیا میں اکٹھے نہ ہو سکے تو بھی روز محشر تو سب اکٹھے ہو جائیں گے۔ چنانچہ ان سب کو ایک دوسرے پر تنقید کرنے کے بجائے اپنی سوچ اور نظریے کے مطابق جدوجہد کرتے جانا ہوگا، اللہ تعالیٰ نے چاہا یہ سب اپنی کوششوں کے لیے مہم جو رہوں گے کیونکہ یہ سب اپنے مشن اور اپنی جدوجہد میں مخلص ہیں۔¹

اسلام کی انقلابی فکر اور اس کے نظام عدل اجتماعی کو تو دونوں مفسرین نے بیان کیا ہے لیکن میدان کار میں ڈاکٹر صاحب کا طریق کار شعر اوای صاحب سے مختلف ہے۔ شعر اوای صاحب کے نزدیک اس بات سے لا تعلق ہو کر کہ حکمران کون ہے، نظام کیا ہے، ہر طبقے کو صرف نصیحت کی جائے یہاں تک کہ کوئی خود سے تبدیل ہو جائے۔ جب کہ ڈاکٹر صاحب کے مطابق باطل نظام کے سٹیک ہولڈرز کے مفادات اس نظام کے ساتھ جڑے ہوتے ہیں اور جب تک کوئی پر زور تحریک چلا کر انہیں مجبور نہ کیا جائے گا وہ محض وعظ و تلقین سے اس نظام کو تبدیل نہیں ہونے دیں گے۔ اسی مقصد کے لئے آپ نے تنظیم اسلامی کی بنیاد رکھی۔

(1) بیان القرآن، ص: 316/6

فصل دوم

تفسیر الشعر اوی اور بیان القرآن میں نظریات باطلہ اور منحرف فرقوں کے رد کا اسلوب

مبحث اول: تفسیر الشعر اوی میں نظریات باطلہ اور منحرف فرقوں کا رد کے رد کا اسلوب

مبحث دوم: بیان القرآن میں نظریات باطلہ اور منحرف فرقوں کا رد کے رد کا اسلوب

مبحث سوم: تفسیر الشعر اوی اور بیان القرآن میں نظریات باطلہ اور منحرف فرقوں کا رد کے رد کا

تقابلی جائزہ

مبحث اول

تفسیر الشعر اوی میں نظریات باطلہ اور منحرف فرقوں کا رد کے رد کا اسلوب

زمانہ قدیم سے مفسرین اس بات کا اہتمام کرتے رہے ہیں کہ اصحاب بدعت و ضلالت کا تعقب کرتے ہوئے ان کی بدعتوں اور گمراہیوں کو واضح کریں۔ اسی لئے ہمارے اسلاف نے شیعہ، معتزلہ اور خوارج جیسے گمراہ فرقوں کا بھرپور رد کیا ہے، تاکہ جو شکوک و شبہات گمراہ کن لوگ پھیلانا چاہتے ہیں ان کا سد باب کیا جائے اور ان کی گمراہی کو ان کے سینوں میں دفن کر دیا جائے۔ دوسری جانب جب ہم مستشرقین کو دیکھتے ہیں اور ان کے اہداف پر نظر دوڑاتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مقصد اسلام اور مسلمانوں کے خلاف چالیں چلنا ہے۔ اسی طرح کچھ مسلمان مفسرین بھی جو مغرب سے مرعوب ہیں، ایک غیر محسوس انداز میں مغرب اور مغربی فکر کی چاکری کرتے ہیں۔ دین اسلام کے صحیح مفہوم کو واضح کرنے کے لئے اس قسم کے تمام تر شکوک و شبہات کو زائل کرنا نہایت ضروری ہے۔ اس کا اہتمام ہمیشہ سے امت کے مفسرین کرتے رہے ہیں۔

شعر اوی کی تفسیر کو عمیق نظر سے دیکھنے پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام شعر اوی نے اپنی تفسیر میں آغاز سے اختتام تک اسلام کے دفاع میں شبہات کے رد اور باطل نظریات و مغایم کے ازالہ و رد کا اہتمام کیا ہے گویا یہ آپ کی تفسیر کا ایک اساسی منہج ہے۔ اس حوالے سے آپ کی توجہ دو جانب رہی:

1. دین اسلام پر خارجی حملوں کا دفاع

2. اسلام سے منحرف فرقوں کا رد

الف۔ دین اسلام پر خارجی حملوں کا دفاع

شعر اوی نے اپنی تفسیر میں متعدد مقامات پر اسلام دشمنوں کے شبہات کا ازالہ کیا ہے۔ اس ضمن میں آپ نے مستشرقین، نصاریٰ، سیکولرز، اور فلاسفہ کو آڑے ہاتھوں لیا ہے۔ اس حوالے سے چند مثالوں کی روشنی میں آپ کے منہج کو ذیل میں بیان کیا گیا ہے۔

(1) مستشرقین

شعر اوی نے اپنی تفسیر کے دوران متعدد مقامات پر دین میں شکوک و شبہات پھیلانے والے مستشرقین کا تعقب کیا ہے اور ان کے لئے گھات لگائی ہے۔ ان کے شبہات اور شکوک کو بیان کیا ہے اور مدلل رد کیا ہے۔ آپ کے مطابق عصر حاضر میں اس قضیہ سے غفلت ہر گز نہیں برتی جاسکتی۔ جیسا کہ ایک مقام پر آپ فرماتے ہیں:

"وكانوا من بعد الإسلام يحاربون الإسلام بالاستشراق، وكانوا يؤلفون الكتب ليطعنوا الإسلام. " إننا نجد بعضاً من المؤلفات تتحدث عن عظمة الإسلام تأتي من الغرب، ولكنهم يحاولون الطعن من باب خلفي كأن يقولوا: إن محمداً عبقرى نادر في تاريخ البشرية وبينون كل القول على أساس أن ما جاء به محمد هو من باب العبقرية البشرية، لا من باب الرسالة والنبوة. --- ونقول له: شكراً؛ ولكن لماذا لم تؤمن أنت برسالة محمد بن عبد الله؟¹"

(ترجمہ: مستشرقین استشراق کے ذریعے اسلام کے خلاف حالت جنگ میں ہیں اور وہ اس مقصد کے لیے کتابیں تالیف کرتے ہیں تاکہ وہ اسلام میں طعن کر سکیں۔۔۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مغرب کی جانب سے بعض کتابیں تالیف کی جاتی ہیں جو ظاہری طور پر اسلام کی عظمت کے بارے میں بات کرتی ہیں لیکن ان کا مقصد ایک پوشیدہ دروازے سے اسلام میں طعن کرنا ہوتا ہے۔ گویا جب وہ یہ کہتے ہیں کہ محمد ﷺ انسانی تاریخ میں سب سے زیادہ عبقری شخصیت کے مالک تھے۔ اس کے بعد اپنے اس موقف کی بنیاد پر وہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ محمد ﷺ جو کچھ بھی لائے وہ ان کی عبقریت کی بدولت تھا نہ کہ باب رسالت یا باب نبوت سے۔۔۔ ہم ان سے کہیں گے: آپ کا بہت شکریہ! لیکن آپ محمد بن عبد اللہ کی رسالت پر ایمان کیوں نہیں لاتے؟)

بے شک اعدائے اسلام جب میدان قتال میں مسلمانوں کا مقابلہ کرنے سے عاجز آگئے تو انہوں نے مسلمانوں کے خلاف ایک فکری جنگ شروع کر دی اور اس میں وہ کافی حد تک کامیاب بھی ہو گئے۔ اس کے واضح آثار ہم اسلامی ممالک میں دیکھ سکتے ہیں۔ اسی سبب امام شعر اوی نے اس فکری یلغار کے مقابلے کے لئے امت کو مناسب تیاری کرنے کی دعوت دی ہے۔ شعر اوی کے نزدیک رباط یعنی پہرے داری صرف یہ نہیں ہے کہ گھوڑے پر سوار ہو کر سرحدوں پر دشمن کے حسی حملے کا جملہ کا مقابلہ کریں بلکہ رباط سے یہ بھی مراد ہے کہ حق سے باطل کے ہر حملہ کو روکا جائے۔ آپ کے نزدیک یہ بھی بات رباط ہے کہ الحاد کو پھیلنے سے روکا جائے کیونکہ بعض اوقات جنگ گھوڑوں اور اسلحہ کے برعکس فکر سے بھی ہوتی ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ ہمارے بعض لوگ مغرب میں جاتے ہیں اور وہاں کے افکار کو در آمد کرتے ہیں پھر اسے ہمارے تعلیمی منہج میں شامل کرتے ہیں، اسی طرح ان افکار کو ذرائع ابلاغ کے ذریعے فروغ دیا جاتا ہے۔ مستشرقین کے لیے آسان ترین طریقہ یہی ہے کہ وہ اپنی افکار کو ہمارے اندر بعض مسلمانوں کے ذریعے سے داخل کریں۔ اسی طرح شعر اوی مسلمان نوجوانوں کو استشراق کے فتنے سے خبردار کرتے ہیں کہ کہیں وہ اس فتنے کا شکار نہ ہو جائیں²۔

امام شعر اوی نے دیگر علمائے حق کی طرح اعدائے اسلام اور ان کے اسالیب سے امت کو آگاہ کیا ہے اور ان کی گھناؤنی سازشوں کو بے نقاب کیا ہے۔ بلاشبہ مستشرقین اسلام کے متعلق کتابیں استشراقی اہداف کے لئے لکھتے ہیں نہ

(1) تفسیر الشعر اوی، ص: 3274/6

(2) دیکھیے: تفسیر الشعر اوی، ص: 1974/4، ص: 2277/4، ص: 3274/6

کہ اسلام کی خدمت کے لیے اور اس بات پر تاریخ شاہد ہے۔ نوجوانوں کے حوالے سے شعراوی نے مسلمانوں پر عصر حاضر میں آنے والی ایک بھاری مصیبت کا تذکرہ کیا ہے۔ بلاشبہ مسلمان نوجوانوں کا مغربی ممالک میں جا کر تعلیم حاصل کرنا بالعموم کوئی اچھا تجربہ نہیں رہا ہے۔ مسلمان نوجوانوں پر بھی یہ لازم ہے کہ وہ اس معاملے سے خبردار ہیں اور مستشرقین سے ہوشیار رہیں تاکہ مغرب کی ظاہری دنیاوی ترقی سے مرعوب ہو کر کہیں دھوکہ کھانا کھا جائیں۔

بعض مسائل میں شعراوی کی جانب سے مستشرقین کا رد

جیسا کہ قبل ازاں بیان ہوا کہ شعراوی اپنی تفسیر میں مستشرقین اور شکوک و شبہات پھیلانے والے حاققین کے لئے خوب گھات لگاتے ہیں۔ ان کے شبہات کو پیش کرتے ہیں پھر اس کا مکمل رد کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے ارشاد مبارک:

﴿أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا...﴾¹

(ترجمہ: کیا کافروں نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ آسمان اور زمین آپس میں گڈمڈ تھے پھر ہم نے انہیں الگ الگ کیا۔۔۔)

کی تفسیر میں شعراوی فرماتے ہیں کہ مستشرقین نے اس آیت کے حوالے سے کلام کیا ہے کہ لفظ "السموات" جمع ہے اور اسی طرح زمین بھی ایک ایسی جنس ہے جس کی جمع ہے۔ لہذا قاعدے کے مطابق ہمیں یہاں جمع کا ضمیر استعمال کرتے ہوئے "كُنَّ رَتْقًا" کے الفاظ کہنے چاہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ اس اعتراض کے قائل کو یہ معلوم نہیں تھا کہ خدا تعالیٰ نے یہاں آسمانوں کو ایک نوع اور زمین کو ایک نوع کے طور پر دیکھا ہے، لہذا یہاں جو مراد ہے وہ آسمان اور زمین کا مثنیٰ مراد ہے۔ اور قرآن کریم میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ جیسے قول باری تعالیٰ:

﴿وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا...﴾²

(ترجمہ: اور اگر مومنوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرادو)

یہاں ظاہر کے مطابق "اقتتلنا" نہیں کہا گیا، کیونکہ طائفہ، خواہ وہ واحد ہو، ایک گروہ پر مشتمل ہوتا ہے، اور لڑائی کسی طائفہ اور طائفہ کے درمیان نہیں ہوتی، بلکہ ایک کے افراد اور دوسرے کے افراد کے درمیان ہوتی ہے۔ لہذا قتال کے سبب "اقتتلوا" جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔ لیکن اگر ہم صلح کی طرف آتے ہیں تو یہ ان افراد کے درمیان نہیں ہوتی بلکہ ہر طائفہ کے نمائندوں کی جماعت کے درمیان ہوتی ہے۔ پس سیاق و سباق تثنیہ کی طرف جاتا ہے، لہذا

"فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا" کے الفاظ آئے۔³

(¹) الانبیاء: 30

(²) الحجرات: 9

(³) تفسیر الشعراوی، ص: 9518/15

تفسیر اشعراوی میں مستشرقین کے رد کی ایک اور مثال قول باری تعالیٰ:

﴿هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ﴾¹

(ترجمہ: وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا تا کہ اسے سب دینوں پر غالب کر دے اگرچہ مشرکوں کو کتنا ہی ناگوار ہو)

کی تفسیر میں آپ کا یہ فرمان ہے:

"ويستمر هؤلاء الكارهون للإسلام في قلوبهم وبيضفون: إن إسلامكم ليظهر على الدين كله حتى الآن بدليل أن هناك الملايين لم يدخلوا الإسلام؟ ونقول لهم: أو يظهر على الدين كله بأن يؤمن الناس بالإسلام جميعاً، لا، لو فطنوا على قول الله: {وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ} لعلموا أن إظهار الإسلام على الدين لا بد أن يلازمه وجود كافرين كارهين، وما دام الإسلام موجوداً مع كافرين كارهين، فهو لن يظهر كدين، ولكنه يظهر عليهم أي يغلبهم كنظام يضطرون إليه ليحلوا مشكلات مجتمعاتهم الكافرة، فسأخذون من أنظمة وقوانين الإسلام وهم كارهون"²

(ترجمہ: اسلام کو ناپسند کرنے والے یہ کہتے ہیں: بے شک تمہارا اسلام ابھی تک تمام ادیان پر غالب نہیں آیا اور لوگوں کی ایک بڑی تعداد ابھی تک اسلام میں داخل نہیں ہوئی۔ ہم ان سے پوچھتے ہیں: کیا اسلام کے غلبہ کی صرف یہی صورت ہے کہ تمام لوگ مسلمان ہو جائے؟ نہیں! اگر وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول پر غور کرتے: (وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ) (ترجمہ: خواہ مشرکوں کو برا ہی لگے) تو وہ یہ جان لیتے کہ اسلام کا غلبہ جب بھی ہو گا اس وقت کراہت رکھنے والے کافر ضرور موجود ہوں گے۔ تو لہذا کافروں کی ناپسندیدگی کے باوجود اسلام آج بھی باقی ہے۔ مزید یہ کہ اگرچہ بطور دین تو وہ ان پر غالب نہیں آیا لیکن وہ ناپسندیدگی کے باوجود بطور نظام ان پر غالب ہے کیونکہ وہ اپنے کافر معاشروں کے مسائل کے حل کے لیے اسلامی قوانین سے استفادہ کرنے پر مجبور ہیں۔)

مستشرقین یہ اعتراض اٹھاتے ہیں قرآن کریم میں تو احکامات بہت کم بیان ہوئے ہیں جب کہ احادیث ہزاروں کی تعداد میں موجود ہیں اور اس کا یہ مطلب ہے کہ علماء نے اپنے مطلب کی چیزوں کو دین میں شامل کرنے کے لئے یہ احادیث گھڑی ہیں۔ شعر اوی نے اپنی تفسیر میں ان کے اس شبہ کا ازالہ کیا ہے۔ آپ کا یہ موقف ہے کہ ایسا شخص جو کہتا ہے کہ ہمارے اور تمہارے درمیان صرف اللہ کی کتاب موجود ہے اسے یہ نہیں معلوم کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں یہ فرمایا:

﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾³

(ترجمہ: اور جو کچھ تمہیں رسول دے وہ لے لو اور جس سے روکے اس سے رک جاؤ)

(¹) الصف: 9

(²) تفسیر اشعراوی، ص: 995/2

(³) البقرہ: 7

لہذا بعض تشریعی امور کی تفویض اللہ کی جانب سے جناب محمد ﷺ کو ہوئی تھی۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی احادیث کی کثرت کے حوالے سے مستشرقین کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے شعر اوی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا وقت تیس سالوں پر مشتمل ہے اور آپ کا ہر کلام حدیث ہے۔ اسی طرح آپ کا ہر عمل حدیث ہے، یہاں تک کہ آپ کے سامنے اگر کوئی کام ہوا اور آپ خاموش رہے تو وہ بھی حدیث ہے۔ لہذا آپ سوچیں کہ احادیث کی تعداد کتنی زیادہ ہو جائے گی۔ دوسری جانب رسول اللہ ﷺ نے اپنے متعلق کسی غلط بات کو منسوب کرنے کے بارے میں بہت سی وعیدیں سنائی جس سے احادیث گھڑنے والوں کے راستے کور و کا گیا۔¹

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شعر اوی نے مستشرقین کے صرف ان شبہات کا رد نہیں کیا جو نصوص قرآنی سے تعلق رکھتے تھے بلکہ سنت اور اس کی حجیت اور قرآن و سنت کے تعلق کے حوالے سے اچھالے گئے اعتراضات کا بھی جواب دیا ہے۔ بلاشبہ قرآن و حدیث کا ایک ہی مقصد اور ہدف ہے اور احکامات کے ضمن میں اللہ کی منشا کے مطابق بعض احکامات قرآن میں ہیں اور بعض احکامات حدیث میں ہیں لہذا ہر زمانے میں لوگ قرآن و حدیث کے محتاج ہیں۔

(2) سیکولرزم

شعر اوی نے اپنی تفسیر میں سیکولرزم کے خطرے سے نمٹنے کی جدوجہد کی ہے، اس ضمن میں آپ نے یہ ثابت کیا ہے کہ اللہ کی جانب سے نازل شدہ شریعت معصوم ہے جس کے آگے یا پیچھے سے باطل قریب بھی نہیں آسکتا اور یہ شریعت انسانی زندگی کا مکمل احاطہ کرتی ہے اور اس شریعت میں دین اور سیاست کے جدا ہونے کا کوئی تصور نہیں ہے۔ اسلام محض عبادات تک محدود نہیں ہے بلکہ وہ انسانی زندگی کا مکمل احاطہ کرتا ہے۔

شعر اوی سیکولرزم کی اصل کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ یہ اصلاً مسیحی کلیسا سے ماخوذ ہے اور اس کلیسیائی فکر کو اسلامی معاشروں میں منتقل کرنے کے لئے اس کا استعمال سیکولرزم کے نام سے کیا گیا اور بعض مسلمان اس سے ناواقف ہونے کے سبب اس کی ترویج کا کام کرتے ہیں۔ لیکن اسلامی دنیا میں سیکولرزم کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے کیونکہ یورپ میں اس کا جواز کلیسا کی جانب سے ماضی میں انسانی فکری آزادیوں پر پابندیاں لگانے کے فعل نے فراہم کیا تھا جبکہ اسلامی معاشرے میں ایسا ماحول نہیں ہے، بلکہ اسلام تو حریت فکر اور حریت عقیدہ عطا کرتا ہے اور اسی سبب جب مسلمانوں نے اپنے دین کو مضبوطی سے پکڑا تو انہوں نے علمی، عسکری اور زندگی کے دیگر شعبوں میں ترقی کی اور دنیا کی دو بڑی طاقتوں پر غلبہ پایا لیکن جب مسلمان اپنے دین سے دور ہو گئے اور مغرب کی تقلید کرنے لگے، ملکوں اور قوموں میں تقسیم ہو گئے تو اپنے دشمنوں کے سامنے کمزور پڑ گئے۔

(۱) دیکھیے: تفسیر شعر اوی، ص: 4/2039 اور 5/3093

شعراوی نے اپنی تفسیر میں سیکولر طبقے کی جانب سے اٹھائے گئے مختلف اعتراضات کا بھی شافی جواب دیا ہے مثال کے طور پر ان کی جانب سے ایک اعتراض ہمیشہ ہوتا ہے کہ اسلامی سزائیں بہت سخت ہیں اور عصر حاضر کے قوانین میں ایسی سزاؤں کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ شعراوی اس حوالے سے وضاحت کرتے ہیں کہ اسلامی سزائیں جرائم کے سد باب کے لئے ہیں نہ کہ محض مجرموں سے انتقام لینے کے لئے، یہی وجہ ہے کہ آپ کو اسلامی تاریخ میں ایسے بہت کم واقعات ملتے ہیں جب کسی حد کو نافذ کیا گیا ہو۔ البتہ جس دور میں بھی حدود نافذ رہی ہیں اس دور میں جرائم کم ہوتے رہے ہیں۔¹

(3) نصاریٰ

جہاں تک نصاریٰ کے شبہات کا تعلق ہے تو اس حوالے سے شعراوی نے کوئی تفصیلی کلام نہیں کیا اور اس کی بڑی وجہ شاید مصر کے عمومی حالات ہیں جہاں عیسائیوں کی ایک اچھی خاصی تعداد اقلیت کی صورت میں موجود ہے اور ماضی میں وہاں پر مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان کچھ ناخوشگوار واقعات بھی رونما ہو چکے ہیں۔

مثال کے طور پر قول باری تعالیٰ :

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ﴾²

(ترجمہ: بلاشبہ وہ لوگ کافر ہیں جنہوں نے کہا کہ: "مسیح ابن مریم ہی اللہ ہے")

کی تفسیر میں آپ فرماتے ہیں:

"ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ مسیح ہی اللہ ہے"

البتہ آگے چل کر آپ یہ فرماتے ہیں کہ آسمانی مذاہب سے تعلق رکھنے والوں کو چاہیے کہ وہ ان مسائل کے حوالے سے آپس میں بحث و تحقیق کریں۔ مثال کے طور پر یہ جہاں مسیح علیہ السلام سے قبل بھی موجود تھا تو کون تھا جو آپ کی ولادت سے پہلے اس کی تدبیر کر رہا تھا؟³

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شعراوی نے اپنی تفسیر میں نصاریٰ سے کسی حد تک درگزر کا معاملہ کیا ہے۔ دوسری جانب برصغیر میں مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمت اللہ علیہ جیسے مفسرین گزرے ہیں جنہوں نے نصاریٰ کے باطل عقائد اور شبہات کا تفصیلی رد کیا ہے۔

(1) دیکھیے: تفسیر الشعراوی، ص: 725/2، ص: 1239/2، ص: 1595/3، ص: 4800/8، ص: 3120/5

(2) المائدہ: 72

(3) تفسیر الشعراوی، ص: 3114، 3112/6

شعراوی نے اپنی تفسیر میں متعدد مقامات پر فلاسفہ کے باطل نظریات و افکار کا پر زور رد کیا ہے۔ مثال کے

طور پر قول باری تعالیٰ:

﴿إِنْ يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ أَئِيهَا النَّاسُ وَيَأْتِ بِآخَرِينَ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ ذَٰلِكَ قَدِيرًا﴾²

(ترجمہ: لوگو! اگر اللہ چاہے تو تمہیں ہٹا کر تمہاری جگہ دوسرے لوگ لاسکتا ہے اور اللہ اس بات پر

پوری قدرت رکھتا ہے)

کی تفسیر میں آپ فرماتے ہیں:

"وبعض الفاعدين للبصيرة من الفلاسفة قالوا: صحيح أن الله قد خلقنا ولكننا خرجنا من دائرة نفوذه.

لا، بل سبحانه إن شاء لذهب بكم جميعاً وأتى بآخرين، وما ذلك على الله بعزيز"³

(ترجمہ: بعض بصیرت سے محروم فلاسفہ یہ کہتے ہیں کہ اگرچہ اللہ نے ہمیں تخلیق کیا ہے لیکن ہم اب اس کے

دائرہ اختیار سے باہر ہیں۔ ہرگز نہیں! اللہ سبحانہ و تعالیٰ اگر چاہے تو تم سب کو لے جائے اور دوسروں کو لے آئے

، اور یہ اللہ پر کچھ مشکل نہیں ہے۔)

اسی طرح ایک اور مقام پر آپ رقم طراز ہیں:

"وجاءت بعض مدارس الفلسفة في ألمانيا - مثلاً - وقالت: إن وجود الشر في الكون دليل على أنه

لا يوجد إله، فلو كان هناك إله حكيم لما أفلتت منه هذه المسائل، ولما خرج واحد بعين واحدة ولا

خرج أعرج ولا مشوه. وقالت مدرسة أخرى في العصر نفسه: لا. إن رتبة النظام في الكون دليل

على أنه لا يوجد إله، فلو كان هناك إله لخرق القانون والناموس ولأخرج بعض الأحداث عن هذا

الناموس.... ونقول لهم: كلا كما غيبي؛ الذي يريد منكم النظام سبباً لوجود إله حكيم، والذي يريد

الشدوذ سبباً لوجود إله قادر، هذان الأمران موجودان في الكون، وكلاهما دليل على وجود الإله

الحكيم القادر لو كنتم منصفين."⁴

(ترجمہ: جرمنی میں فلسفے کے کچھ مکاتب فکر آئے۔ کسی نے کہا کہ کائنات میں برائی کا وجود اس بات کا ثبوت ہے

کہ کوئی خدا نہیں ہے۔ اگر کوئی حکیم خدا موجود ہوتا تو یہ مسائل نہ ہوتے، کوئی بچہ بھی ایک آنکھ سے اندھا باہر نہ

(¹) فلسفہ یونانی زبان کا لفظ ہے جس کا لغوی مطلب "حب دانش" بنتا ہے۔ اس کی کوئی خاص محدود تعریف نہیں ہے۔ فیثاغورث وہ پہلا آدمی تھا جس نے اس

لفظ کا استعمال ان لوگوں کے لئے کیا جو دیگر چیزوں کو چھوڑ کر معرفت حقائق اشیاء پر لگ گئے۔ پھر عربی زبان میں جب یہ لفظ داخل ہوا تو انہوں نے فلسفے کو

حکمت کے مترادف جانا۔ فلاسفہ کے بہت سے گراہ کون قائد ہیں۔ اور عصر حاضر تک ان کی متعدد اقسام سامنے آچکی ہیں۔ (دیکھیے: أبو الفتح محمد بن عبد اللہ کریم

بن ابی بکر أحمد الشہرستانی (المتوفی: 548 ہجری)، الملل والنحل، مؤسسة الحلبي، ص: 116/2)

(²) النساء: 133

(³) تفسیر الشعراوی، ص: 2702/5

(⁴) ایضاً، ص: 2449/4

آتا اور نہ وہ لنگڑایا مسخ ہو کر باہر آتا۔ جب کہ اسی دور کا دوسرا مکتبہ فکر کہتا ہے کہ کائنات میں نظام کی یکسانیت اس بات کا ثبوت ہے کہ کوئی خدا نہیں ہے اگر کوئی خدا ہوتا تو وہ قانون کو توڑ دیتا اور کچھ واقعات کو اس قانون سے دور لے جاتا.... اور ہم ان سے کہتے ہیں: تم دونوں بیوقوف ہو۔ نظام کی یکسانیت بھی حکیم الہ کے وجود کی دلیل ہے اور اس نظام میں آنے والا بگاڑ بھی قادر خدا کی دلیل ہے۔ یہ دونوں چیزیں کائنات میں موجود ہیں، اور یہ دونوں چیزیں ایک حکیم اور قادر خدا کے وجود کا ثبوت ہیں اگر آپ انصاف پسند ہیں۔)

ان دو مذکورہ بالا مثالوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ شعر اوی نے کس طرح فلاسفہ کا رد کیا ہے۔

(4) ڈارون کا رد

ڈارون کو اپنے تحقیقاتی سفر کے دوران جو فاسلز ملے تھے اس کی بنیاد پر اس نے نظریہ ارتقا کو پیش کیا۔ اس نظریے کے مطابق زمین پر تمام موجودہ انواع لاکھوں سال پرانے سادہ جانداروں میں بتدریج رونما ہونے والی حیاتیاتی تبدیلیوں کے ذریعے سے وجود میں آئی ہیں، یہاں تک کہ انسان کا وجود اس سلسلے کی آخری کڑی ہے۔ ڈارون نے یہ نظریہ اس یقین پر پیش کیا تھا کہ اسے ان تمام انواع کا فاسل ریکارڈ بھی مل جائے گا جو اس سارے عمل کے دوران وجود میں آئی تھیں اور پھر ختم ہو گئیں، لیکن ایسا نہیں ہو سکا۔ لہذا ہمارے پاس اس وقت کوئی ایسا ریکارڈ موجود نہیں جس کی بنیاد پر ہم کہہ سکیں کہ انہیں درمیانی کڑیوں کے ملنے سے انسان وجود میں آیا ہے۔ اس کے باوجود اس کے اس نظریہ کو بے حد پذیرائی ملی اور بہت سے لوگ اس گمراہ تصور کے قائل ہوئے۔ یہاں تک کہ بعض لوگوں نے قرآن کریم سے نظریہ ارتقا ثابت کرنے کی بھی کوشش کی ہے۔

امام شعر اوی نے اپنی تفسیر میں مختلف مقامات پر ڈارون کے اس نظریہ کو تمسخرانہ قرار دیتے ہوئے مختلف زاویوں سے اس کا رد کیا ہے۔ مثال کے طور پر آپ سورہ عنکبوت کی تفسیر کے دوران فرماتے ہیں کہ ہم کیسے اس نظریے کی تصدیق کریں کہ انسان بندر سے ارتقا کرتے ہوئے وجود میں آیا ہے؟ ایسا کیوں ہوا کہ صرف ڈارون کے بندر نے یہ ارتقائی سفر کیا جبکہ کسی اور بندر نے ایسا ارتقا نہ کیا؟ آپ کے بقول ایک مومن تو اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی اسے درست کر کے اس میں روح پھونکی ہے۔ لیکن جو شخص ایمان نہیں رکھتا اسے موت کی طرف توجہ کرنی چاہیے جس کا مشاہدہ وہ بھی روزانہ کرتا ہے۔ روح انسان کی بناوٹ میں آخری چیز ہے، اور اسی وجہ سے یہ پہلی چیز ہے جو اس کی موت کے وقت ختم ہو جاتی ہے، لہذا آپ کا موت کا مشاہدہ، آپ کے لئے اللہ کی اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ آپ کیسے وجود میں آئے۔

(¹) چارلس ڈارون (1809-1882) ایک انگریز ماہر حیاتیات تھا۔ اس نے نظریہ ارتقا پیش کیا اور دنیا کی سوچ میں بہت بڑی تبدیلی لے کر آیا۔

https://en.wikipedia.org/wiki/Charles_Darwin

(¹) عنکبوت: 5

اسی طرح ایک اور مقام پر آپ واضح کرتے ہیں کہ بعض غیر مسلم سائنسدانوں نے قرآنی دلیل کی موافقت کرتے ہوئے ڈارون کا رد کیا ہے کہ کس طرح ممکن ہے کہ ایک حادثاتی ارتقائی عمل کے نتیجے میں مرد اور عورت کی دو الگ جنس انسانی وجود میں آجائیں؟ قرآن کی روشنی میں اللہ تعالیٰ نے ایک جان سے اس کا جوڑا بنایا اور پھر ان دونوں کے تعلق کے نتیجے میں بہت سے مردوں اور عورتوں کو زمین میں پھیلا دیا¹۔

ڈارون کے نظریہ کے سبب بہت سے لوگ گمراہی کا شکار ہوئے۔ قرآن کریم کی روشنی میں انسان اپنی تخلیق کے مرحلے پر شاہد نہیں تھا اور اس کے پاس اس حوالے سے حقیقت جاننے کا صرف ایک ہی ذریعہ ہے کہ وہ بنانے والے کی بات کو غور سے سنے اور مانے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿مَا أَشْهَدُهُمْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَلَا خَلَقَ أَنْفُسَهُمْ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّينَ عَصُدًا﴾²

(ترجمہ: میں نے تو انھیں نہ اس وقت گواہ بنایا تھا جب آسمان اور زمین پیدا کیے تھے اور نہ اس وقت جب خود انھیں پیدا کیا تھا اور میں گمراہ کرنے والوں کو اپنا مددگار بنانے والا بھی نہیں)

ب۔ منحرف فرقوں کا رد

رسول اللہ ﷺ کے زمانے سے لے کر سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے تک مسلمان ایک ہی بنیاد پر قائم رہے، اصول دین اور اس کے اساسی قواعد ایک ہی رہے یہاں تک کہ بعض لوگوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف خروج کیا اور ان کے گھر کا محاصرہ کر کے انہیں شہید کر دیا۔ اس وقت سے مسلمان مختلف افکار میں تقسیم ہونے لگ گئے بعض لوگ سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بدلے کا مطالبہ کرنے لگے اور اس کے بعد سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان ایک ناخوشگوار جنگ واقع ہوئی۔ جس کے بعد شیعہ فرقہ وجود میں آیا پھر خوارج سامنے آئے اسی طرح مرجیہ نے سراٹھایا۔ غرض یہ کہ یہ اختلاف بڑھتا گیا اور آخری ایام تک بہت سے فرقے اور جماعتیں وجود میں آچکی ہیں۔³ یقیناً یہ افتراق اس بات کا ثبوت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا تھا:

(وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ مِلَّةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً قَالُوا وَمَنْ هِيَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي)⁴

(1) دیکھیے: تفسیر اشعر اوی، ص: 1987/4، 1989، ص: 11071/18

(2) الکہف: 51

(3) الذہبی، التفسیر والمفسرون، ص: 259/1 - 261

(4) سنن ترمذی، کتاب الایمان، باب افتراق الامۃ، حدیث #2641

(ترجمہ: اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی، اور ایک فرقہ کو چھوڑ کر باقی سبھی جہنم میں جائیں گے، صحابہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! یہ کون سی جماعت ہوگی؟ آپ نے فرمایا: ”یہ وہ لوگ ہوں گے جو میرے اور میرے صحابہ کے نقش قدم پر ہوں گے۔“)

یہ فرقہ واریت کا مسئلہ اس صدر سنگین ہے کہ ہر جماعت کے علماء نے اپنے مذہب کی نصرت کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے اور قرآن مجید سے اپنے موقف کے ثبوت میں دلائل اکٹھے کیے یہاں تک کہ آیات کی تعبیر اپنے مذہب کے مطابق کرنے کی کوشش کی اور جو آیات ان کے موقف کے خلاف تھیں ان کی تاویلات کرنے لگے۔

شعراوی نے اپنی تفسیر میں قرآنی نصوص کے حوالے سے ایسے بعض فرقوں کے مشہور شبہات بیان کیے ہیں اور اہل سنت کے عقائد کے مطابق ان کی صحیح تعبیر کرنے کی کوشش کی ہے جیسا کہ ہمارے اسلاف نے انہیں سمجھا۔ آپ کی تفسیر سے ایسی بعض مثالیں درج ذیل ہیں:

(1) شیعہ¹ کا رد

شعراوی نے جن فرقوں کے نظریات و شبہات کا رد کیا ہے ان میں شیعہ نمایاں ہیں۔ اگرچہ ملک مصر میں شیعہ کل آبادی کا صرف ایک سے دو فیصد ہیں اس کے باوجود شیعہ کے عمومی شر کے سبب آپ نے اپنی تفسیر میں متعہ کے مسئلے میں شیعہ کا رد کیا ہے۔ جیسا کہ شیعہ قول باری تعالیٰ:

﴿فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ﴾²

(ترجمہ: پھر ان میں سے جن سے تم (نکاح کا) لطف اٹھاؤ انہیں ان کے مقررہ حق مہر ادا کرو)

سے غلط استدلال کرتے ہوئے متعہ کا جواز نکالتے ہیں اور اسے نکاح مؤقت یا نکاح منقطع کا نام دیتے ہیں جس میں ایک مرد کسی عورت سے ایک دن، ایک ہفتے یا ایک ماہ کے لئے نکاح کر لیتا ہے۔ جب کہ اہل سنت کے تمام فقہی مذاہب متعہ کی حرمت پر متفق ہیں۔³

شعراوی اپنی تفسیر کے دوران ارشاد باری تعالیٰ:

﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَنْتُمْ فِي أَنْفُسِكُمْ-----﴾⁴

(¹) الشیعہ وہ ہیں جنہوں نے خاص طور سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حمایت کی اور ان کی امامت و خلافت کے نص و وصیت سے قائل ہیں۔ چاہے وہ نص و وصیت جلی تھی یا خفی، ان کا اعتقاد ہے کہ حضرت علی کی اولاد سے امامت باہر نہیں نکل سکتی یعنی وہی امام ہوں گے اور اگر باہر نکلے گی تو غیروں کے ظلم یا ان کے اپنے تقیہ سے نکلے گی۔ ان کے نزدیک امامت ایک مصلحت عامہ کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ ایک اصولی کیا معاملہ ہے، دین کا رکن ہے۔ (دیکھیے: الملل والنحل، ص: 146/1)

(²) النساء، 24

(³) سید سابق (1915-2000ء)، فقہ السنۃ، دار الکتاب العربی، بیروت، طبع: سوم، 1977ء، ص: 41/2

(⁴) البقرۃ: 235

(ترجمہ: ایسی بیواؤں کو اگر تم اشارتاً پیغام نکاح دے دو یا یہ بات اپنے دل میں چھپائے رکھو، دونوں صورتوں میں تم پر کوئی گناہ نہیں۔۔۔)

کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ نکاح اگر باقاعدہ منصوبہ بندی سے نہ ہو اور محض ہوس کی تکمیل جیسے عارضی اسباب کی بنیاد پر کیا جائے تو ایسی شادی کامیاب نہیں ہوتی۔ پھر اس کی مثال دیتے ہوئے وہ فرماتے ہیں نکاح متعہ بھی اسی لیے حرام ہے کہ اس میں ازدواجی زندگی کو جاری رکھنا مقصود نہیں ہوتا۔ اور جو لوگ ایسے نکاح کو جائز سمجھتے ہیں وہ شادی کی پابندی کے عنصر کو نظر انداز کرتے ہیں جو ان کے ذہنی اور فکری بیمار ہونے کی علامت ہے۔ یہ لوگ نکاح کے لیے ایک وقت خاص مقرر کر کے زنا کو حلال کرنا چاہ رہے ہیں۔¹

شیعہ کا یہ کہنا ہے کہ قول باری تعالیٰ: (فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ) سے نکاح متعہ مراد ہے کیونکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے یہاں لفظ اجرا استعمال کیا ہے۔ شعر اوی اس کا جواب دیتے ہیں کہ قرآن کریم میں لفظ اجر مہر کے لئے بھی استعمال ہوا ہے اور اس کی دلیل اس سے اگلی آیت ہے جہاں ارشاد ہوا:

﴿فَآتُوهُنَّ بِإِذْنِ أَهْلِهِنَّ وَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾²

(ترجمہ: لہذا انکے مالکوں کی اجازت سے تم ان سے نکاح کر سکتے ہو اور دستور کے مطابق انہیں ان کے حق مہر ادا کرو)

اس کے علاوہ شیعہ متعہ کے جواز میں یہ دلیل بھی پیش کرتے ہیں کہ متعہ کے واقعات موجود ہیں۔ شعر اوی اس کا جواب دیتے ہیں کہ بے شک ابتدائے اسلام میں متعہ کا جواز تھا لیکن بعد میں رسول اللہ ﷺ نے اسے حرام قرار دے دیا اور سیدنا عمر اور سیدنا علی رضی اللہ عنہما نے بھی اس کی حرمت کو برقرار رکھا۔ لہذا شیعہ کا جواز متعہ کا قول غلط فہمی پر مبنی ہے۔³

(2) جبریہ کا رد

شعر اوی نے اپنی تفسیر میں جبریہ کا بھی رد کیا ہے۔ اس حوالے سے انہوں نے جبریہ کی فکر کے مرکزی نقطے

(1) تفسیر الشعر اوی، ص: 1015/2 اور ص: 2115/4

(2) النساء: 25

(3) تفسیر الشعر اوی، ص: 2116/4

(4) جبر سے مراد حقیقت میں بندوں سے فعل کے سرزد ہونے کی نفی کرنا اور اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا ہے۔ جبریہ وہ فرقہ ہے جو یہ کہتا ہے کہ انسان کسی بھی شے پر کوئی اختیار نہیں رکھتا اور وہ اپنے افعال میں بھی مجبور ہے کسی قسم کی قدرت، ارادہ اور اختیار نہیں رکھتا۔ اللہ تعالیٰ اس کے اندر فعل کی تخلیق کرتا ہے جیسے کہ وہ تمام تر جمادات کے اندر کرتا ہے۔ ان کے مزید گمراہ کن عقائد میں جنت اور دوزخ کے فنا ہونے کا عقیدہ بھی شامل ہے جب یہ کے ان مشہور فرقوں میں جہمیہ، ضرایہ اور نجاریہ شامل ہیں۔ (ملاحظہ ہو: الملل والنحل، ص: 85/1)

کو بیان کیا جس سے وہ پہچانے جاتے ہیں۔ قول باری تعالیٰ:

﴿وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ آمَنُوا بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَنفَقُوا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللَّهُ وَكَانَ اللَّهُ بِهِمْ عَلِيمًا﴾¹

(ترجمہ: اور ان کا کیا بگڑتا تھا اگر وہ اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لے آتے اور جو اللہ نے انہیں

مال و دولت دیا تھا اس سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے۔ اور اللہ انہیں خوب جاننے والا ہے)

کی تفسیر میں شعر اوی فرماتے ہیں:

"إذن فماذا عليك. لا نقال إلا لمن في قدرته الاختيارية أن يكون كذلك، ... طائفة الجبرية قالت: إن الذي كفر لا يقدر أن يؤمن فالكافر يظل كافراً، لكنهم لم يلفتوا إلى قول ربنا: ﴿وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ آمَنُوا بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ فمعنى هذا القول أن الباب مفتوح.... وهذه الآية لا ترد فقط على مذهب الجبرية، بل تهدم مذهب الجبرية كله. فالإنسان ليس مجبراً على فعل وتنتهي المسألة، وكما يقولون: كالريشة في مهب الريح. ومثلما قال الشاعر: (ألقاه في اليم مكتوفاً وقال له ... إياك إياك أن تبطل بالماء) نقول لهم: أنتم نسبتم لله - والعباد بالله - الظلم، فالله سبحانه وتعالى لم يطلب من الإنسان

أن يؤمن به إلا وقد أودع فيه قوة اختيارية تختار بين البديلات"²

(یہ قول: ﴿وَمَاذَا عَلَيْهِمْ﴾) (ترجمہ: ان کا کیا نقصان تھا) اسی شخص کے لئے استعمال ہو سکتا ہے جو قدرت اور اختیار رکھتا ہوں۔ جبر یہ یہ کہتے ہیں کہ جس نے کفر کیا وہ ایمان لانے کی استطاعت نہ رکھتا تھا اور کافر نے کافر ہی رہنا تھا۔ ہم ان سے کہتے ہیں آپ نے اللہ تعالیٰ کے اس قول ﴿وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ آمَنُوا بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ کی جانب التفات نظر نہیں کیا۔ اس قول سے یہ مراد ہے کہ یہ دروازہ ابھی کھلا ہے۔ اور یہ آیت نہ صرف جبر یہ کے موقف کا رد کرتی ہے بلکہ پورے جبر یہ مذہب کو گرا دیتی ہے۔ انسان اپنے افعال پر مجبور نہیں ہے۔ اور جبر یہ کے اقوال گمراہ کن ہیں جیسے ان کا یہ کہنا کہ معاذ اللہ! (ہو امیں لہر اتا ایک پر) یا حبیباً کہ شاعر نے کہا: اس نے اسے ہاتھ باندھ کر سمندر میں پھینک دیا اور کہا: خبردار! پانی سے گیلے نہ ہونا۔ ہم ان سے کہیں گے کہ تم نے معاذ اللہ! اللہ کی جانب ظلم کی نسبت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو خود پر ایمان لانے کا مطالبہ نہیں کیا جب تک کہ اس نے متبادل میں سے انتخاب کرنے کی رضا کارانہ طاقت اس میں جمع نہ کر دی۔"

پھر آپ اس امر کی وضاحت کرتے ہیں کہ جبر یہ نے ازل سے لکھی ہوئی تقدیر کے ضمن میں یہ سمجھا کہ جو کچھ لکھا گیا ہے وہ لوگوں پر لازم ہے۔ انہوں نے اس فرق کو نہ سمجھا کہ اللہ تعالیٰ نے تقدیر میں جو لکھا، وہ اس لیے نہیں لکھا کہ لوگوں پر اس کو لازم کر دے بلکہ تقدیر میں جو لکھا اسے اپنے علم کی بنیاد پر لکھا۔ اور علم کی صفت انکشاف کی ہے نہ کہ تاثیر کی۔³

(1) النساء: 39

(2) تفسیر الشعر اوی، ص: 2239/4

(3) تفسیر الشعر اوی، ص: 2239/4

(3) منکرین سنت کا رد

شعراوی نے اپنی تفسیر میں ان لوگوں کا رد کیا ہے جو خود کو سنت سے مستغنی سمجھتے ہوئے صرف آیات قرآنی پر اکتفا کرتے ہیں۔ قول باری تعالیٰ:

﴿مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ وَمَنْ تَوَلَّىٰ فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا﴾¹

(ترجمہ: جس کسی نے رسول کی اطاعت کی تو اس نے اللہ کی اطاعت کی اور اگر کوئی منہ موڑتا ہے تو

ہم نے آپ کو ان پر پاسبان بنا کر نہیں بھیجا)

کی تفسیر میں شعراوی بیان فرماتے ہیں کہ اہل اسلام سے اللہ اور رسول ﷺ دونوں کے حکم کی اطاعت کا مطالبہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن حکیم میں جب زکاۃ و حج وغیرہ جیسا کوئی اجمالی حکم آتا ہے اور پھر رسول اللہ ﷺ کی جانب سے اس حکم کی تفصیل وارد ہوتی ہے۔ تو مسلمان اجمالی حکم میں اللہ کی اور تفصیلی حکم میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرتے ہیں۔ اسی طرح بعض دفعہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی جانب سے نہ اجمالی حکم ہوتا ہے نہ مفصل بلکہ صرف آپ ﷺ کی جانب سے حکم ہوتا ہے۔ اس صورت میں ہم کہتے ہیں کہ گویا اب آپ ﷺ نے خود اس حق تفویض میں سے حکم جاری فرمایا جو اللہ نے آپ کو اس آیت میں عطا کر رکھا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا...﴾²

(ترجمہ: اور جو کچھ تمہیں رسول دے وہ لے لو اور جس سے روکے اس سے رک جاؤ)

آپ کے مطابق رسول اللہ ﷺ کا فرمانا بھی ایسا ہی ہے جیسے اللہ کا فرمانا۔ اس ضمن میں مذکورہ بالا آیت کے علاوہ آپ نے درج ذیل دو حدیثیں بھی نقل فرمائی ہیں:

1. رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا أَفِيْنٌ أَحَدَكُمْ مُتَّكِئًا عَلَىٰ أَرْبَعَتِهِ يَأْتِيهِ أَمْرٌ مِّمَّا أَمَرْتُ بِهِ أَوْ نَهَيْتُ عَنْهُ، فَيَقُولُ: لَا

أَدْرِي، مَا وَجَدْنَا فِي كِتَابِ اللَّهِ اتَّبَعْنَاهُ.))³

(ترجمہ: میں تم میں سے کسی کو ہر گز اس حال میں نہ پاؤں کہ وہ اپنے آراستہ تخت پر ٹیک لگائے ہو

اور اس کے پاس میرے امر یا نہی کی قسم کا کوئی حکم پہنچے تو وہ یہ کہے کہ میں کچھ نہیں جانتا، ہم نے تو

اللہ کی کتاب میں جو چیز پائی اس کی پیروی کی۔)

2. مقدم بن معدیکرب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

(¹) النساء: 80

(²) الحشر: 7

(³) سنن ترمذی، ابواب العلم، باب ما نهي عن أن يقال عند حديث النبي ﷺ، حديث #2663، حکم: صحیح (البانی)

((قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أَلَا هَلْ عَسَىٰ رَجُلٌ يَبْلُغُهُ الْحَدِيثُ عَنِّي وَهُوَ مُتَكِنٌ عَلَىٰ أَرِيكَتِهِ ، فيقولُ : بيننا وبينكم كتابُ اللهِ ، فما وجدنا فيه حلالًا استحللناه ، وما وجدنا فيه حرامًا حرّمناه ، وإنَّ ما حرّمَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلمَ كمّا حرّمَ اللهُ))¹

(ترجمہ: مقدم بن معد یکرب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”خبردار رہو! قریب ہے کہ کوئی آدمی اپنے آراستہ تخت پر ٹیک لگائے بیٹھا ہو اور وہ کہے: ہمارے اور تمہارے درمیان (فیصلے کی چیز) بس اللہ کی کتاب ہے۔ اس میں جو چیز ہم حلال پائیں گے پس اسی کو حلال سمجھیں گے، اور اس میں جو چیز حرام پائیں گے بس اسی کو ہم حرام جانیں گے، یاد رکھو! بلا شک و شبہ رسول اللہ ﷺ نے جو چیز حرام قرار دے دی ہے وہ ویسے ہی حرام ہے جیسے کہ اللہ کی حرام کی ہوئی چیز)“²

(4) عصر حاضر کے جھوٹے داعیان نبوت کا رد

انسانی تاریخ کے ہر دور میں طرح کی گمراہیاں وجود میں آتی رہی خواہشات نفس کی پیروی کرنے والے نئے نئے فتنے کھڑے کرتے رہے اور شیطان ان کو ان کے اعمال مزین کر کے دکھاتا رہا ان گمراہیوں کا مقصد انسان کو عقائد و اخلاق کی پست ترین سطح پر لے کر جانا تھا۔ گزشتہ کچھ صدیوں میں پھیلنے والی برائیوں کے پیچھے خصوصی طور پر یہود کا ہاتھ نظر آتا ہے اشتراکیت ہو یا سرمایہ دارانہ نظام کی بات ہو، جمہوریت کے انسانی خدائی کے تصور کی بات ہو یا عصر حاضر میں سود پر مبنی معیشت کی بات ہو، مرد و عورت کی مساوات کی آڑ میں فروخت کی جانے والی بے حیائی کا تصور ہو یا آزادی اظہار رائے کی آڑ میں مذاہب اور مذاہب کے پیشواؤں اور پیروکاروں کی توہین ہو، غرضیکہ گزشتہ کچھ صدیوں میں پھیلائی جانے والی ہر گمراہی کے پیچھے کہیں نہ کہیں یہود کا ہاتھ ضرور ہوتا ہے۔

امام شعر اوی اس طرف توجہ دلاتے ہوئے کہتے ہیں کہ سرمایہ داری یہود کی گھڑی ہوئی چیز ہے، کمیونزم یہود کا اختراع ہے، یہاں تک کہ جو لوگ جھوٹی نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں ان کے پشت پناہ بھی دراصل وہ یہودی ہیں جو انبیاء کی اولاد میں سے ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔

شعر اوی نے اپنی تفسیر میں ایک مقام پر قول باری تعالیٰ:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهَ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ﴾³

(¹) ایضاً، ابواب العلم، باب ما نھی عنہ اَنْ یُنْقَالَ عَنْ حَدِیْثِ النَّبِیِّ ﷺ، حدیث #2664، حکم: صحیح (البانی)

(²) تفسیر الشعر اوی، ص: 2461/4

(³) المائدہ: 54

(ترجمہ: اے ایمان والو! اگر تم میں سے کوئی اپنے دین سے پھرتا ہے (تو پھر جائے) عنقریب اللہ

ایسے لوگ لے آئے گا جن سے اللہ محبت رکھتا ہو اور وہ اللہ سے محبت رکھتے ہوں)

کی تفسیر کے دوران عصر حاضر کے دو جھوٹے داعیان نبوت کا رد بھی کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ جو لوگ اپنی عقل پر ہی اعتماد کرتے ہیں وہ دجالوں کے پیروکار بن جاتے ہیں۔ پھر اس کی مثال دیتے ہوئے آپ قادیانیت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قادیانیت کی بنیاد مرزا غلام احمد قادیانی¹ نے رکھی جو ہندوستان سے تعلق رکھتا تھا۔ اس شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ انگریز نے اس کی پشت پناہی کی تھی اور اسے تاج برطانیہ کے قیمتی ہیرے کے طور پر جاننا جاتا تھا۔ کیونکہ وہ جان چکے تھے کہ میدان جنگ میں اسلام کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا بلکہ صرف ان کے عقائد میں خرابی پیدا کرنے سے ہی ہم انہیں شکست دے سکتے ہیں۔ لہذا مرزا غلام احمد نے مسلمانوں کی قدرت جہاد میں ضعف پیدا کرنے کی کوشش کی اور اس نے کہا کہ میں تمہاری طرف اس لیے آیا ہوں کہ جہاد کو اسلامی عقیدے سے نکال دوں۔

اسی طرح آپ سید علی شیرازی² کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ سلیمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شہر فارس میں سید علی شیرازی نامی ایک شخص آیا جس نے نبوت کا دعویٰ کیا اور لوگوں کو اخلاقی گراوٹ کی جانب دعوت دی۔ وہ بہت زیادہ ذکی اور ہوشیار شخص تھا۔ اس نے یہ دعویٰ کیا کہ اسلامی احکامات تکلفی عصر حاضر سے مطابقت نہیں رکھتے، لہذا وہ شریعت کی بعض تکالیف کو دور کرنے کے لیے آیا ہے اس نے کہا کہ میں دروازہ ہوں جس کے بعد مہدی آجائیں گے۔ جو شخص بھی اس جماعت کے عقائد اور نظریات کا مطالعہ کرتا ہے تو اس کے سامنے ان کی خباثتیں نمایاں ہو جاتی ہیں۔

شعر اوی کہتے ہیں کہ شریعت کو آسان بنانے کے سبب بہت سے خواہش پرست لوگ اس کے پیروکار بن گئے یہاں تک کہ علمائے حق نے اس کا تعاقب کیا اور اس کی گمراہیوں کو واضح کیا جس کے نتیجے میں بہت سے لوگوں نے اس کو چھوڑ دیا۔ اس کے بعد روسی سفارت خانے نے اس کو پناہ دی اور اسے اپنی مذموم دعوت پھیلانے کا موقع مل گیا۔ اس کے باطل مذہب کو خوب ترویج و تہذیب ملی جب اس طریقے سے ایک عورت منسلک ہوئی جس کا نام قرۃ العین تھا اور اسے طاہرہ کہا جاتا تھا۔ اس نے یہ اعلان کیا کہ اسلام کی مدت ختم ہو گئی۔ اور اس وقت دورِ فترۃ الوحی چل رہا ہے۔ اس

(¹) قادیانی، مرزا غلام احمد بن غلام مرتضیٰ (13 فروری 1839ء تا 26 مئی 1908ء) پنجاب، ہندوستان سے تعلق رکھنے والا ایک جھوٹا مذہبی رہنما اور انگریزوں کی حمایت یافتہ، احمدیہ جماعت کا بانی تھا جو مسلمانوں کو دین اور جہاد سے دور کرنے کے لئے بنائی گئی تھی۔ قادیانی نے مسیح موعود، مہدی آخر الزمان اور نبی ہونے کا دعویٰ بھی کیا ہے۔ (الندوة العالمية للشباب الاسلامی، الموسوعة المیسرة فی الادیان والمذاهب والأحزاب المعاصرة، دار الندوة العالمية للطباعة والنشر والتوزيع، طبع: چہارم، 1420 ہجری، ص: 416/1)

(²) سید علی محمد باب (1820ء-1850ء) بابی یا بہائی مذہب کا بانی، <https://en.wikipedia.org/wiki/Báb>

کے اقوال میں سے تھا کہ عورت پھول کی طرح بنائی گئی ہے جسے سونگھا جائے اور گلے لگایا جائے اور ایسا کرنے سے روکا نہیں جاسکتا۔ اسی طرح اس کے عقائد میں سے تھا کہ موت کے بعد کچھ نہیں ہے۔¹

اس بحث میں یہ بیان ہوا ہے کہ باطل نظریات و افکار اور گمراہ فرقوں کے رد کے حوالے سے شعر اوی نے کیا منہج اختیار کیا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کا مطالعہ خاصہ وسیع تھا اور آپ ایک طرف جدید نظریات سے آگاہی رکھتے تھے اور دوسری جانب ماضی میں امت کے اندر سے اٹھنے والے منحرف فرقوں اور ان کے دلائل سے بھی خوب واقفیت رکھتے تھے۔ آپ نے اپنی تفسیر میں دین اسلام پر ہونے والے خارجی حملوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا ہے۔ اس ضمن میں آپ نے استشراف، سیکولرزم، فلاسفہ، یہود و نصاریٰ کے بعض شبہات کا بہترین عقلی و نقلی دلائل کے ساتھ رد کرنے کے ساتھ ساتھ امت کو ان کے خطرناک عزائم سے آگاہ بھی کیا ہے۔ مزید یہ کہ ڈارون کے نظریہ ارتقا جیسے جدید نظریات جو قرآنی تعلیمات کے برخلاف ہیں اور انسانیت کی گمراہی کا سبب بن رہے ہیں شعر اوی نے اپنی تفسیر میں ان کا بھی شافی رد کیا ہے۔

دین اسلام کے بعض منحرف فرقوں کے حوالے سے ہمیں آپ کی تفسیر میں زیادہ کلام تو نہیں ملتا البتہ بعض مقامات پر آپ نے کسی خاص مسئلہ کے حوالے سے کلام کیا ہے۔ اس دوران آپ نے کسی فرقہ کو تختہ مشق بنانے کی بجائے صرف اس فرقے کے غلط موقف کا رد کرنے پر اکتفی کیا ہے۔ ختم نبوت کے ضمن میں آپ نے اپنی تفسیر میں دو جھوٹے نبیوں کا بھی رد کیا ہے اور ان کے متعلق تنبیہ فرمائی ہے۔ باطل نظریات یا منحرف فرقوں کا رد کرتے ہوئے شعر اوی نے شائستگی سے اور مدلل انداز میں اختیار کیا ہے۔

اب اگلی بحث میں اس حوالے سے ڈاکٹر اسرار صاحب کا منہج بیان کرنے کے بعد اس ضمن میں دونوں مفسرین کے منہج کا تقابل کیا جائے گا۔

(۱) دیکھیے: تفسیر شعر اوی، ص: 3223-3225

مبحث دوم

بیان القرآن میں نظریات باطلہ اور منحرف فرقوں کے رد کا اسلوب

ڈاکٹر اسرار احمد کی تفسیر "بیان القرآن" کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ اس میں مصنف نے قدیم اور جدید تاویلات باطلہ کے رد کا بھی اہتمام کیا ہے۔ اس بات پر تاریخ شاہد ہے کہ اسلام دشمنوں نے اسلام میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کی غرض سے اور باطل مذاہب کے پیروکاروں نے اپنے مذہب کی تائید کے لئے قرآنی آیات کی من مانی تاویلات کرنے کی کوشش کی ہے اور یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ یہ لوگ قرآن مجید کے الفاظ کے ایسے معنی اور مفہوم بیان کرتے ہیں جن کا وجود نہ تو کتاب و سنت میں ہوتا ہے اور نہ ہی ہمارے اسلاف میں سے کسی نے وہ موقف پیش کیا ہوتا ہے، بلکہ وہ مفہوم در حقیقت اسلام کی روح کے ہی مخالف ہوتا ہے۔ ایسے لوگ قرآن مجید کا مطالعہ اپنے باطل نظریات کی تائید میں دلیل ڈھونڈنے کے لیے کرتے ہیں۔ لہذا جو شخص ایسے ارادے سے قرآن کریم پڑھے گا تو اسے کیسے ہدایت مل سکے گی۔ قرآن تو کھلے دل اور خالی ذہن سے پڑھنے والی کتاب ہے جس سے رہنمائی حاصل کرنے کے لیے اسے اپنا امام بنانا شرط ہے۔ لہذا ایک مفسر کی اولین ذمہ داریوں میں سے ہے کہ وہ باطل نظریات و تاویلات کے رد کی جانب بھی توجہ دے۔ ڈاکٹر صاحب نے بھی اپنی تفسیر میں ایسے چند باطل نظریات کا رد کیا ہے۔ ذیل میں اس حوالے سے آپ کے منہج کو چند مثالوں کی روشنی میں بیان کیا جا رہا ہے۔

بیان القرآن میں نظریات باطلہ اور تاویلات باطلہ کے رد کا اسلوب

ڈاکٹر صاحب نے اپنی تفسیر میں مستشرقین یا مخالفین اسلام کے شبہات کے رد کا اہتمام بہت کم کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنی تفسیر میں صرف ایک مقام پر ایک مستشرق منگمری واٹ کا ذکر کیا ہے۔ البتہ آپ نے بعض باطل عقائد و نظریات کا تعقب کرتے ہوئے ان کی گمراہی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ دوسری جانب آپ نے اسلام سے منحرف فرق باطلہ کی قرآن کریم کے حوالے سے کی جانے والی باطل تاویلات کا بھرپور رد کیا ہے۔

الف۔ باطل نظریات و عقائد کا رد

اس حوالے سے چند مثالیں درج ذیل ہیں:

(1) مستشرقین کا رد

قرآن کریم میں بعض آیات ایسی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ اور اہل ایمان کو صبر کرنے، عفو و درگزر کرنے اور اپنے ہاتھوں کو روکنے کا حکم دے رہے ہیں جیسا کہ قول باری تعالیٰ:

﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ﴾¹

(ترجمہ: کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کہا گیا تھا کہ اپنے ہاتھ روکے رکھو) جب کہ دوسری جانب ایسی آیات ہیں جن میں بدلہ لینے بلکہ کفار اور منافقین سے قتال کرنے کا حکم موجود ہے۔ مثال کے طور پر قول سبحانہ و تعالیٰ:

﴿وَلَمَنِ انتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهِ فَأُولَٰئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِنْ سَبِيلٍ﴾²

(ترجمہ: اور جو کوئی بدلہ لے اس کے بعد کہ اس پر ظلم کیا گیا ہو تو ان لوگوں پر کوئی الزام نہیں ہے)

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ﴾³

(ترجمہ: اے پیغمبر! کافروں اور منافقوں سے لڑو۔ اور ان پر سختی کرو)

ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ:

"اسی ظاہری تضاد کی بنیاد پر پروفیسر منگمری واٹ نے Muhammad at Mecca اور

Muhammad at Medina دو کتابیں لکھ کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ مکہ کے اندر جب

محمد عربی ﷺ کی ایک حکمت عملی ناکام ہو گئی تو انہوں نے مدینہ جاکر اپنا لائحہ عمل بالکل ہی تبدیل کر لیا۔"

آپ اس کی کج فہمی کو واضح کرتے ہیں کہ اس نام نہاد دانشور کی نظریں تعصب کی عینک کے باعث حضور ﷺ کی تحریک کے دو مراحل کے فرق کو نہیں دیکھ سکیں۔ وہ اس سادہ سی بات کو بھی نہیں سمجھ سکا کہ پہلا مرحلہ تیاری کا مرحلہ تھا جبکہ دوسرا عملی جدوجہد کا۔ مکی دور میں مسلمانوں کو ”ہاتھ بندھے رکھنے“ کا حکم دراصل ایک سوچی سمجھی حکمت عملی کا حصہ تھا، جس کے تحت صحابہ کو میدان کارزار میں اترنے سے پہلے صبر و مصابرت کی بھٹی میں سے گزارنا مقصود تھا، تاکہ ان کے جذبے ضبط و برداشت کی آنچ سہ سہ کر پختہ اور ان کے دست و بازو آزمائش و ابتلا کی سختیاں جھیلنے کے عادی ہو جائیں۔ لیکن مدنی دور میں جب ”بندھے ہوئے ہاتھ“ کھول دیئے گئے تو حالات یکسر بدل گئے۔ چنانچہ میدان بدر میں جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا سامنا اپنے سابق آقا اُمیہ بن خلف سے ہوا تو چشم فلک کوئی اور ہی منظر دیکھ رہی تھی۔ اب اُمیہ کی گردن کا مقدر نشانہ بننا تھا جبکہ ”اقدام“ کا اختیار تیغِ بلائی کے پاس تھا۔⁴

یہاں ڈاکٹر صاحب نے مستشرق منگمری واٹ کے شبہ کا جواب دیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے منہج میں محض ہجرت کے سبب تبدیلی نہیں آئی تھی بلکہ یہ دو علیحدہ مرحلے تھے جن پر آپ ﷺ اور آپ کے جانثار صحابہ حکم

(1) النساء: 77

(2) الشوری: 41

(3) التوبہ: 73

(4) بیان القرآن، 6/332

الی کے تحت ایک سوچی سمجھی تدبیر کے ساتھ کاربند تھے۔

(2) ڈارون کارد

ارشاد حق تعالیٰ:

﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنْسَاهُمْ أَنْفُسَهُمْ﴾¹

(ترجمہ: اور (اے مسلمانو دیکھنا!) تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے انہیں اپنے آپ سے غافل کر دیا)

کی تفسیر میں ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ اس آیت میں ایسے لوگوں کا ذکر ہے جنہیں ان کے جرم کی سزا دیوی زندگی میں ہی مل جاتی ہے۔ یعنی جو لوگ شیطان کے بہکاوے میں آکر اللہ کو بھول جاتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں ان کی اصل حقیقت سے غافل کر دیتا ہے۔ پھر ان لوگوں کو یہ بھی یاد نہیں رہتا کہ وہ انسان ہیں، اشرف المخلوقات ہیں یا اللہ کے بندے ہیں۔ انہیں بس یہی یاد رہ جاتا ہے کہ بہت سے حیوانات کی طرح وہ بھی ایک حیوان ہیں۔

اس کے بعد آپ بات کا رخ ڈارون کے نظریہ ارتقا کی جانب پھیرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"آج ہماری جدید تہذیب بھی مختلف انداز سے ہمیں یہی سبق پڑھانے کی کوشش میں ہے کہ انسان محض ایک حیوان ہے۔ اس فلسفے کو متعارف کرانے اور پروان چڑھانے میں بنیادی کردار ڈارون کے نظریہ ارتقا (Evolution Theory) نے ادا کیا ہے۔ اس تھیوری کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک حیوان اور انسان میں بنیادی فرق صرف ارتقا کے مراحل اور مدارج کا ہے۔ جیسے گدھے اور گھوڑے میں صرف یہ فرق ہے کہ گدھا نچلے درجے کا (rough & coarse) جانور ہے، جبکہ گھوڑا ارتقا کا ایک مزید مرحلہ طے کر کے نسبتاً بہتر درجے میں چلا گیا ہے اور ایک refined اور تمکنت والا جانور ہے، اسی طرح کا فرق ایک گوریلے (chimpanzee) اور انسان میں ہے۔ یعنی گوریلے کے مقابلے میں انسان نسبتاً بہتر قسم کا جانور ہے، باقی ان دونوں کے جبلی تقاضے (instincts) اور محرکات (motives) میں کوئی فرق نہیں ہے۔"

اس کے بعد ڈارون کے نظریہ ارتقا کے انسانی نفسیات پر اثرات کے متعلق آپ فرماتے ہیں:

"جدید سائنس کالوجی بھی انہی خطوط پر چل رہی ہے.... انسان اپنی اصلیت کو بھلا کر حیوان بن گیا تو گویا وہ ہر قسم کی اخلاقی پابندیوں سے بھی آزاد ہو گیا۔ انیسویں صدی کے فرنچ لٹریچر میں بنیادی طور پر اسی نکتہ کو فوکس کیا گیا ہے کہ حیوانات کی زندگی فطرت کے عین مطابق ہے، اس لیے ہم انسانوں کو ان سے سبق لیتے ہوئے اپنی زندگی کو خواہ مخواہ کے تکلفات سے آزاد کر لینا چاہیے۔ مثلاً تمام حیوانات لباس سے بے نیاز ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ لباس فطرت کا تقاضا نہیں ہے، انسان کی اپنی ایجاد ہے۔ اسی طرح بیوی، بیٹی اور ماں کی تمیز بھی حیوانات میں نہیں پائی جاتی، یہ پابندی بھی انسان نے اپنے اوپر خود ہی عائد کی ہے۔"

ڈاکٹر صاحب مذکورہ بالا، خطرناک حد تک گمراہ، فکر کو انسانی المیہ قرار دیتے ہیں اور آیت زیر مطالعہ سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ درحقیقت جو انسان اللہ کو بھلا دیتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اس کی حقیقت سے غافل کر دیتا ہے اور وہ اپنے اس مرتبے کو ہی فراموش کر دیتا ہے جو خود اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر روح پھونک کر عطا کیا ہے۔ انسان حیوانی جسم اور روح کا مرکب ہے۔ چنانچہ جب کوئی انسان اللہ کو بھلا کر، اپنی روح یعنی اپنی اصلیت سے بیگانہ ہو کر، اپنی روح اور اس کے تقاضوں سے غافل ہو جاتا ہے تو وہ خودی کو بھول کر انسان کے درجے سے گر کر حیوان بن جاتا ہے۔ اس کے بعد اس کی نظر میں اچھے برے اور حلال و حرام کی کوئی تمیز نہیں رہے گی۔¹

(3) عقیدہ حلول کا رد

حلول سے مراد دو جسموں کا اتحاد ہے یعنی ایک جسم کسی دوسرے جسم کا ظرف بن جائے جیسے گلاس میں پانی۔² اصطلاحی معنی میں اس سے مراد یہ عقیدہ رکھنا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ساری مخلوق (حلول عام) یا کسی خاص مخلوق (حلول خاص) میں حلول کر جاتا ہے۔ یہ عقیدہ کفریہ اور ملحدانہ ہے۔³

ڈاکٹر صاحب اپنی تفسیر کے دوران قول باری تعالیٰ:

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ﴾⁴

(ترجمہ: جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ عیسیٰ بن مریم خدا ہیں وہ بے شک کافر ہیں)

کی تفسیر میں اس عقیدے کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں عیسائیوں کے ہاں جو دو عقیدے رہے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ ہی مسیح ہے۔ اس عقیدے کی بنیاد اس نظریہ پر قائم ہے کہ خدا خود ہی انسانی شکل میں ظہور کر لیتا ہے۔ اس عقیدے کو God Incarnate کہا جاتا ہے، یعنی اوتار کا عقیدہ جو ہندوؤں میں بھی رائج ہے۔ جیسے رام چندر جی، کرشن جی مہاراج ان کے ہاں خدا کے اوتار مانے جاتے ہیں۔ چنانچہ عیسائیوں کا فرقہ Jacobite خاص طور پر God Incarnate کے عقیدے کا سختی سے قائل رہا ہے، کہ اصل میں اللہ ہی نے حضرت مسیح کی شکل میں دنیا میں ظہور فرمایا۔ جیسے ہمارے ہاں بھی بعض لوگ نبی مکرم ﷺ کی محبت و عقیدت اور عظمت کے اظہار میں غلو سے کام لے کر حد سے تجاوز کرتے ہوئے یہاں تک کہہ جاتے ہیں نہ وہی جو مستوی عرش تھا خدا ہو کر اتر پڑا وہ مدینے میں مصطفیٰ ہو کر

(1) بیان القرآن، 7/195

(2) البحر جانی، علی بن محمد بن علی الزین الشریف (المتوفی: 816 ہجری)، کتاب التعریفات، دار الکتب العلمیہ، بیروت، طبع: اول، 1993ء، ص: 92

(3) دیکھیے: محمد بن ابراہیم بن احمد الحمد، مصطلحات فی کتب العقائد، دار ابن خزیمہ، طبع: اول، ص: 40-42

(4) المائدہ: 17

اس آیت میں عیسائیوں کے اسی عقیدے کا ابطال کیا گیا ہے۔¹

یہاں آپ نے نہایت جامعیت کے ساتھ عیسائیوں، ہندوؤں اور مسلمانوں میں پھیلنے والے اس بدترین شرکیہ عقیدے کا ابطال کیا ہے۔ جیسا کہ اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ خالق مخلوق سے اور مخلوق خالق سے جدا ہے۔

(4) سیڈسٹ گاڈ کے تصور کا رد

بعض لوگ اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ معاذ اللہ! خدا کوئی ایذا پسند (sadist) ہستی ہے جو اپنی مخلوقات کو عذاب میں مبتلا کر کے خوش ہوتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہی سبب ہے کہ انسانیت زمین میں اس قدر تکالیف میں گھری ہوئی ہے کہ انسان کو اپنے تزکیہ کے لئے مشکل ترین مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ اور اسی صفت کے سبب خدا نے آسمانی کتابوں میں دنیا و آخرت کی اس قدر سخت سزائیں مقرر فرمائی ہیں۔²

ڈاکٹر اسرار احمد قول باری تعالیٰ:

﴿مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَذَابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ وَكَانَ اللَّهُ شَاكِرًا عَلِيمًا﴾³

(ترجمہ: اللہ تمہیں سزا دے کر کیا کرے گا اگر تم شکر گزار بنو اور ایمان لے آؤ اور اللہ قدر دان جاننے والا ہے)

کی تفسیر میں (sadism) کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

"اللہ تعالیٰ معاذ اللہ کوئی ایذا پسند (sadist) ہستی نہیں ہے کہ اسے لوگوں کو دکھ پہنچا کر خوشی ہوتی ہے۔ اس طرح کے رویے تو perverted قسم کے انسانوں کے ہوتے ہیں، جن کی شخصیتیں مسخ ہو چکی ہوتی ہیں، جو دوسروں کو تکلیف میں دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں، دوسروں کو تکلیف اور کوفت پہنچا کر انہیں راحت حاصل ہوتی ہے۔ لیکن اللہ تو ایسا نہیں ہے۔ اس لیے فرمایا کہ اللہ تمہیں عذاب دے کر تم سے کیا لے گا؟⁴

ایک اور مقام پر آپ مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"یقیناً اللہ ایذا پسند (sadist) نہیں ہے، اسے لوگوں کو عذاب دے کر خوشی نہیں ہوگی۔ لیکن یہ اس کا ضابطہ اور قانون ہے، اسی پر اس نے دنیا بنائی ہے، اور اپنے اسی ضابطے اور قانون کے عین مطابق وہ مستحقین کو جزا و سزا دے گا۔ یہ اس پر کوئی بھاری گزرنے والی بات نہیں ہے کہ وہ اپنی ہی مخلوق کو سزا دے۔ بعض مانگ قسم کے صوفی اس طرح کی باتیں بھی کرتے ہیں کہ اللہ بڑا رحیم ہے، کیا وہ اپنی ہی مخلوق کو جہنم میں جھونک دے گا؟ یہ تو

(1) بیان القرآن، 261/2

(2) Please look at: JACO HAMMAN, The Rod of Discipline: Masochism, Sadism, and the Judeo Christian Religion, Journal of Religion and Health, Vol. 39, No. 4, Winter 2000. Aaron Milavec, Is God Arbitrary and Sadistic? Anselm's Atonement Theory Reconsidered, SCHOLA, A Pastoral Review of Sacred Heart School of Theology, Volume 4, 1981 AD, Pages: 45 onwards.

(3) النساء: 147

(4) بیان القرآن، 224/2

ایسے ہی ڈراوے کے لیے، لوگوں کو راہِ راست پر لانے کے لیے عذاب اور سزا کی باتیں کی گئی ہیں۔ جیسے باپ بچوں کو ڈانٹتا ہے میں تیری ہڈیاں توڑ دوں گا، ماں کہتی ہے میں تیرا قیمہ کر دوں گی۔ تو کیا وہ سچ مچ اپنے بچوں کا قیمہ کر دے گی؟ لہذا یہ تو صرف ڈراوا ہے، حقیقت میں ایسا نہیں ہو گا، وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح کے خیالات و نظریات گمراہ کن ہیں۔ ماں کے لیے تو اپنے بچے کو بڑے سے بڑے قصور پر بھی آگ میں ڈالنا ممکن نہیں ہے، مگر اللہ تعالیٰ نے جہنم کے عذاب کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے ﴿وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا﴾ (النساء: 169) اللہ کے لیے یہ بہت آسان ہے، بہت ہلکی بات ہے۔¹

یہاں ایک جانب ڈاکٹر صاحب نے اللہ تعالیٰ کے ایذا پسند ہونے کی نفی کی ہے وہاں دوسری جانب ان لوگوں کو بھی اعتدال کا راستہ اختیار کرنے کی دعوت دی ہے جو باری تعالیٰ کی وعیدوں کو اہمیت نہیں دیتے اور انہیں محض لفظی ڈراوا سمجھتے ہیں۔

ب۔ منحرف فرقوں اور اشخاص کی تاویلات باطلہ کا رد

(1) شیعہ کا رد

اہل تشیع کا شمار بھی ان گمراہ فرقوں میں سے ہوتا ہے جنہوں نے اپنے مذاہب کے ثبوت کے لئے قرآنی آیات کی باطل تاویلات کرنے کی کوشش کی۔ شیعہ مذہب جو درحقیقت سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے محبت میں غلو کی بنیاد پر پیدا ہوا تھا، جس کا سبب سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان اختلاف تھا، بعد میں اس قدر گمراہی کا شکار ہوا کہ انہوں نے ایک جانب سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نبی کا وصی ہونے اور تمام صحابہ سے افضل ہونے کا عقیدہ بنا لیا، پھر آگے بڑھتے ہوئے اکابر صحابہ اور صحابیات پر بھی جھوٹے الزام تک لگا ڈالے۔ یہاں تک کہ آگے بڑھتے ہوئے انہوں نے ازواجِ نبی یعنی امہات المؤمنین تک بھی اپنی طعن و تشنیع کا سلسلہ پھیلا دیا۔ اسی طرح انہوں نے امام معصوم کا تصور گھڑ لیا۔ اہل تشیع کے اندر بھی بہت سے مزید فرقے ہیں جو اپنی گمراہی کے اعتبار سے مختلف درجات پر فائز ہیں، ان میں سے ایسے بھی ہیں جو سیدنا جبریل علیہ السلام سے بھی بغض رکھتے ہیں۔ اہل تشیع نے اپنے باطل عقائد و نظریات کے ثبوت کے لئے ایک جانب سیرت اور تاریخ کے غیر مستند واقعات اور موضوع اور ضعیف احادیث کا سہارا لینے کی کوشش کی ہے دوسری جانب انہوں نے قرآن کریم کی آیات کی باطل تاویلات کرنے کی کوشش کی ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنی تفسیر میں شیعہ کی بعض باطل تاویلات کا ذکر کرتے ہوئے قرآن و سنت کی روشنی میں ان کا رد کیا ہے۔ لیکن اس دور ان آپ کا اسلوب تنقید سے زیادہ نصیحت پر مبنی ہے۔ ایسی چند مثالیں ذیل میں بیان کی جا رہی ہیں:

(۱) بیان القرآن، 2/236

قول باری تعالیٰ: ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ﴾¹

(ترجمہ: نہ جن پر تیرا غضب نازل ہوا اور نہ وہ گمراہ ہوئے)

کی تفسیر میں ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ "الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ" کی سب سے بڑی مثال یہود ہیں کہ اللہ کی کتاب اور شریعت ان کے پاس موجود تھی، لیکن نفس کی شرارت اور تکبر کی وجہ سے وہ غلط راستہ پر چل پڑے۔ جبکہ نصاریٰ "الضَّالِّينَ" ہیں، انہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں صرف غلو کیا ہے۔

اس کے بعد آپ خطاب کو مسلمانوں کی جانب پھیرتے ہوئے پہلے ان نعت گو اور نعت خواں حضرات کی مذمت کرتے ہیں جو محبت اور نیک نیتی سے نبی کریم ﷺ کی شان بیان کرتے ہیں تو مبالغہ آرائی کرتے ہوئے کبھی انہیں اللہ سے بھی اوپر لے جاتے ہیں۔ اس کے بعد آپ اہل تشیع کے متعلق فرماتے ہیں:

"ہمارے شیعہ بھائیوں میں سے بھی بعض لوگ ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خدا ہی بنا بیٹھے ہیں۔ مثلاً لیکن نہیں ہے ذاتِ خدا سے جدا علی! بہر حال یہ غلو ہوتا ہے جو انسان کو گمراہ کر دیتا ہے۔ اسی لیے قرآن میں کہا گیا ہے: ﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ﴾² (ترجمہ: اے کتاب والو! اپنے دین میں ناحق غلو سے کام نہ لو)"³

یہاں ڈاکٹر صاحب نے بہت خوبصورت اور نصیحت آمیز انداز میں ایک طرف اہل سنت کو رسول اللہ ﷺ کی شان میں غلو کرنے سے بچنے کی دعوت دی ہے تو دوسری جانب اہل تشیع کو "بھائیوں" کے صیغہ سے مخاطب کرتے ہوئے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے مسلکِ اعتدال اپنانے کی دعوت دی ہے۔

اہل بیت کون ہیں؟

شیعہ کے نزدیک امہات المؤمنین کا شمار رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت میں نہیں ہوتا۔ ڈاکٹر صاحب شیعہ کے اس تصور کی نفی کرتے ہوئے اہل سنت کے موقف کے عین مطابق، قرآن کریم سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ امہات المؤمنین تو بدرجہ اولیٰ رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت میں شامل ہیں البتہ آپ ﷺ نے اس دائرے کو بڑھاتے ہوئے سیدنا علی، حضرت فاطمہ اور حسنین رضی اللہ عنہم اجمعین کو بھی شامل کیا تھا۔ لہذا قول باری تعالیٰ:

﴿رَحِمْتُ اللَّهَ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ﴾⁴

(1) الفاتحہ: 7

(2) المائدہ: 77

(3) بیان القرآن، ص: 114/1

(4) ہود: 73

(ترجمہ: اللہ کی رحمتیں اور اس کی برکتیں ہوں تم پر اے نبیؐ کے گھر والو)

کی تفسیر کے دوران آپؐ فرماتے ہیں:

"اس آیت میں "اہل بیت" کا مفہوم بہت واضح ہو کر سامنے آتا ہے۔ یہاں پر اس کا مصداق حضرت سارہ علیہا السلام کے علاوہ کوئی اور نہیں، لہذا یہاں لازمی طور پر آپؐ ہی اہل بیت ہیں۔ چنانچہ محمد رسول اللہ ﷺ کے معاملے میں بھی اہل بیت رسول ﷺ آپؐ کی ازواج مطہرات ہی ہیں۔ اور آپ ﷺ کا فرمان جو حضرت فاطمہ، حضرت علی، حضرت حسن اور حضرت حسین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں ہے: ((اللَّهُمَّ هَؤُلَاءِ أَهْلُ بَيْتِي))¹ تو یہ گویا آپ ﷺ نے اپنے اہل بیت کے دائرے کو وسعت دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ لوگ بھی میرے اہل بیت میں شامل ہیں۔"²

تقیہ

قول باری تعالیٰ:

﴿إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً﴾³

(ترجمہ: سوائے یہ کہ تم ان سے بچنے کے لیے اپنا بچاؤ کرنا چاہو)

کی شرح کرتے ہوئے آپؐ ان شیعہ کا رد کرتے ہیں جنہوں نے قرآن کے انہی الفاظ کو تقیہ کی بنیاد بنا کر اسے اس حد تک پہنچا دیا ہے کہ وہ جھوٹ بولنا اور اپنے عقائد کو چھپالینا بھی روا سمجھتے ہیں اور اس کے لیے دلیل یہاں سے لاتے ہیں۔ آپؐ فرماتے ہیں کہ بعض اوقات ایسے حالات ہوتے ہیں کہ کھلے مقابلے کا بھی موقع نہیں ہوتا تو آپؐ دشمن کو طرح دیتے ہیں اور اس طرح گویا وقت حاصل کرتے ہیں، تو اس دوران اگر ظاہری خاطر مدارات کا معاملہ بھی ہو جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن مستقل طور پر کفار سے قلبی محبت قائم کر لینا اور جھوٹ بولنا ہر گز جائز نہیں ہے۔⁴

آپؐ کا یہ فرمانا درست ہے اور یہی معنی دیگر اہل سنت مفسرین نے بھی بیان کیا ہے۔ شیعہ نہ صرف کفار سے تقیہ کرتے ہیں بلکہ وہ تو اہل سنت سے بھی تقیہ کرنے کے قائل ہیں۔

غرابیہ کا بغض جبریل

یہود کے ہاں یہ عقیدہ موجود تھا کہ اللہ نے تو جبرائیل (علیہ السلام) کو بنی اسرائیل میں سے کسی کے پاس بھیجا تھا، لیکن وہ محمد ﷺ کے پاس چلے گئے، اور یہی مفروضہ ان کی حضرت جبرائیلؑ سے دشمنی کی بنیاد تھا۔ اس پر قول باری تعالیٰ نازل ہوا:

(1) سنن ترمذی، کتاب المناقب، باب مناقب اہل النبی ﷺ، حدیث #3787 (جلم: صحیح) (البانی)

(2) بیان القرآن، 81/4

(3) آل عمران: 28

(4) بیان القرآن، 25/2

﴿قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلٰی قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللّٰهِ﴾¹

(ترجمہ: (اے نبی!) کہہ دیجیے جو کوئی بھی دشمن ہو جبرائیل کا تو (وہ یہ جان لے کہ) اس نے تو

نازل کیا ہے اس قرآن کو آپ کے دل پر اللہ کے حکم سے)

ڈاکٹر صاحب نے اس آیت کا اطلاق اہل تشیع کے گمراہ فرقے "غرابیہ" پر کیا ہے۔ لہذا اس آیت کی تفسیر میں آپ نے "غرابیہ" کا ذکر کیا ہے جنہوں نے یہود کی پیروی کرتے ہوئے کچھ اسی طرح کا عقیدہ بنا رکھا ہے کہ حضرت محمد ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ دونوں کی ارواح ایک دوسرے کے بالکل ایسے مشابہ تھیں جیسے ایک غراب (کو) دوسرے غراب کے مشابہ ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت جبرائیلؑ دھوکہ کھا گئے۔ اللہ نے تو وحی بھیجی تھی حضرت علیؑ کے پاس، لیکن وہ لے گئے حضرت محمد ﷺ کے پاس۔²

(2) منکرین سنت کی باطل تاویلات کا رد

امت کے علمائے حق نے منکرین سنت کا تعقب کیا اور ان کے باطل افکار کو لوگوں پر عیاں کیا۔ اس حوالے سے گزشتہ صدی میں سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات مثالی ہیں۔ ڈاکٹر اسرار احمد کے تفسیر کے بنیادی مصادر میں اگرچہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی اور ان کی تفسیر شامل ہیں لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ آپ نے اپنی تفسیر میں عملی طور پر احادیث سے استدلال کرتے ہوئے سنت کی اہمیت کو اجاگر تو کیا ہے لیکن منکرین سنت کے رد کے حوالے سے جو اسلوب مولانا مودودی نے اپنایا تھا آپ نے ایسا اسلوب نہیں اپنایا۔ اگرچہ آپ کا اپنا موقف اس حوالے سے بالکل واضح تھا آپ سنت کو دین اسلام کا بنیادی ماخذ مانتے تھے لیکن آپ کی تفسیر میں ہمیں منکرین سنت کا تفصیلی رد نہیں ملتا۔ البتہ اختصار سے کچھ کلام آپ نے کیا ہے۔ آپ کی تفسیر سے اس ضمن میں ایک مثال پیش کرتے ہیں۔

قول باری تعالیٰ:

﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ﴾³

(ترجمہ: اور اگر تم یتیم لڑکیوں سے بے انصافی کرنے سے ڈرتے ہو تو جو عورتیں تمہیں پسند آئیں

ان میں سے دو دو تین تین چار چار سے نکاح کر لو)

ہیں کہ آیت میں "الْيَتَامَىٰ" سے مراد ایسی یتیم بچیاں اور خواتین ہیں جن کے ولی اور سرپرست ان کے ساتھ نکاح بھی کر لیتے تھے۔ اس طرح یتیم لڑکیوں کے مال بھی ان کے قبضے میں آجاتے تھے، اور یتیم لڑکیوں کے پیچھے ان کے حقوق کے

(1) البقرة: 97

(2) بیان القرآن، ص: 200/1

(3) النساء: 3

معاملے میں ان سے پوچھنے والا بھی کوئی نہیں ہوتا تھا جس سبب ان کے حقوق پامال ہونے کا اندیشہ ہوتا تھا۔ چنانچہ فرمایا گیا کہ اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم ان کے بارے میں انصاف نہیں کر سکو گے تو پھر تم ان یتیم بچیوں سے نکاح مت کرو، بلکہ دوسری عورتیں جو تمہیں پسند ہوں ضرورت کے مطابق دو دو تین تین چار چار سے نکاح کر لو۔

آیت کا مفہوم بیان کرنے کے بعد آپ رقم طراز ہیں:

"منکرین سنت اور منکرین حدیث نے اس آیت کی مختلف تعبیرات کی ہیں، جن کی تفصیل بیان کرنے کا موقع نہیں۔ بہر حال اس کا صحیح مفہوم یہی ہے جو سلف سے چلا آرہا ہے اور جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ مزید براں تعداد ازدواج کے بارے میں یہی ایک آیت قرآن مجید میں ہے۔ اس آیت کی رو سے تعدد ازدواج کو محدود کیا گیا ہے اور چار سے زائد بیویاں رکھنے کو ممنوع کر دیا گیا ہے۔"¹

قرآن کریم کے بعد اسلامی شریعت اور قانون کا دوسرا بنیادی ماخذ رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے جو درحقیقت قرآن کریم کی تشریح اور اس کے احکامات کی تفصیل ہے۔ قرآن حکیم کو انسانی زندگی میں عملی طور پر کیسے نافذ کیا جائے گا اس کا فہم ہمیں رسول اللہ ﷺ کی سنت سے حاصل ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ خبر دی تھی کہ عنقریب کچھ لوگ ایسے ہونگے کہ جن کے سامنے آپ ﷺ کی کوئی حدیث یا آپ کی کسی سنت کو پیش کیا جائے گا تو وہ کہیں گے کہ ہمارے لیے اللہ کی کتاب کافی ہے، ہمیں کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ اپنے اس فرمان میں بالکل سچے تھے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک ایسا گروہ وجود میں آیا جس نے سنت کی اہمیت اور حجیت کے حوالے سے لوگوں کے ذہنوں میں انتشار پیدا کرنے کی کوشش کی اور آپ ﷺ کو محض ایک پیغام رساں کی حیثیت پر رکھا کہ مرہی اور رہبر کی حیثیت پر۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ ہم قرآن مجید کی ویسی تشریح کریں گے جیسا کہ ہمیں سمجھ آئے گی۔ قرآن کے فہم کے لیے ہمیں سنت کی ضرورت نہیں ہے۔

(3) غلام احمد پرویز² کا رد

غلام احمد پرویز منکر حدیث تھا اور قرآنی آیات کی من مانی تاویلات کیا کرتا تھا یہاں تک کہ اس نے کئی اسلامی شعار اور اصطلاحات کو بھی اپنی مرضی کا مفہوم دے رکھا تھا۔ جیسے اس کے مطابق قرآن کریم میں لفظ "صلاة" کا معنی "نماز" کی بجائے "معاشرہ" تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنی تفسیر میں ایک مقام پر بڑی خوبصورتی سے نہایت مدلل انداز میں غلام احمد پرویز کی ایسی باطل تاویل کا رد کیا ہے۔ قول باری تعالیٰ:

(¹) بیان القرآن، 2/125

(²) غلام احمد پرویز (9 جولائی 1903ء - 24 فروری 1985ء) تہذیبی، لائبریری، جریہ "طلوع اسلام" کا مؤسس، اصلاً بٹالہ، انڈیا سے تعلق، سرکاری ملازم، تقسیم ہند کے بعد کراچی میں اسسٹنٹ سیکریٹری رہا۔ ایک متنازعہ شخصیت، منکر حدیث، معراج، جنت و جہنم کے وجود کا منکر وغیرہ۔ (مولانا ڈاکٹر احمد علی سراج، فتنہ پرویزیت، میٹرپرنٹرز، لاہور، طبع اول، 2003ء، ص: 31/1)

﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جِزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾¹

(ترجمہ: اور چور خواہ مرد ہو یا عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ دو یہ ان کی کمائی کا بدلہ اور اللہ کی طرف

سے عبرت ناک سزا ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے)

کی تفسیر میں آپ رقم طراز ہیں:

"یعنی چور کا ایک ہاتھ کاٹ دو۔ دیکھیے قرآن خود اپنی حفاظت کس طرح کرتا ہے اور کیوں چیلنج کرتا ہے کہ اس کلام پر باطل حملہ آور نہیں ہو سکتا کسی بھی جانب سے۔ ذرا ملاحظہ کیجیے اس آیت کے ضمن میں غلام احمد پرویز صاحب کہتے ہیں کہ یہاں چور کا ہاتھ کاٹنے کا مطلب ہے کہ ایسا نظام وضع کیا جائے جس میں کسی کو چوری کی ضرورت ہی نہ پڑے۔ یہ تو ہم بھی چاہتے ہیں کہ ایسا نظام ہو، ریاست کی طرف سے کفالت عامہ کی سہولت موجود ہو تاکہ کوئی شخص مجبوراً چوری نہ کرے، لیکن ”فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا“ کے الفاظ سے جو مطلب پرویز صاحب نے نکالا ہے وہ بالکل غلط ہے۔ اور اگر فرض کر لیں کہ ایسا ہی ہے تو پھر {جِزَاءً بِمَا كَسَبَا} (یہ بدلہ ہے ان کی اپنی کمائی کا) کی کیا تاویل ہوگی؟ یعنی جو کمائی انہوں نے کی ہے اس کا بدلہ یہ ہے کہ ایک اچھا نظام قائم کر دیا جائے؟ اس کے بعد پھر {نَكَالًا مِنَ اللَّهِ} کے الفاظ مزید آئے ہیں۔ ”نکال“ کہتے ہیں عبرت ناک سزا کو۔ تو کیا ایسے نظام کا قائم کرنا اللہ کی طرف سے عبرت ناک سزا ہوگی؟“²

ڈاکٹر صاحب کے اس کلام سے جہاں ایک طرف غلام احمد پرویز کی گمراہ کن تاویل کا ابطال ہوتا ہے وہاں دلوں میں قرآن کی عظمت بھی بیٹھتی ہے۔ مزید یہ کہ قول باری تعالیٰ: ﴿لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ﴾³ کی ایک تعبیر یہ بھی ہے کہ قرآن کے معانی و مفہوم کی حفاظت کے لیے الفاظ کے بھی پہرے بٹھائے گئے ہیں جو ہر گمراہ شخص کو اس کی باطل تاویلات کرنے سے روکتے ہیں۔ یہ واقعی ایک کسوٹی ہے، اگر کوئی شخص کسی تعبیر کی صحت کا اندازہ کرنا چاہے تو قرآن کریم کا گہرا مطالعہ اسے وہ فرقان عطا کرے گا جس سے وہ درست اور غلط میں فرق کر پائے گا۔

(4) سرسید احمد خان⁴ کا رد

سرسید کا اہم ترین تفسیری اصول یہ ہے کہ ورک آف گاڈ یعنی قوانین فطرت اور ورڈ آف گاڈ یعنی قرآنی آیات و احکام میں کبھی اختلاف نہیں ہو سکتا۔ چونکہ یہ دونوں اللہ کی جانب سے ہیں، اس لیے ان دونوں میں ہم آہنگی ضروری

(1) المائدہ: 38

(2) بیان القرآن، 2/274

(3) فصلت: 42

(4) سید احمد بن متقی خان (17 اکتوبر 1817ء - 27 مارچ 1898ء) المعروف سرسید، ایک ہندوستانی عالم دین، مسلم نظریہ عملیت کے حامل مصلح، تعلیم پرست اور فلسفی تھے۔ مسلمانوں کے لئے فکر مندرہتے، سائنسی ترقی سے مرعوب ہوئے، بہت سی قرآنی آیات کی تفسیر سائنس کے مطابق بنانے کی کوشش کی یہاں تک کہ معجزات، جنات اور فرشتوں وغیرہ کا انکار کر بیٹھے۔ آپ کو برصغیر میں مسلم قوم پرستی کا سرخیل مانا جاتا ہے اور دو قومی نظریہ کا خالق تصور کیا جاتا ہے جو کے آگے چل کر تحریک پاکستان کی بنیاد بنی۔

ہے۔ لہذا اسی اصول پر قرآنی آیات کی تفسیر کرتے ہوئے آپ نے قرآنی آیات و تعلیمات کو عقل اور جدید سائنسی نظریات و معلومات سے ہم آہنگ کرنے اور جدید ذہن کے لیے قابل قبول بنانے کی کوشش میں عقائد و احکام کے سلسلہ میں متجددانہ خیالات و آرا کا اظہار کیا ہے۔ آپ نے امت کے اسلاف کے طریقے سے انحراف کرتے ہوئے سنت کی اہمیت کو کم کیا اور معجزات کا انکار کیا ہے۔¹

ڈاکٹر صاحب نے اپنی تفسیر کے دوران مختلف مقامات پر سرسید کی اس گمراہ کن عقل پرستی کا رد کیا ہے۔ مثال کے طور پر قول باری تعالیٰ:

﴿فُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ﴾²

(ترجمہ: ہم نے حکم دیا کہ اے آگ! تو ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی بن جا ابراہیم پر)

کی تفسیر میں ڈاکٹر صاحب یہ واضح کرتے ہیں کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے قوانین فطرت بہت محکم ہیں جنہیں تبدیل کرنا اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی مرضی اور مشیت ان قوانین کی پابند نہیں ہے بلکہ ان سے بالاتر ہے، وہ جب چاہے انہیں تبدیل کر سکتا ہے۔ یہ سمجھنا ایک حماقت کے سوا کچھ نہیں کہ ان قوانین کو توڑنا خود اللہ کے لئے بھی ممکن نہیں ہے۔ اس کے بعد آپ فرماتے ہیں:

"پچھلی صدی میں ہمارا پڑھا لکھا طبقہ اسی حماقت کا شکار ہوا۔ سرسید احمد خان نے اسی سوچ کے تحت ہر معجزے کی کوئی نہ کوئی سائنٹیفک توجیہ کرنے کی کوشش کی تاکہ وہ معجزے کے بجائے فطری عمل کا حصہ (natural phenomenon) نظر آئے۔ مثلاً انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے سمندر کے پھٹنے کا انکار کرتے ہوئے اس کی تعبیر اس طرح کی کہ یہ سب کچھ مد و جزر کے عمل کے سبب ہوا تھا۔ 'جزر' کے سبب جب سمندر کا پانی پیچھے ہٹا ہوا تھا تو حضرت موسیٰ اپنے ساتھیوں کو لے کر نکل گئے، مگر جب فرعون اپنے لشکر کے ساتھ گزر رہا تھا تو اس وقت سمندر 'مد' پر آگیا جس کی وجہ سے وہ سب غرق ہو گئے.... درست عقیدہ یہ ہے کہ قوانین فطرت محکم، مستقل اور مضبوط ہیں مگر اٹل نہیں ہیں۔ اللہ جب چاہے کسی قانون کو ختم کر دے یا تبدیل کر دے۔۔۔ اور اسی کا نام معجزہ ہے۔"³

یہاں آپ نے درست موقف اپنایا ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کا انتہائی مستحکم قوانین پر بنایا ہے اور اسی سبب اتنی مدت سے کائناتی امور جاری و ساری ہیں۔ اسی طرح یہ کائناتی امور و قوانین اللہ کی وہ سنت ہے جسے بدلنا اللہ کو پسند نہیں ہے اگرچہ اپنے کسی نبی یا رسول کی صداقت کو ثابت کرنے جیسی غرض کے لئے اللہ تعالیٰ ان قوانین کو توڑ سکتا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں مذکور معجزات اس بات کی دلیل ہیں۔

(¹) ڈاکٹر محمد شہباز منج، سرسید احمد خان کی تفسیری تجدید پسندی: ایک مطالعہ، ماہنامہ شریعہ، جون 2010ء، جلد: 21، شمارہ: 6

(²) الانبیاء: 69

(³) بیان القرآن، 94/5

(5) اسماعیلیوں کا رد

قول باری تعالیٰ:

﴿اتَّخَذُوا أَحْبَابَهُمْ وَرُءُفَاءَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ﴾¹

(ترجمہ: انہوں نے اپنے احباب اور ہبان کو رب بنالیا اللہ کے سوا اور مسیح ابن مریم کو بھی۔۔)

کی تفسیر کے دوران آپ پہلے عیسائیوں میں پیدا ہونے والی اس بڑی گمراہی کی جانب توجہ دلاتے ہیں کہ انہوں نے اپنے علماء و مشائخ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی الوہیت میں حصہ دار بنالیا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تو وہ خدا مان کر ہی ان کی عبادت بھی کرتے تھے مگر احباب اور ہبان کو رب ماننے کی کیفیت یہ تھی کہ حلال و حرام کے بارے میں قانون سازی کے حق خداوندی میں وہ انہیں بھی شریک کرتے تھے۔ جیسا کہ آج بھی پوپ کو پورا اختیار حاصل ہے کہ وہ مذہبی معاملات اور حلال و حرام کے حوالے سے جو چاہے فیصلہ کرے۔ اس کے بعد آپ فرماتے ہیں:

"اس طرح کے تصورات ہمارے ہاں اسماعیلیوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ وہ اپنے "امام حاضر" کو معصوم مانتے ہیں اور اس کے بارے میں یہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں کہ اسے کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دینے کا مکمل اختیار حاصل ہے۔ اس طرح انہوں نے شریعت کو ساقط کر دیا ہے۔ تاہم یہ معاملہ بالخصوص گجرات (انڈیا) کے علاقے میں بسنے والے اسماعیلیوں کا ہے، جبکہ ہنزہ میں جو اسماعیلی آباد ہیں ان کے ہاں شریعت موجود ہے، کیونکہ یہ پرانے اسماعیلی ہیں جو باہر سے آکر یہاں آباد ہوئے تھے۔ گجرات (انڈیا) کے علاقہ میں اسماعیلیوں نے جب مقامی آبادی میں اپنے نظریات کی تبلیغ شروع کی تو انہوں نے وہی کیا جو سینٹ پال نے کیا تھا۔ انہوں نے شریعت کو ساقط کر دیا اور ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق اوتار کا عقیدہ اپنالیا۔ مقامی ہندو آبادی میں اپنے نظریات کی آسان ترویج کے لیے انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دسویں اوتار کے طور پر پیش کیا (ہندوؤں کے ہاں نو اوتار کا عقیدہ رائج تھا)۔ لہذا "دشتم اوتار" کا عقیدہ مستقل طور پر ان کے ہاں رائج ہو گیا۔ اس کے علاوہ ان کے حاضر امام کو مکمل اختیار ہے کہ وہ شریعت کے جس حکم کو چاہے منسوخ کر دے، کسی حلال چیز کو حرام کر دے یا کسی حرام کو حلال قرار دے دے۔"²

یہاں ڈاکٹر صاحب نے گجرات، انڈیا میں رہنے والے اسماعیلیوں کے باطل عقائد کا بہترین رد کیا ہے۔ اس دوران آپ نے ہنزہ کے اسماعیلیوں کو مستثنیٰ کر کے علم اور عقلمندی کا ثبوت دیا ہے۔

(6) قادیانیت کا رد

اہل سنت والجماعت کے نزدیک کتاب و سنت اور اجماع امت سے یہ ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات نہیں ہوئی بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ آسمان پر اٹھالیا ہے اور قرآنی آیات اور متواتر احادیث سے یہ بھی ثابت ہوتا

(¹) التوبہ: 31

(²) بیان القرآن، 3/278

ہے کہ قرب قیامت عیسیٰ علیہ السلام شام میں دو فرشتوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے، نبی کریم ﷺ کے امتی کی حیثیت سے، آسمان سے اتریں گے۔ آپ علیہ السلام دجال کو قتل کریں گے وغیرہ۔¹ جب کہ قادیانیوں کا یہ ماننا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ہو چکی ہے اور وہ قول باری تعالیٰ:

﴿إِذْ قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ خُذْ هَذَا الصَّلَافَ وَارْفَعْكَ إِلَيَّ﴾²

(ترجمہ: یاد کرو جب اللہ نے کہا کہ اے عیسیٰ اب میں تمہیں لے جانے والا ہوں اور اپنی طرف اٹھا لینے والا ہوں)

میں مذکور لفظ ”مُتَوَفِّيكَ“ کو اپنے اس غلط عقیدے کے لیے بنیاد بناتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب اس آیت کی تفسیر میں وضاحت کرتے ہیں:

”وَفِّي“ کے معنی ہیں پورا کرنا۔ اردو میں بھی کہا جاتا ہے وعدہ وفا کرو۔ اسی سے باب تفعیل میں وَفِّي - يُوَفِّي - تَوْفِيَةً کا مطلب ہے کسی کو پورا دینا۔۔۔۔۔ باب تفعیل میں تَوَفَّى کا معنی ہوگا کسی کو پورا پورا لے لینا۔۔۔۔۔ واضح رہے کہ ہم جب کہتے ہیں کہ کوئی شخص وفات پا گیا تو یہ استعارتاً کہتے ہیں۔۔۔۔۔ جب انسان مرتا ہے تو روح اور جان دونوں چلی جاتی ہیں اور پیچھے صرف جسم رہ جاتا ہے۔۔۔۔۔ اور سب سے زیادہ مکمل تَوَفَّى یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مسیحؑ کو ان کے جسم، جان اور روح تینوں سمیت، جوں کا توں، زندہ سلامت لے گیا۔ حضرت مسیحؑ کے رفع سماوی کا یہ عقیدہ مسلمانوں کا متفق علیہ عقیدہ ہے، اور جہاں تک لفظ ”تَوَفَّى“ کے لغوی مفہوم کا تعلق ہے اس میں قطعاً کوئی ایسا پیچیدہ نکتہ نہیں ہے جس سے کوئی شخص آپؐ کی موت کی دلیل پکڑ سکے۔ البتہ اس معاملے میں ان لوگوں کو بہکانا آسان ہے جنہیں عربی زبان کی گرامر سے واقفیت نہیں ہے۔“³

یہاں ڈاکٹر صاحب نے لغوی اور عقلی دلائل کے ساتھ نقلی دلائل کا ذکر کرتے ہوئے قادیانیوں کے حضرت عیسیٰ کے متعلق باطل عقیدے کا رد کیا ہے۔ اور اس موقف کو جہالت پر مبنی قرار دیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام وفات پا گئے ہیں۔ اس حوالے سے مولانا ثناء اللہ امرتسری نے مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں بہت تفصیل کے ساتھ کلام کیا ہے اور قادیانیوں پر ایسی گرفت کی ہے کہ ان کے لئے کوئی راہ فرار نہیں چھوڑا۔ آپ نے قادیانیوں کے ان تمام تیس قرآنی آیات سے لئے گئے دلائل کا ذکر کیا ہے اور ہر دلیل کا کافی و شافی رد کیا ہے۔⁴

(1) دیکھیے: شمس الدین، ابوالعون محمد بن احمد بن سالم السفارینی الخلیلی (المتوفی: 1188 ہجری)، لوامع الانوار البھیو وسوا طبع الاسرار الاثریہ لشرح الدرۃ المضمیۃ

فی عقد الفرقۃ المرصیۃ، مؤسسۃ الفقیہین و مکتبۃ تھامہ، طبع: دوم، 1982ء، ص: 94/2

(2) آل عمران: 55

(3) بیان القرآن، 40/2

(4) ملاحظہ ہو: مولانا ثناء اللہ امرتسری، تفسیر ثنائی، مکتبہ قدوسیہ، لاہور، 2002ء، ص: 211/1-234

مبحث سوم

تفسیر الشعر اوی اور بیان القرآن میں نظریات باطلہ اور منحرف فرقوں کے رد کا تقابلی جائزہ

گزشتہ دو مباحث کی روشنی میں اگر نظریات باطلہ اور منحرف فرقوں کے رد کے حوالے سے دونوں مفسرین کے منہج کا تقابل کیا جائے تو درج ذیل نکات سامنے آتے ہیں:

1. امام شعر اوی اور ڈاکٹر اسرار احمد نے اپنی تفاسیر میں نظریات باطلہ اور منحرف فرقوں کے رد کا اہتمام کیا ہے۔ اگرچہ یہ اہتمام بہت زیادہ نہیں ہے۔
2. نظریات باطلہ اور منحرف فرقوں کے رد میں ڈاکٹر صاحب نے اختصار اور شعر اوی صاحب نے تفصیل کا اسلوب اپنایا ہے۔
3. مستشرقین کے اعتراضات اور شبہات کے رد کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب نے صرف ایک مقام پر سرسری کلام کیا ہے جب کہ امام شعر اوی نے متعدد مقامات پر ان اعتراضات و شبہات کو بیان فرما کر ان کا تفصیلی رد کرنے کی کوشش کی ہے۔
4. منحرف فرقوں کے رد کے ضمن میں شعر اوی صاحب نے جبریہ اور قدریہ جیسے ابتدائی دور میں اٹھنے والے فرقوں کا رد بھی کیا ہے جب کہ ڈاکٹر صاحب کی توجہ صرف عصر حاضر کے فرقوں پر ہی مرکوز رہی ہے۔ البتہ دونوں مفسرین نے شیعہ کے باطل تصورات کا رد کیا ہے۔
5. علمی تفسیر کی طرح عصر حاضر کے باطل عقائد و نظریات کے رد کی جانب دونوں مفسرین نے توجہ فرمائی ہے۔
6. دونوں مفسرین کے منہج کے تقابل کے لئے سورۃ البقرۃ کی آیت: 62 کا انتخاب کیا گیا ہے۔

تقابلی مثال:

قول باری تعالیٰ:

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَى وَالصَّابِئِينَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾¹

(ترجمہ: جو لوگ (بظاہر) ایمان لائے ہیں اور جو یہودی ہیں یا عیسائی یا صابی (بے دین) ہیں، ان میں سے جو بھی (فی الحقیقت) اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائے اور عمل بھی اچھے کرے تو ایسے ہی لوگوں کو اپنے رب کے ہاں سے اجر ملے گا۔ اور ان پر نہ تو کوئی خوف طاری ہوگا اور نہ وہ غمگیں ہوں گے)

(۱) البقرۃ: 62

کے حوالے سے ایک باطل تاویل کی جاتی ہے کہ اس آیت کی روشنی میں اب رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانا ضروری نہیں ہے بلکہ صرف الہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان کافی ہے۔

آیت کے متعلق ڈاکٹر صاحب کا موقف

ڈاکٹر صاحب اس آیت کی تفسیر میں ان لوگوں کے موقف کو غلط قرار دیتے ہیں جنہوں نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ اخروی نجات کے لیے ایمان بالرسالت ضروری نہیں ہے۔

آپ پہلے اس آیت کے اجمالی معنی بیان کرتے ہیں کہ اس آیت سے مراد ہے کہ جو لوگ ایمان لائے محمد رسول اللہ ﷺ پر، اور جو یہودی ہو گئے اور نصرانی اور صابی (یعنی وہ لوگ جو عراق کے علاقے میں رہتے تھے اور ان کا کہنا تھا کہ ہم دین ابراہیمی پر ہیں۔ لیکن ان کے ہاں بھی بہت کچھ بگڑ گیا تھا اور ان کے ہاں زیادہ تر ستارہ پرستی رواج پائی تھی۔) جو کوئی بھی ایمان لایا (ان میں سے) اللہ پر اور یوم آخر پر اور اس نے اچھے عمل کیے تو ان کے لیے ان کا اجر ان کے رب کے پاس محفوظ ہے۔ ان لوگوں کو نہ تو کوئی خوف دامن گیر ہو گا اور نہ ہی وہ کسی حزن سے دوچار ہوں گے۔

آپ آگے وضاحت فرماتے ہیں کہ ظاہری الفاظ کے اعتبار سے دیکھیں تو یہاں ایمان بالرسالت کا ذکر نہیں ہے۔ اب جو شخص اس ظاہری مفہوم سے غلط استدلال کرتا ہے تو اس کا پہلا اصولی جواب تو یہ ہے کہ بعض احادیث میں ایسے الفاظ بھی موجود ہیں:

((مَنْ قَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ))¹

لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ کوئی شخص بغیر کسی عمل کے صرف (لا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ) کہنے سے جنت میں داخل ہو جائے گا، بلکہ کسی حدیث کا مفہوم اخذ کرنے کے لیے پورے قرآن کو اور پورے ذخیرہ احادیث کو سامنے رکھنا ہو گا۔ کسی ایک جگہ سے کوئی نتیجہ نکال لینا صحیح نہیں ہے۔ لہذا صرف اس آیت کو بنیاد بنا کر دیگر آیات و احادیث کو نظر انداز کرتے ہوئے ایسا مفہوم نکالنا قطعاً درست نہیں ہے۔ جیسا کہ متعدد نصوص اس پر شاہد ہیں کہ ایمان بالرسالت کے بغیر نجات ممکن نہیں ہے۔ مزید یہ کہ سیاق سے یہ مفہوم غلط ثابت ہوتا ہے۔ چھٹے رکوع کے آغاز میں یہ اصولی بات بھی بیان کی جا چکی ہے کہ سورۃ البقرۃ کا پانچواں رکوع چھٹے رکوع سے شروع ہونے والے سارے مضامین سے ضرب کھارہا ہے، جس میں محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ پر نازل ہونے والے قرآن پر ایمان لانے کی پرزور دعوت بائیں الفاظ موجود ہے:

﴿وَأْمِنُوا بِمَا أُنزِلَتْ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُونُوا أَوَّلَ كَافِرٍ بِهِ﴾²

(¹) الطبرانی، المعجم الکبیر، حدیث #82 اور حدیث #790 اور حدیث #6348

(²) البقرۃ: 41

(ترجمہ: اور اس کتاب پر ایمان لاؤ جو میں نے نازل کی ہے (یعنی قرآن پر) یہ کتاب اس کتاب کی تصدیق کرتی

ہے جو تمہارے پاس ہے۔ لہذا اس کے سب سے پہلے منکر تم ہی نہ بنو)

اب فصاحت اور بلاغت کا یہ تقاضا ہے کہ ایک بات بار بار نہ دہرائی جائے۔ البتہ یہ بات ہر جگہ مقدر سمجھی جائے گی۔ اس لیے کہ ساری گفتگو اسی کے حوالے سے ہو رہی ہے۔

اس کے بعد آپ اس آیت کے حقیقی معنی بیان فرماتے ہیں کہ:

"آیت زیر مطالعہ میں ”فَإِنِّي آيَاتُهُمْ“ یا ”فَإِنِّي أَرْسَلْتُهُمْ“ (اپنے اپنے دور میں) کے الفاظ محذوف مانے جائیں گے۔ گویا (إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَى وَالصَّابِئِينَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنِّي آيَاتُهُمْ) فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (یعنی نجات اخروی کے لیے اللہ تعالیٰ اور روز قیامت پر ایمان کے ساتھ ساتھ اپنے دور کے نبی پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ چنانچہ جب تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں آئے تھے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ماننے والے جو بھی یہودی موجود تھے، جو اللہ پر ایمان رکھتے تھے، آخرت کو مانتے تھے اور نیک عمل کرتے تھے ان کی نجات ہو جائے گی۔ لیکن جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آنے کے بعد ان کو نہیں مانا تو اب وہ کافر قرار پائے۔ محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے قبل حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام رسولوں پر ایمان نجات اخروی کے لیے کافی تھا، لیکن محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے بعد آپ پر ایمان نہ لانے والے کافر قرار پائیں گے۔"

آپ کے بقول اس آیت میں اصل زور اس بات پر ہے کہ محض کسی گروہ میں شامل ہونے سے نجات ملنا لازم نہیں ہے، بلکہ نجات کی بنیاد ایمان اور عمل صالح ہے۔ اپنے دور کے رسول پر ایمان لانا تو لازم ہے ہی لیکن اس کے ساتھ اگر عمل صالح نہیں ہے تو نجات نہیں ہوگی۔ ہر امت اپنی معینہ مدت ہی کی مکلف ہے۔ جو لوگ محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے فوت ہو گئے ان پر تو آپ ﷺ پر ایمان لانے کی کوئی ذمہ داری نہیں تھی۔

آپ نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ ایک سلیم الفطرت اور سلیم العقل انسان توحید تک پہنچ جاتا ہے، آخرت کو پہچان لیتا ہے، لیکن آگے وہ نہیں جانتا کہ اب کیا کرے۔ احکام شریعت کی تفصیل کے لیے وہ وحی اور رسالت کا محتاج ہے۔ اللہ تعالیٰ نے احکام شریعت کا سلسلہ اسی لئے شروع کیا تاکہ لوگوں پر یہ واضح ہو سکے کہ یہ کرو، یہ نہ کرو، یہ فرض ہے، یہ تم پر لازم کیا گیا ہے اور یہ چیزیں حرام کی گئی ہیں۔¹

آیت کے متعلق شعر اوی صاحب کا موقف

امام شعر اوی کے مطابق بنی اسرائیل کی جانب سے کفران نعمت کا ذکر کرنے کے بعد اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اس آیت میں دیگر سابقہ امتوں کا ذکر بیان کیا ہے۔ اس کے بعد آپ نے اس مضمون کی دیگر دو آیات کا ذکر کیا ہے۔ اس

(¹) بیان القرآن، ص: 175

جیسی ایک اور آیت سورہ مائدہ کے اندر آئی ہے جہاں تھوڑا سا تقدیم و تاخیر کا فرق ہے سورہ مائدہ کے اندر الفاظ ہیں ﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّابِئُونَ وَالنَّصَارَىٰ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾¹

(ترجمہ: جو لوگ ایمان لائے ہیں یا یہودی ہیں یا صابی یا نصاریٰ ہیں۔ ان میں سے جو بھی (سچے دل سے) اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے گا تو ایسے لوگوں کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمزدہ ہوں گے)

اسی طرح سورۃ الحج کے اندر الفاظ آئے ہیں:

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّابِئِينَ وَالنَّصَارَىٰ وَالْمَجُوسَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا إِنَّ اللَّهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ﴾²

(ترجمہ: جو لوگ ایمان لائے اور جو یہودی ہوئے اور صابی اور عیسائی اور آتش پرست اور جو مشرک ہیں اللہ تعالیٰ ان سب کے درمیان قیامت کے دن فیصلہ کر دے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر شہید ہے)

شعر اوی نے اس آیت کی تفسیر میں پہلے رسالت کے مضمون کے حوالے سے کلام کیا ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے انسان کو پیدا کرنے کے بعد جب زمین میں آباد کاری کے لیے بھیجا تو ان کے ساتھ ہدایت بھی نازل فرمائی۔ آدم علیہ السلام نے اس ہدایت کو اپنی اولاد تک پہنچایا اور پھر اس کے بعد آپ کی اولاد نے بھی یہ بات آگے پہنچائی۔ یہاں تک کہ جب انسانوں پر غفلت طاری ہو گئی، اور وہ دنیا کی زندگی اور اس کی کشش میں گم ہو گئے اور اپنی شہوات کے پیچھے لگ گئے، تو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کیا اظہار کرتے ہوئے اپنی مخلوق کے لیے یاد دہانی کروانے کے لئے رسول بھیجے تاکہ وہ انہیں جنت کی خوش خبری سنا دیں اور ان کو جہنم سے ڈرا دیں۔ اس کے بعد مختلف ادیان آتے رہے، بعض ادیان کے پیروکار زمین پر باقی نہ رہے جیسے کہ حضرت نوح علیہ السلام اور لوط علیہ السلام کی قوم وغیرہ اور بعض ایسے ہیں جن کے پیروکار آج بھی موجود ہیں جیسے یہودی اور عیسائی وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ ان سب کو رسالت محمدی ﷺ کے جھنڈے تلے جمع کر دے اور اس تصفیہ کو حل کر دے۔

آپ مزید فرماتے ہیں کہ، اللہ تبارک و تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ وہ لوگ جو کہ آدم علیہ السلام اور دیگر رسولوں کے پیروکار ہوئے یا وہ لوگ جو زمین میں خرابی پیدا ہونے کے بعد کسی آنے والے رسول کے پیروکار ہوئے، یا ان کے بعد کے لوگ جنہوں نے خود کو یہودی کہا یا خود کو نصاریٰ کہا، اللہ یہ چاہتا ہے کہ وہ اپنے اس سلسلے کو یہاں پر ختم کرتے

(1) المائدہ: 69

(2) الحج: 17

ہوئے رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائے گا تو اس پر کوئی خوف نہیں ہوگا اور نہ ہی وہ غمگیں ہوں گا۔ گویا اب رسول اللہ ﷺ کی رسالت تمام ادیان پر غالب ہونے کے لیے آئی ہے۔ زمین پر موجود ہر انسان سے یہ مطالبہ ہے کہ وہ محمد ﷺ پر ایمان لائے۔ اگر کوئی انسان ایسا بھی ہے جو آدم علیہ السلام، ادریس علیہ السلام، نوح علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام کے دور سے باقی ہے، یا وہ لوگ جو خود کو یہودیت و عیسائیت یا صابیت کی طرف منسوب کرتے ہیں، ان سب سے مطالبہ ہے کہ وہ محمد ﷺ پر ایمان لائے اور ان کی تصدیق کریں، دین اسلام کے پیروکار بنیں۔

اسلام نے سابقہ تمام عقائد کو جو زمین میں موجود تھے مٹا دیا ہے، اور اب تمام عقائد کا مرکز و محور صرف دین واحد یعنی اسلام ہے۔ تو جو لوگ اس دین پر ایمان لائیں گے نہ ان پر کوئی خوف ہوگا نہ وہ غمگیں ہوں گے، جو لوگ اس پر ایمان نہ لائیں گے ان کے لئے خوف بھی ہوگا اور وہ غمگیں بھی ہوں گی۔ یہ دین اب قیامت تک باقی رہنے والا ہے اور جو لوگ اس دین پر ایمان نہیں لائیں گے ان کے بارے میں اللہ قیامت کے دن فیصلہ فرمادے گا جس کے متعلق سورہ حج کی آیت نازل ہوئی ہے۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ ان لوگوں کے گمان کو ختم کرنا چاہتے ہیں جو اسلام لانے سے پہلے کسی دین پر تھے اور پھر اسلام لانے کے بعد بھی اس پر قائم رہتے ہوئے یہ سمجھ رہے ہوں کہ ان کا یہ دین ان کے لیے نفع بخش ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس قضیے کو ہی مٹا دیا جب اس نے یہ کہا:

{وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ} ¹

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

{إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ} ³²

اس آیت میں قول باری تعالیٰ: (إِنَّ الدِّينَ آمَنُوا) سے شعر اوی صاحب کے نزدیک وہ لوگ مراد ہیں جو یہود و نصاریٰ سے قبل کسی نبی کے پیروکار رہے تھے جب کہ ڈاکٹر صاحب کے نزدیک اس سے مراد موجودہ امت مسلمہ کے اہل ایمان مراد ہیں۔ پھر اسی اساس پر دونوں مفسرین نے آیت کے معنی کو بیان کیا ہے۔ البتہ دونوں نے آیت سے لئے جانے والے غلط مفہوم کا رد ضرور کیا ہے۔

شعر اوی نے اس مسئلہ کو اٹھائے بغیر نہایت خوبصورتی سے آیت کے مفہوم کو اس طرح واضح کیا ہے کہ کسی شخص کے لئے یہ گنجائش ہی نہیں بچتی کہ وہ اس آیت سے یہ مراد لے کہ ایمان بالرسالت کے بغیر بھی نجات ممکن ہے۔ جب کہ ڈاکٹر صاحب نے اس مسئلے کو پہلے بیان کیا اور پھر مختلف زاویوں سے اس موقف کو غلط ثابت کیا ہے۔

(¹) آل عمران: 85

(²) تفسیر الشعر اوی: 19

(³) ایضاً، ص: 369/1

خلاصہ باب:

قرآن کریم ایسی ابدی اور آفاقی کتاب ہے جو نزول کے بعد سے لے کر قیامت تک آنے والے ہر دور کے اندر انسانوں کی رہنمائی کرتی ہے۔ عصر حاضر میں مسائل کے اندر گھرے ہوئے انسان کے لیے اس کے انفرادی اور اجتماعی مسائل کا واحد حل صرف قرآن کریم میں موجود ہے انسانی تجربات کے بعد قرآن مجید اپنی برتری ثابت کر چکا ہے۔ لہذا ایک مفسر پر یہ لازم ہے کہ وہ اپنے دور کے تقاضوں کے مطابق قرآن مجید سے رہنمائی حاصل کرے اور انسانی مسائل کے حل کے لیے اپنا کردار ادا کرے جس کے لئے اسے قرآن مجید کے اور سنت رسول کے گہرے مطالعے کے علاوہ جدید سیاسی معاشرتی اور معاشی علوم سے بھی آگاہی رکھے۔

ڈاکٹر اسرار احمد اور امام شعر اوی نے اپنی تفاسیر میں اس حوالے سے خاص توجہ دی ہے دونوں مفسرین نے جہاں ایک طرف انسانیت کی پریشان کن صورت حال کے اسباب کا ادراک کیا ہے اور یہ عیاں کیا ہے کہ انسانی گمراہی اور انسانی زوال کی اصل وجہ اپنے خالق اور مالک کی تعلیمات سے انحراف کرنا ہے۔ وہاں دوسری جانب دونوں نے انسانیت کی عمومی، معاشرتی، معاشی اور سیاسی اصلاح سے جڑے متعدد مسائل کے متعلق قرآن کریم کی روشنی میں بہترین دعوتی و اصلاحی اسلوب اپناتے ہوئے رہنمائی فرمائی ہے۔

اصلاح کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ معاشرے میں پھیلے باطل نظریات اور منحرف افراد اور گروہوں اور اصحاب بدعت و ضلالت کا تعقب کرتے ہوئے ان کی بدعتوں اور گمراہیوں کو واضح کیا جائے اور ان کا مکمل رد کیا جائے کیونکہ یہ جتنا پھیلیں گی اس قدر دین اور ملت کا نقصان ہوگا۔ خاص طور پر عصر حاضر میں جب کہ ایسی گمراہیوں کو فروغ دینے میں مغرب اور دیگر اسلام دشمن پیش پیش ہیں ایک مفسر اور داعی پر لازم ہے کہ وہ ایسے نظریات کا ابطال کرے۔

امام شعر اوی اور ڈاکٹر اسرار احمد نے اپنی تفاسیر میں نظریات باطلہ اور منحرف فرقوں کے رد کا بھی کسی قدر اہتمام کیا ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر صاحب نے مختصر اور شعر اوی صاحب نے تفصیلی کلام کیا ہے۔ بہر حال ایک داعی قرآن کے لئے اس حوالے سے دونوں مفسرین کے منہج میں کافی رہنمائی موجود ہے۔ مثال کے طور پر داعی کے لئے ضروری ہے کہ وہ فتویٰ اور تنقید کی بجائے اصلاح اور خیر خواہی کے جذبے سے ناصحانہ اسلوب اپنائے۔

خلاصہ بحث

اس مقالے میں ڈاکٹر اسرار احمد کی "بیان القرآن" اور شیخ محمد متولی الشعر اوی کی "تفسیر الشعر اوی" کے تفسیری مناہج کو بیان کرنے کے بعد ان کا تقابلی مطالعہ کیا گیا ہے۔

امام شعر اوی اور ڈاکٹر اسرار احمد نے اپنی ابتدائی زندگی انقلابی و تحریکی حالات اور برطانوی قبضے سے چھٹکارا حاصل کرنے کی جدوجہد کرتے ہوئے گزاری۔ ان حالات کا دونوں حضرات کی فکری پس منظر پر گہرا اور مثبت اثر پڑا تھا۔ تعلیمی سفر میں شعر اوی نے ٹھوس دینی تعلیم اور ڈاکٹر صاحب نے دنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم بھی حاصل کی جسے خوب گہرے مطالعے سے مزید نکھارتے رہے۔ ان علمی و ذاتی صلاحیتوں کے ساتھ، ملی و تحریکی جذبے سے سرشار ہو کر دونوں حضرات قرآن کریم کو ذریعہ دعوت بناتے ہوئے ملت و قوم کی اصلاح کے لیے اپنی تمام تر توانائیوں کے ساتھ، پوری عمر دین کی دعوت میں لگے رہے۔ اپنی اس دعوت کے لیے انہوں نے تمام تر وسائل اور ذرائع استعمال کرنے کی کوشش کی ہے جس کی وجہ سے آپ حضرات کی علمی و دعوتی خدمات بیش بہا ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کی مکمل مگر مختصر تفسیر "بیان القرآن" کے نام سے اور شعر اوی تفصیلی تفسیر "الخواطر حول القرآن" (تفسیر الشعر اوی) کے نام سے شائع ہوئی ہے۔ ان تفاسیر میں دونوں مفسرین نے قدیم اور جدید مصادر سے استفادہ کیا ہے۔ البتہ شفی تفسیر ہونے کے سبب دونوں تفسیریں دیگر تفاسیر سے مختلف ہیں۔

تفسیر بالماثور کے ضمن میں ڈاکٹر اسرار احمد اور امام شعر اوی نے قرآن کریم کی قرآنی تفسیر پر خصوصی توجہ دی ہے۔ مفرد کی شرح، آیت کی وضاحت، اور موضوع کی تشریح کے لیے دونوں نے اپنے اپنے اسلوب میں قرآن کریم کی جانب رجوع کیا ہے۔ دونوں مفسرین کے نزدیک سنت رسول ﷺ دین اسلام کا بنیادی ماخذ اور مصدر ہے۔ لہذا دونوں نے تفسیر کے دوران احادیث سے استشہاد کیا ہے البتہ دیگر اثری تفاسیر کے مقابلے میں دونوں نے بہت کم احادیث نقل کی ہیں۔ اسی طرح احادیث کی سند اور حکم وغیرہ بیان کرنے کا اہتمام بھی دونوں نے نہیں کیا بلکہ بعض مقامات پر غیر صحیح روایات بھی نقل کی ہیں، اگرچہ اس حوالے سے ڈاکٹر صاحب نے شعر اوی صاحب سے زیادہ احتیاط کی ہے۔ اسی طرح کا منہج دونوں مفسرین نے صحابہ اور تابعین کے تفسیری اقوال کے حوالے سے اختیار کیا ہے۔ لیکن دونوں تفاسیر میں روایات کی قلت ہر لحاظ سے پائی جاتی ہے، یعنی دونوں تفاسیر میں اسرائیلیات نہ ہونے کے برابر ہیں اور اس حوالے سے دونوں کا موقف اعتدال پر مبنی ہے۔

تفسیر الشعر اوی اور بیان القرآن میں ماثور پر رائے کا غلبہ ہے البتہ دونوں مفسرین نے تفسیر بالرائے کی شرائط کو بھی پورا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس اعتبار سے دونوں تفاسیر کو تفسیر بالرائے محمود کی فہرست میں شامل کیا جائے گا۔ قرآن کریم کی لغوی تفسیر میں دونوں کے پیش نظر مفہوم آیت کا ابلاغ نظر آتا ہے جیسا کہ

دونوں نے اپنے مخاطبین کی رعایت کرتے ہوئے ان کی علمی و شعوری سطح کی مناسبت سے کلام کیا ہے۔ دونوں مفسرین علمی تفسیر اور اس سے متعلقہ آیات سے آگاہی رکھتے تھے جس کا اظہار تفسیر کے دوران فرماتے رہے۔ فقہی تفسیر کے ضمن میں دونوں مفسرین نے اختلافی مسائل سے حتی الامکان بچنے کی کوشش کی ہے اور شاید اسی لیے فقہی تفسیر کا اہتمام بھی دیگر تفاسیر کی مناسبت سے بہت ہی کم کیا ہے۔ فقہی مسائل کی رہنمائی کے لئے سامعین و قارئین کو اور تفاسیر کی جانب رجوع کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔

علوم قرآن کے حوالے سے دونوں مفسرین قرآن کریم میں نسخ کی موجودگی کے قائل ہیں اور اس کی حکمت اور اسباب کو بھی بیان کرتے ہیں۔ البتہ دونوں مفسرین نسخ کے حوالے سے توسع کے قائل نہیں تھے۔ مکی اور مدنی قرآن کے حوالے سے شعر اوی نے مکی اور مدنی قرآن کی تعریف تو بیان کی ہے اور اس کے خصائص بھی بیان کیے ہیں لیکن عمومی طور پر سورتوں اور آیات کے مکی یا مدنی ہونے کا ذکر کرنے سے صرف نظر کیا ہے۔ جب کہ ڈاکٹر صاحب مکی اور مدنی قرآن کے خصائص بیان کرنے کے ساتھ نہ صرف سورتوں کے مکی یا مدنی ہونی کا تذکرہ کرتے ہیں بلکہ یہ بھی وضاحت کرتے ہیں کہ وہ مکمل سورت یا سورت کا کوئی خاص حصہ مکی یا مدنی دور کے فلاں حصے میں نازل ہوا ہے۔ دونوں مفسرین اسباب نزول کی اہمیت کے قائل تھے اگرچہ کئی آیات کا مشہور سبب نزول بھی بعض دفع ذکر نہیں کرتے۔ دونوں کے نزدیک آیت کا اطلاق عمومی ہو گا اور اسے سبب نزول کے ساتھ خاص نہ کیا جائے گا۔ دونوں مفسرین نے اسباب نزول کے حوالے سے چند ایک مقامات پر ضعیف روایات کے علاوہ صحیح ترین روایات پر ہی بھروسہ کیا ہے۔ علم مناسبات کے حوالے سے دونوں تفاسیر امتیازی حیثیت رکھتی ہیں۔ دونوں مفسرین نے اس ضمن میں مختلف جہتوں سے کلام کیا ہے لیکن علم مناسبات کی مختلف صورتوں کے مابین ترجیحات کے لحاظ سے دونوں مفسرین کا منہج مختلف ہے۔ مثال کے طور پر آیات کی باہمی مناسبت کا اہتمام شعر اوی صاحب اور سورتوں کی باہمی مناسبت کا اہتمام ڈاکٹر صاحب نے زیادہ کیا ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد اور امام شعر اوی نے اپنی تفاسیر میں اصلاحی حوالے سے خاص توجہ دی ہے۔ دونوں مفسرین نے یہ تشخیص کی ہے کہ پوری انسانیت اس وقت گمراہی اور زوال کا شکار ہے جس کا اصل سبب اللہ تعالیٰ کی تعلیمات سے انحراف کرنا ہے۔ دونوں نے انسانیت کی عمومی، معاشرتی، معاشی اور سیاسی اصلاح سے جڑے متعدد مسائل کے متعلق قرآن کریم کی روشنی میں بہترین دعوتی و اصلاحی اسلوب اپناتے ہوئے رہنمائی فرمائی ہے۔ اسی طرح دونوں مفسرین نے نظریات باطلہ اور منحرف فرقوں کے رد کا بھی کسی قدر اہتمام کیا ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر صاحب نے مختصر اور شعر اوی صاحب نے تفصیلی کلام کیا ہے۔

نتائج

اس تحقیقی مقالے میں تفسیر الشعر اوی اور بیان القرآن از ڈاکٹر اسرار احمد کے مناہج و اسالیب کا تقابلی مطالعہ کے بعد محقق کی درج ذیل نتائج تک رسائی ممکن ہو سکی ہے:

(1) دونوں مفسرین کے فکری پس منظر کا اثر ان کی تفسیر میں واضح نظر آتا ہے۔ شعر اوی ذاتی اصلاح اور نصیحت پر زیادہ زور دیتے ہیں جب کہ ڈاکٹر اسرار صاحب اصلاح یافتہ افراد پر مشتمل ایک منظم جماعت بنا کر تحریک کے ذریعے دین نافذ کرنے کے قائل ہیں۔

(2) تفسیر الشعر اوی تفصیل اور بیان القرآن اختصار پر مبنی ہے۔ اصول تفسیر کے حوالے سے دونوں مفسرین میں اتفاق رائے پایا جاتا ہے۔ تفسیر بالماثور کے حوالے سے دونوں تفاسیر میں قرآن حکیم، احادیث رسول ﷺ اور اقوال سلف سے استفادہ کیا گیا ہے جب کہ تفسیر بالرأے کے ضمن میں تفسیر الشعر اوی اور بیان القرآن کا شمار تفسیر بالرأے محمود کی قبیل سے ہوتا ہے۔

(3) تفسیر الشعر اوی میں لغوی تفسیر کا غلبہ ہے جب کہ دیگر مختلف موضوعات کے اعتبار سے دونوں تفاسیر متنوع اور ایک دوسرے کا متمم ہیں۔ مثلاً دونوں تفاسیر میں علم مناسبات کے حوالے سے تفصیلی کلام ملتا ہے البتہ شعر اوی آیات کے باہمی ربط جب کہ ڈاکٹر صاحب سورتوں اور رکوعات کے باہمی ربط اور مرکزی مضمون پر زیادہ توجہ دیتے ہیں۔

(4) دونوں تفاسیر فرقہ وارانہ تعصب سے پاک ہیں اور جا بجا امت کو اتفاق و اتحاد کی دعوت دی گئی ہے۔ البتہ اسی وجہ سے شاید اس حوالے سے بہت زیادہ احتیاط برتتے ہوئے فقہی مسائل کے متعلق نہایت مختصر اور ناکافی کلام کیا گیا ہے۔

(5) دونوں تفاسیر میں عصر حاضر کی زبان، مسائل اور مثالوں کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ اسی طرح جدید علوم کے حوالے سے دونوں مفسرین نے گہرا مطالعہ کر رکھا تھا جس کا اظہار انہوں نے اپنی اپنی تفسیر میں کیا ہے۔ مثلاً آیات کو نبیہ کی تفسیر میں دونوں نے اعلیٰ علمی سطح کا کلام فرمایا ہے۔

(6) تفسیر الشعر اوی اور بیان القرآن میں ایک جانب اسلاف امت کا تذکرہ خیر اور عقائد اہل سنت کا دفاع موجود ہے تو دوسری جانب باطل تاویلات اور منحرف فرقوں کا شافی رد بھی موجود ہے۔

(7) دونوں مفسرین کے نزدیک امت شدید مسائل سے دوچار ہے اور تمام تر مسائل کا اصل سبب منہج الہی سے انحراف ہے جس کا واحد حل دین کی جانب رجوع ہے اور اس مقصد کے حصول کے لئے قرآن ہی واحد ذریعہ ہے۔

(8) دونوں تفاسیر میں دعوتِ اصلاح کا لب لباب یہ ہے کہ اصلاح امت کے لئے ایک جانب انفرادی اصلاح کی کوشش کرنی ہوگی تو دوسری جانب صالح افراد پر مشتمل ایک گروہ تیار کیا جائے گا تاکہ باطل کے خلاف منظم جدوجہد کرنا ممکن ہو سکے۔

(9) عصر حاضر میں قرآنی دعوت کا سب سے موثر طریقہ جدید ذرائع ابلاغ کی وساطت سے قرآن حکیم کو بیان کرنا ہے۔ جب کہ قرآن کریم کی دعوت کا موثر ترین طریقہ وہی ہے جو طوالت، غیر ضروری اور اختلافی مسائل سے دور ہوگا۔

تجاویز اور سفارشات

اس مقالہ کی اہم تجاویز و سفارشات درج ذیل ہیں۔

1. عام و خاص کو جامع علوم کے حصول اور عصری مسائل کے حل کے لیے بیان القرآن اور تفسیر الشعراوی سے انفرادی اور اجتماعی سطح پر استفادہ کیا جائے۔
2. انفرادی و اجتماعی کامیابیوں اور ناکامیوں کو قرآنی ہدایت کے ترازو میں پرکھنے کی ضرورت ہے۔
3. ہر سطح پر فرقہ واریت کا سد باب کیا جائے اور اختلافات کو علمی بنیادوں پر استوار کیا جائے۔
4. عوام اور خواص میں تمام تردد ستیاب وسائل و ذرائع بروئے کار رلاتے ہوئے قرآنی ہدایت کو عام کیا جائے۔
5. اصلاح کی ذمہ داری معاشرے کے ہر طبقے پر آتی ہے لہذا ہر ایک کو دوسروں پر تنقید کی بجائے دیانتداری سے اپنی ذمہ داری پوری کرنی چاہیے۔
6. محققین کو دونوں مفسرین کے حوالے سے (خصوصاً اصلاحی فکر کے متعلق) مزید تحقیقی کام کرنے کی ضرورت ہے۔ اسی طرح دونوں مفسرین نے عقیدہ کے ضمن میں جو کلام کیا ہے اس حوالے سے تحقیق کی ضرورت ہے۔
7. داعیان و مفسرین قرآن پر لازم ہے کہ وہ غلطیوں سے بچنے کے لیے اصول تفسیر کی پاسداری کریں۔
8. علماء کو چاہیے کہ وہ باطل نظریات اور منحرف فرقوں کا سد باب کریں تاکہ گمراہی کا سد باب کیا جاسکے۔
9. مدرسین قرآن کو عام فہم اور سادہ و بلیغ اسلوب اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔
10. حکومت کو بیان القرآن کی طرز پر درس قرآن کے سلسلوں کی ضرورت ہے جن میں مزید بہتری لائی جائے تاکہ معاشرے میں فہم قرآن کو عام کیا جاسکے۔
11. حکومت ایسے تعلیمی ادارے قائم کرے جن کا اصل مرکزی شعبہ تدبر قرآن کا ہو اور اس کے گرد دیگر اختیاری علوم عقلی پڑھائے جائیں تاکہ معاشرے میں قرآنی تعلیمات کی عملی تطبیق ممکن ہو سکے۔

فهرست آیات

نمبر #	آیت	سورة	آیت نمبر	صفحہ نمبر
1	إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ	الفاتحة	5	141
2	اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ	الفاتحة	6	146
3	صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ	الفاتحة	7	145
4	غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ	الفاتحة	7	501
5	ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ	البقرة	2	149
6	الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ	البقرة	3	141
7	وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ	البقرة	8	113
8	اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ	البقرة	15	259
9	مِثْلَهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْفَدَ نَارًا	البقرة	17	87
10	يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ	البقرة	21	152
11	فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَندَادًا	البقرة	22	180
12	وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ	البقرة	30	106
13	وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا	البقرة	31	284
14	إِلَّا إِبْلِيسَ أَبَىٰ وَاسْتَكْبَرَ	البقرة	34	264
15	فَأَزَلَّهُمَا الشَّيْطَانُ عَنْهَا	البقرة	36	171، 444
16	فَتَلَقَّى آدَمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ	البقرة	37	133، 146، 284
17	وَأَمِنُوا بِمَا أَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ	البقرة	41	531
18	أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ	البقرة	44	136
19	وَأَنِّي فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ	البقرة	47	457، 264
20	وَاتَّقُوا يَوْمًا لَا تَجْزِي نَفْسٌ	البقرة	48	149
21	وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ	البقرة	54	326
22	وَإِذْ اسْتَسْقَىٰ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ	البقرة	60	221

23	وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الدَّلِيلَةُ وَالْمَسْكَانَةُ	البقرة	61	457
24	وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ	البقرة	83	139
25	أَفْتَقَرْتُمْ مَنُونٌ يَبْغِضُ الْكِتَابَ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضِ	البقرة	85	459
26	قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيلَ	البقرة	97	522
27	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا	البقرة	104	169
28	مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا	البقرة	106	342،347،354
29	وَقَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا	البقرة	111	467
30	بَدِيعِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَإِذَا قَضَى أَمْرًا	البقرة	117	118،248
31	وَاتَّقُوا يَوْمًا لَا تَجْزِي نَفْسٌ	البقرة	123	149
32	وَإِنْ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُورًا	البقرة	128	476
33	وَمَنْ يَرْغَبْ عَنْ مِلَّةِ إِبْرَاهِيمَ	البقرة	130	86
34	أَمْ تَقُولُونَ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ	البقرة	140	108،325،468
35	سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ	البقرة	142	349
36	وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا	البقرة	143	160،464
37	وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِلَّ إِيْمَانَكُمْ	البقرة	143	210،377
38	إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ	البقرة	158	122،388
39	وَرَأَوْا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ	البقرة	166	153
40	وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ	البقرة	169	236
41	إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ	البقرة	173	168
42	وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ	البقرة	179	319،412
43	كُتِبَ عَلَيْكُمُ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ	البقرة	180	351،356،412
44	وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ	البقرة	183	120،330،352
45	أَيَّامًا مَعْدُودَاتٍ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا	البقرة	184	120،352
46	شَهْرَ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ	البقرة	185	172،306،353
47	وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ	البقرة	187	311

48	يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَهْلِ	البقرة	189	279,280
49	وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا	البقرة	189	381
50	وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ	البقرة	195	253
51	وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ	البقرة	196	306
52	فَإِذَا قَضَيْتُمْ مَنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ	البقرة	200	249
53	وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ	البقرة	204	427
54	وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ	البقرة	207	415
55	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً	البقرة	208	459,450
56	كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً	البقرة	213	134
57	وَمَنْ يَكْفُرْ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ	البقرة	217	137
58	وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ	البقرة	219	479
59	وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتَّى يُؤْمِنَ	البقرة	221	137
60	وَالْمُطَلَّقاتِ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ	البقرة	228	205,313,333
61	وَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ	البقرة	228	205,475
62	إِلَّا أَنْ يَخَافَا أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ	البقرة	229	306
63	وَالْوَالِدَاتِ يُرْضَعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ	البقرة	233	206,333
64	وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ	البقرة	235	508
65	وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا	البقرة	240	314,356
66	مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ	البقرة	255	149
67	لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ	البقرة	256	438
68	إِنْ تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ	البقرة	271	201
69	الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ	البقرة	275	308,452,479
70	بِمَحَقِّ اللَّهِ الرِّبَا وَيُزِيهِ الصَّدَقَاتِ	البقرة	276	453,481
71	فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللَّهِ	البقرة	279	429
72	لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ	البقرة	284	202,348

202,348	285	البقرة	وَأِنْ تُبَدُّوا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ	73
415,416	286	البقرة	أَنْتَ مُؤَلَّاتَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ	74
289	7	آل عمران	آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا	75
534	19	آل عمران	إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ	76
521	28	آل عمران	إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً	77
422	42	آل عمران	وَإِذْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ يَا مَرْيَمُ	78
527	55	آل عمران	إِذْ قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَى ابْنِي مَتْوَقِّكَ	79
469	64	آل عمران	قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ	80
182,469	64	آل عمران	وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا	81
123	75	آل عمران	وَمِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ إِنْ تَأْمَنَّهُ بِقِنطَارٍ	82
180	86	آل عمران	كَيْفَ يَهْدِي اللَّهُ قَوْمًا كَفَرُوا	83
155,346,357	102	آل عمران	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ	84
181	103	آل عمران	وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا	85
244	109	آل عمران	وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ	86
470	110	آل عمران	كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ	87
204	175	آل عمران	إِنَّمَا ذَلِكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُ	88
205	181	آل عمران	لَقَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّذِينَ قَالُوا	89
382	188	آل عمران	لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا أَتَوْا	90
154	191	آل عمران	رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ	91
441	1	النساء	يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ	92
441	3	النساء	وَأِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَى	93
351	11	النساء	يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ	94
334	12	النساء	وَأِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً	95
350,357	15	النساء	وَاللَّاتِي يَأْتِيَنَّ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِسَائِكُمْ	96
135	24	النساء	وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ	97

98	فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ	النساء	24	508
99	فَأَنكِحُوهُنَّ بِإِذْنِ أَهْلِهِنَّ	النساء	25	508
100	وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللَّهُ بِهِ بَعْضَكُمْ	النساء	32	442
101	الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ	النساء	34	443
102	وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا	النساء	36	139
103	وَمَآذًا عَلَيْهِمْ لَوْ آمَنُوا بِاللَّهِ	النساء	39	509
104	وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَى أَوْ عَلَى سَفَرٍ	النساء	43	304,318
105	إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا	النساء	58	483
106	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا...	النساء	59	451,483
107	فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ	النساء	65	378,448
108	وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَئِكَ	النساء	69	146
109	مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ	النساء	80	165,510
110	أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ وَلَوْ كَانَ	النساء	82	151
111	وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ مُقِيتًا	النساء	85	243
112	وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ	النساء	93	413
113	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ	النساء	94	380,386,413
114	وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ	النساء	115	252,253
115	إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ	النساء	116	500
116	وَلَا ضَلَّانَهُمْ وَلَا مُنَبِّئَهُمْ وَلَا مُمْرِكَهُمْ	النساء	119	439
117	إِنْ يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ أَيُّهَا النَّاسُ	النساء	133	504
118	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ	النساء	135	471,492
119	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ	النساء	136	223
120	مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَذَابِكُمْ	النساء	147	518
121	يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ	النساء	176	309,334
122	الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ	المائدة	3	335

123	وَمَنْ يَكْفُرْ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ	المائدة	5	137
124	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ	المائدة	8	246,492
125	وَأَنْتُمْ عَلَيْهِمْ نَبَأُ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا	المائدة	27	98,218
126	إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ	المائدة	33	322
127	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ	المائدة	35	261
128	وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا	المائدة	38	310,401,524
129	إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ	المائدة	44	449
130	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ	المائدة	54	97,512
131	وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ	المائدة	66	457
132	قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَسْتُمْ عَلَى شَيْءٍ	المائدة	68	458
133	إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّابِئِينَ	المائدة	69	532
134	لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا	المائدة	72	503,517
135	قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ	المائدة	77	520
136	لَا يُؤْخَذُكُمْ اللَّهُ بِاللَّعْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ	المائدة	89	315
137	إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمْ الْعَدَاوَةَ	المائدة	91	320,482
138	لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ	المائدة	93	387
139	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسُكُمْ	المائدة	105	100
140	إِذْ قَالَ الْخَوَارِثُونَ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ	المائدة	112	93
141	الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ	الانعام	1	262
142	وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْأَوْنَ عَنْهُ	الانعام	26	262
143	وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَعِبٌ	الانعام	32	439
144	قَدْ نَعْلَمُ إِنَّهُ لَيَحْزُنُكَ الَّذِي يَقُولُونَ	الانعام	33	440
145	مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ	الانعام	38	97
146	قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَى أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا	الانعام	65	463
147	الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ	الانعام	82	170

148	وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ	الانعام	98	121
149	وَأِنْ تَطِيعْ أَكْثَرَ مَنْ فِي الْأَرْضِ لِيُضِلُّوكَ	الانعام	116	485
150	فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ	الانعام	118	101,312
151	وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَ جَنَّاتٍ مَعْرُوشَاتٍ	الانعام	141	202
152	قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ	الانعام	151	139
153	وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ	الانعام	153	447
154	قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ	الانعام	162	430
155	خَلَقْتَنِي مِنْ نَارٍ وَ خَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ	الاعراف	12	152
156	فَوَسَّوَسَ لَهُمَا الشَّيْطَانُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا	الاعراف	20	245
157	قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا	الاعراف	23	133
158	إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا	الاعراف	40	190
159	لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ	الاعراف	43	167
160	هُدًى وَرَحْمَةً لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ	الاعراف	52	283
161	إِنَّ رَبُّكُمْ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ	الاعراف	54	102,277
162	ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً	الاعراف	55	408
163	لَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَى قَوْمِهِ فَقَالَ يَا قَوْمِ	الاعراف	59	155
164	وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَى آمَنُوا وَاتَّقَوْا	الاعراف	96	430
165	وَمَنْ خَلَقْنَا أُمَّةً يَهْدُونَ بِالْحَقِّ	الاعراف	182	203
166	وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ	الاعراف	204	329
167	إِنَّ الَّذِينَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ	الاعراف	206	417
168	يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَنْفَالِ قُلِ الْأَنْفَالُ لِلَّهِ...	الانفال	1	418
169	إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ	الانفال	9	189
170	إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ أَيُّ مَعَكُمْ	الانفال	12	189
171	وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا...	الانفال	25	448
172	يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ	الانفال	65	350

173	الآن خَفَّفَ اللَّهُ عَنْكُمْ	الانفال	66	350
174	يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِمَنْ فِي أَيْدِيكُمْ مِنَ الْأَسْرَى	الانفال	70	92
175	كَيْفَ وَإِنْ يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوا فِيكُمْ	التوبة	8	95
176	وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ ...	التوبة	30	107
177	اتَّخِذُوا أَحْبَابَهُمْ وَرُءُوبَهُمْ أَرْبَابًا	التوبة	31	183,526
178	هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى	التوبة	33	283,490
179	وَمِنْهُمْ مَنْ يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ	التوبة	58	391,392
180	إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ	التوبة	60	250,307,454
181	الْمُنَافِقُونَ وَالْمُنَافِقَاتُ بَعْضُهُمْ مِنْ بَعْضٍ	التوبة	67	414
182	وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ	التوبة	71	414
183	يَخْلِفُونَ بِاللَّهِ مَا قَالُوا	التوبة	74	385
184	وَمِنْهُمْ مَنْ عَاهَدَ اللَّهُ لَنْ آتَانَا مِنْ فَضْلِهِ	التوبة	75	461
185	وَمَنْ حَوْلَكُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ	التوبة	101	366
186	خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ	التوبة	103	452
187	هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسُ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا	يونس	5	301
188	وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّا أُمَّةً وَاحِدَةً	يونس	19	135
189	وَفُضِّيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ	يونس	54	250
190	فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِيَدِنَا لِتَكُونَ	يونس	92	280
191	هُوَ أَنْشَأَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا	هود	61	161
192	رَحِمْتُ اللَّهَ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ	هود	73	520
193	فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ الرَّوْعُ	هود	74	225
194	قَالَ لَوْ أَنَّ لِي بِكُمْ قُوَّةً	هود	80	99
195	قَالُوا يَا شُعَيْبُ أَصْلَاتُكَ تَأْمُرُكَ	هود	87	477
196	وَاسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ	هود	90	174,222
197	يَقْدُمُ قَوْمَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ	هود	98	254

198	وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفِي النَّهَارِ وَزُلْفًا مِنَ اللَّيْلِ	هود	114	316
199	الر تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ	يوسف	2-1	96
200	عَسَى اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَنِي بِهِمْ جَمِيعًا	يوسف	83	230
201	قَالَ سَوْفَ أَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّي	يوسف	98	96
202	وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهِ وَالْمَلَائِكَةُ	الرعد	13	200
203	أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا	الرعد	17	188
204	وَقَالَ الشَّيْطَانُ لَمَّا قُضِيَ الْأَمْرُ	ابراهيم	22	249
205	وَأَتَاكُمْ مِنْ كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ	ابراهيم	34	251
206	وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَعْلُومٌ	الحجر	4	94
207	وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ	الحجر	16	152
208	وَأَرْسَلْنَا الرِّيَّاحَ لَوَاقِحَ	الحجر	22	292،293
209	وَالْجَانَّ خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ	الحجر	27	261
210	الَّذِينَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِينَ	الحجر	91	147
211	وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا	النحل	18	252
212	وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ	النحل	44	164
213	لَا تَعْلَمُونَ شَيْئًا وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ	النحل	78	279
214	إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ	النحل	90	200
215	مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أَنْثَى	النحل	97	441
216	وَإِذَا بَدَّلْنَا آيَةً مَكَانَ آيَةٍ	النحل	101	343
217	وَقَضَيْنَا إِلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ فِي الْكِتَابِ	الاسراء	4	250
218	وَقَضَى رَبُّكَ أَلا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ	الاسراء	23	139
219	إِنَّ الْمُبَدِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ	الاسراء	27	320
220	وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ	الاسراء	36	236
221	إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَئِكَ	الاسراء	36	120
222	وَإِنْ مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوهَا قَبْلَ	الاسراء	58	94

223	وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ	الاسراء	70	290
224	وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدُ بِهِ نَافِلَةً لَكَ	الاسراء	79	103
225	وَنُزِّلَ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ	الاسراء	82	431
226	قُلِ ادْعُوا اللَّهَ أَوْ ادْعُوا الرَّحْمَنَ	الاسراء	110	145
227	وَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا	الاسراء	111	401
228	الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَى عَبْدِهِ الْكِتَابَ	الكهف	1	402
229	تَكَادُ السَّمَاوَاتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ	مريم	90	175
230	قَالُوا إِنَّ هَذَانِ لَسَاحِرَانِ يُرِيدَانِ	طه	63	140
231	فَاقْضِ مَا أَنْتَ قَاضٍ إِنَّمَا تَقْضِي هَذِهِ الْحَيَاةَ	طه	72	141,249
232	وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَى آدَمَ مِنْ قَبْلُ	طه	115	172
233	إِنَّ لَكَ أَلَّا تَجُوعَ فِيهَا وَلَا تَعْرَى	طه	117	451
234	وَعَصَى آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَى	طه	121	172
235	لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ	الانبياء	22	142
236	أَوْ لَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ	الانبياء	30	292
237	قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا	الانبياء	69	505
238	وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَعْبُدُ اللَّهَ عَلَى حَرْفٍ	الحج	11	109
239	إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا	الحج	17	519
240	فَيَنْسَخُ اللَّهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ	الحج	52	340
241	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَعِبُدُوا	الحج	77	323
242	قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ	المومنون	1	396
243	ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً	المومنون	14	260
244	أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا	المومنون	115	152
245	وَمَنْ يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ	المومنون	117	394
246	الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا	النور	2	183,351
247	اللَّهُ نُورُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ	النور	35	87,209

248	أَوْ كَظُلُمَاتٍ فِي بَحْرٍ لُجِّيٍّ يَغْشَاهُ مَوْجٌ	النور	40	290
249	فَلَا تُطْعِ الْكَافِرِينَ وَجَاهِدْهُمْ بِهِ	الفرقان	52	60
250	قَالَ فَعَلْتُهَا إِذَا وَأَنَا مِنَ الضَّالِّينَ	الشعراء	20	146
251	إِنَّهُ مِنْ سُلَيْمَانَ وَإِنَّهُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ	النمل	30	323
252	قِيلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ	النمل	44	215
253	وَلَمَّا وَرَدَ مَاءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةً	القصص	23	440
254	فَلَمَّا قَضَى مُوسَى الْأَجَلَ	القصص	29	139
255	كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ لَهُ الْحُكْمُ	القصص	88	115
256	وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا	العنكبوت	8	137
257	فَكُلًّا أَخَذْنَا بِذَنْبِهِ فَمِنْهُمْ مَنْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِ	العنكبوت	40	91
258	مَثَلُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْلِيَاءَ	العنكبوت	41	252
259	وَمَا هَذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَهْوٌ وَلَعِبٌ	العنكبوت	64	156
260	وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ	العنكبوت	69	82
261	وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ	الروم	20	150
262	وَمَا آتَيْنُكُمْ مِنْ رَبٍّ لِيَرْبُوَ فِي أَمْوَالِ النَّاسِ	الروم	39	464
263	هُدًى وَرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِينَ	لقمان	3	280
264	إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ	لقمان	13	168
265	النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ	الاحزاب	6	181,190,192
266	وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا لِمُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ...	الاحزاب	36	247
267	وَمَنْ يَفْعَلْ مِنْكُمْ لَلَّهِ وَرَسُولِهِ	الاحزاب	31	174
268	فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ	سبا	7	141
269	وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ نُؤْمِنَ	سبا	31	146
270	يس، وَالْقُرْآنِ الْحَكِيمِ	يس	3-1	155
271	وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ	يس	40	288
272	وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ	الصافات	96	282

273	فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَٰأَيُّهَا	الصفات	102	117
274	وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا...	ص	27	152
275	كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ	ص	29	234
276	قُلْ إِنِّي أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ مُخْلِصًا	الزمر	11	115
277	ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا رَجُلًا فِيهِ شُرَكَاءُ	الزمر	29	87
278	قُلْ يَٰعِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ	الزمر	53	481
279	النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا	المؤمن	46	184
280	سُورِهِمْ آيَاتِنَا فِي الْأَفَاقِ	فصلت	53	284
281	أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ	الشورى	13	320
282	وَنَادَوْا يَا مَالِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رُبُّكَ	الزخرف	77	246
283	حم ، وَالْكِتَابِ الْمُبِينِ	الدخان	6-1	155
284	فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ	الدخان	10	207
285	إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُبَارَكَةٍ	الدخان	44	152،155،156
286	إِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ	الجاثية	29	339
287	وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا	الاحقاف	15	137
288	حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا	الاحقاف	//	204،329
289	قَالُوا يَا قَوْمَنَا إِنَّا سَمِعْنَا كِتَابًا	الاحقاف	30	146
290	مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وَعَدَ الْمُتَّقُونَ	محمد	15	88
291	وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا	الحجرات	9	466
292	بَلْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ	ق	5	125
293	وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ	ق	38	223
294	وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ	الذاريات	56	153
295	كُلُّ أَمْرٍ إِيمًا كَسَبَ رَهِيْنٌ	الطور	21	166
296	وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنْ رَبِّهِمْ الْهُدَى	النجم	23	279
297	وَأَنْ لَّيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى	النجم	39	164

298	نَحْنُ قَدَرْنَا بَيْنَكُمْ الْمَوْتَ	الواقعة	60	287
299	فَلَا أُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُومِ	الواقعة	75	189
300	هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ	الحديد	3	110
301	لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ	الحديد	25	475
302	الَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنْكُمْ مِنْ نِسَائِهِمْ	المجادلة	2	138
303	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَجَّيْتُمُ الرَّسُولَ	المجادلة	12	358
304	أَشْفَقْتُمْ أَنْ تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ...	المجادلة	13	353,354
305	كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ	الحشر	7	461
306	وَمَا آتَاكُمْ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ	الحشر	7	164
307	هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى	الصف	9	482
308	هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا	الجمعة	2	209
309	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ	الجمعة	9	182
310	فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ	التغابن	16	353,342
311	يَوْمَ الْمُجْرِمِ لَوْ يَفْتَدِي مِنْ عَذَابٍ يَوْمَئِذٍ	المعارج	11	151
312	عَالَمِ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهَرُ عَلَى غَيْبِهِ	الجن	26	142
313	يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ، قُمْ فَأَنْذِرْ	المدثر	2-1	156
314	يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ	النبأ	34	151
315	كَلَّا إِذَا دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكًّا دَكًّا	الفجر	21	110
316	وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَى	الضحى	7	146
317	أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ	الشرح	1	111
318	فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ، إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا	الشرح	6-5	114
319	إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ	القدر	1	156,152
320	فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ	الزلزال	8-7	396
321	وَيْلٌ لِكُلِّ هُمَزَةٍ لُْمَزَةٍ	الهمزة	1	206
322	لِإِيلَافٍ قُرَيْشٍ	القریش	3-1	414

فہرست احادیث

نمبر #	حدیث کا متن	کتاب کا نام	صفحہ نمبر
1	إِبْدَأْ بِنَفْسِكَ ، ثُمَّ بِمَنْ تَعُول	إرواء الغلیل	192
2	أَبْشِرُوا! أَبْشِرُوا!... إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ	المعجم الكبير	179
3	أَحَلَّتْ لَكُمْ مِيتَتَانِ وَدَمَانِ	سنن ابن ماجہ	167
4	إِذَا مَاتَ ابْنُ آدَمَ بَكَى عَلَيْهِ مَوْضِعَانِ	تفسير لابن أبي حاتم	199
5	أُعْطِيتُ خَمْسًا لَمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌ	صحیح بخاری	302
6	افْتَرَقَتِ الْيَهُودُ عَلَى إِحْدَى أَوْ ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ فِرْقَةً	سنن أبوداؤد	172
7	أَقَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَقَتَلَتْهُ؟	صحیح مسلم	382
8	أَلَا هَلْ عَسَى رَجُلٌ يَبْلُغُهُ الْحَدِيثَ عَنِّي	سنن ترمذی	501، 164
9	الْبَقْرَةُ سَنَامُ الْقُرْآنِ وَذُرْوَتُهُ	مسند احمد	104
10	الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ هِيَ السَّبْعُ الْمَثَانِي	صحیح بخاری	185
11	الشَّامُ أَرْضُ الْمَحْشَرِ وَالْمَنْشَرِ	مسند البرزاز	188
12	اللَّهُمَّ هَؤُلَاءِ أَهْلُ بَيْتِي	سنن ترمذی	500
13	أَلَمْ تَرَ آيَاتِ أَنْزَلْتَ اللَّيْلَةَ	صحیح مسلم	185
14	أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي	صحیح بخاری	308
15	أَنَّ الزُّبَيْرَ كَانَ يُحَدِّثُ أَنَّهُ خَاصَمَ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ	صحیح بخاری	374
16	إِنَّ اللَّهَ قَالَ: مَنْ عَادَى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ	صحیح بخاری	21
17	أَنْ تَجْعَلَ لِلَّهِ نِدًّا وَهُوَ خَلَقَكَ	صحیح بخاری	180
18	أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُتِيَ بِيَهُودِيٍّ	صحیح مسلم	98
19	أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ مَكَثَ عَلَى سُورَةِ الْبَقَرَةِ	موطأ امام مالک	236
20	إِنَّمَا أَنَا لَكُمْ بِمَنْزِلَةِ الْوَالِدِ	سنن أبوداؤد	190
21	إِنَّمَا الْقَبْرِ رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ	سنن ترمذی	186، 184
22	أَمَّا إِيَّاهُمْ لَمْ يَكُونُوا يَعْبُدُونَهُمْ	سنن ترمذی	181

221	مسند احمد	أَمْتَهُوْكَوْنَ فِيْهَا يَا ابْنَ الْخَطَّابِ	23
234	مصنف ابن ابى شيبة	أَيُّ أَرْضٍ تُقْلِنِي	24
213	صحيح بخارى	بَلَّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً وَحَدِّثُوا عَنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ	25
183	سنن ترمذى	حَتَّى إِنْ كَانَ مِنْهُمْ مَنْ أَتَى	26
98	صحيح بخارى	رَحِمَ اللَّهُ أَخِي لُوطَ	27
170	صحيح وضعيف الجامع الصغير	رُفِعَ عَنْ أُمَّتِي الْخَطَأُ وَالْتِسْيَانُ	28
188	مسند احمد	عَنْ أَبِي دَاوُدَ الْمَازِنِيِّ، وَكَانَ شَهِدَ بَدْرًا	29
186	صحيح بخارى	عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا أَنَّ يَهُودِيَّةً دَخَلَتْ	30
205	سنن ترمذى	فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ	31
105	صحيح بخارى	فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي	32
178	صحيح بخارى	قَالَ اللَّهُ أَعَدَدْتُ لِعِبَادِي الصَّالِحِينَ	33
98	مسند احمد	قَامَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَحَمِدَ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ	34
325	صحيح مسلم	قَسَمْتُ الصَّلَاةَ بَيْنَ وَبَيْنَ عَبْدِ نَصَفِينَ	35
214	صحيح بخارى	كَانَ أَهْلُ الْكِتَابِ يَقْرَءُونَ التَّوْرَةَ بِالْعِبْرَانِيَّةِ	36
171	صحيح بخارى	كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي سَفَرٍ فَرَأَى زَحَامًا	37
179	سنن ترمذى	كِتَابُ اللَّهِ حَبْلٌ مَمْدُودٌ مِنَ السَّمَاءِ	38
85	صحيح بخارى	كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ	39
172	سنن ابن ماجه	كُلُّهَا فِي النَّارِ إِلَّا وَاحِدَةً	40
86	صحيح بخارى	كُنْتُ أَرْعَى الْغَنَمَ عَلَى فَرَارِيطَ لِأَهْلِ مَكَّةَ	41
164	سنن ترمذى	لَا أُلْفِيَنَّ أَحَدُكُمْ مُتَّكِئًا عَلَى أَرِيكَتِهِ	42
464	سنن ترمذى	لَا تَزُولُ قَدَمَا عَبْدٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ	43
190,181	صحيح بخارى	لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى أَكُونَ	44
183	صحيح بخارى	لَتَتَّبِعَنَّ سَنَنَ مَنْ قَبْلَكُمْ	45
185	سنن ترمذى	لِكُلِّ شَيْءٍ سَنَامٌ وَإِنَّ سَنَامَ الْقُرْآنِ	46
165	صحيح بخارى	لَنْ يُدْخَلَ أَحَدًا عَمَلُهُ الْجَنَّةَ	47

48	لو أن للإنسان مثل جبل أبي قبيس ذهباً	تفسير القرآن	201
49	لَيَأْتِيَنَّ عَلَى أُمَّتِي مَا أَتَى	سنن ترمذی	183
50	مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي	سنن ترمذی	172
51	مَنْ أَخَذَ أَمْوَالَ النَّاسِ يُرِيدُ أَدَاءَهَا	صحیح بخاری	192
52	من أمسى كالا من عمل يده	ضعيف الترغيب والترهيب	175
53	مَنْ تَرَكَ ثَلَاثَ جُمُعَاتٍ	المحکم الاوسط	182
54	مَنْ حَفِظَ عَشْرَ آيَاتٍ مِنْ أَوَّلِ سُورَةِ الْكَهْفِ	صحیح مسلم	395
55	مَنْ قَالَ فِي الْقُرْآنِ بَعِيرٌ عَلِمَ	سنن ترمذی	233
56	مَنْ قَالَ فِي كِتَابِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ بِرَأْيِهِ	سنن أبي داود	234
57	مَنْ كَانَ لَهُ إِمَامٌ فَقَرَأَهُ	سنن ابن ماجه	325
58	وَإِذَا قَرَأَ الْإِمَامُ فَأَنْصِتُوا	مسند احمد	325
59	وَالَّذِي لَا إِلَهَ غَيْرُهُ مَا مِنْ كِتَابِ اللَّهِ	صحیح مسلم	197
60	وَمَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِي بَيْتٍ مِنْ بُيُوتِ اللَّهِ	صحیح مسلم	235
61	وَهُوَ حَبْلُ اللَّهِ الْمَتِينُ	سنن ترمذی	179
62	وَيْلَكَ وَمَنْ يَعْدِلُ إِذَا لَمْ أَكُنْ أَعْدِلُ	صحیح مسلم	386

فہرست اعلام

نمبر شمار	اعلام	صفحہ نمبر
1	ابن تیمیہ	115
2	ابن حاجب	340
3	ابن قتیبہ	394
4	ابن قیم	115
5	أبو الکلام آزاد	41
6	ابو بکر ابن العربی	393
7	احمد عمر ہاشم	23
8	أبو الفداء إسماعیل بن عمر بن کثیر	93
9	اصمعی	396
10	امین احسن اصلاحی	44
11	الفریڈ ایڈلر	124
12	برہان الدین البقاعی	391
13	امام بغوی	394
14	ایڈورڈ گکین	124
15	بدر الدین شوکانی	394
16	جلال الدین سیوطی	116
17	جمال عبدالناصر	4
18	چارلس ڈارون	505
19	حسنی مبارک	5
20	حفیظ جالندھری	41
21	حمید الدین فراہی	44
22	زمنخشی	91

393	زرکشی	23
505	سرسید احمد خان	24
4	سعد ز غلول	25
124	سگمنڈ فرائڈ	26
44	سید ابوالاعلیٰ مودودی	27
95	سید قطب	28
118	سید محمد انور شاہ کشمیری	29
112	سید مناظر احسن گیلانی	30
110	شاہ عبدالقادر محدث دہلوی	31
117	شاہ ولی اللہ محدث دہلوی	32
44	شبیر احمد عثمانی	33
116	شیخ احمد سرہندی	34
114	شیخ عبدالقادر جیلانی	35
94	ابوالثناء شہاب الدین محمود بن عبداللہ الحسینی آلوسی	36
44	عبدالغفار حسن رحمانی	37
92	أبو البرکات عبداللہ بن أحمد بن محمود حافظ الدین النسفی	38
394	ابو محمد عز الدین عبدالعزیز بن عبدالسلام	39
41	علامہ محمد اقبال	40
18	غازی عبدالرحمن القصیبی	41
504	غلام احمد پرویز	42
92	فخر الدین رازی	43
111	قاضی ثناء اللہ پانی پتی	44
123	کارل ہینرچ مارکس	45
123	کیتھ لیون مور	46
99	مالک بن انس	47

130	محمد الامین بن محمد المختار الشنقیتی	48
5	محمد انور سادات	49
99	محمد بن ادریس شافعی	50
114	محمد جلال الدین رومی	51
18	محمد رجب البیومی	52
95	محمد رشید رضا	53
44	محمد رفیع الدین	54
94	محمد عبده	55
366	محمد عزة دروزة	56
4	محمد نجیب	57
44	محمود حسن دیوبندی	58
505	مرزا غلام احمد قادیانی	59
26	مصطفی النحاس	60
41	مصطفی کمال پاشا	61
123	موریس بوکائے	62
99	نعمان بن ثابت	63
23	یوسف قرضاوی	64

مصادر ومراجع

• عربي كتب

1. إبراهيم بن السرى بن سهل، أبو اسحاق الزجاج (المتوفى: 311هـ)، معانى القرآن واعرابه، المحقق: عبد الجليل عبده شلبى، عالم الكتب، بيروت، ط: 1، 1988ء
2. إبراهيم حسن الأشقر، فضيلة الشيخ محمد متولى الشعراوى دعونى وربى، الأيام الأخيرة فى حياة الشعراوى، دار الروضة للنشر والتوزيع، القاهرة، 1998ء
3. ابن مفلح الحنبلى، اصول فقه، مكتبة العبيكان، ط: 1، 1999ء
4. أبو بكر بن أبى شيبة، عبد الله بن محمد بن إبراهيم بن عثمان بن خواستى العيسى (المتوفى: 235هـ)، الكتاب المصنف فى الأحاديث والآثار (مصنف ابن أبى شيبة)، المحقق: كمال يوسف الحوت، مكتبة الرشد، الرياض، ط: 1، 1409 هـ
5. أبو داود، سليمان بن الأشعث أبو داود السجستاني الأزدي، سنن أبى داود، تحقيق: محمد محيي الدين عبد الحميد، المكتبة العصرية، صيدا - بيروت
6. أحمد بن حنبل، مسند الإمام أحمد بن حنبل، المحقق: شعيب الأرنؤوط وآخرون، مؤسسة الرسالة، بيروت، ط: 2، 1999ء
7. أحمد بن عبد الله بن أحمد الأصبهاني أبو نعيم (المتوفى: 430هـ)، حلية الأولياء وطبقات الأصفياء، السعادة، بجوار محافظة مصر، 1974ء
8. أحمد بن فارس بن زكرياء القزوينى الرازى، أبو الحسين، معجم مقاييس اللغة، المحقق: عبد السلام محمد هارون، دار الفكر، بيروت، لبنان، 1979ء
9. أحمد بن محمد بن خلكان، أبو العباس وفيات الأعيان وأنباء أبناء الزمان، المحقق: احسان عباس، دار صادر، بيروت، 1994ء
10. أحمد بن عبد العزيز بن مُقَرِّن القُصَيْرِ، لأحاديثُ المشكِلة الواردةُ فى تفسير القرآنِ الكريم (عَرَضُ وِدِرَاسَة)، دار ابن الجوزى للنشر والتوزيع، مملكة السعودية، طبع: اول، 1430 هـ
11. أحمد حمروش، ثورة 23 يوليو، الهيئة المصرية العامة للكتاب، 1990ء
12. أحمد عمر هاشم، الامام الشعراوى مفسراً وداعية، دار أخبار اليوم، القاهرة، 1998ء
13. اسامة الباز، مصر فى القرن ٢١ الآمال والتحديات، مؤسسة الأهرام، القاهرة، ط: 1، 1996ء

14. ابن كثير، إسماعيل بن عمر بن كثير، أبو الفداء (المتوفى: 774هـ)، تفسير القرآن العظيم (تفسير ابن كثير)، المحقق: محمد حسين شمس الدين، دار الكتب العلمية، بيروت، ط: 1، 1419 هـ
15. الأصفهاني، أبو القاسم الحسين بن محمد المعروف بالراغب الأصفهاني (المتوفى: 502هـ)، تفسير الراغب الأصفهاني، تحقيق ودراسة: د. محمد عبد العزيز بسيوني، كلية الآداب - جامعة طنطا، ط: 1، 1999ء
16. الأصفهاني، أبو القاسم الحسين بن محمد المعروف بالراغب الأصفهاني (المتوفى: 502هـ)، المفردات في غريب القرآن، المحقق: صفوان عدنان الداودي، دار القلم، الدار الشامية - دمشق بيروت، ط: 1، 1412 هـ
17. ألباني، محمد ناصر الدين، صحيح الترغيب والترهيب، مكتبة المعارف - الرياض، ط: 5
18. ألباني، محمد ناصر الدين، صحيح الجامع الصغير وزيادته، المكتب الإسلامي، دمشق، ط: 3، 1988ء
19. ألباني، محمد ناصر الدين، ضعيف الترغيب والترهيب، مكتبة المعارف، الرياض، ط: 1، 2000ء
20. آلوسي، شهاب الدين محمود بن عبد الله (المتوفى: 1270هـ)، روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني، المحقق: علي عبد الباري عطية، دار الكتب العلمية، بيروت، ط: 1، 1415 هـ
21. بخاري، أبو عبد الله محمد بن إسماعيل، الجامع المسند الصحيح المختصر من أمور رسول الله ﷺ وسننه وأيامه، مكتبة دار ابن كثير، دمشق-بيروت، ط: 1، 2002ء
22. بدوي، طه، قالوا عن الشعراوي بعد رحيله، دار الأمين للطباعة والنشر والتوزيع، ط: 1، 1999ء
23. البزار، أبو بكر أحمد بن عمرو بن عبد الخالق بن خلاد بن عبيد الله العتكي المعروف بالبزار (المتوفى: 292هـ)، مسند البزار المنشور باسم البحر الزخار، المحقق: محفوظ الرحمن زين الله، مكتبة العلوم والحكم، المدينة المنورة، ط: 1، 1988ء
24. بيهقي، أحمد بن الحسين بن علي بن موسى الخسروجردي الخراساني، أبو بكر البيهقي (المتوفى: 458هـ)، دلائل النبوة ومعرفة أحوال صاحب الشريعة، دار الكتب العلمية، بيروت، ط: 1، 1405 هـ
25. البيهقي، محمد رجب، محمد متولى الشعراوي جولة في فكرة الموسوعي الفسيح، مكتبة التراث الإسلامية، القاهرة، 1999ء

26. الترمذى، محمد بن عيسى بن سَورة بن موسى بن الضحاك، ، أبو عيسى (المتوفى: 279هـ)،
الجامع الكبير - سنن الترمذى، دار إحياء التراث العربى - بيروت، 1998 ء
27. ابن تيمية، تقى الدين أبو العباس أحمد بن عبد الحلیم بن تيمية الحرانى ، مجموع الفتاوى، مجمع
الملك فهد لطباعة المصحف الشريف، المدينة النبوية، 1995ء
28. ابن تيمية، تقى الدين ، مقدمة فى اصول التفسير، دار مكتبة الحياة، بيروت، لبنان، 1980ء
29. الجرجانى ، على بن محمد بن على الزين الشريف الجرجانى (المتوفى: 816 هـ)، كتاب
التعريفات، دار الكتب العلمية، بيروت، ط:1، 1993ء
30. جزر، محمد يس، الشيخ الإمام داعية الإسلام محمد متولى الشعراوى : عالم عصره فى عيون
معاصريه ، دار الجيل، بيروت، ط:2، 1990
31. جزرى ، شمس الدين أبو الخير ابن الجزري، محمد بن محمد بن يوسف ، النشر فى القراءات
العشر، المحقق : على محمد الضباع (المتوفى 1380 هـ)، المطبعة التجارية الكبرى
32. جزرى، شمس الدين أبو الخير ابن الجزرى، محمد بن محمد بن يوسف (المتوفى: 833هـ)، منجد
المقرئين ومرشد الطالبين، دار الكتب العلمية، ط:1، 1999ء
33. جمال الدين أبو الفرج عبد الرحمن بن على بن محمد الجوزى (المتوفى: 597هـ)، نزهة الأعين
النواظر فى علم الوجوه والنظائر، المحقق: محمد عبد الكريم كاظم الراضى، مؤسسة الرسالة ،
بيروت، ط:1، 1984ء
34. حسين بن على بن حسين الحربى، قواعد الترجيح عند المفسرين دراسة نظرية تطبيقية، دار
القاسم، رياض، ط:1، 1996ء
35. خفاجى ، محمد عبد المنعم - دكتور على على صبح، الأزهر فى ألف عام ، المكتبة الازهرية
للتراث ، القاهرة، 2011ء
36. الزركلى ، خير الدين بن محمود ، الدمشقى (المتوفى: 1396 هـ)، الأعلام، دار العلم للملايين،
ط: 15
37. الذهبى ، الدكتور، محمد السيد حسين (المتوفى: 1398 هـ)، التفسير والمفسرون، مكتبة
وهبة، القاهرة، ط:7، 2000ء
38. الذهبى ، الدكتور، محمد حسين ، الإتجاهات المنحرفة فى تفسير القرآن الكريم دوافعها ودفعها،
مكتبة وهبة، القاهرة، ط:3، 1986ء
39. رازى، أبو عبد الله محمد بن عمر الملقب بفخر الدين الرازى ، (المتوفى: 606 هـ)، مفاتيح
الغيب (التفسير الكبير) ، دار إحياء التراث العربى ، بيروت ، ط:3، 1420 هـ

40. رمضان، عبد العظيم محمد إبراهيم، دراسات في تاريخ مصر المعاصر، المركز العربي للبحث والنشر، 1980ء
41. رؤوف عباس حامد ، دكتور، مصر وعالم البحر المتوسط في العصر الحديث ، دار النهضة العربية، القاهرة، ط: 1 1989ء
42. الرئاسة العامة لإدارات البحوث العلمية والإفتاء والدعوة والإرشاد، مجلة البحوث الإسلامية، التعريف بالامكنة
43. زركشى، أبو عبد الله بدر الدين محمد بن عبد الله بن بهادر (المتوفى: 794 هـ)، البرهان في علوم القرآن، المحقق: محمد أبو الفضل إبراهيم، دار إحياء الكتب العربية عيسى البابي الحلبي وشركائه ، اور دار المعرفة، بيروت، لبنان، ط: 1، 1957ء
44. زحشرى ، أبو القاسم محمود بن عمرو بن أحمد، جار الله (المتوفى: 538هـ جري)، الكشف عن حقائق غوامض التنزيل، دار الكتاب العربى ، بيروت، ط: 3- 1407 هـ
45. السجستاني ، أبو سعيد عثمان بن سعيد الدارمي السجستاني (المتوفى: 280 هـ)، الرد على الجهمية، المحقق: بدر بن عبد الله البدر، دار ابن الأثير ، الكويت، ط: 2، 1995 ء
46. سعيد، أبو العينين، الشعراوى بين الاسلام والسياسة، دار اخبار اليوم
47. سعيد، أبو العينين، الشعراوى الذى لا نعرفه، دار أخبار اليوم، القاهرة، ط: 4، 1995ء
48. سعيد، أبو العينين، الشعراوى هنا رايت سيدنا ابراهيم، دار مايو الوطنية للنشرة، القاهرة، 1999ء
49. سعيد، أبو العينين، الشعراوى: أنا من سلالة أهل البيت ، دار أخبار اليوم، القاهرة ، ط: 5
50. سعيد، أبو العينين، رحلات الشعراوى فى أوربا وأمريكا، داراخبار اليوم ، ط: 4
51. سعيد، أبو العينين، ماذا قالوا عن الشعراوى بعد وفاته ، دار أخبار اليوم، القاهرة ، ط: 4
52. سناء السعيد، الشعراوى بين السياسة والدين، دار الفتح للاعلام العربى ، القاهرة، مصر، 1997ء
53. سيد سابق (1915- 2000ء) ، فقه السنة، دار الكتاب العربى، بيروت ، ط: 3 1977ء
54. سيوطى، جلال الدين ، معترك الأقران فى إعجاز القرآن، عبد الرحمن بن أبى بكر، دار الكتب العلمية ، بيروت ، ط: 1- 1988 ء
55. سيوطى، عبد الرحمن بن أبى بكر، جلال الدين السيوطى (المتوفى: 911 هـ)، صحيح وضعيف الجامع الصغير وزيادته، مكتبة الشاملة
56. سيوطى، عبد الرحمن بن أبى بكر، جلال الدين السيوطى ، الإتيقان فى علوم القرآن، المحقق: محمد أبو الفضل إبراهيم، الهيئة المصرية العامة للكتاب، القاهرة، ط: 3- 1974 ء

57. شاطبي، إبراهيم بن موسى بن محمد اللخمي الغرناطي الشهير بالشاطبي (المتوفى: 790هـ)،
الموافقات، المحقق: أبو عبيدة مشهور بن حسن آل سلمان، دار ابن عفان، القاهرة، ط: 1،
1997ء
58. شاه ولي الله دهلوي، أحمد بن عبد الرحيم المعروف (المتوفى: 1176هـ)، الفوز الكبير في أصول
التفسير، دار الصحوة، القاهرة، ط: 2، 1986ء
59. شعراوي، محمد متولى، اعداد: ابو الحسن عبدالرزاق، فى الحكم والسياسة، دار الاسماء، الجيزة،
مصر، ط: 1، 1990ء
60. شعراوي، محمد متولى، اعداد: مجدى الخفناوى، قضايا اسلامية، دارلشروق، القاهرة، 1979ء
61. شعراوي، محمد متولى، تفسير الشعراوي، دار اخبار اليوم، القاهرة، مصر، 1991ء
62. شعراوي، محمد متولى، الفتاوى الكبرى، مكتبة التراث الاسلامى، القاهرة، مصر، 1987ء
63. شمس الدين، أبو العون محمد بن أحمد بن سالم السفاريني الحنبلى (المتوفى: 1188هـ)، لوامع
الأنوار البهية وسواطع الأسرار الأثرية لشرح الدرة المضية فى عقد الفرقة المرضية، مؤسسة
الخافقين ومكتبتها - دمشق، ط: 2، 1982ء
64. شهرستاني، أبو الفتح محمد بن عبد الكريم الشهرستاني (المتوفى: 548هـ)، الملل والنحل،
مؤسسة الحلبي وشركائه للنشر والتوزيع القاهرة
65. الصالحى، عمر، مدرسة الشيخ الشعراوي فى التفسير، دار الأبرار للتوزيع والنشر، عمان،
2009ء
66. صلاح العقاد، السادات وكامب ديفيد، مكتبة مدبولي، القاهرة، مصر، 1984ء
67. طارق حبيب، من الألف الى الياء، المركز العربى الحديث، القاهرة، مصر، 1989ء
68. طاهر محمود، دكتور، أسباب الخطأ فى التفسير، دراسة تأصيلية، دار ابن الجوزى، ط: 1،
1445 هـ
69. طبرانى، أبو القاسم سليمان بن أحمد (260 هـ - 360 هـ) المعجم الأوسط، دار الحرمين
للطباعة والنشر والتوزيع، القاهرة، ط: 1، 1415 هـ
70. طبرانى، أبو القاسم سليمان بن أحمد، المعجم الكبير، تحقيق: حمدي بن عبدالمجيد السلفي،
مكتبة العلوم والحكم، الموصل، 1983ء
71. طبرى، محمد بن جرير، أبو جعفر (المتوفى: 310هـ)، جامع البيان فى تأويل القرآن (تفسير
طبرى)، مكتبة مؤسسة الرسالة-بيروت، ط: 2000، 1ء
72. عباس محمود العقاد، سعد زغلول زعيم الثورة، مؤسسة هنداوى للتعليم والثقافة، 2013ء

73. ابن عطية ' عبد الحق بن غالب بن عبد الرحمن بن تمام بن عطية الأندلسي (المتوفى: 542هـ)،
المحرر الوجيز في تفسير الكتاب العزيز (تفسير ابن عطية)، المحقق: عبد السلام عبد الشافي
محمد، دار الكتب العلمية، بيروت، ط:1، 1422هـ
74. ابن العماد الحنبلي ' عبد الحبي بن احمد (المتوفى: 1089 هـ)، شذرات الذهب في أخبار من
ذهب، دار ابن كثير، دمشق، بيروت، ط:1، 1986هـ
75. عبد الحبي بن فخر الدين بن عبد العلي الحسنی الطالبی (المتوفى: 1341هـ)، الإعلام بمن في
تاريخ الهند من الأعلام المسمى بـ (نزهة الخواطر وبهجة المسامع والنواظر، دار ابن حزم - بيروت،
لبنان، 1999ء
76. ابن أبي حاتم ' عبد الرحمن بن محمد التميمي، أبو محمد، الرازي (المتوفى: 327هـ)، تفسير
القرآن العظيم لابن أبي حاتم، المحقق: أسعد محمد الطيب، مكتبة نزار مصطفى الباز - المملكة
العربية السعودية، ط:3 - 1419 هـ
77. عبد الوهاب الكيالي وغيره ، الموسوعة السياسية، المؤسسة العربية للدراسات والنشر، بيروت،
لبنان
78. الإيجي ' عضد الدين عبد الرحمن (المتوفى: 756 هـ)، شرح مختصر المنتهى الأصولي للإمام أبي
عمرو عثمان ابن الحاجب المالكي (المتوفى 646هـ)، المحقق: محمد حسن محمد حسن إسماعيل،
دار الكتب العلمية، بيروت - لبنان، ط:1، 2004ء
79. علي بن أحمد بن محمد بن علي الواحدى، أبو الحسن النيسابورى، الشافعى (المتوفى: 468هـ)،
أسباب نزول القرآن، المحقق: كمال بسيوني زغلول، دار الكتب العلمية - بيروت، ط:1،
1411هـ
80. علي بن عقيل الظفرى، أبو الوفاء، الواضح في أصول الفقه، مؤسسة الرسالة للطباعة والنشر
والتوزيع، بيروت - لبنان، ط:1، 1420 هـ
81. فهد بن عبد الرحمن بن سليمان الرومى، اتجاهات التفسير فى القرن الرابع عشر، مؤسسة
الرسالة، بيروت، ط:3، 1997ء
82. القرضاوى ، دكتور ، يوسف ، فى وداع الأعلام، الدار الشامية للطباعة والنشر، استنبول،
تركي، ط:2016، 1ء
83. قرطبي، أبو عبد الله محمد بن أحمد بن أبي بكر ، شمس الدين القرطبي (المتوفى: 671هـ)،
الجامع لأحكام القرآن (تفسير القرطبي)، تحقيق: أحمد البردوني وإبراهيم أطفيش ، دار
الكتب المصرية ، القاهرة، ط:2، 1964ء

84. كافي، منصور، مناهج المفسرين في العصر الحديث بين النظرية والتطبيق، دار العلوم للنشر، القاهرة، 2006ء
85. مالك بن أنس أبو عبد الله الأصبحي، موطأ الإمام مالك، تحقيق : محمد فؤاد عبد الباقي، دار إحياء التراث العربي - مصر، 1985ء
86. ابن القيم، الجواب الكافي لمن سأل عن الدواء الشافي أو الداء والدواء، دار المعرفة - المغرب، ط: 1، 1997ء
87. مجمع اللغة العربية بالقاهرة (إبراهيم مصطفى / أحمد الزيات / حامد عبد القادر / محمد النجار)، المعجم الوسيط، دار الدعوة القاهرة
88. محمد بن إبراهيم بن أحمد الحمد، مصطلحات في كتب العقائد، دار ابن خزيمة، 2006ء، ط: 1
89. محمد بن أبي بكر بن أيوب ابن قيم الجوزية (المتوفى: 751 هـ)، إعلام الموقعين عن رب العالمين، تحقيق: محمد عبد السلام إبراهيم، دار الكتب العلمية، بيروت، ط: 1، 1991ء
90. محمد بن رزق، التفسير والمفسرون في غرب أفريقيا، دار ابن الجوزي للنشر والتوزيع، المملكة العربية السعودية، ط: 1، 1426هـ
91. محمد بن رزق، التفسير والمفسرون في غرب أفريقيا، دار ابن الجوزي للنشر والتوزيع، المملكة العربية السعودية، ط: 1، 1426هـ
92. محمد بن عبد الله الخطيب التبريزي، مشكاة المصابيح، تحقيق : محمد ناصر الدين الألباني، المكتب الإسلامي - بيروت، ط: 3، 1985ء
93. ابو عبد الله محمد بن عبد الله حاكم نيشاپوري (321 هـ - 405 هـ)، المستدرك على الصحيحين، تحقيق: مصطفى عبد القادر عطا، دار الكتب العلمية - بيروت، 1990ء
94. محمد بن علي بن أحمد الداوودي المالكي، المتوفى: 945هـ، طبقات المفسرين للداوودي، دار الكتب العلمية، بيروت، 1403هـ
95. ابن منظور، محمد بن مكرم بن منظور الأفرقي المصري، لسان العرب، دار صادر، بيروت، ط: 1
96. محمد بن يزيد أبو عبد الله القزويني، سنن ابن ماجه، تحقيق : محمد فؤاد عبد الباقي، دار الفكر، بيروت
97. ابو حيان، محمد بن يوسف بن علي أثير الدين الأندلسي (المتوفى: 745 هـ)، البحر المحيط في التفسير، المحقق: صدقي محمد جميل، دار الفكر - بيروت، 1420 هـ
98. محمد ثابت، الشعراوى والسلطة، دار الروضة القاهرة، ط: 1

99. محمد زايد، الراوى هو الشعراوى، مذكرات امام الدعاة ، دار الشروق، القاهرة، 1998ء
100. محمد عبد الحىى الكنوى الهندى، أبو الحسنات، الفوائد البهية فى تراجم الحنفية، مطبع دار السعادة، ط:1، 1324 هـ
101. محمد عبد الرحمن حسين ، نضال شعب مصر 1798ء- 1956ء، مكتبة منتشأة المعارف، الاسكندرية، مصر
102. محمد محبوب حسن، الشعراوى من القرية الى العالمية، مكتبة التراث الاسلامى، القاهرة
103. محمد محمد حسين، دكتور، الاتجاهات الوطنية فى الأدب المعاصر، دار الحمامى للطباعة، مكتبة الآداب ومطبعتها بالجمايز، ط:2، 1968ء
104. محمد حسين الذهبى، الدكتور، التفسير والمفسرون، (المتوفى: 1398هـ) ، مكتبة الوهبة، القاهرة، 2000 ء
105. مسلم بن الحجاج أبو الحسين القشيرى النيسابورى، صحيح مسلم ، تحقيق : محمد فؤاد عبد الباقي، دار إحياء التراث العربى، بيروت
106. مصطفى مسلم، مباحث فى التفسير الموضوعى، دارلقلم، دمشق، 2005ء
107. مناع بن خليل القطان (المتوفى: 1420هـ)، مباحث فى علوم القرآن ، مكتبة المعارف للنشر والتوزيع، ط:3، 2000ء
108. المنشاوى، محمد صديق، الشيخ الشعراوى وحديث الذكريات، دار الفضيلة للنشر والتوزيع، القاهرة
109. النبوى عبد الواحد شعلان، محمد رجب البيومى حياته وشعره، مكتبة جامعة الأزهر، القاهرة، مصر 1990ء
110. الندوة العالمية للشباب الإسلامى، الموسوعة الميسرة فى الأديان والمذاهب والأحزاب المعاصرة، دار الندوة العالمية للطباعة والنشر والتوزيع، ط:4، 1420 هـ
111. النسفى ، أبو البركات عبد الله بن أحمد بن محمود حافظ الدين (المتوفى: 710هـ)، تفسير النسفى (مدارك التنزيل وحقائق التأويل)، دار الكلم الطيب، بيروت ، ط:1، 1998 ء
112. ياسر مغاوى عبد الحميد عمر، الأستاذ الدكتور أحمد عمر هاشم وجهوده فى الحديث النبوى، مقالة الدكتوراة، جامعة الأزهر، 2013ء
113. يوسف القرضاوى، كيف نتعامل مع القرآن، مكتبة دار البيان، كويت

• اردو کتب

1. اسرار احمد، ڈاکٹر، بیان القرآن، مکتبہ انجمن خدام القرآن، خیبر پختونخواہ، 2008ء
2. اسرار احمد، ڈاکٹر، منتخب نصاب، مرتب: حافظ عاکف سعید، مکتبہ انجمن خدام القرآن، لاہور، ط: 3، اگست 2010ء
3. اسرار احمد، ڈاکٹر، تنظیم اسلامی کی دعوت، شعبہ تعلیم و تربیت، تنظیم اسلامی، لاہور، جولائی 2013ء
4. اسرار احمد، ڈاکٹر، حساب کم و بیش اور گزارش احوال واقعی، انجمن خدام القرآن، لاہور، ط: 3، 2005ء
5. اسرار احمد، ڈاکٹر، استحکام پاکستان، انجمن خدام القرآن، لاہور، ط: 7، 2006ء
6. اسرار احمد، ڈاکٹر، رسول انقلاب ﷺ کا طریق انقلاب، شعبہ تعلیم و تربیت تنظیم اسلامی، لاہور، اپریل 2013ء
7. اسرار احمد، ڈاکٹر، دعوت رجوع الی القرآن کا منظر اور پس منظر، انجمن خدام القرآن، لاہور، ط: 2، 1952ء
8. اسرار احمد، ڈاکٹر، علامہ اقبال، قائد اعظم اور نظریہ پاکستان، انجمن خدام القرآن، لاہور، ط: 1، 2007ء
9. اسرار احمد، ڈاکٹر، اربعین نووی، مرتب: خالد محمود خضر، مدیر شعبہ مطبوعات، قرآن اکیڈمی، شعبہ مطبوعات، 2016ء
10. اسرار احمد، ڈاکٹر، بصائر: منتخب اخباری کالموں کا مجموعہ، مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، ط: 1، 2006ء
11. اسرار احمد، ڈاکٹر، پاکستان کے وجود کو لاحق خطرات و خدشات اور بچاؤ کی تدابیر، مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، ط: 2، 2006ء
12. اسرار احمد، ڈاکٹر، اسلام میں عورت کا مقام، انجمن خدام القرآن، لاہور، ط: 16، دسمبر 2013ء
13. اسرار احمد، ڈاکٹر، اسلام اور پاکستان: تاریخی، سیاسی، علمی اور ثقافتی پس منظر، مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، ط: 5، 1996ء
14. اسرار احمد، ڈاکٹر، نبی اکرم ﷺ کا مقصد بعثت، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، ط: 4
15. اسرار احمد، ڈاکٹر، عزم تنظیم، ڈاکٹر اسرار احمد، انجمن خدام القرآن، لاہور، جون 2011ء
16. انجمن نوریہ احمد، ڈاکٹر اسرار احمد اور تنظیم اسلامی ایک تعارف، شعبہ مطبوعات، انجمن خدام القرآن، کراچی، ط: 3، 2012ء
17. ثناء اللہ امرتسری، تفسیر ثنائی، مکتبہ قدوسیہ، لاہور، 2002ء

18. ابو محمد مولانا ثناء اللہ سعد شجاع آبادی۔ علمائے دیوبند کے آخری لمحات، مکتبہ رشیدیہ، سہارنپور
19. حافظ انس نصر، حمید الدین فراہی اور جمہور کے اصول تفسیر: تحقیقی اور تقابلی مطالعہ، مقالہ برائے پی ایچ۔ ڈی، علوم اسلامیہ، شیخ زاید اسلامک سینٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، سیشن: 2003ء
20. رافعتہ الجبین، ڈاکٹر اسرار احمد: شخصیت اور دینی خدمات، انجمن خدام القرآن، لاہور، ط: 1، 2016ء
21. شریف الدین اصلاحی، ذکر فراہی، دارالتذکیر، لاہور، 2002ء
22. صہیب حسن، مولانا عبدالغفار حسن حیات و خدمات، مکتبہ اسلامیہ، لاہور
23. عبدالغفار عزیز، سلیم منصور خالد، حسن البنا شہید ایک مطالعہ، منشورات پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز پرائیویٹ لیٹڈ، نئی دہلی، 2012ء
24. غازی، محمد وقاص، ڈاکٹر اسرار احمد کی یاد میں: کالم مضامین اور ادارے، صفہ پبلشرز لاہور، ط: 1، جولائی 2010ء
25. محمد توفیق، کمال اتاترک، غازی مصطفیٰ کمال کی بہترین سوانح عمری، مترجم: مرزا کرم الہی خاموش، علمیہ بک ڈپو، لاہور، 2000ء
26. نظام الدین اسیر اور وی، تذکرہ مشاہیر ہند: کاروانِ رفتہ (ایڈیشن دوسرا، اپریل 2016ء)۔ دیوبند: دار المؤمنین
27. وحید عشرت، حیات اقبال، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ط: 1، 2004ء

● مجلات اور انٹرویو

1. انجنیر نوید احمد، ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے، (ہفت روزہ) ندائے خلافت، جلد: 19، شمارہ: 17، 27 اپریل تا 3 مئی 2010ء
2. اے آر خالد، ڈاکٹر، حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا، (ہفت روزہ) ندائے خلافت، لاہور، جلد: 20، شمارہ: 18، 4 تا 10 مئی 2010ء
3. بیگم اسرار احمد، ہفت روزہ ندائے خلافت، 18 تا 24 مئی 2006ء (اشاعت خصوصی) خواتین نمبر، لاہور، جلد 15، شمارہ 17
4. خورشید احمد، پروفیسر، اسرار بھائی۔۔۔ رقتید و لے نہ از دل ما، (ماہنامہ) ترجمان القرآن، لاہور، جلد: 137، شمارہ: 5، مئی 2010ء

5. ڈاکٹر اسرار احمد، شخصیت، افکار و خیالات اور تحریکی جدوجہد، ایک یادگار انٹرویو، انٹرویو کنندہ، مرزا ایوب بیگ، انجمن خدام القرآن، لاہور، 2014ء
6. شعر اوی، انٹرویو، جریدہ دار اخبار الیوم، 18 اکتوبر 1980ء
7. شہزاد سلیم، مولانا اصلاحی کی کہانی ان کی اپنی زبانی، ماہنامہ اشراق، لاہور، جنوری۔ فروری، 1998ء،
8. عرفان صدیقی، ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم و مغفور، روزنامہ جنگ، لاہور، 16 اپریل 2010ء، اور (ہفت روزہ) ندائے خلافت، لاہور، جلد: 20، شمارہ: 18، 4، 10 مئی 2010ء
9. صائمہ نورین بخاری، ابوالاثر حفیظ جالندھری، روزنامہ نوائے وقت، 13 مئی، 2015
10. قاری محمد طاہر، ڈاکٹر اسرار احمد ایک فعال شخصیت، سہ ماہی حکمت قرآن، لاہور، جلد: 29، شمارہ: 3، جولائی تا ستمبر 2012ء
11. مجلۃ الازہر، شمارہ: 56، جز: 1، مجموعہ: 5
12. مجلۃ الدعوة (المصریۃ) شمارہ: 20، جنوری 1978ء
13. مجلۃ الدعوة (المصریۃ) شمارہ: 22، مارچ: 1978ء
14. محمد اسلم شیخوپوری، اک ڈاکٹر نے ہمیں بھولا ہوا سبق یاد دلادیا، (ہفت روزہ) ندائے خلافت، لاہور، جلد: 20، شمارہ: 18، 4، 10 مئی 2010ء
15. محمد زبیر، حافظ، خادم قرآن: کچھ یادیں، کچھ باتیں، (ماہنامہ) میثاق، جلد: 59، شمارہ: 5، مئی 2010ء
16. محمد شہباز منج، ڈاکٹر، سرسید احمد خان کی تفسیری تجدید پسندی: ایک مطالعہ، ماہنامہ شریعہ، جون 2010ء، جلد: 21، شمارہ: 6
17. محمد عارف خان، پروفیسر، ڈاکٹر محمد رفیع الدین (مرحوم) شخصیت اور فکر ایک جائزہ، ششماہی فکر و نظر، جلد 32، 1994ء
18. محمد عطاء اللہ صدیقی، اک اور شاہ بلوط ٹوٹ گرا، (ماہنامہ) محدث، لاہور، جلد: 42، شمارہ: 5، مئی 2010ء
19. محمد یونس جنجوعہ، پروفیسر، ڈاکٹر اسرار احمد پیکر صدق و وفا، (ماہنامہ) میثاق، جلد: 59، شمارہ: 5، مئی 2010ء
20. مرزا ایوب بیگ، ادارہ، ہفت روزہ ندائے خلافت، 27 اپریل تا 3 مئی، 2010ء
21. ہفت روزہ ندائے خلافت، جلد: 19، شمارہ: 17، 17 اپریل تا 27 اپریل، 2010ء

1. Aaron Milavec, Is God Arbitrary and Sadistic? Anselm's Atonement Theory Reconsidered, SCHOLA, A Pastoral Review of Sacred Heart School of Theology, Volume 4, 1981 AD
2. Adam Mestyan, "Khedive", Encyclopedia of Islam, Three (Leiden: Brill, 2020),
3. Berlin, Isaiah. Karl Marx: His Life and Environment (Oxford University Press, 1963
4. Dr Maurice Bucaille, The Bible, The Quran, And the Science, Translated by: Alaistar D Pannell, Kazi Publications, Lahore
5. Dr David L Blumenthal, Dr Gregory P. Sipes, Transformation of Soul, author house, 2008.
6. Edward Hoffman, The drive for self, Addison-Wesley Pub. Co, Adler, Alfred
7. Eugene Y. C. Ho, Hong Kong, Edward Gibbon, Historian of the Roman Empire, Part I: The Man and His Book
8. Foot, Michael. H. G.: History of Mr. Wells. Doubleday, 1985JACO HAMMAN, The Rod of Discipline: Masochism, Sadism, and the Judeo Christian Religion, Journal of Religion and Health, Vol. 39, No. 4, Winter 2000
9. <https://dalilbook.com/ar/phone/0506921309>
10. https://en.wikipedia.org/wiki/Keith_L._Moore
11. https://en.wikipedia.org/wiki/Maurice_Bucaille
12. <https://www.elbalad.news/1487781>
13. <https://www.sis.gov.eg/section/4748/5057?lang=ar>
14. Noel Sheehy; Alexandra Forsythe, "Sigmund Freud". Fifty Key Thinkers in Psychology, Routledge, second edition (2013).
15. Shagufta Ahmad, Dr Israr Ahmad Political Thought and Activities